

خَبِيرَةُ الْجَنَانِ

فِي

فَهْمِ الْقُرْآنِ

جلد دوم

تأليف

امام اہلسنت حضرت شیخ الحدیث و تفسیر
مولانا محمد سرفراز خان صاحب مدظلہ العالی

ترجمہ

مولانا محبت نواز بلوچ
فائل سے نسخہ منجم کوہ ہند

ناشر

لقرآن اللہ صیر سبر اورین
سیٹھ سٹ مانڈن گوہر انولڈ

خبرۃ الجنان



فہم القلآن

جلد 2 ← حصہ 4، 5، 6

آادات

امام اہلسنت حضرت شیخ الحدیث و التفسیر
مولانا محمد سرفران خان صاحب مدظلہ العالی

نظر ثانی
مولانا علازہم الدمشقی
شیخ الحدیث نصرۃ العلوم کوہاڑو۔

مجمع ترتیب
مولانا محبت نواز بلوچ
فاضل مدرسۃ العلوم کوہاڑو۔

ناشر

لقرآن اللہ میر سبروان
سیٹلاٹ ماڈرن کوہاڑو۔

یا مسمیٰ بنجانیہ کو تعالیٰ
من الی الزاید

ای جیسے اولادی و احبابی و تلامذتی
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
راقم اشتم گنگوڑ میں قرآن کریم و حدیث شریف
کا بنجانی میں جو درس دیتا رہا اس درس
قرآن کریم کا بڑی عمر قریبی کے ساتھ اردو میں ترجمہ
دلانا محمد نواز بلوچ صاحب نے کیا جسکی طباعت
شہار مستطام الحاج میر محمد لقمان اللہ صاحب
نے اور ان کے بھائیوں نے کیا ہے راقم اشتم
طباعت کی حقوق انکو دیتا ہے مانا اگر علی
طور پیر اصلاح کی ضرورت ہے تو راقم اشتم
سے بچے مثلاً عزیزم زاید اور عزیزم قارن لکھنا
تعالیٰ و عزیزہ مشورہ دے سکتے ہیں باقی
سب حقوق طباعت جناب میر صاحب
کو دیدئے ہیں واللہ الموفق

ابو الزاید محمد فرزان عقی عتہ

۱۴۳۳ھ
۲۸ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

روزانه درس قرآن پاک

تَفْسِیْرُ

سُوْرَةُ النِّسَاءِ مَدَنِیَّةٌ

پاره ← لَنْ تَنَالُوْا ، وَالْمُحْصَنٰتُ ، لَا یُحِبُّ اللّٰهُ

⑥

⑤

④

لقمان اللہ میر برادران

ناشر

سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ۔

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب خانہ القرآن
جلد 2 ← حصہ 4، 5، 6

نام کتاب

ام الملت حضرت شیخ الحدیث و تفسیر
مولانا محمد سرفراز خان صاحب مدظلہ العالی

افادات

مولانا محمد نواز طریح
فلسفہ و تفسیر مولانا محمد سرفراز خان صاحب مدظلہ العالی

مرتب

مولانا علاؤ الدین صاحب
شیخ الحدیث و تفسیر مولانا محمد سرفراز خان صاحب مدظلہ العالی

نظر ثانی

محمد خادریٹ، گوجرانوالہ

سرورق

لقمان اللہ میر برادران
سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ۔

طابع و ناشر

0300 - 8741292

فون

0321 - 8741292

قیمت

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران ایسا طبعی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لیے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

فہرست عنوانات

ذخیرۃ الجنتان فی فہم القرآن

(حصہ چہارم)

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۷	مال یتیم میں احتیاط	۹	اہل علم سے گزارش
۳۰	مسئلہ وراثت	۱۳	حقوق کی تقسیم
	سنی رافضی کا وارث نہیں اور نہ ہی سنی رافضی کا	۱۳	نساء کا سنی
۳۱	نکاح ہے	۱۳	تقطع رحمی کا مفہوم مثال سے
۳۷	قرض کی ادائیگی ضروری ہے	۱۵	حقوق کا بیان
۳۸	خاوند، بیوی کی وراثت کا بیان	۱۵	یتیم پر خرچ کا اصول
	اولاد کی موجودگی میں پوتے پوتیوں کو وراثت نہیں	۱۶	یتیم کی دیکھ بھال کرنا عبادت ہے
۳۸	ملتی	۱۶	یتیم لڑکیوں کے حقوق
۳۹	اوتراے کی وراثت کے احکام	۱۷	رافضیوں اور خارجیوں کا غلط نظریہ نکاح
	اولاد مطہع ہو یا عاصی، وراثت سے محروم نہیں	۱۸	لوٹڑی اور غلام کا مفہوم
۴۰	ہو سکتی	۲۰	بے وقوف کے متعلق شرعی احکام
۴۰	منکر وراثت کافر ہے	۲۰	بری صحبت کا اثر
۴۲	زمانہ جاہلیت میں عورت وراثت سے محروم تھی	۲۲	صاحب نصاب کی تعریف
۴۳	شہادت علی الزنا کا ذکر	۲۲	بیوہ عورت اور یتیم لڑکی کو زکوٰۃ دینے کا مسئلہ
۴۵	لواطت کی سزا	۲۴	بہن کا حصہ وراثت معاف کرنا کب معتبر ہے
۴۷	ما قبل سے ربط	۲۵	غیر وارث سے حسن سلوک
۴۹	بیوی کے ساتھ عدل و انصاف کا حکم	۲۶	شہ کا ازالہ کرنا چاہیے

۸۹.....	تحریف معنوی اور لفظی	ذمی کے لیے اسلامی قوانین کی پابندی ضروری
۹۱.....	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر یہودیوں کا اعتراض	۵۲.....
۹۲.....	اس اُمت میں بھی بندر اور خنزیر نہیں گئے	۵۳.....
۹۳.....	شرک سب سے بڑا گناہ اور شرک کی صورتیں	جزواں بہنوں سے متعلق منورودی صاحب کا
۹۵.....	لفظ فہیل، نقیر اور قطمیر کی تشریح	۵۶.....
۹۶.....	غزوہ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی	ماقبل سے ربط
۹۸.....	اہل یورپ کے مسلمانوں پر اعتراضات	۵۸.....
۱۰۱.....	ایچھے اعمال کا صلہ اور قبر کی حقیقت	ملک یمین کا مفہوم
۱۰۲.....	امانت اور جھوٹ	۵۸.....
۱۰۳.....	شان نزول	حق مہر کی مقدار
۱۰۸.....	چوراہے کی زمین پر ناجائز قبضہ کرنے کی سزا	۵۹.....
۱۱۰.....	قتل سے بڑا جرم ہے	روافض کا ایک غلط استدلال
۱۱۳.....	ربط آیات	۶۰.....
۱۱۳.....	حاکم اور حکم میں فرق	زانہ لونڈی کی سزا
۱۱۳.....	ایمان کا معیار	۶۲.....
۱۱۳.....	منکر حدیث کا فر ہے	تہتر فرقے
۱۱۵.....	فہم قرآن فہم حدیث پر موقوف ہے	۶۳.....
۱۱۷.....	روافض کا رد	عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا واقعہ
۱۱۹.....	حفاظت جان کی تاکید	۶۵.....
۱۲۰.....	چند فقہی مسائل	عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی بدعت سے نفرت
۱۲۱.....	قال نکلوانے کا حکم	۶۶.....
۱۲۲.....	فرضیت جہاد کی تفصیل	حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ
۱۲۳.....	جہاد کی اقسام اور ترغیب جہاد	۶۷.....
۱۲۷.....	نماز کا حکم	کبیرہ گناہوں سے احتراز
۱۲۸.....	تاخیر سے نماز پڑھنے کا حکم	۶۸.....
		شان نزول
		۷۰.....
		عقد موالات
		۷۲.....
		مردوں کی عورتوں پر حاکمیت
		۷۳.....
		اعتراف غلطی بہت بڑی خوبی ہے
		۷۶.....
		بخل کی ممانعت
		۷۹.....
		ریا کاری کی مذمت
		۸۰.....
		حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے حق میں گواہی
		۸۳.....
		نماز کے اوقات میں شراب کی ممانعت
		۸۳.....
		تیمم کا طریقہ
		۸۶.....
		اہل کتاب کا تعارف
		۸۷.....

۱۸۳	حاضر ناظر کون	۱۲۸	منافق کی نماز
۱۸۴	ربط آیات	۱۲۹	نمازوں کی قضاء
۱۸۶	حجیت حدیث	۱۳۲	ربط آیات
۱۸۸	خیرات کی فضیلت	۱۳۳	تکفیر ردائض کی وجوہ ثلاثہ
۱۹۰	شرک کی تردید	۱۳۶	اقسام سنت
۱۹۱	شرک کی اقسام اور نظر کا لگ جانا برحق ہے	۱۳۹	ربط آیات
۱۹۳	مشرکین کی بے بسی	۱۴۰	اخبارات خرابیوں کا سبب
	ایک مکھی کی وجہ سے ایک آدمی جنت میں اور ایک	۱۴۱	نصرت خداوندی
	جہنم میں		السلام علیکم کہنے کی فضیلت اور مصافحہ و معانقہ کا
۱۹۵	گیارھویں کی تردید	۱۴۳	شرعی حکم
۱۹۵	ایمان کے ساتھ اچھے اعمال بھی ضروری ہیں	۱۴۶	شان نزول
۱۹۷	زبانی دعوؤں سے جنت نہیں ملتی	۱۵۰	جانوروں اور پرندوں کے حقوق
۲۰۰	نقییر اور فقیل کی وضاحت	۱۵۱	قتل خطا کی مختلف صورتیں اور اس کی دیت
۲۰۲	انسانی حقوق کی رٹ	۱۵۲	شرعی حق مہر اور مہر فاطمی کی وضاحت
۲۰۳	عورتوں کے حقوق	۱۵۳	ذمی کافر کے احکام
۲۰۴	مرد اور عورت کے حصے پر محمدین کا اعتراض	۱۵۸	بدعت کا گناہ
۲۰۴	مرد، عورت کا اختلاط	۱۶۱	مجاہد اور غیر مجاہد میں فرق
۲۰۵	یتیم بچوں کے حقوق	۱۶۴	ایمان کی قدر و قیمت
۲۰۸	لفظ اللہ کی تحقیق	۱۶۴	محمود اور ایاز
۲۰۸	وصیت ضروری ہے	۱۶۸	قصر نماز کا حکم
۲۰۹	حدیث قدسی	۱۷۰	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نمازیں
۲۱۲	گواہی کا ضابطہ	۱۷۳	تسبیحات فاطمی
۲۲۰	حاضر ناظر کون	۱۷۶	نماز اشراق کا ثواب
۲۲۱	جادو کرنا کفر ہے	۱۷۷	جمع صلوٰتین کا مسئلہ
۲۲۳	نماز میں سستی منافقت کی علامت ہے	۱۷۹	چالاک منافق کا واقعہ

۲۴۸..... مومن کے بارے میں خیر کا گمان کرو	۲۲۴..... منافقت کی دیگر علامات
۲۴۸..... ایمان لانے والے یہود کی تعریف	۲۲۵..... کافر اور مومن کی دوستی
۲۵۰..... ما قبل سے ربط	۲۲۵..... جہنم کا سانس
۲۵۱..... علم غیب خاصہ خداوندی ہے	۲۳۰..... غیبت اور گالیوں کا بیان
۲۵۳..... پیغمبروں کی آمد کا مقصد	۲۳۰..... امام زین العابدین <small>رضی اللہ عنہ</small> کی ایک تنگی
۲۵۵..... ما قبل سے ربط	۲۳۱..... یہودیوں اور عیسائیوں کا ذکر
۲۵۵..... کفر کا لفظی معنی	۲۳۳..... یہود کی شرارتیں
۲۵۶..... آیت میں ظلم کا معنی و مفہوم	۲۳۴..... یہود کا قرآن آہستہ آہستہ نازل ہوتے پر اعتراض
۲۵۶..... مزاج کا بگاڑ اور اچھے بڑے کی تمیز	۲۳۵..... یہود کی شقاوت قلبی کی انتہاء
۲۵۸..... عیسیٰ <small>علیہ السلام</small> کے بارے میں یہود و نصاریٰ کا غلو	۲۳۶..... دیدار حق کا بیان
۲۵۹..... عیسائیوں کے تین گروہ	۲۳۸..... یہود کی عہد شکنی اور قتل انبیاء <small>علیہم السلام</small>
۲۵۹..... عقیدہ تثلیث کی حقیقت	۲۴۰..... بہتان عظیم
۲۶۱..... عبدیت بہت بلند مقام ہے	۲۴۱..... حرکت میں برکت ہے
۲۶۲..... ایمان عمل کے بغیر خالی تھے کی طرح ہے	۲۴۲..... حضرت عیسیٰ <small>علیہ السلام</small> کی تقریر
۲۶۳..... لفظ ولی اور نصیر میں فرق	۲۴۲..... یہودیوں کا عیسیٰ <small>علیہ السلام</small> کے قتل کا مطالبہ کرنا
۲۶۳..... وراثت کا ایک اہم مسئلہ	۲۴۳..... نزول عیسیٰ <small>علیہ السلام</small>
۲۶۵..... عورتوں پر ایک سنگین ظلم	۲۴۶..... لفظ یہودی کی وجہ تسمیہ
۲۶۵..... تقسیم وراثت کی مختلف صورتیں	۲۴۶..... پاکیزہ چیزوں کے حرام ہونے کا مطلب
۲۶۶..... حق وراثت نہ دینے والوں کو وعید	۲۴۷..... دور حاضر میں دین سے روکنے کے جدید طریقے



اہل علم سے گزارش

بندۂ ناچیز امام الحدیثین مجدد وقت شیخ الاسلام حضرت العلام مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ کا شاگرد بھی ہے اور مرید بھی۔

اور محترم لقمان اللہ میر صاحب حضرت اقدس کے مخلص مرید اور خاص خدام میں سے ہیں۔ ہم وقتاً فوقتاً حضرت اقدس کی ملاقات کے لیے جایا کرتے۔ خصوصاً جب حضرت شیخ اقدس کو زیادہ تکلیف ہوتی تو علاج معالجہ کے سلسلے کے لیے اکثر جانا ہوتا۔ جانے سے پہلے ٹیلیفون پر رابطہ کر کے اکٹھے ہو جاتے۔ ایک دفعہ جاتے ہوئے میر صاحب نے کہا کہ حضرت نے ویسے تو کافی کتابیں لکھی ہیں اور ہر باطل کا رد کیا ہے مگر قرآن پاک کی تفسیر نہیں لکھی تو کیا حضرت اقدس جو صبح بعد نماز فجر درس قرآن ارشاد فرماتے ہیں وہ کسی نے محفوظ نہیں کیا کہ اسے کیسٹ سے کتابی شکل سے منظر عام پر لایا جائے تاکہ عوام الناس اس سے مستفید ہوں۔ اور اس سلسلے میں جتنے بھی اخراجات ہونگے وہ میں برداشت کروں گا اور میرا مقصد صرف رضائے الہی ہے، شاید یہ میرے اور میرے خاندان کی نجات کا سبب بن جائے۔ یہ فضیلت اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر فرمائی تھی۔

اس سے تقریباً ایک سال قبل میر صاحب کی اہلیہ کو خواب آیا تھا کہ ہم حضرت شیخ اقدس کے گھر گئے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ حضرت کیلوں کے تھلکے لے کر باہر آرہے ہیں۔ میں نے عرض کیا حضرت مجھے دے دیں میں باہر پھینک دیتی ہوں۔ حضرت نے وہ مجھے دے دیے اور میں نے باہر پھینک دیے۔

چوں کہ حضرت خواب کی تعبیر کے بھی امام ہیں۔ میں نے مذکورہ بالا خواب حضرت سے بیان کیا اور تعبیر پوچھنے پر حضرت نے فرمایا کہ میرا یہ جو علمی فیض ہے اس سے تم بھی فائدہ حاصل کرو گے۔ چنانچہ وہ خواب کی تعبیر تفسیر قرآن ”ذخیرۃ البھمان“ کی شکل میں سامنے آئی۔

میر صاحب کے سوال کے جواب میں میں نے کہا اس سلسلے میں مجھے کچھ معلوم نہیں حضرت اقدس سے پوچھ لیتے ہیں۔ چنانچہ جب لکھنؤ حضرت کے پاس پہنچ کر بات ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ درس دو تین مرتبہ ریکارڈ ہو چکا ہے اور محمد سرور منہاس کے پاس موجود ہے ان سے رابطہ کر لیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ لکھنؤ والوں کے اصرار پر میں یہ درس قرآن پنجابی زبان میں دیتا رہا ہوں اس کو اردو زبان میں منتقل کرنا انتہائی مشکل اور اہم مسئلہ ہے۔

اس سے دو دن پہلے میرے پاس میرا ایک شاگرد آیا تھا اس نے مجھے کہا کہ میں ملازمت کرتا ہوں تنخواہ سے اخراجات

پورے نہیں ہو پاتے، دوران گفتگو اس نے یہ بھی کہا کہ میں نے ایم۔ اے پنجابی بھی کیا ہے۔ اس کی یہ بات مجھے اس وقت یاد آگئی۔ میں نے حضرت سے عرض کی کہ میرا ایک شاگرد ہے اس نے پنجابی میں ایم۔ اے کیا ہے اور کام کی تلاش میں ہے، میں اس سے بات کرتا ہوں۔

حضرت نے فرمایا اگر ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔ ہم حضرت کے پاس سے اٹھ کر محمد سرور منہاس صاحب کے پاس گئے اور ان کے سامنے اپنی خواہش رکھی انھوں نے کمیشن دینے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ کچھ کمیشنیں ریکارڈ کرانے کے بعد اپنے شاگرد ایم۔ اے پنجابی کو بلایا اور اس کے سامنے یہ کام رکھا اُس نے کہا کہ میں یہ کام کر دوں گا، میں نے اسے تجرباتی طور پر ایک عدد کیسٹ دی کہ یہ لکھ کر لاؤ پھر بات کریں گے۔ دینی علوم سے ناواقفی اس کے لیے سہ راہ بن گئی۔ وہ قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور عربی عبارت سمجھنے سے قاصر تھا۔ تو میں نے فیصلہ کیا کہ یہ کام خود ہی کرنے کا ہے میں نے خود ایک کیسٹ سنی اور اردو میں منتقل کر کے حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کی۔ حضرت نے اس میں مختلف مقابلات میں سے پڑھ کر اظہارِ اطمینان فرمایا۔ اس اجازت پر پوری تن دہی سے متوکل علی اللہ ہو کر کام شروع کر دیا۔

میں بنیادی طور پر دنیاوی تعلیم کے لحاظ سے صرف پرائمری پاس ہوں، باقی سارا فیض علمائے ربانیین سے دورانِ تعلیم حاصل ہوا۔ اور میں اصل رہائشی بھی جھنگ کا ہوں وہاں کی پنجابی اور لاہور، گوجرانوالا کی پنجابی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ لہذا جہاں دشواری ہوتی وہاں حضرت مولانا سعید احمد صاحب جلاپوری شہیدؒ سے رجوع کرنا یا زیادہ ہی الجھن پیدا ہو جاتی تو براہ راست حضرت شیخؒ سے رابطہ کر کے تشفی کر لیتا لیکن حضرت کی وفات اور مولانا جلاپوریؒ کی شہادت کے بعد اب کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آتا جس کی طرف رجوع کروں۔ اب اگر کہیں محاورہ یا مشکل الفاظ پیش آئیں تو پروفیسر ڈاکٹر اعجاز سندھو صاحب سے رابطہ کر کے تسلی کر لیتا ہوں۔

اہل علم حضرات سے التماس ہے کہ اس بات کو بھی مد نظر رکھیں کہ یہ چونکہ عمومی درس ہوتا تھا اور یادداشت کی بنیاد پر مختلف روایات کا ذکر کیا جاتا تھا اس لیے ضروری نہیں ہے کہ جو روایت جس کتاب کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے وہ پوری روایت اسی کتاب میں موجود ہو۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ روایت کا ایک حصہ ایک کتاب میں ہوتا ہے جس کا حوالہ دیا گیا ہے مگر باقی تفصیلات دوسری کتاب کی روایت بلکہ مختلف روایات میں ہوتی ہیں۔ جیسا کہ حدیث نبویؐ کے اساتذہ اور طلبہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اس لیے ان دروس میں بیان کی جانے والی روایات کا حوالہ تلاش کرتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھا جائے۔

علاوہ ازیں کیسٹ سے تحریر کرنے سے لے کر مسودہ کے زیور طباعت سے آراستہ ہونے تک کے تمام مراحل میں اس مسودہ کو انتہائی ذمہ داری کے ساتھ میں بذاتِ خود اور دیگر تعاون کرنے والے احباب مطالعہ اور پروف ریڈنگ کے دوران غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہیں اور حتی المقدور اغلاط کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کمپوزنگ اور اغلاط کی نشاندہی کے بعد میں

ذخیرۃ الجہان فی فہم القرآن : حصہ ④

اہل علم سے گزارش

ایک مرتبہ دوبارہ مسودہ کو چیک کرتا ہوں جب جا کر انتہائی غرق ریزی کے بعد مسودہ اشاعت کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ لیکن بائیں ہمہ سارے انسان ہیں اور انسان نسیان اور خطا سے مرکب ہے غلطیاں ممکن ہیں۔ لہذا اہل علم سے گزارش ہے کہ تمام خامیوں اور کمزوریوں کی نسبت صرف میری طرف ہی کی جائے اور ان غلطیوں سے مطلع اور آگاہ کیا جائے تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح ہو سکے۔

العارض

محمد نواز بلوچ

قاری تحصیل مدرسہ نصرۃ العلوم و فاضل وفاق المدارس العربیہ، ملتان



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ

كَأَنَّكَ صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ

إِنَّكَ لَمِنَ الْمُبْتَغِي

اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ

كَأَنَّكَ بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ

إِنَّكَ لَمِنَ الْمُبْتَغِي

سُورَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّةٌ

آیتھا ۱۷۶

۴

۹۲

رُكُوعَاتُهَا ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ﴾ اے انسانو! ﴿اتَّقُوا﴾ ڈرو ﴿رَبَّكُمْ﴾ اپنے رب سے ﴿الَّذِي﴾ وہ رب ﴿خَلَقَكُمْ﴾ جس نے تمہیں پیدا کیا ہے ﴿مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ﴾ ایک نفس سے ﴿وَخَلَقَ مِنْهَا﴾ اور پیدا کیا اس نے اس نفس سے ﴿ذَوْجَهَا﴾ اس کا جوڑا ﴿وَبَثَّ مِنْهُمَا﴾ اور بکھیرے ان دونوں سے ﴿بِهَا جَالًا كَثِيرًا﴾ بہت سارے مرد ﴿وَنِسَاءً﴾ اور عورتیں ﴿وَآتَقُوا اللَّهَ﴾ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے ﴿الَّذِي﴾ وہ ﴿سَاءَ لُونُ بِهِ﴾ کہ تم سوال کرتے ہو اس کے نام پر ﴿وَالْأَنْحَامَ﴾ اور قربت داری سے ﴿إِنَّ اللَّهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿عَلَيْكُمْ مَرْقِبًا﴾ تم پر نگران ﴿وَأَتُوا الْيَتَامَى﴾ اور دو یتیموں کو ﴿أَمْوَالَهُمْ﴾ ان کے مال ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا﴾ اور نہ تبدیل کرو ﴿الْبُيُوتَ﴾ ردی مال کو ﴿بِالطَّيِّبِ﴾ عمدہ مال کے بدلے ﴿وَلَا تَأْكُلُوا﴾ اور نہ کھاؤ ﴿أَمْوَالَهُمْ﴾ ان کے مال ﴿إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ﴾ اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر ﴿إِنَّهُ﴾ بے شک یہ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿حُوبًا﴾ گناہ ﴿كَبِيرًا﴾ بڑا ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ﴾ اور اگر تم خوف کرو ﴿أَلَّا تَقْسِطُوا﴾ یہ کہ تم نہیں انصاف کر سکو گے ﴿فِي الْيَتَامَى﴾ یتیم عورتوں کے ساتھ ﴿فَأَنْكِحُوا﴾ پس تم نکاح کرو ﴿مَا طَابَ لَكُمْ﴾ جو تمہیں پسند آئیں ﴿مِنْ النِّسَاءِ﴾ عورتوں سے ﴿مَشْرَىٰ﴾ دو ﴿وَوَلْتٌ﴾ اور تین ﴿وَمَرْبَعٌ﴾ اور چار ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ﴾ پس اگر تم خوف کرو ﴿أَلَّا تَعْدِلُوا﴾ یہ کہ تم عدل نہیں کر سکو گے ﴿فَوَاحِدَةٌ﴾ پس ایک ہی عورت کافی ہے ﴿أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ یا وہ جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہیں ﴿ذَلِكَ أَدْنَىٰ﴾ یہ زیادہ قریب ہے ﴿أَلَّا تَعُولُوا﴾ کہ تم مائل نہ ہو جاؤ کسی ایک کی طرف ﴿وَأَتُوا النِّسَاءَ﴾ اور دو تم عورتوں کو ﴿صَدُوقَاتٍ﴾ ان کے مہر ﴿بِنُحْلَةٍ﴾ خوشی کے ساتھ ﴿فَإِنْ طِبَّنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ عَوْنُهُ﴾ پس اگر وہ خوش کر لیں تمہارے لیے اس مہر میں سے کسی شے سے ﴿نَفْسًا﴾ اپنے نفس کو ﴿فَكُلُّوهُ﴾ پس تم کھاؤ اس کو ﴿هَنِيئًا﴾ مزیدار ﴿مَرْبِيًّا﴾ خوش گوار۔

حقوق کی تقسیم

اس سے پہلی سورت میں معاملہ تھا اغیار کے ساتھ یعنی یہود و نصاریٰ اور مشرکین وغیرہ کو تبلیغ و اصلاح کی دعوت اور ان کے ساتھ جہاد کا۔ اور اس سورت میں معاملہ ہے انہوں کے ساتھ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مبعوث ہوئے اس وقت عورتوں اور

چھوٹے بچوں کی بڑی حق تلفی ہوتی تھی۔ عورتوں کو جائیداد سے محروم کر دیا جاتا تھا اور چھوٹے بچوں کو بھی کچھ نہیں ملتا تھا، ان کا خود ساختہ قانون تھا کہ وراثت وہ لے سکتا ہے جو لڑ سکتا ہو عورتوں اور بچوں نے کیا لڑنا ہے؟ لہذا ان کو جائیداد سے محروم رکھتے تھے۔ حالانکہ اگر ان کی منطق کو سامنے رکھا جائے تو اس طرح کہنا زیادہ مناسب تھا کہ جو لڑ کر کما سکتے ہیں ان کو نہ دو اور جو لڑ کر نہیں کما سکتے ان کو دو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس سورت میں حقوق کو بیان فرمایا ہے۔

نساء کا معنی

اس سورت کا نام سورۃ النساء ہے اور نساء، امرؤۃ کی جمع ہے، اگرچہ بظاہر جمع اور مفرد میں مناسبت نظر نہیں آتی لیکن ہر فن میں کچھ باتیں ہوتی ہیں جو فن والے ہی سمجھتے ہیں۔ امرؤۃ کا معنی عورت اور نساء کے معنی ہیں عورتیں۔ تو سورۃ النساء کا مفہوم بنے گا کہ یہ وہ سورت ہے جس میں رب تعالیٰ نے عورتوں کے حقوق بیان فرمائے ہیں۔ یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی، اس سے پہلے اکاون [۵۱] سورتیں نازل ہو چکی تھیں، نزول کے اعتبار سے اس سورت کا باون [۵۲] نمبر ہے۔ اس سورت کے چوبیس [۲۴] رکوع اور ایک سو چھتر [۱۷۶] آیات ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ﴾ اے انسانو! ﴿اتَّقُوا رَبَّكُمُ﴾ ڈرو اپنے رب سے ﴿الَّذِي خَلَقَكُمْ﴾ وہ رب جس نے تمہیں پیدا کیا ہے ﴿مِنْ نَفْسٍ وَآجِدَةٍ﴾ ایک ہی نفس سے اور وہ نفس تھے حضرت آدم علیہ السلام یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں آدم علیہ السلام سے پیدا فرمایا ہے ﴿وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ اور پیدا فرمایا اس نے اس نفس سے اس کا جوڑا۔ احادیث اور تفسیروں میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے اماں حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا ﴿وَبَنَّا مِنْهُمَا بَنَاتٍ كَثِيرًا وَنِسَاءً﴾ اور پھیلا دیئے ان دونوں سے مرد بہت سارے اور عورتیں۔ آج دنیا انسانوں سے بھری ہوئی ہے، جس ملک میں جاؤ پاؤں رکھنے کی جگہ نہیں ملے گی۔ سب کی اصل حضرت آدم اور حوا علیہما السلام ہیں۔

قطع رحمی کا مفہوم مثال سے

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَنْحَاءَ﴾ اور ڈرو تم اللہ تعالیٰ سے وہ کہ تم سوال کرتے ہو اس کے نام پر اور قربت داری سے۔ یعنی اس اللہ سے ڈرو، جس کا نام لے کر تم سوال کرتے ہو اور کہتے ہو کہ: رب کے واسطے مجھے دے اور رب کے واسطے مجھے معاف کر دے۔ کیا تم نے رب تعالیٰ کو صرف مانگنے کے لیے رکھا ہوا ہے؟ نہیں، بلکہ اس سے ڈرو اور اس کے احکام کی پابندی کرو اور قطع رحمی سے ڈرو۔ یعنی اپنے عزیزوں، رشتہ داروں سے بغیر کسی شرعی وجہ کے قطع رحمی نہ کرو۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ: جن چیزوں کا دنیا میں فوری طور پر بدلہ ملتا ہے ان میں قطع رحمی بھی ہے۔ قطع رحمی اگر شرعی وجہ سے ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ مثال کے طور پر شادی کے موقع پر اگر کوئی ڈھول بجاتا ہے، باجے، شریاں، پٹاخے چھوڑتا ہے، ٹھاہ، واہ کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میں نہیں آؤں گا، شادی میں شریک نہیں ہوں گا تو اس قطع رحمی پر ثواب ملے گا اور گناہ نہیں ہوگا،

کیوں کہ ڈھول باجے، ٹھاہ واہ شریعت کے خلاف ہیں۔ کوئی بھی دینی بات ہو اگر وہ نہیں مانتے تو تم ان کی کوئی پروا نہ کرو۔ اور دنیاوی معاملات میں قطع رحمی بڑا گناہ ہے، اسی کا بدلہ دنیا میں بھی ملتا ہے اور آخرت میں بھی ملتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص رحم کرتا ہے، اس کی عمر لمبی ہوگی، عمر میں برکت ہوگی۔ دوسرا یہ کہ لوگ اس کو اچھے نام سے یاد کریں گے ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ قَلْبَكُمْ مَرْقِبًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے، وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے، جو کچھ تم کرتے ہو، ظاہر یا پوشیدہ، ہر چیز اس کے علم میں ہے۔

حقوق کا بیان

آگے حقوق کا بیان ہے۔ نزول قرآن کے زمانہ میں یتیموں کے ساتھ بڑی زیادتی ہوتی تھی۔ وہ اس طرح کہ مثلاً: ایک آدمی فوت ہو گیا اور اس کے بچے چھوٹے ہیں تو ان کا نگران بچا یا تیا بنتا، بچے چھوٹے تھے اور چھوٹے بچوں کو اتنی سوجھ بوجھ نہیں ہوتی، تو یہ نگران اس طرح کرتا کہ ان کے سامان میں سے عمدہ چیزیں اٹھا لیتا اور نگ پورے کرنے کے لیے ردی چیزیں وہاں رکھ دیتا۔ مثلاً: اچھے اچھے پلنگ خود لیتا، اپنے گھر کے پرانے اور ردی ان کے کھاتے میں ڈال دیتا۔ اچھے اچھے بستر خود اٹھا لیتا اور ردی وہاں رکھ دیتا۔ اچھی چیزیں، کرسیاں اٹھا لیتا اور کمزور (پرانی) ان کے سامان میں رکھ دیتا اور یہ اس معاشرے کا مزاج بن گیا تھا، الا ماشاء اللہ، حالانکہ یہ جائز نہیں تھا۔ یتیموں کا جو مال ہے وہ ان کا ہے، چاہے کھرا ہے یا کھوٹا ہے۔ وہ تمہارے پاس امانت ہے، جب وہ بالغ ہو جائیں اور انہیں سوجھ بوجھ آجائے تو ان کے حوالے کر دو۔

یتیم پر خرچ کا اصول

ارشادِ ربانی ہے ﴿وَأَتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ﴾ اور دو یتیموں کو ان کا مال ﴿وَلَا تَبْتَلُوهُنَّ بِأَمْوَالِكُمْ﴾ اور نہ تبدیل کر دو ردی مال کو عمدہ مال کے ساتھ۔ کہ تم اپنا ردی مال ان کے کھاتے میں ڈال دو اور ان کا عمدہ مال خود لے لو، ایسا مت کرو اور اس طرح بھی نہ کرو ﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ﴾ اور نہ کھاؤ تم ان کے مال اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر۔ اب ظاہر بات ہے کہ بچے چھوٹے ہیں اور فرض کرو کہ ان کی ماں بھی فوت ہو گئی ہے اور ایسے واقعات بھی ہوتے ہیں تو ان کا کھانا پکانا بھی چاہے تائے نے کرنا ہوتا تھا۔ تو وہ اس طرح کرتے تھے کہ اپنا خرچہ برائے نام شامل کرتے اور زیادہ یتیموں کا مال ڈال کر کھا جاتے اور لوگوں کو یہ بتاتے کہ ہم ان کے لیے پکا رہے ہیں اور وہ کھا رہے ہیں، حالانکہ اس طریقے سے کھا خود جاتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے سے منع فرمادیا۔

اور علیحدہ علیحدہ ہانڈیوں کے تیار کرنے میں بھی خاص دقت اور پریشانی پیش آتی ہے کہ اپنا کھانا الگ تیار ہو اور یتیموں کا الگ تیار ہو، پھر گھر میں بے سمجھ بچے بھی ہوتے ہیں، وہ ان کا سالن کھا جائیں اور وہ ان کا سالن کھا جائیں، یہ بڑی تکلیف دہ صورت ہوتی ہے۔ تو اس کے لیے شریعت نے دوسرے پارے میں اصول بیان فرمایا کہ ﴿وَأِنْ شِئْتُمْ لَكُمْ﴾ اور اگر تم کھانے پینے میں اس کو ساتھ ملاو ﴿فَاعْزَمُوا لَكُمْ﴾ تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔ یعنی رب کی طرف سے تمہیں اجازت ہے۔ وہ اس طرح کہ

مثال کے طور پر یتیم بچہ آٹھ سال کا ہے تو اس کے آٹے میں سے اتنا آٹا تم لے لو کہ جتنا تم اپنے آٹھ سالہ بچے کے لیے آٹا استعمال کرتے ہو اور اس بچے کے لیے سالن کا جتنا خرچہ کرتے ہو، یتیم کے مال میں سے اتنا خرچہ لے لو۔ پھر اس میں جو کمی بیشی ہوگی وہ تمہیں اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں گے۔ ((إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ)) اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔ نیت تمہاری یتیم کے مال کو کھانے کی نہ ہو ﴿وَاللَّهُ يَعْلَمُ النَّفْسَ الْفَاسِدَةَ مِنَ الْمُصْلِحِ﴾ اور اللہ تعالیٰ خرابی کرنے والے کو اور اصلاح کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ ان کا آٹا تم اپنے آٹے میں ریانت داری کے ساتھ ڈالو، جتنا حق بننا ہے اور سالن پکانا ہے تو بھی ان کا حصہ دیانت داری کے ساتھ ڈالو۔ تھوڑی بہت کی بیشی اللہ تعالیٰ معاف فرمائے گا۔

یتیم کی دیکھ بھال کرنا عبادت ہے ؟

ان کے کپڑوں کا حساب الگ رکھو، علاج معالجے کا حساب الگ رکھو، ان کے تعلیمی اخراجات کا حساب الگ رکھو اور آگے ذکر آئے گا کہ گواہ بھی بنالو، یعنی یتیموں کے مال کا۔ جب نگران بنو تو ان کے مال کی فہرست بناؤ کہ یہ ان کا سامان ہے اور اس پر کم از کم دو آدمیوں کو گواہ بناؤ، پھر جب وہ بالغ ہو جائیں تو ان کے مال ان کے سپرد کرو، مگر گواہوں کے سامنے اور جو اخراجات ہوئے ہیں، ان کا بھی حساب کر لو اور یہ سب کچھ عبادت سمجھ کے کرو۔

یتیموں کی نگرانی کرنا اور ان کے مال کی حفاظت کرنے کا ثواب نقلی نماز اور نقلی روزوں سے زیادہ ہے اور یہ سب کچھ دیانت داری کے ساتھ ہو، تاکہ تم پر کسی قسم کا حرف نہ آئے۔ اور یتیموں کا مال کھانا ﴿إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَيْدِيًّا﴾ بے شک یہ ہے بڑا گناہ۔ کیوں کہ یتیم کا مال کھانے والے نے اللہ تعالیٰ کا حق بھی توڑا اور بندے کا حق بھی توڑا۔ اور بندے کا حق معاف نہیں ہوتا، چاہے کروڑ مرتبہ بھی توبہ کر لے، جب تک صاحب حق معاف نہیں کرے گا، معافی نہیں ہوگی۔

یتیم لڑکیوں کے حقوق ؟

یتیموں کے مالی حقوق کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے یتیم لڑکیوں کے حقوق کو بیان فرمایا ہے۔ نزول قرآن کریم کے وقت یتیم لڑکیوں کے ساتھ بھی بڑی زیادتی ہوتی تھی۔ وہ اس طرح کہ مثلاً: چچا یا نوت ہو گیا اور اس کی لڑکیاں بھی ہیں اور یہ سرپرست ہوتا اور خود چچے یا تائے کی لڑکی کے ساتھ نکاح کر لیتا اور حق مہر بھی پورا نہ دیتا کہ میں سرپرست ہوں، مجھے کون پوچھنے والا ہے۔ اور دوسرے حقوق مثلاً: لباس، خوراک وغیرہ، وغیرہ بھی پورے نہ کرتا کہ مجھ سے کس نے باز پرس کرنی ہے۔ وہ میرے چچے، تائے یا پھوپھی کی لڑکی ہے، ماموں کی لڑکی ہے اور میں خود سرپرست ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اس طرح نہ کرو، بلکہ اگر تم نے ان کے ساتھ شادی کرنی ہے تو ان کو حق مہر بھی پورا دو اور جو دوسرے حقوق ہیں، مثلاً: لباس، خوراک وغیرہ کے وہ بھی دستور کے مطابق مہیا کرو، جتنا کہ دوسرے لوگ دیتے ہیں۔ اور یتیم لڑکیوں پر ظلم نہ کرو۔

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ﴾ اور اگر خوف کرو ﴿أَلَّا تَقْسُطُوا فِي الْيَتَامَى﴾ یہ کہ تم انصاف نہیں کر سکو گے یتیم عورتوں کے ساتھ (تو

ان کے ساتھ نکاح نہ کرو ﴿فَاِنَّكُمْ مَّا طَابَ لَكُمْ مِنْ النِّسَاءِ﴾ پس تم نکاح کرو جو تمہیں پسند آئیں عورتوں سے ﴿مَثْقٰی﴾ دو ﴿وَلِثَلَاثٍ﴾ یا تین ﴿وَرُبَّامٍ﴾ یا چار۔ یاد رکھنا! اُمت میں سے کسی شخص کو بیک وقت چار عورتوں سے زیادہ کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیت تھی کہ بیک وقت آپ ﷺ کی چار سے زیادہ بیویاں تھیں۔ اس میں اُمت آپ ﷺ کی پیروی نہیں کر سکتی، کیوں کہ یہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی۔

رافضیوں اور خارجیوں کا غلط نظریہ نکاح

رافضی اور خارجی کہتے ہیں کہ ایک آدمی بیک وقت اٹھارہ بیویاں رکھ سکتا ہے، حالانکہ یہ جائز نہیں۔ اور وہ مغالطہ اس طرح دیتے ہیں کہ دیکھو! ﴿مَثْقٰی﴾ کے معنی ہیں دو دو، تو چار ہو گئیں اور ﴿ثَلَاثٍ﴾ کے معنی ہیں تین تین، تو چھ ہو گئیں اور چھ اور ﴿رُبَّامٍ﴾ کے معنی ہیں چار چار تو آٹھ ہو گئیں اور دس اور آٹھ اٹھارہ ہو گئیں۔ لہذا ایک آدمی کے لیے بیک وقت اٹھارہ بیویاں جائز ہیں۔ جب کہ امام علی بن حسین رضی اللہ عنہما جن کو زین العابدین کہتے ہیں اور یہ اہل تشیع کے چوتھے امام ہیں اور ترتیب اس طرح ہے: پہلے امام حضرت علی رضی اللہ عنہ، دوسرے امام حضرت حسن رضی اللہ عنہ، تیسرے امام حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور چوتھے امام زین العابدین رضی اللہ عنہ۔ تو اس چوتھے امام سے اس آیت کریمہ کی تفسیر بخاری شریف میں اس طرح منقول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ﴿مَثْقٰی﴾ سے دو دوسرا نہیں ہے، بلکہ صرف دو مراد ہے اور یہاں واو کے معنی اُو کے ہیں اور مطلب یہ ہوگا کہ دو کرو یا تین کرو یا چار کرو تو چار سے زیادہ کی شریعت نے اجازت نہیں دی۔

آنحضرت ﷺ کے پاس دو شخص آئے تھے، ایک تھے حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ۔ کہنے لگے: حضرت! میرے نکاح میں دس عورتیں ہیں، مجھے بتائیں میرے لیے کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تجھے چار رکھنے کی اجازت ہے، اس سے زیادہ کی اجازت نہیں ہے۔ چوں کہ وہ اسلام قبول کر چکے تھے لہذا انہوں نے چار سے زیادہ کو الگ کر دیا۔ دوسرے شخص نے کہا: حضرت! میرے نکاح میں دو سگی بہنیں ہیں، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: قرآن پاک میں آتا ہے ﴿وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ﴾ ”اور دو بہنوں کا اکٹھا کرنا بھی حرام ہے۔“ یعنی بیک وقت کسی کے نکاح میں دو حقیقی بہنیں نہیں رہ سکتیں، ہاں! اگر ایک فوت ہو جائے اور اس کے بعد دوسری سے نکاح کر لے تو وہ الگ بات ہے۔

﴿فَاِنْ خِفْتُمْ﴾ پس اگر تم خوف کرو ﴿اَلَا تَعْدِلُوْا﴾ یہ کہ تم ایک سے زیادہ عورتوں میں عدل نہیں کر سکو گے ﴿فَوَاَحِدَةً﴾ پس ایک ہی عورت کافی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دو یا تین یا چار کے ساتھ نکاح کی اجازت مشروط ہے عدل کے ساتھ، اگر عدل نہیں کر سکتے تو پھر ایک پر ہی گزارا کرو ﴿اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ یا وہ جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہیں۔ یعنی اگر تم ایک آزاد عورت کے حقوق بھی پورا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تو پھر لونڈی پر گزارا کرو۔

لونڈی اور غلام کا مفہوم

لونڈی اور غلام کا مفہوم سمجھ لیں۔ شرعی جہاد ہو اور اس میں اللہ تعالیٰ فتح نصیب فرمائیں تو اس میں کافروں کے مرد، عورتیں اور بچے گرفتار ہوں گے، ان کے متعلق تفصیل ہے۔ نمبر ایک: قیدیوں کا قیدیوں کے ساتھ تبادلہ کر لیا جائے۔ کیونکہ ظاہر بات ہے کہ جب لڑائی ہوگی تو تمہارے آدمی بھی تو ان کے پاس قید ہوں گے، تو قیدیوں کے آپس میں تبادلے کی بھی اجازت ہے۔ دوسری صورت: چھبیسواں پارہ سورہ محمد میں ہے ﴿فَاَمَّا مِمَّا بَعْدَ وَرَاقًا فَاِنَّ آءِ﴾ ”پس یا تو احسان کر کے چھوڑ دینا چاہیے یا کچھ مال لے کر۔“ یعنی شرعاً تمہیں اس بات کی بھی اجازت ہے کہ مفت میں تم ان قیدیوں کو چھوڑ دو، کوئی معاوضہ نہ لو اور اس چیز کی بھی تمہیں اجازت ہے کہ فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دو، کیوں کہ ان کو تم نے کچھ دن رکھا ہے، ان پر تمہارا خرچہ ہوا ہے۔ اور اگر تم اس طرح بھی نہیں کرتے تو آخری صورت یہ ہے کہ تم ان کو غلام بنا لو، لونڈیاں بنا لو اور یہ غلام اور لونڈیاں امیر لشکر کسی کے سپرد کرے تو دائیں ہاتھ سے قیدی کا ہاتھ پکڑ کر جن کو دینا چاہے گا، اس کے دائیں ہاتھ میں پکڑائے گا اور کہے گا کہ یہ تیری ملک ہے اور اسی وجہ سے اس کو ملک یمین کہتے ہیں اور یہی مطلب ہے ﴿اَوْ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ یا وہ جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہیں۔

اور مسئلہ یہ ہے کہ کسی کو کوئی چیز دو تو دائیں ہاتھ سے دو، کھانا پودا نہیں ہاتھ سے، استیفاء کرو بائیں ہاتھ سے، ناک صاف کرو بائیں ہاتھ سے۔ تو امیر لشکر جب کسی کے سپرد کر دے گا تو پھر اس کا سارا خرچہ اس کے ذمہ ہوگا، یہ قیدی کے سپرد کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ ورنہ اگر وہ ہاتھ نہ بھی لگائے صرف زبان سے کہہ دے کہ اتنے آدمی تیرے غلام ہیں تو وہ اس کے غلام ہوں گے۔ ان میں جو عورتیں ہوں گی، ان کے متعلق تفصیل ہے: اگر وہ اہل کتاب یعنی یہودی یا نصرانی ہیں تو مالک ان کے ساتھ ہم بستری بھی کر سکتا ہے۔ اگر وہ اہل کتاب میں سے نہیں ہیں اور وہ مسلمان ہونے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں تو پھر ان کے ساتھ خاوند بیوی والا معاملہ درست نہیں ہے، وہ صرف اس کی ملک ہوں گی۔ جیسے کوئی گدھی یا چھری خرید لے تو وہ اس کا مالک ہوگا مگر اس کے ساتھ جماع تو نہیں کر سکتا۔ لونڈی کے ساتھ جماع کے لیے دو شرطیں ہیں: یا وہ اہل کتاب میں سے ہوں یا وہ مسلمان ہو جائیں۔ اور اس وقت ہمارے علم میں نہیں ہے کہ کہیں کوئی شرعی لونڈی ہو۔ یہ جو غنڈے قسم کے لوگ عورتوں اور بچوں کو پکڑ کر بیچ آتے ہیں، یہ شرعی غلام نہیں بن سکتے اور یہ بڑا سنگین مسئلہ ہے۔ تعزیری طور پر اغواء کنندگان کی سزا موت ہونی چاہیے، تاکہ آئندہ کسی کو ایسی جرأت نہ ہو اور فقہ اسلامی بھی اس کی تائید کرے گی۔

تو یہ جو مسئلہ بیان ہوا ہے کہ اگر تم زیادہ عورتوں کے ساتھ انصاف قائم نہیں کر سکتے تو پھر ایک ہی کافی ہے یا لونڈی پر گزارا کرو ﴿ذٰلِكَ اَدْنٰی اَلَاتِعٰلُوْنَا﴾ یہ زیادہ قریب ہے کہ تم مالک نہ ہو کسی ایک کی طرف ﴿وَ اَتُوْنَا النِّسَاءَ صٰدِقَاتٍ مِّنْ بَيْنِ نَحْلَةٍ﴾ اور دو تم عورتوں کو ان کے مہر خوشی کے ساتھ۔ جو مہر تم نے مقرر کیا ہے، وہ تمہارے ذمہ ہے، دینا پڑے گا ﴿فَاِنْ طَلَبْنَ لَكُمْ مِّنْ شَيْءٍ مِّنْهُ فَاِنَّكُمْ لَعَلَّيْكُمْ تٰمِنُوْنَ﴾ پس اگر وہ عورتیں خوش کر لیں اپنے نفس کو تمہارے لیے مہر میں سے کسی شے پر۔ یعنی مہر سے، یا اس کے کچھ حصہ سے

دستبردار ہو جائیں ﴿فَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ﴾ اور نہ دو تم بے وقوفوں کو ﴿أَمْوَالِكُمْ﴾ اپنے مال ﴿الَّتِي﴾ وہ مال ﴿جَعَلَ اللَّهُ﴾ کہ بنایا

﴿هَنِيئًا﴾ کا معنی ہے: رچنا۔ ﴿مَرِيئًا﴾ کا معنی ہے: پچتا۔ جیسے: اچھی چیزوں کو انسان کھاتا ہے تو کھاتے وقت بھی مزہ آتا ہے اور بعد میں بد ہضمی بھی نہیں ہوتی۔ یعنی جو چیز تمہیں معاف کر دی گئی ہے وہ مزید اڑھنے سے کھاؤ اور بعد میں بد ہضمی بھی نہیں ہوگی، لیکن بیوی کی رضا کے ساتھ۔ ایسا نہیں کہ سر پر ڈنڈا رکھ کر معاف کراؤ تو یہ عند اللہ معاف نہیں ہوگا، قیامت والے دن پکڑ ہوگی۔ خوشی اور رضامندی سے معاف کرے اور اس میں بھی اس کی مرضی ہے، سارا معاف کر دے، آدھا معاف کر دے، کچھ حصہ معاف کر دے، جتنا وہ چاہے، کیوں کہ مہر کی وہ مالک ہے۔



﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ﴾ اور نہ دو تم بے وقوفوں کو ﴿أَمْوَالِكُمْ﴾ اپنے مال ﴿الَّتِي﴾ وہ مال ﴿جَعَلَ اللَّهُ﴾ کہ بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے ﴿لَكُمْ﴾ تمہارے واسطے ﴿قِنِيًا﴾ قائم رہنے کا ذریعہ ﴿وَأَنْزَلُوهُمْ فِيهَا﴾ اور ان کو کھلاتے پلاتے رہو ان مالوں سے ﴿وَاسْتَوْهَمُوا﴾ اور ان کو لباس پہناتے رہو ﴿وَقُولُوا لَهُمْ﴾ اور کہو ان کو ﴿قَوْلًا مَّعْرُوفًا﴾ بات بھلی ﴿وَابْتَغُوا الْيُسْرَى﴾ اور امتحان لو تم یتیموں کا ﴿حَقِّي﴾ یہاں تک کہ ﴿إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ﴾ جب وہ پہنچ جائیں نکاح کی مدت کو ﴿فَإِنْ أَنْسْتُمْ﴾ پس اگر تم محسوس کرو ﴿وَمَنْهُمْ مُنْشَدًا﴾ ان سے رشتہ بھلائی اور سمجھ ﴿فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ﴾ پس تم ان کو دے دو ﴿أَمْوَالَهُمْ﴾ ان کے مال ﴿وَلَا تَأْكُلُوا حَتَّى﴾ اور نہ کھاؤ تم ان یتیموں کے مالوں کو ﴿إِسْرَافًا﴾ حد سے بڑھتے ہوئے ﴿وَيَدَّارًا﴾ اور جلدی کرتے ہوئے ﴿أَنْ يَكْبَرُوا﴾ یہ کہ وہ بڑے ہو جائیں گے ﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا﴾ اور جو شخص غنی ہو ﴿فَلْيَسْتَعْفِفْ﴾ پس چاہیے کہ وہ یتیم کے مال کے کھانے سے بچے ﴿وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا﴾ اور جو شخص محتاج ہے ﴿فَلْيَأْكُلْ﴾ پس چاہیے کہ وہ کھائے ﴿بِالْمَعْرُوفِ﴾ دستور کے مطابق ﴿فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ﴾ پس جب تم روانہ کرو ﴿أَمْوَالَهُمْ﴾ ان کے مال ﴿فَأَشْهَدُوا عَلَيْهِمْ﴾ پس تم گواہ بنا لو ان پر ﴿وَكُلِّي بِاللَّهِ حَسْبًا﴾ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ حساب لینے والا ﴿لِلزَّجَالِ﴾ مردوں کے لیے ﴿نَصِيبٌ﴾ حصہ ہے ﴿مِمَّا﴾ اس مال سے ﴿تَرَكَ الْوَالِدِينَ﴾ جو چھوڑ گئے ماں باپ ﴿وَالْأَقْرَبُونَ﴾ اور قریبی رشتہ دار ﴿وَاللِّسَاءِ﴾ اور عورتوں کے لیے ﴿نَصِيبٌ﴾ حصہ ہے ﴿وَمِمَّا تَرَكَ الْوَالِدِينَ﴾ جو چھوڑ گئے ماں باپ ﴿وَالْأَقْرَبُونَ﴾ اور قریبی رشتہ دار ﴿وَمِمَّا قَلَّ مِنْهُ﴾ تھوڑا اس مال سے ﴿أَوْ كَثُرَ﴾ یا زیادہ ہو ﴿نَصِيبًا﴾ حصہ ہے ﴿مَقْرُوضًا﴾ طے شدہ۔

ان آیات میں معاشرے کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔ یعنی آپس میں زندگی بسر کرنے کا طریقہ۔ اور کل کے سبق میں

آپ نے سنا کہ زمانہ جاہلیت میں یہ طریقہ اور رواج تھا اور آج کے دور میں بھی کوئی کمی نہیں ہے کہ چچا تایا فوت ہو جاتا اور ان کی اولاد چھوٹی ہوتی، یہ ان کا سرپرست بنا، بے دردی اور بے ترسی سے ان کا سب کچھ کھاپی جاتا، ان کا عمدہ مال خود لے لیتا اور ردی مال ان کے کھاتے میں ڈال کر نگ پورے کر دیتا۔ اور یہ بات بھی حقیقت ہے کہ ہر زمانے اور ہر علاقے میں ہر قسم کے لوگ موجود ہوتے ہیں، سمجھ دار بھی اور بے وقوف بھی۔ اور اس سے کوئی ملک اور کوئی قوم مستثنیٰ نہیں ہے۔ اسی طرح یتیم بچوں میں بھی بے وقوف بھی ہوتے ہیں اور سمجھ دار بھی ہوتے ہیں، شریف بھی ہوتے ہیں اور بُرے بھی ہوتے ہیں۔

بے وقوف کے متعلق شرعی احکام

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ﴾، سَفَهَاءُ، سَفِيهِۃٌ کی جمع ہے اور نہ دو تم بے وقوفوں کو ﴿أَمْوَالِكُمْ﴾ اپنے مال ﴿الَّتِي﴾ وہ مال ﴿جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ﴾ کہ بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ﴿قِيٰنًا﴾ قائم رہنے کا ذریعہ۔ مال ہو گا تو کھائے گا، پیے گا، پہنے گا، بغیر مال کے تو نظام نہیں چلتا۔ اگر تم نے بے وقوف کو مال دے دیا تو وہ اڑا دے گا، ضائع کر دے گا، خصوصاً جب بے وقوف کو بُرے ساتھی مل جائیں تو وہ اس سے بھی بُرے ہوں گے۔ لہذا جو بے وقوف ہے، چچے کا بیٹا ہے، ماموں کا بیٹا ہے، بھائی کا بیٹا ہے، برادری رشتہ داروں میں سے کوئی ہے، جس کے تم نگران اور سرپرست ہو، اس کو تم مال نہ دو۔ اس میں اس کی بہتری ہے۔ بے وقوف کو بے وقوف مل گئے تو سب کچھ تباہ کر دیں گے۔

بُری صحبت کا اثر

نو جوانو! عزیزو! اور ساتھیو! اچھی طرح یاد رکھنا! کبھی کسی بُرے کے پاس بیٹھک نہ رکھنا، برائی کا اثر بہت جلد ہوتا ہے، کیونکہ نفس امارہ بھی برائی کو چاہتا ہے اور شیطان بھی برائی کو چاہتا ہے اور ماحول بھی برائی سے آلودہ ہے، لہذا بُرے آدمی کے پاس ایک دفعہ بھی بیٹھ گئے تو تم میں ضرور برائی آئے گی۔ مرد، عورتیں میرے پاس آتے ہیں اور روتے ہیں کہ ہمارا بچہ غلط راستے پر چل پڑا ہے، بُرے لوگوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے، نشئی ہو گیا ہے، یہ ہو گیا ہے، وہ ہو گیا ہے، تعویذ دے دو۔ بھائی! پہلے سے ان کو بُری مجلسوں سے دور رکھو، اچھے لوگوں کی صحبت میں بھیجو۔

تو فرمایا کہ بے وقوفوں کو اپنے مال نہ دو، یہ مال تمہارے قائم رہنے کا ذریعہ ہیں۔ وہ ضائع کر دیں گے اور اس طرح کرو ﴿إِنَّمَا ذُوُّنُهُمْ قِيٰنًا﴾ ان مالوں میں سے ان کو کھلاتے رہو ﴿وَأَكْسُوهُمْ﴾ اور ان کو لباس پہناتے رہو، تم ان کے نگران ہو، دیانت۔ اری کے ساتھ یہ سمجھتے ہوئے کہ ہم نے رب تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہونا ہے، ان کے مال کی حفاظت کرو اور ضرورت کے مطابق ان پر خرچ کرو ﴿وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا﴾ اور کہو ان کو بات بھلی اور اچھی۔ کیوں کہ وہ بے وقوف ہیں، کہہ سکتے ہیں کہ تو ہمارے مال کا کیا لگتے ہے؟ ہمارا مال ہمارے حوالہ کر اور یہ بات وہ کسی کے اُکسانے پر بھی کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ دنیا میں شرارتی لوگ بھی ہوتے ہیں، وہ اُکساتے ہیں کہ مال تو تیرا ہے، اس سے وصول کرو۔ تو ایسے موقع پر تمہیں جذبات میں نہیں آنا

چاہیے اور غصے میں آ کر یہ نہ کہو کہ یہ تیرا مال ہے، اس کو سنبھال اور یہاں سے دفع ہو جا۔ کیونکہ وہ تو بے وقوف ہے اور تم نے بھی اس کو جذبات میں آ کر رد کر دیا تو وہ بگڑ جائے گا، تباہ ہو جائے گا۔ لہذا جذبات پر کنٹرول کرتے ہوئے حوصلے سے کام لو اور اس کو اچھی بات کہہ کر نال دو کہ بھائی! واقعی مال تیرا ہے، میں تو خادم ہوں، یہ آج بھی تیرا ہے اور کل بھی تیرا ہے۔ مگر اس بے وقوف کے حوالہ نہ کرو، یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

آگے فرمایا ﴿وَإِيتُوا إِلَيْنَا﴾ اور امتحان لو تم یتیموں کا ﴿حَقِّي إِذَا بُلِّغُوا إِلَيْنَا﴾ یہاں تک کہ جب وہ پہنچ جائیں نکاح کی مدت کو یعنی بالغ ہو جائیں تو تم ان کا امتحان لو ﴿فَإِنْ أَسْتَمْتُمْ مِنْهُمْ مُرْشِدًا﴾ پس اگر تم محسوس کرو ان سے بھلائی اور سمجھ ﴿فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ﴾ پس تم ان کو دے دو ان کے مال۔ مطلب یہ ہے کہ یتیم جب تک بالغ نہ ہوں اس وقت تک تو ان کا مال ان کے حوالے نہیں کرنا اور جب بالغ ہو جائیں تو سب سے پہلے ان کا امتحان لو۔ اور امتحان کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً: تم ان کو کچھ رقم دو اور کہو کہ بھائی! عزیز، برخوردار! یہ رقم تو اپنے پاس رکھ اور یہ نہ بتاؤ کہ میں نے تجھے رقم کیوں دی ہے؟ پھر دیکھو کہ اس رقم کا وہ کیا کرتا ہے، دو چار ہفتوں کے بعد اس سے دریافت کرو کہ بھائی! تو نے اس رقم کا کیا کیا ہے؟ اگر سمجھ دار ہوگا تو اس نے اپنے فائدے کی کوئی چیز خریدی ہوگی، جوتا، کپڑا وغیرہ یا کوئی کتاب خریدی ہوگی یا رقم محفوظ ہوگی اور کہے گا کہ خرچ کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ اور اگر بے وقوف ہوگا تو فہم یا تھیمہ رکھنے گیا ہوگا اور کھاپی کے اڑادی ہوگی۔ تو اس طرح تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ بے وقوف ہے یا سمجھ دار ہے۔

امتحان کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ یتیم کو کہو برخوردار! یہ رقم ہے، بازار سے جا کر اپنے لیے سوٹ کا کپڑا لاؤ۔ پھر اندازہ لگاؤ کہ مہنگا لایا ہے یا سستا لایا ہے، اچھا لایا ہے یا نکما۔ اس سے انسان کی عقل معلوم ہو جاتی ہے، اس لیے کہ سمجھ دار ہے تو کئی دکانیں گھوم پھر کر اچھا اور سستا کپڑا لائے گا اور اگر بے وقوف ہے تو نکما اور مہنگا لائے گا، اس کے علاوہ بھی امتحان کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ میں نے سمجھانے کے لیے یہ دو صورتیں بیان کی ہیں۔ امتحان کے بعد اگر سمجھو کہ سمجھ دار ہے اور نفع نقصان کو سمجھتا ہے تو پھر اس کا مال اس کے حوالے کر دو اور اگر سمجھو کہ بے وقوف ہے، سب کچھ اچھا دے گا اور تباہ کر دے گا تو پھر مال اس کے حوالے نہ کرو، چاہے کچھ کرتا اور کہتا پھرے۔ اور اس سلسلے میں جو تم اس پر محنت اور کوشش کرو گے، وقت خرچ کر دو گے تو تمہیں جہاد کا ثواب ملے گا۔ کیونکہ جہاد کی بہت ساری قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تم اس کی اصلاح کے لیے جو کوشش کرو گے، یہ جہاد ہوگا اور ثواب ہوگا۔

حدیث میں آتا ہے: ((الَّذِينَ النَّصِيحَةُ)) ”دین نام ہی خیر خواہی کا ہے۔“ بغیر کسی لالچ اور طمع کے خیر خواہی کرتا ہے، خیال رکھتا ہے، دوسرے کے لیے ایثار کرتا ہے اور قربانی دیتا ہے، اس کو اپنے سے بڑا سمجھتا ہے، چاہے چھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔
۱۰۔ ین کا خلاصہ ہے۔

﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ إِسْرَافًا وَهَدَارًا﴾ اور نہ کھاؤ تم ان یتیموں کے مالوں کو حد سے بڑھتے ہوئے اور جلدی کرتے ہوئے۔

اسراف کا معنی ہے: ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اور بدار کا معنی ہے: جلدی کرتے ہوئے، یہ خیال کرتے ہوئے ﴿أَنْ يَكْتَبُوا﴾ کہ وہ بڑے ہو جائیں گے، پھر وہ ہمیں کھانے نہیں دیں گے اور اب بے سمجھ ہیں، ان کا مال کھا جاؤ، جس طرح کھا سکتے ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس طرح نہ کرو۔

صاحبِ نصاب کی تعریف

﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا﴾ اور جو شخص غنی ہو، یعنی جو نگران اور سرپرست مال دار ہو ﴿فَلْيَسْتَعْفِفْ﴾ تو چاہیے کہ وہ یتیم کے مال کے کھانے سے بچے، اس حد تک بچے کہ اگر یتیم کی ہانڈی پکی ہے اور اس نے نمک چکھنا ہے تو نمک چکھ کر تھوک دو، حلق سے نیچے نہ اترے، مگر آج کل ایسے آدمی کہاں سے تلاش کرو گے، بڑا مشکل مسئلہ ہے۔ تو نگران اور سرپرست غنی ہے تو وہ یتیم کا مال کھانے سے بچے۔ اور شریعت کی اصطلاح میں غنی صاحبِ نصاب کو کہتے ہیں۔ اور صاحبِ نصاب کی تعریف آپ کئی مرتبہ سن چکے ہیں کہ ایسا آدمی بھی صاحبِ نصاب ہے جس کے پاس سونا چاندی اور نقد پیسہ اور سامانِ تجارت تو اگرچہ موجود نہیں ہے، مگر اس کے گھر میں فالتو سامان موجود ہے، یعنی ضرورت سے زائد سامان چاہے وہ چار پائیاں ہوں، کرسیاں ہوں، پلنگ ہوں یا برتن ہوں جو کہ عموماً استعمال میں نہیں آتے۔ کبھی کوئی مہمان آ گیا تو استعمال کر لیے، اس فالتو سامان کی قیمت اگر ساڑھے باون تولے چاندی کو پہنچ جاتی ہے تو ایسا شخص شرعی اور فقہی طور پر صاحبِ نصاب ہے اور غنی ہے۔ اگر مقرض نہ ہو۔ غنی صرف اس کو نہیں کہتے جو کہ کوٹھیوں اور کارخانے کا مالک ہو۔ اور ایسے شخص پر قربانی بھی لازمی ہے اور فطرانہ بھی اور ایسا شخص زکوٰۃ بھی نہیں لے سکتا اور نہ فطرانہ، چاہے مرد ہے یا عورت ہے۔

بیوہ عورت اور یتیم لڑکی کو زکوٰۃ دینے کا مسئلہ

بعض اوقات کوئی عورت بیوہ ہو جائے تو لوگ اس کو بیوہ ہونے کی وجہ سے کہ بچے اس کے یتیم ہو گئے ہیں، زکوٰۃ دے دیتے ہیں تو اس میں تفصیل ہے: اگر وہ بیوہ واقعتاً صاحبِ نصاب نہیں ہے اور یتیم بچے بھی صاحبِ نصاب نہیں ہیں تو پھر تو ان کو زکوٰۃ دینا صحیح ہے اور اگر اس کا خاوند اتنا مال چھوڑ گیا ہے کہ وہ صاحبِ نصاب ہے اور یتیم بچے بھی صاحبِ نصاب ہیں، کیونکہ ان کا باپ کافی مال چھوڑ گیا ہے تو ایسی بیوہ اور ایسے یتیم بچوں کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ قطعاً ادا نہیں ہوگی، کیونکہ وہ صاحبِ نصاب ہیں۔ نہ زکوٰۃ لے سکتے ہیں، نہ فطرانہ۔ صرف رشتہ داری نہیں دیکھنی کہ زکوٰۃ تو ہم نے دینی ہے، بھابھی کو دے دو، کیونکہ وہ بیوہ ہو گئی۔ بھائی! یہ بھی دیکھو کہ اس کو زکوٰۃ لگتی بھی ہے یا نہیں؟

بعض لوگ یتیم لڑکی یا غریب لڑکی کی شادی کے لیے زکوٰۃ دیتے ہیں۔ لہذا یہ مسئلہ بھی اچھی طرح سمجھ لینا۔ نمبر ایک اس غریب لڑکی کو زکوٰۃ کی رقم زکوٰۃ کہہ کر نہ دو، اگرچہ وہ زکوٰۃ کا مصرف ہے۔ کیونکہ بعض غیور طبیعتیں اس چیز کو گوارا نہیں کرتیں اور تم دیتے وقت نیت زکوٰۃ ہی کی کرو، زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اس کو بتانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، بے شک اس کو کہو کہ یہ تمہاری

امداد ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس کو زکوٰۃ کتنی دینی ہے اور کس طرح دیں کہ اس کا کام بھی ہو جائے اور زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے۔ کیونکہ آج کل ساڑھے باون توالے چاندی کی قیمت تقریباً پانچ ہزار روپے ہے۔ اگر ایک آدمی نے اس لڑکی کو پانچ ہزار روپے دے دیے تو وہ صاحب نصاب ہوگئی، اب وہ زکوٰۃ نہیں لے سکتی۔ جب دوسرا آدمی اس کو زکوٰۃ کی رقم دے گا تو اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، تیسرا دے گا، چوتھا دے گا، اس کی بھی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ تو اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ زکوٰۃ کی رقم اس کی ضرورت کے مطابق اکٹھی کر لی جائے اور اس کو یک مشت دے دی جائے تو سب کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ یہ مسائل ہر وقت پیش آتے رہتے ہیں، ان کو اچھی طرح سمجھ لیں اور یاد کر لیں۔

پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ وہ لڑکی سادات میں سے تو نہیں ہے۔ اگر سادات میں سے ہے تو اس کو بھی زکوٰۃ نہیں لگے گی اور پانچ بیٹوں کی اولاد کو سادات کہا جاتا ہے۔ حضرت علیؑ، حضرت عباسؑ، حضرت عقیلؑ، حضرت جعفرؑ، حضرت حارثؑ بن ابی سفیانؑ بن عبدالمطلب۔ یہ سادات ہیں، ان میں سے کسی کو کسی وقت بھی زکوٰۃ نہیں لگتی، نہ قسم کا کفارہ، نہ فطرانہ اور نہ عشر۔

زکوٰۃ ادا کرنے سے پہلے یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ زکوٰۃ کس کو دوں تو ادا ہو جائے گی۔ صرف زکوٰۃ دے دینے سے کوئی ذمہ سے فارغ نہیں ہو جاتا، بلکہ تحقیق کرنا ضروری ہے کہ جس کو زکوٰۃ کی رقم دے رہا ہوں، وہ اس کا مصرف بھی ہے یا نہیں؟ کیونکہ آج کل جو حالات ہیں، لینے والا نہیں بتائے گا کہ میں مصرف ہوں یا نہیں۔

آگے فرمایا ﴿وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا﴾ اور جو شخص محتاج ہے، فقیر ہے اور فقیر کی تعریف کرتے ہیں کہ مَنْ لَا يَمْلِكُ قُوَّتَ يَوْمِهِ ”جس کے پاس ایک دن کی خوراک بھی نہ ہو۔“ اور یہ فقیر، یتیم کا نگران ہے۔ ﴿فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ پس چاہیے کہ وہ کھائے دستور کے مطابق۔ دستور کا مطلب یہ ہے کہ وہ عام حالات میں ایسے ماحول میں جو کھاتا ہے، وہی کچھ کھائے۔ اگر وہ ایسے حالات میں دال کھاتا ہے تو یتیم کے مال سے گوشت نہیں کھا سکتا۔ معروف کا معنی عرف کا ہے کہ ایسے حالات میں اس موقع پر وہ کیا کھاتا ہے؟ دال کھاتا ہے تو دال کھائے، ہبزی کھاتا ہے تو ہبزی کھائے اور کھانا بھی ایک آدھ موقع پر ہے، ایسا نہیں کہ ہر وقت یتیم کے سر چڑھا رہے اور اس کی جان اس وقت چھوڑے جب اس کی ساری رقم ختم ہو جائے۔ اپنے کھانے پینے کے لیے الگ محنت کرنی چاہیے، مسلمان کے لیے ایک دن بھی فارغ رہنا گناہ کی بات ہے۔

نو جوانو! ہڈ حرام ہونا بہت بڑا گناہ ہے۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے كَلْفِي بِالْمَعْرُوفِ اِثْمًا اَدَى كَ الْغَنَاهُ غَارِ هُونِے کے لیے کافی ہے کہ گھر کے افراد تو روٹی کو ترسیں اور یہ پینگیں اڑائے، کبوتروں کے پیچھے دوڑے اور گیموں کے پیچھے پڑا رہے۔ یعنی نکما ہونا بڑا گناہ ہے۔ ہاں! کوئی بیمار ہے، اندھا ہے، لنگڑا ہے، لولا ہے تو اس کا مسئلہ جدا ہے اور ہر دیانت داری کے ساتھ کوشش کرتا ہے، مگر مزدوری نہیں ملتی تو اس کا مسئلہ بھی جدا ہے، یعنی یہ گنہگار نہیں ہوگا۔ تو دوسروں پر بوجھ بن کر رہنا گناہ ہے

اور یہ اسلام کا اصول ہے کہ لڑکا جب بالغ ہو جائے تو اس کو اپنے مال پر چھوڑ دو، کمائے اور کھائے۔ مگر آج اکثر اس اصول کے خلاف ہو رہے ہیں اور مسلمانوں کے بچے کھیل کود میں وقت ضائع کرتے ہیں اور ماں باپ کا سر کھا جاتے ہیں، جان نہیں چھوڑتے، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ مسلمان کو مسلمان ہونا چاہیے۔

اور دستور کا یہ معنی بھی ہے کہ وہ اپنی خدمات کا جائز اور بقدر ضرورت معاوضہ لے۔ یعنی یتیم اگر اپنے باپ کے کاروبار کو نہیں چلا سکتا تو یہ اس کی نگرانی کرے اور جائز معاوضہ لے۔ محض یتیم کا مال سمجھ کر ہضم کرنے کی کوشش نہ کرے۔ ﴿فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ﴾ پس جب تم ان کو ودان کے مال۔ یعنی جب تم یتیموں کا مال ان کے حوالے کرو ﴿فَاَشْهَدُوا عَلَيْهِمْ﴾ پس تم گواہ بنا لو ان پر۔ یعنی جب تم یتیموں کا مال واپس کر دو گواہ بنا لو کہ اتنا مال میں نے واپس کر دیا ہے۔

اصل یہ ہے کہ جب یتیموں کا مال تمہارے پاس آئے تو اس وقت بھی گواہ بناؤ کہ ان کا اتنا مال میرے پاس ہے اور جب یتیم بالغ ہو جائیں اور ان کا مال ان کے حوالے کر دو تو بھی گواہ بناؤ اور پوری تفصیل سامنے رکھو کہ: کل مال اتنا تھا، اس میں اتنا کھانے پینے پر خرچ ہوا ہے اور اتنا ان کی تعلیم پر خرچ ہوا ہے اور اتنا ان کے علاج معالجے پر خرچ ہوا ہے اور اتنا مال باقی ہے، بدیکھ لو، میں ان کے حوالے کر رہا ہوں۔ فرمایا ایک اور بات بھی یاد رکھنا! ﴿وَكُلِّبُوا اللّٰهُ حَسِيْبًا﴾ اور کافی ہے اللہ حساب لینے والا سب کچھ اس کے علم میں ہے، جو کچھ کر رہے ہو، سوچ سمجھ کر کرو، کیونکہ رب تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے۔

بہن کا حصہ وراثت معاف کرنا کب معتبر ہے؟

آگے ایک اور مسئلہ ہے۔ وہ یہ کہ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو وراثت سے حصہ نہیں ملتا تھا، کہتے تھے کہ عورتیں چونکہ صنف نازک ہیں، لڑ نہیں سکتیں، اس لیے ان کا وراثت میں کوئی حق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبْنَ﴾ اور قرسی رشتہ داروں نے چھوڑا ہے ﴿وَاللنساء نصيب﴾ اور عورتوں کے لیے بھی حصہ ہے ﴿ومتا﴾ اس مال سے ﴿تترك الوالدین﴾ جو چھوڑ گئے ہیں ماں باپ ﴿والاقرؤن﴾ اور قرسی رشتہ داروں سے ماں باپ ﴿والاقرؤن﴾ اور قرسی رشتہ داروں نے چھوڑا ہے ﴿ومتا﴾ اس مال سے ﴿قتل منه او كسبه﴾ تھوڑا اس مال سے یا زیادہ ہو، اس میں ان کا باقاعدہ حصہ ہے۔ یعنی جس چیز کے ماں باپ مالک تھے، چاہے وہ سوئی کا دھاگا ہی کیوں نہ ہو، عورت کا اس میں حصہ ہے۔ اسی طرح بھائی فوت ہو گیا ہے، بہن فوت ہو گئی ہے، اس میں عورتوں کا باقاعدہ حصہ ہے۔

کئی لوگ یہ داؤ کھیلتے ہیں کہ بہن نے معاف کر دیا ہے۔ بھائی! یہ کیسی معافی ہے کہ ابھی اسے ملا تو کچھ ہے نہیں، معاف اس نے پہلے کر دیا ہے۔ بھائی! پہلے اس کے حوالے کرو، زمین وغیرہ کی رجسٹری اس کے نام کراؤ، انتقال ہو جائے اور اس کا قبضہ ہو جائے پھر چند سال وہ اس سے فائدہ اٹھائے، پھر وہ تمہیں دے تو ٹھیک ہے۔ جب اس کے ہاتھ میں ہے ہی کچھ نہیں، اس نے معاف کیا کرنا ہے؟ یہ تو ایسے ہی ہے کہ میں تمہیں کہتا ہوں کہ میں نے سارا پاکستان تمہیں دے دیا ہے تو اس کا کیا معنی ہے؟ یہ تو

رب تعالیٰ سے بھی داؤ کھیلنا ہے اور مخلوق سے بھی۔ فرمایا ﴿نَحْنُ بِمَا تُفْعَلُونَ﴾ حصہ ہے طے شدہ اور ان حصوں کی تفصیل اگلے ربوع میں آرہی ہے۔



﴿وَإِذَا حَضَرَ﴾ اور جب حاضر ہوں ﴿الْقِسْمَةَ﴾ تقسیم کے وقت ﴿أُولُو الْقُرْبَىٰ﴾ قریبی رشتہ دار ﴿وَالْيَتَامَىٰ﴾ اور یتیم ﴿وَالْمَسْكِينِ﴾ اور مسکین ﴿فَأَمْرُهُمْ قَوْلُهُمْ﴾ تو دو ان کو تم ﴿مَنْهُ﴾ اس مال میں سے ﴿وَقَوْلُهُمْ﴾ اور کہو ان کو ﴿قَوْلًا مَعْرُوفًا﴾ بات بھلی ﴿وَلِيَحْشَ الَّذِينَ﴾ اور چاہیے کہ ڈریں وہ لوگ ﴿كَلْتَرَكُوا﴾ اگر چھوڑیں وہ ﴿مَنْ حَلْفَهُمْ﴾ اپنے پیچھے ﴿ذُرِّيَّةً ضِعْفًا﴾ اولاد کمزور ﴿خَائِفًا عَلَيْهِمْ﴾ خوف ہوگا ان کو ان کے بارے میں ﴿فَلْيَسْتَعُوا اللَّهَ﴾ پس چاہیے کہ وہ ڈریں اللہ تعالیٰ سے ﴿وَلْيَقُولُوا﴾ اور چاہیے کہ کہیں ﴿قَوْلًا سَدِيدًا﴾ بات درست ﴿إِنَّ الَّذِينَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿يَأْكُلُونَ﴾ جو کھاتے ہیں ﴿أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ﴾ یتیموں کا مال ﴿ظُلْمًا﴾ زیادتی کرتے ہوئے ﴿إِنَّمَا﴾ پختہ بات ہے ﴿يَأْكُلُونَ﴾ کھاتے ہیں (بھرتے ہیں) ﴿فِي بُطُونِهِمْ﴾ اپنے پیٹوں میں ﴿نَارًا﴾ آگ ﴿وَسَيَصْلُونَ﴾ اور عنقریب داخل ہوں گے ﴿سَعِيرًا﴾ بھڑکتی ہوئی آگ میں۔

غیر وارث سے حسن سلوک

اس سے پہلے آیت کریمہ میں بیان ہوا تھا کہ ماں باپ اور قریبی رشتہ دار جن سے وراثت کا حاصل سکتا ہے جو مال چھوڑ جائیں اس میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی حصہ ہے، چاہے مال تھوڑا ہو یا زیادہ ہو اور یہ حصہ طے شدہ ہے۔ آگے ان حصوں کی تفصیل بیان ہو رہی ہے اور اس سے پہلے غیر وارث رشتہ دار اور یتیم، مسکین اور غرباء سے حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ جب وراثت کا مال تقسیم کیا جاتا ہے تو ایسے موقع پر عموماً قریبی رشتہ دار آجاتے ہیں کہ دیکھو! کس طرح تقسیم کرتے ہیں اور یتیم مسکین بھی اس امید پر آجاتے ہیں کہ شاید ہمیں بھی کچھ مل جائے تو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ﴿وَإِذَا حَضَرَ﴾ اور جب حاضر ہوں وراثت کی تقسیم کے وقت ﴿أُولُو الْقُرْبَىٰ﴾ قریبی رشتہ دار اور ہوں وہ بڑے غریب ﴿وَالْيَتَامَىٰ﴾ اور یتیم۔ یعنی تقسیم کے وقت اپنی برادری یا محلے یا اپنے قبیلے سے یتیم بچے بھی آجائیں ﴿وَالْمَسْكِينِ﴾ اور مسکین آجائیں ﴿فَأَمْرُهُمْ قَوْلُهُمْ﴾ تو دو ان کو تم اس مال میں سے جو مرنے والے نے چھوڑا ہے، مگر اس موقع پر غریبوں، مسکینوں اور یتیموں کو کچھ دینے میں تفصیل ہے کہ ایک تو اس وقت تمام وارث موجود ہوں، کیونکہ اگر ان میں سے ایک بھی غیر حاضر ہو تو مشترکہ مال میں سے کسی کو کچھ نہیں دیا جاسکتا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ ان میں سے کوئی نابالغ نہ ہو، کیونکہ نابالغ کی اجازت کی شریعت میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔

چاہے وہ دیکھا دیکھی یا شرم کی وجہ سے کہہ بھی دے کہ میرے حصے میں سے بھی دے دو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ سب کے سب یتیموں، مسکینوں کو دینے پر راضی ہوں، اگر بعض راضی ہوں اور بعض راضی نہ ہوں، پھر بھی نہیں دے سکتے۔ یہ تعین بنیادی شرطیں ہیں، اگر یہ پائی جائیں تو تقسیم سے پہلے یتیموں، مسکینوں کو دیا جاسکتا ہے اور تقسیم کے بعد تو ہر ایک اپنے حصے کا مالک بن جائے گا، پھر اپنی ملک میں جو چاہے کرے اور اگر غریبوں مسکینوں کو نہیں دے سکتے تو ﴿وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا﴾ اور کہو ان کو بھلی بات۔ مثلاً: ان کو کہو کہ بھائی! ہم مشترکہ مال میں سے دینے کے مجاز نہیں ہیں، کیونکہ کچھ وارث غیر حاضر ہیں یا یہ کہو کہ بھائی! وارثوں میں سے کچھ نابالغ بچے ہیں، اس لیے دینے کے مجاز نہیں ہیں یا اس واسطے دینے کے مجاز نہیں ہیں کہ کچھ راضی ہیں اور کچھ راضی نہیں ہیں، نہ دینے کی وجہ ضرور بیان کریں۔ کیونکہ اگر وجہ نہ بیان کی تو ان کے دل میں آئے گا کہ انھوں نے ہمیں بالکل ٹھکرا دیا ہے۔

شہ کا ازالہ کرنا چاہیے ؟

اور مسئلہ یہ ہے کہ جب بھی کسی کو بات سے شہ پیدا ہو یا اس کے کام سے کسی کو وہم پیدا ہوتا ہو تو اس کا فرض ہے کہ وہم کو دور کرے، تاکہ لوگوں کے دلوں میں شہ نہ رہے۔ چنانچہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ مسجد نبوی میں اعتکاف بیٹھے ہوئے تھے، عشاء کے بعد آپ ﷺ کی بیویاں کسی خانگی مسئلے کے لیے آپ ﷺ کے پاس آئیں، باقی تو چلی گئیں، مگر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا دیر تک بیٹھی رہیں، خاصی رات گزر گئی، معمولی سی چاندنی تھی، جب جانے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں درویشی کے قریب کھڑا ہوتا ہوں تو میری نگرانی میں چلی جا۔ کیونکہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے کمرے مسجد نبوی کے ساتھ لین (قطار) میں تھے، جن کو حجرات کہا گیا ہے، قرآن پاک میں مستقل سورت ہے ”سورت الحجرات“ مسجد نبوی کے ساتھ پہلا کمرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا تھا، دوسرا حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا تھا، تیسرا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا تھا، چوتھا حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا تھا اور وہیں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا کمرہ بھی تھا۔

تو آپ ﷺ کھڑے رہے اور وہ چلی گئیں۔ اتنے میں حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبادہ بن بشر رضی اللہ عنہ آگئے، یہ دونوں گہرے دوست تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کون ہو؟ ان دونوں نے اپنے نام بتائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے قریب آ جاؤ۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے دیکھا ہے کہ ایک عورت ابھی میری نگرانی میں گئی ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہاں! دیکھی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: وہ میری بیوی صفیہ (رضی اللہ عنہا) تھی۔ انھوں نے کہا: سبحان اللہ! حضرت! کیا ہمیں یہ بھی کوئی وہم ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ کے پاس رات کو کوئی اجنبی عورت آئے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الْإِنْسَانِ فَجَرِي الدَّمُ ”جہاں تک انسان میں خون کا دوران ہوتا ہے، وہاں تک شیطان کا بھی دورہ ہوتا ہے۔“ میرے دل میں خیال آیا کہ ممکن ہے شیطان یہ وسوسہ ڈالے کہ یہ عورت کون تھی؟ اور رات کو کیوں آئی؟ اس لیے میں

نے خود اس وہم کا ازالہ کر دیا ہے کہ وہ میری بیوی صفیہ (رضی اللہ عنہا) تھی، دوسری بھی آئی تھیں، مگر چلی گئیں، اس کا کام زیادہ تھا، یہ بیٹھی رہی۔ تو بخاری شریف کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے قول یا فعل سے کسی کو شبہ پیدا ہوتا ہو تو اس کا فرض ہے کہ وہ خود اس کو دور کر دے اور اپنا دفاع کرے۔

مال یتیم میں احتیاط؟

تو مسئلہ یہ بیان ہو رہا تھا کہ اگر یتیموں مسکینوں کو دینا کچھ نہیں ہے تو ان کو اس کا سبب اور صحیح وجہ بیان کر دو، جس طرح کہ پہلے بیان ہوا ہے۔ اور یاد رکھنا! یتیموں کے مال کے متعلق بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ کتنی احتیاط کی ضرورت ہے؟ اس کا اندازہ اس مسئلہ سے لگائیں کہ یتیم بچہ ہے، اس کے کپڑے ہیں، آیا اس کے کپڑے صرف پہننے کے لیے کسی اور بچے کو دیے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ یا اس کے کپڑے فالتو ہیں یا بچہ بڑا ہو گیا ہے اور کپڑے چھوٹے ہو گئے ہیں تو یہ کپڑے کسی اور بچے کو دیے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ تو فقہائے کرام نے اس سلسلے میں خاصی بحث کی ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ نہیں دیے جاسکتے، کیونکہ کپڑے ان یتیموں کی ملک ہیں اور ان کی ملک میں چیز آ تو سکتی ہے، ملک سے نکل نہیں سکتی، کیونکہ بالغ ہونے سے پہلے وہ اجازت دینے کے بھی اہل نہیں ہیں۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ ان کا سر پرست ان کے فالتو کپڑے یا وہ کپڑے جو چھوٹے ہو گئے ہیں، اپنے بچے یا کسی اور بچے کو دے دیں تو وہ اس کا مجاز ہے۔ بہر حال بڑا ٹیڑھا مسئلہ ہے، ہم نے تو دینی مسائل سمجھے ہی نہیں ہیں، بڑی باریکیاں ہیں۔

فرمایا ﴿وَلْيَتَّقِ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اور چاہیے کہ ڈریں وہ لوگ ﴿لَتَوَسَّرَ لَكُمْ مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَمْطَلَكُمْ﴾ اگر چھوڑیں وہ اپنے پیچھے اولاد کمزور ﴿خَائِفُونَ عَلَيْهِمْ﴾ خوف ہوگا ان کو ان کے بارے میں۔ اللہ تعالیٰ نے بات سمجھائی ہے کہ تمہارے پاس جو لوگوں کے یتیم بچے آئے ہیں یا مسکین اور محتاج آئے ہیں اس امید پر کہ ہمیں کچھ ملے گا اس کو تم اس طرح سمجھو کہ تم فوت ہو گئے ہو اور تمہارے یتیم بچے پیچھے رہ گئے ہیں اور ہیں بھی کمزور کہ وہ کما بھی نہیں سکتے اور غریب بھی ہیں، وہ اگر کسی کے دروازے پر جائیں اور ان کو کچھ نہ ملے وہ محروم اور خالی ہاتھ واپس آئیں تو سوچو تمہارے دل پر کیا گزرے گی؟ کوئی صدمہ یا دکھ ہوگا یا نہیں؟

اسی طرح دوسروں کے یتیموں کا بھی دکھ محسوس کرو کہ وہ بلا وجہ تمہارے پاس سے محروم نہ جائیں، خالی ہاتھ جائیں تو کسی معقول وجہ سے جائیں۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ اگر مشترکہ مال میں سے کسی وجہ سے نہیں دیا جاسکتا تو انتظار میں بٹھادیں، جب مال تقسیم ہو جائے تو جس مال کے تم مالک بن گئے ہو اور عاقل بالغ ہو، دینے کے مجاز ہو، اس میں سے ان کو دے کر بھیجو، خالی ہاتھ نہ بھیجو اور ان سے ہمدردی کرو۔ ﴿فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ﴾ پس چاہیے کہ وہ ڈریں اللہ تعالیٰ سے ﴿وَلْيَتَّقُوا اللَّهَ﴾ اور چاہیے کہ کہیں بات درست اور معقول۔ یعنی ان کو معقول طریقے سے سمجھادیں، جھڑکیں نہیں، تاکہ ان کے دلوں میں وہم اور کدورت

آگے اور سخت مسئلہ ہے، اس کو اچھی طرح سمجھنا اور اس پر عمل بھی کرنا، صرف برادریاں نہ پالنا۔ فرمایا ﴿إِنَّ الدِّينَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿يَأْكُلُونَ أَمْوَالِ الْيَتَامَى﴾ جو کھاتے ہیں یتیموں کا مال ﴿ظُلْمًا﴾ زیادتی کرتے ہوئے، شریعت کے قاعدوں سے تجاوز کرتے ہوئے۔ کیونکہ شریعت یتیموں کے مال کو کھانے کی اجازت نہیں دیتی۔ ﴿إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا﴾ پختہ بات ہے کھاتے ہیں، ڈال رہے ہیں اپنے پیٹوں میں دوزخ کی آگ۔ یہ بوٹیاں نہیں، آگ کے انگارے ہیں جو کھا رہے ہیں۔ معاف رکھنا! یتیم کا مال سارے ہی کھاتے ہیں اور کھاتے کس طرح ہیں؟ وہ اس طرح کہ مثلاً: ایک آدمی فوت ہو گیا اور اس کے وارثوں میں چھوٹے بچے، بچیاں بھی ہیں اور ابھی وراثت تقسیم نہیں ہوئی اور اس مال میں سے تینا، ساتواں، دسواں ہوتا ہے، چالیسواں بھی ہوتا ہے اور تم کھاتے ہو، برسی ہوتی ہے اور تم کھاتے ہو۔ یہ قطعی حرام ہے، دوزخ کی آگ پیٹ میں ڈالتے ہو۔ کیونکہ ایسا تو ہمارے علاقے میں ہے ہی نہیں کہ وفات کے ساتھ ہی شرعی طور پر وراثت تقسیم کر دیں۔ میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔ البتہ ایسے دو چار آدمی میرے ذہن میں ہیں کہ جنہوں نے مرنے سے پہلے اپنا مال وارثوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ تو تقسیم سے پہلے اس مال میں سے تینے، ساتویں، دسویں، چالیسویں پر یا اس میں سے خیرات کریں گے یا جمعرات کو کھانا دیں گے، یہ جو بھی کھائے گا حرام کھائے گا اور یہ تمام فقہائے کرام رضی اللہ عنہم کا اتفاق مسئلہ ہے، اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور احمد رضا خان بریلوی جو بریلوی حضرات کے امام ہیں، ان کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ یتیم کا مال کھانا حرام ہے اور کھ سارے رہے ہیں، کیا مولوی یا قاری یا پیر یا حافظ یا حاجی، کیا چودھری یا ماموں، کیا چچے، سارے ہی چاٹ (ہضم کر) جاتے ہیں۔

ایک ہے تینے، ساتویں اور دسویں کی تعیین کرنا۔ یہ بدعت ہے۔ یہ علیحدہ مسئلہ ہے اور مشترکہ مال میں سے صدقہ خیرات حرام ہے، یہ الگ مسئلہ ہے۔ اور یہ مسئلہ لوگوں کو سمجھانا بڑا جہاد ہے اور یہ جہاد بھی تم ضرور کرنا۔ چونکہ صدیوں سے یہ ہندوانہ رسمیں لوگوں کے ذہنوں میں موجود ہیں، اس لیے ان کا چھوڑنا خاصا مشکل ہے۔

میں کہتا ہوں اس محاذ سے جس پر ہندوق لے کر کافروں کے مقابلے میں لڑنا ہے، یہ محاذ اس سے زیادہ سخت ہے کہ ساری برادری کے طعنے سنے اور پھر بھی کہے کہ نہیں کھاؤں گا، کیونکہ اس میں یتیم کا مال ہے، البتہ فوتگی کے موقع پر عزیز رشتہ دار جو کھنا پکاتے ہیں وہ کھانا جائز ہے اور ایسے موقع پر کھانا پکا کر بھیجنا سنت ہے۔ چنانچہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ موتہ کے مقام پر شہید ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں کو فرمایا: **إِصْنَعُوا لِأَهْلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا فَإِنَّهُمْ قَدْ أَتَاهُمْ مَا يُشْغِلُهُمْ** کہ جعفر بن ابی طالب کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کر کے بھیجو، کیونکہ ان کو صدمہ ہے۔ تو ایسا کھانا غریب امیر سب کھا سکتے ہیں، قریب سے آیا ہوا بھی کھا سکتا ہے اور دور سے آیا ہوا بھی کھا سکتا ہے، لیکن تینے، ساتویں اور دسویں کے لیے تو کوئی پکا کر نہیں بھیجتا، یہ تو مرنے والے کے مال سے پکتا ہے، اس واسطے اس روٹی اور اس روٹی میں بڑا فرق ہے۔

ایک اور مسئلہ بھی سمجھ لیں۔ وہ یہ کہ جو آدمی جنازہ میں شریک ہو گیا ہے اس کو الگ تعزیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس کا فرض ادا ہو گیا ہے۔ لیکن بعض دفعہ آدمی سفر پر ہوتا ہے یا اور کسی وجہ سے اس کو علم نہیں ہوتا اور وہ جنازے میں شریک

نہیں ہو سکتا تو وہ بعد میں تعزیت کے لیے جا سکتا ہے تو اس موقع پر دقت پیش آ سکتی ہے۔ وہ اس طرح کہ جب تعزیت کے لیے دور کسی جگہ پر جائے گا تو روٹی بھی کھانی ہے اور وہ کھلائیں گے بھی تو اب آدمی کیا کرے؟ تو اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کو مسئلہ سمجھائے اور بات واضح کرے کہ چونکہ تمہارا مال شرعی طور پر وارثوں میں تقسیم نہیں ہوا اور میں مشترکہ مال میں سے کھا نہیں سکتا، اس لیے ناراض نہ ہوں۔ البتہ عورتیں ضد کی بڑی پکی ہوتی ہیں اور مسائل بھی کم سمجھتی ہیں، لہذا اگر کوئی عورت ضد کر جائے کہ تو نے روٹی کھا کر جانا ہے تو ایسی مجبوری کی حالت میں کھانا کھالے، مگر جتنی روٹی کھائی ہے اس سے زائد پیسے ان کے کسی بچے یا گھر کے کسی فرد کو دے دے تو یہ معاوضہ ہو جائے گا اور حرام سے بچ جائے گا لیکن بڑا جہاد کہ ڈٹ جائے اور رسول کو چھوڑ دے۔

میرے خیال میں حاجی فخر الدین صاحب مرحوم لکھنؤ میں پہلے شخص تھے کہ جب ان کے پوتے کو دفنانے کے بعد دعا کی گئی تو انھوں نے اعلان کیا کہ ہم نے کوئی تہ یا ساتواں نہیں کرنا اور نہ ہی کوئی اس ارادے سے ہمارے گھر آئے، میں بھی وہاں موجود تھا، ان کی برادری کے کچھ آدمیوں نے کہا کہ پھر تو ہم سے کٹ گیا ہے نا، علیحدہ ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ حاجی صاحب کی مغفرت فرمائے، بڑے تیز مزاج تھے، کہنے لگے: اگر اس بات سے میں الگ ہو گیا ہوں تو مجھے الگ ہی رہنے دو۔ بڑے جہاد کی بات ہے اور لوگ بڑے عجیب ہیں کہ جنازہ تو مجھ سے پڑھواتے ہیں اور گھر جا کر اعلان کرتے ہیں کہ کل قتل شریف ہوں گے یا پرسوں ہوں گے۔ بھئی! یا تو مجھ سے جنازہ نہ پڑھو اور یا قلوب کا اعلان نہ کرو۔ پھر مجھے آج تک یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ اس کا نام ایصالِ ثواب ہے۔ بھئی! ایصالِ ثواب کے کھانے کے مستحق تو غریب اور محتاج ہیں، یہ چچا کیوں کھا گیا؟ دادا کیوں کھا گیا؟ سر کیوں کھا گیا؟ داماد کیوں کھا گیا؟ چودھری کیوں کھا گیا؟ یہ ایصالِ ثواب کے کیا لگتے ہیں؟ یہ سب خالص رسمیں ہیں اور کھانے کے حیلے بہانے ہیں، ان سے بچو اور بہتر یہ ہے کہ جب قبر پر دعا ہو تو اعلان کر دو کہ ہم نے کوئی رسم وغیرہ نہیں کرنی، جس نے قرآن کریم پڑھنا ہوا اپنے گھر پڑھ لے، مسجد میں بیٹھ کر پڑھ لے، جہاں چاہے پڑھے، ہر جگہ پڑھا جا سکتا ہے، مگر ایسے مجاہد بہت کم ہیں، جو اتنی ہمت کریں، ایک دوسرے سے شرم کرتے ہیں، وہ کہتا ہے شاید وہ اعلان کر دے اور وہ کہتا ہے کہ شاید وہ کر دے۔

تو مسئلہ یہ بیان ہو رہا تھا کہ جو لوگ یتیموں کا مال کھاتے ہیں، وہ پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں ﴿وَسَيَصْلُونَ سَعِيرًا﴾ اور وہ عنقریب داخل ہوں گے بھڑکتی ہوئی آگ میں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب ہوگا کہ یہ یتیموں کا مال کھا گئے ہیں۔ میں نے تمہیں مسئلہ کھول کر سمجھا دیا ہے، آگے تمہاری گور گردن پر ہے۔



بِوَصِيَّتِهِ اللَّهُ ﴿اللَّهُ تَعَالَىٰ تَحْسِبْنَ تَالِيدِي تَم دِي تِي هِي ۞ قِي اَوْلَادِكُمْ ۞ تَحَارِي اَوْلَادِ كِي بَارِي مِي ۞ لَلَّذِي كَر ۞
 مَرْدِي دَا سَطِي ۞ وَفِي حَقِّ الْاُنثِيَيْنِ ۞ دُو عَوْرَتُوں كِي حَصِي كِي بَرَابَرِي ۞ قَان كُنَّ ۞ پَس اَكْرُوهُ ۞ نِسَاء ۞
 عَوْرَتِي ۞ قَوِي اُنثِيَيْنِ ۞ دُو سِي زِيَادِي هُوں ۞ قَد هُنَّ ۞ پَس اِن عَوْرَتُوں كِي لِي ۞ ثَلَاثَا ۞ دُو تِهَائِي هِي ۞ مَا
 تَرَكَ ۞ اِس مَال مِي سِي جُو مَرْنِي دَالِي نِي چھوڑا ۞ وَ اِنْ كَانَتْ وَا حِدَةً ۞ اُو اَكْرِي ۞ وَ هِي اِي كِي لُكِي ۞ فَلَهَا
 النِّصْف ۞ تُو اِس كِي لِي ۞ كَل جَانِي دَا كَا اَدْحَا حَصِي ۞ وَ لَا بَوِيهِ ۞ اُو مَرْنِي دَالِي كِي وَ اَل دِي ن كِي لِي
 ۞ اِكْل وَا حِدَةً مِّنْهُمَا ۞ اِن مِي سِي بَر اِي ك كِي لِي ۞ الشُّدُس ۞ چھَا حَصِي ۞ مَنَّا تَرَكَ ۞ اِس مَال مِي سِي
 جُو مَرْنِي دَالِي نِي چھوڑا ۞ اِنْ كَان لَهٗ وَ لَد ۞ اَكْرِي ۞ اِس كِي اَوْلَاد ۞ قَان لَمْ يَكُن لَهٗ وَ لَد ۞ پَس اَكْرِي
 مَرْنِي دَالِي نِي اَوْلَاد ۞ وَ وَرَثَةُ اَبَوَاهُ ۞ اُو اِس كِي وَرَث اِس كِي مَال بَا پ هِي ۞ فَلَا مِوَالُ الْفُلْت ۞ پَس اِس كِي
 مَال كِي لِي ۞ تِيرَا حَصِي ۞ قَان كَان لَهٗ اِخْوَةٌ ۞ پَس اَكْرِي مَرْنِي دَالِي كِي بِي ن بھائی ۞ فَلَا مِوَالُ الشُّدُس ۞
 تُو اِس كِي مَال كِي لِي ۞ چھَا حَصِي ۞ مَن بَعْد وَا وِصِيَّة ۞ وَ صِيَّت كِي بَعْد ۞ يُو وِصِي بَهَا ۞ جُو وِصِيَّت اِس نِي كِي ۞
 ۞ اَوْلَدِي ۞ يَا قَرَضِي اُو اَكْرِي كِي بَعْد ۞ اَبَاؤُكُمْ ۞ تَحَارِي بَا پ دَا دَا هِي ۞ وَ اَبْنَاؤُكُمْ ۞ اُو تَحَارِي بِي نِي
 هِي ۞ لَا تَنْدُرُو ن ۞ تَم نِي سِي جَانِي ۞ اُنْهُم اَقْرَبُ كَلْم تَلْعَا ۞ اِن مِي سِي كُو ن زِيَادِي قَرِيب ۞ تَحَارِي لِي نَفْع
 پانچا نِي كِي اَعْتِبَار سِي ۞ قَرِيْبَةٌ مِّنْ اَللّٰهِ ۞ يِي اَللّٰهُ تَعَالَىٰ كِي طَرَف سِي مَقْرَر كِي اُو اَفْرِيْضِي ۞ اِنْ اَللّٰهُ ۞ بِي شَك
 اَللّٰهُ تَعَالَىٰ ۞ كَان عَلَيْنَا ۞ ۞ جَانِي دَالِي ۞ حَكِيْمًا ۞ حَكْمَت دَالِي ۞

مسئلہ وراثت

وہ ضروری اور اہم مسائل جن میں پہلے بھی کوتاہی ہوتی تھی اور اب بھی کوتاہی ہوتی ہے، ان میں سے ایک وراثت کا مسئلہ بھی ہے۔ اس کے متعلق بڑا سخت حکم ہے کہ مرنے والے کے جو شرعی وارث ہیں ان کو قرآن و سنت کے مطابق حصہ دو، لیکن لوگ اس کی پروا نہیں کرتے۔ لہذا مرنے والے نے جو مال چھوڑا ہے اس کے متعلق جو ضروری باتیں ہیں وہ سمجھ لیں۔

مسئلہ اس طرح ہے کہ جب کوئی آدمی فوت ہو جائے تو اس کے فوت ہو جانے کے بعد سب سے پہلے اس کے مال میں سے جو اس نے چھوڑا ہے سنت کے مطابق کفن دفن کا انتظام کیا جائے گا کیونکہ یہ سب سے مقدم ہے۔ اس میں کفن کا کپڑا، غسل دینے کی اجرت اور قبر کھودنے کی اجرت ہے۔ کیونکہ ظاہر بات ہے کہ کفن کے کپڑے پر پیسے خرچ ہوں گے، اسی طرح اگر غسل کوئی مفت دینے کے لیے تیار نہیں ہے تو اس کو اجرت دینا بھی جائز ہے، چاہے مرد ہو یا عورت ہو اور اگر غسل مفت کرادے

تو اس کا بڑا ثواب ہے۔

مجمع الزوائد حدیث کی کتاب ہے، اس میں صحیح سند کے ساتھ یہ روایت موجود ہے کہ میت کو غسل دینے والے اور اس کے بدن میں جو عیب ہیں ان کو چھپانے والے کے چالیس کبیرہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ اسی طرح قبر کھودنے کا بھی بڑا ثواب ہے، بشرطیکہ مفت میں بنائے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص میت کی قبر کھودے گا، جس میں اس کو دفن کیا جائے گا، یوں سمجھو کہ اس نے اس کو ساری عمر کے لیے مکان بنا دیا ہے۔ لیکن اگر کوئی مفت میں نہیں کھودتا تو اس کو اجرت دینا بھی جائز ہے۔ لہذا سب سے پہلے مرنے والے کے ترکہ سے کفن دفن کا انتظام ہوگا اور خوشبو اور کافور وغیرہ بھی اس میں شامل ہے۔ دوسرے نمبر پر اس کے ذمہ جو قرض ہے، وہ اُتارا جائے گا۔ یہاں تک کہ اگر اس نے بیوی کا حق مہر زندگی میں ادا نہیں کیا تو وہ بھی ادا کیا جائے گا۔ تیسرے نمبر پر اس نے جو جائز وصیت کی ہے، اس کو پورا کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کو اپنی جائیداد کے تیسرے حصے میں وصیت کرنے کا حق ہے، چاہے وہ جائیداد منقولہ ہو یا غیر منقولہ ہو، اس میں وصیت کر سکتا ہے کہ بھائی! میرے ترکہ میں سے مسجد بنا دینا یا مدرسہ بنانا یا فلاں کو اتنے پیسے دے دینا۔ بشرطیکہ وہ شرعی وارث نہ ہو، یعنی جائز کاموں کی وصیت کر سکتا ہے۔ تو اب ترتیب اس طرح ہوئی کہ مرنے والے کے متروکہ مال میں سے سب سے پہلے کفن دفن کا انتظام ہوگا، اس کے بعد اس کا قرض اُتارا جائے گا، پھر اس کی وصیت پوری کی جائے گی، چوتھے نمبر پر اس کی وراثت شرعی وارثوں میں تقسیم کی جائے گی۔ کچھ وارثوں کا ذکر تو آج کی آیت کریمہ میں ہے اور کچھ وارثوں کا ذکر کل آئے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ!

ایک اور ضروری بات بھی یہاں پر سمجھ لیں۔ وہ یہ کہ پانچ چیزیں اور سب ایسے ہیں کہ جن کی وجہ سے آدمی وراثت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اگر وہ اسباب نہ ہوں تو کوئی آدمی وراثت سے محروم نہیں ہو سکتا۔ وہ اسباب یہ ہیں: نمبر ایک: اختلاف دین ہے کہ مثلاً: باپ مسلمان ہے اور بیٹا کافر ہو گیا تو یہ کافر بیٹا باپ کی وراثت سے محروم ہو گیا یا اس کا اُلٹ ہو کہ بیٹا مسلمان ہے اور باپ کافر ہے تو اس مسلمان بیٹے کو کافر باپ کی وراثت نہیں مل سکتی اور یہ بات بھی سمجھ لیں کہ کافر سے وہی کافر مراد نہیں جن کو لوگ کافر سمجھتے ہیں۔ مثلاً: یہ کہ ہندو کافر ہیں، یہودی کافر ہیں، عیسائی کافر ہیں، پارسی کافر ہیں، سکھ کافر ہیں، عوام ان کو کافر سمجھتے ہیں، مگر کافر سے مراد وہ کافر ہیں جن کو شریعت کافر کہے۔ مثلاً: شریعت کی اصطلاح میں قادیانی بھی کافر ہیں، صابئی بھی کافر ہیں، بہائی بھی کافر ہیں، رافضی بھی کافر ہیں، منکرین حدیث بھی کافر ہیں، شرک میں ڈوبے ہوئے بھی کافر ہیں۔

سنی رافضی کا وارث نہیں اور نہ ہی سنی رافضی کا کاح ہے

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے اکابر میں سے ہیں، ان کا فتاویٰ رشیدیہ طبع شدہ ہے۔ ان سے کسی نے مسئلہ دریافت کیا کہ حضرت! ایک شخص رافضی ہے، شیعہ ہے، کیا اس کی وراثت سنی بیٹے کو مل سکتی ہے یا نہیں؟ اور دوسرا

مسئلہ یہ بتاؤ کہ سنی اور رافضی کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ فقہی طور پر نہ تو بیٹا وارث بن سکتا ہے اور نہ ہی نکاح ہو سکتا ہے اور تمام فقہاء اس مسئلے پر متفق ہیں۔ آج بہت سارے لوگ اس کا لحاظ نہیں کرتے، حالانکہ سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ ہماری بیٹی جہاں جا رہی ہے ان کا عقیدہ بھی صحیح ہے یا نہیں؟ جب کہ لوگ اس کی پروا نہیں کرتے، بلکہ مال دیکھتے ہیں، لڑکے کی شکل و صورت دیکھتے ہیں، کاروبار دیکھتے ہیں، الا ماشاء اللہ! سو میں سے ایک دو ہوں گے جو اس کا خیال کرتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ بہت ساری ایسی جگہیں ہوتی ہیں جہاں نکاح قطعاً نہیں ہوتا۔ تو بہر حال وراثت سے محرومی کا ایک سبب ہے اختلاف دین۔

اور دوسرا سبب ہے اختلاف دارین کہ ایک دارالاسلام میں رہتا ہے اور دوسرا دارالحرب میں رہتا ہے اور ہیں بھی دونوں مسلمان۔ یہ مرگیا تو اس کو وراثت نہیں ملے گی اور اگر وہ مر گیا تو اس کو وراثت نہیں ملے گی۔ پھر دارالاسلام اور دارالحرب کی تعریف میں فقہی طور پر خاصا اختلاف ہے۔

دارالاسلام کی ایک تعریف یہ کرتے ہیں کہ دارالاسلام اسے کہتے ہیں کہ جہاں من و عن یعنی اول تا آخر اسلامی قانون نافذ ہوں، اس تعریف کے مطابق پوری دنیا میں صرف وہ خطہ دارالاسلام ہے جو طالبان کے پاس ہے جو تقریباً ستائیس [۲۷] صوبے ہیں، بتیس [۳۲] صوبوں میں سے۔ باقی جو پچاس یا پچپن ملک ہیں بمع سعودیہ کے کوئی بھی دارالاسلام نہیں ہے۔ کیونکہ کسی بھی اسلامی ملک میں اول تا آخر اسلامی قوانین نافذ نہیں۔

اور دارالحرب اسے کہتے ہیں کہ جہاں مسلمان اپنے اسلامی فرائض ادا نہ کر سکیں۔ اس تعریف کے مطابق صرف چین اور روس اس زمرہ میں آتے ہیں جو مسلمانوں کو کوئی عبادت ادا نہیں کرنے دیتے تھے، مگر اب وہاں بھی ادا کرنے دیتے ہیں، اس کے علاوہ کوئی ایسا ملک نہیں ہے جہاں مسلمانوں کو نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے روکا جاتا ہو۔ تو اس وقت صحیح معنی میں دارالحرب بھی کوئی نہیں ہے۔

اور وراثت سے محرومی کا تیسرا سبب یہ ہے کہ قاتل کو مقتول کی وراثت نہیں ملے گی، جب کہ آج کل بہت سارے ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں کہ مال کی خاطر باپ کو قتل کر دیا جاتا ہے، چچے تائے کو قتل کر دیا جاتا ہے، بھائی کو قتل کر دیا جاتا ہے کہ مال ہمیں مل جائے۔ چونکہ اسلامی قانون نافذ نہیں ہے، مل بھی جاتا ہے۔

وراثت سے محرومی کا چوتھ سبب بے غلام ہونا۔ میرے علم کے مطابق اس وقت دنیا میں شرعی غلامی کہیں نہیں ہے کہ ایک شخص شرعی طور پر غلام ہو اور اس کے باپ دادا آزاد ہوں، اگر ایسا ہو تو یہ غلام ان کا وارث نہیں بن سکتا۔

اور پانچواں سبب ہے نبی کی اولاد ہونا۔ کیونکہ نبی کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو کچھ مدت کے بعد بعض ازواج مطہرات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم نہ تھا اور حضرت فاطمہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جائیداد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شرعی وارثوں میں تقسیم کی جائے اور شرعی طور پر ہمارا جو

حصہ بنتا ہے، وہ ہمیں دیا جائے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ((نَحْنُ مَعْشَرُ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُورِثُ مَا تَرَ كُنَّا كَصَدَقَةٍ)) ”ہم جو انبیاء علیہم السلام کی جماعت ہیں، ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں، وہ صدقہ ہوتا ہے۔“

بخاری اور مسلم شریف میں روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ پیغمبروں کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی؟ قال نعم حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ حضرت عباس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ پیغمبروں کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی قَالَ اللَّهُمَّ نَعَمْ۔ انھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ گواہ ہے، ہاں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت تقسیم ہوتی تو مسئلہ چوبیس سے بنتا۔ کیونکہ اس آیت کریمہ میں ہے کہ اگر صرف ایک لڑکی ہی ہو تو اس کو نصف ملتا ہے تو چوبیس کا نصف بارہ ہے تو بارہ حصے حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو ملتے اور آٹھواں حصہ بیویوں کو ملتا، جس کا ذکر کل کی آیات میں آئے گا، ان شاء اللہ۔

اور یہ بھی یاد رکھنا کہ بیوی ایک ہو یا دو ہوں، تین ہوں یا چار ہوں، حصہ آٹھواں ہی ملتا ہے اور اسی میں تمام شریک ہوتی ہیں، جب کہ خاوند صاحب اولاد ہو، چاہے ایک بچی ہی کیوں نہ ہو۔ تو تین حصے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو ملتے اور نو حصے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ملتے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ مگر چونکہ انبیاء علیہم السلام کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی، اس لیے کسی کو حصہ نہیں ملا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سنا دیا، جس کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بھی تسلیم کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی تسلیم کیا۔ اور یہ روایت بہت سارے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہے اور متواتر روایت ہے اور اس کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بھی وراثت کے بارے میں کبھی سوال نہیں کیا۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چھ ماہ تک زندہ رہی ہیں۔

رافضیوں کا خمیسا جس کو وہ اپنا امام مانتے ہیں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔ اس کی ایک کتاب ہے کشف الاسرار اور اس کتاب کو انھوں نے اس کثرت سے شائع کیا ہے کہ میرے خیال میں ان کے ہر گھر میں یہ کتاب ہوگی۔ انھوں نے مختلف زبانوں فارسی، عربی اور اردو، انگریزی میں شائع کی ہے۔ اس میں اس نے لکھا ہے کہ: قرآن پاک کا پہلا منکر ابو بکر رضی اللہ عنہ ہے، اس لیے کہ قرآن کا حکم ہے وراثت دو اور اس نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حصہ نہیں دیا۔ پھر کہتا ہے کہ قرآن کا دوسرا منکر عمر رضی اللہ عنہ ہے، جو طحطا اور زندقہ بھی تھا، کیونکہ اس نے بھی حصہ نہیں دیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دور خلافت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حصہ نہیں دیا، یہ تینوں تو اس طرح قرآن پاک کے منکر اور کافر ہو گئے۔

اب ہم سوال کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تو چار سال خلیفہ رہے ہیں، انھوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حصہ کیوں نہیں دیا؟ ٹھیک ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا فوت ہو گئی تھیں، مگر ان کی اولاد تو موجود تھی، ان کو دے دیتے۔ کیونکہ کسی کے فوت ہو جانے سے اس کا حق ختم نہیں ہو جاتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حصہ وراثت ان کی اولاد کو دے دیتے۔ اگر دیا ہے تو ثابت کرو اور اگر نہیں دیا اور یقیناً نہیں دیا تو پھر تمہاری منطق کی رو سے وہ بھی قرآن پاک کے منکر،

کافر اور زندیق ہو جاتے ہیں۔ یعنی اگر فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حصہ وراثت نہ دینے کی وجہ سے یہ تین ظالم ہیں، قرآن پاک کے منکر ہیں تو پھر اس ظلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شریک ہیں، کیوں بھائی؟ میری بات تمہیں سمجھ آ رہی ہے یا نہیں؟ ہمیں کسی سے عداوت نہیں ہے، بات سمجھنے کی ہے کہ اگر اصحابِ ثلاثہ رضی اللہ عنہم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو وراثت کا حصہ نہ دیں تو وہ منکر اور کافر ہو گئے اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ دیں تو مومن رہیں؟ آخر یہ فرق کیا ہے؟

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو قرآن کا منکر کہنا غلط ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو منکر قرآن اور محمد اور زندیق کہنا غلط ہے، ناجائز ہے، حرام ہے تو کہتے ہیں کہ یہ فرقہ واریت پھیلاتے ہیں اور ان کی کتابیں جن میں یہ سب کچھ درج ہے، دھڑا دھڑا گھروں میں پہنچائی جائیں تو ان کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ یہ اپنی منطق ہماری سمجھ میں نہیں آئی اور یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ اگر عقیدے کے بیان کرنے کا نام فرقہ واریت پھیلانا ہے تو پھر ہم سارے ہی فرقہ واریت پھیلانے والے ہیں اور اگر لڑائی اور دہشت گردی کا نام فرقہ واریت ہے تو اس کے سارے طبقے ہی مخالف ہیں، سوائے غالیوں کے۔

تو میں یہ بات سمجھا رہا تھا کہ اگر خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حصہ وراثت نہیں دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی چار سال خلیفہ رہے ہیں، انھوں نے کیوں نہیں دیا؟ اگر وہ فوت ہو گئی تھیں تو ان کی اولاد تو تھی، ان کو دے دیتے۔ اور مسئلہ یہ ہے کہ جدی پشتی وراثتی حق کسی کے مرجانے سے ختم نہیں ہو جاتا۔ آج لوگوں نے یہ بہانہ بنایا ہوا ہے کہ زمینیں انگریز کے دور میں ملی ہیں، اگر انگریز نے ناجائز تقسیم کی ہے اور لڑکیوں کو ان کا حق نہیں دیا اور لڑکوں کو دیا ہے، اس میں ہمارا کیا دخل اور قصور ہے؟

حاشا وکلا! یہ بات غلط ہے، اس طرح لڑکیوں کا حق ختم نہیں ہوا۔ یہ لوگ اپنے شرعی وارثوں کا حصہ نکال دیں۔ مثلاً: پھوپھیوں کا یا پڑپھوپھیوں کا اولاد در اولاد جو حصہ بنتا ہے، وہ نکال کر ان کی اولاد کے حوالے کر دیں، ورنہ سب حرام خور ہیں اور نہ حج قبول ہے، نہ نمازیں، نہ روزے، کوئی بھی عبادت قبول نہیں ہوگی۔ تو خیر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کیا اور باقی خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يُؤْتِيكُمُ اللَّهُ﴾ اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتے ہیں۔ وصیت کا معنی ہے پختہ حکم ﴿فِي﴾ اَوْلَادِكُمْ ﴿تمہاری اولاد کے بارے میں﴾ ﴿لَلَّذِي كَرِهْتَ﴾ حِطَّ الْأَنْثَيْنِ ﴿مرد کے واسطے دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے۔ یعنی لڑکے کو اتنا حصہ دو جتنا لڑکیوں کو دینا ہے۔ مثلاً: ایک آدمی فوت ہو گیا ہے اور اس کے وارث صرف ایک لڑکا اور دو لڑکیاں ہیں اور کوئی شرعی وارث نہیں ہے تو آدھا مال لڑکے کو ملے گا اور آدھا دو لڑکیوں کو ملے گا۔ یعنی مسئلہ چار سے حل ہوگا، دو حصے لڑکے کو اور ایک حصہ لڑکیوں کو اور اگر کسی مرنے والے کے وارث چار لڑکے اور ایک لڑکی ہے تو مسئلہ نو سے حل ہوگا کہ دو حصے لڑکوں کو اور ایک حصہ لڑکی کو ملے گا، بشرطیکہ اور کوئی شرعی وارث نہ ہو۔ تو ضابطہ یہ ہے کہ لڑکوں کو لڑکی کی نسبت دوہرا حصہ ملے گا۔

باقی رہا محمدوں کا یہ اعتراض کہ یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ لڑکا بھی اسی ماں باپ کا ہے اور لڑکی بھی اسی ماں باپ کی ہے، پھر شریعت لڑکے کو دوہرا حصہ اور لڑکی کو ایک حصہ کیوں دیتی ہے؟ جواب یہ ہے کہ اسی آیت کریمہ کے آخر میں آئے گا ﴿إِنَّ اللَّهَ﴾

كَانَ عَلَيْنَا حَكِيمًا﴾ کہ بے شک اللہ تعالیٰ علیم ہے، حکیم ہے، اس کا کوئی فعل اور حکم حکمت سے خالی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لڑکی کی ضروریات کا بوجھ خاوند پر ڈالا ہے کہ وہ اس کو مہر بھی دے گا، مکان، لباس، خوراک، علاج معالجہ بھی خاوند کے ذمہ ہے اور ماں باپ کی طرف سے بھی دلویا ہے، بخلاف لڑکے کہ اس کا خرچہ سسرالیوں کے ذمہ نہیں ہے اور لڑکی کا تو اس حد تک خیال رکھا گیا ہے کہ اگر خاوند خرچہ نہ دے تو خسر دے اور اگر خسر نہ دے تو خسر کا باپ دے، یعنی خاوند کا دادا، لہذا شریعت نے لڑکی کے حق میں کوئی کمی نہیں کی۔ ﴿قَاتِلْنَ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ﴾ پس اگر وہ عورتیں دو سے زیادہ ہیں، دو ہیں، تین ہیں یا زیادہ ہیں، یعنی مرنے والے کی لڑکیاں ہی لڑکیاں ہیں، بیٹا نہیں ہے ﴿فَلَمَنْ تَلَثَّتْ مَا تَرَكَ﴾ تو ان عورتوں کے لیے دو تہائی ہے اس مال میں سے جو مرنے والے نے چھوڑا ہے۔ یعنی کل مال کے تین حصے کیے جائیں گے، دو حصے ان لڑکیوں کے ہوں گے، چاہے وہ جتنی بھی ہوں اور تیسرا حصہ دوسرے وارثوں کو ملے گا اور اگر دوسرا وارث کوئی نہ ہو تو یہ تیسرا حصہ بھی انہی لڑکیوں کو مل جائے گا ﴿وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً﴾ اور اگر ہے وہ لڑکی ایک ﴿فَلَهَا النِّصْفُ﴾ تو ہے اس کے لیے کل جائیداد کا آدھا حصہ۔ یعنی اگر مرنے والے کی صرف ایک لڑکی ہے، لڑکا نہیں ہے تو کل جائیداد کا آدھا حصہ اس لڑکی کو ملے گا، چاہے وہ جائیداد منقولہ ہو یا غیر منقولہ ہو۔

آگے مرنے والے کے والدین کا حصہ بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا ﴿وَالْوَالِدَيْنِ﴾ اور مرنے والے کے والدین کے لیے ﴿الْبُكْلِ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا الشُّدُوسُ﴾ ان میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے ﴿مِمَّا تَرَكَ﴾ اس مال میں سے جو مرنے والے نے چھوڑا ہے اور یہ چھٹا حصہ اس صورت میں ملے گا ﴿إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ﴾ اگر ہے اس کی اولاد۔ چاہے ایک لڑکی ہی کیوں نہ ہو تو اس صورت میں مسئلہ حل ہوگا چھ سے کہ ایک حصہ باپ کو، ایک حصہ ماں کو اور باقی جو چار حصے ہیں وہ لڑکے لڑکیوں کو ملیں گے ﴿قَاتِلْنَ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ﴾ پس اگر نہیں ہے مرنے والے کی اولاد بایں طور کہ شادی ہی نہیں کی، یا شادی کی مگر اولاد نہیں ہوئی یا ہوئی اور مر گئی ﴿ذَوْرَثَّةٍ آبَاؤُهُ﴾ اور اس کے وارث اس کے ماں باپ ہیں ﴿فَلِآبَائِهِ التُّلُثُ﴾ پس اس کی ماں کے لیے ہے تیسرا حصہ۔

اور مسئلہ یاد رکھنا! کہ ماں باپ کی موجودگی میں بہن بھائیوں کو حصہ نہیں ملتا، یعنی ایک آدمی فوت ہو گیا، اولاد نہیں ہے، بہن بھائی زندہ ہیں تو ماں باپ کے ہوتے ہوئے بہن بھائی اس کی وراثت سے محروم ہو جائیں گے۔ بھائی بہنوں کو اس وقت ملتا ہے جب کہ ماں باپ زندہ نہ ہوں اور اس وقت مسئلہ تین سے حل ہوگا کہ کل جائیداد کے تین حصے کیے جائیں گے۔ ایک حصہ ماں کو ملے گا اور دو حصے باپ کو ﴿قَاتِلْنَ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ﴾ پس اگر ہیں مرنے والے کے بہن بھائی تو ان کو ملے گا تو کچھ نہیں، مگر ﴿فَلِآبَائِهِ الشُّدُوسُ﴾ تو اس کی ماں کے لیے ہے چھٹا حصہ۔ یعنی مرنے والے کے اگر بہن بھائی موجود ہیں تو ماں کو تیسرے کی بجائے چھٹا حصہ ملے گا اور مسئلہ چھ سے حل ہوگا۔ یعنی کل مال کے چھ حصے کیے جائیں گے۔ ایک حصہ ماں کو ملے گا اور باقی پانچ حصے باپ کو۔ یہ بڑے باریک مسئلے ہیں، نہ کوئی پوچھتا ہے، نہ کوئی بتاتا ہے اور نہ کوئی عمل کرتا ہے، الا ماشاء اللہ۔ باقی بھاء ہر چیز کا ہم جانتے ہیں، کیونکہ روزانہ کا مشغلہ ہے۔

لیکن یہ جائیداد کی تقسیم ہوگی ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِهِ﴾ وصیت کے بعد ﴿لِذَوِي عَرْبٍ﴾ جو وصیت اس نے کی ہے ﴿أَوْ ذَيْنَ﴾

یا قرضہ ادا کرنے کے بعد یعنی اس کے ذمہ جو قرضہ ہے اس کی ادائیگی کے بعد ﴿إِنَّا وَكَلْنَاهُ﴾ اور تمہارے بیٹے ہیں ﴿لَا تَدْرِيْنَ مَا يَفْعَلُ﴾ تم نہیں جانتے ﴿أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا﴾ ان میں سے کون زیادہ قریب ہے تمہارے لیے نفع پہنچانے کے اعتبار سے۔ یہ تقسیم رب تعالیٰ نے کی ہے، وہ سب سے زیادہ اور بہتر جانتا ہے ﴿فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا ہوا فریضہ ہے، یعنی جو حصے بیان ہوئے ہیں، یہ رب تعالیٰ کی طرف سے فرض ہیں، ان کو نہ ماننے والا پکا کافر ہے اور مان کر عمل نہ کرنے والا بہت بڑا مجرم اور سخت گنہگار ہے، ہماری زندگی دوزخ میں رہے گا، الا ماشاء اللہ۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ بے شک ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا، حکمت والا۔ یہ تقسیم اس نے اپنے علم کے مطابق خود فرمائی ہے۔ کل بیوی اور خاوند کے حصے کا بیان ہوگا، ان شاء اللہ تعالیٰ، اگر زندگی باقی رہی تو۔



﴿وَلَكُمْ﴾ اور تمہارے واسطے ﴿نَصْفٌ﴾ آدھا ہے ﴿مَّا﴾ اس مال کا ﴿تَرَكَ آزْوَاجُكُمْ﴾ جو چھوڑا ہے تمہاری بیویوں نے ﴿إِن لَّمْ يَكُنْ لَّهِنَّ وَكِيلٌ﴾ اگر نہیں ہے ان بیویوں کی کوئی اولاد ﴿فَإِنْ كَانَ لَّهُنَّ وَكِيلٌ﴾ پس اگر ہے ان کی اولاد ﴿فَلَكُمْ الرُّبُوعُ﴾ پس تمہارے لیے چوتھا حصہ ہے ﴿وَمَا تَرَكَنَّ﴾ اس مال میں سے جو وہ چھوڑ مری ہیں ﴿مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّتِهِ﴾ وصیت کے بعد ﴿يُوصِيْنَ بِهَا﴾ جو وصیت انہوں نے کی ہے ﴿أَوْ دَيْنٍ﴾ یا قرض ادا کرنے کے بعد اگر ان کے ذمہ قرض ہے ﴿وَلَهُنَّ الرُّبُوعُ﴾ اور ان عورتوں کے لیے چوتھا حصہ ہے ﴿وَمَا﴾ اس مال میں سے ﴿تَرَكَتُمْ﴾ جو تم نے چھوڑا ہے ﴿إِن لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَكِيلٌ﴾ اگر نہ ہو تمہاری کوئی اولاد ﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَكِيلٌ﴾ پس اگر ہے تمہاری اولاد ﴿فَلَهُنَّ النِّصْفُ﴾ پس ان کے لیے ہے آٹھواں حصہ ﴿وَمَا﴾ اس مال میں سے ﴿تَرَكَتُمْ﴾ جو تم نے چھوڑا ہے ﴿مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّتِهِ﴾ وصیت کے بعد ﴿تُوصُونَ بِهَا﴾ جو وصیت تم نے کی ہے ﴿أَوْ دَيْنٍ﴾ یا قرض ہے تو اس کو ادا کرنے کے بعد ﴿وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ﴾ اور اگر ہے کوئی شخص ﴿يُورِثُ﴾ جس کی میراث ہے ﴿كَلَلَةً﴾ اوترا (نہ باپ نہ بیٹا) ﴿أَوْ امْرَأَةً﴾ یا ایسی ہی کوئی عورت ہے ﴿وَوَلَةٌ أُمَّ﴾ اور اس کا بھائی ہے ﴿أَوْ أُخْتٌ﴾ یا بہن ہے ﴿فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا﴾ تو ان دونوں میں ہر ایک کے لیے ﴿السُّدُسُ﴾ چھٹا حصہ ہے ﴿فَإِنْ كَانَتْ أَكْثَرُ مِّنْ ذَلِكَ﴾ پس اگر وہ ہیں اس سے زیادہ ﴿فَهُمْ شُرَكَاءُ﴾ پس وہ سب شریک ہیں ﴿فِي الْعَلْتِ﴾ تیسرے حصے میں ﴿مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّتِهِ﴾ وصیت کے بعد ﴿يُورِثُ بِهَا﴾ جو وصیت کی گئی ﴿أَوْ دَيْنٍ﴾ یا قرض ہے تو اس کی ادائیگی کے بعد ﴿غَيْرَ مُضَارٍّ﴾ کسی کو نقصان نہ پہنچایا جائے ﴿وَصِيَّةٌ مِّنَ اللَّهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاکید حکم ہے ﴿وَاللَّهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ ﴿عَلِيمٌ﴾ جاننے والا ہے ﴿حَلِيمٌ﴾ حوصلے والا ہے

﴿تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں ﴿وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ﴾ اور جس نے اطاعت کی اللہ تعالیٰ کی ﴿وَسَأَلْتَهُ﴾ اور اس کے رسول ﷺ کی ﴿يُدْخِلْهُ﴾ اللہ تعالیٰ اس کو داخل کرے گا ﴿جَنَّاتٍ﴾ ایسے باغوں میں ﴿تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ کہ جاری ہیں ان کے نیچے نہریں ﴿خَالِدِينَ فِيهَا﴾ ہمیشہ ان باغات میں رہیں گے ﴿وَذَلِكَ الْقَوْلُ الْعَظِيمُ﴾ اور یہی بڑی کامیابی ہے ﴿وَمَنْ يُعْصِ اللَّهَ﴾ اور جس نے نافرمانی کی اللہ تعالیٰ کی ﴿وَسَأَلْتَهُ﴾ اور اس کے رسول ﷺ کی ﴿وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ﴾ اور پھلانگ گیا اللہ تعالیٰ کی حدیں ﴿يُدْخِلْهُ﴾ اللہ تعالیٰ اس کو داخل کرے گا ﴿نَارًا﴾ دوزخ کی آگ میں ﴿خَالِدًا فِيهَا﴾ ہمیشہ اس میں رہے گا ﴿وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ﴾ اور اس کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہوگا۔

کل کے درس میں اولاد اور ماں باپ کے حصے کا بیان ہوا تھا کہ لڑکوں کو دو ہرا اور لڑکیوں کو اکہرا حصہ ملے گا۔ اور اگر صرف ایک لڑکی ہے تو اس کو کل جائیداد کا آدھا حصہ ملے گا۔ اور اگر دو یا دو سے زیادہ ہیں تو ان کو کل جائیداد کے دو حصے ملیں گے اور تیسرا حصہ دوسرے وارثوں کو ملے گا۔ اولاد کے ہوتے ہوئے والدین کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر مرنے والے کی اولاد نہیں ہے تو کل جائیداد والدین کو مل جائے گی۔ بہن بھائی محروم ہو جائیں گے۔ اور اب تقسیم اس طرح ہوگی کہ کل جائیداد کے چھ حصے ہوں گے: ایک حصہ والدہ کو ملے گا اور باقی پانچ حصے باپ کو ملیں گے۔ یہ کل کے سبق کا خلاصہ ہے، جو تم نے سنا ہے اور یہ سب کچھ ہوگا وصیت پر عمل کرنے اور قرضہ ادا کرنے کے بعد۔

قرض کی ادائیگی ضروری ہے؟

اور یاد رکھنا! قرض کی ادائیگی بہت ضروری ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب تک آدمی کا قرض ادا نہ کر دیا جائے، اس وقت تک اس کو جنت میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا، چاہے کتنا نیک ہی کیوں نہ ہو۔ اور ایک جنازے کے موقع پر آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ کیا اس کے ذمہ قرض ہے؟ اگر جواب ملتا کہ نہیں تو آپ ﷺ اس کا جنازہ پڑھادیتے۔ اور اگر جواب ملتا کہ اس کے ذمہ قرض ہے تو پھر در یافت فرماتے کہ: کیا اس نے اتنا مال چھوڑا ہے کہ جس سے اس کا قرض ادا ہو سکے؟ اگر جواب ہاں میں ملتا تو آپ ﷺ اس کا جنازہ بھی پڑھادیتے۔ اور اگر جواب نہیں میں ملتا کہ اس نے کچھ نہیں چھوڑا تو آپ ﷺ کندھے مبارک پر چادر ڈال کر فرماتے صَلُّوا عَلَيَّ اَعْلَىٰ اُخْبِتْكُمْ بَهَائِي كَا جَنَازَهْ خُودِ پڑھا لو، میں نہیں پڑھاؤں گا اور تشریف لے جاتے۔ اس لیے یہ مسئلہ سمجھ لو کہ بلا ضرورت قرض لینا صحیح نہیں ہے اور اگر لیا ہے تو اس کی ادائیگی بہت ضروری ہے۔ کیونکہ جب تک قرضہ ادا نہیں کرایا جائے گا جنت میں داخل نہیں ملے گا، اگرچہ اس کو سزا تو نہیں ہوگی، مگر جنت سے محرومی کوئی معمولی بات تو نہیں ہے۔ خاص طور پر شادی بیاہ کی رسموں نے ہمیں ذلیل کر کے رکھ دیا ہے، ان کے لیے قرضہ اٹھانا صحیح نہیں ہے۔

خاوند، بیوی کی وراثت کا بیان

آج کی آیات میں خاوند بیوی کے حصہ کا ذکر ہے۔ فرمایا ﴿وَلَكُمْ﴾ اور تمہارے لیے یعنی خاوندوں کے لیے ﴿نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ آذَآبُكُمْ﴾ آدھا اس مال کا جو چھوڑا ہے تمہاری بیویوں نے اور نصف اس وقت ہوگا ﴿إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ﴾ اگر نہیں ہے ان بیویوں کی کوئی اولاد۔ موجودہ خاوند سے نہیں ہے یا پہلے کسی خاوند سے نکاح تھا، پھر بیوہ ہوگئی، مگر اولاد نہ ہوئی یا پہلے کسی سے نکاح تھا، پھر طلاق ہوگئی، مگر اس سے بھی اولاد نہیں ہے تو اس عورت نے جو مال چھوڑا ہے، چاہے وہ زمین ہے یا مکان ہے یا نقدی ہے یا برتن وغیرہ ہیں تو اس کا نصف خاوند کو ملے گا اور جو باقی آدھا ہے وہ اس کے والدین کو ملے گا۔ اگر مرنے والی عورت کے والدین زندہ نہیں ہیں تو پھر بہن بھائیوں کو ملے گا اور اگر بہن بھائی نہیں ہیں تو چچے تایوں کو ملے گا۔ وراثت ایک ایسی چیز ہے جو دور تک جاتی ہے۔

﴿فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ﴾ پس اگر ہے ان کی اولاد۔ موجودہ خاوند سے یا اگر بیوہ ہو کر دوبارہ نکاح کیا ہے تو فوت شدہ خاوند سے ہو یا مطلقہ ہو کر نکاح کیا ہے اور طلاق دینے والے خاوند سے اولاد ہو ﴿فَلَكُمْ الزُّبُؤُا﴾ تو تمہارے لیے چوتھا حصہ ہے ﴿وَمَا﴾ اس مال میں سے ﴿تَرَكَنَّ﴾ جو وہ چھوڑ مری ہیں ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِهَا يُؤْتُونَ بِهَا﴾ وصیت کے بعد جو انھوں نے کی ہے، بشرطیکہ وہ وصیت جائز ہو ﴿أَوْ ذِينَ﴾ یا قرضہ ہے تو اس کو ادا کرنے کے بعد۔ اور یہ بات کل کے درس میں بیان ہو چکی ہے کہ کل مال کے تیسرے حصے میں وصیت کرنا جائز ہے، اس سے زائد میں نہیں، کیونکہ وہ وارثوں کا حق ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کون ایسا شخص ہے جو اس بات کو پسند کرے کہ اس کا مال اس کی بجائے اس کے وارثوں کے کام آئے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا: حضرت! ہم میں سے تو ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تم تو سارے اس کا شکار ہو، کیونکہ تمہارا مال تو وہی ہے جو تم نے کھالیا، پی لیا اور پہن لیا اور اپنے ہاتھ سے صدقہ خیرات کر لیا، باقی تو سارا وارثوں کا ہے۔ پھر اگر وارث نیک ہیں تو تمہارے مرنے کے بعد وہ تمہارا مال کھائیں گے اور نماز روزے کی پابندی کریں تو اس کا تمہیں بھی پورا ثواب ملے گا اور اگر خدا نخواستہ برے ہیں، شرابی کبابی ہیں تو تمہیں بھی مار پڑے گی۔ لیکن یہ اس صورت میں کہ تم نے ان کی اصلاح کی کوشش نہ کی ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا﴾ ”اے ایمان والو! اپنے آپ کو بھی دوزخ کی آگ سے بچاؤ اور اپنے اہل و عیال کو بھی دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔“ اگر کسی نے کوتاہی کی ہے تو وہ مجرم ہے، سزاوار ہے اور اگر ان کی اصلاح کی پوری کوشش کی ہے تو پھر مرنے والا بری الذمہ ہے۔

اولاد کی موجودگی میں پوتے پوتیوں کو وراثت نہیں ملتی

سامعین میں سے کسی شخص نے سوال کیا کہ دادے کی وراثت پوتے پوتیوں کو مل سکتی ہے یا نہیں؟ فرمایا: اولاد کی

موجودگی میں پوتے پوتیوں کو وراثت نہیں مل سکتی، رشتہ دار کو اس بات کا حق ہے کہ وہ ان کے لیے وصیت کر سکتا ہے کہ میرے پوتے پوتیاں یتیم ہیں، لہذا میری جائیداد میں سے اتنا ان کو دے دینا یا اپنی زندگی میں ان کو دے دے۔

﴿وَلَكِنَّ الزَّوْجُ﴾ اور ان عورتوں کے لیے چوتھا حصہ ہے ﴿وَمَا﴾ اس مال میں سے ﴿تَرَكَتُمْ﴾ جو تم نے چھوڑا ہے۔ خاوند کے فوت ہو جانے کے بعد ایک عورت ہے یا دو ہیں یا تین یا چار ہیں، ان کو چوتھا حصہ ملے گا ﴿إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ﴾ اگر نہ ہو تمہاری کوئی اولاد چاہے ان عورتوں سے یا ان سے جو پہلے فوت ہو گئی ہیں ﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ﴾ پس اگر ہے تمہاری اولاد چاہے ایک لڑکی ہی کیوں نہ ہو ﴿فَلِكُلِّ الْغَنُّ﴾ تو ان عورتوں کے لیے ہے آٹھواں حصہ ﴿وَمَا﴾ اس مال میں سے ﴿تَرَكَتُمْ﴾ جو تم نے چھوڑا ہے ﴿فَبَيْنَ بَعْضِ الْوَصِيَّةِ﴾ وصیت کے بعد ﴿تَوْصُونَ بِهَا﴾ جو وصیت تم نے کی ہے ﴿أَوْ ذَيْنَ﴾ یا قرضے کے بعد جو مرنے والے کے ذمہ ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے خاوند بیوی کا حق بیان فرمایا ہے۔ بعض لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ وراثت کا حق صرف ان چیزوں میں ہے جو جدی پستی چلی آرہی ہیں۔ اور جو خود کمائی ہیں ان میں وراثت نہیں چلتی۔ یہ ذہن بالکل غلط ہے، بلکہ جائیداد جس طرح کی بھی ہو چاہے جدی پستی ہے یا خود کمائی ہے یا کسی نے تحفہ اور ہدیہ کے طور پر دی ہے، یعنی مرتے وقت وہ جس مال کا مالک ہے، اس میں بدستور وراثت چلے گی۔

اوترے کی وراثت کے احکام

آگے اور مسئلہ ہے۔ فرمایا ﴿وَإِنْ كَانَ نَجُلٌ﴾ اور اگر ہے کوئی شخص ﴿يُورِثُكَ كَلَّةٌ﴾ جس کی میراث ہے اوترا (نہ باپ نہ بیٹا) ﴿أَوْ امْرَأَةٌ﴾ یا ایسی ہی کوئی عورت ہے کہ جس کی نہ تو اولاد اور نہ ہی ماں باپ ہیں، یعنی اصول بھی نہیں اور فروع بھی نہیں ﴿وَلَا أُمَّ﴾ اور اس کا بھائی ہے ﴿أَوْ أُخْتُ﴾ یا بہن ہے۔ یاد رکھنا! یہاں بہن بھائی سے مراد وہ بہن بھائی ہیں جو ماں کی طرف سے ہوں۔ رہے وہ بعض بھائی جو ماں باپ شریک ہوں یا صرف باپ شریک ہوں تو ان کا حکم اس سورت کے آخر میں آئے گا، یعنی حقیقی بہن بھائی جن کو عربی میں عینی کہتے ہیں، ان کا حکم اس سورت کے آخر میں آئے گا اور جو باپ شریک ہوں اور ماں شریک ہو ان کو عربی میں علاتی کہتے ہیں اور جو صرف ماں شریک ہوں ان کو انخیانی کہتے ہیں۔ یہاں جن کا ذکر ہے وہ انخیانی ہیں۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی قرأت میں باقاعدہ ”مِنَ الْأُمَّةِ“ کا لفظ تھا، یعنی وہ قرأت اس طرح کرتے تھے ”وَلَا أُمَّ أَوْ أُخْتُ مِنَ الْأُمَّةِ“ اور اس کا بھائی یا بہن ماں کی طرف سے۔“ اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ یہاں ماں شریک بہن بھائی مراد ہیں۔ تو اوترے اور اوتری کا بھائی یا بہن ہے ماں کی طرف سے تو ﴿فَلِكُلِّ وَاجِدٍ مِّنْهُمَا﴾ پس ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے ﴿السُّدُسُ﴾ چھٹا حصہ ہے ﴿فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ﴾ پس اگر وہ ہیں اس سے زیادہ یعنی دو تین، بہنیں ہیں یا دو تین بھائی ہیں ﴿فَهُمْ شَرُّ كَأَنِّي الْكُلِّ﴾ پس وہ سب شریک ہیں تیسرے حصے میں یعنی سب

کو تیسرا حصہ ملے گا اور یہ تیسرا حصہ برابر تقسیم کریں گے، کیونکہ حقیقی بہن بھائی ہوں یا علاتی ہوں تو بہن کو اکہرا اور بھائی کو دوہرا حصہ ملتا ہے، لیکن یہاں اس طرح نہیں ہوگا، بلکہ جتنا بھائی کو ملے گا، بہن کو بھی اتنا ہی حصہ ملے گا ﴿وَمَنْ بَعْدَ وَوَصِيَّتُكَ﴾ وصیت کے بعد ﴿يُؤْتِي بِهَا﴾ جو وصیت کی گئی ہے ﴿أَوْ ذَيْنَ﴾ یا قرض ہے تو اس کی ادائیگی کے بعد ﴿غَيْرَ مُضَارٍّ﴾ کسی کو نقصان نہ پہنچایا جائے، نہ لینے والے کسی کو نقصان پہنچائیں اور نہ دینے والے کسی کو وراثت سے محروم کریں۔

اولاد مطہر ہو یا عاصی، وراثت سے محروم نہیں ہو سکتی

بعض جذباتی قسم کے لوگ ہوتے ہیں اور جذبات میں آ کر غلط قدم اٹھاتے ہیں۔ ضلع گجرات سے ایک صاحب آئے، بظاہر بڑے دین دار معلوم ہوتے تھے، ان کی بیوی فوت ہو گئی تھی اور اولاد نافرمان تھی اور ان کے پاس زمین تھی۔ کہنے لگے: میں ساری زمین مدارس اور مساجد کے لیے وقف کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے ان کو سمجھایا کہ دیکھو بھائی! تمہاری اولاد ہے، فرماں بردار ہے یا نافرمان، جب تک وہ مسلمان ہیں تم ان کو وراثت سے محروم نہیں کر سکتے۔ کہنے لگے کہ میں تو دین کے لیے وقف کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا کہ یہ تو تمہاری گفتگو سے معلوم ہو رہا ہے کہ تم دین کے لیے وقف کرنا چاہتے ہو اور اولاد کو محروم کرنا چاہتے ہو، یہ شرعی طور پر صحیح نہیں ہے۔ شریعت تمہیں تیسرے حصے تک اجازت دیتی ہے، چاہے مسجد کے لیے وقف کرو یا مدرسے کے لیے وقف کرو، چاہے یتیم خانے کے لیے وقف کرو یا کسی غریب کو دے دو، مگر ساری جائیداد نہیں دے سکتے۔

منکر وراثت کافر ہے

فرمایا ﴿وَصِيَّةٌ مِّنَ اللَّهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاکید حکم ہے ﴿وَاللَّهُ عَلِيمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے ﴿حَلِيمٌ﴾ حوصلے والا ہے۔ یعنی وہ سب کچھ جانتا ہے، اگر فوری طور پر سزا نہیں دیتا تو اس لیے کہ وہ تحمل والا ہے ﴿تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ﴾ یہ جو وراثت کے مسائل بیان ہو رہے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں ﴿وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ اور جس نے اطاعت کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ﴿يُدْخِلْهُ﴾ داخل کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ ﴿جَنَّاتٍ﴾ ایسے باغوں میں ﴿تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ جاری ہیں ان کے نیچے نہریں ﴿خَالِدِينَ فِيهَا﴾ ہمیشہ ان باغات میں رہیں گے ﴿وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ اور یہی بڑی کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمین اور مسلمات کو جنت نصیب فرمائے۔ ﴿وَمَنْ يُعِصِ اللَّهَ﴾ اور جس نے نافرمانی کی اللہ تعالیٰ کی ﴿وَرَسُولَهُ﴾ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی ﴿وَيَسْعَ حُدُودَهُ﴾ اور پھلانگ گیا اللہ تعالیٰ کی حدوں کو ﴿يُدْخِلْهُ نَارًا﴾ داخل کرے گا اس کو دوزخ کی آگ میں ﴿خَالِدًا فِيهَا﴾ ہمیشہ اس میں رہے گا۔

یعنی جو شخص وراثت کے مسائل کا منکر ہے، وہ کافر ہے، چاہے وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا پھرے، نمازیں پڑھے، روزے رکھے، زکوٰۃ دے، وہ قطعاً مسلمان نہیں ہے۔ اس لیے کہ وراثت اللہ کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا منکر کافر ہوتا ہے۔ لہذا ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں رہے گا اور اگر منکر نہیں ہے بلکہ وراثت کے مسائل کو حق سمجھتا ہے، مگر عمل نہیں کرتا تو وہ گنہگار ہے، کافر

نہیں ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا، ایسا شخص دوزخ میں رہے گا۔

فرمایا ﴿وَلَوْلَا عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾ اور اس کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہوگا۔ لہذا تھوڑی سی زندگی کے لیے اپنی آخرت تباہ نہ کرنا۔ یہ وراثت کے مسائل مولویوں کے بنائے ہوئے نہیں ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں جو قرآن پاک میں موجود ہیں اور آنحضرت ﷺ کی پاک زبان سے نکلے ہیں اور امت مسلمہ کا ان پر اجماع اور اتفاق ہے، ان پر عمل کرنے کی کوشش کرنا۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔



﴿وَالَّذِينَ﴾ اور وہ عورتیں ﴿يَأْتِينَ﴾ جو کرتی ہیں ﴿الْفَاحِشَةَ﴾ بے حیائی ﴿مِنْ نِّسَاءِ بَنِي إِسْرَائِيلَ﴾ تمہاری عورتوں میں سے ﴿فَاسْتَشْهِدُوا﴾ پس تم گواہ بنا لو ﴿عَلَيْهِنَّ﴾ ان پر ﴿أَرْبَعَةً مِّنْكُمْ﴾ چار مرد اپنے میں سے ﴿فَإِنْ شَهِدُوا﴾ پس اگر وہ گواہی دیں ﴿فَأَمْسِكُوهُنَّ﴾ پس ان کو روک رکھو ﴿فِي الْبُيُوتِ﴾ گھروں میں ﴿حَتَّىٰ يَتَوَفَّيَهُنَّ الْمَوْتُ﴾ یہاں تک کہ ان کو اٹھانے موت ﴿أَوْ يُجْعَلَ اللَّهُ﴾ یا بنائے اللہ تعالیٰ ﴿لَهُنَّ﴾ ان کے واسطے ﴿سَبِيلًا﴾ کوئی راستہ ﴿وَالَّذِينَ﴾ اور وہ دو مرد ﴿يَأْتِيْنَهَا﴾ جو کرتے ہیں بے حیائی ﴿مِنْكُمْ﴾ تم میں سے ﴿فَأَذُوهُمَا﴾ پس ان دونوں کو تم اذیت پہنچاؤ ﴿فَإِنْ تَابَا﴾ پس اگر وہ توبہ کر لیں ﴿وَأَصْلَحَا﴾ اور وہ اصلاح کر لیں ﴿فَاعْرِضْوَا عَنْهُمَا﴾ تو ان سے اعراض کرو ﴿إِنَّ اللَّهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿تَوَّابًا﴾ توبہ قبول کرنے والا ﴿رَحِيمًا﴾ مہربان ﴿إِنَّمَا﴾ بختہ بات ہے ﴿التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ﴾ توبہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے ﴿لِلَّذِينَ﴾ ان لوگوں کے واسطے ﴿يَعْمَلُونَ﴾ جو کرتے ہیں ﴿السُّوءَ﴾ بے حیائی ﴿بِجَهَالَةٍ﴾ جہالت کی وجہ سے ﴿ثُمَّ يَتُوبُونَ﴾ پھر وہ توبہ کرتے ہیں ﴿مِنْ قَرِيبٍ﴾ جلدی ﴿فَأُولَٰئِكَ﴾ پس وہ لوگ ہیں ﴿يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ ان پر رجوع فرماتے ہیں، یعنی ان کی توبہ قبول کرتا ہے ﴿وَكَانَ اللَّهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿عَلِيمًا﴾ جاننے والا ﴿حَكِيمًا﴾ حکمت والا ﴿وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ﴾ اور نہیں ہے توبہ ان لوگوں کے لیے ﴿يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ﴾ جو کام کرتے ہیں برے ﴿حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ﴾ یہاں تک کہ جب حاضر ہوتی ہے ﴿أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ﴾ ان میں سے کسی ایک کے سامنے موت تو اس وقت ﴿قَالَ﴾ کہتا ہے ﴿إِنِّي تَابْتُ لِلَّهِ﴾ بے شک میں نے اب توبہ کی ﴿وَالَّذِينَ﴾ اور نہ ان لوگوں کی توبہ قبول ہوگی ﴿يَتُوبُونَ﴾ کہ وہ مرتے ہیں ﴿وَهُمْ كُفَّارًا﴾ اس حال میں کہ وہ کافر ہیں ﴿أُولَٰئِكَ﴾ یہ لوگ ہیں ﴿أَعْتَدْنَا لَهُمْ﴾ ہم نے تیار کیا ہے ان کے واسطے

﴿عَذَابًا﴾ عذاب ﴿الْبِئْسَاءِ﴾ دردناک۔

زمانہ جاہلیت میں عورت وراثت سے محروم تھی ؟

اس سے پہلے دور کو عوں میں عورتوں کے حقوق کا ذکر تھا۔ یعنی وہ حقوق جو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لیے مقرر فرمائے ہیں۔ تفصیل پہلے گزر چکی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو حق وراثت سے محروم کر دیا جاتا تھا اور یہ اصول ان کا صدیوں سے چلا آ رہا تھا۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ وراثت کا مستحق وہ ہے جو لڑ سکتا ہو۔ کیونکہ انہوں نے لڑائی کو مقصد حیات بنا لیا تھا، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص فوت ہوتا اور اس کی بیوی حاملہ ہوتی تو وہ وصیت کر کے مرتا کہ اگر لڑکا پیدا ہو تو اس کو میرا پیغام دینا کہ فلاں میرا دشمن ہے اس کو قتل کرنا ہے۔ یعنی بچوں کو پیدائش سے پہلے ہی قتل و قتال کی وصیتیں ہوتی تھیں اور چوں کہ عورتیں عموماً لڑ نہیں سکتیں، اس لیے ان کو وراثت کا حق نہیں ملتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس اصول کو غلط قرار دیا اور عورتوں اور مردوں کے حصے مقرر فرمائے۔ تو پہلے دونوں رکوعوں میں عورتوں کے حقوق کا بیان تھا اور اب ان حقوق کا ذکر ہے جو عورتوں کے ذمہ ہیں یعنی عورتوں پر جو پابندیاں ہیں ان کو بھی ملحوظ رکھیں۔ شریعت نے ایک طرفہ کارروائی نہیں کی، بلکہ دونوں پہلوؤں کو واضح کیا ہے۔

اصولی طور پر جب بیٹی باپ کے گھر ہو تو اس کی تعلیم و تربیت اور نگرانی باپ کے ذمہ ہے، اگر باپ فوت ہو جائے تو دادا کے ذمہ ہے، اگر دادا فوت ہو جائے تو چچا تایوں کے ذمہ ہے، اگر وہ بھی نہیں ہیں تو پھر بھائیوں کے ذمہ ہے۔ یعنی اس کی دینی، اخلاقی تربیت اور خوراک، رہائش، علاج معالجہ وغیرہ شریعت نے ان کے ذمہ لگایا ہے۔ اگر کوئی باپ طاقت کے ہوتے ہوئے اولاد کا علاج نہیں کرتا، خوراک کا انتظام نہیں کرتا، گرمی سردی کا لباس مہیا نہیں کرتا تو وہ گنہگار ہے۔ عورت کی شادی ہو جانے کے بعد یہ سارے حقوق خاوند کے ذمہ ہیں، اگر خاوند اس سلسلے میں کوتاہی کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں مجرم ہوگا۔ ہاں! اگر بے بس ہے تو سزا سے بچ جائے گا۔ یعنی ہذا حرام بھی نہیں، کام نہی کوشش بھی کرتا ہے، مگر قسمت ساتھ نہیں دیتی تو پھر وہ مجبور ہے۔ عورت کے ذمہ جو حقوق ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شریعت نے اس کو حکم دیا ہے کہ وہ کسی غیر محرم کو خاوند کی اجازت کے بغیر گھر نہ آنے دے اور خاوند بھی کسی کو گھر آنے کی اجازت اس وقت دے جب وہ خود گھر میں موجود ہو۔ اپنی غیر حاضری میں کسی کو اجازت نہیں دے سکتا۔ آنحضرت ﷺ سے سوال کیا گیا کہ حضرت! دیور اور جیٹھ بھی ہوتے ہیں، یعنی خاوند کے چھوٹے بڑے بھائی۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: ان کا بھی تنہائی میں آنا زری موت ہے۔ ہاں! اگر گھر میں ماں باپ بہن موجود ہیں، یعنی گھر آباد ہے تو دیور جیٹھ آ سکتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: جس عورت کے ساتھ غیر محرم ہوگا، تیسرا شیطان ہوگا۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں جن میں خدا خونی ہو اور ایسے اللہ تعالیٰ کے بندے بھی موجود ہیں، مگر شریعت نے عمومی ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ کوئی غیر محرم کسی کے گھر نہیں آ سکتا۔ حتیٰ کہ سات، دس سال کے نابالغ بچے جو پہلے گھروں میں آتے جاتے ہیں، بالغ ہو جانے کے بعد ان کو بھی منع کر دیا گیا کہ اب وہ گھر میں نہیں آ سکتے، جیسا کہ سورہ نور کے اندر اس کا حکم موجود ہے۔ عورتیں یہ نہیں

کہہ سکتیں کہ ہمارے پاس ہی پلے بڑھے ہیں اور انہی گھروں میں کھیلتے رہے ہیں، کیونکہ اس وقت نابالغ تھے اور اب بالغ ہو گئے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ شرعی اصولوں کی پابندی کی جائے تو ان شاء اللہ العزیز کوئی خرابی پیدا نہیں ہوگی۔ خرابی اس وقت پیدا ہوتی ہے، جب انسان شرعی حدود کو پھلنگتا ہے۔

شہادت علی الزنا کا ذکر

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَالتَّيْبَةَ﴾ اور وہ عورتیں ﴿يَا لَيْتِينَ الْفَاحِشَةَ﴾ جو کرتی ہیں بے حیائی ﴿مِنْ نِّسَاءِ بَيْتِكُمْ﴾ تمہاری عورتوں میں سے۔ یہاں فاحشہ سے مراد زنا کا مرتکب ہونا ہے تو جب وہ یہ حرکت کریں ﴿فَأَنْتُمْ شَاهِدُونَ عَلَيْهِنَّ﴾ تم گواہ بنا لو ان پر ﴿أَرْبَعَةً مِّنْكُمْ﴾ اپنے میں سے چار یعنی مردوں میں سے چار گواہ بناؤ۔ اس لیے کہ زنا کے سلسلے میں ایک لاکھ عورت بھی گواہی دے تو اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ لہذا چار مرد گواہ ہوں اور وہ اس بات کی گواہی دیں کہ واقعی اس عورت نے ہمارے سامنے بدکاری کی ہے۔ اور ان گواہوں کے لیے بھی خاصی شرائط ہیں۔ جن میں سے موٹی موٹی یہ ہیں کہ: اگر کوئی شخص بغیر کسی شرعی عذر کے ایک نماز چھوڑ دے تو اس کی گواہی منظور نہیں ہوگی، جب تک وہ کھلے بندوں توبہ نہ کرے۔ عذر کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی سویا ہوا ہے اور اس کو جگانے والا کوئی نہیں ہے اور نماز کا وقت نکل گیا ہے تو یہ جب بیدار ہوگا تو نماز کو قضا کرے گا تو اس کا وقت پر نماز نہ پڑھنا عذر کی وجہ سے ہوا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بغیر کسی شرعی عذر کے ایک روزہ چھوڑ دے تو وہ بھی مردود الشہادت ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص کے متعلق جھوٹ بولنا ثابت ہو جائے کہ اس نے فلاں موقع پر جھوٹ بولا تھا، چاہے ایک دفعہ ہی جھوٹ بولا ہو، اس کی شہادت بھی قبول نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بغیر کسی شرعی عذر کے نماز باجماعت ادا نہ کرے تو اس کی گواہی کو بھی شریعت تسلیم نہیں کرتی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بغیر کسی شرعی عذر کے جمعہ چھوڑ دیتا ہے تو یہ بھی مردود الشہادت ہے۔ خیر القرون کے زمانہ میں اس بات کا تصور بھی نہیں تھا کہ اذان ہو جانے کے بعد معذروں کے علاوہ کوئی مسجد میں نہ پہنچے۔ آج تو ہم میں سے کوئی شاذ و نادر ہی شرعی گواہ ہوگا جو ان شرائط پر پورا اترے۔

﴿فَإِنْ شَهِدَا﴾ پس اگر وہ چار مرد گواہی دے دیں ﴿فَمَا تَسْكُونَهُ﴾ پس ان کو روک رکھو ﴿فِي الْبُيُوتِ﴾ گھروں میں کہ وہ گھر سے باہر نہ نکلیں، اب وہ گھر سے باہر ایک قدم بھی نہیں رکھ سکتیں ﴿حَتَّىٰ يَتَوَفَّيَهُنَّ الْمَوْتُ﴾ یہاں تک کہ ان کو اٹھالے موت۔ یہ پہلا حکم تھا کہ جب کسی عورت سے بدکاری ثابت ہو جاتی تو اس کو گھر میں پابند کر دیا جاتا تھا، اب یہ حکم نہیں۔ چنانچہ فرمایا ﴿أَوْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا﴾ یا بنائے اللہ تعالیٰ ان کے واسطے کوئی راستہ۔ وہ راستہ اللہ تعالیٰ نے بنا دیا کہ اگر شادی شدہ مرد یا عورت زنا کریں اور وہ اس کا اقرار کریں یا شرعی طور پر گواہ موجود ہوں جو گواہی دیں تو ان کو سنگسار کیا جائے گا یا ان میں سے ایک شادی شدہ ہو اور ایک غیر شادی شدہ ہو تو شادی شدہ کو سنگسار کیا جائے گا اور غیر شادی شدہ کو سو کوڑے مارے جائیں گے، یعنی غیر شادی شدہ زانی کی سزا کم ہے اور غیر شادی شدہ کی سزا ﴿فَأَجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةً جَلْدًا﴾ [النور: ۲] تو مارو تم

ان میں سے ہر ایک کو سوسو کوڑے۔" اس دوران اگر مرجائیں تو بے شک مرجائیں۔

اگر یہ شرعی سزائیں نافذ ہوں تو بدکاری کبھی نہ ہو، چار سال کے دوران طالبان کے علاقہ میں صرف تین چار قتل ہوئے ہیں، قرآن کریم کے احکام کے مطابق قاتلوں سے قصاص لیا گیا، پھر یہ جرم نہیں ہوا۔ طالبان کو بے دین انگریزی ذہن کے لوگ جابر اور ظالم کہتے ہیں اور شرعی حدود کو ظالمانہ، جابرانہ اور وحشیانہ سزائیں کہتے ہیں۔ بھی! سوال یہ ہے کہ جو تمہارا مخالف اور باغی ہو، اس کے لیے تو پھانسی کا قانون ہو اور جو رب تعالیٰ کا مخالف اور باغی ہو اس کی کیا سزا ہے؟ کیونکہ شادی شدہ زانی کو رجم کرنا، ڈاکوؤں کو سوہلی پر لٹکانا اور ہاتھ پاؤں کاٹنا، چرکا ہاتھ کاٹنا اور غیر شادی شدہ کو کوڑے مارنا اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں اور وہ ارحم الراحمین ہے، اس کے قوانین جابرانہ اور ظالمانہ کس طرح ہو سکتے ہیں؟ اور دین دار لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان سزاؤں کو صحیح سمجھتے ہیں اور دین سے دور انگریزی ذہن رکھنے والے ان کو ظالمانہ اور وحشیانہ سزائیں کہتے ہیں۔

ضیاء الحق مرحوم کے دور میں لاہور ہائیکورٹ کے ایک جج نے ایسے ہی ایک کیس میں کہا تھا کہ یہ کوڑے مارنا اور سنگسار کرنا جابرانہ، ظالمانہ اور وحشیانہ فیصلہ ہے اور یہ یہودیوں کی ایجاد ہے، اسلامی احکامات نہیں ہیں، لا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔ اور اس کا یہ بیان اخبارات میں شائع ہوا، اس پر تمام طبقوں کے علماء اکٹھے ہوئے اور کہا کہ یہ بکواس اگر کوئی سیاسی لیڈر کرتا تو اس کا جواب ہم جلسوں اور جلسوں کی صورت میں دیتے، مگر یہ الفاظ تو ایک جج نے عدالت میں بیٹھ کر کہے ہیں اور عدالت کے اندر جج کا بیان قانون ہوتا ہے اور یہ ریمارکس ہائیکورٹ کے جج نے دیئے ہیں، لہذا اس پر خاموش نہیں رہنا چاہیے۔ چنانچہ پچاس علماء پر مشتمل ایک وفد تشکیل دیا گیا، اس وفد میں بھی شامل تھا کہ یہ وفد صدر مملکت سے ملاقات کرے اور احتجاج کرے۔

چنانچہ ہم براہ راست ضیاء الحق کو ملے اور اس کو کہا کہ ایک طرف تو آپ اسلام اسلام کہتے تھکتے نہیں اور دوسری طرف حالت یہ ہے کہ آپ کا ایک جج عدالت میں بیٹھ کر شرعی حدود کے متعلق یہ ریمارکس دے رہا ہے۔ اس نے کہا کہ وہ اخبار مجھے دو۔ ہم نے تین چار اخبار اس کے سامنے رکھ دیئے۔ اس نے پڑھنے کے بعد کہا کہ تمہاری شکایت بجا اور صحیح ہے، میں اس کا انصاف کروں گا۔ یہ بھی بڑی بات تھی کہ اس نے مان لیا، ورنہ آج کے حکمران تو ماننے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں۔ پھر اس نے شریعت کورٹ بنائی، جس کے لیے تین جج مقرر ہوئے۔ ایک مولانا تقی عثمانی صاحب، دوسرے پیر کرم شاہ صاحب، تیسرے کا نام میں بھول گیا ہوں کہ اگر کوئی جج اسلام کے خلاف بات کرے گا تو یہ شریعت کورٹ کے جج اس کا فیصلہ کریں تو پھر ججوں کے دماغ درست ہو گئے کہ ہم نے اگر خلاف شرع کوئی فیصلہ دیا تو اوپر والی عدالت ہمارے اس فیصلے کو رد کر دے گی۔ چنانچہ اس کے بعد اس دور میں ججوں نے کوئی ایسی بات نہیں کی۔ پھر جب بے نظیر کا دور آیا تو اس نے تینوں ججوں کو نکال دیا کہ ان کی ضرورت نہیں ہے، خواہ مخواہ پیسے ضائع ہو رہے ہیں۔ پھر بے نظیر کے اس اقدام کے خلاف درخواست دی گئی تھی، پھر اس کا کیا بنا مجھے معلوم نہیں ہے۔

لواطت کی سزا

آگے اور مسئلہ ہے۔ فرمایا ﴿وَالَّذِينَ﴾ اور وہ دو مرد ﴿يَأْتِيْنَهَا مِنْكُمْ﴾ جو کرتے ہیں بے حیائی تم میں سے۔ یعنی دو مرد آپس میں بے حیائی کرتے ہیں ﴿فَأَذُوْهُمَا﴾ پس تم ان دونوں کو اذیت پہنچاؤ ﴿فَإِنْ تَابَا﴾ پس اگر وہ توبہ کر لیں ﴿وَأَصْلَحَا﴾ اور اصلاح کر لیں ﴿فَاعْرِضْوْا عَنْهُمَا﴾ تو ان سے اعراض کرو، درگزر کرو اور آئندہ ان کو کوئی ایذا نہ دو ﴿إِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾ ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان۔

ہم جنس پرستی کے مرتکب کے سلسلے میں یہ حکم شروع میں تھا اور اب حکم یہ ہے یعنی اگر مرد آپس میں بے حیائی کا ارتکاب کریں تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اگر شادی شدہ ہیں تو رجم کیا جائے گا اور اگر غیر شادی شدہ ہیں تو سوسو کوڑے مارے جائیں گے۔ یعنی جو زنا کا حکم وہی اس فعل کا حکم ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ہے کہ دونوں کو کسی دیوار کے نیچے کھڑا کر دو اور دیوار کو گرا کر مار دو۔ اور اب تو یورپ کے بعض علاقوں مثلاً: برطانیہ میں یہ قانون پاس ہوا ہے کہ باقاعدہ مرد، مرد کے ساتھ شادی کر لے تو حرج نہیں ہے اور ان کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو میاں بیوی کو حاصل ہوتے ہیں، لاقول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ بے ایمان بے حیائی کی حدیں پھلانگ گئے ہیں۔ رب تعالیٰ نے جو فطرت بنائی ہے ان خبیثوں نے اس فطرت کو برباد کر دیا ہے۔

تو یہ ابتدائی حکم تھا کہ ان کو سزا دو، تاکہ وہ وہ آئندہ اس قسم کی برائی کا ارتکاب نہ کریں۔ اسی لیے شریعت کہتی ہے کہ جب لڑکا، لڑکی بالغ ہو جائیں تو فوراً ان کی شادی کا انتظام کرو، اگر والدین نے شادی کا انتظام نہ کیا اور لڑکے، لڑکی نے گناہ کا ارتکاب کیا تو ماں باپ بھی مجرم ہیں اور یہاں تو ہمیں معلوم ہے کہ تیس تیس سال کی عمر کو بچیاں پہنچ جاتی ہیں اور ماں باپ کو ان کی شادی کی فکر ہی نہیں ہے اور لڑکوں کا بھی یہی حال ہے اور یہی چیز خرابی کی جڑ ہے، اس کو ختم کرنا چاہیے اور شرعی اصولوں کی پابندی کرنی چاہیے۔

﴿إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ﴾ پختہ بات ہے توبہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے ﴿لِلَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کے لیے ﴿يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ﴾ جو کرتے ہیں بے حیائی جہالت کی وجہ سے ﴿لَمْ يَتُوْبُوْا مِنْ قَرِيْبٍ﴾ پھر وہ توبہ کرتے ہیں جلدی ﴿فَادْرِكْ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ پس وہ لوگ ہیں ان پر اللہ تعالیٰ رجوع فرماتے ہیں یعنی ان کی توبہ قبول فرماتے ہیں ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا۔ اور یہ بات بھی میں کئی دفعہ سمجھا چکا ہوں کہ توبہ کا یہ معنی نہیں ہے کہ زبان سے کہو اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَآتُوْبُ اِلَيْهِ اور توبہ ہوگئی، بلکہ توبہ کی شرطیں ہیں، یہ کہ اللہ تعالیٰ کے وہ حقوق جن کی قضاء ہے، مثلاً: نماز ہے، روزہ ہے، جب تک ان کی قضاء نہیں کرے گا تو توبہ کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور وہ بری الذمہ نہیں ہوگا۔ یعنی اگر کسی کے ذمہ ایک روزہ ہے، یا ایک نماز ہے تو جب تک ان کی قضاء نہیں کرے گا، معاف نہیں ہوں گے، چاہے کروڑ مرتبہ بھی

سجدے میں گر کر توبہ کرے۔ ہاں! اگر کسی نے شراب پی ہے، زنا کیا ہے، یا میدان جنگ سے بھاگا ہے، بچے دل سے توبہ کر لے، اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں گے۔

اسی طرح حقوق العباد کے متعلق بھی یاد رکھنا کہ جب تک وہ ادا نہیں کرے گا، معاف نہیں ہوں گے۔ ﴿وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ﴾ اور نہیں توبہ ﴿لِلَّذِينَ﴾ ان لوگوں کے لیے ﴿يَعْمَلُونَ الشَّيْءَاتِ﴾ جو کرتے ہیں بُرے کام ﴿حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ﴾ یہاں تک کہ جب حاضر ہوتی ہے، ان میں سے کسی ایک کے سامنے موت تو اس وقت ﴿قَالَ﴾ کہتا ہے ﴿إِنِّي تَنُتُّ النَّفْسِ﴾ بے شک میں نے اب توبہ کی یعنی مرتے وقت کہتا ہے میری توبہ، میری توبہ۔ نزاع کے وقت کی توبہ بالکل قبول نہیں ہے۔ ﴿وَلَا الَّذِينَ﴾ اور نہ ان لوگوں کی توبہ قبول ہوگی ﴿يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارًا﴾ کہ مرتے ہیں اس حال میں کہ وہ کافر ہیں۔ یعنی کفر کی حالت میں مرتے ہیں کہ سینے میں کفر بھی ہے اور ساتھ ساتھ توبہ بھی کرتے ہیں، اس توبہ کا کوئی معنی نہیں ہے۔ ہاں! صحت ہو، ہوش و حواس قائم ہوں، کفر و شرک کو چھوڑ کر توبہ کرے تو قبول ہوگی۔ ﴿أَوْ لِيكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا آَلِيمًا﴾ یہ لوگ ہیں تیار کیا ہے ہم نے ان کے لیے دردناک عذاب، جس میں وہ جلیں گے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔ [آمین!]



﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو! ﴿آمِنُوا﴾ جو ایمان لائے ہو ﴿لَا يَحِلُّ﴾ حلال نہیں ہے ﴿لَكُمْ﴾ تمہارے واسطے ﴿أَنْ﴾ یہ بات ﴿تَرْتَوُوا النِّسَاءَ﴾ کہ تم وارث بنو عورتوں کے ﴿كُفْرًا﴾ زبردستی ﴿وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ﴾ اور نہ روکو تم ان کو ﴿لِتَذْهَبُوا﴾ تاکہ لے جاؤ تم ﴿بِبَعْضِ مَا اتَّيَمُّوهُنَّ﴾ بعض وہ چیزیں جو تم نے ان کو دی ہیں ﴿إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ﴾ مگر یہ کہ کریں ﴿بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ﴾ کھلی بے حیائی ﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ اور زندگی بسر کرو تم ان کے ساتھ اچھے طریقے سے ﴿فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ﴾ پس اگر تم ان کو ناپسند کرتے ہو ﴿فَقَسَىٰ﴾ پس قریب ہے ﴿أَنْ تَكُونُوا شِيئًا﴾ یہ کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو ﴿وَيَجْعَلِ اللَّهُ فِيهِ حَزْبًا أَلِيمًا﴾ اور بنادے اللہ تعالیٰ اس میں بہت ساری بہتری ﴿وَإِنْ أَرَادْتُمْ﴾ اور اگر تم ارادہ کرو ﴿اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ﴾ عورت کے بدلنے کا دوسری عورت کی جگہ ﴿وَأَتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ﴾ اور دے چکے ہو تم ان میں سے ایک کو ﴿وَنظَّارًا﴾ کافی مال ﴿فَلَا تَأْخُذْهُمُ آثَمَةٌ﴾ پس نہ لو تم اس مال میں سے ﴿شَيْئًا﴾ کچھ بھی ﴿أَتَأْخُذُونَ﴾ کیا لیتے ہو تم وہ مال ﴿بِهَتَّانًا﴾ بہتان باندھ کر ﴿وَإِنَّمَا مَبِينَاتُ﴾ اور صریح گناہ کی شکل میں ﴿وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ﴾ اور کیسے لو گے تم اس مال کو ان سے ﴿وَقَدْ أَقْضَىٰ بَعْضُكُمْ﴾ حالانکہ پہنچ چکے بعض تمہارے ﴿إِلَىٰ بَعْضٍ﴾ بعض کی طرف ﴿وَأَخَذْنَا مِنْكُمْ﴾ اور لیا ان عورتوں نے تم سے ﴿مِمَّا قَاتَلْتُمْ بِطُلُوبِكُمْ﴾ وعدہ پختہ ﴿وَلَا تَكْفُرُوا﴾ اور نہ نکاح کرو تم ﴿مِمَّا ان عورتوں سے

﴿نُكْمٌ أَبَاؤُكُمْ﴾ جن کے ساتھ نکاح کیا تمہارے باپ دادا نے ﴿قَوْنِ النِّسَاءِ﴾ عورتوں میں سے ﴿الْإِمَائِدِ سَلَفِ﴾ مگر وہ بات جو پہلے ہو چکی ﴿إِنَّهُ كَانَ فَاخِشَةً﴾ بے شک یہ بے حیائی ہے ﴿وَمَقْتًا﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی کی بات ہے ﴿وَسَاءَ سَبِيلاً﴾ اور برار استہ ہے۔

ما قبل سے ربط

یہ بات پہلے تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکی ہے اور آپ سن چکے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں عورتوں اور بچوں کو وراثت سے محروم کر دیتے تھے کہ وہ لڑ نہیں سکتے اور وراثت کا مستحق وہ ہے جو لڑ سکتا ہے۔ تو عورتوں کو وراثت تو سرے سے نہیں دیتے تھے، نہ ماں کی، نہ باپ کی، نہ اور کسی کی جس کی وہ وارث بن سکتی تھیں، مگر برادری کے لوگ اپنی حیثیت کے مطابق تحفے اور ہدیے دیتے تھے۔ کسی نے زمین ہدیہ کر دی، کسی نے مکان ہدیہ کر دیا، کسی نے گائے، بھینس، اونٹنی ہدیہ کر دی کہ یہ تیری ہے، اس کا دودھ پیا کر اور پہلے لوگ اس وقت بھی دیتے تھے اور آج بھی دیتے ہیں۔ پھر اتفاقاً اگر وہ عورت بیوہ ہو جاتی کہ خاوند فوت ہو گیا تو اس کا سر یا اس کا جیٹھ اور دیور اس کو آگے نکاح نہیں کرنے دیتے تھے، اگر خوبصورت ہوتی تو جیٹھ یا دیور اپنے ساتھ نکاح کر لیتے تھے، مگر کسی دوسرے سے نکاح نہیں کرنے دیتے تھے کہ اس کے پاس جو مال ہے وہ بھی ساتھ چلا جائے گا۔ کیونکہ بعض عورتوں کے ساتھ کافی مال جمع ہو جاتا تھا، بس کہتے کہ یہ یہیں رہے، اور یہیں مرے، تاکہ مرنے کے بعد اس کا مال ہمیں مل جائے۔

ابتدائے اسلام میں لوگوں نے نیا نیا کلمہ پڑھا تھا، وہ بھی اسی طرح کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو ﴿لَا يَحِلُّ لَكُمْ﴾ حلال نہیں ہے تمہارے لیے ﴿أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرِهًا﴾ یہ بات کہ تم وارث بنو عورتوں کے زبردستی کہ تم ان کو نکاح نہیں کرنے دیتے کہ یہیں مرے اور ان کا مال ہمیں مل جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہیں اس چیز کی اجازت نہیں ہے۔

جو ان عورت اگر بیوہ ہو جائے تو اس کو شریعت بڑی تاکید کرتی ہے کہ وہ نکاح ضرور کرے، ورنہ خرابیاں پیدا ہوں گی اور یہ باتیں عام تجربے میں بھی آچکی ہیں، البتہ بچوں کے سلسلے میں پریشانی ہوتی ہے کہ ان کی پرورش کا کیا ہوگا؟ تو بعض نیک دل بھی ہوتے ہیں، جو بچوں کی کفالت اپنے ذمہ لیتے ہیں، اگرچہ ایسے لوگ تھوڑے ہیں، مگر ہیں ضرور۔ اگر ایسی صورت نہ ہو کہ ہونے والا خاوند بچوں کی کفالت کا ذمہ نہ لے تو پھر مسئلہ یہ ہے کہ جب تک بچی بالغ نہ ہو، وہ ماں کی تربیت میں رہے گی اور لڑکا سات سال تک ماں کی تربیت میں رہے گا اور اس کا خرچہ پہلے وارثوں کے ذمہ ہے، وہ دیں گے۔ اگر وہ خود نہ دیں تو قاضی وارثوں سے خرچہ دلوائے گا۔ اگر وارث اس پوزیشن میں نہیں ہیں تو بیت المال سے باقاعدہ وظیفہ مقرر کیا جائے گا۔ ایسا نہیں ہے کہ ان بچوں کا کوئی انتظام نہ ہو اور ان کو یتیم خانے داخل کر دیا جائے، یا وہ بچے لاوارث ہو کر بد اخلاقیوں کا شکار ہو جائیں۔

نہیں! بلکہ علاقے کے قاضی کی ذمہ داری ہے۔

اگر اسلامی قانون نافذ ہو جائے تو جس جگہ جمعہ کی نماز ہوگی وہاں پر ایک بااختیار جج، قاضی اور عامل ہوگا، جس کا یہ فریضہ ہوگا کہ وہ محلے میں بیوہ عورتوں اور بچوں کا خیال رکھے اور ایسے آدمیوں کو تلاش کرے کہ جن کو روزگار میسر نہیں ہے اور وہ بھوکے ہیں اور یہ تلاش کرنا اس کی ذمہ داری میں شامل ہوگا۔ اگر وہ اس میں کوتاہی کرے تو حکومت کی طرف سے سزا ہوگی کہ تمہارے حلقہ میں فلاں بیوہ عورت کیوں بھوکی رہی ہے، وہ یتیم بچہ کیوں بھوکا رہا ہے؟ فلاں بے روزگار کیوں بھوکا رہا ہے؟ لوگوں کو اسلامی قانون کی خوبیاں معلوم نہیں ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَا تَتَّخِذُوا مَنَآئِمَ مِمَّا آتَيْنَتْكُم مِّن تَحْتِهَا تَكُن لَّكُم مَّوَدِعَةٌ يَوْمَ يُنْفَخُ السَّمَاءُ كِذِّبًا لَّكُم مِّنْهَا مَاءٌ مَّحْمُومٌ﴾ تاکہ لے جاؤ تم بعض وہ چیزیں جو تم نے ان کو دی ہیں، یعنی جو مال تم نے ان کو دیا ہے، اس کو حاصل کرنے کے لیے حیلے کرتے ہو، نکاح سے روکتے ہو ﴿إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّكُمْ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ﴾ مگر یہ کہ وہ کریں کھلی بے حیائی۔ یعنی وہ عورتیں اگر صریح بے حیائی کریں تو ان کو روکنے کا حق ہے کہ جب تک وہ مرنے جائیں گھر میں قید ہی رکھو۔ مگر یہ حکم پہلے تھا جب رجم اور کوڑوں کی سزا مقرر نہیں ہوئی تھی، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اب جب رجم اور کوڑوں کا حکم نازل ہوا تو اب بیوہ چاہے نیک ہے یا بد ہے، اس کو اور اس کے مال کو روکنے کا حق نہیں ہے، عدت گزرنے کے بعد وہ اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کی مجاز ہے۔

﴿وَعَاشِرُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ اور زندگی بسر کرو تم ان کے ساتھ اچھے طریقے سے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ حوا علیہا السلام کی خلقت اور پیدائش حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے ہوئی تھی۔ فرمایا: ﴿اسْتَوَصُوا بِالنِّسَاءِ﴾ عورتوں کے متعلق مجھ سے تاکید کی حکم حاصل کرو، ان کی پیدائش پسلی سے ہوئی ہے اور پسلی ٹیڑھی ہوتی ہے تو یوں سمجھو کہ عورت ٹیڑھی ہوتی ہے، اس کو تم تیر کی طرح سیدھا کرنا چاہو تو نہیں ہوگی، ٹیڑھی رہے گی، اگر سیدھا کرنا چاہو گے تو ٹوٹ جائے گی، یعنی طلاق کی نوبت آجائے گی۔ عورتوں کا مزاج قدرتی طور پر ضدی ہوتا ہے، وہ ضد کی پکی ہوتی ہیں، اگر تم چاہو کہ ان کی ضد ختم کر دو، یہ تمہارے بس میں نہیں ہے۔ بعض نیک دل کچھ نرم ہو جاتی ہیں، بس وقت گزارو اور ان کے ساتھ اخلاق کے ساتھ زندگی بسر کرو، ان کے مزاج کا خیال رکھو۔ اور عورت کا بھی فرض ہے کہ وہ خاوند اور اس کے گھر والوں کے مزاج کو سمجھے کہ میرے خاوند کا کیا مزاج ہے، میرے سر کا کیا مزاج ہے، میری ساس کا کیا مزاج ہے اور جو کام ان کے مزاج کے خلاف ہے، اس کا ارتکاب نہ کرے۔ کیونکہ اس سے بد مزگی پیدا ہوگی۔ دونوں فریقوں کو اللہ تعالیٰ نے حقوق بتلائے ہیں، مردوں کو بھی اور عورتوں کو بھی اور حکم دیا ہے کہ ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھو، جن گھروں میں بد مزگی ہے، وہ جہنم کے ٹکڑے ہیں، وہی گھر سکھی ہیں جہاں بد مزگی نہیں ہے۔ ﴿فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ﴾ پس اگر تم ان کو ناپسند کرتے ہو ﴿فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا﴾ پس قریب ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند

کر دو ﴿وَيَعْمَلُ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ اور بنادے اللہ تعالیٰ اس میں بہت ساری بہتری۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس سے تمہیں بہت ساری خیر عطا فرمادے اور یہ بات تجربے میں آئی ہے کہ بعض عورتیں بڑی تند اور سخت مزاج ہوتی ہیں، لیکن ان سے اللہ تعالیٰ ایسی اولاد

عطا فرماتے ہیں جو ملک و ملت اور مذہب کے لیے بہت مفید ہوتی ہے۔ ﴿وَإِنْ أَرَادْتُمْ كُرْهُ﴾ اور اگر تم ارادہ کرو ﴿اِسْتِبْدَالَ رُؤُوسِكُمْ مِثْلَ مَا كُنْتُمْ عَلَيْهِ﴾ عورت کے بدلنے کا دوسری عورت کی جگہ۔ اگر کوئی شخص دوسری شادی کرنا چاہتا ہے تو اس کو اس شرط کے ساتھ اجازت ہے کہ اَنْ تَعْدِلُوْا عَدْلَ وَاِنصَافٍ كُو قَاثِمٌ رَکھے ورنہ اجازت نہیں ہے، بلکہ اگر انصاف نہیں کر سکتا تو گناہ ہے۔

بیوی کے ساتھ عدل و انصاف کا حکم

حدیث پاک میں آتا ہے جس شخص کی دو بیویاں ہیں اور اس نے انصاف نہیں کیا تو وہ قیامت والے دن قالج زدہ ہوگا۔ میدان حشر میں سارے لوگ اس کو دیکھیں گے کہ اس کی ایک جانب مفلوج ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ اس نے ایک عورت کے ساتھ عدل و انصاف نہیں کیا۔ عدل و انصاف یہ ہے کہ دونوں کو خوراک، لباس، رہائش، علاج معالجہ میں برابری دے۔ رہی قلبی محبت تو یہ انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ کی بیک وقت نو بیویاں اور دو لونڈیاں تھیں۔ آپ ﷺ ان کے لباس، خوراک اور رہائش کے بارے میں برابری رکھتے تھے، پھر فرماتے تھے کہ اے پروردگار! هَذَا قَسْمِي فِي مِمَّا اَمْلِكُ ”یہ میری تقسیم ہے ان چیزوں میں جو میرے اختیار میں ہیں فَلَا تَوْ اِخْتِيَارِي پس تو میرا مواخذہ کرنا قَسْمِي تَمْلِكُ وَلَا اَمْلِكُ ان چیزوں میں جو تیرے اختیار میں ہیں اور میرے اختیار میں نہیں ہیں۔“ کیونکہ طبعی طور پر آنحضرت ﷺ کی محبت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ تھی۔

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رضی اللہ عنہ کی دو بیویاں تھیں اور اس کا مریدوں کو بھی علم تھا۔ لہذا مرید اس چیز کو مد نظر رکھتے ہوئے ہدیہ لاتے تھے۔ چنانچہ ایک مرید دو تر بوز لایا اور دونوں ہم وزن تھے، حضرت کی خدمت میں پیش کیے۔ حضرت نے فرمایا کہ ان کو تولو، جب تولے گئے، دونوں ہم وزن نکلے۔ فرمایا: دونوں کو آدھا آدھا کرو۔ چنانچہ حسب ارشاد دونوں کو آدھا آدھا کر دیا گیا۔ ایک آدھا ایک سے اور ایک آدھا دوسرے سے ایک بیوی کو بھیج دیا اور دوسرا آدھا آدھا دوسری بیوی کو بھیج دیا۔ کسی نے سوال کیا: حضرت! دونوں ہم وزن تھے، ایک ایک بھیج دیتے۔ فرمایا: بھائی! کوئی تر بوز میٹھا ہوتا ہے اور کوئی میٹھا نہیں ہوتا، اگر ایک کے حصے میں میٹھا آتا اور دوسری کے حصے میں پھیکا آتا تو قیامت والے دن مجھ سے باز پرس ہوتی اس لیے میں نے اس طرح کیا ہے۔ تو ایسا شخص اگر ایک سے زائد نکاح کر لے تو گنجائش ہے اور اگر دوسرا نکاح کرنے کے بعد پہلی کا حال بھی معلوم نہ کرے تو گناہ کی بات ہے۔

بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ دوسرے نکاح کی خواہش ہوتی، مگر مالی توفیق نہ ہوتی تو اس طرح کرتے تھے کہ پہلی بیوی کو تنگ کرتے تھے۔ مثلاً: الزام لگا دیا کہ تو فلاں کے ساتھ کھڑی تھی، وہاں کیوں گئی تھی؟ آنا گوندھتے ہتی کیوں ہے؟ مختلف بہانے بنا کر اس کو کوستے اور الزام تراشیاں کرتے، تاکہ وہ عورت تنگ ہو کر خلع کر لے کہ رقم دے کر جان چھڑائے، تاکہ دوسری شادی کے لیے مال نہ خرچ کرنا پڑے۔ تو فرمایا کہ اس چیز کی تمہیں اجازت نہیں ہے ﴿وَ اَتَيْتُمْ اِحْدَاهُنَّ وَقَطَرْتُمْ﴾ اور دے چکے

ہو تم ان میں سے ایک کو کافی مال ﴿فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا﴾ پس نہ تو تم اس مال میں سے کچھ بھی یعنی پہلی بیوی کو تم نے جو مال دیا ہے، اس میں سے تمہیں کچھ لینے کی اجازت نہیں ہے ﴿أَتَأْخُذُونََهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا﴾ کیا لیتے ہو تم وہ مال بہتان باندھ کر اور صریح گناہ کی شکل میں کہ اس پر طرح طرح کے بہتان باندھتے ہو کہ وہ تنگ آ کر خلع لینے پر مجبور ہو جائے، اس کا تمہیں حق نہیں پہنچتا۔

ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں فرمایا کہ مہر کی زیادتی اگر کوئی اچھی چیز ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے، جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں اور بیٹیوں کا حق مہر پانچ سو درہم تھا۔ ایک درہم ساڑھے تین ماشے کا ہوتا، اس وقت میرے خیال کے مطابق اس کی مالیت تقریباً دس ہزار بنتی ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مہر زیادہ مقرر کرنا اگر کوئی فضیلت کی بات ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں اور بیٹیوں کے لیے زیادہ مقرر فرماتے، لہذا مہر زیادہ نہ مقرر کرو۔

ایک بوڑھی عورت نے منہ پر کپڑا ڈالا ہوا تھا، کھڑے ہو کر کہنے لگی صَهْلًا يَا عُمَرُ، عمر! ٹھہر جا، ہم نے تمہاری تقریر سنی ہے، یہ بتاؤ کہ تمہاری بات مانیں یا رب تعالیٰ کی بات مانیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اماں! بات تو رب تعالیٰ ہی کی ماننی ہے۔ تو بوڑھی نے پھر کہا رب تعالیٰ تو فرماتے ہیں: ﴿وَأَتَيْنَاكُمْ إِخْلَافًا لِّلنِّسَاءِ﴾ اور دے چکے ہو تم ان عورتوں میں سے کسی کو ڈھیر مال تو اس سے تم نہ لو کچھ بھی۔ اللہ تعالیٰ تو ہمیں ڈھیر مال دلواتا ہے اور تم منع کرتے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ اُمت کبھی تباہ نہ ہوگی جس اُمت کی بوڑھیوں کو بھی یہ مسئلے یاد ہوں۔

پھر خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کیا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پیٹ سے تھیں اور اس وقت ان کی عمر گیارہ سال تھی تو ان کا مہر چالیس ہزار درہم مقرر فرمایا۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ پہلی بیویوں کو حق مہر کم دیا تھا اس کو زیادہ دیا ہے؟ تو فرمایا اس وقت میری مالی پوزیشن کمزور تھی اور اب مضبوط ہے۔ اور یاد رکھنا! کہ مہر خاوند کی حیثیت کے مطابق ہے۔ کئی لوگ ابھی تک یہ رٹ لگائے پھرتے ہیں کہ شرعی مہر بتیس روپے چھ آنے ہے۔ حاشا وکلا! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ انگریز دور میں پانچ سو درہم کی قیمت تھی ایک سو بتیس روپے چھ آنے۔ تو سو کا نام نہیں لیتے تھے، بتیس روپے چھ آنے کہہ دیتے تھے، تو ان کو بتیس روپے چھ آنے یاد ہو گئے ہیں۔ پھر دیکھو! باقی ساری رسمیں کرتے ہیں اور منہ پر آ کے اڑ جاتے ہیں کہ مہر شرعی ہوگا اور شرعی بھی خود ساختہ۔ لہذا یاد رکھنا! آج کل کے زمانے میں مہر بتیس روپے چھ آنے، جو تو نکاح بالکل نہیں ہوتا۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس روایت پر عمل کرتے ہیں: لَا مَهْرَ أَقَلَّ مِنْ عَشْرَةِ قَدَاحٍ کہ دس درہم سے کم کوئی مہر نہیں ہے۔ ایک درہم ساڑھے تین ماشے کا ہوتا ہے۔ یہ تقریباً چھتیس ماشے چاندی بنتی ہے، میرے خیال کے مطابق اس وقت اس کی قیمت دو سو روپے بنتی ہے۔ تو اس وقت دو سو روپے سے کم کوئی مہر مقرر کرے گا تو وہ مہر نہیں ہوگا۔ پھر ہر زمانے میں قیمت بدلتی رہتی ہے، اس اعتبار سے قیمت لگائی جائے گی۔

فرمایا ﴿وَكَيْفَ تَأْخُذُونََهُ﴾ اور کیسے لوگ تم ان سے اس مال کو ﴿وَقَدْ أَفْلَسُ بَعْضُكُمْ إِنْ بَغِضَ﴾ حالانکہ پہنچ چکے بعض

تمہارے بعض کی طرف۔ یعنی تم ایک دوسرے سے مل چکے ہو، خاوند بیوی رہ چکے ہو۔ ﴿وَأَخَذْنَ مِنْكُمْ بَيْنَهُنَّ أَثْمَانًا﴾ اور لیا ان عورتوں نے تم سے پختہ وعدہ۔ وہ پختہ وعدہ یہ ہے کہ جب نکاح کا ایجاب و قبول ہوتا ہے تو مرد کہتا ہے میں نے قبول کی۔ یہ بڑا پختہ وعدہ ہے لہذا تم قبول کرنے کے بعد ان کو کیوں چھوڑتے ہو؟ اور ان کو تنگ کر کے خلع پر کیوں مجبور کرتے ہو؟ ایک اور مسئلہ بھی یاد رکھنا! وہ یہ کہ بعض جاہل قسم کے نکاح خواں ان الفاظ کے ساتھ نکاح پڑھاتے ہیں کہ فلاں دختر فلاں کی اتنے مہر کے عوض میں تجھے قبول ہے؟ وہ کہتا ہے مجھے قبول ہے، ان الفاظ کے ساتھ نکاح نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ استفہام ہے اور جملہ استفہامیہ سے نکاح نہیں ہوتا۔ نکاح ان الفاظ کے ساتھ کہ فلاں دختر فلاں اس کی اجازت سے میں نے اپنی وکالت سے تجھے نکاح کر کے دے دی ہے اور وہ کہے کہ میں نے قبول کی ہے۔

اور مسئلہ۔ فرمایا ﴿وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ﴾ اور نہ نکاح کرو تم ان عورتوں سے جن کے ساتھ نکاح کیا تمہارے باپ دادا نے۔ زمانہ جاہلیت میں ایسا ہوتا تھا کہ اگر کسی کے باپ نے جو ان عورت سے نکاح کیا ہوتا اور باپ فوت ہو جاتا تو اس کے بیٹوں میں سے کوئی ایک اس سوتیلی ماں کے ساتھ نکاح کر لیتا۔ یا اسی طرح دادا یا نانا نے کسی نوجوان عورت کے ساتھ نکاح کیا ہوتا تو ان کے فوت ہو جانے کے بعد یہ اپنی سوتیلی دادی یا نانی سے نکاح کر لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا ﴿إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ﴾ مگر وہ بات جو پہلے ہو چکی۔ یعنی دور جاہلیت میں آج سے پہلے جو ہو چکا ہے، وہ نادانی کی وجہ سے تھا، اب آئندہ کے لیے ایسی عورتیں ہمیشہ کے لیے تم پر حرام ہو گئی ہیں۔ ﴿إِنَّهُ كَانَ فَاخِشَةً وَمَقْتًا﴾ بے شک یہ بے حیائی ہے اور اللہ کی ناراضی کی بات ہے کہ جس عورت کو باپ استعمال کرتا تھا، اب اسی کو بیٹا استعمال کرے، جس کو دادا استعمال کرتا رہا، اسی کو پوتا استعمال کرے، جس کو نانا استعمال کرتا رہا، اس کو نواسہ استعمال کرے، بڑی بے حیائی کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی کی بات ہے ﴿وَسَاءَ سَبِيلًا﴾ اور یہ بہت برار استہ ہے۔ لہذا ان کے حقوق کا لحاظ کرو، چاہے وہ نوعمر ہیں، تمہارے نکاح میں نہیں آسکتیں۔



﴿حُرْمَتٌ﴾ حرام کردی گئیں ﴿عَلَيْكُمْ﴾ تم پر ﴿أُمَّهَاتُكُمْ﴾ تمہاری مائیں ﴿وَبَنَاتُكُمْ﴾ اور تمہاری بیٹیاں ﴿وَأَخَوَاتُكُمْ﴾ اور تمہاری بہنیں ﴿وَعَمَّاتُكُمْ﴾ اور تمہاری پھوپھیاں ﴿وَوَخَلَاتُكُمْ﴾ اور تمہاری خالائیں ﴿وَبَنَاتُ الْأَخِ﴾ اور بھتیجیاں ﴿وَبَنَاتُ الْأَخْتِ﴾ اور بھانجیاں ﴿وَأُمَّهَاتُ النِّسَاءِ﴾ اور تمہاری وہ مائیں ﴿أَمْرَضَتُنَّ﴾ جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے ﴿وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرِّضَاعَةِ﴾ اور تمہاری دودھ شریک بہنیں ﴿وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ﴾ اور تمہاری بیویوں کی مائیں ﴿وَسَبَابُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ﴾ اور تمہاری وہ پروردہ بچیاں ﴿فِي حُجُورِكُمْ﴾ جو تمہاری گود اور تربیت میں ہیں ﴿وَمَنْ نَسَاكُمْ﴾ تمہاری ان عورتوں سے ﴿وَدَخَلْتُمْ بُيُوتَهُنَّ﴾ جن کے ساتھ تم ہم بستری کر چکے ہو ﴿فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بُيُوتَهُنَّ﴾ پس اگر تم نے ان کے ساتھ ہم بستری نہیں کی ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾

پس کوئی گناہ نہیں ہے تم پر ﴿وَحَلَّاهُمْ لِبَنَاتِكُمْ﴾ اور تمہارے بیٹوں کی بیویاں بھی حرام کر دی گئی ہیں ﴿الذین﴾ وہ بیٹے ﴿مِنْ أَصْلَابِكُمْ﴾ جو تمہاری پشت سے ہیں ﴿وَأَنْ تَجْمَعُوا بَنَاتِ الْأَخْتَيْنِ﴾ اور یہ کہ تم جمع کر دو بہنوں کو نکاح میں ﴿إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ﴾ مگر وہ جو پہلے گزر چکا ﴿إِنَّ اللَّهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ عَظِيمًا﴾ ہے بخشنے والا مہربان۔

اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کو باقی رکھنے کے لیے مرد اور عورت کو پیدا کیا۔ مرد اور عورتیں پیدا فرمائیں کہ ان کے ذریعہ نسل انسانی باقی رہے اور انسان کا شمار چونکہ اشرف المخلوقات میں ہوتا ہے لہذا اس کے شرف کو محفوظ کرنے کے لیے قانون دے دیا تاکہ یہ حیوانوں کی طرح زندگی نہ گزارے۔ اس لیے نکاح کے اصول بیان فرماتے ہیں کہ کن کن عورتوں سے نکاح ہو سکتا ہے اور کن کن عورتوں سے نکاح نہیں ہو سکتا۔

ذمی کے لیے اسلامی قوانین کی پابندی ضروری ہے ؟

دنیا میں ایسی بد بخت تو میں بھی تھیں اور اب بھی موجود ہیں کہ جو ماں، بہن، بیٹیوں، نواسیوں اور پوتیوں سے نکاح کر لیتے ہیں۔ ان کا اصول یہ ہے کہ عورتیں سب برابر ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ چنانچہ ایران کے مجوسی اور پارسیوں کا یہی نظریہ تھا۔ سعودیہ کے بالکل کنارے پر ایک مقام تھا حجر، وہاں کچھ مجوسی آباد تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو اپنے دور خلافت میں معلوم ہوا کہ ایک پارسی نے بیٹیاں اور بہن اپنے نکاح میں رکھی ہوئی ہیں تو وہاں کے گورنر کو تحریری طور پر حکم بھیجا کہ میں نے سنا ہے کہ وہاں ایک ایسی قوم آباد ہے کہ انھوں نے بیٹیاں اور بہنیں نکاح میں رکھی ہوئی ہیں تَفَقَّهُوا ان میں تفریق کرادو، اسلام میں یہ بد معاشی برداشت سے باہر ہے۔

اور مسئلہ یہ ہے کہ جو کافر اسلامی حکومت میں رہیں گے جن کو فقہی اصطلاح میں ذمی کہا جاتا ہے، ان کو تمام اسلامی قوانین کی پابندی کرنا پڑے گی۔ سوائے دو چیزوں کے۔

- ① شراب کی ان کو اجازت ہے، بنائیں، پیئیں اور پیئیں۔ اس سلسلہ میں ان پر کوئی پابندی نہیں ہے۔
- ② خنزیر کھائیں، پیئیں، کوئی پابندی نہیں ہے۔ ان دو کے علاوہ جتنے اسلامی احکام ہیں وہ ان پر نافذ ہوں گے۔ چوری کریں گے تو ہاتھ کاٹے جائیں گے، شادی شدہ زنا کرے گا تو سنگسار کیا جائے گا، غیر شادی شدہ کرے گا تو سو کوڑے مارے جائیں گے، ماں بہن کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے مذہب میں ماں بہن کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت ہے۔ چونکہ پاکستان میں اسلامی قانون نافذ نہیں ہے اس لیے یہاں کافر بڑی جرأت کے ساتھ اپنے مذہب کا پرچار کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک عیسائی پاکستان میں تقریر کرتا پھر رہا ہے اور وہ حکومت پاکستان کا مہمان ہے، وہ کہتا پھر رہا ہے کہ عیسائی اگر مسلمان ہو جائے تو اس پر کوئی پابندی نہیں ہے، اسی طرح اگر مسلمان عیسائی

ہو جائے تو اس پر بھی کوئی پابندی نہیں ہونی چاہیے۔ حالانکہ قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کے مطابق اگر کوئی مسلمان مرتد ہو جائے تو اس کی سزا قتل ہے۔ بہر حال اسلام نے بے حیائی کی جڑیں اکھیڑی ہیں، نہ آتش پرستوں کے طریقے کو رہنے دیا ہے، نہ کسی اور طریقے کو۔

آج سے تقریباً پانچ سال پہلے کی بات ہے، اخبار میں آیا تھا کہ کسی مغربی ملک میں ایک عورت کا خاوند فوت ہو گیا تو اس نے اپنے بیٹے کے ساتھ نکاح کر لیا جو اسی خاوند سے تھا۔ عورت کی عمر بیالیس سال تھی اور لڑکے کی عمر اٹھارہ سال تھی اور اس عورت کا باقاعدہ نوٹو بھی شائع ہوا تھا۔ کچھ لوگوں نے لڑکے کو طعنے دیئے کہ وہ تیری ماں ہے تو اس نے کہا کوئی بات نہیں، وہ میری ماں بھی ہے اور میری بیوی بھی ہے، تمہیں کیا تکلیف ہے؟ تو اس قدر دنیا میں بے حیائی پھیلی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بے حیائی کو بند کرنے کا حکم دیا، جیسا کہ آپ نے کل کے درس میں سنا ﴿وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ﴾ اور نہ نکاح کرو تم ان عورتوں کے ساتھ جن کے ساتھ نکاح کیا ہے تمہارے باپ دادا نے۔ یعنی جن عورتوں کے ساتھ تمہارے باپ دادا نے نکاح کیا ہے، ان کے ساتھ تمہارا نکاح نہیں ہو سکتا۔ اس حکم میں سوتیلی مائیں، سوتیلی دادیاں، سوتیلی نانیاں سب داخل ہیں۔

اور آج کے درس میں یہ حکم ہے۔ فرمایا ﴿حُضُمْتُ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتِكُمْ﴾ حرام کر دی گئی ہیں تم پر تمہاری مائیں۔ یعنی ماں کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے اور نانی، پڑنانی، دادی، پردادی اوپر تک سب ماں کے حکم میں ہیں ﴿وَبَنَاتِكُمْ﴾ اور حرام کر دی گئی ہیں تم پر تمہاری بیٹیاں۔ نہ بیٹی کے ساتھ نکاح جائز ہے، نہ نواسی کے ساتھ نیچے تک چلے جاؤ کسی کے ساتھ نکاح نہیں ہو سکتا ﴿وَأَخَوَاتِكُمْ﴾ اور حرام کر دی گئی ہیں تم پر تمہاری بہنیں چاہے وہ بہنیں عینی ہوں، ماں باپ شریک یا علاتی ہوں یعنی باپ شریک یا اخیانی ہوں ماں شریک، باپ الگ الگ ہے، تینوں صورتوں میں بہن کے ساتھ نکاح نہیں ہو سکتا۔ ﴿وَعَمَّاتِكُمْ﴾ اور حرام کر دی گئی ہیں تم پر تمہاری پھوپھیاں۔ ان میں بھی وہی تفصیل ہوگی کہ وہ پھوپھی باپ کی حقیقی بہن ہو یا باپ کی طرف سے بہن ہو، ماں کی طرف سے نہیں، ماں کی طرف سے بہن ہو، باپ کی طرف سے نہیں، تینوں صورتوں میں حرام ہے۔ ﴿وَحَلَائِكُمْ﴾ اور حرام کر دی گئی ہیں تم پر تمہاری خالائیں، ان میں بھی وہی تفصیل ہے کہ وہ ماں کی حقیقی بہن ہو یا ماں کی طرف سے بہن ہو یا باپ کی طرف سے بہن ہو، ماں الگ الگ ہو، تینوں صورتوں میں اس کے ساتھ نکاح حرام ہے ﴿وَبَنَاتُ الْأَخِ﴾ اور حرام کر دی گئی ہیں تم پر بھائی کی بیٹیاں یعنی بھتیجیاں۔ ان میں بھی وہی تفصیل ہے کہ حقیقی بھائی ہے، اس کی بیٹی یا ماں کی طرف سے بھائی ہو اس کی بیٹی یا باپ کی طرف سے بھائی ہے اس کی بیٹی، تینوں صورتوں میں بھائی کی بیٹی کے ساتھ نکاح حرام ہے۔

﴿وَبَنَاتُ الْأَخْتِ﴾ اور حرام کر دی گئی ہیں تم پر بہن کی بیٹیاں یعنی بھانجیاں۔ یہاں وہی تفصیل ہے حقیقی بہن کی لڑکی ہو یا ماں شریک بہن کی لڑکی ہو یا باپ شریک بہن کی لڑکی ہو، تینوں صورتوں میں اس کے ساتھ نکاح حرام ہے۔ ﴿وَأُمَّهَاتُ الْيَتَامَى﴾ اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے یعنی رضاعی ماں کے ساتھ بھی نکاح حرام ہے۔ نہ رضاعی ماں کی ماں کے ساتھ، نہ اس کی بیٹی کے ساتھ، رضاعی ماں کا سلسلہ بھی اسی طرح چلتا ہے جس طرح نسبی اور حقیقی ماں کا چلتا ہے۔

مسئلہ رضاعت

عورتوں کی یہ رضاعت کا مسئلہ اچھی طرح سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ بعض بے چاریاں بالکل سادہ ہوتی ہیں، ان کو مسئلے کا علم نہیں ہوتا اور وہ بیمار میں آ کر اپنے بھتیجیوں اور بھانجیوں کو دودھ پلا دیتی ہیں یا کوئی عورت سودا سلف لینے کے لیے گئی اور پیچھے اس کا بچہ بچی روز ہے ہیں تو ان کو اپنا دودھ پلا دیا کہ خاموش ہو جائیں، ایسا بالکل نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس کے ساتھ حرام حلال کے مسائل کا تعلق ہے۔ لہذا بلا ضرورت کوئی عورت کسی بچے کو دودھ نہ پلائے۔ ہاں! اگر مجبوراً پلانا پڑا ہے کہ اگر نہ پلائیں تو بچے کی جان کو خطرہ تھا کہ مر جاتا تو پھر اس کی تشہیر کرے کہ فلاں لڑکے یا لڑکی کو میں نے دودھ پلایا ہے۔ کیونکہ زندگی کا کوئی علم نہیں ہے، اگر اس نے نہ بتایا اور فوت ہوگئی اور لاعلمی کی وجہ سے بہن بھائی کا نکاح ہو گیا تو آگے ساری نسل حرامیوں کی چلے گی اور دودھ کے چند قطرے بھی اندر چلے گئے تو احکامات مرتب ہونے کے لیے کافی ہیں۔

اور فقہائے کرام رحمہم اللہ نے یہاں تک مسئلہ لکھا ہے کہ اگر غیر شادی شدہ لڑکی صحت مند ہے اور اس کا دودھ اُتر آیا ہے اور ایسا ہو سکتا ہے باوجود اس کے کہ وہ بد چلن بھی نہ ہو، اگر اس نے اپنا دودھ کسی بچی یا بچے کو پلایا تو رضاعت کا حکم ثابت ہو جائے گا اور وہ اس بچی، بچے کی ماں بن جائے گی۔ بڑا نازک مسئلہ ہے، اس کی گھروں میں خوب تشہیر کر دو اور جو عورتیں درس سنتی ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ اپنی برادری کی عورتوں کو بتائیں کہ کوئی عورت کسی کے بچے کو دودھ نہ پلائے اور اگر پلائے تو اس کی خوب تشہیر کرے کہ میں نے فلاں بچے کو دودھ پلایا ہے، تاکہ آنے والی نسلوں پر اس کی زد نہ پڑے۔

بخاری شریف میں روایت ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کے ساتھ گھر میں موجود تھے کہ اتنے میں ایک کالے رنگ کی لونڈی آئی، بنت اہاب اس کا نام تھا، دیکھا کہ دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے رہ رہے ہیں۔ کہنے لگی کہ میں نے تو تم دونوں کو دودھ پلایا ہے، تم آپس میں رضاعی بہن بھائی ہو تم میاں بیوی کس طرح بن گئے ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہمیں تو نہ تو نے بتایا ہے، نہ اور کسی نے بتایا ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں رہائش پذیر تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں۔ یہ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ پہنچے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صورت حال سے آگاہ کیا کہ حضرت! اس طرح میری بیوی ہے اور ایک کالے رنگ کی عورت آئی ہے، وہ کہتی ہے کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے تو تم میاں بیوی کس طرح بن گئے ہو؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو اس عورت کو الگ کر دے، احتیاط اسی میں ہے۔

اور یہ مسئلہ بھی سمجھ لیں کہ رضاعت کا حکم تب ثابت ہوگا کہ دو سال کی عمر کے اندر اندر دودھ پلایا جائے۔ کیونکہ دوسرے پارے میں موجود ہے ﴿حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ کہ دودھ پلانے کا زمانہ دو سال ہے۔ دو سال کے بعد جب بچہ کھانے پینے لگ جائے تو پھر دودھ پینے سے رضاعت کا حکم ثابت نہیں ہوگا۔ چنانچہ ایک آدمی نے مسئلہ دریافت کیا کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کا دودھ چوس لے تو کیا نکاح رہتا ہے یا نہیں؟ تو میں نے کہا کہ بھائی اس کو بیوی کے دودھ کو چوسنے کی کیا ضرورت تھی؟ بھیڑ بکری کا چوس لیتا، مگر ایسا کرنے سے نکاح پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ کیونکہ رضاعت کا حکم دو سال کے اندر اندر ثابت ہوتا ہے، لیکن ایسی کوئی

حکمت کرنی نہیں چاہیے۔ شریعت کے دائرے میں رہنا چاہیے۔ ﴿وَإِذَا حَضَّوْا بِالنَّضَاءِ﴾ اور تمہاری دودھ شریک بہنیں۔ ان کے ساتھ بھی نکاح جائز نہیں ہے اور اس کی کئی صورتیں بن سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ لڑکے کی ماں کا دودھ کسی لڑکی نے پیا ہے تو یہ دونوں آپس میں بہن بھائی ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لڑکی نے کسی لڑکے کی ماں کا دودھ پیا ہو تو بہن بھائی بن گئے۔ اور ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ کسی لڑکے اور لڑکی نے کسی تیسری عورت کا دودھ پیا ہو جو نہ لڑکے کی ماں ہے، نہ لڑکی کی، تب بھی یہ دونوں آپس میں بہن بھائی بن گئے اور بہن بھائی بننے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اکٹھے ایک ہی وقت میں پیئیں، یعنی دودھ پینے کا زمانہ ایک ہو، بلکہ فرض کرو کہ لڑکے نے آج دودھ پیا ہے اور لڑکی نے اس عورت کا دودھ دو سال یا دس سال یا تیس سال یا پچاس سال بعد پیا تب بھی یہ آپس میں بہن بھائی بن جائیں گے، کیونکہ دونوں کی ماں ایک ہے۔ ﴿وَأَقْرَبُ نِسَابِكُمْ﴾ اور تمہاری بیویوں کی ماں یعنی ساس کے ساتھ بھی نکاح جائز نہیں ہے چاہے وہ مطلقہ ہو یا بیوہ ہو جائے، کوئی بھی حیثیت رکھتی ہو وہ تمہاری ماں کے درجہ میں ہے۔

﴿وَرَبَاہَا بِكُمْ﴾ ربائبہ کی جمع ہے، تمہاری پروردہ بچیاں ﴿الَّتِي فِي حُجُورِكُمْ﴾ وہ جنہوں نے تمہاری گود میں تربیت پائی ہے ﴿مِنْ نِّسَابِكُمْ الَّتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ﴾ تمہاری ان عورتوں سے جن سے تم ہم بستری کر چکے ہو۔ مثلاً: ایک عورت بیوہ یا مطلقہ ہے اس نے دوسری جگہ نکاح کر لیا اور پہلے خاوند سے بچی ہے تو یہ دوسرا خاوند اس بچی سے نکاح نہیں کر سکتا۔ یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ میری بیٹی نہیں ہے، کسی اور کی بچی ہے۔ کیونکہ عموماً بیوہ ہونے اور مطلقہ ہونے کی شکل میں چھوٹے بچے ماں کے پاس رہتے ہیں تو یہ ربیبہ کہلاتی ہے۔ ﴿فَإِنْ لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ﴾ پس اگر تم نے کسی کے ساتھ ہم بستری نہیں کی ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ تو کوئی گناہ نہیں ہے تم پر۔ مثلاً: ایک آدمی نے بیوہ یا مطلقہ عورت سے نکاح کیا ہے، مگر ہم بستری نہیں کی اور طلاق کی نوبت آگئی ہے یا وہ عورت فوت ہوگئی تو اس کی وہ بچی جو پہلے خاوند سے ہے اس کے ساتھ یہ دوسرا خاوند نکاح کر سکتا ہے، اس کے لیے حلال ہے، کوئی گناہ نہیں ہے۔ ﴿وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ﴾ اور تمہارے بیٹوں کی بیویاں بھی تم پر حرام کر دی گئی ہیں ﴿الَّذِينَ مِنْ أَوْلَادِكُمْ﴾ وہ بیٹے جو تمہاری پشت سے ہیں۔ یعنی جو تمہارے صلیبی بیٹے ہیں اور یہ صلیبی کی قید اس لیے لگائی کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی سے طلاق اور عدت کے بعد نکاح جائز ہے، اس کے حقوق وہ نہیں ہیں جو صلیبی بیٹے کے ہیں۔

زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جس کو بیٹا کہہ دیتے تھے اس کے وہی حقوق سمجھتے تھے جو صلیبی بیٹے کے ہوتے تھے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو متبہ بنایا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کا نکاح ہوا تھا، آپس میں مزاج نہ ملنے کی وجہ سے طلاق کی نوبت آگئی۔ عدت گزرنے کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کرنا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر دو پیگنڈے سے ڈرتے تھے کہ لوگ کہیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے۔ تو بایسویں پارے میں موجود ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَتَشْتَى النَّاسُ﴾ اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے ﴿وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ﴾ حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے

ڈرو۔ یعنی لوگوں سے نہ ڈرو، مجھ سے ڈرو۔ متنی کی بیوی سے نکاح جائز ہے، رضاعی بیٹی کی بیوی سے نکاح جائز نہیں ہے اور رضاعی بیٹا وہ ہے جس نے بیوی کا دودھ پیا ہے، اس بچے نے کسی عورت کے ساتھ نکاح کیا پھر وہ فوت ہو گیا یا اس نے طلاق دے دی تو یہ رضاعی باپ اس عورت کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا۔ رضاعی بیٹے، بیٹی کے وہی احکام ہیں جو حقیقی بیٹے کے ہیں۔

﴿وَأَنْ تَجْعُوا ابْنَيْنِ الْأَخْتَيْنِ﴾ اور یہ کہ تم جمع کرو دو بہنوں کو نکاح میں۔ یعنی دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا بھی حرام ہے، برابر ہے کہ حقیقی بہنیں ہوں یا باپ کی طرف سے بہنیں ہوں یا ماں کی طرف سے بہنیں ہوں۔ اسی طرح چھو بھئی، بھتیجی بھی کسی کے نکاح میں اکٹھی نہیں رہ سکتیں۔ آگے پیچھے رہ سکتی ہیں کہ ایک فوت ہو جائے تو دوسری سے نکاح کر لے۔ اسی طرح خالہ بھانجی بھی اکٹھی نہیں رہ سکتیں، آگے پیچھے ہو سکتی ہیں کہ مثلاً: ایک آدمی نے ایک عورت کے ساتھ نکاح کیا، موافقت نہ ہوئی، طلاق ہو گئی، اب اس کی بھتیجی یا بھانجی کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے تو جب تک پہلی عورت کی عدت ختم نہیں ہوگی، اس وقت تک اس کی بھتیجی یا بھانجی سے نکاح نہیں کر سکتا۔ کیونکہ دونوں کا جمع ہونا لازم آتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ نے احکام بتائے ہیں۔

جزواں بہنوں سے متعلق موودوی صاحب کا غلط فتویٰ

کافی عرصہ ہوا ہے کہ ایک مسئلہ درپیش آیا کہ ایک آدمی کی دو بچیاں ہیں کہ قدرتی طور پر دونوں کی پیٹھ جڑی ہوئی ہے، دونوں صحت مند اور جوان ہو گئی ہیں، ڈاکٹروں نے کہا کہ دونوں کو الگ الگ کرنے کے لیے رگیں کاٹی گئیں تو مر جائیں گی۔ نکاح کا مسئلہ پیش آیا کہ ان کا نکاح کس طرح کیا جائے، کیا صورت ہوگی؟ تو موودوی صاحب نے فتویٰ دیا کہ دونوں کا ایک مرد کے ساتھ نکاح کر دو، جائز ہے۔ ہم نے بڑا احتجاج کیا کہ قرآن پاک کا حکم ہے ﴿وَأَنْ تَجْعُوا ابْنَيْنِ الْأَخْتَيْنِ﴾ کہ دو بہنوں کو جمع کرنا حرام ہے اور ان دونوں کا وجود الگ الگ ہے، صرف ایک جگہ سے رگیں جڑی ہوئی ہیں کہ اگر کاٹنے ہیں تو مرنے کا خطرہ ہے اور قرآن پاک کا صریح حکم ہے کہ دو بہنوں کا نکاح میں اکٹھا کرنا حرام ہے۔ علماء کا موودوی صاحب سے کوئی ذاتی اختلاف اور دشمنی نہیں ہے اس اللہ کے بندے نے قرآن پاک کی تفسیر میں بھی اور فقہی مسائل میں بھی بڑی قلابازیاں کھائی ہیں اور اس نے بڑا کچھ کہا ہے۔

تو یہ اہل مسئلہ ہے کہ دو بہنیں اکٹھی ایک نکاح میں نہیں رہ سکتیں۔ ہاں! اس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک کے ساتھ نکاح ہوا ہے وہ فوت ہو جائے تو عدت گزرنے کے بعد اس کی بہن کے ساتھ نکاح کر لے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، ان کے فوت ہو جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری بیٹی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دیا۔

﴿إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ﴾ مگر وہ جو پہلے گزر چکا۔ وہ جہالت اور نادانی کی وجہ سے تھا اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے، کیونکہ ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا نَبِيًّا﴾ بے شک ہے اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان۔ تمام مسلمان مرد، عورتوں پر فرض ہے کہ ان مسائل کو ازبر کریں اور یاد رکھیں تاکہ کوئی گڑبڑ نہ ہو۔



﴿وَالْمُحْصَنَاتُ﴾ اور (حرام کردی گئی ہیں تم پر) وہ عورتیں جو خاوندوں والی ہیں ﴿مِنَ النِّسَاءِ﴾ عورتوں میں سے ﴿إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ مگر وہ جن کے مالک ہو جائیں تمہارے دائیں ہاتھ ﴿كُتِبَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ﴾ یہ تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لکھا گیا ہے ﴿وَأُحِلَّ لَكُمْ﴾ اور حلال کردی گئیں تمہارے لیے ﴿مَا وَرَاءَ ذَلِكَ﴾ وہ عورتیں جو ان کے علاوہ ہیں ﴿أَنْ تَبْتَغُوا﴾ یہ کہ تلاش کرو تم ﴿بِأَمْوَالِكُمْ﴾ اپنے مالوں کے ساتھ ﴿مُحْصِنِينَ﴾ نکاح کی قید میں رکھنے والے ہو ﴿غَيْرَ مُسْفِحِينَ﴾ نہ کہ شہوت رانی کرنے والے ہو ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ﴾ پس تم نے ان عورتوں میں سے جس سے فائدہ اٹھایا ﴿فَاتَوْهُنَّ﴾ پس دو تم ان کو ﴿أُجُورَهُنَّ﴾ مہران کے ﴿فَرِيضَةً﴾ جو مقرر ہیں ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ اور کوئی گناہ نہیں ہے تم پر ﴿فِيهَا﴾ اس چیز کے بارے میں ﴿تَرْضَيْتُمْ بِهِ﴾ جس پر تم آپس میں راضی ہو جاؤ ﴿مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ﴾ مہر مقرر کرنے کے بعد ﴿إِنَّ اللَّهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿عَلِيمًا﴾ جاننے والا ﴿حَكِيمًا﴾ حکمت والا ﴿وَمَنْ﴾ اور وہ شخص ﴿لَمْ يَسْتَطِعْ﴾ جو نہیں طاقت رکھتا ﴿مِنْكُمْ﴾ تم میں سے ﴿طَوْلًا﴾ نہ قدرت ﴿أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتَ﴾ یہ کہ نکاح کرے آزاد عورتوں کے ساتھ ﴿الْمُؤْمِنَاتِ﴾ جو مومن ہیں ﴿فَمِنْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ تو ان کے ساتھ نکاح کر لے جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہیں ﴿مَنْ قَتَلَتْكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ﴾ تمہاری لونڈیوں میں سے جو مومن ہیں ﴿وَاللَّهُ أَعْلَمُ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ﴿بِأَيَّانِكُمْ﴾ تمہارے ایمان کو ﴿بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ﴾ بعض تمہارے وابستہ بعض کے ساتھ ﴿فَأَنْكِحُوهُنَّ﴾ پس تم ان لونڈیوں کے ساتھ نکاح کرو ﴿بِأَدْنِ أَهْلِهِنَّ﴾ ان کے مالکوں کی اجازت سے ﴿وَاتَوْهُنَّ﴾ اور دو تم ان کو ﴿أُجُورَهُنَّ﴾ مہران کے ﴿بِالْمَعْرُوفِ﴾ اچھے طریقے کے ساتھ ﴿مُحْصَنَاتٍ﴾ وہ نکاح کی قید میں رکھی جائیں ﴿غَيْرَ مُسْفِحَاتٍ﴾ وہ مستی نکالنے والی نہ ہوں ﴿وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ﴾ اور پوشیدہ طور پر یا رانے رکھنے والی نہ ہوں ﴿فَإِذَا أَحْصَيْتُمْ﴾ پس جب وہ محصن ہو جائیں یعنی نکاح کی قید میں لائی جائیں ﴿فَإِنْ أَتَيْنَ﴾ پس اگر کریں وہ ﴿بِفَاحِشَةٍ﴾ کوئی گناہ ﴿فَعَلَيْهِنَّ﴾ بس ان پر ہے ﴿نِصْفَ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ﴾ آدمی سزا جو آزاد عورتوں پر ہے ﴿ذَلِكَ﴾ یہ ﴿لِمَنْ خَشِيَ﴾ اس شخص کے لیے ہے جو ڈرتا ہے ﴿الْعَتَّةَ﴾ گناہ میں مبتلا ہونے سے ﴿مِنْكُمْ﴾ تم میں سے ﴿وَأَنْ تَصِيُرُوا﴾ اور یہ کہ تم صبر کرو ﴿حَتَّىٰ تَكُونَ﴾ تمہارے لیے بہت بہتر ہے ﴿وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

ما قبل سے ربط

اس سے پہلی آیات میں ان عورتوں کا ذکر تھا، جن کے ساتھ نکاح حرام ہے، اسی حد کا ذکر ہے ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ﴾ اور (حرام کر دی گئیں ہیں تم پر) وہ عورتیں جو خاوند والی ہیں یعنی وہ عورتیں جو کسی کے نکاح میں ہیں جب تک ان کا خاوند فوت نہ ہو جائے یا طلاق نہ دے دے اور عدت نہ گزر جائے، اس عورت کے ساتھ کسی کا نکاح جائز نہیں ہے۔

اس مقام پر مُحْصَنَات سے مراد خاوند والی عورتیں ہیں کہ خاوند والی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے ﴿إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ مگر وہ جن کے مالک ہو جائیں تمہارے دائیں ہاتھ۔

یہ بات ذرا توجہ سے سمجھنا کہ کچھ کام ایسے ہیں جو دائیں ہاتھ سے کرنے ہیں اور کچھ کام ایسے ہیں جو بائیں ہاتھ سے کرنے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دائیں ہاتھ سے کھایا کرو اور دائیں ہاتھ سے پیا کرو، کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور پیتا ہے، اس طرح وضو میں پہلے دایاں ہاتھ دھوؤ، پھر بائیں۔ کتاب دائیں ہاتھ میں پکڑو، جوتا بائیں ہاتھ میں پکڑو، کوئی چیز کسی کو دینی ہے دائیں ہاتھ سے دو، یعنی ہے دائیں ہاتھ سے لو، استنجا کرنا ہے بائیں ہاتھ سے کرو، ناک صاف کرنا ہے بائیں ہاتھ سے کرو۔

ملکِ یمین کا مفہوم

تو ملکِ یمین کا مطلب ہے دائیں ہاتھ کی ملک۔ ضابطہ یہ ہے کہ جب شرعی جہاد ہو اور اس میں کا فر مرد عورتیں گرفتار ہو جائیں، قیدی بن جائیں تو ان کے متعلق پہلا حکم یہ ہے کہ تم اپنے قیدیوں کے ساتھ تبادلہ کرو، کیونکہ تمہارے ساتھی بھی تو قیدی ہوئے ہوں گے، کیونکہ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ تم ہی قیدی کرو اور وہ نہ کر سکیں لہذا تم یہ قیدی دے کر اپنے ساتھی لے لو۔ دوسرا حکم قرآن پاک کے چھبیسویں پارے میں آتا ہے کہ ﴿فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً﴾ یا تم ان قیدیوں کو مفت میں چھوڑ دو، اس کی بھی تمہیں اجازت ہے یا ان سے فدیہ اور خرچ لے کر چھوڑنا چاہتے ہو تو اس کا بھی تمہیں حق ہے، اگر یہ تینوں صورتیں نہ بن سکیں تو آخری حکم یہ ہے کہ ان کو تم غلام اور لونڈی بنا کر رکھو۔ پھر امیر لشکران کو مختلف ساتھیوں کے حوالے کرے گا اور طریقہ یہ ہوگا کہ امیر لشکر ایک قیدی کو دائیں ہاتھ سے پکڑے گا اور کہے گا کہ یہ تیرا غلام ہے اور وصول کرنے والا بھی دائیں ہاتھ سے وصول کرے گا، اس کو کہتے ہیں ملکِ یمین یعنی دائیں ہاتھ کی ملک۔ پھر یہ بھی کوئی ضروری نہیں ہے کہ ہاتھ سے ہی پکڑائے، اگر لفظ زبان سے ہی کہہ دے کہ یہ تیرا غلام ہے، یہ تیری لونڈی ہے تو اس طرح بھی جائز ہے۔

اور یہ مسئلہ بھی سمجھ لو کہ جس کو لونڈی ملے گی، وہ اس کو بطور بیوی کے استبراءِ رحم کے بعد استعمال کر سکتا ہے، یعنی ایک ماہواری آنے کے بعد، ماہواری سے پہلے نہیں۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے خاوند سے حاملہ ہو تو اس طرح نسب خلط ملط ہو جائے گا اور معلوم نہیں ہوگا کہ بچہ پہلے کا ہے یا اس کا۔

شریعت نے نسب کے تحفظ کی بڑی تاکید فرمائی ہے، جب ایک حیض آجائے گا تو اس بات کی دلیل ہوگی کہ یہ حاملہ نہیں ہے اور قیدی بن کے لونڈی ہو جانے کے بعد پہلے خاوند سے طلاق کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پھر اس میں بھی تفصیل ہے کہ وہ لونڈی اگر یہودیہ ہے یا عیسائی ہے تو اس کو بطور بیوی کے استعمال کر سکتا ہے، اگر وہ یہودیہ یا عیسائی نہیں ہے اور مسلمان ہو گئی ہے تو اس کو بطور بیوی کے استعمال نہیں کر سکتا۔ یہ ایسے ہی ہوگا جیسے کوئی گدھی یا گھوڑی خرید لے تو وہ اس کا مالک تو ہوگا مگر ان سے کوئی کارروائی جائز نہ ہوگی۔

تو فرمایا خاوند والی عورتیں بھی تم پر حرام ہیں مگر وہ جو تمہاری لونڈیاں ہو جائیں، بے شک دار الحرب میں ان کے خاوند موجود ہیں مگر اب وہ تمہاری لونڈیاں ہیں تم ان کو بغیر نکاح کے استعمال کر سکتے ہو اور اگر کسی اور کی لونڈی ہے تو تم اس کے ساتھ نکاح بھی کر سکتے ہو اگر مالک تمہارے ساتھ نکاح کر دے تو۔ اور اپنی لونڈی کا نکاح کر دینے کے بعد اب مالک اس سے دوسری خدمت تو لے سکتا ہے مگر اس سے دلی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ حق اس نے دوسرے کو دے دیا ہے۔

حق مہر کی مقدار

﴿كُتِبَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ﴾ یہ تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لکھا گیا ہے۔ یعنی عورتوں کی حرمت کا ذکر کیا گیا ہے ﴿وَأَجَلَ كُمْ﴾ اور حلال کر دی گئی ہیں تمہارے لیے ﴿قَاتِرًا آءُ ذُلِكُمْ﴾ وہ عورتیں جو ان کے علاوہ ہیں۔ یعنی ماں، بیٹی، پھوپھی، خالہ، رضاعی ماں، ساس، بہو اور خاوند والی عورتیں جن کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ ان کے علاوہ عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں لیکن شرط یہ ہے ﴿أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ﴾ یہ کہ تلاش کرو تم اپنے مالوں کے ساتھ۔ نکاح میں مال یعنی مہر کا ہونا ضروری ہے اور مہر ہے کتنا؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ مہر کم از کم دس درہم ہے اس سے کم مہر نہیں ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا مَهْرَ أَقَلَّ مِنْ عَشْرَةِ دَرَاهِمٍ)) ”دس درہم سے کم مہر نہیں ہے۔“ ایک درہم ساڑھے تین ماشے کا ہوتا ہے۔ یہ کل چھتیس ماشے چاندی ہوئی، آج کل یہ تقریباً دو سو روپے کی بنتی ہے۔

میں پہلے بھی کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں کہ یہ جو بہت سارے لوگ کہتے ہیں کہ شرعی مہر تیس روپے ہے، حاشا دکلا ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ انگریز کے دور میں چونکہ چاندی سستی تھی اور لوگ مہر فاطمی مقرر کرتے تھے، مہر فاطمی پانچ سو درہم تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باقی بیٹیوں اور بیویوں کا مہر بھی پانچ سو درہم تھا اور انگریز کے دور میں پانچ سو درہم چاندی کی قیمت بنتی تھی ایک سو تیس روپے اور چھ آنے۔ لوگوں نے ایک تو سو کو اڑا دیا اور آنے بھی اڑا دیئے، تیس روپے رہنے دیئے اور اس وقت میرے خیال میں پانچ سو درہم چاندی کی قیمت تقریباً (کم و بیش) دس ہزار بنتی ہے۔ تو یاد رکھنا! تیس روپے کوئی مہر نہیں ہے۔

اور یہ بات بھی یاد رکھنا کہ اگر نکاح کے وقت مہر نہ بھی مقرر کیا جائے، نکاح پھر بھی ہو جائے گا۔ کیونکہ دو شرعی گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول ہو تو نکاح ہو جاتا ہے اور مہر بعد میں دینا پڑے گا۔ ایسا نہیں ہے کہ نکاح کے وقت مقرر نہ کرنے سے

ساقط ہو جائے۔

فرمایا ﴿مُحْصِنِينَ﴾ نکاح کی قید میں رکھنے والے ہو ﴿عَنْدَ مُسْفِحِينَ﴾ نہ کہ شہوت رانی کرنے والے ہو کہ اپنی غرض پوری کی اور اس کو نکال دیا۔ اسلام میں ان چیزوں کی بڑی تاکید ہے کہ انسان انسان ہے، عورت عورت ہے، وہ گائے، بھینس یا بکری نہیں ہے کہ آج اس منڈی میں اور کل اس منڈی میں ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ﴾ پس تم نے ان عورتوں میں سے جس سے فائدہ اٹھایا ﴿فَاتُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ﴾ پس دو تم ان کو مہران کے ﴿فَرِيضَةً﴾ جو مقرر ہیں۔ جو مقرر ہو چکا ہے وہ عند اللہ اس عورت کا حق ہے وہ تمہیں دینا پڑے گا۔ ہاں! عورت اگر اپنی مرضی سے معاف کر دے، سارا معاف کر دے، آدھا معاف کر دے، چوتھا حصہ معاف کر دے، لیکن اس کی معافی کے بغیر بات نہیں بنے گی۔ کیونکہ یہ اس کا شرعی حق ہے جو مرنے کے بعد بھی سر سے نہیں اترے گا۔

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ اور کوئی گناہ نہیں ہے تم پر ﴿فِيمَا﴾ اس چیز کے بارے میں ﴿تَرَاضَيْتُمْ بِهِ﴾ جس پر تم آپس میں راضی ہو جاؤ ﴿وَمِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ﴾ مہر مقرر کرنے کے بعد۔ مثلاً: نکاح کے موقع پر پانچ سو روپے مہر مقرر کیا تھا اور اب خاوند اس کو اپنی مرضی سے ایک ہزار دینا چاہتا ہے، دو ہزار دینا چاہتا ہے، پانچ ہزار دینا چاہتا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے، یعنی ایسا نہیں ہے کہ جو مقرر ہوا ہے، اس سے زیادہ نہیں دے سکتا، جس طرح بیوی معاف کر سکتی ہے، خاوند اضافہ کر سکتا ہے۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ بے شک ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا، حکمت والا۔ جو حکم اللہ تعالیٰ نے دیئے ہیں وہ بڑے پختہ اور حکمت کے مطابق ہیں، ان پر عمل کرو۔

روافض کا ایک غلط استدلال

یہاں پر ایک اور بات بھی سمجھ لیں کہ ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ﴾ کی آیت کریمہ سے شیعہ حضرات نے بڑا غلط استدلال کیا ہے کہ اس سے انھوں نے متعہ ثابت کیا ہے۔ متعہ کا لغوی معنی ہے فائدہ اٹھانا اور ایک متعہ شیعوں کے ہاں ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ تنہائی میں مرد، عورت آپس میں راضی ہو جائیں۔ مثلاً: مرد کسی عورت کو کہے کہ میں تجھے اتنے پیسے دوں گا تو میری خواہش پوری کر دے، وہ قبول کر لے۔ پھر خواہش پوری کرنے کے بعد نہ وہ اس کی بیوی، نہ یہ اس کا خاوند، یہ متعہ ہے۔ اور اس کے انھوں نے بڑے فضائل بیان کیے ہیں۔ پناہ بخدا! وہ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص متعہ کرنے کے بعد غسل کرتا ہے تو غسل کے پانی کے ایک ایک قطرے سے ستر ستر فرشتے پیدا ہوتے ہیں، وہ اس کے لیے ساری عمر دعائیں کرتے رہتے ہیں، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔ شریعت جس کو حرام کہتی ہے اس کے یہ فضائل بیان کیے ہیں۔

ان کی ایک تفسیر ہے ”مَنْهُجُ الصَّادِقِينَ“ ایران سے طبع ہوئی ہے۔ اس تفسیر میں اس مقام پر ایک جعلی اور من گھڑت حدیث لکھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ایک دفعہ متعہ کرے گا، اس کو امام حسینؑ کا درجہ مل جائے گا، جو دو

مرتبہ متعہ کرے گا، اس کو امام حسن رضی اللہ عنہما کا درجہ مل جائے گا، جو تین مرتبہ متعہ کرے گا اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہما کا درجہ مل جائے گا اور جو چار دفعہ متعہ کرے گا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درجے کو پہنچ جائے گا (العیاذ باللہ تعالیٰ، العیاذ باللہ تعالیٰ)۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں یہ خرافات نقل کی ہیں۔ اہل حق جب ان کی یہ باتیں بیان کرتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ یہ فرقہ واریت پھیلاتے ہیں اور ایرانی، ایسے مسائل والی کتابیں مسلسل بھیجتے رہتے ہیں اور پاکستانی شیعہ تقسیم کرتے رہیں تو کوئی فرقہ واریت نہیں ہے، بڑی عجیب منطق ہے کہ چھپوا کر بھیجنے والے فرقہ واریت پھیلانے والے نہیں ہیں اور ان کو بیچنے اور تقسیم کرنے والے بھی فرقہ واریت پھیلانے والے نہیں ہیں اور جو ان کو پڑھ کر سادے وہ فرقہ واریت پھیلانے والا ہے۔ بھئی! ہم لڑائی جھگڑے کے قائل نہیں اور دہشت گردی کے سخت منکر ہیں، چاہے کوئی طبقہ بھی کرے، مگر حق کو بیان کرنا تو حق ہے۔ مثلاً: اس طرح قرآن پاک کی کوئی تفسیر کرے، جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ اس آیت کریمہ کی تشریح میں لکھا ہے کہ جو چار مرتبہ متعہ کرے اُسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے تو ان لغویات کی تردید کرنے کا تو ہمیں حق حاصل ہے، اسلام کے خلاف کوئی بات کرے تو ہر مسلمان کے فریضہ میں داخل ہے کہ وہ اس کی تردید کرے۔

آگے فرمایا ﴿وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا﴾ اور وہ شخص جو نہیں رکھتا تم میں طاقت ﴿أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ﴾ یہ کہ نکاح کرے آزاد عورتوں کے ساتھ۔ یہاں پر محسن کے معنی آزاد عورت کے ہیں کہ جو آدمی آزاد عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو فرمایا ﴿فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ پس ان کے ساتھ نکاح کرے جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہیں، لونڈیوں کے ساتھ نکاح کرے ﴿مِنْ فَتْيَتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ﴾ تمہاری لونڈیوں میں سے جو مومن ہیں۔

ایک مسئلہ تو یہ سمجھ لیں کہ اپنی لونڈی کے ساتھ نکاح نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس سے بغیر نکاح کے مباشرت کر سکتا ہے، بشرطیکہ وہ یہودیہ ہو یا نصرانیہ ہو۔ ہاں! لونڈی کا جو مالک ہے وہ اپنی لونڈی کا نکاح کسی دوسرے کے ساتھ کر سکتا ہے، یہ جائز ہے۔ لیکن مالک جب اپنی لونڈی کا نکاح کسی دوسرے کے ساتھ کر دے گا تو اب وہ خود اس لونڈی کے ساتھ ہم بستری نہیں کر سکتا، کیونکہ وہ اب دوسرے کی منکوحہ بیوی ہے اور اس نے یہ حق دوسرے کو دے دیا ہے۔ تو فرمایا کہ اگر تمہیں آزاد عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی طاقت نہیں ہے تو تم ان کے ساتھ نکاح کر لو جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہیں تمہاری مومن لونڈیوں میں سے۔ ﴿وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَيْمَانِكُمْ﴾ اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے ایمان کو ﴿بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ﴾ بعض تمہارے وابستہ ہیں بعض کے ساتھ۔ رب تعالیٰ نے عورتیں بھی پیدا فرمائی ہیں اور مرد بھی پیدا فرمائے ہیں کیونکہ نسل انسانی کو قیامت تک چلانا ہے اور اس کا یہ طریقہ ہے ﴿فَأَنْكِحُوا هُنَّ بِأَوْلَادِنَ أَهْلِهِنَّ﴾ پس تم ان لونڈیوں کے ساتھ نکاح کر لو ان کے مالکوں کی اجازت کے ساتھ ﴿وَإِنَّهُنَّ أَجْوَدُ لَكُمْ﴾ اور دو تم ان کو ان کے مہر ﴿بِالْمَعْرُوفِ﴾ اچھے طریقے کے ساتھ یعنی جس قاعدے اور طریقے کے مطابق آزاد عورتوں کو مہر دیا جاتا ہے، اسی طرح ان کو بھی دو ﴿مُحْصَنَاتٍ﴾ وہ نکاح کی قید میں رکھی جائیں، تاکہ نسل کا علم ہو کہ کس کی ہے، یہی وجہ ہے کہ شریعت نے زنا کو حرام کیا ہے کہ نسب کا علم نہیں ہوتا۔

حدیث پاک میں آتا ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو عورت بدکاری کے نتیجے میں حاملہ ہوگئی اس پر جنت حرام ہے۔ کیونکہ اس نے غیر کا نطفہ اپنے خاوند کی وراثت میں داخل کر دیا ہے۔ زنا بڑے گناہوں میں سے ہے کہ اس نے خاوند کا حق بھی مارا اور رب تعالیٰ کا بھی ﴿غَيْرَ مُسْفِحَةٍ﴾ وہ مستی نکالنے والی نہ ہوں ﴿وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ﴾ اور پوشیدہ طور پر یارانے رکھنے والیاں بھی نہ ہوں ﴿أَخْدَانٍ﴾ خُذْن سے ہے، اس کا معنی وہ دوست جو برائی کے لیے ہو۔ ﴿فَإِذَا أَحْصَيْنَ﴾ پس جب وہ محسن ہو جائیں نکاح کی قید میں لائی جائیں یعنی ان لونڈیوں کی شادی ہو جائے، پھر شادی کے بعد ﴿فَإِنْ آتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ﴾ پس اگر کریں وہ کوئی گناہ ﴿فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَلَاتِ مِنَ الْعَذَابِ﴾ پس ان پر ہے آدھی سزا جو آزاد عورتوں پر ہے۔

زانیہ لونڈی کی سزا

آزاد عورت شادی شدہ زنا کار تکاب کرے تو اس کی سزا ہے رجم۔ تو رجم کا نصف تو نہیں ہو سکتا کہ آدھی لونڈی ماری جائے اور آدھی زندہ چھوڑ دی جائے لہذا لونڈی کی سزا صرف پچاس کوڑے ہیں۔ چاہے شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ہو اور غلام کو بھی اس پر قیاس کیا گیا ہے کہ اس کی سزا بھی پچاس کوڑے ہیں، چاہے شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ہو۔ اور لونڈی کی نصف سزا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے لیے پردہ نہیں ہے، عام چلے پھرے گی، بازار سے سودا سلف بھی لائے گی تو اس کے لیے چونکہ زیادہ سہولت نہیں ہے لہذا سزا بھی زیادہ نہیں ہے۔

﴿ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الصَّتَ مِنْكُمْ﴾ لونڈیوں کے ساتھ نکاح کرنا اس شخص کے لیے ہے جو ڈرتا ہے گناہ میں مبتلا ہونے سے تم میں سے۔ مطلب یہ ہے کہ لونڈی کے ساتھ نکاح کرنا بہتر نہیں ہے۔ ایک تو اس لیے کہ لونڈی کی جو اولاد ہوگی وہ بھی غلام ہوگی، باوجودیکہ خاوند آزاد ہے۔ کیونکہ غلامی اور آزادی میں ماں کا اعتبار ہوتا ہے، چونکہ ماں لونڈی ہے، اس لیے اولاد غلام ہوگی لہذا اچھی بات نہیں ہے کہ آزاد آدمی غلام اولاد پیدا کرے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ لونڈی کا پردہ کوئی نہیں ہے۔ یہاں تک کہ وہ بغیر دوپٹے کے بھی چل پھر سکتی ہے اور اس پر بازار جانے میں بھی کوئی پابندی نہیں ہے۔ اس نے مالک کے لیے بازار بھی آنا جانا ہے، خاوند گرفت نہیں کر سکتا اور غیرت مند آدمی اس چیز کو پسند نہیں کرتا کہ اس کی بیوی اس طرح کھلے طور پر پھرے۔ اس لیے فرمایا کہ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ لیکن ضابطہ یہ ہے کہ: إِذَا ابْتَلَيْتُمْهُ بَبِلَاتَيْنِ فَاحْتَرُوا أَوْ تَهُمَا ” اگر تم دو مصیبتوں میں پھنس جاؤ تو ان دو میں ہلکی کو قبول کر لو۔“ بجائے اس کے کہ زنا میں مبتلا ہو جاؤ اس سے بہتر ہے کہ لونڈی سے نکاح کر لو۔ کیونکہ زنا بہت بڑا گناہ ہے۔ ﴿وَ أَنْ تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَكُمْ﴾ اور یہ کہ تم صبر کرو تمہارے لیے بہت بہتر ہے کہ تمہاری اولاد کی آزادی پر بھی فرق نہیں پڑے گا اور تمہاری غیرت کو بھی چیخ نہیں ہوگا ﴿وَاللَّهُ عَفْوٌ رَحِيمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ یہ جو احکام اس نے بنائے ہیں ان کی پابندی ضروری ہے۔

﴿يُرِيدُ اللَّهُ﴾ ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ ﴿لِيُبَيِّنَ لَكُمْ﴾ تاکہ بیان کرے تمہارے لیے احکام ﴿وَيُقَدِّمَ﴾ اور تاکہ تمہاری رہنمائی کرے ﴿سُئِلَ الَّذِينَ﴾ ان لوگوں کے راستوں کی ﴿مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ جو تم سے پہلے گزرے ہیں ﴿وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ﴾ اور تاکہ تم پر رجوع فرمائے ﴿وَاللَّهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ ﴿عَلَيْكُمْ﴾ جاننے والا ہے ﴿حَكِيمٌ﴾ حکمت والا ہے ﴿وَاللَّهُ يُرِيدُ﴾ اور اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے ﴿أَنْ﴾ اس بات کا ﴿يَتُوبَ عَلَيْكُمْ﴾ کہ تم پر رجوع فرمائے ﴿وَيُرِيدَ الَّذِينَ﴾ اور ارادہ کرتے ہیں وہ لوگ ﴿يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ﴾ جو پیروی کرتے ہیں خواہشات کی ﴿أَنْ﴾ اس بات کا ﴿تَتَّبِعُوا﴾ تم پھر جاؤ حق سے ﴿مَيْلًا عَظِيمًا﴾ پھر جانا بہت بڑا ﴿يُرِيدُ اللَّهُ﴾ ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ ﴿أَنْ﴾ اس کا کہ ﴿يُخَفِّفَ عَنْكُمْ﴾ تم سے بوجھ ہلکا کرے ﴿وَحُجَّتِ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا﴾ اور پیدا کیا گیا ہے انسان کمزور ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَأْكُلُوا﴾ نہ کھاؤ ﴿أَمْوَالَكُمْ﴾ اپنے مال ﴿بَيْنَكُمْ﴾ آپس میں ﴿بِالْبَاطِلِ﴾ ناحق طریقے سے ﴿إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً﴾ مگر یہ کہ ہو تجارت ﴿عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ آپس میں رضامندی کے ساتھ ﴿وَلَا تَقْتُلُوا﴾ اور نہ قتل کرو ﴿أَنْفُسَكُمْ﴾ اپنی جانوں کو ﴿إِنَّ اللَّهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿بِكُمْ رَحِيمًا﴾ تم پر مہربانی کرنے والا ﴿وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ﴾ اور جس نے کی یہ کارروائی ﴿عَدُوًّا﴾ زیادتی کرتے ہوئے ﴿وَطَلْمًا﴾ اور ظلم کرتے ہوئے ﴿فَسَوْفَ نُصَلِّيهِ﴾ ناکرنا ﴿بِسْ عَمْرٍابِ﴾ ہم اسے داخل کریں گے آگ میں ﴿وَكَانَ ذَلِكَ﴾ اور ہے یہ چیز ﴿عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا﴾ اللہ تعالیٰ پر آسان ﴿إِنْ تَجْتَنِبُوا﴾ اگر تم اجتناب کرو گے ﴿كَبَائِرَ مَا تَنْهَوْنَ عَنْهُ﴾ ان بڑے گناہوں سے جن سے تمہیں روکا گیا ہے ﴿نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ﴾ تو ہم مٹادیں گے تم سے تمہارے چھوٹے گناہ ﴿وَنُدْخِلْكُمْ﴾ اور ہم داخل کریں گے تمہیں ﴿مُدْخَلًا﴾ داخل ہونے کی جگہ میں ﴿كَرِيمًا﴾ جو بڑی عزت والی ہوگی۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے زیادہ تر حقوق العباد بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ تیسوں کے حقوق بیان فرمائے، پھر عورتوں کے حقوق بیان فرمائے کہ جو وراثت کی حق دار ہیں، پھر ان عورتوں کا بیان فرمایا جن کے ساتھ نکاح حرام ہے اور ان کا ذکر فرمایا جن کے ساتھ نکاح حلال ہے۔ اب اللہ تعالیٰ احسان جتلاتے ہیں کہ میں نے یہ احکام نازل فرما کر تم پر احسان کیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿يُرِيدُ اللَّهُ﴾ ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ ﴿لِيُبَيِّنَ لَكُمْ﴾ تاکہ بیان کرے تمہارے لیے احکام، یہ جو تیسوں کے حقوق بیان فرمائے، عورتوں کے حقوق بیان فرمائے، اسی طرح عورتوں کی حلت و حرمت کے حقوق بیان فرمائے ہیں، یہ اس کا تمہارے

اوپر احسان ہے۔ ﴿وَيُضَاهِيكُمْ﴾ اور تمہاری رہنمائی کرے ﴿سُنَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ﴾ ان لوگوں کے راستوں کی جو تم سے پہلے گزرے ہیں۔

﴿سُنَنَ﴾ جمع ہے سُنَّة کی اور سُنَّة کا معنی ہے راستہ۔ تم سے پہلے جو پیغمبر گزرے ہیں، ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام سنائے، تاکہ ان کی امتیں ان احکامات پر عمل کریں۔ تو جس طرح پہلے پیغمبروں کو ان کی امت کے لیے احکام سنائے تاکہ وہ ان پر عمل کرے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا اور تمہیں پہلے کامیاب لوگوں کے طریقوں سے بھی آگاہ کیا تاکہ تم بھی ان صالحین کے نقش قدم پر چل کر منزل مقصود پاؤ۔

﴿وَيُثَوِّبُ عَلَيْكُمْ﴾ اور تاکہ تم پر رجوع فرمائے ﴿وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے، حکمت والا ہے۔ لہذا اس نے جو اچکام تم پر نازل فرمائے ہیں وہ حکمت پر مبنی ہیں۔ ﴿عَلَيْكُمْ﴾ بھی ہے، جو فرمایا ہے حق فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس حکم کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ اچھا ہے، ساری دنیا کے عقل مند اکٹھے ہو کر اس میں خرابی نہیں نکال سکتے اور جس چیز کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ یہ بُری ہے تو ساری دنیا کے عقل مند اکٹھے ہو کر اس میں اچھائی نہیں پیدا کر سکتے۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے وہی حق ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے وہی حق ہے۔

تہتر فرقے

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: یہود کے اکہتر فرقے ہوئے یعنی یہودیوں نے موسیٰ علیہ السلام کے دین میں گز بڑکی اور اکہتر مذہبی فرقے بنا دیئے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ نصاریٰ کے بہتر فرقے ہوئے اور فرمایا کہ میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ یعنی یہ امت یہود و نصاریٰ سے پیچھے نہیں رہے گی کُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا صِلَةً وَاحِدَةً "ایک کے سوا سب جہنم میں جائیں گے، ایک جنت میں جائے گا۔" سوال کیا "من ہی؟" حضرت! وہ نجات پانے والا کون سا فرقہ ہوگا؟" آپ ﷺ نے فرمایا: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي "وہ نجات پانے والا جنتی فرقہ وہ ہوگا جو میرے راستے پر چلے گا اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے راستے پر چلے گا۔"

اور امام عبدالکریم شہرستانی بڑے چوٹی کے محدث اور بزرگ گزرے ہیں، انہوں نے اپنی کتاب "الْمِلَلُ وَالْتَحَلُّ" میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمائی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: جنت میں جانے والے اہل سنت والجماعت ہوں گے۔ سوال کیا گیا حضرت! اہل سنت والجماعت کون لوگ ہوں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي "میرے اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ پر چلنے والے اہل سنت والجماعت ہوں گے۔" آنحضرت ﷺ نے بات بالکل صاف فرمادی کہ جنت میں جانے والے اہل سنت والجماعت ہوں گے اور اہل سنت والجماعت وہ ہیں جو میرے اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے راستے پر چلنے والے ہیں۔ اب تم دیکھ لو آنحضرت ﷺ نے جو کچھ فرمایا اس پر کون چلنے والا ہے؟ اور بات تو

بالکل صاف ہے کہ جنت میں وہی جائے گا، باقی سب جہنمی ہیں۔ اور ہمارے ہاں اہل بدعت حضرات نے دھکے (زبردستی) سے اہل سنت کا لفظ اپنے لیے آلات کیا ہوا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جو کام تم لوگ کرتے ہو کیا آنحضرت ﷺ نے کیے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیے ہیں؟ تو پھر واقعتاً تم اہل سنت ہو؟ اور اگر یہ کام آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہیں کیے تو دھکے شامی کر کے اہل سنت بن جانے کی کیا حیثیت ہے؟

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو نے کے گورنر تھے۔ کو نے کی آبادی بڑی تیزی سے بڑھی، مسجدیں عام تعمیر ہو گئیں۔ ایک مسجد میں لوگوں نے اکٹھے ہو کر بلند آواز سے ذکر کرنا شروع کر دیا۔ ایک آدمی دوڑتا ہوا گورنر کے پاس آیا کہ حضرت! فلاں مسجد میں لوگ یھللون ویکبڑون جھڑا ”بلند آواز سے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، اللَّهُ أَكْبَرُ وَيُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ۔ اور بلند آواز سے حضور پاک ﷺ پر درود پاک پڑھتے ہیں۔“ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: أَوْ قَدْ فَعَلُوا؟ ”کیا واقعی یہ کارروائی ہوئی ہے؟“ پہلے تو اس بات پر غور کرو کہ وہ آدمی براہ راست گورنر کے پاس پہنچا۔ اگر بلند آواز سے ذکر کرنا لوگوں کا معمول ہوتا اس شخص کو گورنر کے پاس جانے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر گورنر صاحب سن کر فرماتے ہیں أَوْ قَدْ فَعَلُوا؟ کہ کیا واقعی وہ اس طرح کرتے ہیں؟“ اگر اس کا کچھ بھی جواز ہوتا تو فرماتے کہ اگر وہ لوگ بلند آواز سے کلمہ پڑھتے ہیں اور ذکر کرتے ہیں تو تجھے کیا تکلیف ہے؟ کرنے دو۔ لیکن گورنر نے بڑے تعجب کے لہجے میں فرمایا کہ واقعی ایسی کارروائی ہوئی ہے؟ اس شخص نے کہا، ہوئی ہے۔ فرمایا اب جب وہ ایسا کریں تو فوراً مجھے اطلاع دینا۔ اس شخص نے اگلے روز آ کر اطلاع دی تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ منہ پر کپڑا ڈال کر چہرہ چھپا کر تیزی کے ساتھ وہاں جا پہنچے۔ ان کا وجود مبارک ہلکا پھلکا سا تھا بہت تیز چلتے تھے۔ مسجد میں پہنچ کر کپڑا منہ مبارک سے اتارا اور فرمایا: مَنْ عَرَفَنِي فَقَدْ عَرَفَنِي ”جو مجھے پہچانتا ہے سو وہ پہچانتا ہے وَمَنْ لَمْ يَعْرِفَنِي اور جو مجھے نہیں جانتا وہ اچھی طرح جان لے کہ میں عبداللہ بن مسعود کو نے کا گورنر ہوں۔“ پھر فرمایا: تم نے بہت بڑی بدعت ایجاد کی ہے، تعجب ہے تم پر اے امت محمد ﷺ! کیا ہی جلد ہلاکت میں پڑ گئے ہو ابھی تک هُوَ لَاءِ الصَّخَابَةِ بَيْنَكُمْ مُتَوَافِرُونَ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تم میں بکثرت موجود ہیں۔ ۳۲ھ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دور ۱۱۰ھ تک رہا ہے وَهَذَا اثْبَاتٌ لَمْ تُبَلِّ ”اور ابھی تک جناب رسول اللہ ﷺ کے پڑے پرانے نہیں ہوئے وَأَيُّبَةُ لَمْ تُكْتَبْ اور ابھی تک آپ ﷺ کے برتن نہیں ٹوٹے، دریں حالت تم بدعت اور گمراہی کے دروازے کھولتے ہو حَتَّى أَخْرَجَهُمْ مِنَ الْمَسْجِدِ یہاں تک کہ ان کو مسجد سے نکال دیا۔ فَقَالَ مَا أَرَأَيْكُمْ إِلَّا مُبْتَدِعِينَ پھر فرمایا کہ میرا فتویٰ ہے تم بدعتی ہو۔“ تو یہ بدعتی آج اہل سنت بنے ہوئے ہیں اور جو کچھ آج کل کے بدعتی کرتے ہیں وہ بھی یہی کچھ کر رہے تھے کہ بلند آواز سے کلمہ شریف پڑھ رہے تھے اور اللہ اکبر پڑھ رہے تھے اور درود شریف پڑھ رہے تھے، مگر

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کو بدعتی کہہ کر مسجد سے نکال دیا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جن کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَا زُيِّنَتْ لَكُمْ مَنَازِعِيكُمْ لَكُمْ مَنَازِعِيكُمْ ابْنُ أُهْرَ عُبَيْدٍ "اے امتیو! میں تمہارے لیے اس چیز پر راضی ہوں جس پر عبداللہ (رضی اللہ عنہ) راضی ہیں۔ وَسَخَطْتُ لَكُمْ مَنَازِعِيكُمْ لَكُمْ مَنَازِعِيكُمْ ابْنُ أُهْرَ عُبَيْدٍ اور میں اس چیز کو پسند نہیں کرتا جس کو عبداللہ (رضی اللہ عنہ) پسند نہیں کرتے۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر اتنا اعتماد تھا۔ تو معاف کرنا یہ بدعتی اہل سنت کس طرح بن گئے؟ جنہوں نے کوئی بدعت چھوڑی ہی نہیں اور بدعت کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کتنا برا سمجھتے تھے، اس کا اندازہ اس روایت سے لگائیں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی بدعت سے نفرت

ابوداؤد میں روایت ہے کہ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ایک مسجد میں نماز کی غرض سے داخل ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے، ان کو حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ کبھی اور کبھی اور ساتھی لے کر جاتے تھے۔ اذان ہو چکی تھی، مؤذن نے اونچی آواز میں یہ کہنا شروع کر دیا کہ آؤ بھائی! نماز کا وقت ہے، جماعت کا وقت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے فرمایا: أَخْرِجْنَا بِمَا قَاتَلْنَا بِدَعَاةٍ مجھے یہاں سے لے چلو اس لیے کہ یہ بدعت ہے۔" اندازہ کریں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بدعت اور اہل بدعت سے کیسی نفرت کی کہ انہوں نے ان کی مسجد میں نماز پڑھنی بھی گوارا نہ کی کہ اذان کے بعد لوگوں کو بلانے کا کیا معنی ہے؟

اس مسئلہ میں تفصیل ہے اچھی طرح سمجھ لو۔ وہ اس طرح کہ اذان ہو جانے کے بعد تم گھر سے نماز کے لیے مسجد میں آ رہے ہو اور آتے ہوئے اپنے محلے میں آس پاس کے لوگوں کو کہتے ہو کہ آؤ بھائی! نماز کے لیے چلیں، یہ جائز ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ مؤذن اذان دینے کے بعد پھر اذان کی طرح آوازیں لگائے اور کہے کہ نماز کے لیے آؤ۔ یہ بدعت ہے اور دونوں میں بڑا فرق ہے۔ تو چونکہ مؤذن نے اذان کے بعد تنبیہ کی تھی اس لیے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے وہاں نماز نہ پڑھی۔ تو بہت سارے لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں کہ بریلویوں کو وہ اہل سنت والجماعت سمجھتے ہیں اور ہم کو وہابی کہتے ہیں، لَا جَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔ بھی! وہابی تو محمد بن عبدالوہاب نجدی کے پیروکاروں کو کہا جاتا ہے اور وہ مسلک حنبلی تھا اور ہم بڑے کچے حنفی ہیں، ہم وہابی کس طرح ہو گئے؟ یہ انگریز کی پالیسی ہے، اس نے ہمیں بدنام کرنے کے لیے ہمارے ساتھ یہ وہابی کی دم لگائی تھی جو ابھی تک اتری نہیں۔ حاشا دکلا! ہم بالکل وہابی نہیں، الحمد للہ ہم سنی ہیں اور اہل سنت والجماعت ہیں۔

غنیۃ الطالبین میں ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ اہل سنت والجماعت کی تعریف کیا ہے؟ فرمایا: اہل سنت وہ لوگ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر چلنے والے ہیں اور جماعت سے مراد صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت ہے۔ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں۔ تو تہتر فرقوں میں سے نجات پانے والا فرقہ اہل سنت والجماعت ہے، باقی سب دوزخی ہیں۔ پھر دوزخ میں جانے کی بھی تفصیل ہے، بہتر فرقوں میں سے وہ بھی ہوں گے کہ جن کا افتراق کفر و شرک کی

حد تک پہنچ چکا ہوگا، وہ تو کبھی بھی دوزخ سے نہیں نکل سکیں گے، ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہیں گے اور بہتر فرقوں میں سے ایسے بھی ہوں گے جن کا افتراق و اختلاف صرف بدعت کی حد تک ہوگا، کفر و شرک ان میں نہیں ہوگا، یہ بھی دوزخ میں تو جائیں گے مگر کچھ عرصہ کے بعد دوزخ سے نکل آئیں گے۔ جو فرقہ اول تا آخر دوزخ سے بچے گا وہ ہے جو مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي كَامِصِدَاقِ ہوگا۔ یہ نجات پانے والے فرقے کا معیار ہے اس کو اچھی طرح یاد رکھنا! کسی کے دھوکے میں نہ آنا۔

﴿وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے اس بات کا کہ تم پر رجوع فرمائے، تمہاری توبہ قبول کرے ﴿وَيُرِيدُ الَّذِينَ﴾ اور ارادہ کرتے ہیں وہ لوگ ﴿يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ﴾ جو پیروی کرتے ہیں خواہشات کی ﴿أَنْ تَبِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا﴾ اس بات کا ارادہ کرتے ہیں کہ تم پھر جاؤ حق سے پھر جانا بہت بڑا، بہت زیادہ۔ وہ اس طرح خواہشات کو پورا کرنے کے لیے بدعات کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں کیا حرج ہے؟ بھی! حرج تو ہے کہ آنحضرت ﷺ کی سنت کے خلاف کرتے ہو اور چلتے ہو، یہ تھوڑا حرج ہے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں یہ واقعہ پیش آیا کہ عید کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ عید گاہ میں پہنچے اور لوگ بھی پہنچے ہوئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک صوفی طرز کے آدمی نے عید گاہ میں نماز شروع کی ہوئی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام قنبر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جا کر اس صوفی کے کان میں آہستہ سے کہو کہ عید دالے دن عید گاہ میں عید کی نماز کے علاوہ کوئی نماز نہیں ہوتی۔ زوال کے بعد ظہر بھی ہے اور عصر بھی ہے۔ غلام نے حسب حکم صوفی کے کان میں جا کر کہہ دیا۔ مگر وہ بڑا سخت قسم کا صوفی تھا باز نہ آیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام سے پوچھا کہ بھائی! تو اس کو کہہ کر آیا ہے؟ اس نے کہا حضرت! بالکل اچھی طرح کہہ کر آیا ہوں مگر وہ نہیں مانتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود تشریف لے گئے اور اسے کندھے سے پکڑ کر فرمایا کہ تو کیا کر رہا ہے؟ وہ بڑے غصے میں کہنے لگا کہ نماز پڑھ رہا ہوں کوئی گناہ کا کام تو نہیں کر رہا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تو گناہ کر رہا ہے۔ کیونکہ جو چیزیں آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں ہیں ان کا کرنا گناہ ہے۔ اب دیکھو! وہ نماز پڑھ رہا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ تو گناہ کر رہا ہے۔ دوسری طرف کوفہ کی ایک مسجد میں چند آدمی بلند آواز سے درود شریف پڑھ رہے تھے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کو کان سے پکڑ کر مسجد سے نکال دیا۔ اس لیے کسی شے کی شکل و صورت نہیں دیکھنی کہ اس میں کیا حرج ہے، اس میں کیا حرج ہے؟ دیکھنا یہ ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ثابت ہے، اس کا کرنا سنت ہے اور اگر ثابت نہیں تو اس کا کرنا بدعت ہے، یہ ہے حرج۔

﴿يُرِيدُ اللَّهُ﴾ اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے ﴿أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ﴾ کہ تم سے بوجھ ہلکا کرے ﴿وَيُخَوِّقُ الْإِنْسَانَ ضَعِيفًا﴾ اور پیدا کیا گیا ہے انسان کمزور۔ انسان بہت کمزور ہے، چاہے اپنے آپ کو جتنا ٹکڑا اور مضبوط سمجھے۔ دو دن بخار ہو جائے تو ہلنے کے

قابل نہیں رہتا اور اس وقت اس کو اللہ یاد آتا ہے اور کہتا ہے یا اللہ! یا اللہ! پہلے فرمایا کہ کسی کے نفس میں تصرف کرنا رب تعالیٰ کے حکم کے بغیر حرام ہے آگے فرمایا کہ مال میں بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف تصرف کرنا حرام ہے۔

فرمایا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ نہ کھاؤ اپنے مال آپس میں ناحق طریقے سے۔ وہ اس طرح کہ تم چوری کر کے کھاؤ، ڈاکہ ڈال کے کھاؤ، رشوت لے کر کھاؤ، ظلم و زیادتی کر کے کھاؤ، مکرو فریب کے ذریعہ حاصل کرو، یا فراڈ کر کے حاصل کرو یا ملاوٹ کر کے حاصل کرو، یہ سب طریقے باطل طریقے ہیں ﴿إِلَّا أَنْ تَكُونُوا تِجَارَةً﴾ مگر یہ کہ ہو تجارت ﴿عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ آپس میں رضامندی سے۔ تجارت کے ذریعہ کھانا جائز ہے مگر دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے کھانا جائز نہیں ہے۔ ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ نہ قتل کرو اپنی جانوں کو۔ کیونکہ جن کو قتل کر رہے ہو وہ بھی تو تمہارے جیسے انسان ہیں، نا تمہارے بھائی ہیں، ان کو تم کیوں قتل کرتے ہو ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ تَحِيصًا﴾ بے شک ہے اللہ تعالیٰ تم پر مہربانی کرنے والا، شفقت کرنے والا۔ ﴿وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ﴾ اور جس نے کی یہ کارروائی یعنی اللہ کے حکموں کو توڑا ﴿عُدُوًّا وَإِنَّا وَظَلْمًا﴾ زیادتی کرتے ہوئے اور ظلم کرتے ہوئے۔

عدوان کہتے ہیں بندے کے حق کو توڑنے کو۔ اور ظلم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حق کو توڑنے کو۔ توجہ آدمی کسی دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے کھائے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کے حق کو بھی توڑنے والا ہوگا اور بندے کے حق کو بھی توڑنے والا ہوگا۔ توجہ شخص تعدی اور ظلم کرے گا ﴿فَسَوْفَ نُضَيِّقُهُ نَارًا﴾ پس عنقریب ہم اسے داخل کریں گے آگ میں۔ اگر دنیا میں وہ کسی نہ کسی طرح سزا سے بچ بھی گیا تو جہنم کی ابدی سزا اس کے انتظار میں ہے۔ ﴿وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا﴾ اور ہے یہ دوزخ میں سزا دینا اللہ تعالیٰ کے لیے آسان۔

کبیرہ گناہوں سے احتراز؟

﴿إِنْ تَجْتَنِبُوا﴾ اگر تم اجتناب کرو گے ﴿كَبَائِرَ مَا تَنْهَوْنَ عَنْهُ﴾ ان بڑے گناہوں سے جن سے تمہیں روکا گیا ہے ﴿لَا يَغْفِرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ﴾ تو ہم منادیں گے تم سے تمہارے چھوٹے گناہ۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے تو چھوٹے گناہ ہم خود بخود معاف کر دیں گے، کبیرہ گناہ بڑے ہیں۔ حدیث پاک میں ہے: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، پھر ماں باپ کی نافرمانی کرنا، شراب پینا، زنا کرنا، یتیم کا مال کھانا، میدان جنگ سے بھاگنا، جھوٹ بولنا، یہ سب بڑے گناہ ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سارے گناہ ہیں۔ تو اگر تم بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے تو تمہارے جو چھوٹے گناہ ہیں وہ نیکیوں کی برکت سے خود بخود مٹ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ الشَّرَّاتِ﴾ بے شک نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔ یعنی نیکیوں کی برکت سے صغیرہ گناہ خود بخود معاف ہو جاتے ہیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب آدمی نماز کے لیے گھر سے چلتا ہے تو ہر قدم کے لیے نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور ایک

صغیرہ گناہ مٹ جاتا ہے۔ پھر جب وضو کرتا ہے تو اس کی برکت سے صغیرہ گناہ خود بخود جھڑ جاتے ہیں، پھر جب مسجد میں آ کر نماز میں شریک ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو نیکیاں ملتی رہتی ہیں ﴿وَوَدَّخَلَّكُمْ مُذْخَلًّا كَوْنِيئًا﴾ اور ہم تمہیں داخل کریں گے داخل ہونے کی جگہ میں جو بڑی عزت والی ہے اور وہ جنت ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمین اور مسلمات کو نصیب فرمائے۔ آمین



﴿وَلَا تَسْتَوُوا﴾ اور نہ آرزو کرو تم ﴿مَا﴾ اس چیز کی ﴿فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ﴾ کہ فضیلت بخشی ہے اللہ تعالیٰ نے اس چیز کے ذریعہ ﴿بَعْضُكُمْ﴾ تم میں سے بعض کو ﴿عَلَىٰ بَعْضٍ﴾ بعض پر ﴿لِلرِّجَالِ﴾ مردوں کے لیے ﴿نَصِيبٌ﴾ حصہ ہے ﴿وَمَا﴾ اس چیز سے ﴿اَكْتَسَبُوا﴾ جو انہوں نے کمائی ﴿وَاللِّسَاءِ﴾ اور عورتوں کے لیے ﴿نَصِيبٌ﴾ حصہ ہے ﴿وَمَا﴾ اس چیز سے ﴿اَكْتَسَبْنَ﴾ جو انہوں نے کمائی ﴿وَسَأَلُوا اللَّهَ﴾ اور سوال کرو تم اللہ تعالیٰ سے ﴿مِنْ فَضْلِهِ﴾ اس کی مہربانی کا ﴿إِنَّ اللَّهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿بِكُلِّ شَيْءٍ﴾ ہر چیز کو ﴿عَلِيمًا﴾ جاننے والا ﴿وَلِكُلِّ﴾ اور ہر ایک کے لیے ﴿جَعَلْنَا﴾ بنائے ہم نے ﴿مَوَالِيَ﴾ وارث ﴿مِمَّا﴾ اس مال میں ﴿بَرَكَ الْوَالِدِينَ﴾ جو چھوڑا ماں باپ نے ﴿وَالْأَقْرَبُونَ﴾ اور قریبی رشتہ داروں نے ﴿وَالَّذِينَ﴾ اور وہ لوگ ﴿عَقَدَتْ آيَاتُكُمْ﴾ جن کے ساتھ گرہ لگ گئی ہے تمہاری قسموں کو ﴿فَاتُوفُوا﴾ پس رو تم ان کو ﴿نَصِيبَهُمْ﴾ ان کا حصہ ﴿إِنَّ اللَّهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ﴾ ہر چیز پر ﴿شَهِيدًا﴾ گواہ ﴿الرِّجَالِ﴾ مرد ﴿قَوْمُونَ﴾ حاکم ہیں ﴿عَلَى النَّسَاءِ﴾ عورتوں پر ﴿بِئْسَ﴾ بہ سبب اس کے کہ ﴿فَضَّلَ اللَّهُ﴾ فضیلت دی ہے اللہ تعالیٰ نے ﴿بَعْضَهُمْ﴾ ان میں سے بعض کو ﴿عَلَىٰ بَعْضٍ﴾ بعض پر ﴿وَبِئْسَ﴾ اور اس سبب سے ﴿أَنفَقُوا﴾ کہ مرد خرچ کرتے ہیں ﴿مِنْ أَمْوَالِهِمْ﴾ اپنے مالوں سے ﴿فَالصَّالِحَاتُ﴾ پس نیک عورتیں ﴿قُنُتْنَ﴾ اطاعت کرنے والی ﴿حِفْظٌ﴾ حفاظت کرنے والی ﴿لِغَيْبٍ﴾ پس پشت ﴿بِهَا حِفْظَ اللَّهِ﴾ اس چیز کی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا حکم دیا ہے ﴿وَالَّتِي﴾ اور وہ عورتیں ﴿تَخَافُونَ﴾ کہ تم خوف کرتے ہو ﴿نُسُوزَهُنَّ﴾ ان کی اڑ اور بدمانگی کا ﴿فَعُظُّوهُنَّ﴾ پس ان کو تم نصیحت کرو ﴿وَاهْجُرُوهُنَّ﴾ اور ان کو جدا کر دو ﴿فِي الْبَضَائِعِ﴾ بستروں میں ﴿وَأَصْرِبُوهُنَّ﴾ اور ان کو مارو ﴿فَإِنْ أَطَعْتُمْ﴾ پس اگر وہ تمہاری اطاعت کریں ﴿فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ﴾ پس نہ تلاش کرو تم ان کے خلاف ﴿سَبِيلًا﴾ کوئی راستہ ﴿إِنَّ اللَّهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿عَلِيمًا﴾ بلند شان والا ﴿كَبِيرًا﴾ بہت بڑا۔

اس سورت میں حقوق العباد کا بہت سا احصہ بیان ہوا ہے۔ وہ اس طرح کہ پہلے قیموں کے حقوق بیان ہوئے، پھر عورتوں کو وراثت ملنے کے مسائل کا بیان ہوا، پھر نکاح کے اصول بیان فرمائے کہ کن عورتوں سے نکاح جائز ہے اور کن عورتوں سے نکاح ناجائز ہے، پھر مال کے متعلق بیان ہوا کہ جائز طریقے سے کھاؤ، ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ۔

شان نزول

اس آیت کریمہ کا شان نزول تفسیروں میں اس طرح بیان ہوا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جن کا پہلا نام برہ یا بعض روایتوں میں ہندہ آتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام تبدیل کر دیا۔ یہ پہلے حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی تھے اور ان میں سے تھے جنہوں نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور پھر مدینہ طیبہ ہجرت کر کے تشریف لے گئے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی ان کے ساتھ تھیں، ان کی ایک بیٹی تھی زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ایک بیٹا تھا عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا کہ مدینہ طیبہ میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ وفات پا گئے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا پریشان تھی، کیونکہ عالم اسباب میں مالی طور پر کوئی سہارا نہیں تھا۔ برادری تو تھی مگر کافر مشرک ہونے کی وجہ سے سارے ان سے ناراض تھے کہ تو مسلمان کیوں ہو گئی ہے؟ اور کوئی بھائی بہن ان کو گوارا کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ عدت گزرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف نکاح کا پیغام بھیجا تا کہ ان کی پریشانی ختم ہو۔ کیونکہ جب یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں آئیں گی تو بچے بھی ساتھ رہیں گے سب کا گزراوقات چلتا رہے گا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جب نکاح کا پیغام سنا تو حیران ہوئیں کہ میں بچوں والی عورت ہوں میرے لیے تو اس سے بڑی فخر والی کوئی بات نہیں ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آؤں، مگر بچوں کا کیا بنے گا؟ چنانچہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجا کہ حضرت! آپ کا پیغام مجھے ملا اور میری عدت بھی ختم ہو گئی ہے اور میرے لیے اس سے زیادہ خوشی کی بات بھی کوئی نہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں آؤں، مگر بچوں کا کیا بنے گا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے میں اسی لیے تیرے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہوں کہ بچوں کی اخلاقی تربیت بھی ہو اور عالم الاسباب میں ان کے لیے رزق کا بھی سبب بن جائے گا۔

اور یاد رکھنا! یہ اسباب ہیں، رزق کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَيْنَا رِزْقُهَا﴾ اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمہ ہے۔ اور ایک مقولہ ہے کہ: جس نے دی ہے جان، وہی دیتا ہے نان۔ رزق کا ذمہ تو اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے یہ اقتصادیات والے تو ذیسے ہی پریشان ہوتے رہتے ہیں۔ یہ پڑھے لکھے پاگل اور بے وقوفوں کے سردار ہیں کہ آج سے بیس سال بعد جب مخلوق بڑھ جائے گی تو کیا کھائے گی؟ یہ تمہارا سر کھائے گی۔ بھائی! رزاق اللہ تعالیٰ ہے تمہیں کس چیز کی فکر ہے؟ بھئی! آج سے پچاس سال پہلے مخلوق کم تھی اور پیداوار بھی کم تھی، اب مخلوق بڑھ گئی ہے پیداوار بھی بڑھ گئی ہے۔ گزشتہ سال میں نے اخبار میں پڑھا کہ ڈسکہ کے علاقہ میں ایک ایکڑ

زمین سے پھتر من گندم ہوئی ہے۔

بہر حال آنحضرت ﷺ کا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہو گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات پر جو کتابیں لکھی گئیں ہیں ان میں مذکور ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اس وقت کی سمجھ دار عورتوں میں سے تھیں، انقہ النساء کے لفظ آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حوصلہ بھی بڑا عطا فرمایا تھا اور بات کرنے کا ڈھنگ اور سلیقہ بھی بڑا عمدہ تھا، جہاں کہیں گفتگو میں بات بگڑ جاتی وہاں ان کو لے جاتے تھے، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے معاملہ سیدھا ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ان کے پاس عورتیں اکٹھی ہو کر آئیں اور کہنے لگیں کہ سارا اجر و ثواب تو مرد لے گئے ہیں ہمارے پاس کیا بچا ہے؟ دیکھیں مانجنا، جھاڑو پھیرنا اور بیٹ (غلاظت) صاف کرنا۔ دیکھو! اذان عورتیں نہیں دے سکتیں جبکہ اذان کے ایک ایک حرف کے بدلے میں دس نیکیاں ملتی ہیں اور بلند آواز سے پڑھنے کی نوے نیکیاں ملتی ہیں اور اسی طرح تکبیر کہنے والے کو ایک ایک حرف کے بدلے میں دس نیکیاں ملتی ہیں اور بلند آواز سے پڑھنے کی سو نیکیاں ملتی ہیں۔ اسی لیے ترمذی شریف اور دیگر حدیث کی کتابوں میں حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ أَذَّنَ فَهُوَ يُقِيمُهُ)) ”جو شخص اذان دے تکبیر دہی کہے۔“ یہ اس کا حق ہے۔ ہاں! مؤذن اگر اپنی مرضی سے کسی اور کو اجازت دے دے تو وہ علیحدہ بات ہے۔ جس طرح عورت اذان نہیں دے سکتی اسی طرح امامت بھی نہیں کر سکتی، مردوں کے لیے حج بھی نہیں بن سکتی، جہاد پر بھی نہیں جاسکتی۔ تو وہ عورتیں کہنے لگیں کہ یہ بہت سارے نیکیوں کے کام ہیں جو مرد ہی سرانجام دیتے ہیں ہمارے لیے کیا بچا ہے؟

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں آنحضرت ﷺ سے دریافت کر کے تمہیں بتاؤں گی۔ چنانچہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا تو آپ ﷺ مسکرائے اور فرمایا کہ عورتیں تو مفت میں سارا ثواب لے جاتی ہیں بغیر کچھ کرنے کے۔ کہنے لگیں وہ کس طرح؟ فرمایا: وہ اس طرح کہ مثال کے طور پر جس عورت کا خاندان امن ہے تو جتنی نیکیاں امام کو ملیں گی اتنی ہی اس کی عورت کو ملیں گی، جتنی نیکیاں مجاہد کو ملیں گی اس کی بیوی کو بھی اتنی ہی نیکیاں ملیں گی، اسی طرح جس عورت کا خاندان حج یا قاضی ہے، مؤذن ہے، ان کی بیویوں کو بھی گھر بیٹھے ہی اتنا ثواب ملے گا۔ کیونکہ ان کے کاموں میں ان کی عورتوں کا دخل ہے۔ مثلاً: روٹی پکا کر دینا، کپڑے دھونا، ان کے گھروں کی حفاظت کرنا اور ان کی خدمت کرنا، اس لیے عورتوں کا ان کے ثواب میں برابر کا حصہ ہے۔ مؤذن اگر کھائے، پیے گا نہیں تو آواز کس طرح نکالے گا۔ مجاہد اگر کھائے، پیے گا نہیں تو جہاد کس طرح کرے گا؟ کپڑے ڈھلے ہوئے نہیں ہوں گے تو نماز کس طرح پڑھے گا؟

بخاری شریف میں حدیث ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فَقَدْ غَزَا)) جس آدمی نے مجاہد کو جہاد کا سامان مہیا کیا وہ بھی غازی ہے کہ ایک آدمی خود جہاد پر نہیں جاسکتا مجاہد کو سفر خرچ دیتا ہے، ہتھیار مہیا کرتا ہے، یہ جہاد میں برابر کا شریک ہے ((وَمَنْ خَلَّفَ غَازِيًا)) اور جو خود جہاد پر نہیں گیا ہے، رقم بھی نہیں دے سکتا کہ مسکین ہے مگر غازی کے گھر کی نگرانی کی، اس کے بچوں کا خیال رکھا، سودا سلف لا کے دے دیا، ایندھن لا کے دے دیا، فرمایا یہ بھی اسی طرح کا مجاہد ہے جس

طرح کا وہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نیکی صرف آدمی کی ذات تک نہیں رہتی بلکہ اس کا اثر دوسروں تک پہنچتا ہے۔

تو چونکہ عورتوں نے کہا تھا کہ اگر ہم مرد ہوتیں تو ہرے لیے بھی اجر و ثواب زیادہ ہوتا اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَلَا تَسْتَوُوا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾ اور نہ آرزو کرو تم اس چیز کی جس کے ذریعہ فضیلت بخشی اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا﴾ مردوں کے لیے حصہ ہے ﴿وَمِمَّا﴾ اس چیز سے ﴿اَكْتَسَبُوا﴾ جو انہوں نے کمائی ہے ﴿وَاللِّسَاءِ نَصِيبٌ﴾ اور عورتوں کے لیے حصہ ہے ﴿وَمِمَّا﴾ اس چیز سے ﴿اَكْتَسَبْنَ﴾ جو انہوں نے کمائی ہے۔ وہ کمائی براہ راست بھی ہے اور خاوند کی خدمت کرتی ہے اس کی کمائی میں بھی حصہ ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ مومن آدمی اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے اس کو صدقے کا پورا ثواب ملے گا۔ اور مسئلہ یہ ہے کہ بیوی پر خرچ کرنا، بچوں پر خرچ کرنا فرض ہے اور صاحب خانہ کی ذمہ داری ہے اور اس پر لازم ہے لہذا جب وہ اس نیت سے خرچ کرے گا کہ اللہ اور رسول ﷺ کا حکم ہے تو اس کو صدقے کا ثواب ملے گا۔

حدیث پاک میں ہے: ﴿إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ﴾ "چنتے بات ہے کہ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔" تو جب وہ خدا اور رسول ﷺ کو راضی کرنے کی نیت سے ماں باپ پر خرچ کرے گا، بیوی بچوں پر خرچ کرے گا، بہن بھائیوں پر خرچ کرے گا، اس پر اس کو ثواب ملے گا۔ یہاں تک کہ کتے، بے کو کھلائے گا اس کا بھی ثواب ملے گا، مگر دو شرطوں کے ساتھ ایماً و احتساباً ایک یہ کہ مومن ہو اور دوسرا یہ کہ اپنے اوپر بوجھ نہ سمجھے بلکہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ جب تم بیمار ہو تو علاج کراؤ۔ اب کوئی شخص اس لیے علاج کراتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا حکم ہے تو وہ شخص تندرست ہو یا نہ ہو علاج پر اس نے جتنا روپیہ خرچ کیا ہے اس کا اس کو ثواب ملے گا۔

تو فرمایا کہ آرزو نہ کرو بلکہ ﴿وَسْئَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ﴾ اور سوال کرو تم اللہ تعالیٰ سے اس کی مہربانی کا ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ وَجِلًا شَنِئًا عَلَيْهِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہے ہر چیز کو جاننے والا ﴿وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ﴾ مَوَالِيَ جمع ہے مولیٰ کی اور مولیٰ کے متعدد معانی آتے ہیں۔ مثلاً: آقا، آزاد کردہ غلام، چچا اور بھائی کو بھی مولیٰ کہتے ہیں۔ مولیٰ کے معانی وارث کے بھی ہیں اور یہاں اسی معنی میں ہے اور آیت کا معنی ہوگا اور ہر ایک کے لیے بنائے ہم نے وارث ﴿وَمِمَّا تَرَكَ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبُونَ﴾ اس مال میں جو چھوڑا ہے ماں باپ نے اور قریبی رشتہ داروں نے۔ وہ مال چاہے منقولہ جائیداد سے ہو یا غیر منقولہ جائیداد سے۔ یوں سمجھو کہ سوئی دھاگے تک کی چیزوں کے باقاعدہ مرد بھی وارث ہیں اور عورتیں بھی وارث ہیں۔ اس قاعدے کے مطابق جو ﴿يُؤْتِيكُمُ اللَّهُ فِي آذَانِكُمْ﴾ کے رکوع میں پڑھ چکے ہو۔ ﴿وَالَّذِينَ عَقَدْتَ أَيْمَانُكُمْ﴾ اور وہ لوگ کہ جن کے ساتھ تمہاری گرہ لگ گئی ہے تمہاری قسموں کی ﴿فَاتُواكُمْ نَصِيبُهُمْ﴾ پس دو تم ان کو ان کا حصہ۔

عقد موالیات

مفسرین کرام رضی اللہ عنہم اس کا یہ مطلب بیان فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں اور اسلام کے ابتدائی دور میں بھی دو آدمی

آپس میں بھائی بھائی بنتے تھے اور قسم اٹھاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں تیرا بھائی ہوں اگر تیرے ساتھ کوئی لڑے گا تو میں تیرے ساتھ ہوں گا، اگر تیرے اُوپر کوئی تادان آیا تو میں اس کا ذمہ دار ہوں گا اور اگر میرے اُوپر کوئی تادان آیا تو تو اس کا ذمہ دار ہوگا۔ یعنی اگر میرے پاس کوئی شے ہوئی تو تو اس میں شریک ہوگا۔ اس کو کہتے ہیں عقدِ موالات۔ یعنی آپس میں دوستی کی گرہ اور اس پر قسم اٹھانا۔ اسلام کے ابتدائی دور میں ان کو باقاعدہ وراثت سے چھٹا حصہ ملتا تھا، اب جمہور کے نزدیک یہ حکم منسوخ ہو گیا ہے، نہیں ملے گا۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اب بھی اس کا حکم باقی ہے، وہ اس طرح کہ کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتا ہے اور اس نو مسلم کے باقی رشتے دار کافر ہیں اور یہ نو مسلم جس مسلمان کے ہاتھ پر مسلمان ہوا ہے اس کے ساتھ نفع، نقصان کا عقد کرتا ہے تو اس کو عقدِ موالاتِ اسلام کہتے ہیں۔ اگر یہ نو مسلم فوت ہو گیا تو اس کے مال کا وارث وہ مسلمان ہوگا جس کے ہاتھ پر مسلمان ہوا ہے، بشرطیکہ مرنے والے کا کوئی رشتہ دار مسلمان نہ ہو۔ کیونکہ اگر اس کا کوئی رشتہ دار مسلمان ہوا تو اس کا حق مقدم ہے اور وہی مرنے والے کا وارث بنے گا اور اگر نو مسلم نے کسی کے ساتھ عقدِ موالات نہیں کیا اور فوت ہو گیا تو پھر اس کا مال بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا، تاکہ تمام مسلمانوں کو فائدہ ہو۔

مردوں کی عورتوں پر حاکمیت

﴿إِنَّ اللَّهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿عَلَّ كُنْ شَيْءٍ شَيْئًا﴾ ہر چیز پر گواہ ﴿الزَّوْجَالَ قَوْمُونَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ مرد حاکم ہیں عورتوں پر ﴿بِنَاءٍ﴾ بسبب اس کے کہ ﴿فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ﴾ فضیلت دی ہے اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مرد کو مرد ہونے کی وجہ سے عورت پر فضیلت بخشی ہے۔ مرد، مرد ہے اور عورت، عورت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ کسریٰ کی لڑکی بولان کو ایران کا اقتدار سپرد کر دیا گیا ہے، بخاری شریف میں حدیث ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَوْ أَهْرَهُمْ امْرَأَةً)). [رقم، ۴۱۶۳] ”وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوگی جس نے زمام حکومت عورت کے سپرد کر دی۔“

اور یاد رکھنا! قوم اسم نکرہ ہے، اس میں سب قومیں شامل ہیں، مسلمان ہوں یا کافر ہوں۔ قرآن پاک نے بھی اسی طرح فرمایا ﴿الزَّوْجَالَ قَوْمُونَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ مرد حاکم ہیں عورتوں پر۔ یعنی اقتدار، حکومت، حکمرانی یہ مردوں کے لیے ہے ﴿وَبِنَاءٍ﴾ اس سبب سے کہ مرد خرچ کرتے ہیں ﴿مِنْ أَمْوَالِهِمْ﴾ اپنے مالوں سے۔ کیونکہ عورت کا خرچ مرد کے ذمہ ہے تو ظاہر بات ہے کہ کمائے گا، محنت کرے گا، درجہ بھی اس کا زیادہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَالصُّلِحَاتُ﴾ پس نیک عورتیں ﴿فَتَبْتَ﴾ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والیاں ہیں، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرماں بردار ہیں اور اپنے خسر اور ساس کی بھی جائز کاموں میں فرماں برداری کرتی ہیں۔ ہاں! اگر ساس، خسر، ماں، باپ، بہنیں، بھائی، کوئی خلافِ شرع کام کہیں تو پھر ان کی بات نہیں مانتی۔ کیوں کہ ضابطہ ہے: لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي

مُعَصِيَةِ الْغَالِبِ ” اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق میں سے کسی کی اطاعت جائز نہیں ہے۔“

دوسری صفت: ﴿حَفِظْتُ لِغَيْبٍ﴾ اُمّی غَيْبَةَ اَزْوَاجِهِنَّ خاوند گھر میں نہیں ہے، محنت مزدوری کرنے کے لیے کہیں گیا ہوا ہے، یا حج کے لیے گیا ہے، یا جہاد کے لیے گیا ہے، اس کی غیر حاضری میں اپنی جان کی، عزت کی، مال کی، بچوں کی حفاظت کرتی ہے یعنی جو ذمہ داری ہے اس کو پورا کرتی ہیں اور یہ حفاظت ہوگی ﴿يَسْتَحْفِظُ اللّٰهُ﴾ اس چیز کی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا حکم دیا ہے اور ہوگی بھی اللہ تعالیٰ کی مدد سے۔ خالی بندہ کچھ بھی نہیں ہے، نہ مرد کچھ ہے، نہ عورت کچھ ہے۔ باسیبہ ہو تو معنی ہوں گے اللہ تعالیٰ کی حفاظت کرنے کے سبب سے حفاظت کرنے والی ہیں۔

﴿وَالَّذِي تَخَافُونَ﴾ اور وہ عورتیں کہ تم خوف کرتے ہو ﴿تَشُوْرُهُنَّ﴾ ان کی اکڑ اور بددماغی سے کہ ضد کرتی ہیں اور جائز کاموں میں اطاعت نہیں کرتی ہیں۔ ان کے لیے پہلا حکم ہے ﴿فَعَطُّوْهُنَّ﴾ پس ان کو نصیحت کرو کہ دیکھ! تو بیوی ہے، میں خاوند ہوں اور جو کام میں تجھے کہہ رہا ہوں وہ قرآن و سنت کے مطابق ہے، فقہ اسلامی کے مطابق ہے، یہ تجھے کرنا پڑے گا۔ بعض عورتیں نیک فطرت ہوتی ہیں مگر غلط فہمی کا شکار ہوتی ہیں سمجھانے سے سمجھ جاتی ہیں۔ دوسرا حکم: ﴿وَأَهْجُرُوْهُنَّ فِي النِّصَاحِ﴾ اور ان کو جدا کر دو بستروں میں۔ ان کو بستروں سے الگ کرو، نہ ان کے ساتھ بیٹھو اور نہ اٹھو اور نہ ان کے ساتھ لیٹو، شاید ان کو احساس ہو جائے کہ میرا خاوند مجھ سے ناراض ہے۔ کچھ عورتوں کی اس طرح اصلاح ہو جائے گی۔ اگر یہ دونوں طریقے کامیاب نہ ہوں تو تیسرا حکم ضرب۔ بضر کا ہے۔ فرمایا ﴿وَاضْرِبُوْهُنَّ﴾ اور ان کو مارو۔ مگر اتنا نہیں کہ ان کی ٹانگ توڑ دو، بازو توڑ دو، سر پھاڑ دو اور اٹھ کر ہسپتال لے جانا پڑے۔ بس اتنا مارنا ہے کہ جس سے ان کو تنبیہ ہو جائے۔ کیوں کہ بعض عورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ مار کے بغیر ان کی اصلاح نہیں ہوتی۔ ﴿فَإِنْ أَطَعْتُمْ﴾ پس اگر وہ تمہاری اطاعت کریں ﴿فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا﴾ پس نہ تلاش کرو تم ان کے خلاف کوئی راستہ۔ یعنی جب وہ درست ہو جائیں اور اطاعت شروع کر دیں تو تمہارے دل میں ناراضی کی جو گرہ ہے اس کو کھول دو۔ اس طرح نہ کہو کہ اب تو ٹھیک ہو گئی ہے مگر اس نے پہلے میری بات کیوں نہیں مانی، اگر اس طرح کی گرہیں دل میں رکھو گے تو گھرا جڑ جائے گا۔ جب وہ صحیح ہو گئی ہے تو تم بھی بات کو ختم کرو۔ گھر جب ہی آباد ہوتے ہیں کہ معاملہ کو طول نہ دیا جائے، کوئی بھی فریق جب معاملہ کو طول دے گا تو وہ گھر برباد ہو جائے گا۔

میرا شیوں کے گھر روز لڑائی ہوتی تھی، ان کے گھر مہمان آیا، اس نے پوچھا کہ تم اس طرح کیوں کرتے ہو؟ ایک دوسرے کی بات سمجھنے کے لیے گھروں میں نوکاٹو کی ہوتی رہتی ہے تو ایک دوسرے کی دل آزاری ہوتی رہتی ہے اور گھر دوزخ بن جاتے ہیں، لہذا گھروں کو جنت بناؤ، دوزخ نہ بناؤ ﴿إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا كَبِيْرًا﴾ بے شک ہے اللہ بلند شان والا، بہت بڑا۔ تم بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہو، آخر انسان ہو، غلطی ہو جاتی ہے، اگر پروردگار تم پر سختی کرے تو تمہارا حشر ہو جائے۔ اس لیے جب عورتیں اپنی اصلاح کر لیں تو معاملہ رفع دفع کر دو اور احسن طریقے سے زندگی بسر کرو۔



﴿وَإِنْ خِفْتُمْ﴾ اور اگر تمہیں خوف ہو ﴿شِقَاقِ﴾ اختلاف کا ﴿بَيْنَهُمَا﴾ میاں بیوی کے درمیان ﴿فَابْتَغُوا﴾ پس بھیجو تم یعنی مقرر کرو تم ﴿حَكْمًا﴾ ایک منصف اور ثالث ﴿مِّنْ أَهْلِهَا﴾ خاوند کی برادری سے ﴿وَحَكْمًا﴾ اور ایک منصف اور ایک ثالث ﴿مِّنْ أَهْلِهَا﴾ بیوی کی برادری سے ﴿إِنْ يُرِيدُوا﴾ اگر وہ دونوں ارادہ کریں ﴿إِصْلَاحًا﴾ اصلاح کرنے کا ﴿يُوقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا﴾ اللہ تعالیٰ ان دونوں کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا ﴿إِنَّ اللَّهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ عَلِيمًا﴾ ہے جاننے والا ﴿خَبِيرًا﴾ خبردار ﴿وَاعْبُدُوا اللَّهَ﴾ اور عبادت کرو تم اللہ تعالیٰ کی ﴿وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا﴾ اور نہ شریک ٹھہراؤ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو ﴿وَالْوَالِدِينَ إِحْسَانًا﴾ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو ﴿وَالَّذِينَ فِي الْقُرْبَىٰ﴾ اور قریبی رشتہ داروں کے ساتھ ﴿وَالْيَتَامَىٰ﴾ اور یتیموں کے ساتھ ﴿وَالْمَسْكِينِ﴾ اور مسکینوں کے ساتھ ﴿وَالْجَارِ﴾ اور اس پڑوسی کے ساتھ ﴿وَالصَّاحِبِ﴾ اور اس ساتھی کے ساتھ جو قریبی ہے ﴿وَالْجَارِ﴾ اور اس پڑوسی کے ساتھ ﴿الْجُنْبِ﴾ جو اجنبی ہے ﴿وَالصَّاحِبِ﴾ اور اس ساتھی کے ساتھ ﴿بِالْجُنْبِ﴾ جو پہلو میں ہے ﴿وَابْنِ السَّبِيلِ﴾ اور مسافروں کے ساتھ ﴿وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ اور ان کے ساتھ جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہیں ﴿إِنَّ اللَّهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَا يُحِبُّ﴾ نہیں پسند کرتا ﴿مَنْ﴾ اس کو ﴿كَانَ مُخْتَلًا﴾ جو تکبر کرنے والا ہو ﴿فَخَوَّسًا﴾ اپنی بڑائی بیان کرنے والا ہو ﴿الَّذِينَ﴾ وہ لوگ ﴿يَبْخُلُونَ﴾ جو بخل کرتے ہیں ﴿وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ﴾ اور حکم دیتے ہیں لوگوں کو ﴿بِالْبُخْلِ﴾ بخل کا ﴿وَيَكْتُمُونَ﴾ اور چھپاتے ہیں ﴿مَا﴾ وہ چیز ﴿أَتَاهُمُ اللَّهُ﴾ جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دی ہے ﴿مِنْ فَضْلِهِ﴾ اپنے فضل سے ﴿وَاعْتَدْنَا﴾ اور ہم نے تیار کیا ہے ﴿لِلْكَافِرِينَ﴾ کافروں کے لیے ﴿عَذَابًا مُّهِينًا﴾ عذاب رسوا اور ذلیل کرنے والا ﴿وَالَّذِينَ﴾ اور وہ لوگ ﴿يَنْفِقُونَ﴾ جو خرچ کرتے ہیں ﴿أَمْوَالَهُمْ﴾ اپنے مالوں کو ﴿بِرِثَاءِ النَّاسِ﴾ لوگوں کو دکھانے کے لیے ﴿وَلَا يُؤْمِنُونَ﴾ اور صحیح معنی میں ایمان نہیں لاتے ﴿بِاللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ پر ﴿وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ اور نہ ایمان لاتے ہیں آخرت کے دن پر ﴿وَمَنْ﴾ اور وہ شخص ﴿يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا﴾ کہ ہو شیطان اس کا ساتھی ﴿فَسَاءَ قَرِينًا﴾ پس بہت بُرا ساتھی ہے۔

اس سے پہلی آیت کریمہ میں اس بات کا ذکر تھا کہ اگر کوئی عورت بددماغ ہے اور خاوند کے سامنے اڑ جائے اور اس کی صحیح بات بھی ماننے کے لیے تیار نہ ہو تو اس کے لیے ترتیب وار تین حکم بیان فرمائے کہ اس کو وعظ و نصیحت کر دو، سمجھاؤ اور بستر سے الگ کر دو، اس کے نزدیک نہ جاؤ اور کچھ دن دیکھو شاید اس طرح اس کو احساس پیدا ہو جائے۔ اگر اس طرح اس کا دماغ درست

نہ ہو، پھر تادیب اس کو مارو۔ آگے فرمایا کہ اگر ان تینوں سزاؤں سے بھی اس کی اصلاح نہ ہو ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ﴾ اور اگر اے وارثو! اور رشتہ دارو! تمہیں خوف ہو ﴿شِقَاقِي بَيْنَهُمَا﴾ میاں بیوی کے درمیان اختلافات کا کہ ان کا اختلاف اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ اصلاح کی کوئی صورت نہیں ہے تو ﴿فَابْعَثُوا﴾ پس بھیجو تم یعنی مقرر کرو ﴿حَكْمًا﴾ ایک منصف اور ثالث ﴿مِنْ أَهْلِهِمْ﴾ خاوند کی برادری سے ﴿وَحَكْمًا﴾ اور ایک منصف اور ثالث ﴿مِنْ أَهْلِهِمَا﴾ بیوی کی برادری سے۔

اعتراف غلطی بہت بڑی خوبی ہے

مطلب یہ ہے کہ جب میاں بیوی کے درمیان معاملہ انتہائی کشیدہ ہو جائے اور صلح کی کوئی صورت نظر نہ آئے تو ایک آدمی خاوند کی برادری سے مقرر کیا جائے، کیونکہ خاوند کی طبیعت اور مزاج کو وہ جانتا ہوگا اور ایک آدمی بیوی کی برادری سے، کیونکہ وہ اس کے مزاج اور طبیعت سے واقف ہوگا۔ یہ دونوں ثالث سر جوڑ کر بیٹھ جائیں، دونوں کی باتیں سنیں، غور و فکر کریں اور نزاع کو تلاش کریں کہ ان کے درمیان اختلاف اور نزاع کیوں پیدا ہوا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا﴾ اگر وہ دونوں ثالث ارادہ کریں گے اصلاح کا تو ﴿يُؤْتِقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا﴾ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ جس کی غلطی ہو اس کو کہیں کہ یہ تیری زیادتی ہے اور وہ اپنی غلطی تسلیم کرے۔ کیونکہ غلطی کو تسلیم کرنا ہی انسان کی سب سے بڑی شرافت ہے اور اپنی غلطی کو نہ ماننا یہ ابلیس کا طریقہ ہے۔

دیکھو! قرآن پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حضرت حوا کو بہشت میں ٹھہرانے کے بعد حکم دیا کہ ﴿لَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ﴾ کہ اس درخت کے قریب نہ جانا۔ وہ گندم کا درخت تھا، دنیا میں تو گندم کے پودے ہوتے ہیں، بہشت میں درخت ہوں گے۔ تو فرمایا کہ تم اس درخت کے قریب نہ جانا، اگر گئے تو ﴿فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ پس تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ لیکن ان سے غلطی ہوگئی، وہ بھی صرف اتنی کہ اس کو چکھا کھایا نہیں، صرف چکھنے سے رب تعالیٰ ناراض ہو گئے۔ قرآن پاک میں ہے ﴿فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ﴾ [الاعراف: ۲۲] ”پس جب انہوں نے درخت کو چکھا۔“ صرف چکھنے سے رب تعالیٰ ناراض ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے تمہیں منع کیا تھا پھر تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس موقع پر حضرت آدم علیہ السلام اگر ظاہری بہانے بنانا چاہتے تو بنا سکتے تھے۔ مثلاً: کہہ سکتے تھے کہ اے پروردگار! اس شیطان سے پوچھو جس نے جھوٹی قسمیں اٹھا کر ہمیں پھسلا یا ہے، اس نے ہمارے ساتھ کیوں دھوکا کیا ہے؟ مگر آدم علیہ السلام سمجھ دار تھے، سمجھ گئے کہ جتنے بھی چکر کاٹیں آخر غلطی تو ہوئی ہے، غیر مشروط طور پر کہا ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا﴾ ”اے رب ہمارے! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے“ ﴿وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا﴾ اگر آپ نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ﴿لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ ہم ضرور ہو جائیں گے خسارہ پانے والوں میں سے۔ ”معافی مانگی، غلطی کا اقرار کیا۔“

اور دوسری طرف دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے پوچھا کہ اے ابلیس! میں نے تجھے حکم دیا تھا کہ آدم کو سجدہ کرتونے

سجدہ کیوں نہ کیا؟ تو شیطان کہنے لگا ﴿أَنَا خَيْرٌ مِّنْكَ﴾ ”میں آدم سے بہتر ہوں ﴿خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَأَخْلَقْتَكَ مِنْ طِينٍ﴾ مجھے تو نے آگ سے پیدا فرمایا ہے اور آدم کو تو نے مٹی سے پیدا فرمایا ہے، میں اس کو کیوں سجدہ کرتا، اگر گیا۔“ تو غلطی پر اگر شیطان کا کام ہے اور غلطی کو تسلیم کرنا آدم کا کام ہے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام نے غیر مشروط طور پر کہا اے پروردگار! غلطی ہوئی ہے، معاف فرمادے، اللہ تعالیٰ نے بھی رجوع فرمایا اور معاف کر دیا، بس سارے فساد کی جڑ ہے انا، کہ میں بھی کچھ ہوں۔ جس فریق سے غلطی ہوئی ہے وہ مان لے کہ ہاں! واقعی مجھ سے غلطی ہوئی ہے تو معاملہ کبھی طول نہیں پکڑے گا اور اگر غلطی کو جائز ثابت کرنے کے لیے دلیلیں شروع ہو جائیں تو پھر اس معاملہ کو کوئی حل نہیں کر سکتا۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے یہ بات سمجھادی ہے کہ اگر ثلثان کی نیت درست ہو تو اللہ تعالیٰ موافقت پیدا فرمادے گا ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ بے شک ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا خبردار۔ لہذا اس نے جو احکام اپنے بندوں کے لیے جاری فرمائے ہیں، حق ہیں اور صحیح ہیں۔

تو میاں بیوی کا حق بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ تمہارے ذمے اور بھی حق ہیں، ان کا خیال رکھو اور ان میں سب سے بڑا حق ہے اللہ تعالیٰ کا۔ اس لیے فرمایا ﴿وَأَعْبُدُوا اللَّهَ﴾ اور عبادت کرو تم اللہ تعالیٰ کی، عبادت چاہے بدنی ہو یا زبانی ہو یا مالی ہو، صرف اللہ کا حق ہے اور ہر نماز میں ہم اس کا اقرار کرتے ہیں اَلْحَيَاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَاةُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلنَّحِيَاتُ اَلْمَعَانِي ہیں زبانی عبادتیں الصلوات کے معانی ہیں بدنی عبادتیں اور الطيبات کے معنی ہیں مالی عبادتیں۔ یہ سب عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ تو پہلا حکم ہے کہ عبادت صرف اللہ کی کرو۔

دوسرا حکم ہے ﴿وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا﴾ اور نہ شریک ٹھہراؤ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو۔ نہ فرشتے اللہ کے شریک ہیں، نہ قطب، نہ ابدال، نہ ولی، نہ شہید، نہ حجر، نہ شجر، نہ سورج، نہ چاند۔ کوئی بھی اس کا شریک نہیں ہے۔

اور تیسرا حکم کیا ہے۔ فرمایا ﴿وَالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ یہاں تک کہ ماں باپ کے سامنے سخت لہجے میں بھی بولنے کی اجازت نہیں ہے۔ قرآن پاک میں آتا ہے ﴿فَلَا تَقْنُ لَهُمَا آوْفٍ﴾ اور نہ کہو ان کو ”ہوں“ یعنی کہ کوئی بات اچھی نہ لگے تو آدمی ”ہوں“ کہتا ہے، فرمایا ماں باپ کے سامنے ”ہوں“ کہنے کی بھی اجازت نہیں ہے اور بعض علاقوں میں ”ہوں“ اور ”ہاں“ تسلیم کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں مگر یہ لہجہ اچھا نہیں ہے اس لیے اس کی بھی اجازت نہیں ہے۔ بلکہ جی ہاں! کہہ کر جواب دو، نہایت ادب اور عاجزی کے ساتھ۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہم رئیس التابعین ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ماں باپ کے سامنے اس انداز سے بولو کہ جس انداز سے سخت مزاج آقا کے سامنے غلام بولتا ہے۔ ﴿وَابْنِي الْقُرْبَى﴾ اور قریبی رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ ماں باپ کے بعد بہن، بھائی، چچا اور دیگر اقارب ہیں، ان کا بھی حق ہے، ان کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو۔ بول چال، لین دین میں ان کا پورا خیال ملحوظ رکھو۔ ﴿وَالْيَتَامَى﴾ اور یتیموں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو۔ عام اس سے کہ وہ یتیم اپنی برادری سے ہوں،

محلے سے ہوں، اپنے شہر سے ہوں یا کسی اور علاقے کے ہوں، ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ہے ﴿وَالسَّكِينِ﴾ اور مسکینوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

مسکین اسے کہتے ہیں جو صاحب نصاب نہیں ہے۔ یعنی اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے، قربانی واجب نہیں ہے، فطرانہ اس پر نہیں ہے، کمزور آدمی ہے۔ تو اس کمزور آدمی کا بھی خیال رکھو۔ عموماً لوگوں کا یہ دستور ہے کہ مال دار آدمی سے علیک سلیک رکھتے ہیں، بیمار ہو تو تیمارداری کے لیے بھی جاتے ہیں، غریب کے پاس کوئی نہیں جاتا، کمزور کو کوئی نہیں پوچھتا۔ ہاں! اس غریب کو اگر اللہ تعالیٰ اقتدار دیں تو پھر سارے اس کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں، رشتے دار یاں نکالتے ہیں اور اس کے ساتھ تعلق جوڑتے ہیں کہ میرے فلاں کے رشتے دار ہیں اور فلاں کے رشتے دار ہیں اور جب اقتدار ختم ہو جائے تو پھر کوئی نہیں پوچھتا۔

﴿وَالْحَامِلِ ذِي الْقُرْبَىٰ﴾ اور اس پڑوسی کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو جو قریبی ہے۔ اس کی دو تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ پڑوسی ہے اور برادری کا ہے تو اس کا دوہرا حق ہے۔ ایک وہ پڑوسی ہونے کی حیثیت سے، ایک رشتے دار ہونے کی وجہ سے اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ وہ پڑوسی جو بالکل قریب ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا پڑوسی کا حق کتنے گھروں تک ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آس پاس کے چالیس گھر پڑوسی ہیں۔ کہنے لگی حضرت! اتنے پڑوسیوں کی کوئی خدمت کر سکتا ہے؟ مثال کے طور پر کوئی تحفہ یا سالن وغیرہ دینا چاہے تو اتنے گھروں تک کون پورا آ سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَأَقْرَبُهُمُ إِلَيْكَ بَابًا پھر ان میں سے جس کا دروازہ تیرے زیادہ قریب ہے، اس کا حق ہے۔ ﴿وَالْحَامِلِ الْجُنُبِ﴾ اور اس پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرو جو اجنبی ہے یعنی اس کی برادری اور رشتے داروں میں سے نہیں ہے، اس کا بھی حق ہے اور اس کا یہ معنی بھی کرتے ہیں کہ وہ پڑوسی جو ذرا ہٹا ہوا ہے جس کا گھر دروازے سے دور ہے، اس کا بھی حق ہے۔ ﴿وَالصَّاحِبِ بِالْجَنُبِ﴾ اور اس ساتھی کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو جو پہلو میں ہے۔ یعنی تمہارے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ مثلاً:

تم بیٹھے ہو اور جگہ تمہارے پاس وافر ہے اور دوسرا آدمی تمہارے ساتھ تنگ بیٹھا ہے تو اس کو جگہ دو تا کہ وہ اطمینان کے ساتھ بیٹھے یا کوئی اور تمہارے ساتھ بیٹھنا چاہے تو اس کو نہ روکو۔ اس طرح کہ جوڑے ہو کر دو تین سیٹوں پر قبضہ جمالو اس کا تمہیں حق نہیں اس ساتھی کو حق دو۔ اسی طرح اگر ساتھ والا جاتے ہوئے کوئی چیز بھول کر چھوڑ گیا ہے تو اس کی حفاظت تمہارے ذمہ ہے اور اس سے اگر کوئی غلطی ہوگئی ہے تو معاف کر دو۔ یہ پہلو کا ساتھی بسوں میں بھی ہوتا ہے، ریل گاڑیوں میں بھی ہوتا ہے، جہازوں میں بھی ہوتا ہے، تو پہلو کے ساتھی کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنا ہے۔

اسی طرح اس چیز کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ جہاں لوگ بیٹھے ہیں ان کے درمیان بیٹھنے کی جگہ بھی ہے یا نہیں۔ بعضے آدمیوں کی عادت ہوتی ہے کہ جگہ تو ہے نہیں ویسے ہی درمیان میں گھسنے کی کوشش کرتے ہیں اور بیٹھنے والوں کو تنگ کرتے ہیں، یہ بھی گناہ کی بات ہے۔ اگر لوگ اسلام کے اصولوں پر عمل کریں تو دنیا میں کبھی فتنہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ فتنہ فساد اس وقت ہوتا ہے

جب لوگ انا، ضد اور ذاتی مفادات پر اتر آتے ہیں۔

﴿وَابْنِ السَّبِيلِ﴾ اور مسافروں کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آؤ۔ بس اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مسافر کی چوری ہو جاتی ہے یا پیسے گر جاتے ہیں اور اس کو کرایہ کی ضرورت ہے، روٹی کھانی ہے، رات گزارنی ہے، پیشہ درمانے والا نہیں ہے، اتفاقاً ایسا ہو گیا ہے اور ایسے مسافروں کا بھی باقاعدہ حق ہے ﴿وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہیں۔ یعنی غلاموں اور لونڈیوں کا بھی حق ہے ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کے ساتھ پیش آؤ کہ ان سے ان کی طاقت سے زیادہ کام نہ لو اور بول چال بھی اس کے ساتھ سختی سے نہ کرو۔ یہ سب حقوق ہیں، درجہ بہ درجہ جو شریعت نے بیان فرمائے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ﴾ بے شک اللہ پسند نہیں کرتا ﴿مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا﴾ جو تکبر کرنے والا ہو۔ اپنی بڑائی بیان کرنے والا ہو۔ مختال اکڑ کر چلنے والے کو کہتے ہیں اور فخور اپنی بڑائی بیان کرنے والے کو کہتے ہیں کہ میں فلاں خاندان کا ہوں۔ یہ بھی بڑے گناہ کی بات ہے۔ یہ جو کئی اور غیر کئی کافرق ہے اسلام اس کو منانے کے لیے آیا ہے مگر ہم نے اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑا ہوا ہے کہ یہ چودھری ہے اور یہ کمی ہے۔ کیونکہ آج بھی اگر کوئی بڑا آدمی چار پائی پر بیٹھا ہو تو اس کے ساتھ کسی بیچ قوم کے آدمی کو بیٹھنے کی ہمت نہیں ہے اور اگر کوئی بیٹھ جائے تو اس کو وہ برا سمجھتے ہیں۔

یہ انفراط و تفریط اسلام میں نہیں ہے۔ اسلام میں گورا کالا، امیر غریب، بادشاہ گدا اگر سب انسان ہیں۔ یہ فرق یہود و ہنود اور نصاریٰ وغیرہ قوموں نے تراشا ہوا ہے، جن کے ہاں گورے اور کالے لوگوں کے عبادت خانے ماضی قریب تک الگ الگ رہے ہیں اور گورے کالے لوگوں کے ہسپتال بھی الگ الگ رہے ہیں۔ گورے کالوں کو اپنے ساتھ بیٹھنے بھی نہیں دیتے تھے وہ الگ بیٹھتے تھے۔ جب ہمارے تبلیغی حضرات ان ملکوں میں تبلیغ کے لیے جاتے ہیں اور گورے کالے سب مل کر اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں اور اکٹھے نمازیں پڑھتے ہیں اور ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں تو وہ لوگ حیران ہوتے ہیں۔

بخل کی ممانعت

تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا اور نہ لڑائی اور خود شائی کو پسند کرتا ہے۔ ﴿الَّذِينَ يَبْخُلُونَ﴾ وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں۔ بخل کا معنی ہے کہ جہاں روپیہ خرچ کرنے کی ضرورت ہو وہاں خرچ نہ کیا جائے یا جتنا خرچ کرنے کی ضرورت ہو اس سے کم خرچ کیا جائے ﴿وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبَخْلِ﴾ اور حکم دیتے ہیں لوگوں کو بخل کا یعنی خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کا حکم کرتے ہیں، ترغیب دیتے ہیں کہ غریبوں اور مسکینوں پر خرچ نہ کرو ﴿وَيَنْهَوْنَ مَا أَنشَأَ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ اور چھپاتے ہیں وہ چیز جو ان کو دی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی پر فضل کیا ہے، نعمت دی ہے تو اس کو چھپانا نہیں چاہیے بلکہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر بڑا فضل اور احسان ہے اس نے مجھے مال دیا ہے، دولت دی ہے، جائیداد دی ہے

اور یہ چیز اس کی وضع قطع اور لباس سے ظاہر ہو۔

شریعت ایسے آدمی کو پسند نہیں کرتی کہ جس کی مالی پوزیشن مضبوط اور اچھی ہو مگر وہ اپنی حیثیت کے مطابق لباس نہ پہنے بلکہ کم درجے کے کپڑے استعمال کرے۔ البتہ کام کے وقت مسئلہ اس سے جدا ہے کہ ایک آدمی خراد مشین پر کھڑا ہے یا مزدور گارا اٹھا رہا ہے، کسان کھیتوں میں کام کر رہا ہے تو اس موقع پر کام والا لباس پہنیں گے، وہ ٹھیک ہے۔ مگر کام کے علاوہ اپنی حیثیت کے مطابق لباس نہیں پہنتا تو رب تعالیٰ کی نعمت کی بے قدری ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ﴿وَأَقْبَابُ رَعَابِكُمْ فَحَتَّٰثٌ﴾ "کہ اپنے رب کی نعمت کو بیان کر۔" ﴿وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ﴾ اور ہم نے تیار کیا ہے کافروں کے لیے ﴿عَذَابًا مَّهِينًا﴾ عذاب رسوا کرنے والا اور ذلیل کرنے والا کہ وہ عذاب ان کو ذلیل اور رسوا کر کے رکھ دے گا کہ یہ ہیں تکبر کرنے والے ﴿وَالَّذِينَ يَبْتُغُونَ أَمْوَالَهُمْ﴾ اور وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو ﴿بِمَاءِ الثَّمَنِ﴾ لوگوں کو دکھانے کے لیے۔

ریا کاری کی مذمت

آج شادیوں اور منگنیوں اور دیگر رسموں یعنی تیجے، ساتے اور چالیسویں پر لوگ جو خرچ کرتے ہیں، یہ سب ریا کاریاں ہیں۔ بے شک صدقہ خیرات اچھی بات ہے کہ اگر کوئی فوت ہو جائے تو اس کے ایصالِ ثواب کے لیے صدقہ خیرات کرنا اچھی بات ہے مگر اس کے لیے دو چیزیں اصولی طور پر یاد رکھیں۔ ایک یہ کہ صدقہ خیرات کے لیے شریعت نے کوئی وقت مقرر نہیں فرمایا، نہ کوئی دن مقرر فرمایا ہے، نہ تیجہ، نہ ساتواں، نہ دسواں، نہ چالیسواں، نہ جمعہ، نہ جمعرات، یہ دنوں کا تعین کرنا بدعت ہے اور جب یہ بدعت ہے تو ایک تنکے کا بھی ثواب نہیں ملے گا، فقط رقم ضائع ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ صدقہ خیرات اس انداز سے کرو کہ دائیں ہاتھ سے دو تو بائیں کو معلوم نہ ہو مگر اس پر ہمارے دل مطمئن نہیں ہوتے جب تک ہم ڈھنڈورا نہ پیٹ لیں اور گلی میں ہمارے دروازے کے سامنے دیگیں نہ کھڑکیں۔ اسی طرح جب تک تیسرے دن سامنے پھل فروٹ نہ ہوں تو ہمارے دل مطمئن نہیں ہوتے۔ یاد رکھنا! یہ سب رسمیں ہیں ان سے ثواب کی بجائے عذاب ہوگا۔ بلکہ اصل طریقہ یہ ہے جو فوت ہو جائے اس کے لیے بلا تعین ایام دعائیں کرو، صدقہ خیرات کرو مگر خفیہ طریقے سے تاکہ اس کو ثواب پہنچے، اس پر شریعت نے کوئی پابندی نہیں لگائی۔ ﴿وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ اور صحیح معنی میں اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے ﴿وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ اور نہ ایمان لاتے ہیں آخرت کے دن پر۔ زبانی، زبانی تو کہتے ہیں کہ ہم آخرت کو مانتے ہیں لیکن حقیقتاً نہیں مانتے۔ کیونکہ صحیح معنوں میں آخرت کو مانتے تو بغل نہ کرتے ﴿وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا﴾ اور وہ شخص کہ ہو شیطان اس کا ساتھی ﴿فَسَاءَ قَرِينًا﴾ پس وہ بہت بُرا ساتھی ہے۔ اللہ تعالیٰ شیطان کا ساتھی بننے سے بچائے اور اس کا کوئی ساتھی نہ ہو۔ [آمین]

﴿وَمَا ذَا عَلَيْهِمْ﴾ اور کیا نقصان تھا ان کا ﴿لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ﴾ اگر وہ ایمان لاتے اللہ تعالیٰ پر ﴿وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ اور آخرت کے دن پر ﴿وَأَنْفَقُوا﴾ اور خرچ کرتے ﴿مِمَّا﴾ اس چیز سے ﴿مَرَدَّ قَهُمُ اللَّهُ﴾ جو اللہ تعالیٰ نے ان کو رزق دیا ہے ﴿وَكَانَ اللَّهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿بِهِمْ﴾ ان کو ﴿عَلِيمًا﴾ جاننے والا ﴿إِنَّ اللَّهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَا يَظْلِمُ﴾ ظلم نہیں کرتا ﴿مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ ایک ذرے کے برابر بھی ﴿وَإِنْ تَكُ﴾ اور اگر ہو وہ ذرہ ﴿حَسَنَةً﴾ نیکی ﴿يُضَعِفَهَا﴾ اس کو بڑھائے گا ﴿وَيُؤْتِ﴾ اور دے گا ﴿مِنْ لَدُنْهُ﴾ اپنی طرف سے ﴿أَجْرًا عَظِيمًا﴾ اجر بہت بڑا ﴿فَكَيْفَ﴾ پس کیا حال ہوگا ﴿إِذَا جُنَّا﴾ جس وقت ہم لائیں گے ﴿مِنْ كُنْ أُمَّةٍ﴾ ہر امت سے ﴿بَشَرًا﴾ گواہ ﴿وَجُنَّا﴾ اور ہم لائیں گے ﴿بِكَ﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ﴿عَلَىٰ هَؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ ان پر گواہ ﴿يَوْمَئِذٍ﴾ اس دن ﴿يُؤَدُّ الَّذِينَ﴾ پسند کریں گے وہ لوگ ﴿كُفْرًا﴾ جو کافر ہیں ﴿وَعَصَا﴾ اور انہوں نے نافرمانی کی ﴿الرَّسُولِ﴾ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی، وہ اس کو پسند کریں گے ﴿لَوْ تَسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ﴾ برابر کر دی جائے ان کے ساتھ زمین ﴿وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا﴾ اور نہیں چھپا سکیں گے اللہ تعالیٰ سے کوئی بات ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ﴾ اے لوگو! ﴿آمَنُوا﴾ جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَقْرَبُوا﴾ نہ قریب جاؤ ﴿الصَّلَاةَ﴾ نماز کے ﴿وَأَنْتُمْ سُكُورٍ﴾ اس حالت میں کہ تم نشے میں ہو ﴿حَتَّى﴾ یہاں تک کہ ﴿تَعْلَبُوا﴾ تم جان لو ﴿مَا﴾ اس چیز کو ﴿تَقُولُونَ﴾ جو تم پڑھتے اور کہتے ہو ﴿وَلَا جُنُبًا﴾ اور نہ جنابت کی حالت میں (نماز کے قریب جاؤ) ﴿إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ﴾ مگر راستے سے گزرنے والے ہو ﴿حَتَّى تَغْتَسِلُوا﴾ یہاں تک کہ تم غسل کر لو ﴿وَإِنْ لُنْتُمْ مَرْضَى﴾ اور اگر ہو تم بیمار ﴿أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ﴾ یا سفر پر ﴿أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ﴾ یا آئے تم میں سے کوئی ایک ﴿مِنَ الْعَائِلَةِ﴾ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر ﴿أَوْلَسْتُمْ مِنَ النِّسَاءِ﴾ یا ہم بستی کی ہو تم نے عورتوں سے ﴿فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً﴾ پس نہ پاؤ تم پانی ﴿فَتَيَسَّوْا﴾ پس تم تیمم کرو ﴿صَعِيدًا﴾ پاک مٹی سے ﴿طَيِّبًا﴾ جو صاف ہو ﴿فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ﴾ پس مسح کرو تم اپنے چہروں کا ﴿وَأَيْدِيكُمْ﴾ اور اپنے ہاتھوں کا ﴿إِنَّ اللَّهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿عَفُوًّا﴾ معاف کرنے والا ﴿غَفُورًا﴾ بخشنے والا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی ہے جو ایمان نہیں لاتے اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ نہیں کرتے۔ ارشادِ ربانی ہے ﴿وَمَا ذَا عَلَيْهِمْ﴾ اور کیا نقصان تھا ان کا، کیا ان پر پہاڑ گر جائے گا یا کوئی مصیبت ان پر آن پڑے گی ﴿لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ﴾ اگر وہ ایمان لاتے اللہ پر ﴿وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ اور آخرت کے دن پر۔ ایمان بڑھی آسان چیز ہے کہ زبان سے اقرار کرنا ہے اور دل سے تصدیق کرنی ہے مگر جن لوگوں کی قسمت میں ہو۔ کیونکہ جن احکام کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے وہ ایسے نہیں

ہیں کہ انسان ان پر عمل نہ کر سکے بلکہ انسان کی طاقت کے مطابق ہے اور اگر کسی حکم پر عمل کرنے کی طاقت نہ رہے تو شریعت ان پر جبراً عمل کرنے کا حکم نہیں دیتی۔

مثلاً: اگر آدمی کے پاس روپیہ اور مال نہ ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے، حج نہیں ہے، قربانی اور فطرانہ نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی آدمی کھڑے ہو کر نماز نہیں ادا کر سکتا تو بیٹھ کر پڑھ لے، اگر بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتا تو اشارہ سے پڑھ لے اور اسی صفحہ پر آگے آ رہا ہے کہ اگر وضو نہیں کر سکتا تو تیمم کر لے۔ دیکھو! آخر ہم بھی مسلمان ہیں، ایمان والے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنی میں مسلمان بنائے، ہم پر کون سا پہاڑ آگرا ہے۔ تو جو لوگ ایمان سے گریز کرتے ہیں اگر وہ ایمان لے آئیں تو ان پر کون سی مصیبت آپڑے گی؟ ﴿وَأَنْتُمْ أَصْنَاءُ رَبِّكُمْ اللَّهُ﴾ اور وہ خرچ کرتے ہیں اس چیز سے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو رزق دیا ہے اور اللہ تعالیٰ سارا مال دینے کا حکم نہیں دیتے بلکہ اس نے زکوٰۃ میں چالیسویں حصے کا حکم دیا ہے اور عشر میں دسویں یا بیسویں حصے کا حکم دیا ہے، سال بھر میں ایک مرتبہ قربانی کا حکم دیا ہے اور سال میں ایک دفعہ فطرانہ دینا ہے اور عمر بھر میں ایک مرتبہ حج کرنا ہے۔ باقی سارے مہینے اور سال تمہارے ہیں، کماؤ، پکاؤ اور کھاؤ ﴿وَكَانَ اللَّهُ بِهٖمْ عَلِيمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ان کو جاننے والا۔ ان کی نیتوں کو جانتا ہے، ارادوں کو جانتا ہے، ظاہر اور باطن کو جانتا ہے، اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا ذرہ برابر بھی۔ ذرّہ اس چوٹی کو بھی کہتے ہیں جو زرد رنگ کی چھوٹی سی ہوتی ہے اور ان کو بھی ذرّہ کہتے ہیں جو فضا میں اڑتے ہیں۔ عربی لوگ جب کسی شے کی قلت کو بیان کرتے ہیں تو ذرّہ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سمجھانے کے لیے فرمایا ہے کہ وہ کسی پر ذرّہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ وہ اس طرح کہ مثلاً: کسی نے کوئی گناہ نہیں کیا اور وہ اس کے ذمہ لگا دیا جائے، ایسا نہیں ہوگا یا کسی نے قاعدے کے مطابق نیکی کی ہو اور اس میں کمی کر دی جائے ایسا بھی نہیں ہوگا۔ ﴿وَإِنْ تَكُ حَسَنَةً﴾ اور اگر ہو وہ ذرّہ نیکی ﴿يُضَعِفَهَا﴾ اس کو بڑھائے گا ﴿وَيُؤْتِي مِمَّنْ لَّدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ اور دے گا اپنی طرف سے اجر بہت بڑا۔ اگر ایمان کی حالت میں اخلاص کے ساتھ اتباع سنت میں نیکی کی جائے تو اس کا ادنیٰ ترین بدلہ ہے دس نیکیاں۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے ﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ مِثَالِهَا﴾ ”جو کوئی نیکی لے آئے گا اس کو ویسی دس نیکیاں ملیں گی۔“

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو السلام علیکم کہتا ہے تو کہنے والے کو دس نیکیاں بھی ملیں گی اور ایک صغیرہ گناہ بھی خود بخود مٹ جائے گا اور ایک درجہ بھی بلند ہو جائے گا۔ اسی طرح وعلیکم السلام بھی مکمل جملہ ہے، وعلیکم السلام کہنے والے کو بھی دس نیکیاں ملیں گی اور اگر وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ علیہم کہے گا تو بیس نیکیاں ملیں گی اور اگر ساتھ و برکاتہ بھی کہا تو بیس نیکیاں مل گئیں اور اگر اس کے ساتھ مغفرتہ بھی کہہ دیا تو چالیس نیکیاں مل گئیں، ایک منٹ بھی نہیں لگا اور نیکیوں کا انبار لگ گیا۔

اسی طرح ایک دفعہ سبحان اللہ! کہنے سے دس نیکیاں ملتی ہیں، ایک قدم مسجد کی طرف جانے کے لیے اٹھائے گا در نیکیاں ہیں اور اگر اس نیت کے ساتھ قدم رکھا کہ میں نے وہاں جا کر قرآن وحدیث کا درس بھی سنا ہے تو پھر یہ قدم فی سبیل اللہ

مد میں ہوگا، لہذا ایک قدم کے بدلے کم از کم سات سونکیاں ملیں گی، اللہ تعالیٰ کے خزانے بڑے وسیع ہیں۔

حضور ﷺ کی اُمت کے حق میں گواہی

تو فرمایا کہ وہ نیکی کو بڑھائے گا۔ آگے فرمایا ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ﴾ پس کیا حال ہوگا جس وقت لائیں گے ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ ﴿وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ اور ہم لائیں گے آپ (ﷺ) کو ان پر گواہ۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر اور تشریح خود آنحضرت ﷺ نے فرمائی ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں روایت آتی ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ جب قیامت کے دن تمام مخلوقات کو اکٹھا کرے گا اور سب حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کو بھی جمع کرے گا تو کافروں اور نافرمانوں پر اتمام حجت کے لیے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام سے سوال فرمائے گا۔ مثلاً: حضرت نوح علیہ السلام سے سوال فرمائے گا کیا تو نے اپنی اُمت کو تبلیغ کی تھی؟ حضرت نوح علیہ السلام عرض کریں گے: اے اللہ! میں نے واقعی تبلیغ کی تھی۔ پھر نوح علیہ السلام کی اُمت سے سوال ہوگا کہ کیا نوح علیہ السلام نے تمہیں تبلیغ کی تھی؟ وہ انکار کر دے گی کہ ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا آیا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ سوال کرے گا نوح! تمہارا کوئی گواہ بھی ہے؟ حضرت نوح علیہ السلام عرض کریں گے میرے گواہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی اُمت ہے۔ اگر وہ لوگ یہ سوال کریں گے کہ یہ گواہ تو ہمارے زمانہ میں موجود نہ تھے لہذا یہ گواہ کیسے ہوئے؟ تو اُمت محمدیہ، یہ جواب دے گی کہ ہم نے قرآن پڑھا ہے جس میں صاف طور پر لکھا ہوا تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام اور اسی طرح دوسرے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام نے تبلیغ کی تھی اور ہمیں ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے بھی ایسا ہی فرمایا تھا، جب خدا تعالیٰ اور اس کا رسول برحق یہ فرماتے ہیں کہ نوح علیہ السلام نے تبلیغ کی تھی تو ہم برحق اور سچی گواہی دیتے ہیں۔

جب آپ ﷺ کی اُمت گواہی دے چکے گی تو آنحضرت ﷺ اپنی اُمت کی شہادت اور گواہی کی تصدیق کریں گے۔ گویا آپ ﷺ کی حیثیت سرکاری گواہ کی ہوگی۔ اسی طرح تمام پیغمبروں کی اُمتیں انکار کریں گی اور کہیں گی کہ ہمارے پیغمبروں نے ہمیں تبلیغ نہیں کی اور وہ پیغمبر دعویٰ کریں گے کہ ہم نے تبلیغ کی ہے اور یہ اُمت مسلمہ ان کی گواہی دے گی کہ پیغمبروں نے تبلیغ کی تھی اور آنحضرت ﷺ اپنی اُمت کی تصدیق فرمائیں گے کہ میری اُمت نے جو کہا ہے سچ کہا ہے اور اس پر فیصلے ہوں گے۔ یہ مطلب ہے اس آیت کریمہ کا کہ ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ پس کیا حال ہوگا جس وقت ہم لائیں گے ہر اُمت سے گواہ اور ہم لائیں گے آپ ﷺ کو ان پر گواہ۔ یعنی آپ ﷺ کو ان پر گواہی کی اُمت کی تصدیق کریں گے کہ میری اُمت نے جو گواہی دی ہے وہ حق گواہی دی ہے۔

﴿بِئْسَ مِثْقَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ اس دن پسند کریں گے وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿وَعَصُوا الرُّسُلَ﴾ اور انھوں نے نافرمانی کی ہے رسول ﷺ کی۔ وہ کس چیز کو پسند کریں گے؟ فرمایا ﴿لَوْ نَسُوا بَهِمُ الْأُنثَىٰ﴾ کاش کہ برابر کر دی جائے ان کے ساتھ زمین کہ ان کو دفن کر کے زمین کو ہموار کر دیا جائے یا یہ کہ ان کو مٹی کر کے زمین کے برابر کر دیا جائے ﴿وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ

خدا بیٹا اور نہیں چھپا سکیں گے اللہ تعالیٰ سے کوئی بات۔

ساتویں پارے میں ہے کہ مشرک لوگ پہلے انکار کریں گے اور کہیں گے ﴿وَاللّٰهُ رَبُّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ ”اللہ کی قسم! جو ہمارا پروردگار ہے کہ ہم شریک نہیں بناتے تھے۔“ یعنی ہم نے شرک کیا ہی نہیں ہے۔ مشرک اتنے ڈھیٹ اور بے حیا ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت میں بھی جھوٹ بولنے سے باز نہیں آئیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی زبانوں پر مہر لگ جائے گی جیسا کہ سورہ لیسین میں ہے ﴿اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰٓ اَفْوَاهِهِمْ﴾ آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے، پھر یہ بول نہیں سکیں گے، کان بولیں گے، ناک بولے گا، ہاتھ بولیں گے، ایک ایک عضو بولے گا اور سب کچھ بتا دیں گے کہ یہ کیا کرتے رہے ہیں۔

پہلے ذکر تھا ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تَشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا﴾ اور عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ ٹھہراؤ اور یاد رکھنا! شرک اتنی بڑی چیز ہے کہ غیر اختیاری طور پر بھی صادر ہو جائے تو معاف نہیں ہوگا۔ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ایک جلیل القدر صحابی ہیں انہوں نے دوستوں کو ولیمہ کی دعوت دی اور ولیمہ سنت مؤکدہ ہے، مگر اس میں بھنگڑا اور ناچ گانا نہیں ہے جو ہم لوگوں نے سمجھا ہوا ہے اور نہ ہی اس میں تکلفات ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو دسترخوان کے اوپر کھجوریں ڈال دیں اور فرمایا کہ کھاؤ بھائی! ولیمہ ہے۔ ایک دوسرے موقع پر ستور رکھ دیے اور فرمایا کھاؤ، ولیمہ ہے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کے موقع پر گنجائش تھی لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت روٹی کھلا دی۔ مطلب یہ ہے کہ ولیمہ ہمت اور حیثیت کے مطابق ہے، تکلفات کی کوئی حیثیت نہیں ہے جو آج کل لوگوں نے اختیار کیے ہوئے ہیں کہ ولیموں اور جہیزوں کی وجہ سے عورتیں بوڑھی ہو گئی ہیں۔ یہ ملعون طریقے اور رسمیں ہیں، ان کے خلاف جہاد کرو، یہ تمہارا فرض ہے اور کوشش کرو کہ کوئی بچی بیس سال سے اوپر نہ جائے بلکہ بیس سال کی عمر تک شادی ہو جائے۔ کیونکہ اس کے بعد طبی لحاظ سے بھی مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ آج کل کی طب کا تو مجھے علم نہیں ہے مگر میں نے پرانی طب پڑھی ہے اس میں لکھا ہوا ہے کہ عورت کی عمر جب زیادہ ہو جائے اور شادی نہ کی جائے تو اس کے رحم میں ٹیویں ہوتی ہیں وہ ضائع ہو جاتی ہیں، جل جاتی ہیں اور عورت بچہ جنمنے کے قابل نہیں رہتی، پھر ساری زندگی علاج کراتے پھرو، کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ الا ماشاء اللہ

نماز کے اوقات میں شراب کی ممانعت

تو بات یہاں سے چلی تھی کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چند ساتھیوں کو دعوت ولیمہ پر مدعو کیا۔ وہ مسجد نبوی والے محلے کے ساتھ دوسرا محلہ تھا، وہاں رہتے تھے۔ وہاں ایک چھوٹی سی مسجد تھی اس وقت مدینہ طیبہ میں بلند اور پست جگہیں بہت تھیں، اب تو سڑکیں بن گئی ہیں اور بجلی کا زمانہ بھی نہ تھا اس لیے انہوں نے یہ انتظام شام ہونے سے پہلے کیا تاکہ ساتھی

کھانا کھا کر روشنی میں ہی اپنے اپنے گھر چلے جائیں۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں کو کھانا کھانے کے بعد شراب پیش کی جس طرح آج کل چائے یا بوتل پیش کرتے ہیں۔ کیونکہ اس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی اور شراب بڑی تیز تھی، ادھر مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا، مدعوئین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے، محلے والوں نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز پڑھائیں تاکہ ہمیں ان کی امامت میں نماز پڑھنے کا شرف حاصل ہو جائے۔ کیونکہ ہر آدمی کی کوشش ہوتی ہے کہ نیک سے نیک آدمی کے پیچھے نماز پڑھی جائے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھانی شروع کی، چونکہ نشے میں تھے تو سورۃ کافرون کو اس طرح پڑھا ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ﴾ کا لفظ چھوڑ گئے۔ اصل میں تو اس طرح ہے ﴿لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ﴾ میں نہیں عبادت کرتا ان کی جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ اور ﴿لَا﴾ کے بغیر ترجمہ بنتا ہے، میں بھی انہی کی عبادت کرتا ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ اس واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے پابندی لگا دی کہ نماز کے وقت کوئی آدمی شراب پی کر نہ آئے۔ اس کے بعد پھر شراب بالکل حرام کر دی گئی۔ جیسا کہ ساتویں پارے میں حرمت کا حکم موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ﴾ نہ قریب جاؤ نماز کے ﴿وَأَنْتُمْ سُكَرَى﴾ اس حالت میں کہ تم نشے میں ہو۔ یعنی نماز کے اوقات میں شراب ممنوع ہوگی ﴿حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ﴾ یہاں تک کہ تم جان لو اس چیز کو جو تم پڑھتے اور کہتے ہو۔ اس آیت کریمہ سے یہ بات سمجھ آئی کہ ہم نماز میں جو کچھ پڑھتے ہیں اس کی ہمیں سمجھ آنی چاہیے کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں اور میں کیا کہہ رہا ہوں۔

آج بہت سارے نمازی ایسے نظر آئیں گے کہ انہیں نماز پڑھتے پچاس، ساٹھ سال ہو گئے ہیں مگر ان کو نماز کا ترجمہ نہیں آتا۔ بلکہ اچھے خاصے سمجھ دار نمازیوں سے بھی دعاوت کے اس جملے کا ترجمہ پوچھو تو نہیں آئے گا کہ ﴿وَنَحْفِدُ﴾ کا کیا معنی ہے؟ میرے اندازے کے مطابق سو میں سے پانچ بتا سکیں گے۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم نے کیا پڑھا ہے اور کیا کہہ رہے ہو؟ آج ہم پر شراب کا نشہ تو نہیں ہے، مگر جہالت کا نشہ ضرور ہے۔ لہذا یاد رکھو! نماز کا ترجمہ ہر مسلمان مرد و عورت کو آنا چاہیے۔

آگے فرمایا ﴿وَلَا جُنُبًا﴾ اور نہ جنابت کی حالت میں نماز کے قریب جاؤ ﴿إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ﴾ مگر یہ کہ سفر کرنے والے ہو۔ یعنی مسافر ہو۔ اگر کوئی شخص مسافر ہے اور غسل کی ضرورت پڑ گئی ہے اور پانی بھی میسر نہیں ہے یعنی پانی ایک میل دور ہے اور اگر ہے تو استعمال کرنے پر قدرت نہیں ہے تو اجازت ہے کہ غسل اور وضو کی جگہ تیمم کرے اور نمازیں ادا کرے اور ﴿عَابِرِي سَبِيلٍ﴾ کا دوسرا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ نماز کے محل یعنی مسجد میں داخل بھی نہ ہو۔ البتہ وہاں بطور راستہ گزرنا ہو تو مسجد سے گزر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر مسجد میں بدخواہی ہوگئی تو مسجد سے گزر کر باہر جانا جائز ہے۔ بہر حال فرمایا کہ دو حالتوں میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔ ایک یہ کہ تم نشے کی حالت میں ہو اور دوسرا یہ کہ جنبی ہو ﴿حَتَّى تَعْلَمُوا﴾ یہاں تک کہ تم غسل کر لو۔

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى﴾ اور اگر ہو تم بیمار۔ یعنی تم میں سے کوئی شخص ایسی بیماری میں مبتلا ہو کہ جس میں پانی کا استعمال

بیماری میں اضافے کا باعث بن سکتا ہے یا ہلاکت کا خطرہ ہے تو پانی استعمال نہ کرے بلکہ تیمم کر کے نماز ادا کرے۔ مگر پانی کے استعمال سے ایسا ڈاکٹر یا طبیب منع کرے جس میں یہ تین شرطیں پائی جائیں۔

❁ نمبر ایک: ڈاکٹر اور طبیب مسلمان ہو۔ کیونکہ غیر مسلم کی کوئی بات مسلمان کے لیے اسلامی امور میں حجت نہیں ہے۔

❁ نمبر دو: دیندار ہو۔ یعنی نماز روزے کا پابند ہو۔ جو ڈاکٹر اور حکیم نماز روزے کا پابند نہیں ہے، نمازی کے لیے اس کی بات بھی حجت نہیں ہے۔

❁ نمبر تین: مستند ہو، عطائی نہ ہو کہ چند شیشیاں لے کر بیٹھ گیا ہو اور لوگوں کو لوٹ رہا ہو۔ غیر مستند ڈاکٹر حکیم کی بات بھی اسلامی احکامات میں حجت نہیں ہے۔ اگر ایسا ڈاکٹر اور حکیم کہے کہ تم روزہ نہ رکھو تو نہ رکھو اور اگر ایسا ڈاکٹر اور حکیم کہے کہ پانی استعمال نہیں کرنا تو پانی استعمال نہ کرو، تیمم کرو اور نماز پڑھو۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ﴿أَوْ عَلَى سَفَرٍ﴾ یا سفر پر ہو اور پانی سے ایک میل دور ہو ﴿أَوْ جَاءَ أَحَدًا مِّنْكُمْ﴾ یا آئے تم میں سے کوئی ایک ﴿فَمِنَ الْغَائِطِ﴾ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر ﴿أَوْ لَسْتُمْ مِنَ النِّسَاءِ﴾ یا ہم بستری کی ہو تم نے عورتوں سے ﴿فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً﴾ پس نہ پاؤ تم پانی ﴿فَتَيَسَّبُوا مَصِيبًا طَيِّبًا﴾ پس تم تیمم کرو پاک مٹی سے۔ اگر مٹی پر، زمین پر، کسی بچے یا بڑے نے پیشاب کیا ہو اور پیشاب خشک ہو گیا ہے تو ایسی زمین سے تیمم نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ تیمم کے لیے ﴿طَيِّبًا﴾ کی قید ہے۔ البتہ ایسی جگہ پر نماز پڑھ سکتے ہو۔ زمین کے پاک کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اس پر پانی ڈال دو اور دوسرا یہ کہ وہ خشک ہو جائے تو پاک ہو گئی ہے۔

تیمم کا طریقہ

آگے تیمم کا طریقہ بیان فرمایا ہے ﴿فَامْسُخُوا بِمُؤْتَمِرَةٍ مِّنْ يَدَيْكُمْ﴾ پس مسح کر دو تم اپنے چہروں کا اور ہاتھوں کا۔ تیمم کے لیے دو ضربیں ہیں۔ دونوں ہاتھ زمین پر مار کر جھاڑ لو اور منہ پر ملو اس طرح کہ کوئی جگہ خالی نہ رہے۔ دوسری مرتبہ دونوں ہاتھ زمین پر مارو اور دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک ملو، اچھی طرح کہ کوئی جگہ خالی نہ رہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((الَّتِي تَمْسُحُ بِهَا يَدَاكَ لِلْوُجْهِ وَضَرْبَةً لِلْيَدَيْنِ إِلَى الْإِبْرَاقِ أَوْ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ)) "کہ تیمم دو ضربیں ہیں، ایک ضرب چہرے کے لیے ہے اور ایک ضرب ہاتھوں کے لیے ہے کہنیوں تک۔" غسل کا تیمم بھی یہی ہے اور وضو کا تیمم بھی یہی ہے۔ تیمم میں نہ سر کا مسح ہے اور نہ پاؤں کا مسح ہے۔ اس تیمم کے ساتھ تم نماز پڑھ سکتے ہو، قرآن مجید کو ہاتھ لگا سکتے ہو، طواف کر سکتے ہو۔ یعنی جو جو عبادتیں وضو کے ساتھ جائز ہیں وہ تیمم کے ساتھ بھی جائز ہیں۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُورًا غَفُورًا﴾ بے شک ہے اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا، بخشنے والا۔

﴿الْم تَرَ﴾ کیا نہیں دیکھا آپ نے ﴿إِلَى الَّذِينَ﴾ ان لوگوں کی طرف ﴿أُوتُوا﴾ جن کو دیا گیا ﴿تَصِيًّا﴾ ایک حصہ ﴿مِنَ الْكِتَابِ﴾ کتاب سے ﴿يَشْتَرُونَ الضَّلَالَةَ﴾ خریدتے ہیں وہ گمراہی ﴿وَيُرِيدُونَ﴾ اور ارادہ کرتے ہیں ﴿أَنْ﴾ اس بات کا کہ ﴿تَضَلُّوا﴾ تم بھی بہک جاؤ ﴿السَّبِيلَ﴾ راستے سے ﴿وَاللَّهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ ﴿أَعْلَمُ﴾ خوب جانتا ہے ﴿بِأَعْدَائِكُمْ﴾ تمہارے دشمنوں کو ﴿وَكُفِيَ بِاللَّهِ وَلِيًّا﴾ اور اللہ تعالیٰ کافی ہے حمایت کرنے والا ﴿وَكُفِيَ بِاللَّهِ نَصِيرًا﴾ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ مدد کرنے والا ﴿مِنَ الَّذِينَ﴾ ان لوگوں سے ﴿هَادُوا﴾ جو یہودی ہیں ﴿يُحَرِّفُونَ﴾ تحریف کرتے ہیں، بدلتے ہیں ﴿الْكَلِمَةَ﴾ کلمات کو ﴿عَنْ مَوَاضِعِهِ﴾ ان کی جگہوں سے ﴿وَيَقُولُونَ﴾ اور کہتے ہیں ﴿سَمِعْنَا﴾ ہم نے سن لیا ہے ﴿وَعَصَيْنَا﴾ اور ہم نے نافرمانی کی ﴿وَاسْمِعْ﴾ اور تو سن ﴿عَيُّوْ مُسْتَعٍ﴾ اور تو نہ سنایا جائے ﴿وَمَرَاعِنَا﴾ اور راعینا کہتے ہیں ﴿لِيَّا﴾ دبا کر، پھیر کر ﴿بِالْسِّنِّيهِمْ﴾ اپنی زبانوں کو ﴿وَطَعْنَا فِي الدِّينِ﴾ اور عیب نکالتے ہیں دین میں ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ﴾ اور اگر بے شک وہ ﴿قَالُوا﴾ کہتے ﴿سَمِعْنَا﴾ ہم نے سن لیا ہے ﴿وَاطَعْنَا﴾ اور ہم نے اطاعت کی ﴿وَاسْمِعْ﴾ اور تو سن ﴿وَانظُرْنَا﴾ اور نظر شفقت فرما ہم پر ﴿لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ تو یہ چیز ان کے لیے بہتر ہوتی ﴿وَأَقْوَمَ﴾ اور بہت درست ہوتی ﴿وَاللَّيْنُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی ہے ﴿بِكُفْرِهِمْ﴾ ان کے کفر کی وجہ سے ﴿فَلَا يُؤْمِنُونَ﴾ پس نہیں ایمان لاتے وہ ﴿إِلَّا قَلِيلًا﴾ مگر بہت تھوڑے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ﴾ اے وہ لوگو! ﴿أُوتُوا الْكِتَابَ﴾ جن کو دی گئی کتاب ﴿إِئْتُوا﴾ ایمان لاؤ ﴿بِهَا﴾ اس چیز پر ﴿نَزَّلْنَا﴾ جو ہم نے نازل کی ہے ﴿مُصَدِّقًا﴾ تصدیق کرنے والی ہے ﴿لِيَا﴾ اس چیز کی ﴿مَعَكُمْ﴾ جو تمہارے پاس ہے ﴿فَمَنْ قَبِلَ أَنْ تَطِيسَ﴾ پہلے اس سے کہ ہم منادیں ﴿وُجُوْهَا﴾ چہروں کو ﴿فَنَزِدْهَا﴾ پس ہم ان کو پلٹا دیں ﴿عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ﴾ ان کی پشتوں کی طرف ﴿أَوَنَلَعْنَهُمْ﴾ یا ہم ان پر لعنت بھیجیں ﴿كَمَا لَعْنَا﴾ جس طرح کہ ہم نے لعنت بھیجی ﴿أَصْحَابَ السَّبْتِ﴾ ہفتے کے دن زیادتی کرنے والوں پر ﴿وَكَانَ أَمْرًا لِلَّهِ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ کا معاملہ ﴿مَفْعُولًا﴾ طے شدہ۔

اہل کتاب کا تعارف

قرآن پاک میں بہت سارے مقامات پر اہل کتاب کا ذکر آیا ہے۔ اہل کتاب کا معنی ہے کتاب والے اور اس سے مراد ہیں عیسائی اور یہودی۔ کیونکہ وہ آسمانی کتابوں کے ماننے کا دعویٰ کرتے تھے اور کہتے ہیں کہ ہم تورات کو مانتے ہیں، انجیل کو مانتے ہیں، زبور کو مانتے ہیں، اگرچہ ہے فقط ماننے کا دعویٰ عمل نہیں کرتے۔

جس طرح آج کل مسلمان کہلانے والے بہت سارے فرتے ہیں جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم قرآن کو مانتے ہیں، ظاہری طور پر تو قرآن کریم کا کوئی انکار نہیں کرتا مگر قرآن کی بات کوئی نہیں مانتا، اپنی مرضی اور خواہش پر چلتے ہیں۔ یہاں تک کہ قادیانی کافر بھی کہتے ہیں کہ ہم قرآن کو مانتے ہیں اور حضرت محمد ﷺ کو نبی مانتے ہیں اور کلمہ بھی آنحضرت ﷺ کا پڑھتے ہیں اور ظاہری طور پر نمازیں بھی آپ ﷺ کے طریقے کے مطابق ادا کرتے ہیں مگر جب ختم نبوت کا مسئلہ آتا ہے تو وہاں من مانی کرتے ہیں۔ نہ قرآن کو مانتے ہیں، نہ حدیث کو مانتے ہیں اور یہی حال ہے اہل بدعت کا کہ ظاہری طور پر قرآن و حدیث کو مانتے ہیں لیکن جب ان کے عقائد پر زد پڑتی ہے تو تاویل میں کرتے ہیں اور انکار کرتے ہیں۔

لہذا اہل کتاب کا تعارف کرایا جا رہا ہے۔ فرمایا ﴿الْمَن تَدْرِي اِلٰى اَيِّ دِيْنٍ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكُتُبِ﴾ کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف جن کو دیا گیا ایک حصہ کتاب سے۔ مطلب یہ ہے کہ ساری کتاب کو تو مانتے نہیں ہیں صرف دعویٰ ہے ساری کتاب کے ماننے کا حقیقتاً صرف وہ حصہ مانتے ہیں جو ان کے مطلب کا ہے کہ جس کے ماننے سے ان کے عقائد اور نظریات پر زد نہیں پڑتی۔ لہذا ساری کتاب تو حاصل نہ ہوئی صرف کچھ حصہ ہی حاصل ہوا۔ جس طرح ہماری اسمبلی میں یہ بات ہوئی تھی کہ ہمارا آئین قرآن و سنت کے مطابق ہوگا مگر وہ جس کو اسمبلی پاس کرے گی۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن و سنت کا وہ حصہ جو ان کی خواہشات کے خلاف ہوگا اس کو نہیں مانیں گے۔ تو بھی تم نے مانا کیا ہے؟ جو مانتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم نمازیں پڑھیں گے، روزے رکھیں گے، حج ادا کریں گے، زکوٰۃ دیں گے اور قرآن کا وہ حصہ جو ہماری قانون سازی پر اثر انداز ہوگا وہ نہیں مانیں گے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ مانا بھی نہیں ہے۔ تو ماننا تو نہ ہوا کہ مطلب کی چیزیں مان لیں اور بقیہ کا انکار کر دیا۔ اسمبلی کی اس بات پر ہم نے کافی احتجاج کیا مگر ہماری کون سنتا ہے؟ بھی! ایسے نظریات کے ہوتے ہوئے کیا تم مسلمان کہلانے کے حق دار ہو؟

اسی طرح یہود و نصاریٰ بھی کتاب کے ماننے کا دعویٰ کرتے تھے مگر مانتے صرف مطلب کی چیزیں تھے ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور خریدتے ہیں وہ گمراہی۔ اور ارادہ کرتے ہیں اس بات کا کہ تم بھی بہک جاؤ۔ چونکہ اس دور میں ان کے جو مذہبی پیشوا تھے، اثر و رسوخ بھی انہی کا تھا لوگ ان کی بات مانتے تھے، کوئی خوشی سے اور کوئی مجبوراً مانتا تھا اور ان کے پیشوا اکثر گمراہ تھے۔ جو نیک دل اور صحیح تھے وہ تھوڑے تھے۔

جس طرح آج کل ترکی کا حال ہے کہ وہاں کے سرکاری مولویوں نے فتویٰ دیا ہے کہ تم نماز ترکی زبان میں پڑھا کرو اور وہاں علمائے حق بھی ہیں جنہوں نے ان کے خلاف فتویٰ دیا ہے کہ نماز ترکی زبان میں نہیں ہوگی، عربی زبان میں ہوگی۔ کیونکہ اگر نماز ترکی زبان میں پڑھیں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا جو نماز آنحضرت ﷺ سے منقول تھی وہ تو بگڑ گئی۔ ترکی والے ترکی میں، فارسی والے فارسی میں، اردو والے اردو میں، ہندی والے ہندی میں، چینی والے چینی زبان میں پڑھیں، پھر نماز تو نہ رہی۔ اور یہ بے دینی ہر دور میں رہی ہے اور اس کے مطابق مولوی بھی مل جاتے ہیں اور اب بھی یہ کام بڑے زوروں پر ہے۔

تو فرمایا خود تو گمراہ ہوئے ﴿ذٰلِيْذِيْنَ اَنْ تَخْسَلُوْا النَّسِيْلَ﴾ اور ارادہ کرتے ہیں کہ تم بھی سیدھے راستے سے بہک جاؤ

﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَاۤئِكُمْ﴾ اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو۔ چاہے وہ کھلے دشمن ہوں یا خفیہ دشمن ہوں، تمہارے اندر رہنے والے۔ اور یاد رکھنا! کھلے دشمن کا خطرہ کم ہوتا ہے اور چھپے دشمن کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے جو بظاہر اپنا بن کے رہتا ہے اور باطنی طور پر دشمنی کرتا ہے۔ اور یہ باطل قوتیں جتنی ہیں ایسے ہی لوگوں کو خرید کر حق کو نقصان پہنچاتی ہیں ورنہ براہ راست وہ کچھ بھی نہیں کر سکتیں۔ اسی مسئلہ کو لے لو کہ اگر امریکہ براہ راست فتویٰ دیتا کہ تم ترکی زبان میں نماز پڑھو تو کس نے تسلیم کرنا تھا؟ بلکہ ترکی ہی سے مولوی کھڑے کیے اور انھوں نے فتویٰ دیا کہ نماز ترکی زبان میں جائز ہے۔

مشہور حکایت ہے کہ لوہے اور لکڑی کا آپس میں مناظرہ ہوا۔ لوہے نے کہا کہ میں مضبوط اور طاقت ور ہوں۔ لکڑی نے کہا کہ میں مضبوط اور طاقت ور ہوں۔ لوہے نے کہا کہ میں تمام چیزوں کو کاٹ دیتا ہوں یہاں تک کہ لکڑی کو بھی کاٹ دیتا ہوں۔ لکڑی نے کہا کہ بے شک تو مضبوط اور طاقت ور ہے مگر میرے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ مثلاً: دیکھو! کلباڑی کتنی موٹی اور تیز ہوتی ہے مگر جب تک لکڑی کا دستہ نہیں پڑے گا لکڑی کو کاٹ نہیں سکتی۔ اسی طرح علمائے سوء اور پیٹ پرست پیر اور خود غرض لیڈر کفر کی کلباڑی کے دستے ہیں اور اسلام کے درخت کو کاٹنے کے درپے ہیں۔ لیکن اگر تم صحیح معنی میں مسلمان ہو تو تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ﴿وَكُلِّ بِاللّٰهِ وَاٰتِیَّا﴾ اور اللہ تعالیٰ کافی ہے حمایت کرنے والا ﴿وَكُلِّ بِاللّٰهِ تَصَدَّقْ﴾ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ مدد کرنے والا۔ اسلام کبھی دنیا سے مٹ نہیں سکتا چاہے کافر سردھڑکی بازی لگا دیں اور طاغوتی طاقتیں جتنا مرضی زور لگالیں۔

تحریفِ معنوی اور لفظی

﴿وَمِنَ الَّذِیۡنَ هَادُوا﴾ ان لوگوں سے جو یہودی ہیں ﴿یَحٰۤی قٰوۡنَ الْکَلِمَ﴾ تحریف کرتے ہیں، بدلتے ہیں کلمات کو ﴿عَنِ مَوَاضِعِ﴾ ان کی جگہوں سے۔ یہ بدلنا اور تحریف کرنا لفظی بھی ہے اور معنوی بھی ہے، ہیر پھیر کرتے تھے۔ تحریفِ لفظی کی مثال تو آگے آرہی ہے اور معنوی تحریف اس طرح کرتے تھے کہ مثال کے طور پر آنحضرت ﷺ کی جو نشانیاں ان کی کتابوں میں مذکور تھیں ان کے متعلق کہتے کہ نشانیاں تو ہیں مگر وہ اس پیغمبر پر صادق نہیں آتیں، آپ ﷺ کی بجائے دوسروں پر چسپاں کر دیتے۔ تو جو ذات ان نشانیوں کی مصداق ہے اس سے پھیر کر دوسروں پر فٹ کر دینا یہی تحریف ہے۔

﴿وَيَقُوۡنُوۡنَ سُبْحٰنًا وَعَصِیۡۡۤیۡۤیۡۤا﴾ اور کہتے ہیں ہم نے سن لیا اور ہم نے نافرمانی کی۔ یہ لوگ جب آنحضرت ﷺ کی مجلس میں بیٹھے تو آنحضرت ﷺ ان کو حوالے دیتے کہ تمہاری تورات اور انجیل میں میری بشارت موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں ﴿الَّذِیۡ یُحٰۤیۡ وَیَمِیۡتُۤیۡۤا مَلٰٓئِکَتُهٗۤا بِاَعۡۡۤیۡۤنِہُمۡ فِی السَّمٰوٰتِۤیۡ وَ لَا یُحِیۡۤیۡۤہُمۡ﴾ ”وہ پاتے ہیں آخری پیغمبر کو لکھا ہوا تورات اور انجیل میں۔“ تو جب آپ ﷺ ان کو حوالے دیتے تو کہتے کہ ہم نے یہ بات سن لی ہے اور آہستہ سے کہہ دیتے کہ مانیں گے نہیں۔ اور بعض تفسیروں میں لکھا ہے کہ کھلے طور پر کہتے تھے کہ یہ پیش گوئیاں ہماری کتابوں میں موجود ہیں مگر ہم ان کو نہیں مانتے۔

اور کہتے ہیں ﴿وَأَسْمَعُ غَيْرَ مُسْتَعٍ﴾ اور تو سن، نہ سنایا جائے۔ اس جملے کا اچھا مطلب بھی بن سکتا تھا اور بُرا بھی۔ اچھا مطلب تو یہ ہے کہ آپ ہماری بات سنیں اور آپ ملنے لگے کہ کو اپنی مرضی کے خلاف کوئی بات نہ سنائی جائے۔ یعنی بُری بات تیرے کان میں نہ آئے۔ اور بُرا مطلب کہ تو سن اور نہ سنایا جائے کہ بہرہ ہو جائے کہ تیرے کان کام کے نہ رہیں۔ تو جو اچھے لوگ تھے وہ پہلا معنی مراد لیتے تھے اور یہودی دوسرا معنی مراد لیتے تھے۔ ﴿وَأَرَاعِنَا لِيَا لَيْسَتِيهِمْ﴾ اور ﴿رَاعِنَا﴾ کہتے ہیں دبا کر اپنی زبانوں کو۔ ﴿رَاعِنَا﴾ کا لفظ رعایت سے ہو سکتا ہے معنی ہیں پاس، عزت کرنا، لحاظ کرنا، رعایت اور مراعات بڑے مشہور لفظ ہیں ہماری زبان میں بھی بولے جاتے ہیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے مجھے رعایت دو، یہ بڑی رعایتی چیز ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم جب ﴿رَاعِنَا﴾ کا لفظ بولتے تھے تو ان کی مراد یہ ہوتی تھی کہ حضرت! ہماری رعایت کرو۔ کیونکہ ہم میں شہری لوگ بھی ہیں، دیہاتی بھی ہیں، پڑھے لکھے بھی ہیں، اُن پڑھ بھی ہیں، ذہین بھی ہیں اور درمیانے درجے کے لوگ بھی ہیں، غمی بھی ہیں، حضرت! بیان اس انداز سے ہو کہ ہم سارے سمجھ جائیں۔ کیونکہ بعض باریک اور دقیق چیزیں سارے نہیں سمجھ سکتے۔ اور یہودی یہ جملہ ذرا زبان دبا کر بولتے تھے جس سے ”ی“ پیدا ہو جاتی تھی، رَاعِنَا بن جاتا تھا۔ تو یہ ”رَعُونَتْ“ سے ہو جاتا تھا، ”رَعُونَتْ“ کے معنی ہیں تکبر۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں میں بڑی رعونت ہے، یعنی تکبر ہے۔ تو تھوڑا سا دبا کر بولنے سے لفظ بدل جاتا تو معنی بھی بدل جاتا۔ کیونکہ ذرا اور زیر سے بڑا فرق پڑ جاتا ہے۔ مثلاً: تَبْكِرِي اور چیز ہے اور تَبْكِرِي اور شے ہے۔ اسی طرح اچھ اور چیز ہے اور اچھ اور چیز ہے۔ اسی طرح اس کے معنی احمق اور چرواہے کے بھی ہوتے اور یہودی یہی مراد لیتے تھے (معاذ اللہ)۔ اللہ تعالیٰ نے اس لفظ پر پابندی لگا دی، جیسا کہ پہلے پارے میں بیان ہو چکا ہے ﴿لَا تَقُولُوا لِمَنْ رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا﴾ ”کہ اے مسلمانو! ﴿رَاعِنَا﴾ نہ کہو ﴿انظُرْنَا﴾ کہو۔ اس لیے کہ یہودی اس سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں تم اس کی بجائے ﴿انظُرْنَا﴾ کہو کہ حضرت! ہم پر نظر شفقت فرماؤ۔“

اس سے معلوم ہوا کہ جائز چیز سے بھی اگر باطل غلط فائدہ اٹھائے تو وہ جائز چیز بھی ممنوع ہے۔ کیونکہ فی نفسہ رَاعِنَا کا لفظ بُرا نہیں تھا اور کہنے والوں کی نیت بھی صحیح ہوتی تھی مگر یہودی خباث کرتے تھے اس لیے منع کر دیا گیا اور یہودیوں کی عادت تھی وہ اپنی خباث کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آتے تو کہتے: السام علیکم اور سام کے معنی ہے موت، درمیان سے لام کھا جاتے۔

اسی طرح ایک دفعہ ایک یہودی آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرے مبارک میں تشریف فرما تھے، دروازے پر کھڑے ہو کر اس نے کہا: السام علیک، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ لفظ سن کر کہا: عیدک السام واللعنة تیرے اوپر موت اور لعنت پڑے۔“ خیر یہودی آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کر کے چلا گیا۔ بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ آج تو بڑے غصے میں تھی۔ کہنے لگی: حضرت! اَلَمْ تَسْمَعِ مَا قَالَا؟ ”آپ نے وہ لفظ نہیں سنے جو اس نے کہے ہیں۔“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلَمْ تَسْمَعِ مَا قَالْتُمْ؟ ”تو نے نہیں سنا جو میں نے اس کو جواب دیا ہے؟“ فرمایا۔

اس نے کہا السام علیک، میں نے جواب میں کہا علیک، کہ تو جو کہتا ہے وہ تیرے اوپر پڑے۔ مزید کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ شرافت بھی برقرار اور جواب بھی ہو گیا۔

اور کچھ ضبیث ایسے بھی تھے کہ آ کر کہتے: السلام علیکم، سین کے کسرے کے ساتھ۔ اس کا معنی ہے تجھ پر چٹان گرے۔ اور اگر جمع کی ضمیر ہو تو معنی بنے گا تم پر چٹان گرے۔ تو اس طرح کی خباثیں کرتے تھے اور اپنے دل کی بھڑاس نکالتے تھے۔

آپ ﷺ کی تعلیم پر یہودیوں کا اعتراض ؟

﴿ وَظَعْنَانِي الْبَدِينِ ﴾ اور عیب نکالتے ہیں دین میں۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہودیوں نے بٹھالیا اور کہنے لگے کہ تیرا نبی کیسا ہے کہ تمہیں بتاتا ہے کہ پیشاب اس طرح کرو، پاخانہ اس طرح کرو، یہ دین ہے؟ یہ تعلیم دینے کے لیے آیا ہے؟ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ معترض صوابی تھے، انہوں نے اڑھائی سو سال عمر پائی ہے اور صحت مند بھی اس طرح تھے کہ دیکھنے والا کہتا تھا ساٹھ ستر سال عمر ہوگی۔ پرانے تجربہ کار تھے، جواب میں فرمایا: ہاں، بھئی اوہ ہمیں سمجھاتے ہیں کہ جب تم بول و براز کے لیے بیٹھو تو کعبۃ اللہ کی طرف منہ نہ کرو، نہ پیٹھ کرو، اس میں کون سی بڑی بات ہے؟ کیا قبلے کے احترام کی ضرورت نہیں ہے اور ہمیں حکم دیا ہے کہ جب استنجا کے لیے ڈھیلا استعمال کرو تو بائیں ہاتھ سے استعمال کرو اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ہڈی استعمال نہ کرو ممکن ہے اس کا کوئی کنارہ تیز ہو، جس سے تمہیں تکلیف پہنچے اور یہ بھی سمجھایا ہے کہ گوبر اور کولکوں کے ساتھ استنجانہ کرو۔ کون سی بڑی تعلیم دی ہے؟ دیکھنا! یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں مگر ہیں تو دین، وہ ان پر طعن کرتے تھے۔ اور یاد رکھنا! دین کے کسی بھی حکم پر طعن کرنا کفر اور الحاد ہے۔

﴿ وَكَوَأَنْتُمْ قَالُوا ﴾ اور اگر بے شک وہ کہتے ﴿ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ﴾ ہم نے سنا ہے اور اطاعت کی ہے ﴿ وَأَسْمِعْ ﴾ اور آپ نہیں ﴿ وَاتَّقُوا ﴾ اور ہم پر نظر شفقت فرمائیں ﴿ لَكَانَ خَيْرًا لَّكُمْ ﴾ تو یہ چیز ان کے لیے بہتر ہوتی ﴿ وَأَقْوَمَ ﴾ اور بہت درست اور معقول بات ہوتی ﴿ وَلَكِنْ نَعَهُمُ اللَّهُ ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی ہے ﴿ يَكْفُرْهُمْ ﴾ ان کے کفر کی وجہ سے ﴿ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴾ پس نہیں ایمان لاتے وہ مگر بہت تھوڑے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں بہت سارے معجزات دیکھنے کے باوجود بہت کم یہودی ایمان لائے۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ کو اس طرح پہچانتے تھے جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے تھے مگر ضد کی وجہ سے انکار کر جاتے تھے۔

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا الْكِتَابَ ﴾ اے وہ لوگو! جن کو دی گئی کتاب ﴿ أَوْ مَوَاطِنَ الْبُرْجَانِ ﴾ ایمان لاؤ اس چیز پر جو ہم نے نازل کیا ہے۔ یعنی قرآن پاک پر ایمان لاؤ ﴿ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ ﴾ تصدیق کرنے والی ہے اس چیز کی جو تمہارے پاس ہے۔ قرآن پاک، اصل تورات اور اصل انجیل کی تصدیق کرتا ہے اور اصل زبور کی بھی تصدیق کرتا ہے۔ کیونکہ اصولی طور پر دین ایک ہی ہے۔ لہذا اگر قرآن کریم ان کے خلاف ہوتا تو پھر کہہ سکتے کہ ہماری کتابوں میں اصول اور ہیں اور تمہاری کتاب میں اصول اور

ہیں ہم کس طرح تسلیم کریں؟ رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک ان کا مصدق ہے مکذّب نہیں۔ فرمایا ﴿قَدْ قَبِلَ أَنْ تَطْمَئِنُّ وَجُوهُكُمْ﴾ پہلے اس سے کہ ہم چپٹا کر دیں تمہارے چہروں کو، مٹادیں تمہارے چہروں کو ﴿فَلَمْ تَذَعُوا عَلٰیٰ اٰذَانِكُمْ﴾ پس ہم ان کو پلٹ دیں ان کی پشتوں کی طرف۔ اب تو منہ چھاتی کی طرف ہے ہم چاہیں تو تمہارے چہرے پیٹھوں کی طرف پھیر دیں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے کون سا کام مشکل ہے؟ ﴿اَوْ نَكْفِيْكُمْ﴾ یا ہم ان پر لعنت بھیجیں ﴿كَمَا لَعْنَا اَصْحٰبَ السَّبْتِ﴾ جس طرح کہ ہم نے لعنت بھیجی ہفتے کے دن زیادتی کرنے والوں پر۔

ان کا واقعہ نویں پارے میں بیان ہوا ہے۔ بحر قلزم کے کنارے ایلا نامی ایک بستی تھی، آج کل اس کو ایلات کہتے ہیں۔ یہ ان کی بندرگاہ ہے۔ ان پر پابندی تھی کہ تم ہفتے والے دن شکار نہیں کر سکتے، ہفتے کے علاوہ دوسرے دنوں میں جائز ہے۔ کیونکہ ہفتے کا دن عبادت کے لیے خاص تھا جس طرح ہمارے لیے جمعہ والے دن پہلی اذان سے لے کر نماز جمعہ کے ختم ہونے تک نماز کے علاوہ کوئی کام جائز نہیں ہے۔ مثلاً: خریدنا بیچنا، کھانا پینا، لکھنا پڑھنا، سونا، پہلی اذان کے بعد یہ سارے کام حرام ہو گئے۔ سوائے اس کام کے جس کا تعلق نماز جمعہ کے ساتھ ہے کہ غسل کر سکتے ہو، مسواک کر سکتے ہو، وضو کر سکتے ہو، کپڑے بدل سکتے ہو، خوشبو لگا سکتے ہو، خطیب جمعہ کے لیے مطالعہ کر سکتا ہے اور ایسا کام جس کا تعلق جمعہ کے ساتھ نہیں ہے، وہ حرام ہے، چاہے نکاح ہی کیوں نہ ہو۔ خدا کا شکر ادا کرو کہ ہم پر تو صرف دو اڑھائی گھنٹے پابندی لگی ہے اور ان پر تو چوبیس گھنٹے پابندی تھی، رات کو بھی اور دن کو بھی۔ مگر ان لوگوں نے حیلے کے ساتھ مچھلیاں پکڑنی شروع کر دیں، کچھ ان کو روکنے والے بھی تھے۔ تو جن لوگوں نے ہفتے کے دن کی تعظیم نہ کی اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا دی۔ تفصیل پارہ: ۷ سورۃ مائدہ میں آئے گی ﴿وَجَعَلَ مِنْهُمْ التَّقْوٰةَ وَالْحَاۓزِیۡنَ﴾ ”اور بنا دیا اللہ تعالیٰ نے بعض کو بندر اور بعض کو خنزیر۔“ بوڑھوں کو خنزیر بنا دیا اور جوانوں کو بندر بنا دیا۔ وہ ایک دوسرے کو پہچانتے تھے اور روتے تھے مگر گفتگو نہیں کر سکتے تھے۔ تین دن کے بعد ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا۔

اس اُمت میں بھی بندر اور خنزیر بنیں گے

تو فرمایا جس طرح ہفتے کے دن شرارت کرنے والوں پر ہم نے لعنت کی اس طرح تم پر بھی کر سکتے ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے اس اُمت کے آخری دور میں اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو بندر اور خنزیر بنائے گا۔ آپ ﷺ سے سوال کیا گیا حضرت! کیا وہ کلمہ نہیں پڑھتے ہوں گے؟ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((يُصَلُّوْنَ وَ يَصُوْمُوْنَ وَيُحْجُّوْنَ)) نمازیں بھی پڑھیں گے، روزے بھی رکھیں گے، حج بھی کریں گے، مگر گانے بجانے کے بڑے شوقین ہوں گے۔ یوں سمجھو کہ رات کوئی دی کے آگے بیٹھے ہوں گے اور صبح جب اُنھیں گے تو بندر اور خنزیر کی شکل میں تبدیل ہو چکے ہوں گے۔ یہ روایت بخاری شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف میں بھی موجود ہے۔ اور یاد رکھو! ﴿وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ کا معاملہ طے شدہ۔ رب تعالیٰ جو فرماتے ہیں وہ کر سکتے ہیں اور کرتے بھی ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے حکموں کی نافرمانی نہ کرو۔



﴿إِنَّ اللَّهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَا يُعْفِدُ﴾ نہیں بخشے گا ﴿أَنْ﴾ اس بات کو ﴿يُشْرَكَ بِهِ﴾ کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے ﴿وَيُعْفِدُ﴾ اور بخش دے گا ﴿مَا﴾ اس گناہ کو ﴿ذُوْنَ ذٰلِكَ﴾ جو شرک سے نیچے ہے ﴿لَمَنْ يَشَاءُ﴾ جس کے لیے چاہے گا ﴿وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ﴾ اور جس نے شریک ٹھہرایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿فَقَدِ﴾ پس بہ تحقیق ﴿اَفْتَرٰى﴾ اس نے افترا باندھا ﴿اِثْمًا عَظِيْمًا﴾ بہت بڑے گناہ کا ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ کیا نہ دیکھا تو نے ﴿اِلَى الَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کی طرف ﴿يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ﴾ جو اپنی جانوں کی صفائی بیان کرتے ہیں ﴿بَلِ اللّٰهُ يُزَيِّنُ مَنْ يَشَاءُ﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ ہی پاک کرتا ہے جس کو چاہے ﴿وَلَا يَظْلُمُوْنَ﴾ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿فَتَبَيَّلًا﴾ دھاگے برابر ﴿اَنْظُرْ﴾ دیکھ ﴿كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ﴾ کیسے افترا باندھتے ہیں ﴿عَلَى اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ پر ﴿الْكَذِبَ﴾ جھوٹ کا ﴿وَكُفْرًا بِاِثْمًا مُّبِيْنًا﴾ اور کافی ہے یہ گناہ صریح ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ کیا نہیں دیکھا تو نے ﴿اِلَى الَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کی طرف ﴿اُدْتُوْا﴾ جن کو دیا گیا ﴿نَصِيْبًا﴾ حصہ ﴿مِّنَ الْكِتٰبِ﴾ کتاب کا ﴿يُؤْمِنُوْنَ﴾ ایمان لاتے ہیں ﴿بِالْحَقِّ﴾ حجت بت پر ﴿وَالطَّاعُوْتِ﴾ اور طاعت بت پر ﴿وَيَقُوْلُوْنَ﴾ اور کہتے ہیں ﴿لَلَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کو ﴿كَفَرُوْا﴾ جو کافر ہیں ﴿هٰؤُلَاءِ﴾ یہ کافر ﴿اَهْدٰى﴾ زیادہ ہدایت والے ہیں ﴿مِّنَ الَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں سے ﴿اٰمَنُوْا﴾ جو ایمان لائے ﴿سَبِيْلًا﴾ راستے کے لحاظ سے ﴿اَوَّلِيْكَ﴾ وہی لوگ ہیں ﴿الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ﴾ جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے ﴿وَمَنْ يَلْعَنُ اللّٰهُ﴾ اور وہ جس پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے ﴿فَلَنْ تَجِدَ لَهُ نَصِيْرًا﴾ پس ہرگز نہیں پائے گا تو اس کے لیے کوئی مددگار ﴿اَمْرٌ لَهُمْ نَصِيْبٌ﴾ کیا ان کے لیے حصہ ہے ﴿مِّنَ السُّلْكِ﴾ بادشاہی میں سے ﴿فَاِذَا﴾ پس اس وقت ﴿اَلَا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ﴾ نہ دیں گے لوگوں کو ﴿نَقِيْرًا﴾ تل برابر بھی ﴿اَمْرٌ يَخْضُوْنَ النَّاسَ﴾ کیا حسد کرتے ہیں لوگوں کے ساتھ ﴿عَلٰى مَا اَنۡهٰهُمُ اللّٰهُ﴾ اس چیز پر جو اللہ تعالیٰ نے دی ان لوگوں کو ﴿مِنۡ فَضْلِهِ﴾ اپنے فضل سے ﴿فَقَدْ اٰتَيْنَا﴾ پس بہ تحقیق دی ہم نے ﴿اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ﴾ آل ابراہیم کو ﴿الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ کتاب اور دانائی بھی ﴿وَآتَيْنَاهُمُ ثُلُكًا عَظِيْمًا﴾ اور ہم نے دیا ان کو بہت بڑا مالک۔

شُرک سے بڑا گناہ اور شرک کی صورتیں

اللہ تعالیٰ کے قانون میں شرک سے بڑا کوئی گناہ اور جرم نہیں ہے اسی لیے لفظ ﴿اِنَّ﴾ کے ساتھ اس کا حکم بیان فرمایا ہے۔ ﴿اِنَّ﴾ کا معنی ہے تحقیق، بلاشک۔ فرمایا ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَا يُعْفِدُ اَنْ يُشْرَكَ بِهِ﴾ نہیں بخشے گا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے۔

شُرک کی ایک صورت یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات واجب الوجود ہے اس طرح کی کوئی اور ذات تسلیم کی جائے۔ مگر ایسے مشرک دنیا میں بہت کم ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی کو شریک ٹھہرائیں۔

اور شرک کی دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں کسی کو شریک مانا جائے۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں، علم غیب، حاضر و ناظر، مختار کل، خالق، رازق، زندہ کرنے والا، مارنے والا۔ تو ان اوصاف میں شریک ٹھہرانے والے مشرک پہلے بھی بہ کثرت تھے اور اب بھی موجود ہیں اور قیامت تک رہیں گے جو اللہ تعالیٰ کے سوا پیغمبروں اور ولیوں کو، شہیدوں وغیرہ کو عالم الغیب، حاضر و ناظر، مختار کل وغیرہ مانتے ہیں۔

اور شرک کی تیسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال میں کسی کو شریک ٹھہرایا جائے کہ مثلاً: عزت دینا، ذلیل کرنا، صحت دینا، بیمار کرنا، بادشاہ بنانا، گداگر بنانا وغیرہ رب تعالیٰ کے افعال ہیں۔ ان میں شرک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سمجھنا کہ وہ عزت و ذلت کا اختیار رکھتا ہے یا بیمار کرنے یا صحت دینے کا اختیار رکھتا ہے، وغیرہ۔ یہ شرک فی الافعال ہے۔ حالانکہ نہ تو کوئی اللہ تعالیٰ کی ذات میں شریک ہے، نہ صفات میں شریک ہے اور نہ افعال میں کوئی شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں، صفات میں، افعال میں وحدۃ لا شریک لہ ہے اور اس کے ساتھ شرک کرنا سب سے بڑا گناہ ہے۔ اسی لیے اس کی سزا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ ہے اور معافی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿إِنَّ اللَّهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَا يَعْظُمُ أَنْ يَشْرَكَ بِهِ﴾ نہیں بخشنے گا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے۔ نہ فرشتوں میں اس کا کوئی شریک ہے، نہ پیغمبروں میں، نہ ولیوں میں، نہ شہیدوں میں اور نہ اماموں میں اس کا کوئی شریک ہے۔ ہاں! یہ سب اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ہیں اور اپنی اپنی جگہ ان کے مقام ہیں۔ پیغمبر اپنی جگہ شان اور مرتبہ والے ہیں، ولی، شہید اور امام اپنی جگہ قابل تعظیم ہیں مگر اللہ، اللہ ہے۔ ان میں سے نہ تو کوئی اللہ ہے اور نہ ہی کوئی اللہ تعالیٰ کا شریک ہے۔

تو فرمایا شرک کی معافی نہیں ہے ﴿وَيَعْفُو مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ اور بخش دے گا اس گناہ کو جو شرک سے نیچے ہے جس کے لیے چاہے گا، مجبور نہیں ہے۔ پھر اس میں بھی اس کی مرضی ہے چاہے پہلے قدم پر معاف کر دے یا کچھ دیر دوزخ میں سزا دے کر معاف کر دے۔ بہر حال کوئی نہ کوئی وقت آئے گا کہ شرک کے علاوہ دوسرے گناہوں کی معافی ہو جائے گی مگر شرک کی معافی نہیں ہے۔ مشرک کو قطعاً معاف نہیں کیا جائے گا۔ فرمایا ﴿وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ﴾ اور جس نے شریک ٹھہرایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا﴾ اس نے افتراء باندھا بہت بڑے گناہ کا۔ کیونکہ شرک بہت بڑا گناہ ہے۔

آنحضرت ﷺ سے سوال کیا گیا أَلَيْسَ الذَّنْبُ أَكْبَرُ؟ حضرت! یہ بتاؤ کہ بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: أَنْ تَجْعَلَ لِلَّهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ "یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کا شریک بنائے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجھے پیدا کیا ہے۔" حضرت! شرک کے بعد کون سا گناہ ہے؟ فرمایا: عَقُوقَى الْوَالِدَيْنِ۔ والدین کی نافرمانی۔ یعنی حقوق اللہ میں شرک سب سے بڑا گناہ ہے

اور حقوق العباد میں والدین کی نافرمانی بہت بڑا گناہ ہے۔

آگے رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿الْم تَرَ اٰی الذِّیْنِ﴾ کیا نہیں دیکھا تو نے ان لوگوں کی طرف ﴿یُؤْمِنُوْنَ اَنْفُسَهُمْ﴾ جو اپنی جانوں کی صفائی اور پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ یہ یہودیوں کا ذکر ہے، وہ ایسا کرتے تھے۔ چھٹے پارے میں آئے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ، یہود نے کہا ﴿نَحْنُ اَبْنَاءُ اللّٰهِ وَ اَحِبُّاۗؤُۤہُ﴾ ”ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔“ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا نہ بیٹا ہے، نہ بیٹی ہے، کیونکہ وہ ﴿لَمْ یَلِدْ و لَمْ یُولَدْ﴾ ہے۔ ”نہ رب تعالیٰ نے کسی کو جنا ہے اور نہ رب تعالیٰ کو کسی نے جنا ہے۔“ نہ اس کی ماں، نہ باپ، نہ دادا، نہ دادی، نہ نانا، نہ نانی، نہ بیٹا، نہ بیٹی، اللہ تعالیٰ ان سب سے مبرا اور پاک ہے اور یہ چیزیں اس کی شان کے خلاف ہیں۔

بخاری شریف میں حدیث قدسی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یُسَبِّحُ اَبْنُ اٰدَمَ و لَمْ یَكُنْ لَہٗ ذٰلِکَ۔ ”آدم کا بیٹا یعنی انسان مجھے گالیاں دیتا ہے حالانکہ مجھے گالیاں دینے کا اُسے کوئی حق نہیں ہے۔“ گالیاں کس طرح دیتا ہے؟ فرمایا یَدْعُوْنِی و لَدُنَّا ”میری طرف وہ اولاد کی نسبت کرتا ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرنا اللہ تعالیٰ کو گالی دینا ہے۔ جس طرح ہم میں سے کسی ثابت النسب بیٹے، بیٹی کے متعلق کوئی یہ کہے کہ یہ تیرا بیٹا، بیٹی نہیں ہے تو یہ ہمارے لیے گالی ہے اور کہنے والے کو اتنی کوڑے سزا ہے، اس طرح اگر کوئی کسی کو خرامی کہے یا زانی یا لوطی کہے تو کہنے والے کو اتنی کوڑے کھانے پڑیں گے اور یہ ایسی سزا ہے کہ لاکھ مرتبہ توبہ کرنے سے بھی معاف نہیں ہوتی۔ بلکہ اتنی کوڑے کھانے پڑیں گے، کیونکہ قرآن پاک کا حکم ہے۔ اور حدیث قدسی کے یہ الفاظ بھی ہیں کَذَّبَنِیْ اَبْنُ اٰدَمَ و لَمْ یَكُنْ لَہٗ ذٰلِکَ ”آدم کا بیٹا مجھے جھٹلاتا ہے حالانکہ اس کو مجھے جھٹلانے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔“ جھٹلاتا کس طرح ہے؟ کہتا ہے لَنْ یُعِیْدَنِی ”قیامت نہیں آئے گی؟“ تو جو شخص یہ کہتا ہے کہ قیامت نہیں آئے گی، معاذ اللہ تعالیٰ، وہ رب تعالیٰ کو جھوٹا قرار دیتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قیامت ضرور آئے گی اس میں کوئی شک شبہ نہیں ہے۔

لفظ فتل، نقیر اور قطمیر کی تشریح

تو یہودی یہ کہہ کر کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور محبوب ہیں، اپنی پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿بَلِ اللّٰہُ یُرِیْہِمْ مِّنْ یَّسَآءٍ﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ ہی پاک کرتا ہے جسے چاہتا ہے۔ بندہ اپنی جگہ پاک صاف بنا پھرے تو اس کی کوئی حقیقت اور معنی نہیں ہے ﴿وَلَا یُظَلِّمُوْنَ فِتْنِیۡلًا﴾ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا دھاگے برابر۔ فتل اس دھاگے کو کہتے ہیں جو کھجور کی گھٹلی کی تالی کے درمیان ہوتا ہے اور جو گھٹلی کے خشک ہونے پر ظاہر ہوتا ہے۔ عمد بنی لوگ جب کسی شے کی قلت کو بیان کرتے تھے تو فتل کا لفظ بولتے تھے کہ فلاں کے پاس فتل بھی نہیں ہے جس طرح ہم کہتے ہیں کہ فلاں کے پاس تنکا بھی نہیں ہے۔

اسی طرح نقیر کا لفظ بھی اسی رکوع میں آ رہا ہے، نقیر کہتے ہیں کھجور کی گھٹلی کے پیٹ میں ایک چھوٹا سا نقطہ ہوتا ہے، اسی

سے کھجور کا درخت اُگتا ہے، عربی لوگ قلت بیان کرنے کے لیے یہ لفظ بھی بولتے تھے اور کہتے تھے: مَا يَبْلُكَ مِنْ تَقْيِيرٍ کہ فلاں تھیر کا بھی مالک نہیں ہے۔ اسی طرح ایک لفظ قَطْمِير ہے۔ قَطْمِير اس چھلکے کو کہتے ہیں جو کھجور کی گھٹلی کے اوپر باریک سا ہوتا ہے۔ اس کا ذکر بائیسویں پارے میں آئے گا کہ جن کو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا مشکل کشا حاجت روا سمجھتے ہیں ﴿مَا يَنْدُلُونَ مِنْ قَطْمِيرٍ﴾ وہ تو کھجور کی گھٹلی کے اوپر جو باریک سا پردہ ہے اس کے بھی مالک نہیں ہیں۔ تو یہاں فرمایا کہ کسی پر دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

﴿أَنْتُمْ كَيْفَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ﴾ دیکھو! کیسے افترا باندھتے ہیں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا کہتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور پیارے ہیں، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ، کس طرح جھوٹ بولتے ہیں ﴿وَكُنِيَ بِهٖ اِسْمًا مِّمَّنَّا﴾ اور کافی ہے یہ صریح گناہ کہ رب تعالیٰ کے پیغمبروں کو اور نیک بندوں کو بے دردی کے ساتھ شہید کرنے والے حق تعالیٰ کے دین کا اور پیغمبروں کی تعلیم کا انکار کرنے والے اور حق کا مقابلہ کرنے والے رب تعالیٰ کے بیٹے اور پیارے بنتے پھریں۔

غزوہ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی

ہجرت کے دوسرے سال سترہ رمضان المبارک جمعہ والے دن واقعہ بدر پیش آیا۔ آنحضرت ﷺ کی قیادت تھی، آپ ﷺ کے علاوہ تین سو بارہ آدمی تھے اور آپ ﷺ تیرھویں تھے اور ان تین سو تیرہ کے پاس صرف آٹھ تلواریں، چھ زرہیں، دو گھوڑے، ستر اونٹ تھے۔ ان میں ایسے بھی تھے کہ غربت کی وجہ سے ان کے پاؤں میں جوتا نہیں تھا اور ایسے بھی تھے کہ جن کے سر پر ٹوپی، پگڑی نہیں تھی اور مقابلہ میں ایک ہزار کا لشکر ہر طرح کے اسلحہ سے لیس تھا۔ ہر ایک کے پاس تلوار، نیزہ اور تیر موجود تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور کافر بڑی طرح شکست سے دوچار ہوئے۔ ستر [۷۰] کافر مارے گئے اور ستر [۷۰] گرفتار ہوئے اور باقی بھاگ گئے۔

جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح مدینہ طیبہ کے یہودیوں سے برداشت نہ ہوئی، ان کا پارہ چڑھ گیا کہ مسلمان کامیاب ہو گئے ہیں اور یہ کل کو ہمیں بھی نہیں چھوڑیں گے۔ لہذا ان کے خلاف کوئی منصوبہ بنانا چاہیے۔ چنانچہ کعب بن اشرف جو یہودیوں کا مولوی تھا اور دولت مند تھا اور بڑا خبیث آدمی تھا، مسلمانوں کے خلاف سازش تیار کرنے کے لیے اس نے مکہ مکرمہ جانے کا پروگرام بنایا۔ اس غرض کے لیے اس نے ستر [۷۰] آدمیوں پر مشتمل ایک وفد تیار کیا اور اونٹوں پر سامان رکھوایا اور یہ ظاہر کیا کہ ہم تجارت کے لیے مکہ مکرمہ جا رہے ہیں۔ چنانچہ یہ ستر [۷۰] آدمیوں کا قافلہ لے کر مکہ مکرمہ پہنچا۔ اس وقت مکہ مکرمہ میں ابوسفیان کا اقتدار تھا، کیونکہ وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ وہ ہجرت کے آٹھویں سال مسلمان ہوئے ہیں اور یہ واقعہ جنگ بدر کے بعد اور احد سے پہلے کا ہے۔ کعب بن اشرف ستر [۷۰] آدمیوں کا یہ قافلہ لے کر ابوسفیان کے پاس گیا، انھوں نے اس کی بڑی عزت کی کیونکہ عربی لوگ نسل بعد نسل بڑے مہمان نواز واقع ہوئے ہیں۔

کعب بن اشرف نے کہا کہ ہم بظاہر تجارت کے لیے آئے ہیں مگر ہمارا مقصد اور ہے اگر تم ٹھنڈے دل سے سنتو میں بیان کروں۔ ابوسفیان نے کہا ہاں! تم بیان کرو، میں سنوں گا۔ کعب بن اشرف نے کہا کہ محمد ﷺ کا معاملہ تمہارے سامنے ہے کہ بدر میں اس نے تمہیں کتنا نقصان پہنچایا ہے اور آئندہ کے لیے بھی اس کی بڑی سخت تیاریاں ہیں لہذا ہم سب مل کر کہ تم مکہ مکرمہ سے حملہ کرو اور ہم مدینہ سے اٹھیں اور اپنے مشترکہ دشمن کو سبق سکھادیں۔ ابوسفیان کو کعب بن اشرف کی بات پر یقین نہ آیا اور کہا کہ ہمیں یقین نہیں آتا کہ تم کچھ کرو گے اور ہمارا ساتھ دو گے صرف ہمیں پھنسانا چاہتے ہو ہم تمہاری بات کو اس صورت میں سچا ماننے کے لیے تیار ہیں کہ تم ہمارے بتوں کے سامنے سجدہ کرو۔

مشرکین مکہ نے کعبۃ اللہ کے اندر اور دیواروں پر تین سو ساٹھ بت نصب کیے ہوئے تھے۔ ان میں حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت عیسیٰ، حضرت مریم علیہا السلام کے بت بھی تھے اور ایک بت ہبل تھا۔ یہ حضرت آدم علیہ السلام کے شہید بیٹے حضرت ہابیل علیہ السلام کا بت تھا اور وہ اس کی بڑی عزت اور تعظیم کرتے تھے جب نعرہ لگایا کرتے تو کہتے اَعْلُ هُبُل! ہبل زندہ باد۔ ان تین سو ساٹھ بتوں میں سے ایک کا نام جبت اور ایک کا نام طاغوت تھا اور وہ لوگ جب کسی بات کا عہد و پیمانہ کرتے تھے تو ان کو سلامی کرتے اور ان کے پاس کھڑے ہو کر عہد و پیمانہ کرتے۔

چنانچہ ابوسفیان نے کہا کہ اگر واقعتاً تم ہماری مدد کرنے کے لیے تیار ہو تو ہمارے بتوں، جبت اور طاغوت، کو سجدہ کرو، سلامی دو اور ہمارے ساتھ معاہدہ کرو۔ چنانچہ یہودی بتوں کے قائل نہیں تھے۔ پھر ابوسفیان نے کہا کہ یہ بتاؤ کہ ہمارا دین صحیح ہے ان کے عقیدے کے بھی خلاف تھی کیونکہ یہودی بتوں کے قائل نہیں تھے۔ پھر ابوسفیان نے کہا کہ یہ بتاؤ کہ ہمارا دین صحیح ہے یا محمد ﷺ کا؟ کعب بن اشرف نے کہا کہ پہلے تم اپنے دین کی کچھ موٹی موٹی باتیں بتاؤ پھر میں کچھ کہہ سکوں گا۔ ابوسفیان نے کہا کہ ہمارا دین یہ ہے کہ ہم بیت اللہ کی عزت کرتے ہیں اور طواف کرتے ہیں، حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں، ان کی خدمت کرتے ہیں اور اگر قیدی آجائیں تو ان کو رہا کر دیتے ہیں اور ان کو کھانا کھلاتے ہیں اور بہت سارے نیکی کے کام کرتے ہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کعبہ کو چھوڑ کر بھاگ گیا ہے اب بتاؤ کہ ہمارا دین سچا ہے یا ان کا؟ تو کعب بن اشرف نے کہا کہ تمہارا دین سچا ہے۔ حالانکہ یہودیت کے ناتے سے اچھی طرح جانتا تھا کہ حضرت محمد ﷺ کا دین سچا ہے مگر مشرکوں کو اعتماد میں لینے کے لیے اس نے یہ سب کچھ کیا۔ ان آیات میں اسی واقعہ کا ذکر ہے۔

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا﴾ کیا نہیں دیکھا تو نے ان لوگوں کی طرف جن کو دیا گیا حصہ ﴿مِنَ الْكِتَابِ﴾ کتاب کا۔ ایک حصہ اس لیے کہ ساری تورات تو ماننے نہیں صرف وہ چیزیں مانتے ہیں جو ان کے مطلب کی ہیں اور کرتے کیا تھے ﴿يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ﴾ ایمان لاتے ہیں وہ جبت پر اور طاغوت پر ﴿وَيَقُولُونَ﴾ اور کہتے ہیں ﴿لَئِن لَّمْ يَكْفُرُوا﴾ ان لوگوں کے متعلق جو کافر ہیں ﴿طُغْيَانًا﴾ یہ کافر زیادہ ہدایت والے ہیں ﴿مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَوِيًّا﴾ ان لوگوں سے جو ایمان لاتے ہیں راستے کے لحاظ سے کہ یہ کافر سچے ہیں اور ایمان والے نہیں ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ﴾ وہی لوگ ہیں ﴿لَعَنَهُمُ اللَّهُ﴾

جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے۔ اس لیے کہ معلوم ہونے کے باوجود کہ حضرت محمد ﷺ سے سچے رسول ہیں اور ان کا پروردگار سچا ہے، پھر آپ ﷺ کے دین کو جھوٹا کہا اور جھوٹوں کو سچا بنا دیا۔ ﴿وَمَنْ يَلْعَنِ اللَّهَ﴾ اور وہ شخص جس پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے ﴿فَلَنْ نَجْعَلَ لَهُ نَصِيرًا﴾ پس ہرگز نہیں پائے گا تو اس کے لیے کوئی مددگار ﴿أَمْ لَكُمْ نَصِيبٌ مِنَ الْمُلْكِ﴾ کیا ان کے لیے حصہ ہے بادشاہی میں سے ﴿فَإِذَا﴾ پس اس وقت یعنی ان کو ملک کا کوئی حصہ مل جائے ﴿لَا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا﴾ نہ دیں گے لوگوں کو تل برابر بھی۔ ابھی میں نے نقیر کا معنی سمجھایا ہے کہ کھجور کی گھٹلی کے پیٹ میں جو نقطہ سا ہوتا ہے اس کو نقیر کہتے ہیں۔ اس کا لازمی معنی کرتے ہیں تل برابر۔ یعنی یہ کسی کو تل برابر بھی کوئی شے نہ دیں۔

اہل یورپ کے مسلمانوں پر اعتراضات

یہودیوں کو اس چیز کی بڑی تکلیف تھی کہ نبوت بنو اسماعیل میں کیوں چلی گئی ہے؟ حالانکہ یہ بات بھی ان کے علم میں تھی کہ نبی آخر الزماں عرب میں مبعوث ہوں گے مگر اس کے باوجود انکار بھی کیا اور بے جا اعتراضات بھی کرتے تھے اور کہتے کہ محمد ﷺ جب پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور رسول ہیں تو پھر ان کے آگے پیچھے نوکر چا کر حفاظت کرنے کے لیے کیوں پھرتے ہیں؟ اور نبی کو اتنی لونڈیوں کی کیا ضرورت ہے؟ اسی طرح آج کل کے یورپین نے بھی چند مسائل میں اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان میں ایک مسئلہ کثرت ازواج کا بھی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی کل گیارہ بیویاں اور دو لونڈیاں تھیں۔ آپ ﷺ کی پہلی بیوی حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا تھیں اور ان کی زندگی میں آپ ﷺ نے کسی اور عورت کے ساتھ نکاح نہیں کیا۔ اسی طرح حضرت زینب بنت خزیمہ ام المساکین رضی اللہ عنہا بھی چند ماہ آپ ﷺ کے ساتھ نکاح میں رہ کر فوت ہو گئی تھیں۔ لہذا ایک وقت آپ ﷺ کے نکاح میں نو بیویاں اور دو لونڈیاں تھیں۔

اس پر یہود اور آج کل کے یورپین اعتراض کرتے ہیں کہ اتنی عورتیں رکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ سطحی ذہن والے لوگ اس اعتراض سے پریشان ہو جاتے ہیں حالانکہ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ کیونکہ کثرت ازواج میں بہت ساری حکمتیں تھیں۔ ان میں سے ایک حکمت یہ تھی کہ عرب میں مختلف خاندان اور قبیلے تھے جو مذہب اسلام کے مخالف تھے آنحضرت ﷺ نے ان کو اسلام کے قریب کرنا تھا اور ان کی اسلام دشمنی کو ختم کرنا تھا تاکہ اسلام کے راستہ میں کوئی رکاوٹ نہ رہے، محض خواہش نفسانی مقصود نہ تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مختلف خاندانوں کی عورتوں سے نکاح کیے اور نکاح کے بعد ان کی دشمنی ختم ہو گئی۔

اور کثرت ازواج میں ایک حکمت یہ تھی کہ بہت سارے ایسے مسائل ہیں کہ جن کا تعلق محض عورتوں کے ساتھ ہے اور وہ مسائل ایسے ہیں کہ جن پر نماز، روزہ اور طواف موقوف ہے اور وہ مسائل ایک شرم و حیا والی عورت کھل کر مرد سے نہیں پوچھ سکتی اور مرد بھی کھل کر عورت کو نہیں بتا سکتا اور آدمی امت عورتوں کی ہے، دین ان کو بھی سمجھانا ہے، اس لیے آنحضرت ﷺ نے بہت سارے نکاح کیے تاکہ آپ ﷺ وہ مسائل اپنی بیویوں کو سمجھائیں اور وہ آگے دین کی خوب نشر و اشاعت کریں اور دین

پھیے۔ یہ عورتوں کے جتنے مسائل ہیں وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کو مسائل سمجھاتے تھے وہ آگے عورتوں میں دین پھیلاتی تھیں۔ تو کثرت ازواج کی وجہ محض نفسانی خواہش نہیں تھی بلکہ عورتوں میں دین پھیلانا مقصود تھا۔

پھر یہودیوں کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی ننانوے بیویاں تھیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی ہزار بیویاں تھیں ان پر کیوں اعتراض نہیں کرتے؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف نو بیویاں اور دو لونڈیاں تھیں ان پر اعتراض کرتے ہو۔ حالانکہ تم حضرت داؤد علیہ السلام کو مانتے ہو اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی مانتے ہو مگر یہودی یہ اعتراضات محض حسد کی وجہ سے کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ﴾ کیا حسد کرتے ہیں لوگوں کے ساتھ۔ مثلاً: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ﴿عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ اس چیز پر جو دی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اپنے فضل سے ﴿فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ پس تحقیق دی ہم نے آل ابراہیم کو کتاب اور دانائی ﴿وَأَتَيْنَاهُمُ ثَلَاثًا عَظِيمًا﴾ اور دیا ہم نے ان کو بہت بڑا ملک۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بادشاہی دی، حضرت داؤد علیہ السلام کو بادشاہی عطا فرمائی، حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملک عظیم عطا فرمایا، اسی رب تعالیٰ نے حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کل کائنات کے لیے رسول بنا کر بھیجا اور خاتم النبیین بنایا۔



﴿فِيهِمْ﴾ پھر ان میں بعض ﴿مَنْ﴾ وہ ہیں ﴿أَمَنَ بِهِ﴾ جو اس پر ایمان لائے ﴿وَمِنْهُمْ﴾ اور ان میں سے بعض ﴿مَنْ﴾ وہ بھی ہیں ﴿صَدَّ عَنْهُ﴾ جنہوں نے اس سے اغراض کیا ﴿وَكَفَىٰ بِهِمْ سَعِيرًا﴾ اور کافی ہے جہنم بھڑکتی ہوئی آگ ﴿إِنَّ الَّذِينَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿كَفَرُوا﴾ جنہوں نے انکار کیا ﴿بِآيَاتِنَا﴾ ہماری آیتوں کا ﴿سَوْفَ نُصَلِّيهِمْ﴾ عنقریب ان کو داخل کریں گے ﴿تَارًا﴾ آگ میں ﴿كَلْبًا﴾ جب کبھی بھی ﴿تَضَجَّتْ﴾ جُلُودُهُمْ ﴿جل جائیں گے چڑے ان کے ﴿بَدَانَهُمْ﴾ ہم بدل دیں گے ﴿جُلُودًا غَيْرَهَا﴾ کھالیں ان کے علاوہ دوسری ﴿لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ﴾ تاکہ وہ چکھیں عذاب کا مزہ ﴿إِنَّ اللَّهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿عَزِيزًا﴾ غالب ﴿حَكِيمًا﴾ حکمت والا ﴿وَالَّذِينَ﴾ اور وہ لوگ ﴿آمَنُوا﴾ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ انہوں نے عمل کیے اچھے ﴿سَنُدْخِلُهُمْ﴾ عنقریب ہم انہیں داخل کریں گے ﴿جَنَّاتٍ﴾ ایسے باغوں میں ﴿تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا﴾ بہتی ہوں گی ان کے نیچے ﴿الأنهارُ﴾ نہریں ﴿خَالِدِينَ﴾ رہا کریں گے ﴿فِيهَا﴾ ان باغوں میں ﴿أَبَدًا﴾ ہمیشہ ﴿لَهُمْ فِيهَا﴾ ان کے لیے ان باغوں میں ﴿أزواجٌ﴾ جوڑے ہوں گے

﴿مَطَهَّرًا﴾ پاکیزہ ﴿وَوَدَّخَانَهُمْ﴾ اور ہم ان کو داخل کریں گے ﴿ظِلًّا﴾ ایسے سائے میں ﴿ظَلِيلًا﴾ جو گھنا ہوگا ﴿إِنَّ اللَّهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿يَأْمُرُكُمْ﴾ حکم دیتا ہے تمہیں ﴿أَنْ﴾ اس بات کا ﴿تُؤَدُّوا﴾ کہ ادا کرو تم ﴿الْأَمَنَاتِ﴾ امانتیں ﴿إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾ ان کے مالکوں کو ﴿وَإِذَا حَكَمْتُمْ﴾ اور جب تم فیصلہ کرو ﴿بَيْنَ النَّاسِ﴾ لوگوں کے درمیان ﴿أَنْ تَحْكُمُوا﴾ یہ کہ تم فیصلہ کرو ﴿بِالْعَدْلِ﴾ انصاف کے ساتھ ﴿إِنَّ اللَّهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿بِعَمَلِكُمْ﴾ اچھی ہے وہ چیز ﴿يَعِظُكُمْ بِهَا﴾ جس کی تمہیں نصیحت کرتا ہے ﴿إِنَّ اللَّهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿سَمِيعًا﴾ سننے والا ﴿بَصِيرًا﴾ دیکھنے والا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو! ﴿آمِنُوا﴾ جو ایمان لائے ہو ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ﴾ اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی ﴿وَاطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ اور اطاعت کرو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ﴿وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ اور ان کی جو تم میں سے حکم والے ہیں ﴿فَإِنْ تَنَادَرْتُمْ﴾ پس اگر تم جھگڑا کرو ﴿فِي شَيْءٍ﴾ کسی چیز میں ﴿فَرُدُّوهُ﴾ پس لوٹاؤ اس کو ﴿إِلَى اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف ﴿وَالرَّسُولِ﴾ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ﴿إِنْ كُنْتُمْ﴾ اگر ہو تم ﴿تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ ایمان رکھتے اللہ تعالیٰ پر ﴿وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ اور آخرت کے دن پر ﴿ذَلِكَ خَيْرٌ﴾ یہی بہتر ہے ﴿وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ اور بہت اچھا ہے انجام کے اعتبار سے۔

اس سے پہلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے خاندان یعنی اولاد و اولاد کو کتاب میں اور دانائی عطا فرمائی اور ﴿وَاتَيْنَاهُمْ ثَلَاثًا عَظِيمًا﴾ اور ہم نے ان کو بڑا ملک دیا۔ یعنی اقتدار، حکومت اور خلافت بھی دی۔ ان انعامات کے باوجود کچھ توحیح راستے پر قائم رہے اور کچھ بگڑ گئے۔

فرمایا ﴿قَبِيحًا مِّنْ أَمْنٍ بِهِ﴾ پھر ان میں سے بعض وہ ہیں جو اس پر ایمان لائے۔ ذمیر لٹ رہی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل در نسل میں سے وہ بھی ہیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّقَهُ﴾ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اعراض کیا، گریز کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے۔ مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ میں سے نیک لوگ بھی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں اور وہ بھی تھے جنہوں نے اعراض کیا کہ ایمان نہیں لائے ﴿وَكُلٌّ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا﴾ اور کافی ہے جہنم بھڑکتی ہوئی آگ۔ ﴿سَعِيرًا﴾ کے معنی ہیں شعلہ مارنے والی۔ دوزخ کے شعلوں سے اللہ تعالیٰ بچائے۔ اس دنیا کی آگ میں لوہا اور بعض پتھر پگھل جاتے ہیں اور جہنم کی آگ اس سے ابتر گنا تیز ہوگی، اگر وہاں مارنا مقصد ہو تو ایک شعلہ ہی کافی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿لَا يَسْتَوِي فِيهَا وَلَا يَخْتَلِي﴾ ”دوزخ میں نہ مرے گا نہ جیے گا۔“ مرنے کا تو اس لیے نہیں کہ پھر سزا کوں بھگتے گا اور اس حالت میں زندگی کوئی زندگی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمین اور مسلمات کو جہنم کے عذاب سے بچائے۔ آمین!

اور یاد رکھنا! جہنم کا عذاب دور نہیں ہے بس آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے قبر میں پہنچنے کے بعد جنت، دوزخ سامنے آجائے گی۔ ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ بے شک وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا ﴿بِآيَاتِنَا﴾ ہماری آیتوں کا ﴿سَوْفَ نُصَلِّيهِمْ نَارًا﴾ عنقریب ہم ان کو دوزخ کی آگ میں داخل کریں گے ﴿كُلَّمَا نَفِخَتْ جُلُودُهُمْ﴾ جب کبھی جل جائیں گے چڑے ان کے ﴿بَدَلْنَا لَهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا﴾ بدل دیں گے ان کے لیے کھالیں ان کے علاوہ دوسری۔ یعنی فوراً ان کو دوسرے چڑے پہنا دیے جائیں گے۔ کیوں؟ ﴿لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ﴾ کہ وہ چکھیں عذاب کا مزہ۔

دوسری جگہ قرآن میں آتا ہے ﴿يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ﴾ [پارہ: ۱۷، ۱۸، ۲۰] ”ان کے سروں پر جلتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔“ جب سر پر پانی ڈالا جائے گا تو سر سے لے کر پاؤں تک ساری جلد اتر جائے گی۔ پھر آگ کے شعلے اس کے ساتھ چٹائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ ان کا چمڑا ایک منٹ میں کتنی کتنی مرتبہ جلے گا اور دوسرا پہنایا جائے گا اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا۔ ﴿وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا﴾ [فاطر: ۳۷] ”وہ چیخیں ماریں گے، روئیں گے اور زاری کریں گے دوزخ میں۔“ ﴿لَنْ يَنْفَعَكَ فِيهَا ذُؤَانُكَ﴾ [پارہ: ۱۲، سورہ ہود: ۱۰۶] ”دوزخ میں ان کی گدھے کی آوازیں ہوں گی۔“ ﴿ذُؤَانُكَ﴾ گدھے کی وہ آواز ہے جو شروع میں زور سے نکالتا ہے اور ﴿شہیق﴾ گدھے کی وہ آواز ہے جو آخر میں ندہم اور بہت آہستہ ہوتی ہے اور گدھے کی آواز کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی ہے کہ ﴿إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيمِ﴾ [پارہ: ۲۱، سورہ لقمان: ۱۹] ”تمام آوازوں میں بُری آواز گدھے کی ہے۔“

جہنمی جہنم میں بڑا اویلا کریں گے۔ کہیں گے ﴿رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِن عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ﴾ [پارہ: ۱۸، سورہ مومنون: ۱۰۷] ”اے ہمارے پروردگار! ہمیں دوزخ سے نکال دے پھر اگر ہم نے کفر و شرک اختیار کیا تو ہم ظالم ہوں گے۔“ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ﴿إِحْسَاؤُهَا﴾۔ احسَاء کے معنی ہیں کتے کو دھتکارنا۔ مطلب یہ ہے کہ دفع ہو جاؤ ﴿وَلَا تَحْكُمُونَ﴾ اور میرے ساتھ گفتگو نہ کرو۔ کیونکہ میرے پیغمبر تمہارے پاس آئے، میری کتابیں تمہارے پاس پہنچیں اور حق کی آواز تمہارے کانوں تک پہنچائی گئی اس کے باوجود تم نے نہیں مانا۔ لہذا اب میرے ساتھ بات بھی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تمام مسلمانوں کو اس ذلت اور رسوائی سے محفوظ فرمائے، امین۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہے غالب، حکمت والا۔ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی غلبہ نہیں حاصل کر سکتا اور ہر کام اس کا حکمت پر مبنی ہے۔

اچھے اعمال کا صلہ اور قبر کی حقیقت

یہ کافروں کے حشر کا ذکر تھا، آگے مومنوں پر عنایتوں کا ذکر ہے۔ فرمایا ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کیے۔ صرف ایمان سے کچھ نہیں بنتا جب تک عمل ساتھ نہ ہو ﴿سَنُدْخِلُهُمْ﴾ عنقریب ہم ان کو داخل کریں گے ﴿جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ باغات میں بہتی ہوں گی ان کے نیچے نہریں ﴿خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا﴾ رہا

کریں گے ان باغوں میں ہمیشہ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جو خوش نصیب اور سعادت مند جنت میں داخل ہوگا وہ کبھی جنت سے نکالا نہیں جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نیکوں کو جنت نصیب فرمائے، امین۔ اور بڑوں کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے، امین۔

اور یہ جو قبر ہے جنت، دوزخ کا نمونہ ہے۔ بظاہر تو یہ مٹی کا ڈھیر ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: (الْقَبْرِ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ أَوْ حُفْرَةٌ مِّنْ حُفْرِ الرَّيِّانِ))۔ ”قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔“ اور ایک حدیث میں آتا ہے کہ مومن کے لیے قبر ستر [۷۰] ہا تھ لمبی اور [۷۰] ستر ہا تھ چوڑی ہوجاتی ہے۔ یعنی بڑا ہال کمرہ بن جائے گا اور بڑے آدمی کے لیے قبر اس قدر تنگ ہوجاتی ہے کہ تَخْتَلِظُ أَضْلَاغَهُ ”اس کی دائیں جانب کی پسلیاں بائیں جانب میں اور بائیں جانب کی دائیں جانب میں گھم گھما ہوجائیں گی۔“ بظاہر تو ہمیں کچھ بھی نظر نہیں آتا اور اگر قبر میں جو کچھ ہوتا ہے ہمیں دکھادیا جائے تو ہماری ساری زندگی بے لذت ہوجائے، اٹھنا بیٹھنا بے لذت ہوجائے، کھانا پینا بے لذت ہوجائے اور آدمی دنیا کا کوئی کام نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے حق ہے اور ہمارے لیے ایمان بالغیب ہے۔ کچھ بھی نظر نہ آئے ہم نے ماننا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے آنکھیں بند کر کے اس کو قبول کرو۔

فرمایا ﴿لَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ﴾ جنتیوں کے لیے ان باغوں میں جوڑے ہوں گے۔ پاکیزہ عورتوں کے لیے مرد اور مردوں کے لیے عورتیں پاکیزہ اس طرح کہ بخاری شریف کی روایت ہے لَا يَبُولُونَ فِيهَا وَلَا يَتَغَوَّطُونَ وَلَا يَتَمَخَّطُونَ ”نہ پیشاب کریں گے، نہ پاخانہ، نہ بلغم، نہ تھوکیں گے ناک سے، نہ منہ سے۔“

سوال کیا گیا حضرت! نہ وہاں پیشاب ہوگا، نہ پاخانہ تو کیا جنتی کھائیں پیئیں گے کچھ نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ایک جنتی سو آدمیوں کے برابر کھائے گا۔ حضرت! پھر وہ جائے گا کہاں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دو طریقیوں سے ہضم ہوگا۔ ایک یہ کہ ان کے بدن سے خوشبودار پسینا نکلے گا کستوری کی طرح، جس سے ان کا کھانا ہضم ہوجائے گا اور دوسرا یہ کہ ڈکار آئیں گے جن کے ذریعہ کھانا ہضم ہوجائے گا۔ ﴿وَأَنْذَرْتَهُمْ خَلَّاءًا لَّيْلًا﴾ اور ہم ان کو داخل کریں گے سائے میں، جو گھنا ہوگا۔ ہمیں تو یہاں سائے کی اتنی قدر نہیں ہے کیونکہ ایک تو ہمارا علاقہ بہ نسبت عرب کے ٹھنڈا ہے اور دوسرا یہ کہ یہاں درخت بہت ہیں اور ہمارے ہاں پانی بھی کافی ہے۔ ان کو پانی کی بھی قدر تھی اور درختوں کی بھی قدر تھی کہ سایہ دار درخت ان کو جنت لگتا تھا۔ لہذا ان کو سمجھایا کہ وہاں جاؤ گے تو بڑے گھنے سائے والے درخت ہوں گے اور پانی کی نہریں بہ رہی ہوں گی۔

امانت اور جھوٹ

فرمایا ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم کرتا ہے اس بات کا کہ تم امانتیں ادا کرو ان کے مالکوں کو۔ اگر کسی آدمی کے پاس کسی کی کوئی امانت ہے تو وہ اس کے حوالے کرے۔ برابر ہے کہ وہ امانت مال کی ہو

یا علم کی ہو یا مشورے کی ہو یا بات کی۔ امانت تو سارے ہی سمجھتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کسی شخص کے پاس مال امانت رکھا ہے تو صاحب مال جب طلب کرے وہ اس کے حوالے کرے اور اس کی اس حد تک حفاظت کرنی ہے کہ روپے والے بنوے پر جو دھاگا بندھا ہوا ہے اس کو بھی تبدیل نہ کرے۔ جس طرح مالک نے پہنچائی ہے اسی طرح واپس کرے۔

اور مشورے کی امانت یہ ہے کہ اگر کسی سے کوئی مشورہ لیا گیا ہے تو اس کے ذہن میں جو بات آئی ہے وہ اس کو بتادے۔ اگر اس میں ہیرا پھیری کرے گا تو خائن ہوگا۔ حدیث پاک میں آتا ہے: **الْمُسْتَشَارُ أَمِينٌ** "جس سے مشورہ طلب کیا گیا ہے وہ امین ہے۔" وہ مشورہ دینے میں خیانت نہ کرے۔

اور بات کی امانت اس طرح ہے کہ اگر کسی نے بات کرتے وقت دائیں بائیں دیکھا ہے تو حدیث پاک میں آتا ہے کہ وہ بات تیرے پاس امانت ہے۔ کیونکہ بات کرتے وقت اس کا دائیں بائیں دیکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ اس بات کو کوئی اور شخص نہ سنے اور اس کا کسی اور کو علم نہ ہو۔ تو وہ بات اگر تم نے کسی اور کے سامنے بیان کر دی تو خیانت ہوگی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ **يَشْبَعُ الْمَرْءُ مَعَ كُلِّ حَاصِلَةٍ إِلَّا الْكَيْبَ وَالْغِيَانَةَ** "مومن آدمی میں ہر برائی کسی نہ کسی درجے میں ہو سکتی ہے مگر جھوٹ اور خیانت نہیں ہو سکتی۔" اگر کسی شخص میں جھوٹ ہے، خیانت ہے تو سمجھ لو کہ ایمان کی دولت سے محروم ہے۔

اس طرح آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ حضرت! مومن بزدل بھی ہوتا ہے؟ فرمایا ہاں! کمزور ایمان ہو تو اس کے ساتھ بزدلی کی صفت بھی جمع ہو سکتی ہے۔ حضرت! کیا مومن بخیل بھی ہوتا ہے؟ ہاں! کامل مومن تو بخیل نہیں ہوتا مگر کمزور ایمان کے ساتھ بغل جمع ہو سکتا ہے۔ پھر سوال کیا گیا حضرت! کیا مومن جھوٹا بھی ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: **((كَلَّا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ))** "ہرگز نہیں! اس رب کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے ایمان اور جھوٹ اکٹھے نہیں ہو سکتے۔" تو یاد رکھنا! جھوٹ چاہے مرد بولے یا عورت بولے ایمان کے بالکل خلاف ہے۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ امانتیں مالکوں کے حوالے کرو۔ اس آیت کریمہ کا شان نزول اس طرح آتا ہے کہ آٹھ [۸] ہجری رمضان المبارک کے مہینہ میں جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اس وقت کعبۃ اللہ کی چابیاں عثمان ابن طلحہؓ جی کے پاس تھیں جو بعد میں رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہو گئے۔ حضرت علیؓ ان کے پاس گئے اور ان سے چابیاں چھین لیں اور چھینی اس لیے کہ دسویں پارے میں آتا ہے **﴿إِنْ أَوْلِيَاءُ ذُو الْأَسْتِقُونَ﴾** کہ کعبۃ اللہ اور مسجد حرام کے متولی صرف متقی پرہیزگار ہیں۔ تو مشرک کس طرح اس کا اہل ہو سکتا ہے؟ کیونکہ وہ اس وقت مشرک تھے بعد میں رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہو گئے۔

وہ روتے روتے آنحضرت ﷺ کے پاس گئے اور کہنے لگے حضرت! کعبۃ اللہ کی چابیاں جدی پشتی ہمارے پاس چلی آ رہی ہیں اور اب حضرت علیؓ نے مجھ سے چھین لی ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو بلایا اور فرمایا کہ اے علی! کیا تو نے اس سے چابیاں چھینی ہیں؟ عرض کیا ہاں حضرت! چھینی ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **﴿إِنْ أَوْلِيَاءُ ذُو الْأَسْتِقُونَ﴾**

المشغون ﴿ اور یہ مشرک ہے اس کا کعبۃ اللہ کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت! میں مسلمان ہوتا ہوں اور وہ آپ ﷺ کے سامنے وہیں مسلمان ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ نے چاہیاں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لے کر ان کو دے دیں اور فرمایا: **تَحْذَرُهَا خَالِدَةَ كَالِدَةَ** ”یہ چاہیاں نسل در نسل تمہارے پاس ہی رہیں گی۔“ انھوں نے اپنی وفات کے وقت اپنے بھائی شیبہ ابن طلحہ کو دے دیں۔

اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ﴿ **إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ** ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے ﴿ **أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا** ﴾ یہ کہ ادا کرو امانتیں ان کے اہل کو ﴿ **وَإِذَا حُكِمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ** ﴾ اور جب تم فیصلہ کرو لوگوں کے درمیان ﴿ **أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ** ﴾ یہ کہ فیصلہ کرو انصاف کے ساتھ ﴿ **إِنَّ اللَّهَ يُعَظِّمُ لِرَبِّهِ** ﴾ بے شک اچھی ہے وہ چیز جس کی اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ عدل سے کام لو، امانت ادا کرو ﴿ **إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا** ﴾ بے شک ہے اللہ تعالیٰ سننے والا، دیکھنے والا۔ تمہاری باتوں کو سنا بھی ہے اور تمہاری کارروائیوں کو دیکھتا بھی ہے، اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

شان نزول

اگلی آیت کریمہ کا شان نزول اس طرح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مجاہدین کا ایک لشکر ایک محاذ پر بھیجا چاہا، اس لشکر میں حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ آپ ﷺ نے اس لشکر کا امیر حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ یہ بڑے قابل اور بڑے خوبصورت نوجوان تھے مگر طبیعت بڑی جذباتی تھی۔ لشکر بھیجتے وقت آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اس کو تمہارا امیر مقرر فرمایا ہے اس کی اطاعت کرنا تم پر فرض ہے۔

چنانچہ لشکر روانہ ہو گیا راستے میں ایک مقام پر امیر نے کسی کام کے کرنے کا حکم دیا، کام کیا تھا، اس کا ذکر نہیں ہے، بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ کوئی حکم دیا مگر لشکر نے قیل وقال سے کام لیا۔ گرمی کی وجہ سے یا تھکے ماندے ہونے کی وجہ سے لشکر نے سستی کا مظاہرہ کیا تو انھوں نے حکم دیا کہ سارے اکٹھے ہو جاؤ۔ جب سارا لشکر اکٹھا ہو گیا تو کہنے لگے کہ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا تھا کہ میری اطاعت کرنا۔ لشکر نے کہا ہاں! حکم دیا تھا۔ کہنے لگے میں امیر ہونے کی حیثیت سے تمہیں حکم دیتا ہوں کہ جنگل سے خشک لکڑیاں جمع کرو۔ لشکریوں نے خشک لکڑیاں جمع کیں، ڈھیر لگا دیا، کہنے لگے اب تم ان کو آگ لگا دو۔ انھوں نے آگ لگا دی۔ جب شعلے بھڑک اٹھے تو کہنے لگے کہ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ آگ میں چھلانگ لگا دو۔ بعض نے آگ میں چھلانگ لگانے کا ارادہ کیا اور بعض رک گئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں سے فرمایا کہ بھئی! آگ میں چھلانگ نہیں لگانی اس لیے کہ آگ سے بچنے کے لیے تو ہم نے کلمہ پڑھا ہے اگر کلمہ پڑھنے کے بعد بھی نہارے لیے آگ ہے تو ہمیں کلمہ پڑھنے کا کیا فائدہ؟ چنانچہ کسی نے بھی آگ میں چھلانگ نہ لگائی۔ کچھ دیر کے بعد ان کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو گیا اور آگ بھی بجھ گئی۔

مہم سے واپسی پر یہ مقدمہ آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم آگ میں چھلانگ لگا دیتے تو یہ خودکشی ہوتی اور تم سارے دوزخ میں جاتے۔ اور فرمایا: لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْغَائِبِ "اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔" اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے جو حکم دیا ہے اس کے مقابلے میں ماں باپ، بادشاہ کا حکم ماننا ناجائز ہے۔ حضرت عبداللہ بن حذافہؓ بھی ﷺ نے جذبات میں آ کر یہ بات کہہ دی تھی، حالانکہ جلیل القدر صحابی تھے۔

حضرت عمرؓ کے دور میں جب رومیوں کے ساتھ جنگیں ہو رہی تھیں، یہ بھی ان میں شریک تھے، ایک مقام پر یہ بھی گرفتار ہو گئے۔ دوسرے قیدیوں کے ساتھ جب ان کو ہرقل روم، قیصر جس کا لقب تھا، کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس کی نظر جب ان پر پڑی کہ بڑا خوبصورت، صحت مند لوجوان ہے۔ اس نے ان سے گفتگو کی تو وہ بھی بڑی معقول تھی۔ تو ہرقل روم نے کہا بر خوردار! تو اس طرح کر کہ تو عیسائی بن جا اَزْوَاجِكَ الْبَنِيَّةِ "میں تجھے اپنی بیٹی کا رشتہ دے دوں گا وَأَشْرِكُكَ فِي مُلْكِي اور میں تجھے اپنی سلطنت میں شریک کر لوں گا۔" کوئی بڑا عہدہ دے دوں گا، یعنی وزارتِ عظمیٰ تیرے حوالے کر دوں گا۔ حضرت عبداللہ بن حذافہؓ نے کہا کہ اپنے الفاظ دہرانا تا کہ میں اچھی طرح سمجھ لوں کہ تم نے کیا کہا ہے۔ ہرقل روم نے اپنے الفاظ دہرائے کہ میں تجھے اپنی لڑکی کا رشتہ دینا چاہتا ہوں اور ملک میں بڑا عہدہ بھی دوں گا اگر تم عیسائی بن جاؤ۔ انھوں نے کہا کہ تم تو ایک علاقے کے بادشاہ ہو اگر تم ساری دنیا کے بادشاہ ہو جاؤ اور اپنا تاج اتار کر میرے سر پر رکھ دو اور حکومت میں میرے کوئی اور شریک بھی نہ ہو پھر بھی میں عیسائیت قبول کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ بڑے پختہ لوگ تھے۔

پھر ابن کثیرؒ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ لوہے کے بڑے بڑے کڑاہ جن میں گڑ بنایا جاتا ہے، ان میں تیل ڈالا ہوا تھا ایک ایک قیدی کو جلتے تیل میں ڈالتے تھے وہ پکوڑے کی طرح تلا جاتا تھا مگر ایمان سے کوئی نہ پھرا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے امتحان سے بچائے ہمارا ایمان بہت کمزور ہے۔ اسی وجہ سے ہم ایسی آزمائشوں میں نہیں آئے۔ پہلے زمانے میں ایسے لوگ بھی گزرے ہیں کہ جن کو ناف تک زمین میں گاڑ کر سر پر آری رکھ کر مطالبہ ہوتا تھا کہ ایمان چھوڑ دو ورنہ ہم تمہیں آری سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیں گے وہ دنگلڑے ہو جاتے تھے مگر ایمان نہیں چھوڑتے تھے۔ اور ایسے لوگ بھی گزرے ہیں کہ لوہے کی ٹنگھیوں سے ان کے جسم سے چمڑے اور گوشت ادھیڑ دیئے جاتے تھے صرف ہڈیاں رہ جاتی تھیں مگر ایمان نہیں چھوڑتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور رسول ﷺ کی ﴿وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ اور ان کی جو تم میں سے حکم والے ہیں۔ لیکن ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ﴾ پس اگر جھگڑا کرو تم کسی چیز میں کہ تم کچھ کہتے ہو اور حاکم کچھ کہتا ہے ﴿فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ پس لو ناؤ تم اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول ﷺ کی طرف۔ کیونکہ مسلمانوں کی آخری عدالت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہیں ﴿إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ اگر ہو تم ایمان رکھتے اللہ تعالیٰ پر ﴿وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ اور آخرت کے دن پر۔ اگر بادشاہ اور رعایا میں کوئی جھگڑا

ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی طرف رجوع کر وہ جو فیصلہ فرمائیں اس کو قبول کرو اور آپ ﷺ کا فیصلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔ فرمایا ﴿ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاوِيْلًا﴾ یہی چیز بہتر ہے اور اچھی ہے انجام کے اعتبار سے کہ تم نے آخری عدالت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو تسلیم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ [آمین!]



﴿اَلَمْ تَرَ﴾ کیا نہیں دیکھا ﴿اِلَى الَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کی طرف ﴿يُرْعَمُوْنَ﴾ جو خیال کرتے ہیں ﴿اَنْتُمْ﴾ کہ بے شک وہ ﴿اٰمَنُوْا﴾ ایمان لائے ﴿بِنَا﴾ اس چیز پر ﴿اَنْزَلَ﴾ جو نازل کی گئی ﴿اِلَيْكَ﴾ تیری طرف ﴿وَمَا﴾ اور اس چیز پر ﴿اَنْزَلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ جو نازل کی گئی آپ سے پہلے ﴿يُرِيْدُوْنَ﴾ ارادہ کرتے ہیں ﴿اَنْ﴾ اس کا ﴿يَتَّخِذُوْا﴾ کہ اپنا فیصلہ لے جائیں ﴿اِلَى الطَّاغُوْتِ﴾ سرکش کی طرف ﴿وَقَدْ﴾ اور تحقیق ﴿اُمِرُوْا﴾ ان کو حکم دیا گیا ہے ﴿اَنْ﴾ اس کا ﴿يَكْفُرُوْا بِهِ﴾ انکار کریں اس طاغوت کا ﴿وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ﴾ اور چاہتا ہے شیطان ﴿اَنْ يُضِلَّهُمْ﴾ یہ کہ ان کو گمراہ کرے ﴿صَلٰٓةً بَعِيْدًا﴾ مگر اسی دور کی ﴿وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ﴾ اور جب ان کو کہا گیا ﴿تَعٰلَوْا﴾ آؤ ﴿اِلٰى مَا﴾ اس چیز کی طرف ﴿اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے ﴿وَ اِلَى الرَّسُوْلِ﴾ اور رسول ﷺ کی طرف آؤ ﴿رَاٰیْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ﴾ تو دیکھا آپ نے منافقوں کو ﴿يَصُدُّوْنَ عَنْكَ﴾ اعراض کرتے ہیں آپ ﷺ سے ﴿صُدُّوْا﴾ اعراض کرنا ﴿فَكَيْفَ﴾ پس کیسا ہوا ﴿اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ﴾ جب پہنچی ان کو مصیبت ﴿بِنَا قَدْ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا﴾ اس سبب سے جو بھیجا آگے ان کے ہاتھوں نے (اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کے بدلے) ﴿لَنْ نَّجَا عَزْوٰكُ﴾ پھر آگے وہ تیرے پاس ﴿يَحْلِفُوْنَ﴾ قسمیں کھاتے ہیں ﴿بِاللّٰهِ﴾ اللہ کی ﴿اِنْ اَمَرْنَا اِلَّا اِحْسٰنًا وَّ تَوْفِيْقًا﴾ نہیں ارادہ کیا تھا ہم نے مگر اصلاح کرنے کا اور دونوں کے درمیان موافقت پیدا کرنے کا ﴿اُوْتِيْنَاكَ الَّذِيْنَ﴾ یہ وہی لوگ ہیں ﴿يَعْلَمُ اللّٰهُ﴾ اللہ تعالیٰ جانتا ہے ﴿مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ جو ان کے دلوں میں ہے ﴿فَاعْرَضْ عَنْهُمْ﴾ پس آپ ان سے اعراض کریں ﴿وَعَظَّمْ﴾ اور ان کو نصیحت کر ﴿وَقُلْ لَهُمْ﴾ اور کہہ ان کو ﴿فِيْ اَنْفُسِهِمْ﴾ ان کے نفسوں کے بارے میں ﴿تَوَلّٰٓا بِلِيْقًا﴾ ایسی بات جو ان کے دلوں کی تہہ تک پہنچے ﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول ﴿اِلَّا لِيُطَاعَ﴾ مگر اس لیے کہ اس کی اطاعت کی جائے ﴿بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ﴿وَلَوْ اَنَّكُمْ اِذْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ﴾ اور اگر بے شک وہ لوگ

جنہوں نے ظلم کیا اپنی جانوں پر ﴿جَاءُوكَ﴾ آتے تمہارے پاس ﴿فَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ﴾ پس معافی مانگتے اللہ تعالیٰ سے ﴿وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ الرَّسُوْلُ﴾ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لیے معافی مانگیں ﴿لَوْ جَدَّوَاللّٰهُ﴾ البتہ پائیں وہ اللہ تعالیٰ کو ﴿تَوَابًا حَسِبًا﴾ توبہ قبول کرنے والا مہربان۔

ان آیات میں ایک واقعہ کا بیان ہے۔ واقعہ سے قبل مدینہ طیبہ میں آبادی کی صورت حال سمجھ لیں۔ مدینہ طیبہ میں پانچ بڑے خاندان تھے، تین یہود کے اور دو مشرکوں کے۔ یہود کے تین خاندان یہ تھے: بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع اور دو خاندان مشرکوں کے تھے، اوس اور خزرج۔ یہودی تعلیم یافتہ لوگ تھے مدینہ طیبہ میں ان کے اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں تھیں، تجارت اور سیاست پر بھی ان کا قبضہ تھا اور ان کے بڑے بڑے مضبوط قلعے تھے۔ مدینہ طیبہ کی منڈی پر پچانوے فیصد یہود کا قبضہ تھا۔ ان کے مقابلے میں اوس اور خزرج کی بھی خاصی تعداد تھی مگر یہ آپس میں ایک دوسرے کے مخالف تھے اور تھے بھی ان پڑھ۔ ان پر یہود کا یہاں تک اثر تھا کہ اوس اور خزرج کے کسی محلہ میں اگر کوئی بڑا یہودی ہوتا تھا تو یہ لوگ اس کی اجازت کے بغیر اپنے لڑکے، لڑکی کا نکاح نہیں کر سکتے تھے۔ پہلے اس سے پوچھتے تھے کہ ہم اپنے لڑکے، لڑکی کی فلاں جگہ نسبت کرنا چاہتے ہیں کیا آپ کی طرف سے اجازت ہے؟ مطلب یہ ہے کہ اوس اور خزرج خانگی معاملات میں بھی خود مختار نہیں تھے۔ اس حد تک یہود کا ان پر اثر تھا۔ اگر کوئی یہودی فاصلے سے بھی گزرتا تو یہ ضرور اسے سلام کرتے تھے۔

مدینہ طیبہ میں یہودیوں کی بھی زمینیں تھیں اور اوس اور خزرج کی بھی زمینیں تھیں جو ان کے پاس جدی پشتی چلی آرہی تھیں۔ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ بشر نامی ایک منافق تھا، اس کا ایک یہودی کے ساتھ زمین کے سلسلہ میں جھگڑا ہوا۔ یہودی کا دعویٰ یہ تھا کہ یہ زمین میری ہے اور اس منافق کا دعویٰ یہ تھا کہ یہ زمین میری ہے۔ اس زمانے میں آج کی طرح رجسٹریاں تھیں نہ انتقال ہوتے تھے، جس کا جس زمین پر قبضہ ہوتا تھا اس کی سمجھی جاتی تھی۔ آج بھی کئی دیہاتوں میں لوگوں کے پاس مکان ہیں مگر ان کے پاس کوئی رجسٹری نہیں ہے فقط قبضہ ہے اور وہ جدی پشتی اس مکان میں رہتے ہیں۔ وہ اس کی ملکیت تصور ہوتا ہے۔ اسی طرح ان کی بھی زمینیں اور مکانات تھے جس کا قبضہ ہوتا تھا وہی مالک سمجھا جاتا تھا۔ جس قطعہ زمین پر جھگڑا ہوا حقیقت میں وہ یہودی کی تھی منافق کی نہیں تھی۔

جب ان کے درمیان جھگڑا ہوا تو اس پاس کے لوگوں نے صلح کرانے کی کوشش کی مگر صلح نہ ہو سکی۔ یہودی بڑا سمجھ دار تھا، کہنے لگا اگرچہ میں یہودی ہوں مگر میں تمہارے پیغمبر کے پاس جانے کے لیے تیار ہوں تم بھی چلو وہ جو فیصلہ کریں گے میں ماننے کے لیے تیار ہوں۔ کیونکہ یہودی یہ سمجھتا تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حق ہی کا فیصلہ کرنا ہے وہ غلط فیصلہ نہیں کریں گے۔ اور یہ بھی سمجھتا تھا کہ زمین تو حقیقتاً میری ہے منافق سید زوری کر رہا ہے۔ منافق نے کہا تو نے تو ہمارے نبی کا کلمہ ہی نہیں پڑھا لہذا وہاں جانے کا کیا فائدہ؟ ہم تمہارے مولوی اور پیر کعب بن اشرف کے پاس چلتے ہیں۔

کعب بن اشرف مدینہ طیبہ میں مذہبی اور سیاسی اعتبار سے یہودیوں کا بڑا آدمی تھا۔ یہودی نے کہا دیکھو! یہ کوئی مذہبی مسئلہ تو ہے نہیں کہ تو نے یہ مسئلہ اٹھا دیا ہے، یہ تیرا میرا زمین کے متعلق جھگڑا ہے ہم کسی بھی شخص کے پاس لے جاسکتے ہیں اور مجھے تمہارے پیغمبر پر اعتماد ہے وہ جو فیصلہ فرمائیں گے ہم قبول کر لیں گے۔ لیکن منافق انکار کرتا رہا اور اس بارے میں بہت ٹکڑا رہا۔ بالآخر برادری کے لوگوں نے اور کچھ محلہ داروں نے مداخلت کی اور منافق اس بات پر آمادہ ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ کے پاس جائیں۔ چنانچہ بشیر نامی منافق اور اس کی برادری کے لوگ اور کچھ محلے دار اور وہ یہودی اور اس کے ساتھی آنحضرت ﷺ کی عدالت میں پہنچے۔ آنحضرت ﷺ عموماً فیصلے مسجد نبوی میں کرتے تھے کوئی ایک خاص جگہ فیصلوں کے لیے متعین نہ تھی۔ مثلاً: جس طرح آج کل دفاتر ہیں اس طرح کوئی الگ دفتر نہیں تھا۔ اگر کوئی شخص گھر آ جاتا تو آپ ﷺ وہیں بیٹھے بیٹھے فیصلہ فرمادیتے یا کسی اور مناسب جگہ تشریف فرما ہوتے تو وہیں فیصلہ فرمادیتے، مگر عموماً فیصلے مسجد نبوی میں ہوتے تھے۔ سادہ زمانہ تھا، تکلفات نہیں تھے، آنحضرت ﷺ کی مجلس میں لوگ کثیر تعداد میں ہوتے تھے اپنے بھی ہوتے تھے اور غیر بھی آ کر مسئلے اور فیصلے سنتے تھے۔ یہ لوگ آئے اور کہا کہ ہمارا ایک جھگڑا ہے اس کے فیصلے کے لیے ہم آپ کے پاس آئے ہیں آپ جو فیصلہ فرمائیں گے ہمیں منظور ہوگا۔

آنحضرت ﷺ نے اس منافق سے دریافت فرمایا کہ واقعی تمہارا آپس میں جھگڑا ہے؟ اُس نے کہا کہ ہاں واقعی جھگڑا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں جو فیصلہ کر دوں گا مانو گے؟ کہنے لگے: ہاں! ہم مانیں گے۔ جب دونوں فریقوں نے رضامندی کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے دونوں کے بیانات سنے اور ان سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ زمین کا مالک یہودی ہے اور حقیقتاً مالک تھا بھی وہی۔ بیانات سننے کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے دونوں کے بیان سن لیے ہیں اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ زمین یہودی کی ہے۔ آپ ﷺ نے یہودی کے حق میں فیصلہ کر دیا اور منافق کو فرمایا کہ تو قبضہ اس کو دے دے غیر کی ملک پر قبضہ بڑی بات ہے۔

چور اور کسی کی زمین پر ناجائز قبضہ کرنے کی سزا

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے ایک بالشت زمین بھی کسی کی ہتھیالی تو قیامت والے دن سات زمینیں اس کی گردن پر رکھی جائیں گی۔ اسی طرح حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر کسی نے چوری کی تو جو ماں چوری کیا ہے قیامت والے دن وہ مال اس کی گردن پر ہوگا اور وہ میدانِ محشر میں اٹھائے پھرے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ یہ حدیث سنائی تو ایک مسخرہ سا آدمی کہنے لگا کہ حضرت! ایک آدمی نے دوسرے آدمی کے اُونٹ چرائے ہیں (فرض کرو پانچ، دس یا بیس) چنانچہ آج بھی لوگ ٹرکوں کے ٹرک بھر کے لے جاتے ہیں تو حضرت! اگر کسی نے پانچ، دس اُونٹ چرائے ہیں تو ان کو اس چھوٹے سے کندھے پر کس طرح اٹھائے گا؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بیٹھے! جب میں آنحضرت ﷺ کی حدیثیں بیان کر دوں تو

ان کا مذاق نہ اڑایا کر۔ پھر فرمایا کیا تو نے یہ حدیث سنی ہے یا نہیں کہ بعض مجرم ایسے بھی ہوں گے کہ ان کو اتنا چوڑا کر دیا جائے گا کہ تیز رفتار گھوڑا ایک کندھے سے دوسرے کندھے تک تین دن میں نہ پہنچ سکے گا۔ پھر یہ بھی سنا ہے کہ بعض مجرموں کو اتنا چوڑا کر دیا جائے گا کہ ان کے بیٹھنے کی جگہ اُحد پہاڑ کے برابر ہوگی۔ یعنی جتنی جگہ پر اُحد پہاڑ ہے اتنی جگہ ان کے بیٹھنے کے لیے ہوگی۔ پھر فرمایا اب بتا کہ اُونٹ اُٹھالے گا یا نہیں؟ اتنی گردن پر تو ہزاروں اُونٹ آجائیں گے۔

یاد رکھنا! ہر چیز آدمی عقل سے نہیں سمجھ سکتا۔ کیا یہ بات عقل میں آتی ہے کہ پل صراط اُحُدُّ مِنَ السَّنْفِ وَأَدُّ مِنَ الشَّعْرِ مسلم شریف کی روایت ہے کہ پل صراط تلوار سے زیادہ تیز ہوگا اور بال سے زیادہ باریک ہوگا۔ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نیچے دوزخ کی آگ ہوگی۔ بھائی! عقل کو کہاں تک دوڑاؤ گے؟ اور وہ پل صراط مومنوں کے لیے اس طرح ہوگا جس طرح چوڑی سڑک بنی ہوئی ہو۔ کوئی تو بجلی کی طرح تیزی سے گزر جائے گا اور کوئی گھوڑے کی طرح تیزی سے گزر جائے گا، کوئی اُونٹ کی رفتار سے تیزی سے گزر جائے گا، جتنی جتنی کسی کے عمل میں قوت ہوگی اس کے مطابق وہاں سے گزرے گا۔

اسی طرح یہ بات بھی عقل کہاں تک تسلیم کرتی ہے کہ دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے اُبھرتا [۶۹] گنا تیز ہوگی اور اس میں سانپ اور بچھو بھی ہوں گے اور زقوم کا درخت بھی اور درخت بھی ہوں گے اور جلیں گے نہیں۔ ساری باتیں عقل پر نہیں پرکھی جاسکتیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ صرف عقل پر انحصار کرتے ہیں وہ معجزات اور کرامات کے منکر ہیں۔ اور مسلمان کا کام یہ ہے کہ جو چیز قرآن و حدیث سے ثابت ہو آنکھیں بند کر کے مان لے وہاں عقل کا کوئی کام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نبیوں کے ہاتھ پر معجزات ظاہر ہوئے ہیں اور ولیوں کے ہاتھ پر کرامات، لیکن معجزہ اور کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اس میں نبی، ولی کا کوئی ذاتی دخل نہیں ہوتا۔

تو بات ہو رہی تھی کہ چوری کا مال آدمی میدانِ محشر میں کندھے پر اُٹھائے پھرے گا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی نے راکہ مسواک بھی کسی سے ہتھیالی تو وہ جہنم میں جائے گا۔ جس طرح یہاں کیکر کا درخت ہے اسی طرح کا ایک نعمت اراکہ بنتا ہے جس کی لوگ مسواک بناتے ہیں، اس کی طرف اشارہ فرمایا۔ اور یہ مسئلہ بھی یاد رکھنا کہ سڑکوں اور نہروں کے کنارے پر جو درخت ہوتے ہیں یہ سرکاری ملکیت ہیں مجاز افسر کی اجازت کے بغیر ان درختوں سے مسواکیں کاٹنا جائز نہیں ہے۔ یہ مسواکیں بیچنے والے ان درختوں سے مسواکیں کاٹ کے لاتے ہیں اور روزوں میں آپ لوگ بھی کرتے ہیں یہ جائز نہیں ہیں۔

اسی طرح کسی شخص کی ذاتی زمین میں درخت ہوں تو مالک کی اجازت کے بغیر اس سے مسواک کاٹنا جائز نہیں ہے۔ غیر کی ملک سے داک لینا بھی بڑا سخت کناہ ہے۔ یہ مسئلہ اچھی طرح ذہن میں بیٹھائیں کہ غیر کی ملک میں تصرف ناجائز ہے۔ بات یہاں سے چلی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا کہ یہ زمین تیری ہے اور منافق کو

فرمایا کہ تو قبضہ دے دے۔ منافق کی کم بختی تھی کہ اس نے سوچا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ﴿أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ﴾ کا مصداق ہیں کہ وہ کافروں کے حق میں سخت ہیں یہ یہودی ہے اور میں کلمہ پڑھنے والا ہوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ میری طرف داری کریں گے۔ یہ اس کے ذہن میں غلط فہمی تھی۔ منافق نے یہودی سے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے ہیں ان کے سامنے مقدمہ پیش کرتے ہیں۔ یہودی بڑا سمجھدار تھا، وہ سمجھتا تھا کہ بڑی عدالت سے جب فیصلہ ہو جائے تو ماتحت عدالت کیا کرے گی؟ کہنے لگا ٹھیک ہے چلتے ہیں۔

چنانچہ یہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ ہم ایک جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لیے آپ کے پاس آئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگرچہ مجھے فیصلے کرنے کی اجازت ہے اور کتابوں میں تصریح ہے کہ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت معاذ، حضرت ابوالدرداء، حضرت ابی بن کعب، حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کے علاوہ اور بھی کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تھے، ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اجازت تھی کہ اگر تمہارے پاس کوئی مقدمہ آئے تو تم فیصلہ کر سکتے ہو۔ کیونکہ تمام مقدمات میرے پاس آئیں گے تو اس میں کافی وقت لگتا ہے اور اتنا وقت نہیں ہوتا، کیونکہ اور بھی بہت سارے کام ہوتے ہیں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگرچہ مجھے فیصلہ کرنے کی اجازت ہے مگر یہ دو قومی بات ہے ایک طرف یہودی ہے اور ایک طرف کلمہ پڑھنے والا ہے ہو سکتا ہے کہ میں فیصلہ کروں اور یہودی بگڑ جائے اور فتنہ فساد برپا ہو اور فتنہ خواہ کیسا ہی ہو شریعت نے اس کی سخت تردید کی ہے اور لوگ نہیں سمجھتے خواہ مرد ہوں یا عورتیں، معمولی سی بات ہوتی ہے وہ آگے کر دیتے ہیں اور فتنہ برپا ہو جاتا ہے۔ لہذا ایسی باتوں سے پرہیز کرنا چاہیے جن سے فتنہ کھڑا ہو۔

قتل سے بڑا جرم ہے ﴿

حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الْفِتْنَةُ نَارٌ لَعَنَ اللَّهُ مَنَ أَيْقَطَهَا ﴿فتنہ سویا ہوا ہے جو اس کو جگائے گا اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔﴾ تو فتنہ کھڑا کرنا بڑا جرم ہے۔ قرآن پاک میں آتا ہے ﴿وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ اور فتنہ قتل سے بھی سخت ہے۔ لہذا مردوں، عورتوں، چھوٹوں، بڑوں کو چاہیے کہ کوئی فتنے کی بات نہ کریں۔ کیونکہ قرآن اور حدیث کی رو سے یہ سنگین جرم ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ مقدمہ مجھ سے بالا ہے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤ۔ یہودی نے کہا کہ وہاں سے ہم ہو کر آئے ہیں اور آپ کے پیغمبر نے میرے حق میں فیصلہ دیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منافق سے پوچھا کہ وہاں گئے تھے؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مقدمہ پیش کیا ہے؟ منافق نے کہا کہ جی ہاں! وہاں گئے تھے اور مقدمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کے حق میں فیصلہ فرمایا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منافق سے فرمایا کہ اب تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے بعد فیصلہ چاہتا ہے؟ کہنے لگا: ہاں! فرمایا بیٹھ جا۔ وہ بیٹھ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر تشریف لے گئے اور تلواروں میں سے جو سب سے تیز تلوار تھی، لائے اور منافق کا

سرا تار دیا اور فرمایا کہ جو شخص آنحضرت ﷺ کے فیصلے پر راضی نہیں ہوتا اس کا فیصلہ پھر عمر رضی اللہ عنہ کی تلوار ہی کرے گی۔ تفسیر مدارک اور خازن وغیرہ میں ہے کہ اس دن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لقب فاروق پڑ گیا کہ انھوں نے اپنے عمل سے حق اور باطل کے درمیان فرق کر دیا۔ جب منافق بشیر کا سرا تر گیا تو دوسرے منافق آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے حضرت! ان کے پاس جانے کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ ہم آپ ﷺ کے فیصلے پر راضی نہیں تھے۔ حضرت! ہم آپ ﷺ کے فیصلے کو رد کرنے کے لیے تو عمر رضی اللہ عنہ کے پاس نہیں گئے۔ وہاں جانے کا مقصد تو یہ تھا کہ کوئی صلح اور اتفاق کی صورت پیدا ہو جائے گی، عمر رضی اللہ عنہ نے زیادتی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔

ارشاد ربانی ہے ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ﴾ کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف ﴿يَزْعُمُوْنَ﴾ جو خیال کرتے ہیں ﴿اَنْهُمْ اٰمَنُوْا﴾ کہ بے شک وہ ایمان لائے ہیں ﴿بِمَا اُنزِلَ اِلَيْكَ﴾ اس چیز پر جو نازل کی گئی ہے تیری طرف قرآن اور حدیث ﴿وَمَا اُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ اور اس چیز پر جو نازل کی گئی ہے تیرے سے پہلے تورات، انجیل، زبور وغیرہ کہ ہم تمام کتابوں کو مانتے ہیں ﴿يُرِيدُوْنَ﴾ ارادہ کرتے ہیں ﴿اَنْ يَّتَّخِذَ كُفُوًا﴾ اس بات کا کہ اپنا فیصلہ لے جائیں ﴿اِلَى الطَّاغُوْتِ﴾ سرکش کی طرف یعنی کعب بن اشرف یہودی کی طرف ﴿وَقَدْ اٰمَرُوْا﴾ اور بہ تحقیق ان کو حکم دیا گیا ہے ﴿اَنْ يُّكْفَرُوْا بِهٖ﴾ اس کا کہ وہ طاغوت کا انکار کریں، سرکشوں اور نافرمانوں کا انکار کریں ﴿وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ﴾ اور چاہتا ہے شیطان ﴿اَنْ يُّضِلَّهُمْ صَلٰٓةً بَعِيْدًا﴾ یہ کہ ان کو گمراہ کرے گمراہی دور کی ﴿وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ﴾ اور جب ان کو کہا گیا ﴿تَعٰلَوْ اِلٰى مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے ﴿وَ اِلَى الرَّسُوْلِ﴾ اور آؤ رسول کی طرف ﴿رَاٰیۤ اٰیٰتِ التَّنٰوِيْنِ﴾ تو دیکھا آپ نے منافقوں کو ﴿يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا﴾ اعراض کرتے ہیں آپ سے اعراض کرنا۔ یہ پہلے آپ ﷺ کی طرف آنے کے لیے تیار ہی نہیں تھے۔

﴿فَكَيْفَ اِذَا اٰصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ﴾ پس کیا ہوا جب پہنچی ان کو مصیبت کہ بشیر کا سر قلم ہو گیا ﴿بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ﴾ اس سبب سے جو آگے بھیجا ان کے ہاتھوں نے۔ یہ ان کے ہاتھوں کے اپنے کرتوت تھے جس کی سزا پائی ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کے فیصلے کے بعد کسی کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ عدالتِ عظمیٰ کے بعد انھوں نے ماتحت عدالت کی طرف رجوع کیا ﴿لَهُمْ جَاۤءَ ذٰلِكَ﴾ پھر آئے وہ تیرے پاس ﴿يَخْلِفُوْنَۙ بِاِلٰهِ﴾ قسمیں اٹھاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی ﴿اِنْ اَرَادْنَاۙ اِلَّاۙ اِحْسٰٓنًا وَّاَنْتُمْ فِیْهَا﴾ نہیں ارادہ کیا تھا ہم نے مگردونوں کے درمیان اصلاح کرنے کا اور موافقت پیدا کرنے کا۔ آپ ﷺ کے فیصلے کو رد کرنا مقصود نہیں تھا۔ مطلب یہ تھا کہ دونوں آپس میں اتفاق اور صلح کر لیں۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اُو۟لٰٓئِكَ الَّذِيْنَ﴾ یہ وہی لوگ ہیں ﴿يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جو ان کے دلوں میں ہے ﴿فَاَعْرَضْ عَنْهُمْ﴾ پس آپ ان سے اعراض کریں ﴿وَ عَظَّمْ﴾ اور ان کو نصیحت کریں ﴿وَقُلْ لَّهُمْ فِیۤ اَنْفُسِهِمْ﴾ اور کہہ ان کو ان کے نفسوں کے بارے میں ﴿قَوْلًا بَلِيْغًا﴾ ایسی بات جو ان کے دلوں کی تہ تک پہنچے۔ آپ ﷺ کا کام ہے ان

کو سمجھانا اخلاص کے ساتھ ان کو سمجھادیں۔

آگے رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول ﴿إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ مگر اس لیے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ پیغمبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مطاع ہوتا ہے ساری مخلوق اس کے مطیع ہوتی ہے، اس کی اطاعت کی جاتی ہے۔ اگر ماتحت عدالت کی بات مانی جاتی تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ ماتحت عدالت کا حکم آپ ﷺ پر نافذ ہوتا۔ یہ بات تو اصول کے خلاف تھی۔ ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ﴾ اور اگر بے شک وہ لوگ جب انھوں نے ظلم کیا جانوں پر ﴿جَاءَ وَكُ﴾ آتے تمہارے پاس ﴿فَاسْتَعْفَرُوا اللَّهَ﴾ پس وہ معافی مانگتے اللہ تعالیٰ سے۔ اس طرح کہ اپنا نفاق چھوڑ کر صحیح معنی میں ایمان لاتے اور کہتے کہ حضرت! ہم نے منافقت ترک کر دی ہے اور دھڑا ختم کر دیا ہے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے ہیں آپ ﷺ بھی ہمارے لیے رب تعالیٰ سے معافی مانگیں ﴿وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ الرَّسُولُ﴾ اور رسول ﷺ بھی ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے ﴿لَوْ جَدُوا اللَّهَ﴾ البتہ پاتے وہ اللہ تعالیٰ کو ﴿تَوَابًا رَجِيمًا﴾ توبہ قبول کرنے والا مہربان۔ ان کو تو اس طرح کرنا چاہیے تھا انما معاطے کو بدل کر آئے ہیں اور بہانے بناتے ہیں۔ لہذا وہ منافق ہی رہے۔



﴿فَلَا وَرَبِّكَ﴾ پس قسم ہے تیرے رب کی ﴿لَا يُؤْمِنُونَ﴾ یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے ﴿حَتَّى﴾ یہاں تک کہ ﴿يُحْكَمُوا﴾ آپ کو منصف نہ بنائیں ﴿فِي مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ اپنے تنازعات میں ﴿ثُمَّ لَا يَجِدُوا﴾ پھر نہ پائیں ﴿فِي أَنْفُسِهِمْ﴾ اپنے دلوں میں ﴿حَرَاجًا﴾ کسی قسم کی تنگی ﴿مَبْنً﴾ اس چیز کے متعلق ﴿قَصِيَّتٌ﴾ جس کا آپ نے فیصلہ کیا ﴿وَيَسْتَلِئُوا تَلِيئًا﴾ اور تسلیم کریں کھلے دل سے ﴿وَلَوْ أَنَّا﴾ اور اگر بے شک ہم ﴿كُنَّا عَلَيْهِمْ﴾ لکھ دیتے ان پر ﴿أَنِ افْتَلَوْا﴾ یہ کہ قتل کرو ﴿أَنْفُسَكُمْ﴾ اپنی جانوں کو ﴿أَوْ اخْرُجُوا﴾ یا نکل جاؤ ﴿مِنْ دِيَارِكُمْ﴾ اپنے گھروں سے ﴿مَا فَعَلُوا﴾ تو یہ لوگ نہ کرتے اس کارروائی کو ﴿إِلَّا قَلِيلٌ مِّنْهُمْ﴾ مگر بہت تھوڑے ان میں سے ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ﴾ اور اگر بے شک وہ ﴿فَعَلُوا﴾ کریں ﴿مَا يُوعَظُونَ بِهِ﴾ اس چیز کو جس کی ان کو نصیحت کی جا رہی ہے ﴿لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ﴾ البتہ ان کے حق میں بہتر ہوگا ﴿وَ أَشَدَّ تَثْبِيثًا﴾ اور ہوگا زیادہ ثابت قدم رکھنے میں ﴿وَ إِذَا﴾ اور اس وقت ﴿لَآتِيَهُمْ﴾ البتہ ہم ان کو دیں گے ﴿مِنْ لَدُنَّا﴾ اپنی طرف سے ﴿أَجْرًا عَظِيمًا﴾ اجر بہت بڑا ﴿وَلَهَدِيْنَاهُمْ﴾ اور البتہ ہم ان کو ہدایت دیں گے ﴿صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا﴾ صراط مستقیم کی ﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ﴾ اور جو شخص اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ کی ﴿وَالرَّسُولَ﴾ اور رسول کی ﴿فَأُولَئِكَ﴾ پس وہ لوگ ﴿مَعَ الَّذِينَ﴾ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے ﴿أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ﴾ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ﴿مِنَ النَّبِيِّنَ﴾

اللہ تعالیٰ کے نبی ﴿وَالصّٰلِحِیْنَ﴾ اور صدیق ﴿وَالشّٰہِدَآءِ﴾ اور شہید ہونے والے ﴿وَالصّٰلِحِیْنَ﴾ اور نیک ﴿وَجَسَنَ اُوْدٰیكَ رَافِعًا﴾ اور اچھا ہے ان لوگوں کی رفاقت حاصل کرنا ﴿ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل ہے ﴿وَوَكْفٰی بِاللّٰهِ عَلَیْمًا﴾ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا۔

ربط آیات

اس سے پہلی آیات میں بشیر نامی منافق اور یہودی کے درمیان زمین کے متعلق جھگڑے کا ذکر ہوا تھا کہ منافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر راضی نہیں ہوا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا سر قلم کر دیا تھا، اس پر منافقوں نے احتجاج کیا کہ ہم مومن ہیں اور عمر رضی اللہ عنہ نے مومن کو قتل کر دیا ہے حالانکہ وہ ایمان سے محروم تھے۔ اگلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کا معیار بیان فرمایا ہے، یعنی یہ آیت کریمہ ایمان کا مدار ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَلَا وَرَآءَکَ﴾ پس قسم ہے تیرے رب کی۔ عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ لفظ قسم ہو یا حرف قسم ہو اور اس سے پہلے حرف لا آجائے تو وہ زائد ہوتا ہے، یعنی اس کا معنی نہیں ہوتا۔ جیسے: سورۃ البلد میں آتا ہے ﴿لَا اُقْسِمُ بِہٰذَا الْبَلَدِ﴾ تو یہ ﴿لَا﴾ زائد ہے اس کا معنی نہیں ہوگا۔ معنی کریں گے: ”میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی۔“ اور یہاں بھی ﴿لَا﴾ کا معنی نہیں ہوگا اور معنی کریں گے: پس قسم ہے تیرے رب کی۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی ذات کی قسم اٹھاتے ہیں۔ کس بات پر؟ اس بات پر ﴿لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحْكَمُوْکَ﴾ یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منصف نہ بنا لیں۔ اور ظاہر بات ہے کہ جب رب تعالیٰ یہ فرما رہے ہیں تو اس سے زیادہ جاننے والا کون ہو سکتا ہے؟ اپنی ذات کی قسم اٹھا کر فرماتے ہیں کہ یہ مومن نہیں بن سکتے جب تک اے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کو اپنا منصف اور حکم نہ تسلیم کریں۔

حاکم اور حکم میں فرق

عربی زبان میں ایک ہوتا ہے حاکم اور ایک ہوتا ہے حکم۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ حاکم اُسے کہتے ہیں کہ جس کی بات ماننے پر آدمی مجبور ہوتا ہے، چاہے دل سے راضی ہو یا نہ ہو۔ اور حکم اُسے کہتے ہیں جس کی بات پر آدمی دل سے راضی ہو۔ تو فرمایا ﴿فَلَا وَرَآءَکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحْكَمُوْکَ﴾ پس تیرے رب کی قسم ہے یعنی مجھے اپنی ذات کی قسم ہے کہ یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک تجھے اپنا حکم نہ تسلیم کریں۔ یعنی جب تک تیری بات کو دل سے نہ تسلیم کریں کس چیز کے بارے میں؟ ﴿فَیْمَا شَہَدَ بَیْنَهُمْ﴾ ہر اس چیز میں جو ان کے درمیان جھگڑا ہو، اختلاف پیدا ہو، برابر ہے کہ وہ اختلاف عقیدہ کا ہو یا عمل کا ہو، عبادت میں ہو یا معاملات میں ہو، نکاح، طلاق کا ہو، زمین کا ہو یا مکان کا ہو، کوئی بھی مسئلہ ہو، دینی ہو یا دنیاوی ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مجھے اپنی ذات کی قسم

ہے یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک تجھے اپنا حکم تسلیم نہ کریں۔ ﴿لَمْ يَلِدْ وَأَنْتَ لِهَا كَاذِبٌ﴾ پھر نہ پائیں اپنے دلوں میں کسی قسم کی تنگی ﴿فَمَا كُنْتُمْ﴾ اس چیز کے متعلق جس کا آپ ﷺ نے فیصلہ کیا ہے ﴿وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ﴾ اور تسلیم کریں کھلے دل سے۔

ایمان کا معیار

اب ہمیں ٹھنڈے دل سے اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر سوچنا چاہیے اور اپنے گھروں میں جا کر غور و فکر کرنا چاہیے کہ قرآن پاک کی اس آیت کریمہ میں جو کچھ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے کیا ہم اس کو بے قیل و قال تسلیم کرتے ہیں کہ واقعی ہم آنحضرت ﷺ کے ہر فیصلے پر عمل کرتے ہیں۔ یعنی آپ ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے یا کیا ہے ہم اس پر راضی ہیں، چاہے ہمارا نفس چاہے یا نہ چاہے۔ اگر واقعی ہم نے اپنا ظاہر، شکل و صورت، وضع قطع اور لباس آپ ﷺ کے فیصلے پر قربان کیا ہے تو پھر ہم مومن ہیں اور اگر ایسا نہیں ہے تو بے شک ایمان کا دعویٰ کرتے پھریں، مومن نہیں ہیں۔ یہ آیت کریمہ معیار ہے۔ اپنے گھروں میں جا کر اچھی طرح ظاہر و باطن کو، قول و فعل کو اور معاملات کو اس پر پرکھو کہ واقعتاً یہ چیزیں ہم میں پائی جاتی ہیں یا نہیں۔

بخاری شریف میں روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدَيْهِ وَوَلَدَيْهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ))۔ ”تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے والدین اور اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔“ یعنی اس کی محبت ماں باپ سے، اولاد سے، تمام انسانوں سے میرے ساتھ زیادہ ہو۔ محبت شرعی یہ ہے کہ ایک طرف ماں باپ کچھ کرتے یا کہتے ہیں یا اولاد کچھ کرتی یا کہتی ہے یا حاکم وقت ہے، وہ کچھ کرتا یا کہتا ہے یا کل کائنات ایک طرف ہے، وہ کچھ کرتے یا کہتے ہیں اور دوسری طرف آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی ہے اور آپ ﷺ کا قول و فعل ہے، اگر آپ ﷺ کے قول و فعل کو تمام کائنات پر مقدم رکھتا ہے تو مومن ہے اور اگر ماں باپ کے مقابلے میں، اولاد کے مقابلے میں، حاکم کے مقابلے میں کوئی چھوٹا ہو یا بڑا، اس کے مقابلے میں اگر آنحضرت ﷺ کے قول و فعل کو تسلیم نہیں کرتا، وہ آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق مومن نہیں ہے۔

ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت! آپ مجھے اپنی جان کے علاوہ باقی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی جان کو کیوں مستثنیٰ کیا ہے؟ مکمل ایمان تو حاصل نہ ہوا۔ کہنے لگے: حضرت! اب میں آپ کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز سمجھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: إِذَا ”اب بات بن گئی۔“ تو مومن کے لیے ضروری ہے کہ آنحضرت ﷺ کے قول و فعل کو تمام کائنات سے مقدم رکھے۔

منکر حدیث کا فر ہے

اسی طرح بخاری شریف میں حدیث ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ)) ”تم میں سے کوئی آدمی مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہ شے پسند نہ کرے جو اپنی ذات کے

یہ پسند کرتا ہے۔ ”دیکھو بھائی! اپنے لیے کھوٹی اور ادنیٰ چیز کون پسند کرتا ہے؟ اپنے لیے جھوٹ اور فریب کو کون پسند کرتا ہے؟ غیبت کو کون پسند کرتا ہے؟ اسی طرح اپنے لیے داؤ اور دھوٹے کو کون پسند کرتا ہے کہ اس سے کوئی داؤ کھیلے یا دھو کا دے۔ اگر مومن ہے تو یہ چیزیں دوسرے مسلمان بھائی کے لیے بھی پسند نہ کرے۔ ایمان کا دعویٰ کرنا بڑا آسان ہے مگر اس پر پورا اترنا بڑا مشکل ہے۔ اور یہاں سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ منکر حدیث کافر ہے، مومن نہیں ہے۔ کیونکہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کا ایمان میں دخل نہ ہوتا تو رب تعالیٰ اس طرح نہ فرماتے ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ پس تیرے رب کی قسم ہے کہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے ہر قسم کے تنازعات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم اور فیصلہ تسلیم نہ کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہ مانیں۔ ”تو معلوم ہوا کہ جو لوگ حدیث کا انکار کرتے ہیں وہ کپکے کافر ہیں، بے شک وہ ایمان کا دعویٰ کرتے پھریں۔ کیونکہ حدیث بھی دین کا حصہ ہے۔

نو جوانو، یاد رکھنا! منکرین حدیث تمہیں دھوکا دیں گے اور کہیں گے حدیثیں ظنی ہیں۔ یعنی یقینی چیز کو ماننا چاہیے اور قرآن پاک یقینی ہے۔ بے شک یہ بات ٹھیک ہے کہ قرآن پاک یقینی ہے لیکن تمام احادیث کو ظنی کہنا بھی بالکل غلط بات ہے۔ کیونکہ احادیث متواتر بھی ہیں، لفظ کے اعتبار سے متواتر ہیں اور معنی کے اعتبار سے بھی متواتر ہیں، عمل کے لحاظ سے بھی متواتر ہیں، طبقے کے لحاظ سے بھی متواتر ہیں اور متواتر حدیث کا انکار اسی طرح کفر ہے جس طرح قرآن پاک کا انکار کفر ہے اور اکثر و بیشتر وہ احادیث جن کا اعمال کے ساتھ تعلق ہے وہ متواتر ہیں۔ ہاں! اگر حدیث خبر واحد ہے تو وہ ظنی ہے اس کا انکار کفر نہیں ہوگا، مگر گناہ ہے۔

فہم قرآن فہم حدیث پر موقوف ہے ﴿

اور یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لو کہ حدیث پاک کو تسلیم کیے بغیر قرآن شریف بھی سمجھ نہیں آ سکتا۔ مثلاً: قرآن پاک میں آتا ہے ﴿أَقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾ کہ نماز قائم کرو۔ مگر قرآن پاک میں یہ تفصیل نہیں ہے کہ قائم کس طرح کرنا ہے اور تعداد رکعات کی بھی تفصیل نہیں ہے کہ فجر کی کتنی رکعتیں ہیں، ظہر کی کتنی رکعتیں ہیں، عصر کی کتنی ہیں اور مغرب اور عشاء کی کتنی رکعتیں ہیں اور جمعہ کی کتنی رکعتیں ہیں۔

اسی طرح قرآن پاک میں آتا ہے ﴿وَاتُوا الزَّكَاةَ﴾ اور دو تم زکوٰۃ۔ اس چیز کی تفصیل اور وضاحت قرآن پاک میں نہیں ہے کہ سونا کتنا ہو تو زکوٰۃ لازم ہے اور کتنی لازم ہے۔ اسی طرح رقم کتنی ہو تو زکوٰۃ لازم ہے اور کتنی ہے؟ یا اونٹ، گائے، بھینس کتنی ہوں تو زکوٰۃ لازم ہے اور کتنی لازم ہے؟ یہ ساری تفصیل احادیث میں ہے۔ اگر احادیث نہیں مانو گے تو ﴿أَقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾ پر کس طرح عمل کرو گے؟ ﴿وَاتُوا الزَّكَاةَ﴾ پر کس طرح عمل کرو گے؟ یا مثلاً: قرآن پاک میں آتا ہے کہ ﴿وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ﴾ کہ جو حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے ہیں میرے گھر کا طواف کریں۔ لیکن یہ تفصیل قرآن پاک میں

نہیں ہے کہ طواف کہاں سے شروع کرنا ہے اور کہاں پر ختم کرنا ہے اور کتنے چکروں کا نام طواف ہے۔

اسی طرح قرآن پاک میں سعی بین الصفا والمروہ کا تو ذکر ہے لیکن اس بات کی تفصیل نہیں ہے کہ سعی کے کتنے چکر ہیں اور کہاں سے شروع ہوگی اور کہاں پر ختم کرنی ہے۔ تو اگر احادیث کا انکار کریں گے تو ان آیات پر کس طرح عمل کریں گے؟ کر ہی نہیں سکتے۔ یہ لوگ گمراہی کا راستہ کھولنے کے لیے حدیث کا انکار کرتے ہیں اور بہت سارے بے دین صحافی ان سے بڑی بڑی رقیں لے کر بڑی تدبیر سے باطل عقیدے پھیلاتے ہیں۔ کوئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر زبان درازی کرتا ہے اور ان سے اعتماد اٹھانے کی کوشش کرتا ہے، کوئی محدثین رضی اللہ عنہم پر اعتراض کر کے اعتماد اٹھانے کی کوشش کرتا ہے، کوئی ائمہ مجتہدین اور فقہائے کرام رضی اللہ عنہم پر برستا ہے اور ان سے اعتماد اٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ حاشا وکلا! یہ سارے بڑے لوگ تھے اور ان کی وجہ سے ہمیں دین نصیب ہوا ہے، ان پر اعتماد کیے بغیر دین نہیں بچ سکتا۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَوْ أَنَا كُنتُنَا عَلَيْنَهُمْ﴾ اور اگر بے شک ہم ان پر لکھ دیتے ﴿أَن اُقْتُلُوا أَنفُسَهُمْ﴾ یہ کہ قتل کرو اپنی جانوں کو رب تعالیٰ کی رضا کے لیے یا ہم یہ حکم لکھ دیتے ﴿أَوْ اخْرُجُوا مِن دِيَارِنَا﴾ یا نکل جاؤ اپنے گھروں سے ﴿مِمَّا قَعَلُوا إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ﴾ تو یہ لوگ نہ کرتے اس کا روئی گو مگر بہت تھوڑے ان میں سے۔ دیکھو! مثلاً: یہ حکم ہوتا کہ تم اپنے آپ کو قتل کرو یا یہ حکم ہوتا کہ سامان سے بھرا گھر چھوڑ کر چلے جاؤ اور آج کے بعد اس کے ساتھ تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے تو کس نے کرنا تھا؟ الا ماشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے تمہیں سخت احکام نہیں دیے۔

آگے فرمایا ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ قَعَلُوا أَعَانِيَةَ عَظُونَ بِهِ﴾ اور اگر بے شک وہ کریں اس چیز کو جس کی ان کو نصیحت کی جا رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول اور فعل کو تسلیم کرو۔ اگر یہ ایسا کریں ﴿لَنَكَانَ خَيْرًا لَّكُمْ﴾ البتہ ان کے حق میں بہت بہتر ہوگا ﴿وَإِشْدًا تَشْفِينَا﴾ اور زیادہ سخت ہوگا ثابت قدم رکھنے میں۔ اس سے ان کا ایمان محفوظ رہے گا اور یہ ثابت قدم رہیں گے ﴿وَإِذَا أَلَّيْتَهُمْ﴾ اور اس وقت البتہ ہم ان کو دیں گے ﴿مِن لَّدُنَّا﴾ اپنی طرف سے ﴿أَجْرًا عَظِيمًا﴾ اجر بہت بڑا۔ ایک بات اور ﴿وَلَهَدَيْنَاهُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا﴾ اور البتہ ہم ان کو ہدایت دیں گے صراط مستقیم کی، ایمان اور نیکیوں کی برکت سے اللہ تعالیٰ ثابت قدم رکھتا ہے اور سیدھی راہ پر چلاتا ہے، انسان ادھر ادھر بھٹکنے سے محفوظ رہتا ہے مگر شرط یہ کہ جو باتیں اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہیں ان پر عمل کرے۔

آگے فرمایا ﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ﴾ اور جو شخص اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ کی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ﴿قَالَ وَلِيَك مَعَ الَّذِينَ﴾ پس وہ لوگ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے ﴿أَن نَّمَّ اللَّهُ عَلَيْهِمْ﴾ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے۔ وہ کون لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے؟ آگے ان کا ذکر ہے ﴿مِن النَّبِيِّينَ﴾ اللہ تعالیٰ کے نبی۔ سب سے بڑا انعام اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں پر ہے کہ ان کو نبوت اور رسالت عطا فرمائی۔ لوگوں کی اصلاح کے لیے ان کو منتخب فرمایا۔ ان کی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری میں گزری اور اللہ تعالیٰ کی جو معرفت ان کو حاصل ہوئی وہ کسی کو نہیں ہے۔ اسی لیے ہمارا عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک نیکی اور صرف ایک عبادت ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دو اور ساری اُمت کی ساری نیکیاں ترازو کے

دوسرے پلڑے میں رکھ دو آپ ﷺ کی ایک نیکی وزنی اور بھاری ہے۔ آپ ﷺ کی ایک نماز ترازو کے ایک پلڑے میں اور ساری اُمت کی نمازیں دوسرے پلڑے میں رکھ دو تو آپ ﷺ کی ایک نماز تمام سے بھاری اور وزنی ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ کا ایک روزہ ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دو اور ساری اُمت کے سارے روزے دوسرے پلڑے میں رکھ دو تو آپ ﷺ کا ایک روزہ تمام اُمت کے روزوں سے بھاری اور وزنی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کے عمل میں جو اخلاص اور لٹہیت ہے وہ کسی اور کے عمل میں نہیں ہو سکتی۔ پیغمبر تو خیر بہت بلند ذات ہے۔

بخاری اور مسلم شریف میں روایت ہے آنحضرت ﷺ نے اُمت کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اُمتی اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر دے اور میرا کوئی صحابی ایک مد خرچ کر دے اور نصف مد کے لفظ بھی آتے ہیں، مد پندرہ چھٹانک کا ہوتا ہے، تو نصف مد ساڑھے سات چھٹانک کا ہوا۔ یعنی تم اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرو اور میرا صحابی ایک مد یا نصف مد جو، باجرہ، مکئی یا کوئی جنس خرچ کرے تو تم میرے صحابی کی ساڑھے سات چھٹانک کو نہیں پہنچ سکتے۔ اندازہ کریں کہاں سونا اور کہاں جوار، مکئی اور سونا بھی اُحد پہاڑ کے برابر۔ جن لوگوں نے حج یا عمرہ کیا ہے ان کو معلوم ہے کہ اُحد پہاڑ کتنا بڑا پہاڑ ہے اور جن لوگوں نے حج عمرہ نہیں کیا ان کو اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل و کرم سے حج عمرہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین) اور جا کے دیکھیں کہ اُحد پہاڑ بہت بڑا ہے۔ اس سے اندازہ لگاؤ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کتنا بڑا مقام ہے۔

روافض کارو

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سارے کے سارے اور تمام اہل بیت عظام ہمارے ایمان کا مدار ہیں ہم ان میں تقسیم نہیں کرتے ہم سب کو مانتے ہیں۔ زیادتی ان لوگوں کی ہے جو تقسیم کرتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حضرت علی، حضرت حسن، حضرت حسین، امام زین العابدین رضی اللہ عنہم وغیرہ سب کو مانتے ہیں اور ان کی قدر کرتے ہیں اور وہ ہمارے بزرگوں کو نہیں مانتے۔ پھر ضد کس کی ہوئی؟

بھائی! سیدھی سادی بات ہے کہ ایک فریق سب کو مانتا ہے، صحابہ کرام اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کو بھی اور دوسرا فریق حصے کرتا ہے، کسی کو مانتا ہے اور کسی کو نہیں مانتا تو غلط کون ہوا؟ فساد برپا کرنے والا کون ہوا؟ میں آپ حضرات سے پوچھتا ہوں کہ کوئی سنی ایسا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہ مانتا ہو، حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو نہ مانتا ہو، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نہ مانتا ہو، یا اہل بیت رضی اللہ عنہم کے کسی فرد کو نہ مانتا ہو، ان کی قدر نہ کرتا ہو۔ ہم تو ان سب کو اپنی آنکھوں کا تارا سمجھتے ہیں، زیادتی تو ان لوگوں کی ہے کہ اولاً بھی کافر، دوم بھی کافر، سوم بھی کافر، ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی کافر، عمر رضی اللہ عنہ بھی کافر، عثمان رضی اللہ عنہ بھی کافر (معاذ اللہ تعالیٰ)۔ یہ لوگ زیادتی کرتے ہیں اور تفرقہ پھیلاتے ہیں، ہمارے سب بزرگ ہیں، ہم سب کی قدر کرتے ہیں۔

تو جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے ان میں پہلے درجے میں انبیائے کرام رضی اللہ عنہم، دوسرے درجے میں صدیقین

ہیں۔ اس لیے فرمایا ﴿وَالصَّادِقِينَ﴾ اور صدیق ہیں ﴿وَالْقَهَّادَ﴾ اور شہید ہیں جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہونے والے ہیں ﴿وَالضَّالِّحِينَ﴾ اور نیک ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والوں کو ان کا ساتھ نصیب ہوگا ﴿وَحَسَنَ أَوْلِيَّكَ رَافِقًا﴾ اور اچھا ہے ان لوگوں کی رفاقت حاصل کرنا۔ یعنی ان لوگوں کی رفاقت حاصل ہو جائے تو بہت اچھی بات ہے۔

یہ مطلب نہیں ہے جس طرح مرزائی کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا وہ ان لوگوں کا ساتھی ہو جائے گا۔ یعنی نبی بن جائے گا، صدیق بن جائے گا، شہید بن جائے گا، ولی بن جائے گا۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔

دیکھو! ترمذی شریف اور مسند احمد میں حدیث آتی ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: التَّاجِرُ الضُّدُوقِيُّ الْأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّينَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ”کہ جو تاجر سچا ہے اور امانت دار ہے قیامت والے دن نبیوں کے ساتھ ہوگا۔“ تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ تاجر نبی بن گیا؟ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہوں گے وہاں ایسے تاجر کو آنے جانے کی اجازت ہوگی، کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ باقی جنت میں انبیائے کرام علیہم السلام کو جو مقام حاصل ہوگا وہ کسی اور کو نہیں مل سکتا۔ یہ جو اذان کے بعد دعا ہے اَللّٰهُمَّ رَبِّ هَذِهِ الدُّعْوَاتِ اِلٰى آخِرِهَا۔ اس میں وسیلہ کا لفظ آتا ہے۔ اس کے متعلق آنحضرت ﷺ سے سوال کیا گیا کہ حضرت! وسیلہ کیا ہے؟ مسلم شریف میں روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں ایک کونھی ہے ایسی کہ اس سے بہتر کوئی کونھی جنت میں نہیں ہے، وہ کونھی اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صرف ایک بندے کو نصیب ہوگی۔ فرمایا وہ بندہ میں ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ جو اطاعت کرے گا اس کو آنحضرت ﷺ کی طرح کونھی مل جائے گی۔ ﴿مَعَ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی مجلس میں جانے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی جب چاہے ملاقات کرے گا، جب چاہے گادیدار کرے گا۔ ﴿ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل ہے ﴿وَكَفَىٰ بِاللّٰهِ عَلِيمًا﴾ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا۔ وہ تمہارے ظاہر کو، باطن کو، نیتوں کو، کردار کو خوب جانتا ہے۔



﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ جو ایمان لائے ہو ﴿خُذُوا حِذْرًا كَمَا كُنْتُمْ﴾ لے لو اپنے بچاؤ کا سامان ﴿فَأَنْفِرُوا﴾ پس کوچ کرو ﴿فُتَبَاتٍ﴾ گروہ درگروہ ﴿أَوْ أَنْفِرُوا﴾ یا کوچ کرو ﴿جَمِيعًا﴾ اکٹھے ﴿وَإِنْ مِنْكُمْ﴾ اور بے شک تم میں سے کچھ ﴿لَمَنْ﴾ وہ ہیں ﴿لَيَبْتَغِينَ﴾ البتہ جو تاخیر کرتے ہیں ﴿فَإِنْ أَصَابَكُمْ﴾ پس اگر پہنچے تمہیں ﴿مُصِيبَةٌ﴾ کوئی مصیبت ﴿قَالَ﴾ کہتے ہیں ﴿قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيَّ﴾ تحقیق اللہ نے مجھ پر انعام کیا ہے ﴿إِذْ لَمْ أَكُنْ مِنْ مَعَهُمْ﴾ جب کہ نہیں تھا ان کے ساتھ ﴿شَهِيدًا﴾ حاضر ﴿وَلَيْنِ أَصَابَكُمْ﴾ اور اگر پہنچتا ہے تمہیں

﴿فَضْلٌ مِّنَ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی فضل ﴿لِيَقُولَنَّ﴾ البتہ ضرور کہتا ہے ﴿كَأَن لَّمْ تَكُنْ﴾ گویا کہ نہیں ہے ﴿بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ﴾ تمہارے اور اس کے درمیان ﴿مَوَدَّةٌ﴾ دوستی (کہتا ہے) ﴿يَلْبِسْتَنِي﴾ کاش کہ میں ﴿كُنْتُ﴾ ہوتا ﴿مَعَهُمْ﴾ ان کے ساتھ ﴿فَأَفُوزُ﴾ تو میں بھی کامیابی حاصل کرتا ﴿فَوَنُرَاعِظِيكُمْ﴾ کامیابی بڑی ﴿فَلْيُقَاتِلْ﴾ پس چاہیے کہ لڑیں ﴿فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿الَّذِينَ﴾ وہ لوگ ﴿يَشْرُونَ﴾ الحَيٰوةَ الدُّنْيَا جو بیچتے ہیں دنیا کی زندگی کو ﴿بِالْآخِرَةِ﴾ آخرت کے بدلے میں ﴿وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ اور جو لڑے گا اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿فَيُقْتَلْ﴾ پس وہ قتل کیا جائے گا ﴿أَوْ يُغْلَبْ﴾ یا غالب آئے گا ﴿فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ﴾ پس عنقریب ہم دیں گے اس کو ﴿أَجْرًا عَظِيمًا﴾ اجر بہت بڑا ﴿وَمَا لَكُمْ﴾ اور تمہیں کیا ہو گیا ہے ﴿لَا تُقَاتِلُونَ﴾ تم نہیں لڑتے ﴿فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ﴿وَالسَّيْفَيْنِ﴾ اور کمزور ﴿وَمِنَ الرِّجَالِ﴾ مردوں کی حمایت میں ﴿وَالنِّسَاءِ﴾ اور عورتوں کی حمایت میں ﴿وَالْوِلْدَانِ﴾ اور بچوں کی خاطر ﴿الَّذِينَ﴾ جو ﴿يَقُولُونَ﴾ کہتے ہیں ﴿رَبَّنَا﴾ اے ہمارے پروردگار! ﴿أَخْرِجْنَا﴾ نکال ہمیں ﴿مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا﴾ اس بستی سے کہ اس کے رہنے والے ظالم لوگ ہیں ﴿وَاجْعَلْ لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا﴾ اور بنا دے ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی حمایتی ﴿وَاجْعَلْ لَّنَا﴾ اور بنا ہمارے لیے ﴿مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا﴾ اپنی طرف سے مدد کرنے والا ﴿الَّذِينَ﴾ وہ لوگ ﴿آمَنُوا﴾ جو ایمان لائے ﴿يُقَاتِلُونَ﴾ لڑتے ہیں ﴿فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا﴾ اور وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿يُقَاتِلُونَ﴾ لڑتے ہیں ﴿فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ﴾ طاغوت کی راہ میں ﴿فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطٰنِ﴾ پس لڑو تم شیطان کے حمایتیوں سے ﴿إِنَّ﴾ بے شک ﴿كَيْدَ الشَّيْطٰنِ﴾ شیطان کی تدبیر ﴿كَانَ ضَعِيفًا﴾ ہے کمزور۔

حفاظتِ جان کی تاکید

اس سے قبل چار طبقوں کی معیت کا ذکر ہوا تھا کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا اس کو نبیوں کی، صدیقین کی، شہداء کی اور صالحین کی معیت اور ساتھ حاصل ہوگا۔ چوں کہ شہیدوں کا بھی ذکر تھا، لہذا آگے جہاد کا بیان ہے۔ ارشادِ جہانی ہے ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿خُذُوْا حِذْرًا كُمْ﴾ لے لو اپنے بچاؤ کا سامان۔ یعنی دشمن کے مقابلے میں اپنی پوزیشن مضبوط کرو اور اپنے بچاؤ اور حفاظت کا ایسا طریقہ اختیار کرو کہ دشمن کی زد میں نہ آؤ۔ یہ آیات اگرچہ جہاد کے متعلق ہیں مگر مومن مرد ہو یا عورت، ان کے لیے شرعاً حکم ہے کہ جہاد کی حالت کے علاوہ بھی

اپنی جان کی حفاظت کرے۔ یہ جان کسی کی ذاتی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے اور ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اور امانت کی حفاظت ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خودکشی حرام ہے اور خودکشی کرنے والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے اپنی جان ضائع کی ہے کسی کا میں نے کوئی نقصان نہیں کیا۔ بھائی! یہ جان تیری نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی امانت ہے جب میدانِ جہاد میں اللہ تعالیٰ کے دشمن کے مقابلے میں ہو، لڑائی جاری ہو تو پیٹھ پھیرنا حرام ہے۔ لڑنا ہے اپنا تحفظ کر کے اور عام حالات میں بلاوجہ جان ضائع کرنا حرام ہے۔

چند فقہی مسائل

اس سلسلے میں فقہی طور پر چند مسائل سمجھ لیں۔ سخت سردی کا موسم ہے اور آدمی کو سردی سے بچاؤ کی طاقت بھی حاصل ہے۔ مثلاً: گرم لباس پہننے کی، گرم جگہ میں رہنے کی، مگر سستی کرتا ہے اور سردی سے بچتا نہیں ہے اور اس کو بخار ہو جاتا ہے، نمونیا ہو جاتا ہے یا کوئی تکلیف ہو جاتی ہے تو یہ بیمار بھی ہوگا اور گنہگار بھی ہوگا۔ اس لیے کہ اس نے رب تعالیٰ کی امانت کی حفاظت نہیں کی۔ اسی طرح سخت گرمی ہے اور یہ گرمی سے بچنے کی طاقت رکھتا ہے مگر کوشش نہیں کرتا، تکلیف ہو گئی ہے، تو گنہگار ہوگا۔ اس لیے کہ اس نے رب تعالیٰ کی امانت کی حفاظت نہیں کی۔ اسی طرح اگر کوئی مرد یا عورت بوڑھا یا جوان سڑک کر اس کرنا چاہتا ہے تو اسے اچھی طرح دیکھ کر گزرنا چاہیے تاکہ وہ بس وغیرہ کے نیچے نہ آجائے اگر بے احتیاطی سے گزرا اور کسی شے کے نیچے آ کر مر گیا تو یہ گنہگار ہے۔

اسی طرح اگر کوئی مرد یا عورت ضرورت سے زیادہ جان بوجھ کر کھالے کہ جس کو ہضم نہ کر سکیں اور بد ہضمی ہو جائے، تکلیف ہو جائے تو یہ گنہگار ہے کہ اس نے رب تعالیٰ کی امانت میں خیانت کی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اتنا تھوڑا کھاتا ہے کہ اٹھ بیٹھ نہیں سکتا، نماز نہیں پڑھ سکتا، روزہ نہیں رکھ سکتا تو یہ گنہگار ہے۔ اس کو اتنا کھانا چاہیے کہ جس سے جسم کی قوت برقرار رہے اور یہ نماز پڑھ سکے اور روزہ رکھ سکے اور جس طرح جان کی حفاظت ضروری ہے اسی طرح سامان اور مال کی بھی حفاظت ضروری ہے۔ شریعت نے ہر طرح کی ہدایات دی ہیں۔ عورتیں گھروں میں اپنا سامان رکھتی ہیں۔ مثلاً: زیور ہے، رقم ہے یا اور کوئی قیمتی چیز ہے تو اس کو حفاظت سے سنبھال کر رکھیں اور بچوں کو بھی نہ دکھائیں۔ کیونکہ بچوں کی بھی طبائع مختلف ہوتی ہیں، اگر بے احتیاطی کی وجہ سے نقصان ہو گیا تو نقصان الگ اور گناہ الگ۔ اس لیے کہ اس نے اپنی چیز کی حفاظت نہیں کی اور کھلے طور پر زیور رکھنا، گھڑی رکھنا یا کوئی قیمتی چیز رکھنا کہ جس کو آنے جانے والی عورتیں دیکھیں یا بچے دیکھیں اپنے یا غیر، یہ سخت گناہ ہے اور عورتیں پروا نہیں کرتیں پھر جب چیز ضائع ہو جاتی ہے تو ہر ایک پر شک کرتی ہیں اور الزام لگاتی ہیں کہ فلاں آیا تھا اور فلاں آئی تھی۔ اس طرح شک کرنا اور الزام لگانا بھی گناہ ہے۔ اس کے بعد بعض عورتیں فال نکلوانے کے لیے جاتی ہیں کہ میری فلاں چیز گم ہو گئی ہے، بتاؤ! کہاں ہے؟

فال نکلوانے کا حکم

تو فال کے متعلق بھی مسئلہ سمجھ لو۔ ترمذی شریف اور ابوداؤد شریف دونوں حدیث کی کتابیں ہیں، ان میں حدیث ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: مَنْ أَلَى كَاهِنًا "جو مرد یا عورت فال نکلانے والے کے پاس گیا فَصَدَّقَهُ اور اس کی باتوں کی تصدیق کی فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ پس تحقیق اس نے کفر کیا اس چیز کا جو محمد ﷺ پر نازل کی گئی ہے۔" یعنی وہ مرد بھی اور عورت بھی از روئے شرع کافر ہو گئے اور نکاح ٹوٹ گیا۔ اگر دوبارہ کلمہ پڑھ کر دوبارہ نکاح نہ کیا تو اولاد ولد الزنا ہوگی۔ لہذا فالیں نکلوانا حرام ہے اور مسلم شریف میں حدیث آتی ہے اگر کسی نے فال نکلوائی اور اس کی باتوں کی تصدیق کی، نہ فقط دل لگی کے طور پر ایسا کیا کہ دیکھو! کیا کہتا ہے تو ایسا کرنے سے چالیس دن کی نمازوں اور روزوں کا اجر ضائع ہو جائے گا۔ لہذا یہ مسئلہ اچھی طرح سمجھیں، خصوصاً عورتیں۔

اور جو کام کرنے کا ہے وہ کرو کہ اپنی چیز کی حفاظت کرو۔ جس طرح دوسرے سامان کی حفاظت کرتی ہے اسی طرح جب مسجد میں آؤ تو اپنے جوتوں کی بھی حفاظت کرو، اگر حفاظت نہ کی اور چوری ہو گئی تو جوتی بھی گئی اور گناہ بھی لکھا گیا۔ دیکھو! میرا جوتا کافی پرانا ہے کئی سال ہو گئے ہیں بنوائے ہوئے اس کو، جو لے جائے گا بڑا بے وقوف ہوگا لیکن میں اس کی بھی حفاظت کرتا ہوں محض اس لیے کہ حکم ہے۔

چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے: اجْعَلْ نَعْلَيْكَ تَحْتِ عَيْنَيْكَ "اپنی جوتیاں آنکھوں کے سامنے رکھنا یعنی ان کی حفاظت کرنا۔" اسی طرح کھبل، چادر، وغیرہ کوئی بھی قیمتی شے ہے، اس کی حفاظت کرو۔ بعضے غافل قسم کے نمازی وضو کرتے وقت گھڑی اتار کر رکھ دیتے ہیں، عینک اتار کر رکھ دیتے ہیں پھر جب کوئی اٹھا کر لے جائے تو تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ تو فرمایا ﴿خُذُوا جُدْرًا كُمْ﴾ اپنے بچاؤ کا سامان لے لو۔ اپنی جان بچاؤ، مال کی حفاظت کرو، عزت کی حفاظت کرو۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس وقت تم گھر میں داخل ہو تو دروازہ بند کر دو۔ کھلا ہوگا تو کتا، بلا اندر آ جائے گا۔ شریعت نے تمام چیزیں تفصیلاً بیان فرمائی ہیں تاکہ تمہیں کسی بھی مرحلے میں تکلیف نہ پہنچے۔

فرمایا ﴿فَانْفِرُوا الْبَابَ اَوْ اَنْفِرُوا جَانِبَهُ﴾ پس کوچ کر دو گر وہ درگروہ اکٹھے فُتَات، فُتَاتُہ کی جمع ہے اور ثبوتہ کا معنی ہے گر وہ۔ یہ تمہاری صواب دید پر موقوف ہے تمہارا کمانڈر جس طرح حکم دے اس طرح کرو۔ اگر وہ کہے کہ تھوڑے تھوڑے جاؤ تو تھوڑے تھوڑے جاؤ جس طرح فوجی دستے جاتے ہیں اور اگر وہ کہے کہ اکٹھے جاؤ تو اکٹھے جاؤ۔ ﴿وَ اِنْ مَنَّكُمْ﴾ اور بے شک تم میں سے کچھ ﴿كُنْ﴾ البتہ وہ ہیں ﴿لَيَبْطَلُنَّ﴾ البتہ جو تاخیر کرتے ہیں، لیٹ ہوتے ہیں، یہ منافقوں کی بات ہے۔ اسی لیے ﴿مَنْ لَمْ﴾ فرمایا۔ کیونکہ کلمہ تو وہ بھی پڑھتے تھے، نمازیں بھی پڑھتے تھے، اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتے تھے، مگر جب جہاد کا موقع آتا تھا مال مثل کرتے تھے کہ کسی طرح ہماری جان بچ جائے۔

﴿وَاِنْ اَصَابَكُمْ مُوَيْبَةٌ﴾ پس اگر پہنچے تمہیں کوئی مصیبت یا تم میں سے کچھ شہید ہو جائیں یا زخمی ہو جائیں یا شکست

ہو جائے ﴿قَالَ﴾ تو منافق کہتا ہے ﴿قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيَّ﴾ تحقیق اللہ تعالیٰ نے مجھ پر انعام کیا ہے۔ کس طرح؟ ﴿إِذْ لَمْ أَلْمَأَنَّ مَعَهُمْ شَيْئًا﴾ جب کہ نہیں تھا میں ان کے ساتھ حاضر۔ کیونکہ میں ساتھ ہوتا تو میں بھی مارا جاتا ﴿وَلَيْنَ أَصَابَكُمْ قَضَلٌ مِنَ اللَّهِ﴾ اور اگر پہنچتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی فضل یعنی فتح حاصل ہوتی ہے، مال غنیمت ملتا ہے تو پھر ﴿لَيَعُوذَنَّ﴾ البتہ ضرور کہتا ہے ﴿كَانَ لَكُمْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ﴾ گویا کہ نہیں ہے تمہارے اور اس کے درمیان دوستی۔ بے باک اور بے حیا ہو کر کہے گا ﴿يَلِيْتَنِي كُنْتُ مَعَهُمْ﴾ کاش کہ میں ہوتا ان کے ساتھ ﴿فَأَفُوزُ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ تو میں بھی کامیابی حاصل کرتا، کامیابی بڑی۔

یعنی جب مسلمانوں کو فتح نصیب ہوتی ہے، مال غنیمت ہاتھ آتا ہے تو پھر کہتا ہے کاش! میں بھی ساتھ ہوتا تو لالچ چیزوں میں شریک ہوتا۔ تو ایسے لوگ بھی تھے اور ہیں کہ بظاہر کلمہ پڑھتے ہیں، مگر ہیں منافق۔ ﴿فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ پس چاہیے کہ لڑیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿الَّذِينَ يَشْرُونَ﴾ وہ لوگ جو بیچتے ہیں ﴿الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ﴾ دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے میں۔ یہاں ﴿يَشْرُونَ﴾ کا معنی بیچنا ہے۔ تو جو دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے بیچتے ہیں ان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑیں۔

فرضیت جہاد کی تفصیل

یاد رکھنا! اگر جہاد نہ ہوتا تو مسلمانوں پر بہت سارے زوال آتے، کافروں کی ہمت بڑھ جاتی اور ان کے خیالات اور سے اور ہو جاتے۔ لہذا اپنا دفاع نہ کیا جائے تو پھر کچھ بھی نہیں ہے اور جہاد اپنے ملک میں ہو تو فرض ہے۔ مثلاً: ہندوستان یا اور کوئی ہمارے ملک پر حملہ کر دے تو فرض عین ہو جائے گا اور جب فرض عین ہو جائے تو پھر کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ حتیٰ کہ اولاد کو ماں باپ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ جس طرح نماز فرض عین ہے، روزہ فرض عین ہے۔ لہذا ان چیزوں میں آدمی کسی سے اجازت لینے کا پابند نہیں ہے کہ یہ کام وہ ماں باپ سے پوچھ کر کرے یا عورت اپنے خاوند سے پوچھ کر کرے، بالکل نہیں۔ مسلمان مرد عورت جب عاقل بالغ ہو، اس پر نماز روزہ فرض ہے، از خود کرے۔

اور عام حالات میں اگر ملک سے باہر ہو تو فرض کفایہ ہے۔ جیسے: کشمیر ہے، عراق ہے، یا افغانستان وغیرہ ممالک میں ہو اور فرض کفایہ کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت جہاد کر رہی ہے تو یہ دوسری کی طرف سے کفایت ہے، باقی گنہگار نہیں ہوں گے۔ جس طرح تبلیغ فرض کفایہ ہے۔ چوتھے پارے میں آتا ہے ﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ﴾ اور چاہیے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو جو لوگوں کو خیر اور بھلائی کی طرف دعوت دے۔ اور اگر کسی علاقے میں کوئی بھی تبلیغ نہیں کرے گا تو سارے گنہگار ہوں گے۔

تو جہاد کی بات ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ اور جو لڑے گا اللہ تعالیٰ کی راہ میں

﴿فَيُقْتَل﴾ پس وہ قتل کیا جائے گا یعنی شہید ہوگا اور ﴿أَوْ يُغْلَب﴾ یا غالب آئے گا ﴿فَسَوْفَ لَأُجْزَا عَظِيمًا﴾ پس عنقریب ہم دیں گے اس کو اجر بہت بڑا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جنت میں سو سو منزلہ مکان ہوں گے اور جو شہداء ہیں وہ آخری منزل پر ہوں گے۔ جو لوگ چار پائی پر فوت ہوئے ہیں وہ شہید کے درجے کو دیکھ کر آرزو کریں گے لَوْ أَنَّ أَبَدَانَهُمْ قُرِصَتْ بِالْبَقَارِ يُض "کاش! کہ ان کے بدنوں کو قینچیوں کے ساتھ کاٹ دیا جاتا۔" اور آج ہمیں بھی یہ مرتبہ اور مقام مل جاتا۔ شہید کا مقام بہت بلند ہے۔

اور مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهِ نَفْسَهُ مَاتَ مَيْتَةً جَاهِلِيَّةً "جس آدمی کی موت اس حالت میں ہوئی کہ نہ تو اس نے جہاد کیا اور نہ جہاد کی نیت کی تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا، مردار موت مرا۔" اور ایک روایت میں ہے عَلِيٌّ شُعْبَةُ بْنُ نَفَاقٍ "کہ وہ منافقت پر مرے گا۔" اور ساتھ خوش خبری بھی سنائی کہ جس شخص نے پختہ ارادہ کیا کہ اگر میری زندگی میں جہاد شروع ہو تو میں ضرور جہاد کروں گا، ان شاء اللہ تعالیٰ! فرمایا ایسا شخص چاہے طبعی موت بھی مرے بَلَّغَهُ مَنَازِلَ الشَّهَادَةِ "اللہ تعالیٰ اس کو شہید کے درجوں تک پہنچائے گا۔" کیونکہ اس نے نیت کر لی ہے اور اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔ لہذا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ نیت کرے کہ جہاد شروع ہوا تو میں ضرور اس میں شرکت کروں گا۔

جہاد کی اقسام اور ترغیب جہاد

اور یہ بات بھی سمجھ لیں کہ جہاد کا صرف یہی معنی نہیں ہے کہ آدمی تلوار اور بندوق کے ساتھ لڑے بلکہ جہاد کے کئی شعبے ہیں۔ جو شخص مجاہدین کے ساتھ تعاون کرتا ہے، اسلحہ دیتا ہے، خوراک اور پوشاک کا انتظام کرتا ہے، وہ بھی مجاہد ہے اور جہاد میں شریک ہے۔ اور اس طرح عورتیں بھی جہاد میں شریک ہو سکتی ہیں کہ وہ مجاہدوں کے ساتھ مالی معاونت کریں، ان کی امداد کریں۔ حدیث پاک میں آتا ہے: ((جَاهِدُوا الْمُشْرِكِينَ بِأَنْفُسِكُمْ وَأَلْسِنَتِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ)) "کہ تم مشرکوں کے خلاف جہاد کرو اپنی جانوں کے ساتھ، زبانوں کے ساتھ اور مالوں کے ساتھ۔" کلمہ حق کہنا زبانی جہاد ہے۔ جو عورت گھر میں حق کی بات کرے، تبلیغ کرے، یہ مجاہدہ ہے۔ مجاہدوں کو رقم دے، یہ بھی مجاہدہ ہے۔ تلوار کا جہاد تو ایک طبقہ کرے گا اس کے جتنے معاونین ہوں گے وہ سارے جہاد میں شریک ہیں۔ آگے اللہ تعالیٰ نے جہاد کی ترغیب دی ہے۔

فرمایا ﴿وَمَا لَكُمْ﴾ اور تمہیں کیا ہو گیا ہے اے ایمان والو! ﴿لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ تم نہیں لڑتے اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿وَالنِّسَاءُ مِنَ الرِّجَالِ وَالْوَالِدَانُ﴾ اور کمزور مردوں کی حمایت میں، عورتوں کی حمایت میں اور بچوں کی حمایت میں کیوں نہیں لڑتے ﴿الَّذِينَ يَقُولُونَ﴾ جو کہتے ہیں ﴿سَاءَ مَا كَرَّمْنَا﴾ اے پروردگار! نکال ہمیں ﴿مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ﴾ الظالم اقلہا اس بستی سے کہ اس کے رہنے والے ظالم لوگ ہیں۔ جیسا کہ اس وقت کشمیر میں اسلام کی بیٹیاں پکار رہی ہیں اور

عراق میں، افغانستان میں، اے مسلمانو! ہماری عزت و آبرو ضائع ہو رہی ہے۔ بوڑھے آہ و زاری کر رہے ہیں، بچے واویلا کر رہے ہیں، عورتیں پکار رہی ہیں کہ ہمارے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔ اے مسلمانو! تم کیوں نہیں لڑتے؟

ایک وقت تھا کہ تاجروں کا ایک وفد سبیلہ کے مقام پر کشتی سے اُترا۔ سندھ کے ڈاکوؤں نے ایک مسلمان عورت اغوا کر لی۔ اس عورت نے آواز لگائی یَا أَهْلَ الْإِسْلَامِ! ”اے مسلمانو! میں کافروں کے قبضے میں ہوں۔“ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ ہوا کے ذریعہ اس کی آواز مرکز میں پہنچ گئی اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ کوئی بعید بات نہیں ہے اور ایک روایت کے مطابق زمینی راستہ سے اس کی آواز پہنچی۔ اس وقت حجاج بن یوسف کا بھتیجا محمد بن قاسم سترہ سال کا نوجوان تھا اس کو چھ ہزار فوج دے کر بھیجا گیا۔ جب تک اس نے مسلمان عورت کافروں سے رہا نہیں کرائی تب تک اس کو چین نہیں آیا۔ فقہائے کرام رضی اللہ عنہم نے لکھا ہے کہ: **إِمْرَأَةٌ سُيِّمَتْ فِي الْمَشْرِقِ وَجَبَّتْ عَلَى أَهْلِ الْمَغْرِبِ أَنْ يُغْلِصُوهَا** ”کوئی مسلمان عورت مشرق کے آخری کونے میں کافروں کے قبضہ میں ہو تو مغرب کی طرف رہنے والوں پر فرض ہے کہ وہ اس کو رہا کرائیں۔“

آج ہم سارے مسلمان خصوصاً اسلامی حکومتیں انتہائی بے غیرت ہو چکی ہیں۔ کیونکہ امریکہ بہادر نے جن جن کران پر حکمران مسلط کیے ہیں جو اس کے پٹھو ہیں۔ سوائے چند ملکوں کے جو اس کے بچے میں نہیں آئے۔ تو اس کے منتخب حکمران اسلام کو برداشت نہیں کرتے۔ امریکہ نے مسلمانوں کو تباہ کرنے کے منصوبہ کی تیرہ شقیں بنائی ہیں کہ تیرہ شقوں میں مسلمانوں کو تباہ کرنا ہے کہ مسلمان مسلمان نہ رہیں اور کسی بھی علاقے میں اسلام پھیلے تو اس کو کچل دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کے شر سے عالم اسلام کو محفوظ فرمائے۔

کمزور مرد، عورتیں، مسلمان اور بچے کہتے ہیں اے پروردگار! ﴿وَجْعَلْ لَنَا﴾ اور بنادے ہمارے لیے ﴿وَمِنْ لَدُنْكَ دَلِيلًا﴾ اپنی طرف سے کوئی حمایتی ﴿وَجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا﴾ اور بنادے ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی مدد کرنے والا۔ مسلمانوں کو احساس کرنا چاہیے کہ وہ مظلوم ہو کر دعائیں کرتے ہیں اور تم اپنی خواہشات میں مست ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿الَّذِينَ آمَنُوا﴾ وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ وہ لڑتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا﴾ اور وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ﴾ وہ لڑتے ہیں طاغوت کی راہ میں ﴿فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ﴾ پس لڑو تم شیطان کے حمایتیوں سے۔ یاد رکھنا! **الْكُفْرُ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ** ”کفر ایک ہی ملت ہے۔“ چاہے کسی شکل اور رنگ میں ہوں، سب شیطان کے ساتھی ہیں ان سے لڑو۔

فرمایا ﴿إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا﴾ بے شک شیطان کی تدبیر ہے کمزور۔ زب تعالیٰ کے مقابلہ میں کس کی تدبیر چل سکتی ہے؟ اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ ہمارے دل میں بھی یہ خیال پیدا ہو جائے۔ [آمین]



﴿اَلَمْ تَرَ﴾ کیا نہیں دیکھا تو نے ﴿اِلَى الَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کی طرف ﴿قِيْلَ لَهُمْ﴾ جن کو کہا گیا ﴿كَلِّمُوا اَيُّدِيَكُمْ﴾ روکوا اپنے ہاتھوں کو ﴿وَأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ اور قائم کرو نماز کو ﴿وَآتُوا الزَّكٰوةَ﴾ اور دو تم زکوٰۃ ﴿فَلَمَّا﴾ پس جو وقت ﴿كَلِمَتٍ﴾ لکھا گیا، فرض کیا گیا ﴿عَلَيْهِمْ﴾ ان پر ﴿الْقِتَالِ﴾ لڑنا ﴿اِذَا قَرِئْتَ مِنْهُمْ﴾ اچانک ان میں سے ایک گروہ ﴿يَخْشَوْنَ النَّاسَ﴾ ڈرنے لگا لوگوں سے ﴿كَخَشِيَةِ اللّٰهِ﴾ جیسا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے ﴿اَوْ اَشَدَّ خَشِيَةً﴾ یا اس سے بھی زیادہ سخت ڈرنا ﴿وَقَالُوْا﴾ اور کہا انہوں نے ﴿رَبَّنَا﴾ اے ہمارے پروردگار! ﴿لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ﴾ کیوں لکھا تو نے ہم پر لڑنا ﴿لَوْلَا اَخَّرْتَنَا﴾ کیوں نہ تو نے مہلت دی ہمیں ﴿اِلٰى اَجَلٍ قَرِيْبٍ﴾ قریب تھوڑی مدت تک ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿مَتَاعَ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ﴾ دنیا کا فائدہ بہت تھوڑا ہے ﴿وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ﴾ اور آخرت بہت بہتر ہے ﴿لِيُنْزِلَ عَلَيْنَا﴾ اس شخص کے لیے جو ڈرتا ہے ﴿وَلَا تظَلُمُوْنَ﴾ اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿فَتِيْلًا﴾ دھاگے برابر بھی ﴿اَيُّنَّ مَا تَكُوْنُوْنَ﴾ جہاں بھی تم ہو گے ﴿يُدْرِي مَا كُنْتُمْ النَّوْتُ﴾ پالے گی تمہیں موت ﴿وَلَوْ كُنْتُمْ﴾ اور اگر چہ ہو تم ﴿فِي بُرُوجٍ مُّشِيْدَةٍ﴾ ایسے قلعوں میں جو چونا گچ (مضبوط) ہیں ﴿وَاِنْ تُصِيبْكُمْ حَسَنَةٌ﴾ اور اگر پہنچے ان کو کوئی بھلائی اور راحت ﴿يَقُوْلُوْا هٰذِهِ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ﴿وَاِنْ تُصِيبْكُمْ سَيِّئَةٌ﴾ اور اگر پہنچے ان کو کوئی تکلیف ﴿يَقُوْلُوْا﴾ کہتے ہیں ﴿هٰذِهِ مِنْ عِنْدِكَ﴾ اے نبی! یہ تیری طرف سے ہے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿كُلُّ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ﴿فَمَالِ﴾ پس کیا ہو گیا ﴿هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ﴾ اس قوم کو ﴿لَا يَكَادُوْنَ﴾ نہیں قریب ﴿يَفْقَهُوْنَ﴾ حدیثاً کہ سمجھیں بات کو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت عطا ہونے کے بعد جب تبلیغ شروع فرمائی تو مردوں میں سے سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کلمہ پڑھا اور عورتوں میں سے سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کلمہ پڑھا اور غلاموں میں سے سب سے پہلے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے کلمہ پڑھا اور نابالغ بچوں میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کلمہ پڑھا۔ ابتدائی دنوں میں مشرکین مکہ دیکھتے رہے یہ کیا کرتے ہیں اور کیا کہتے ہیں؟ مگر جب انہوں نے سمجھ لیا کہ لا الہ الا اللہ میں ہمارے سارے معبودوں کا زرد ہے اور اس سے ہمارے عقیدے پر زرد پڑتی ہے تو انہوں نے مخالفت شروع کر دی کیونکہ عقیدہ عقیدہ ہوتا ہے چاہے کسی کا سچا ہو یا جھوٹا ہو۔

قرآن کریم میں آتا ہے کہ ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لِيَسْتَكْبِرُوْا﴾ [الصافات: ۳۵] ان کا حال یہ تھا کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، کوئی حاجت روا نہیں، کوئی مشکل کشا نہیں، کوئی فریادرس نہیں ہے،

کوئی دستگیر نہیں، کوئی قانون ساز نہیں، کوئی حاکم نہیں ہے، صرف اللہ تعالیٰ ہے تو تکبر کرتے، اچھلتے کہ اس نے کیا کہہ دیا ہے، کوئی نہیں ہے، نہ لات ہے، نہ منات ہے، نہ عزلی ہے، نہ ہبل ہے۔ اور قرآن پاک میں یہ بھی آتا ہے، کہنے لگے ﴿أَجْعَلُ الْاِلٰهَةَ الْهٰذَا جَدًا﴾ [سورہ ص: ۵] کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا دیا ہے۔ کہتا ہے کہ ایک ہی دستگیر ہے، ایک ہی حاجت روا ہے، ایک ہی فریاد رس ہے ﴿اِنَّ هٰذَا الشَّقِيْءَ عُجَابًا﴾ [پارہ: ۲۳، سورہ ص] ”یہ تو بڑی عجیب بات ہے جو اس نے کہہ دی ہے۔“ یہاں تک کہ مشرک کھل کر آپ ﷺ کے سامنے آگئے اور کہنے لگے ﴿هٰذَا السَّجْدُ كَذٰبًا﴾ [سورہ ص: ۳] ”یہ جاؤ گے ہے، بڑا جھوٹا ہے۔“ العیاذ باللہ اور معاذ اللہ تعالیٰ کہتے تھے ﴿اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ﴾ [الحجر: ۶] ”تو دیوانہ ہے۔“

اور آپ ﷺ کے جو کمزور ساتھی تھے ان پر ظلم کرنا شروع کر دیا اور جب آنحضرت ﷺ کو اکیلا پاتے تو آپ ﷺ کے ساتھ دست درازی سے بھی باز نہیں آتے تھے۔ چنانچہ ایک موقع پر عقبہ بن ابی معیط (کافر ملعون جو بدر کے موقع پر مارا گیا تھا) نے آنحضرت ﷺ کے کندھے مبارک سے چادر اٹھا کر آپ ﷺ کے گلے میں ڈال کر زور سے مروڑی تاکہ آپ ﷺ کا سانس رک جائے اور یہ قصہ ختم ہو جائے۔ اتنے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور عقبہ بن ابی معیط کو دھک مارا اور کہا: اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَقُوْلَ رَبِّيْ اللّٰهُ ”او ظالمو! اللہ تعالیٰ کے بندے کو اس لیے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب صرف اللہ تعالیٰ ہے۔“ اس موقع پر حضرت حارث بن ابی مالہ رضی اللہ عنہ جو حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پہلے خاوند سے جو ان سال بیٹے تھے، ان کو معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی اس طرح توہین کی ہے اور یہ لوگ آپ ﷺ کے قتل کے ورپے ہیں تو میدان میں نکل آئے اور مشرکوں کو لاکارا۔ چونکہ کافروں کا غلبہ تھا انھوں نے حضرت حارث بن ابی مالہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ مردوں میں پہلے شہید حضرت حارث بن ابی مالہ رضی اللہ عنہ ہیں اور عورتوں میں پہلی شہیدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا ہیں جو کہ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ ہیں، ان کو ابو جہل نے تلک مقام پر برنجھی مار کر شہید کر دیا تھا۔

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب یہ مظالم دیکھتے تھے تو آپ ﷺ سے کہتے کہ حضرت! ہمیں بھی ان کے ساتھ لڑنے کی اجازت دیں جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی کہ مکہ مکرمہ میں جہاد کی اجازت نہ دی گئی۔ تھوڑے سے مسلمان تھے، کعبۃ اللہ کے آس پاس کے محلے سارے کافروں سے بھرے ہوئے تھے، حکمت خداوندی یہ تھی کہ مسلمانوں کو لڑنے کی اجازت نہ دی جائے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَی الْاٰیٰتِ﴾ کیا نہیں دیکھا آپ ﷺ نے ان لوگوں کی طرف ﴿قَتِلْ لٰہُمْ﴾ جن کو کہا گیا ﴿كُلُّوْا اٰیٰتِنَا﴾ روکوا اپنے ہاتھوں کو یعنی لڑو نہ بلکہ ﴿وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوَةَ﴾ اور قائم کرو نماز کو ﴿وَاَتُوا الزَّكٰوٰةَ﴾ اور دو تم زکوٰۃ۔ یہ کس نماز کا حکم تھا؟ اس کو سمجھ لیں کہ جب آنحضرت ﷺ کو جبل نور کی چوٹی پر غار حرا میں نبوت ملی اور حضرت جبرئیل علیہ السلام لے کر تشریف لائے تو احادیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کی چوٹی پر پانی کا چشمہ ظاہر فرما دیا، حضرت

جبریل علیہ السلام نے وضو کیا اور فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح وضو کرنا ہے اور نماز بھی بتائی۔ یہ نماز فرض نہیں تھی کیونکہ نماز فرض ہوئی ہے معراج کی رات۔ اس سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو نمازیں پڑھتے تھے، ایک فجر کی اور ایک عصر کی، بلکہ چاشت کی نماز بھی تھی۔

نماز کا حکم

مطلب یہ ہے کہ نماز کا تصور اور طریقہ پہلی ہی وحی میں بتا دیا گیا تھا اور یاد رکھنا! نماز تمام عبادات میں مقدم ہے۔ یہ نہیں بھی بیٹھی ہیں اور بیٹیاں بھی ان کو یہ مسئلہ اچھی طرح یاد رکھنا چاہیے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب بچے کی عمر سات سال کی ہو جائے لڑکا ہو یا لڑکی مَرُوْهُمْ بِالصَّلٰوَةِ ان کو نماز کا حکم دو۔ اس سے یہ بات بھی سمجھ آگئی ہے کہ سات سال کی عمر سے پہلے بچوں کو نماز یاد ہونی چاہیے۔ کیونکہ نماز آئے گی تو پڑھیں گے۔ تو حکم ہے بڑوں کو کہ چھوٹوں کو نماز کا حکم دیں اگر حکم نہیں دیں گے تو گنہگار ہوں گے۔ اگر باپ حکم نہیں دیتا گنہگار ہے، ماں حکم نہیں دیتی گنہگار ہے، دادا، دادی زندہ ہیں، حکم نہیں دیتے گنہگار ہیں، بڑا بھائی، بڑی بہن ہے، اگر حکم نہیں دیتے گنہگار ہیں۔ گھر میں رہنے والے جتنے بھی بڑے ہیں ان کی ذمہ داری ہے کہ جب بچہ بچی سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز کا حکم دیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿قَوْلًا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا﴾ ”اپنے آپ کو بھی جہنم کی آگ سے بچاؤ اور اپنے گھر والوں کو بھی جہنم کی آگ سے بچاؤ۔“ لہذا اگر بڑے چھوٹوں کو نماز کا حکم نہیں دیں گے تو سب کے سب گنہگار ہوں گے۔ آگے فرمایا: **وَأَضْرَبُوهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِينَ** ”اگر لڑکا لڑکی دس سال کے ہو جائیں اور نماز نہیں پڑھتے تو ان کو مارو۔“ اور کتنا مارتا ہے؟ فقہ کی کتابوں میں موجود ہے کہ اتنا مارو کہ بدن سے خون نکل آئے۔

نماز کا مسئلہ کتنا اہم ہے؟ اس کا اندازہ اس سے لگائیں کہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی بالغ مرد و عورت سے دیدہ دانستہ ایک نماز رہ جائے تو وہ مرد و عورت کافر ہو گئے ہیں ان کا نکاح ٹوٹ گیا اور ان کی سزا قتل ہے، اگر کوئی شرعی عذر نہ ہو۔ اور شرعی عذر یہ ہے کہ سوتے ہوئے نماز کا وقت ختم ہو گیا تو یہ معذور ہے۔ اب قضا کر لے یا بیمار ہے یا سفر میں ہے یا نسیان کا مریض ہے بھول جاتا ہے، یہ شرعی عذر ہیں، ان کے بغیر اگر جان بوجھ کر صرف ایک نماز چھوڑ دے، دو یا پانچ نہیں، تو امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ کافر ہو گیا، نکاح ٹوٹ گیا اور اس کی سزا قتل ہے۔ اس کے ناپاک وجود سے زمین کو پاک کر دو۔

باقی تین امام فرماتے ہیں کہ اگر نماز کا منکر نہیں ہے اور کہتا ہے کہ نماز فرض ہے اور دیدہ دانستہ اس سے نماز رہ گئی ہے تو وہ کافر نہیں ہے مگر گنہگار ہے اور گنہگار کیسے ہے؟ امام مالک رضی اللہ عنہ اور امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس نے اتنا سنگین جرم کیا ہے کہ اب یہ زندہ رہنے کا مستحق نہیں ہے اس کو قتل کر دو کہ زمین اس کے ناپاک وجود کو گوارا نہیں کرتی۔ لیکن یہ سزا تعزیری ہے۔ جس

طرح سعودیہ میں ہیروئین فروشوں کی سزا قتل ہے۔ یہ تعزیراً قتل کرتے ہیں، کافر سمجھ کر قتل نہیں کرتے، مجرم سمجھ کر قتل کرتے ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جن کے ہم مقلد ہیں اور حنفی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اس کو قتل نہ کرو بلکہ جیل میں ڈال دو اور جب تک کھلے طور پر اعلان نہ کرے کہ میں آئندہ کوئی نماز نہیں چھوڑوں گا اور گزشتہ کو تا ہی پر توبہ نہ کرے جیل میں ہی رکھو یہاں تک کہ اس کا جنازہ جیل سے نکلے۔ یہ ساری گفتگو ایک نماز چھوڑنے کی ہورہی ہے پانچ نمازیں چھوڑنے پر نہیں ہورہی۔ اس سے تم اندازہ لگاؤ کہ ایک نماز چھوڑنے کا کتنا بڑا گناہ ہے۔ نماز چھوڑنا تو گناہ ہے ہی، بے وقت نماز پڑھنا بھی گناہ ہے۔

تاخیر سے نماز پڑھنے کا حکم ؟

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ بڑے چوٹی کے محدث گزرے ہیں انھوں نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے ”کتاب الروح“۔ اس میں انھوں نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک بہت بڑے بزرگ تھے، ایک ان کی بیوی تھی، ایک نوجوان لڑکا تھا اور ایک جوان سال لڑکی تھی۔ یعنی مختصر سا گھرانہ تھا اور سارے نمازی پر ہیڑ گارتھے ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَا ذِقْنٍ الْمَوْتِ﴾ موت کا ذائقہ ہر نفس نے چکھنا ہے۔ وہ بزرگ فوت ہو گئے اور چند دنوں کے بعد جوان سال لڑکی بھی فوت ہو گئی۔ لوگوں نے جنازہ پڑھا کر بچی کو دفن کر دیا۔ جب واپس ہونے لگے تو دیکھا کہ بچی کی قبر سے آگ کے شعلے نکلنے شروع ہو گئے۔ سب لوگ حیران ہو گئے کہ بڑے نیک آدمی کی بیٹی تھی قصہ کیا ہوا؟

بیٹا گھر گیا اور تلوار پکڑ کر ماں کے سر پر کھڑا ہو گیا کہ مجھے بتا کہ میری بہن میں عیب کیا تھا؟ والدہ یہ سمجھی کہ چند دن پہلے اس کا باپ فوت ہو گیا تھا اور اب جوان سال بہن فوت ہو گئی ہے بے چارے کا دماغی توازن ٹھیک نہیں رہا، بدحواس ہو کر اس طرح کر رہا ہے۔ والدہ بڑے حوصلے والی تھی، کہنے لگی بیٹا دیکھو! تیرا والد تھا اور میرا خاندان تھا، یہ تیری بہن تھی اور میری بیٹی تھی مجھے بھی تو صدمہ ہے، برداشت کر۔ لڑکے نے کہا امی! صدمے کی کوئی بات نہیں ہے مجھے یہ بتا کہ میری بہن میں عیب کیا تھا؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا سب لوگوں نے آنکھوں سے دیکھا کہ دفن کرنے کے بعد میری بہن کی قبر سے آگ کے شعلے نکلے ہیں۔ ماں نے کہا بیٹا! اس میں کوئی عیب نہیں تھا سوائے اس کے کہ نماز تاخیر سے پڑھتی تھی۔ علمائے وقت نے بتایا کہ یہی گناہ تھا۔ اس لیے بیٹو! اپنا نظام الاوقات بناؤ اور نماز وقت پر ادا کرو۔ جب مستحب وقت داخل ہو جائے تو اس سے تاخیر نہ کرو، بڑا گناہ ہے۔

منافع کی نماز ؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اتَّقُوا صَلَوةَ الْمُنَافِقِ اتَّقُوا صَلَوةَ الْمُنَافِقِ اتَّقُوا صَلَوةَ الْمُنَافِقِ.. ”منافع کی نماز سے بچو، منافع کی نماز سے بچو، منافع کی نماز سے بچو۔“ سوال کیا گیا کہ حضرت! منافع کی نماز کون سی ہے؟ فرمایا: منافع کی نماز یہ ہے کہ مثلاً: فجر کی نماز کا وقت اور یہ مزے سے سویا ہوا ہے، جب سورج نکلنے کا وقت قریب ہو گیا تو جلدی سے اٹھا اور زمرنی

کی طرح چونچیں ماریں، ٹھونگیں ماریں، فرمایا: تِلْكَ صَلَوةُ الْمُتَافِقِ تِلْكَ صَلَوةُ الْمُتَافِقِ یہ ہے منافق کی نماز، یہ ہے منافق کی نماز، یہ ہے منافق کی نماز۔ اسی طرح مثلاً: عصر کا وقت ہو گیا اور یہ بیٹھا ہے اور شرعی عذر بھی کوئی نہیں ہے، سورج غروب ہونے کے قریب ہوا تو اٹھ کر کھڑی مارتا ہے، یہ منافق کی نماز ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مَنِ فَاتَتْهُ صَلَوةُ الْعَصْرِ فَكَأَنَّهَا وَتَرَتْ أَهْلَهُ وَمَالَهُ ”جس شخص کی عصر کی نماز رہ گئی ہے یوں سمجھو کہ اس کا سارا گھر بھی لوٹا گیا اور گھر کے سارے افراد بھی مر گئے۔“ اندازہ کرو کہ گھر کے سارے افراد اکٹھے مرے تو کتنا صدمہ ہوتا ہے اور ساتھ ہی گھر کا سارا اثاثہ بھی لوٹا جائے یا جل جائے تو کتنا صدمہ ہوگا۔ اس لیے نمازوں کا خاص خیال رکھو۔

نمازوں کی قضاء

اور یہ مسئلہ بھی میں نے بارہا بیان کیا ہے کہ اگر ایک نماز کسی مرد و عورت کے ذمہ ہے تو کر دے مرتبہ توبہ کرنے سے بھی معاف نہیں ہوتی اور نہ روزہ معاف ہوتا ہے جب تک ان کی قضا نہ کرو گے۔ لہذا اپنی اپنی نمازوں کا باقاعدہ حساب لگاؤ، کس تاریخ سے ہم بالغ ہوئے ہیں اور اب تک کتنی نمازیں چھوٹ گئی ہیں، ان کو ادا کرو۔

تمام ائمہ کرام رضی اللہ عنہم اس بات پر متفق ہیں کہ نماز، روزہ توبہ سے معاف نہیں ہوتے، ان کی قضا دینی پڑے گی اور نماز ایسی عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے ہے اور قیامت والے دن سب سے پہلا سوال نماز ہی کا ہوگا۔

حدیث پاک میں آتا ہے: **أَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الصَّلَاةُ** ”پہلی وہ چیز جس کا بندے سے حساب ہوگا وہ نماز ہے۔“ یعنی پہلا پرچہ ہی نماز کا ہے اگر نماز میں کامیابی ہوئی تو سمجھو کہ باقی چیزوں میں بھی کامیاب ہے اور اگر نماز ہی میں ناکام ہو گیا تو آگے کیا رہے گا۔ اسی لیے قرآن وحدیث میں نماز کی بڑی تاکید آئی ہے اور فرمایا: **وَأَقِمُوا الصَّلَاةَ** نماز کو قائم کرو اور قیام کا مطلب ہے کہ نماز کے فرائض، واجبات اور مستحبات کا لحاظ کر کے پڑھو۔ قیام میں تمہاری نگاہ سجدے کی جگہ پر ہو ادھر ادھر نہ دیکھو۔ نہایت خشوع و خضوع اور سکون کے ساتھ نماز پڑھو اور یہ سمجھ کر پڑھو کہ ہو سکتا ہے یہ میری آخری نماز ہو۔ حدیث پاک میں آتا ہے **صَلِّ صَلَوةً مُبَوَّذَةً** ”یہ سمجھ کر نماز پڑھ کہ میری آخری نماز ہے۔“

﴿وَآتُوا الزَّكَاةَ﴾ اور دو تم زکوٰۃ۔ زکوٰۃ کے متعلق میں درس میں بھی بیان کرتا رہتا ہوں اور جمعہ میں بھی۔ زکوٰۃ مرد پر بھی فرض ہے اور عورت پر بھی، اگر صاحب نصاب ہوں۔ اور قمری سال کے اعتبار سے ادا کرنی ہے۔ مثال کے طور پر اگر آپ نے گزشتہ سال پانچ رمضان المبارک کو زکوٰۃ دی تھی تو اس سال پانچ رمضان المبارک کو پھر زکوٰۃ ادا کرو اور زکوٰۃ صاحب نصاب پر فرض عین ہے خود ادا کرنی ہے۔ اس سلسلے میں عورت اپنے خاوند سے پوچھنے کی پابند نہیں ہے اور بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوا کرتے ہیں کہ جو زیور استعمال میں ہے اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ یہ بات غلط ہے۔ بلکہ اس میں بھی باقاعدہ زکوٰۃ ہے۔

چنانچہ ابوداؤد شریف اور دیگر احادیث کی کتابوں میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے

باتھ میں کڑے دیکھے تو فرمایا: کیا تو ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہے؟ انھوں نے کہا کہ حضرت! مجھے تو معلوم نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو اس کو پسند کرتی ہے کہ تجھے دوزخ کی آگ کے کڑے پہنائے جائیں۔

اسی طرح دو عورتیں آئیں، ماں بیٹی تھیں۔ بیٹی کے ہاتھ میں سونے کے دو سونے موئے کڑے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم اس کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ قَالَتَا لَا اُنْهَوْنَ لَنَا اَنْ نَّهْمِسَ كَمَا نَهْمِسُكَ كَالْعَلَمِ هِيَ نَهْمِسُكَ۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم اس بات کو پسند کرتی ہو کہ تمہیں دوزخ میں ڈالا جائے اور دوزخ کے کڑے پہنائے جائیں؟ وہ بچی کڑوں کی خود مالک تھی اتار کر پھینک دیے اور کہنے لگی حضرت! یہ میری طرف سے وقف ہیں جو چاہے اٹھالے، میں دوزخ میں جانے کے لیے تیار نہیں ہوں۔

﴿فَلَمَّا كَتَبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالَ﴾ پس جب لکھا گیا، فرض کیا گیا ان پر لڑنا ﴿اِذَا قَرِئْتَ مِنْهُمْ﴾ تو اچانک ان میں سے ایک گروہ ﴿يَخْشَوْنَ النَّاسَ﴾ ڈرنے لگا لوگوں سے ﴿كَخَشِيَةِ اللّٰهِ﴾ جیسا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے ﴿اَوْ اَشَدَّ خَشِيَةً﴾ یا اس لیے بھی زیادہ سخت ڈرنا۔ یاد رکھنا! طبعی طور پر کسی چیز سے ڈرنا ایمان کے خلاف نہیں ہے۔ مثلاً: سانپ سے ڈرنا، چیتے سے ڈرنا، دشمن سے خوف کھانا، اس سے ایمان پر کسی قسم کی زد نہیں پڑتی۔

قرآن کریم میں ہے کہ موسیٰ ﷺ جب مدین سے واپس مصر تشریف لارہے تھے اور راستے میں طور کے دامن میں اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی اور موسیٰ ﷺ کو معجزہ بھی عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَاَنْ اَتِيَ عَصَاكَ﴾ اور یہ کہ اپنی لاشھی ڈال دو ﴿فَلَمَّا رَاَهَا تَهْتَزُّ﴾ پھر جب دیکھا وہ حرکت کر رہی ہے ﴿كَانَهَا جَانٌّ﴾ گویا کہ وہ سانپ ہے ﴿وَتِلْكَ مُدْبِرَةٌ﴾ تو پیٹھ پھیر کر چل پڑے ﴿وَلَمْ يَعْقُبْ﴾ اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ یعنی حضرت موسیٰ ﷺ نے پیچھے نہ دیکھا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے آواز دی ﴿يٰٓمُوسٰى اَقْبِلْ﴾ اے موسیٰ! آگے آؤ ﴿وَلَا تَخَفْ﴾ اور ڈرومت ﴿اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ﴾ [پارہ: ۲۰، سورہ قصص] بے شک آپ امن پانے والوں میں سے ہیں اور دوسرے مقام پر ہے ﴿سَنُعِيْدُهَا سَيِّرَتَهَا الْاُولٰٓئِ﴾ [پارہ: ۱۶، سورہ طہ] آپ اس پر ہاتھ رکھیں ہم اس کو پہلے کی طرح لاشھی بنا دیں گے۔ تو نبی کے ایمان سے زیادہ قوی ایمان کس کا ہو سکتا ہے؟ لہذا معلوم ہوا کہ سانپ وغیرہ سے خوف زدہ ہونے سے ایمان پر کوئی زد نہیں پڑتی۔

﴿وَقَالُوْا اِنَّا بِنَا﴾ اور کہا انھوں نے اے ہمارے پروردگار! یہ منافقوں نے کہا، کیونکہ مدینہ طیبہ میں منافق پیدا ہو گئے تھے۔ کیا کہا؟ ﴿لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ﴾ کیوں لکھا تو نے ہم پر لڑنا، جہاد کیوں فرض کیا؟ ﴿لَوْ لَا اَخَّرْتَنَا اِلٰى اَجَلٍ قَرِيْبٍ﴾ کیوں نہ تو نے ہمیں مہلت دی تھوڑی مدت تک۔ ابھی ہم پر لڑائی فرض نہ ہوتی، کیونکہ لڑیں گے تو مارے جائیں گے، دنیا میں رہنے کا کچھ اور موقع ملنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ اے نبی کریم! آپ کہہ دیں ﴿مَتَا الْعَالَمِيْنَ﴾ دنیا کا فائدہ بہت تھوڑا ہے، کتنی دیر رہو گے؟ پانچ سال، دس سال، بچاس سال، سو سال، آ خر مرنا ہے ﴿وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰ﴾ اور آخرت بہت بہتر ہے اس شخص کے لیے جو ڈرتا ہے۔ تقوے کا معنی ہے نافرمانی سے بچنا ﴿وَلَا تُظَلَمُوْنَ فِتْنًا﴾ اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا دھاگے کے برابر بھی۔ ﴿فِتْنًا﴾ کہتے ہیں کھجور کی گٹھلی کے اندر جو دھاگا ہوتا ہے۔ یعنی اتنا بھی ظلم نہیں ہوگا۔

﴿اِنَّ مَا تَكُوْنُوْنَ﴾ جہاں بھی تم ہو گے ﴿يُنَادِيٰ بِكُمُ الْمَوْتُ﴾ پالے گی تمہیں موت۔ موت سے کوئی بچ نہیں سکتا ﴿وَلَوْ لَكُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّسْتَوِيَةٍ﴾ اگرچہ ہو تم ایسے قلعوں میں جو چونا گچ ہیں۔ پہلے زمانے میں جو پختہ مکان بنائے جاتے تھے وہ چونے سے پختہ کیے جاتے تھے۔ یہ سیمنٹ تو ہمارے زمانے کی ایجاد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسا قلعہ تیار کرے جس کی دیواریں چونے سے بنی ہوئی ہوں بڑا مضبوط ہو کہ ہوا کے اندر جانے کی گنجائش بھی نہ ہو، اس میں خچپ کر بیٹھ جائے موت کا فرشتہ وہاں بھی پہنچ جائے گا۔ فرشتوں کے لیے دیواریں ایسے ہی ہیں جیسے پرندوں کے لیے ہوا ہے۔

دیکھو! ہم قبر پر کتنی مٹی ڈالتے ہیں ابھی لوگ وہیں کھڑے ہوئے ہیں کہ منکر نکیر وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ بعض بچے ماں کے پیٹ میں فوت ہو جاتے ہیں بظاہر کوئی راستہ نہیں مگر فرشتہ وہاں بھی پہنچ کر جان نکال لیتا ہے، جس کا نام کو علم ہے اور نہ کسی اور کو۔ ﴿وَ اِنْ تُصِبْتُمْ حَسَنَةً﴾ اور اگر پہنچے ان کو کوئی بھلائی اور راحت ﴿يَقُوْلُوْا هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ منافقوں کی بات ہے جو بظاہر کلمہ پڑھتے ہیں۔ مسلمانوں کو اگر کوئی راحت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ﴿وَ اِنْ تُصِبْتُمْ سَيِّئَةً﴾ اور اگر پہنچے ان کو کوئی تکلیف ﴿يَقُوْلُوْا هٰذَا مِنْ عِنْدِكَ﴾ کہتے ہیں اے نبی! یہ تیری وجہ سے ہے (معاذ اللہ تعالیٰ)۔

﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ راحت بھی، تکلیف بھی ﴿فَمَالِ هٰؤُلَاءِ النّٰفِقُوْنَ﴾ پس کیا ہو گیا ہے اس قوم کو ﴿لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْقًا﴾ نہیں قریب کہ سمجھیں بات کو کہ اپنا قصور مان لیں کہ ہم منافق ہیں اور ہم نے دل سے کلمہ نہیں پڑھا اور یہ ان کی شامت ہے۔ الناکتہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہمیں تکلیف پہنچی ہے، ان کی گنگا اسی چلتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نفاق سے بچائے اور محفوظ رکھے۔ [امین!]



﴿مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ﴾ اے انسان! جو پہنچتی ہے تجھے کوئی راحت اور بھلائی ﴿فَمِنْ اللّٰهِ﴾ پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ﴿وَ مَا اَصَابَكَ﴾ اور جو پہنچتی ہے تجھے ﴿مِنْ سَيِّئَةٍ﴾ کوئی تکلیف اور مصیبت ﴿فَمِنْ نَفْسِكَ﴾ پس وہ تیرے نفس کی وجہ سے ہے ﴿وَ اٰمُرُ بَسَلْتِكَ﴾ اور ہم نے بھیجا ہے تجھے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ﴿لِلنّٰسِ رَسُوْلًا﴾ تمام انسانوں کے لیے رسول بنا کر ﴿وَ كَفَىٰ بِاللّٰهِ شٰهِيْدًا﴾ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ گواہ ﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُوْلَ﴾ جو شخص اطاعت کرے گا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ﴿لَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ پس یہ تحقیق اس نے اطاعت کی اللہ تعالیٰ کی ﴿وَ مَنْ﴾ اور وہ شخص ﴿تَوَاتَىٰ﴾ جس نے اطاعت سے روگردانی کی ﴿فَمَا اٰمُرُ سَلٰتِكَ﴾ پس نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ﴿عَلَيْهِمْ﴾ ان پر ﴿حَفِيْظًا﴾ نگران ﴿وَ يَقُوْلُوْنَ﴾ اور کہتے ہیں ﴿طَاعَةٌ﴾ ہمارا کام ہے اطاعت کرنا ﴿فَاِذَا بَرِزُوْا﴾ پھر جب وہ نکلتے ہیں ﴿مِنْ عِنْدِكَ﴾ آپ کے پاس سے ﴿بَيَّتَ﴾ رات کو مشورے کرتا ہے ﴿طٰآئِفَةٌ مِّنْهُمْ﴾

ایک گروہ ان میں سے ﴿عَيَّرَ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ﴾ اس کے خلاف جو آپ ان کو کہتے ہیں ﴿وَاللَّهُ يَكْتُوبُ﴾ اور اللہ تعالیٰ لکھتا ہے ﴿مَا يَتَّبِعُونَ﴾ جو مشورہ وہ رات کے وقت کرتے ہیں ﴿فَاعْرَضْ عَنْهُمْ﴾ پس آپ ان سے اعراض کریں ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرو ﴿وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا﴾ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کام بنانے والا ﴿أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ﴾ کیا پس یہ لوگ قرآن کریم میں غور و فکر نہیں کرتے؟ ﴿وَلَوْ كَانُوا﴾ اور اگر ہوتا یہ قرآن ﴿مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ﴿لَوْ جَدُّوا فِيهِ﴾ البتہ پاتے وہ اس میں ﴿اخْتَلَفًا كَثِيرًا﴾ بہت سارا اختلاف۔

ربط آیات

اس سے پہلی آیت کریمہ میں اس بات کا ذکر تھا کہ اگر کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو منافق لوگ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کی طرف کرتے۔ حالانکہ یہ بڑی قبیح بات ہے اور بے ادبی ہے۔ لہذا اگلی آیت کریمہ میں اس کی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ﴾ اے انسان! جو پہنچتی ہے تجھے کوئی راحت اور بھلائی ﴿فَمِنَ اللَّهِ﴾ پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿مَا أَصَابَكَ﴾ میں خطاب ہے ہر انسان کو اور مقدر عبارت یوں بنے گی ﴿مَا أَصَابَكَ أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مِنْ حَسَنَةٍ﴾ جو پہنچتی ہے تجھے اے انسان! کوئی بھلائی۔ ﴿فَمِنَ اللَّهِ﴾ پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام اور اس کی مہربانی ہے ﴿وَمَا أَصَابَكَ﴾ اور جو پہنچتی ہے تجھے اے انسان! ﴿مِنْ سَيِّئَةٍ﴾ کوئی تکلیف اور مصیبت ﴿فَمِنْ نَفْسِكَ﴾ وہ تیرے نفس کی وجہ سے ہے۔ اس میں تیرے کسی گناہ اور عیب کا دخل ہے۔ اور یہ عمومی ضابطہ نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر معصوم ہیں اور تکلیفیں ان کو بھی آئی ہیں تو وہ گناہوں کی وجہ سے تو نہیں آئیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا گیا حضرت! یہ ارشاد فرمائیں کہ آئنی الناس أشدَّ بلاءً انسانوں میں سب سے زیادہ تکلیف کس کو پیش آئی ہے؟ فرمایا: الأنبياء ثم الأممقل فالأممقل "سب سے زیادہ تکلیفیں پیغمبروں کو پیش آئی ہیں، پھر ان کو جو درجے میں انبیائے کرام صلی اللہ علیہم وسلم کے قریب ہوتے ہیں۔ مثلاً: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پھر ان کو جوان کے قریب ہوتے ہیں۔ مثلاً: تابعین کو پھر ان کو جو ان کے قریب ہوتے ہیں۔ مثلاً: تبع تابعین کو يُنْتَقِلُ الرَّجُلُ قَدْ دَخِلَ دِينَهُ "امتحان لیا جاتا ہے آدمی کا اس کے دین کے مطابق۔" یعنی جتنا کسی میں دین میں ہوتا ہے اسی حساب سے اس کا امتحان ہوتا ہے۔ وہ لوگ دین میں بہت مضبوط تھے اس لیے ان کے امتحان بھی سخت تھے اور ہم لوگ کمزور اور ناتواں ہیں ہم ان امتحانوں کے اہل ہی نہیں ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں امتحانوں سے محفوظ فرمائے۔ تو اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو جو تکلیفیں آئی ہیں وہ کسی گناہ کے نتیجے میں نہیں ہوتیں کیونکہ پیغمبر معصوم ہوتے ہیں صغیرہ سے بھی اور کبیرہ سے بھی۔ پیغمبروں کی تکلیفیں ان کے درجات کی بلندی کا ذریعہ ہوتی ہیں اور یہ اصولی مسئلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے

پیغمبروں کے سوا کوئی معصوم نہیں ہے باقی ہر کسی سے کوئی نہ کوئی چھوٹی بڑی غلطی ہو جاتی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات تو قرآن پاک میں موجود ہیں۔ مثلاً: اُحد کے معرکہ میں جو ہجرت کے تیسرے سال شوال کے مہینے میں پیش آیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جان بچانے کے لیے پیٹھ پھیری اور بھاگ گئے۔ جب کہ میدان جنگ میں پیٹھ پھیرنا بڑے گناہوں میں سے ایک گناہ ہے جب کہ دشمن دُگنا ہو۔ اگر دشمن دُگنا سے زیادہ ہو پھر پیٹھ پھیرنا گناہ نہیں ہے۔ تو اُحد میں پیٹھ پھیرنے والے سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ﴿إِذْ تَضَعُونَ وِجَاهَكُمْ لِيُجِبِتَ إِلَيْكُمْ﴾ [آل عمران: ۱۵۳] ”وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے جب تم پہاڑ پر چڑھے جا رہے تھے اور تم مڑ کر نہیں دیکھتے تھے۔“ اسی کو آگے فرمایا ﴿إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا﴾ ”پختہ بات ہے کہ ان کو شیطان نے پھسلا یا ان کی بعض کمائی کی وجہ سے۔“ اور ساتھ ہی فرمادیا کہ ﴿وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ﴾ ”اور البتہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا۔“ جب اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ گناہ معاف کر دیا تو اس کے بعد ان کا کوئی گناہ نہ رہا۔ ہاں! اگر اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ان کی صفائی بیان نہ فرماتے تو ان کی پوزیشن خردوش رہتی مگر آج تک لوگ انہیں معاف کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ مثلاً: ان بھاگنے والوں میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی تھے تو یہ لوگ جب ان پر طعن کرتے ہیں تو یہ بھی کہتے ہیں کہ دیکھو جی! وہ اُحد کے میدان سے بھاگ گئے۔ بھئی! ٹھیک ہے، بھاگ گئے تھے، یہ ان کا گناہ تھا، مگر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا تو اب ان کا یہ گناہ نہیں رہا۔ اس کے بعد ان کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا محض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دشمنی ہے۔

کفیر و افض کی وجوہ مٹاؤ

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ ہندوستان میں بہت بڑی شخصیت گزری ہے، علم کے لحاظ سے، تقویٰ و طہارت کے لحاظ سے، لوگوں کی اصلاح کے لحاظ سے، ان کا مقام بہت بلند ہے۔ ان سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت! یہ جو افضی ہیں ان کے متعلق ہمیں صحیح صحیح بتائیں کہ ہم ان کو کیا سمجھیں؟ تو حضرت نے اس کا تحریری طور پر جواب دیا۔ فرمایا: ہماری ان لوگوں سے کوئی ذاتی رنجش نہیں ہے اور نہ ہی ان سے کوئی ذاتی دشمنی ہے کہ کوئی زمین کا تنازع ہو یا کوئی کاروباری رنجش ہو بلکہ یہ لوگ از روئے شرع تین وجوہ سے کافر ہیں:

..... ایک یہ کہ افضی کہتے ہیں کہ موجودہ قرآن کریم اصل نہیں ہے۔ اصل قرآن اور تھا موجودہ قرآن میں تحریف ہوئی ہے۔ لہذا جو شخص قرآن پاک کو صحیح نہ مانے اس کا اسلام کے ساتھ کیا تعلق ہے؟

..... ان کے کفر کی دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بارہ امام مانتے ہیں اور اماموں کو معصوم عن الخطا مانتے ہیں کہ وہ صغیرہ، کبیرہ گناہوں سے پاک ہیں اور ان پر باقاعدہ وحی نازل ہوتی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اماموں کو معصوم ماننا اور ان کے متعلق یہ نظریہ رکھنا کہ ان پر باقاعدہ وحی نازل ہوتی ہے تو پھر نبوت ختم نہ ہوئی بلکہ

آنحضرت ﷺ کے بعد بارہ نبی اور پیدا ہو گئے اور جو ختم نبوت کا منکر ہے وہ کافر ہے۔

اسی طرح شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ہندوستان میں بہت بڑی شخصیت تھے۔ انھوں نے اور ان کی صلیبی اور روحانی اولاد یعنی شاگردوں نے جس طرح ہندوستان میں توحید و سنت کو پھیلایا اور شرک و بدعت کا قلع قمع کیا اور رسوں سے لوگوں کو نفرت دلائی یہ انھی کا کارنامہ ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک پر مراقبہ کیا اور کشف کی حالت میں آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ حضرت! امامیہ رافضیوں کو کیسے سمجھنا چاہیے؟ یعنی وہ رافضی جو بارہ اماموں کے قائل ہیں ان کے متعلق کیا نظریہ رکھنا چاہیے؟ تو آنحضرت ﷺ نے مجھے جھڑکا اور فرمایا: احمد! (یہ شاہ صاحب کا نام ہے، احمد بن عبدالرحیم) تو نے ان کے لفظ امام پر غور نہیں کیا کہ یہ امام کس کو کہتے ہیں؟ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی اس تشبیہ کے بعد مجھ پر ان کی ساری حقیقت واضح ہو گئی کہ امام اسے کہتے ہیں جو معصوم ہوتا ہے اور اس پر وحی نازل ہوتی ہے اور ظاہرات ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے بعد بارہ امام معصوم ہیں تو پھر نبوت تو ختم نہ ہوئی۔ لہذا یہ ختم نبوت کے منکر ہیں اور کافر ہیں۔

..... اور ان کے کافر ہونے کی تیسری وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کافر کہتے ہیں اور اس سے قرآن کریم کا انکار لازم آتا ہے۔ کیونکہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَآجَزُوا﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی ﴿وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ اور جہاد کیا اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ﴿وَالَّذِينَ آذَوْا آذًا ضَرًّا﴾ اور وہ لوگ جنہوں نے جگہ دی ہجرت کرنے والوں کو اور مدد کی ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا﴾ یہی لوگ سچے مومن ہیں ﴿لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ذُرِّيَّتُهُمْ﴾ [پارہ: ۱۰، الانفال: ۷۴] ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے۔ تو اس آیت کریمہ میں مہاجرین کا ذکر بھی آ گیا اور انصار کا بھی اور فرمایا کہ یہ بچے مومن ہیں۔ لہذا جو شخص مہاجرین میں سے یا انصار میں سے کسی کو مومن نہ سمجھے تو اس کا قرآن پر ایمان نہیں ہے اور جو قرآن پاک کا منکر ہے وہ کافر ہے۔

تو میں مسئلہ بیان کر رہا تھا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کو جو تکلیف آتی ہے وہ کسی گناہ کی وجہ سے نہیں آتی بلکہ امتحان ہوتا ہے۔ کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام معصوم ہیں اور ان کے سوا کوئی معصوم نہیں ہے۔ ہاں! اگر اللہ تعالیٰ کسی کو محفوظ رکھے تو وہ گناہوں سے بچ سکتا ہے، باقی چھوٹی موٹی لغزشیں ہوتی رہتی ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان! تجھے جو راحت اور آرام پہنچتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور جو دکھ یا تکلیف پہنچتی ہے وہ تیرے کسی عمل کا نتیجہ ہوتی ہے۔

آگے فرمایا ﴿وَأَنسَأَلُكَ لِنَاسٍ سَأُولًا﴾ اور ہم نے بھیجا ہے تجھے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تمام لوگوں کے لیے رسول بنا کر۔ آنحضرت ﷺ سے پہلے جنے بھی پیغمبر دنیا میں تشریف لائے وہ مخصوص قوموں کے لیے آئے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تبلیغ ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے ﴿يَقُولُوا اعْبُدُوا اللَّهَ﴾ [پارہ: ۱۲، سورہ ہود] اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی، اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی۔ اور آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ﴿قُلْ﴾ آپ فرمادیں ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ﴾ اے

انسانو! ﴿إِنِّي تَمَسُّوْلُ اللّٰهِ اَلَيْكُم جَبِيْعًا﴾ [پارہ: ۹، سورۃ الاعراف] ”بے شک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تم سب کی طرف۔“ بلکہ آپ ﷺ جنات کے بھی پیغمبر تھے۔

چنانچہ سورہ رحمن میں انسانوں اور جنوں دونوں کا ذکر ہے ﴿يُعْشَرَ اَلْحَيٰنِ وَ اَلْاٰنِ﴾ ”اے انسانو اور جنوں کے گروہ!“ اور سورہ جن، پارہ: ۲۹ میں بھی ذکر ہے ﴿قُلْ﴾ ”اے پیغمبر! آپ فرمادیں ﴿اَوْ حٰی اِلٰی﴾ میری طرف وحی آئی ہے ﴿اِنَّہٗ اَسْتَمِعُ نَقْرٰتِیْنَ اَلْحٰیۃِ﴾ جنوں کی ایک جماعت نے اس کتاب کو سنا ﴿فَقَالُوْا﴾ پس کہنے لگے ﴿اِنَّا سَمِعْنَاۤ اِنَّا عَجَبًا نَبِیِّۤیْ اِلٰی الزُّشٰدِ فَاَمْتٰلِہٖ﴾ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا جو بھلائی کا راستہ بتلاتا ہے، سو ہم اس پر ایمان لے آئے۔“ اور جس طرح آپ ﷺ انسانوں اور جنوں سب کے پیغمبر ہیں اسی طرح آپ ﷺ کی نبوت اس وقت تک ہے جب حضرت اسرافیل علیہ السلام بگل پھونکیں گے۔ اس وقت تک انسانوں اور جنوں میں جو بھی پیدا ہوگا وہ آپ ﷺ کی نبوت قبول کرنے کا پابند ہے اور جنات میں مسلمان بھی ہیں اور کافر بھی ہیں، ہندو بھی ہیں اور سکھ بھی، یہودی بھی ہیں اور عیسائی بھی۔ جس طرح انسانوں میں کئی مذہب ہیں اسی طرح جنات میں بھی کئی مذہب ہیں۔

چنانچہ سورہ جن میں آتا ہے ﴿وَاَنۡا مَنَا النَّسِیۡوٰنِ﴾ ”اور بے شک ہم میں بعض مسلمان ہیں ﴿وَاَمَنَا اَلْقِیۡطُوۡنِ﴾ اور بعض گنہگار ہیں اور یہ بھی آتا ہے ﴿وَاَنۡا مَنَا الصّٰلِحِیۡنِ﴾ اور بے شک ہم میں بعض نیک ہیں ﴿وَاَمَنَا ذُوۡنَ ذٰلِکَ﴾ اور بعض اور طرح کے ﴿کُنَّا طَرَآءِیۡقَ قَدَاۡا﴾ ہمارے کئی طرح کے مذہب ہیں۔“ تو جنات کے بکثرت فرقے ہیں اور جنات میں بھی ہر جگہ اور یہاں درس میں تم سے کئی گنا زیادہ بیٹھے ہوں گے، یہ الگ بات ہے کہ ہمیں نظر نہیں آتے۔

مسئلہ: فقہائے کرام ﷺ فرماتے ہیں کہ نماز کے اختتام پر جب سلام پھیرتے ہو اس وقت یہ نیت کرو کہ میری دائیں جانب جتنے مرد عورتیں مسلمان ہیں یا جنات ہیں یا فرشتے ہیں سب کو سلام اور اس طرح جب بائیں جانب سلام پھیرو تو ان سب کی نیت کرو۔ اگر اکیلا پڑھ رہا ہے مرد ہے یا عورت، اس نے بھی یہی نیت کرنی ہے کہ میں ان سب کو سلام کہہ رہا ہوں۔

اور بعض جنات شرارتی ہوتے ہیں وہ انسانوں کو تکلیف بھی پہنچاتے ہیں۔ اور یاد رکھنا! مسلمان کو اتنا ضعیف الاعتقاد نہیں ہونا چاہیے کہ تھوڑی سی تکلیف آئے تو کہے مجھے جنات چٹ گئے ہیں۔ خصوصاً عورتیں بڑی وہمی ہوتی ہیں کہ تھوڑی سی تکلیف لہی ہو جائے تو کہتی ہیں کہ کسی نے میرے اوپر جادو کر دیا ہے اور گھر میں کوئی عورت آ کے چلی جائے اور اس کے بعد کوئی تکلیف ہو جائے تو فوراً اس سے کڑی ملائیں گی کہ فلاں پھیرا مار گئی ہے جس کی وجہ سے یہ تکلیف آئی ہے۔ یہ بات بالکل غلط ہے کہ کسی کے آنے سے تکلیف آئے۔ یہ مشرکانہ عقیدہ ہے۔ جنات کے چمٹنے اور جادو سے انکار نہیں ہے مگر سو میں سے ایک آدھ واقعہ جنات کا اور ایک آدھ واقعہ جادو کا ہوتا ہے اتنا نہیں جتنا لوگوں نے ذہن بنا لیا ہے اور ہر معاملے کو اس کے ساتھ جوڑنا شروع کر دیا ہے۔ حاشا وکلا! یہ شرک کی ایک قسم ہے، ان توہمات سے بچو۔ مسلمان کا عقیدہ بڑا پختہ ہونا چاہیے۔ تکلیف سے کون بچا ہوا ہے؟ تکلیفیں بڑوں کو بھی ہوتی ہیں، بچوں کو بھی ہوتی ہیں، ہماری خوراک کیا ہے اور کیسی ہے؟ کوئی چیز کھری ملتی نہیں پھر صحت بھی

ایسی ہی ہوگی۔ طبعی طور پر تکلیفیں انہی چیزوں کا نتیجہ ہیں۔

تو آنحضرت ﷺ تمام انسانوں اور جنات کے لیے رسول ہیں۔ ﴿وَكُلُّ بَشَرٍ سَابِقٌ﴾ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ گواہ۔ ہمارے ظاہر و باطن کے سب حالات اس کے سامنے ہیں۔ ﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ﴾ جو شخص اطاعت کرے گا رسول ﷺ کی ﴿لَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ پس یہ تحقیق اس نے اطاعت کی اللہ تعالیٰ کی۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے نمائندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نمونہ بنا کر بھیجا ہے ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [پارہ: ۲۱، سورۃ الاحزاب] البتہ تحقیق تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے۔ کہ آپ ﷺ نے جو کیا ہے وہ کرو اور جس سے منع فرمایا ہے اس کے قریب نہ جاؤ۔

اقسام سنت

اور یہ بات بھی سمجھ لیں کہ آنحضرت ﷺ نے جو کام کیے ہیں وہ اصولی طور پر دو قسم کے ہیں۔ ایک سنت مؤکدہ ہیں اور دوسری سنن ہدئی ہیں، ہدایت کی سنتیں۔ آنحضرت ﷺ نے جو کام دینی اعتبار سے کیے ہیں اور کرنے کا حکم دیا ہے ان کا کرنا ہم پر لازم ہے اور جو کام آپ ﷺ نے طبعی طور پر کیے ہیں یا فرمائے ہیں ان کاموں میں اگر کوئی شخص آپ ﷺ کی پیروی کرے تو ثواب ہوگا اور اگر نہیں کرے گا تو گرفت نہیں ہوگی۔ مثلاً:

آنحضرت ﷺ نے جو کئی روٹی کھائی ہے۔ تو اس وقت ہم میں کتنے آدمی ہیں جو جو کئی روٹی کھاتے ہیں۔ آپ ﷺ گدھے پر سوار ہوئے ہیں ہم میں سے گدھے پر سوار ہونے والے کتنے ہیں؟ آنحضرت ﷺ کے کمرے میں کوئی روشنی نہیں تھی اور ہمارے ہاں ایک رات روشنی نہ ہو تو قیامت برپا ہو جاتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے مونے کپڑے پہنے ہیں جو دستی کھڈیوں پر بنے جاتے تھے تو ہم میں سے کتنے آدمی ہیں جو صرف مونے کپڑے پہنتے ہیں۔ یہ آپ ﷺ کی طبعی باتیں تھیں، کھانے پینے کی، اٹھنے بیٹھنے کی، ان میں اگر کوئی شخص آپ ﷺ کی پیروی کرے گا تو ثواب ملے گا اگر نہیں کرے گا تو کوئی گرفت نہیں ہوگی۔

اپنے ملک کے لحاظ سے، علاقے کے لحاظ سے جو لباس پہنے اس پر شرعی طور پر کوئی پابندی نہیں ہے بشرطیکہ اس سے جسم چھپ جائے۔ اسی طرح جس رنگ کا لباس پہنے اجازت ہے، سوائے زعفرانی رنگ کے اور اصفر کے رنگ کے اور دوسرے رنگ کے کہ یہ مردوں کے لیے جائز نہیں۔ باقی ہر رنگ کا لباس پہن سکتا ہے بشرطیکہ وہ کسی قوم کا شعار اور علامت نہ ہو۔ کیونکہ پچھلے اس قوم کے ساتھ تشبیہ ہوگی۔ جیسے: کالا لباس ہے۔ اصولی طور پر اس کے پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے مگر محرم کے مہینے میں ہر رافضی پہنتے ہیں لہذا محرم کے مہینے میں نہیں پہننا چاہیے۔ کیونکہ یہ ان کی علامت اور نشانی ہے۔ اور اس کے علاوہ پہن سکتا ہے۔ کیونکہ جو شخص کونٹے کے کارخانے میں کام کرتا ہے، کونٹے اٹھاتا ہے وہ کالا لباس نہیں پہنے گا تو کیا کرے گا؟ تو بہر حال جس لباس

میں غیر مسلموں سے تشبیہ ہو وہ نہ پہنے۔ اگر ایسی بات نہ ہو تو کوئی پابندی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر جس طرح کی ٹوپیاں قرآنی بہت سے لوگوں نے پہنی ہوئی ہیں یہ نہ تو آنحضرت ﷺ سے ثابت ہیں، نہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہیں۔ ٹھنڈے علاقے کے لوگ یہ پہنتے تھے۔ تو ملکی لباس پہننا جو غیر مسلموں کی علامت نہ ہو، جائز ہے۔

البتہ آنحضرت ﷺ سفید لباس کو پسند فرماتے تھے اور فرمایا کہ سفید لباس پہنو اور اسی میں مردوں کو کفن دو۔ لہذا سفید رنگ کا لباس مستحب ہے لیکن دوسرے رنگ کا لباس بھی پہن سکتے ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے کابلے رنگ کی پگڑی باندھی ہوئی تھی۔ حدیث پاک کے الفاظ ہیں كَانَتْ عَلٰی رَاسِهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ۔ اسی طرح سفید پگڑی بھی پہن سکتے ہیں، سبز رنگ کی پگڑی بھی پہن سکتے ہیں، کوئی پابندی نہیں ہے۔ بعض لوگ غلو سے کام لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بتاؤ کہ آنحضرت ﷺ نے کون سے رنگ کا کپڑا پہنا ہے اور کہاں تک ہوتا تھا؟ بھائی! یہ طبعی چیزیں ہیں، شرعی طور پر کوئی گرفت نہیں ہے۔ ہاں! اتنی بات ہے کہ شلو اور ٹخنوں سے نیچے نہیں ہونی چاہیے۔

تو فرمایا کہ جس نے آنحضرت ﷺ کی پیروی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ﴿وَمَنْ تَوَاتَىٰ﴾ اور جس شخص نے اطاعت سے روگردانی کی، منہ موڑا ﴿فَمَا أَمْرًا سَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا﴾ پس نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر۔ آپ ﷺ کا کام ہے سجدہ کرنا۔ ﴿وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ﴾ اور کہتے ہیں ہمارا کام ہے اطاعت کرنا۔ یہ منافقوں کا ذکر ہے۔ جب وہ آپ کی مجلس میں بیٹھے ہوتے تو کہتے کہ حضرت! ہم آپ کی اطاعت کریں گے اور آپ کو راضی کرنے کے لیے حاضر ہیں ﴿فَلَاذًا بَرُّؤًا مِنْ عِنْدِكَ﴾ پھر جب وہ نکلتے ہیں آپ کے پاس سے یعنی آپ کی مجلس سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں تو ﴿بَيِّنَاتٌ كَأَنَّهُمْ مِّنْكُمْ﴾ رات کو مشورہ کرتا ہے ایک گروہ ان میں سے ﴿عَبِيدَ الَّذِينَ يَقُولُونَ﴾ اس کے خلاف جو آپ ان کو کہتے ہیں۔ مثلاً:

آپ ﷺ نے مجلس میں طے کیا کہ فلاں مقام پر جہاد کے لیے آدمیوں کو بھیجنا ہے، فلاں کام اس طرح کرنا ہے اور فلاں کام اس طرح کرنا ہے مگر ان منافقوں کی مرضی نہیں ہوتی تو یہ جا کر رات کو مشورہ کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کے احکام کو کس طرح نالنا ہے؟ کس بہانے سے ہماری جان بچ سکتی ہے؟ اور مجلس میں بڑھ چڑھ کر باتیں کریں گے۔ ﴿وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّنُونَ﴾ اور اللہ تعالیٰ لکھتا ہے جو مشورے وہ رات کے وقت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود تو نہیں لکھتا اس نے فرشتے مقرر فرمائے ہوئے ہیں وہ نامہ اعمال لکھتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے ﴿عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدًا﴾ ایک فرشتہ دائیں کندھے پر بیٹھا ہے اور ایک بائیں پر بیٹھا ہے۔ رات والے فرشتے صبح کی نماز کے وقت چلے جاتے ہیں اور دن کی ڈیوٹی والے آجاتے ہیں۔ یہ عصر کے وقت چلے جاتے ہیں اور رات کی ڈیوٹی والے آجاتے ہیں۔ مثلاً:

صبح کی نماز جب یہاں شروع ہوئی ہے تو اس محلے کے سارے فرشتوں کی ڈیوٹی بدل گئی۔ اس طرح جب اس مسجد میں عصر کی نماز شروع ہوگی تو اس محلے کے دن والے فرشتے چلے جائیں گے اور رات کو دوسرے آجائیں گے۔ ان فرشتوں کو کراما کا تبین کہتے ہیں۔ ﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾ کوئی بات اس کی زبان پر نہیں آتی مگر ایک نگہبان

اس کے پاس تیار رہتا ہے۔“ انسان جو بات منہ سے نکالتا ہے وہ لکھ لیتے ہیں اور جو فعل کرتا ہے اس کو بھی لکھ لیتے ہیں۔ اسی طرح اگر کسی نے آنکھ یا ہاتھ سے نیکی، بدی کا اشارہ کیا تو وہ بھی لکھ لیتے ہیں۔ قیامت والے دن وہ سارا دفتر سامنے کر دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ﴿إِنَّمَا كُنْتُمْ كَفًى بِنَفْسِكُمُ الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ حَسِبًا﴾ [بنی اسرائیل: ۱۷] ”اپنی کتاب پڑھ لے، کافی ہے تیرا نفس آج کے دن اپنے حساب کے لیے۔“

وہاں اللہ تعالیٰ ہر ایک کو پڑھنے کی توفیق عطا فرما دیں گے۔ دنیا میں چاہے پڑھ سکتا تھا یا نہیں پڑھ سکتا تھا۔ قیامت والے دن ہر آدمی اپنا اعمال نامہ خود پڑھے گا۔ جب دو چار صفحے پڑھ لے گا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ذرا ٹھہر جا، یہ بتا کہ میرے فرشتوں نے تیرے ساتھ زیادتی تو نہیں کی جو اقوال اور افعال لکھے ہیں کیا تیرے ہی ہیں؟ بندہ کہے گا پروردگار! کوئی زیادتی نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اور پڑھ۔ وہ دو چار صفحے اور پڑھے گا پھر رب تعالیٰ فرمائیں گے کہ فرشتوں نے تیرے ساتھ کوئی زیادتی تو نہیں کی کہ نیکیاں نہ لکھی ہوں اور گناہ لکھ دیے ہوں؟ بندہ کہے گا نہیں پروردگار! وہی لکھا ہے جو میں نے کیا ہے۔ تو یہ سارے کا سارا ریکارڈ فرشتوں نے محفوظ کر رکھا ہے کسی غلطی میں نہ رہنا۔

لہذا یہ منافق جو رات کو مشورے کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتے لکھ لیتے ہیں، ریکارڈ سارا محفوظ ہے۔ ﴿فَاعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ پس آپ ان سے اعراض کریں۔ ان کی باتوں پر توجہ ہی نہ دیں ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کریں ﴿وَكُنْ مِنَ الْكَاذِبِينَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کا قی ہے کام بنانے والا۔ کار ساز صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں منافقوں کو منافقت سے اتنا پیار کیوں ہے؟ ﴿أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ﴾ کیا پس یہ لوگ قرآن پاک میں غور و فکر نہیں کرتے ہیں؟ میں کہتا ہوں اگر کوئی مرد یا عورت قرآن پاک کا لفظی ترجمہ ہی پڑھ لے تو اسے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایمان کی حقیقت سمجھ آ جائے گی اور کفر و شرک کی برائی سمجھ آ جائے گی۔ آج ہمارے اندر جتنی کمزوریاں ہیں ان کی وجہ صرف قرآن پاک سے دوری ہے، قرآن پاک کو سمجھا نہیں ہے۔ قرآن پاک کو سمجھنا صرف مولویوں اور طالب علموں کا کام نہیں ہے قرآن پاک کا پڑھنا، سمجھنا ہر مسلمان مرد و عورت پر لازم ہے۔

﴿وَلَوْ كَانِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ﴾ اگر ہوتا یہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ﴿لَوْ جَاءُوا فِيهِ اٰخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ البتہ پاتے وہ اس میں بہت سارا اختلاف۔ حالانکہ اس میں ذرہ برابر بھی اختلاف نہیں ہے۔ سارے کا سارا قرآن پاک مغز ہی مغز ہے، حق ہی حق ہے۔ اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین



﴿وَإِذَا جَاءَهُمْ﴾ اور جب آتا ہے ان کے پاس ﴿أَمْرٌ﴾ کوئی معاملہ ﴿قَوْنِ الْأَمْنِ﴾ امن کا ﴿أَوِ الْخَوْفِ﴾ یا خوف کا ﴿أَدَاغُوا بِهِ﴾ وہ اس کو مشہور کر دیتے ہیں ﴿وَبَوَّأُوهُمَا إِلَى الرَّسُولِ﴾ اور اگر لوٹاتے اس معاملے کو رسول ﷺ کی طرف ﴿وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ﴾ اور ان کی طرف جو ان میں سے صاحب امر ہیں، یعنی رائے والے ہیں ﴿لَعَلَّهُمْ﴾ البتہ جان لیں اس کو ﴿الَّذِينَ﴾ وہ لوگ ﴿يَسْتَبْطُونَهُ﴾ جو خوب تحقیق کر سکتے ہیں اس کی ﴿مِنْهُمْ﴾ ان میں سے ﴿وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ﴾ اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ تعالیٰ کا ﴿عَلَيْكُمْ﴾ تم پر ﴿وَمَا حَسْبُهُ﴾ اور اس کی رحمت و مہربانی ﴿لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ﴾ البتہ پیروی کرتے تم شیطان کی ﴿إِلَّا قَلِيلًا﴾ مگر بہت تھوڑے ﴿فَقَاتِلْ﴾ پس لڑو تم ﴿فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ﴿لَا تُكَلِّفُ﴾ نہیں تکلیف دی جائے گی تجھے ﴿إِلَّا نَفْسَكَ﴾ مگر تیری جان تک ﴿وَخَرَضَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ اور برا بیچتے کرو ایمان والوں کو جہاد پر ﴿عَسَى اللَّهُ﴾ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ﴿أَنْ يُّكَلِّفَ﴾ یہ کہ روک دے ﴿بِأَسْوَاقِ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ گرفت ان لوگوں کی جو کافر ہیں ﴿وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا﴾ اور اللہ تعالیٰ سخت ہے گرفت میں ﴿وَأَشَدُّ تَنَكُّلًا﴾ اور بہت سخت ہے سزا دینے میں ﴿مَنْ يَشْفَعُ﴾ جو شخص سفارش کرے گا ﴿شَفَاعَةً حَسَنَةً﴾ اچھی سفارش ﴿يَكُنْ لَهُ﴾ ہوگا اس کے لیے ﴿فَصِيبٌ مِّنْهَا﴾ اس سفارش میں حصہ ﴿وَمَنْ يَشْفَعُ﴾ اور جو سفارش کرے گا ﴿شَفَاعَةً سَيِّئَةً﴾ بری سفارش ﴿يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِّنْهَا﴾ اس کے لیے ہوگا حصہ اس میں ﴿وَكَانَ اللَّهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ﴾ ہر چیز پر ﴿مُقَيَّنًا﴾ قدرت رکھنے والا ﴿وَإِذَا حُيِّيتُمْ﴾ اور جب تم کو دعا دی جائے ﴿بِحَاجَةٍ﴾ سلام کے ساتھ ﴿فَحَيُّوا﴾ پس تم بھی دعا دو ﴿بِأَحْسَنِ مِنْهَا﴾ اس سے بہتر طریقے سے ﴿أَوْ مُدْذَوِّهَا﴾ یا اسی کو لوٹا دو ﴿إِنَّ اللَّهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا﴾ ہر چیز کا حساب لینے والا ﴿اللَّهُ﴾ اللہ تعالیٰ ہی ہے ﴿لَا إِلَهَ﴾ نہیں کوئی معبود ﴿إِلَّا هُوَ﴾ مگر وہی ﴿لِيَجْمَعَنَّكُمْ﴾ البتہ وہ ضرور جمع کرے گا ﴿إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ قیامت والے دن ﴿لَا رَيْبَ فِيهِ﴾ جس میں کوئی شک شبہ نہیں ہے ﴿وَمَنْ أَضْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا﴾ اور کون زیادہ سچا ہے اللہ تعالیٰ سے بات کرنے میں۔

ربط آیات

اس سے پہلی آیات میں بھی منافقین کی تردید تھی اور اس آیت کریمہ میں بھی منافقوں کی تردید ہے۔ منافقوں کے ایجنٹ آکر انہیں پھیلاتے کہ ہم نے آنکھوں سے دیکھا ہے بہت بڑی فوج مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے والی ہے اور شہر سے چند میل

دور ہے۔ طبعی بات ہے کہ ایسی خبر جب عوام سنتے ہیں تو پریشان ہو جاتے ہیں، عورتیں پریشان ہوتی ہیں، بچے پریشان ہوتے ہیں، کیونکہ جنگ جنگ ہوتی ہے۔ ایسی خبر جب منافق سنتے تو آنا فانا شہر میں مشہور کر دیتے کہ حملہ ہونے والا ہے اور آنے والے فوجیوں کو دیکھنے والوں نے آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اس کا اثر یہ ہوتا کہ سارے ساتھی پریشان ہو جاتے۔ حالانکہ حقیقت کچھ بھی نہیں ہوتی تھی۔ یہ افراتفری پھیلانے کے لیے ایسی خبریں مشہور کر دیتے تھے۔

یا مثلاً: جنگ شروع ہے زوروں پر اور کوئی دشمن کا ایجنٹ آیا اور کہا کہ صلح ہو گئی ہے، امن ہو گیا ہے اور ظاہر بات ہے کہ امن کی بات سن کر سارے مطمئن ہو جاتے ہیں اور نظریہ یہ ہوتا تھا کہ جب یہ مطمئن ہو جائیں تو دشمن اچانک حملہ کرے گا۔ تو یہ منافق امن کی بات کو بھی جلد پھیلاتے اور خوف کی بات کو بھی جلد پھیلاتے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ﴾ اور جب آتا ہے ان کے پاس کوئی معاملہ امن کا یا خوف کا ﴿أَذَاعُوا بِهِ﴾ وہ اس کو مشہور کر دیتے ہیں ﴿وَلَوْ تَرَدُّوا إِلَى الْأَرْضِ لَوَلَّاتُ بِهَا﴾ اور اگر لوٹتے اس معاملے کو رسول ﷺ کی طرف ﴿وَأَنَّ الْأُمْرُ مِنْهُمْ﴾ اور ان کی طرف جو ان میں صاحب امر ہیں یعنی رائے والے ہیں اور سمجھ دار ہیں ﴿لَعَلَّيْنَا الَّذِينَ﴾ البتہ جان لیں اس کو وہ لوگ ﴿يَسْتَفْهِمُونَ مِنْهُمْ﴾ ان میں سے جو خوب تحقیق کر سکتے ہیں اس کی۔

اس وقت آنحضرت ﷺ خود بنفس نفس مدینہ طیبہ میں موجود تھے۔ تو فرمایا آپ ﷺ کی طرف یا صاحب رائے اور سمجھ دار لوگ جو ہیں ان کی طرف خبر کو لوٹاؤ تاکہ وہ تحقیق کریں کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ واقعی کوئی خوف خطرہ ہے؟ اور کیا واقعی امن قائم ہو گیا ہے؟ صلح ہو گئی ہے؟ سمجھ دار لوگ تو بات کی تہہ کو پہنچ سکتے ہیں عام لوگوں میں ایسی بات نشر نہ کرو تاکہ پریشانی کا سبب نہ بنے۔

اخبارات خرابیوں کا سبب

اسلام امن اور نظم کا طریقہ سکھاتا ہے اور ہر اس بات سے منع کرتا ہے جو شر اور فساد کا باعث ہو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ "آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے کافی ہے کہ ہر سنی سنائی بات آگے بیان کر دے اور پھیلاتا پھرے۔" یاد رکھنا! جب تک بات کی پوری تحقیق نہ ہو آگے نہیں کرنی چاہیے۔ آج بہت ساری خرابیوں کا سبب اخبارات بھی ہیں کہ یہ ہر بات کی تشہیر کر دیتے ہیں جس سے ملک میں بد امنی پھیلتی ہے اور وہ سنسنی پھیلاتے ہیں کہ ہم نے نئی خبر دی ہے۔ حالانکہ بہت ساری باتیں مبنی بر حقیقت نہیں ہوتیں اور ان سے غلط خیالات پیدا ہوتے ہیں۔

لہذا ہر سنی سنائی بات کو بیان کرنا بھی گناہ اور جھوٹ ہے۔ قرآن پاک میں آتا ہے ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾ [بنی اسرائیل: ۳۶] "جس چیز کا تجھے علم نہیں ہے اس کے پیچھے نہ پڑ۔" اس کو بیان نہ کر، ہو سکتا ہے کسی کی دل شکنی ہو، کسی کو تکلیف پہنچے اور اس سے خرابی ہو۔ فرمایا ﴿وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ﴾ اور اگر نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت

﴿لَا تَبِعْتُمْ الشَّيْطَانَ﴾ البتہ پیروی کرتے تم شیطان کی ﴿إِلَّا قَلِيلًا﴾ مگر بہت تھوڑے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل یہ ہے کہ اس نے نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا اور قرآن پاک نازل فرمایا اور آنحضرت ﷺ پر احکام نازل فرمائے، جن کو سنت کہتے ہیں اور تمہیں ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے اور ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اے پروردگار! تیرا شکر ہے کہ تو نے ہمیں مسلمانوں کے گھر پیدا فرمایا اور مسلمان بنایا اور وہ بھی صرف نام کا نہیں بلکہ صحیح معنی میں مسلمان بنایا۔ نماز، روزے کی پابندی کرنے کی توفیق عطا فرمائی، زبان قابو میں، نگاہ پر کنٹرول، کان قابو میں، ظاہر قابو میں، باطن قابو میں، حلال و حرام کی تمیز حاصل ہوئی۔ یہ سب اسلام کے اصول ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے۔ جس مرد و عورت کو یہ چیزیں حاصل ہیں، کلمہ اور ایمان نصیب ہیں وہ ایک دفعہ نہیں کروڑ مرتبہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے تو کم ہے۔ کیونکہ قیامت والے دن کافر کو نجات نصیب نہیں ہوگی چاہے وہ سونے سے بھری ہوئی زمین بھی بدلے میں دے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَإِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا ﴿وَمَا تَوَاتَوْا لَهُمْ كُفْرًا﴾ اور وہ مرے اس حالت میں کہ کافر تھے ﴿فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ﴾ پس ہرگز نہیں قبول کی جائے گی ان میں سے کسی ایک سے ﴿قَبْلَءِ الْأَرْضِ ذَهَبًا﴾ سونے سے بھری ہوئی زمین ﴿وَلَوْ أَقْتَلَىٰ بِهٖ﴾ اور اگر چہ وہ اس کو بطور فدیہ کے دے دے۔ اور دوسرے مقام پر آتا ہے کہ ﴿لَوْ أَنَّ لَكُمْ مَعَاذَ الْأَرْضِ جَبِينًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَا قَتَلَ بَہٗ﴾ اگر روئے زمین کے سب خزانے ان کے پاس ہوں اور اس کے ساتھ اتنے ہی اور ہوں تو وہ انہیں فدیہ کے طور پر دینے کے لیے تیار ہو جائیں گے مگر پھر بھی نجات کہاں؟ ﴿أُولَٰئِكَ لَنْ يَسُؤَ الْجَسَابُ﴾ ایسے لوگوں کا حساب برا ہوگا [الرعد: ۱۸] ﴿وَمَا ذُنُوبُهُمْ جَهَنَّمَ﴾ اور ٹھکانا ان کا دوزخ ہے۔ وہاں پر یہ کچھ دے کر بھی کوئی کہے کہ میں اسلام قبول کرتا ہوں مجھے معافی مل جائے تو قبول نہیں کیا جائے گا، نہ معافی ملے گی۔ تو جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں کلمہ، ایمان کی توفیق عطا فرمائی ہے وہ رب تعالیٰ کا جتنا بھی شکر کرے، کم ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ پس لڑو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اے نبی کریم ﷺ! اگر یہ منافق جہاد میں شریک نہیں ہوتے تو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں لڑیں ﴿لَا تُكَلِّفُ إِلَّا نَفْسَكَ﴾ آپ کو تکلیف نہیں دی جائے گی مگر آپ کی جان تک۔ تمہیں تمہارے نفس کا مکلف بنایا گیا ہے ﴿وَوَحْشَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ اور برا بھینٹہ کر ایمان والوں کو جہاد پر۔ ایمان والوں کو بھی جہاد کی ترغیب دو اور آمادہ کر دو ﴿عَسَىٰ اللَّهُ أَنْ يُلْكَفَ بِأَسْ الذِّنِينَ كَفْرًا﴾ قریب ہے یہ کہ اللہ تعالیٰ روک دے گرفت ان لوگوں کی جو کافر ہیں۔ یعنی کافروں کی قوت اور اسلحہ سے نہ گھبراؤ، تعداد سے نہ گھبراؤ، اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔

نصرتِ خداوندی

آنحضرت ﷺ کے دور میں دو ہی بڑی حکومتیں تھیں، ایک قیصر کی جو عیسائی تھا، دوسری کسریٰ کی جو ایران کا بادشاہ تھا۔ لاکھوں کی تعداد میں ان کی فوجیں تھیں۔ صرف یرموک کے مقام پر رومیوں کی سات لاکھ فوج میدان میں تھی اور مقابلے

میں مسلمان صرف پینتیس [۳۵] یا چھتیس [۳۶] ہزار تھے۔ کیا نسبت ہے؟ مگر جب لڑائی ہوئی تو سات لاکھ میں ایک لاکھ تین ہزار قتل ہوئے اور مسلمان صرف تین ہزار شہید ہوئے اور باقیوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی۔

قادسیہ کے میدان میں آمین ہذا الأمتہ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ چیف کمانڈر تھے، ایک حصے کی کمان حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔ جب لڑائی زوروں پر پہنچی تو انھوں نے چیف کمانڈر سے پوچھا حضرت! ہمارے ساتھی لڑکر تھک چکے ہیں اور کچھ زخمی ہیں اور ایک طرف دشمنوں کی ساٹھ ہزار فوج ہے، اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں ساٹھ آدمیوں کا ساٹھ ہزار سے مقابلہ کرانا چاہتا ہوں۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے تامل فرمایا اور کہا کہ ساٹھ آدمیوں کا ساٹھ ہزار سے مقابلہ؟ لیکن جب ان کا جذبہ دیکھا تو اجازت دے دی۔ تاریخ میں موجود ہے غزوی سبتون ہم سبتون ألفا واقع ہذا تولو المذہبین۔ ”ساٹھ نے ساٹھ ہزار کا مقابلہ کیا اور باوجود اس کے ساٹھ ہزار کو شکست ہوئی اور ساٹھ میں سے صرف دس آدمی شہید ہوئے اور باقیوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی۔“ ایمان مضبوط ہو تو سب کچھ ہے مگر افسوس ہے کہ ہمارے ایمان کمزور ہیں۔ یاد رکھنا! مضبوط ایمان کے مقابلہ میں دنیا کا کوئی ہتھیار کام نہیں کر سکتا۔ کافر جتنا چاہیں ہتھیاروں پر گھمنڈ کریں اور اپنی فوج پر فخر کریں۔ کیونکہ جب ایمان مضبوط ہوگا، اعمال درست ہوں گے، اللہ تعالیٰ فضل فرمائیں گے، رحمت نازل ہوگی اور فرشتے امداد کے لیے نازل ہوں گے۔ مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے کیا خوب کہا ہے:۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو

اُتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

”ایمان کی وہ فضاء پیدا کر جو بدر میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اندر تھی اور ان کی مدد کے لیے فرشتے نازل ہوئے تھے۔ اگر وہ کیفیت ہو تو اب بھی فرشتے اُترنے کے لیے بے تاب ہیں۔“

﴿وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَأْسًا﴾ اور اللہ تعالیٰ سخت ہے گرفت میں ﴿وَأَشَدُّ تَنكِيلًا﴾ اور بہت سخت ہے سزا دینے میں۔ بات چل رہی ہے جہاد کی اور ایسے موقع پر اسلحہ اور دیگر اخراجات کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ سارے مجاہد مال دار نہیں ہوتے۔ بلکہ ایسے مجاہد بھی ہوتے ہیں جن کے پاس نہ اسلحہ ہوتا ہے اور نہ سفر کا خرچ ہوتا ہے۔ لہذا ایسے مجاہدین کی معاونت دوسرے ساتھیوں نے کرنا ہوتی ہے۔ پھر ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو خود تعاون نہیں کر سکتے بلکہ دوسروں کو سفارش کرتے ہیں کہ ان کی مدد کرو۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَنْ يَشْفَعْ سَفَاعَةَ حَسَنَةٍ﴾ جو شخص سفارش کرے گا اچھی سفارش ﴿يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِّنْهَا﴾ ہوگا اس کے لیے اس سفارش میں سے حصہ یعنی جو شخص جائز کام میں کسی کی سفارش کرے گا اس کو ثواب ملے گا۔ مثلاً: کوئی آدمی بے گناہ پکڑا ہوا ہے کہ اس نے نہ چوری کی ہے، نہ ڈاکا مارا ہے، نہ قتل کیا ہے، مگر ناجائز طور پر اس کو پکڑ لیا ہے تو ایسے مظلوم شخص کی جو مدد کرے گا، اس کو ثواب ملے گا۔ ﴿وَمَنْ يَشْفَعْ سَفَاعَةَ سَيِّئَةٍ﴾ اور جو سفارش کرے گا بُری سفارش ﴿يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِّنْهَا﴾ ہوگا اس کے لیے حصہ اس میں سے۔ بری سفارش پر گناہ ملے گا۔ مثلاً:

کوئی شخص واقعتاً چور ہے، اس کو رہا کرانے کی جو سفارش کرے گا وہ بھی چور ہوگا۔ ڈاکو کی سفارش کرتا ہے یا قاتل کی سفارش کرتا ہے تو یہ سفارش کرنے والا اتنا ہی مجرم ہے۔ اور جب آدمی پکڑا جاتا ہے تو رشتہ داریاں تلاش کی جاتی ہیں، تعلقات ڈھونڈے جاتے ہیں، بہت کچھ ہوتا ہے، اس لیے مسئلے کو اچھی طرح سمجھ لو اور جائز، ناجائز کا فرق کرو۔ بے گناہ پکڑا ہوا ہے تو اس کی سفارش کرو، ثواب ملے گا اور اگر مجرم ہے اور واقعتاً مجرم ہے، اس کی رہائی کے لیے سفارش کر دے تو تم بھی اسی طرح کے مجرم ہو گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی کو ناحق قتل کرتا ہے جس طرح یہ مجرم ہے اسی طرح جو شخص ناحق قتل پر آمادہ کرتا ہے، ابھارتا ہے، مشورہ دیتا ہے، وہ بھی اسی طرح کا قاتل اور مجرم ہے۔ مثلاً: کوئی شخص کسی کو کہتا ہے "اقتل زیداً" تو زید کو قتل کر دے۔ "یا پورا جملہ بھی نہیں بولتا، صرف کہتا ہے زیداً زیداً بلا شیری دیتے ہوئے کہتا ہے "قتل کر دے، قتل کر دے۔" تو حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر اس نے قتل کر دیا تو جتنا مجرم قاتل ہے، ادھورا جملہ بولنے والا بھی اتنا ہی قاتل اور مجرم ہے۔

اور مسئلہ یہ ہے کہ قتل میں جتنے آدمی بھی شریک ہوں دو، چار، دس یا اس سے زیادہ سب برابر کے مجرم ہوتے ہیں اور جرم ثابت ہونے پر سب کو سزا ہوگی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کا واقعہ ہے کہ ایک شخص کافی جائیداد کا مالک تھا اور اولاد میں صرف ایک لڑکا تھا جس کی عمر تقریباً پانچ چھ سال ہوگی۔ اس کے رشتہ داروں میں سے بعض کی نیت خراب ہو گئی کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر جائیداد کا مالک بنے گا کیونکہ یہ وارث ہے لہذا آج ہی اس کو فارغ کر دو تا کہ جائیداد پر ہمارا قبضہ ہو جائے۔ تقریباً سات آدمیوں نے باہم مشورہ کر کے اس کو قتل کر دیا۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ واقعتاً یہ قاتل ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سب کو قتل کرو۔ بعض حضرات نے کہا حضرت! مقتول ایک تھا اور تھا بھی بچہ اور یہ سات ہیں اور ہیں بھی بڑے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر صنعاء والے سارے اس کے قتل میں شریک ہوتے تو میں سب کو قتل کر دیتا۔ صنعاء یمن کے ملک میں ایک شہر کا نام ہے۔ اس لیے بری سفارش سے بچو، غلط سفارش کرنے والا برابر کا مجرم ہوتا ہے۔ ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا۔

السلام علیکم کہنے کی فضیلت اور مصافحہ و معانقہ کا شرعی حکم

آگے اور مسئلہ کا بیان ہے۔ فرمایا ﴿وَإِذَا حُيِّبْتُمْ بِسَبِيحَةٍ﴾ اور جب تمہیں دعا دی جائے سلام کے ساتھ تو یعنی جب تم کو کوئی سلام علیکم کہے ﴿فَحَيُّوْا بِأَحْسَنِ مِنْهَا﴾ پس تم بھی دعا دو اس سے بہتر طریقہ سے۔ بہتر طریقہ یہ ہے کہ تم جواب میں کہو: وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ۔ اگر اس نے کہا ہے: السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ۔ تو تم کہو: وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ ومغفرته۔ یہ چار الفاظ بوداؤد شریف کی حدیث سے ثابت ہیں۔

﴿أَوْ مَادُوْهَا﴾ یا اسی کو لو نادو۔ یعنی اس نے کہا ہے: السلام علیکم۔ تم جواب میں کہو: وعلیکم السلام۔

اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ: السلام علیکم مکمل جملہ ہے، اس کی دس نیکیاں ہیں اور رحمة اللہ بھی مکمل جملہ ہے اس کی بھی دس نیکیاں ہیں، وہو کاتہ بھی مکمل جملہ ہے اس کی بھی دس نیکیاں ہیں، ومغفرتہ بھی مکمل جملہ ہے اس کی بھی دس نیکیاں ہیں۔ یعنی اگر کوئی شخص یہ چاروں جملے کہے گا تو اس کو چالیس نیکیاں مل جائیں گی۔

اور حدیث کے فن میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب ہے ”الأدب المفرد“ اس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ الفاظ بھی منقول ہیں وَطَيِّبَتْ صَلَوَاتُهُ ”اللہ تعالیٰ کی پاکیزہ رحمتیں تجھ پر نازل ہوں۔“ تو جتنی جس کو توفیق ہو اس سے بہتر جواب دے، زیادہ نیکیاں کمالے یا جتنے الفاظ اس نے کہے ہیں تم بھی اتنے کہہ دو، اگر وقت نہیں ہے اتنے کہنے کا۔ اور مسئلہ یہ ہے کہ السلام علیکم کہنا سنت ہے اور اس کے جواب میں وعلیکم السلام کہنا واجب ہے اور واجب کا درجہ سنت سے بڑا ہوتا ہے اور یہ عملی طور پر فرض ہوتا ہے۔

اور یہ مسئلہ بھی سمجھ لیں کہ بعض ایسے مقام ہیں کہ وہاں سلام کہنا مکروہ ہے۔ مثلاً: کوئی شخص بیت الخلاء میں ہے تو اس کو سلام کہنا مکروہ ہے یا کوئی بڑا کام کر رہا ہے۔ مثلاً: ڈاڑھی منڈا رہا ہے یا کسی کی شیو کر رہا ہے، ان دونوں کو سلام کرنا مکروہ ہے یا جو تاش کھیل رہا ہے، ان کو بھی سلام کرنا مکروہ ہے۔ غرضیکہ جو شخص غیر شرعی کام میں مشغول ہو اس کو سلام کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ سلام کا معنی ہے اللہ تجھے سلامتی میں رکھے، تو جو شخص بڑا کام کر رہا ہے وہ تو بددعا کا مستحق ہے نہ کہ دعا کا۔

وضو کے موقع پر کچھ لوگ وضو کر رہے ہوتے ہیں اور کچھ وضو کی تیاری میں ہوتے ہیں لہذا اس موقع پر سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن وعظ و نصیحت کی مجلس ہے یا قرآن وحدیث کا درس ہو رہا ہے تو اس موقع پر سلام کرنے والا گنہگار ہوگا۔ اذان کہنے والے کو جب وہ اذان کہہ رہا ہے تو سلام نہیں کرنا۔ خطبہ جمعہ ہو رہا ہے تو سلام نہیں کرنا بلکہ خاموشی سے بیٹھ جانا ہے۔ اور جس طرح مرد ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں اسی طرح عورتیں بھی ایک دوسرے کو سلام کریں اور مصافحہ بھی کر سکتی ہیں، معافقہ بھی کر سکتی ہیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا حضرت! جب آدمی کچھ عرصہ کے بعد ملے تو کیا گلے ملتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! معافقہ کر سکتا ہے اور مصافحہ کے بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باقاعدہ باب قائم کیا ہے الْمَصَافِحَةُ بِالْمَيَدَانِ ”مصافحہ دونوں ہاتھوں سے ہے ایک ہاتھ سے نہیں۔“

عورتیں بھی آپس میں مصافحہ اور معافقہ کر سکتی ہیں، مرد محرم عورتوں کو سلام کر سکتے ہیں غیر محرم کو نہیں کر سکتے مگر یہ کہ کافی بوزھی ہو تو اس کو نوجوان سلام کرے تو کوئی حرج نہیں ہے اور عورتیں غیر محرم کے ساتھ ہاتھ نہیں ملا سکتیں اور محرم کے ساتھ مثلاً: باپ ہے، بیٹا ہے، دادا ہے، عورتیں بھی ہاتھ ملا سکتی ہیں۔

﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہے ہر چیز کا حساب لینے والا۔ ﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے، کوئی معبود نہیں ہے، کوئی سجدے کے لائق نہیں ہے، کوئی نذر و نیاز کے لائق نہیں ہے، اس کے سوا کوئی

خالق نہیں ہے، کوئی مالک نہیں ہے، کوئی رازق نہیں ہے، کوئی مشکل کشا نہیں ہے، کوئی حاجت روا نہیں ہے، کوئی فریادرس نہیں ہے، کوئی دست گیر نہیں ہے، اس کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کے اوصاف ہیں۔

﴿لِيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ البتہ وہ ضرور تمہیں جمع کرے گا قیامت کے دن۔ اس دن تم سارے اللہ تعالیٰ کی عدالت میں حاضر ہو گے ﴿لَا تَمَيِّبْ فِيهِ﴾ قیامت کے دن میں کوئی شک نہیں ہے وہ ضرور آئے گا ﴿وَمَنْ أُوْذِيَ مِنَ اللَّهِ﴾ اور کون زیادہ سچا ہے اللہ تعالیٰ سے بات کرنے میں؟ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی بات کس کی ہو سکتی ہے؟ اس نے قرآن میں فرمایا ہے کہ قیامت برحق ہے اور ایمانی عقیدوں میں ایک عقیدہ ہے کہ قیامت برحق ہے۔



﴿فَمَا لَكُمْ﴾ پس کیا ہو گیا ہے تمہیں ﴿فِي السُّفْيَانِ﴾ منافقین کے بارے میں ﴿فَمَتَّيْنِ﴾ کہ تم دو گروہ ہو گئے ہو ﴿وَاللَّهُ﴾ اور اللہ نے ﴿أَمْرًا كَثُومًا﴾ ان کو الٹا پھیر دیا ہے ﴿بِمَا كَسَبُوا﴾ ان کی کمائی کی وجہ سے ﴿أَتُرِيدُونَ﴾ کیا تم ارادہ کرتے ہو ﴿أَنْ تَهْتَدُوا﴾ یہ کہ ہدایت دو ﴿مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ﴾ جسے اللہ نے گمراہ کر دیا ہے ﴿وَمَنْ يُضِلَّ اللَّهُ﴾ اور جس کو اللہ گمراہ کر دے ﴿فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا﴾ پس ہرگز نہیں پائے گا تو اس کے لیے راستہ ﴿وَدُّوا﴾ اور وہ پسند کرتے ہیں اس بات کو ﴿لَوْ تَكْفُرُونَ﴾ کہ تم بھی کافر ہو جاؤ ﴿كَمَا كَفَرُوا﴾ جیسا کہ وہ کافر ہو گئے ہیں ﴿فَتَكُونُونَ﴾ پس تم ہو جاؤ ﴿سَوَاءً﴾ برابر ﴿فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ﴾ پس نہ بناؤ تم ان میں سے کسی کو ﴿أَوْلِيَاءَ﴾ دوست ﴿حَتَّىٰ يَهَاجِرُوا﴾ یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں ﴿فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ اللہ کے راستے میں ﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا﴾ پس اگر وہ پھر جائیں ﴿فَخُذُوهُمْ﴾ پس تم ان کو پکڑو ﴿وَاقْتُلُوهُمْ﴾ اور تم ان کو قتل کرو ﴿حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ﴾ جہاں کہیں تم ان کو پاؤ ﴿وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ﴾ اور نہ بناؤ ان میں سے کسی کو ﴿وَلِيًّا﴾ دوست ﴿وَلَا نُصِيْرًا﴾ اور نہ مددگار ﴿إِلَّا الَّذِينَ﴾ مگر وہ لوگ ﴿يَصِلُونَ﴾ جو ملتے ہیں ﴿إِلَىٰ تَوْبِهِ﴾ ایسی قوم کی طرف ﴿بَيْنَكُمْ﴾ تمہارے درمیان ﴿وَبَيْنَهُمْ﴾ اور ان کے درمیان ﴿مِيثَاقٍ﴾ معاہدہ ہے ﴿أَوْ جَاءُوكُمْ﴾ یا لائیں تمہارے پاس ﴿حَصْرًا صُدُّوهُمْ﴾ کہ تنگ ہو گئے ہیں ان کے سینے ﴿أَنْ يُقَاتِلُوكُمْ﴾ یہ کہ تمہارے ساتھ لڑیں ﴿أَوْ يُقَاتِلُوا تَوْمَهُمْ﴾ یا آپس میں لڑنے لگیں ﴿وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ﴾ اور اگر اللہ چاہے ﴿لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ﴾ تو ان کو تم پر مسلط کر دے ﴿فَلَقَاتِلُوكُمْ﴾ پس وہ ضرور تمہارے ساتھ لڑیں ﴿فَإِنْ اعْتَرَفْتُمْ﴾ پس اگر وہ کنارہ کشی کریں تم سے ﴿فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ﴾ پس نہ لڑیں وہ تمہارے ساتھ ﴿وَالْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ﴾ اور ڈالیں تمہاری طرف صلح کی بات ﴿فَمَا

جَعَلَ اللَّهُ ﴿﴾ پس نہیں بنایا اللہ نے ﴿لَكُمْ﴾ تمہارے لیے ﴿عَلَيْهِمْ﴾ ان کے خلاف ﴿سَبِيلاً﴾ کوئی بھی راستہ۔

شان نزول ﴿﴾

مفسرین کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، جن کی تعداد بعض نے تیس بتائی ہے اور بعض نے چالیس بتائی ہے اور بعض نے پچاس بتائی ہے۔ آ کر کہا کہ ہم مختلف قبیلوں سے تعلق رکھتے ہیں ہمیں اسلام کے متعلق معلومات ہوئی تھیں لیکن ہم نے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا فیصلہ کیا ہے کہ بڑا برا راستہ اسلام کے متعلق بیان لیں۔

یہ لوگ چند دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایمان کی حقیقت سمجھائی اور اسلامی احکامات سے آگاہ فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی بڑی عزت و خدمت کی۔ کیونکہ اسلام کا اصول ہے مہمان کی عزت کرنا اور خدمت کرنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ((مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ)). [بخاری، رقم ۶۱۳۵] تم میں سے جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اُسے چاہیے کہ مہمان کی عزت کرے۔ اپنی طاقت کے مطابق مہمان کی عزت کرنا ایمان کا حصہ ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ پختہ ایمان کس کا ہو سکتا ہے؟ انہوں نے ان کی بڑی خدمت کی۔ ان لوگوں کے اٹھنے بیٹھنے اور بولنے چالنے سے معلوم ہوتا تھا کہ واقعی سچے مسلمان ہیں۔

چند دن بعد کہنے لگے: حضرت! ہم تو مسلمان ہو گئے ہیں، اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ دوسرے لوگوں کی طرح ہم بھی اپنے بال بچوں سمیت ہجرت کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ طیبہ آ جائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہیں۔ لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اجازت دیں ہم چند دنوں تک مثلاً: بیس، پچیس دنوں تک بال بچوں کو لے کر آ جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت اچھی بات ہے لے آؤ۔ جب مہینہ گزر گیا، ڈیڑھ مہینہ گزر گیا، دو مہینے گزر گئے اور وہ نہ آئے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے منتظر تھے کہ وہ آئیں اور ہم ان کی خدمت کریں، مگر کافی دقت گزرنے کے باوجود نہ آئے تو ان کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے مختلف ہو گئی۔

ایک گروہ کی رائے یہ تھی کہ وہ لوگ مخلص نہیں تھے منافق تھے، وقت گزارنے آئے تھے چلے گئے۔ مخلص ہوتے تو وعدہ پورا کرتے۔ کیونکہ وعدہ پورا کرنا بھی ایمان کا حصہ ہے۔ اگر کوئی مجبوری بن گئی تھی تو اطلاع کرتے سارے نہ آتے کچھ آ جاتے۔

دوسرے گروہ نے کہا کہ کوئی مجبوری بن گئی ہوگی۔ علاقہ بھی ان کا خاصا دور ہے کسی سے کچھ لینا ہوتا ہے کسی کو کچھ دینا ہوتا ہے، گھر کے افراد کو آمادہ کرنا ہوتا ہے، سامان باندھنا ہوتا ہے۔ دونوں اپنے اپنے دلائل دیتے رہے کیونکہ انسان کا مزاج ہے کہ اپنی رائے پر ہر کوئی قرینہ و دلیل پیش کرتا ہے کہ میری بات اس لیے صحیح ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آپس میں بحث چل پڑی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِتْنَةٍ﴾ پس تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو گئے ہو۔ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ منافق تھے اور جاسوسی کرنے کے لیے آئے تھے ﴿وَإِنَّ اللَّهَ أَمَرَ كَثِيرًا مِّنْهُمْ بِمَآ كَسَبُوا﴾ اللہ نے ان

کو الٹا پھیر دیا ہے ان کی کمائی کی وجہ سے۔ تم کیوں آپس میں جھگڑتے ہو؟ اپنے دعوؤں پر دلائل پیش کرتے ہو؟ ﴿أَتُرِيدُونَ أَنْ تَهْتَدُوا﴾ کیا تم ارادہ کرتے ہو کہ ہدایت دو ﴿مَنْ أَضَلُّ لِمَنْ﴾ جس کو اللہ گمراہ کر دے ﴿وَمَنْ يُضِلِّ اللَّهُ﴾ اور جس کو اللہ گمراہ کر دے ﴿فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا﴾ پس ہرگز نہیں پاؤ گے تم ان کے لیے راستہ۔

یہاں ایک بات ضروری سمجھنے والی ہے لہذا اس کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ وہ یہ کہ قرآن پاک میں مختلف مقامات پر آتا ہے ﴿يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ [سورۃ النحل، پارہ: ۱۳] ”اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔“ ان آیات کو جب سطحی ذہن والے پڑھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ جب اللہ ہی ہدایت دیتا ہے اور اللہ ہی گمراہ کرتا ہے تو پھر بندے کا کیا گناہ اور قصور ہے؟ اور واقعی سطحی طور پر یہ سوال ذہن میں آتا ہے۔ اللہ نے ہدایت دینے اور گمراہ کرنے کے اصول بیان فرمائے ہیں کہ وہ کن لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور کن لوگوں کو ہدایت دیتا ہے۔

چنانچہ ارشادِ ربانی ہے ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ﴾ ”بے شک اللہ اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو اپنے اختیار سے حد سے نکلنے والا ہوتا ہے اور جھوٹا ہو۔“ یعنی اللہ نے جو حدیں مقرر فرمائی ہیں ان سے تجاوز کرنے والا ہو اور جھوٹا بھی ہو تو ایسے شخص کو اللہ ہدایت نہیں دیتا۔ ایسا نہیں ہے کہ جبراً ہر ایک کو گمراہ کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص ہدایت حاصل کرنے کے لیے تیار نہیں ہے، ضد پر ہے، اکڑا ہوا ہے تو ایسے شخص کو اللہ ہدایت نہیں دیتا۔ اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے ﴿اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَى آلِيهِ مَنْ يَشَاءُ﴾ ”اللہ چاہتا ہے، مائل کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے اس کو جو رب کی طرف رجوع کرتا ہے۔“ اس سے معلوم ہوا کہ جو رب کی طرف رجوع نہیں کرتا اس کو اللہ زبردستی ہدایت نہیں دیتا۔

اسی طرح تیسری پارے میں آیا ہے ﴿إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَى آلِيهِ مَنْ أَرَادَ﴾ ”بے شک اللہ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ﴿مُسْرِفٌ كَذَّابٌ﴾ کو ہدایت نہیں ملتی اور ہدایت دیتا ہے اپنی طرف سے اس کو جس نے رب کی طرف رجوع کیا۔“

اور رجوع کرنے والے کون ہیں؟ آگے ان کو بیان فرمایا ﴿الَّذِينَ آمَنُوا﴾ جو لوگ ایمان لائے ﴿وَتَكَلَّمُوا بِكَلِمَاتِهِمْ﴾ اور مطمئن ہیں دل ان کے ﴿ہذا کہم اللہ﴾ اللہ کے ذکر سے۔ یعنی جو لوگ خود ایمان لاتے ہیں، رجوع کرتے ہیں، ان کو اللہ ہدایت دیتا ہے۔ تو گمراہی میں بھی انسان کا دخل ہے اور ہدایت میں بھی انسان کا پورا پورا دخل ہے۔

ایک اور آیت کریمہ دیکھ لو۔ فرمایا ﴿فَلَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ﴾ [الکہف: ۲۹] ”پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے۔“ تو اللہ نے ایمان لانے کا اختیار دیا ہے اور کفر اختیار کرنے کا اختیار دیا ہے آدمی مجبور نہیں ہے۔ اسی طرح ایک مقام پر یہ بات اس طرح سمجھائی ہے ﴿فَلَمَّا ذَاقُوا كُرْهُ دَعْوِ اللَّهِ قَالُوا لَوْلَا ذَاكَ اللَّهُ فُلْؤُومٌ﴾ [الصف: ۵] ”پس جب انھوں نے ٹیڑھا پن اختیار کیا تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔“ خود ٹیڑھے راستے پر چلے اللہ نے بھی ان کو چلا دیا اور فرمایا ﴿وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾ [سورۃ التوبہ] ”اللہ نہیں ہدایت دیتا نافرمان قوم کو۔“

یہ آیت میں نے اس لیے بیان کی ہے تاکہ آپ حضرات کو مسئلہ اچھی طرح سمجھ آ جائے کہ انسان نہ تو ایمان لانے میں مجبور ہے اور نہ کفر اختیار کرنے میں۔ اللہ نے انسان کو اختیار دیا ہے چاہے تو ایمان لائے چاہے تو کفر اختیار کرے ہماری طرف سے کوئی جبر نہیں۔ اور فرمایا ﴿وَالَّذِينَ جَافَلُوا فِتْنَانَا لَنُعَذِّبَنَّهُمْ سُبُلًا﴾ [العنکبوت: ۲۹] ”اور وہ لوگ جو کوشش کرتے ہیں ہماری طرف آنے کی ہم ان کو ضرور اپنا راستہ دکھادیں گے۔“ اللہ نے انسان کو ارادہ اور مشیت دی ہے یہ اپنی مرضی سے جدھر چلتا جائے گا اللہ اودھر چلا دیں گے۔

تو فرمایا تم ان کو ہدایت دینے کا ارادہ کرتے ہو جن کو اللہ نے بہکایا ہے کیونکہ وہ خود غلط راستے پر چل پڑے تھے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس گروہ کو تنبیہ فرمائی ہے جو منافقوں کی طرف سے دلائل پیش کرتے تھے۔ تو فرمایا وہ منافق ہیں انھوں نے تمہیں دھوکے میں رکھا۔ ﴿وَذُو الْأَرْبَابِ الْمُتَكَفِّرُونَ﴾ اور وہ منافق پسند کرتے ہیں اس بات کو کہ تم بھی کافر ہو جاؤ ﴿بِمَا كَفَرُوا﴾ جیسا کہ وہ کافر ہو گئے ہیں۔ وہ تو اپنی طرح تمہیں بھی کافر بنانا چاہتے ہیں اور تم ان کے ایمان کی دلیلیں پیش کرتے ہو۔ ﴿فَتَكُونُونَ سَوَاءً﴾ تم ہو جاؤ برابر کفر میں ﴿فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ﴾ پس نہ بناؤ تم ان میں سے کسی کو دوست ﴿حَتَّىٰ يَخْرُجُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اللہ کے راستے میں۔ اللہ کے راستے میں ہجرت فرغ ہے ایمان کی۔ پہلے ایمان لائیں پھر اللہ کے راستے میں ہجرت کریں پھر تمہارے دوست ہیں۔ جب ایسا نہیں ہے تو ان کی طرف سے صفائیاں نہ بیان کرو۔ آپس میں اختلاف نہ کرو۔

﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا﴾ پس اگر وہ پھر جائیں اس بات سے کہ اعراض کریں ہجرت سے ﴿فَخُذْهُمْ﴾ تو پکڑو ان کو ﴿وَاقْتُلُوهُمْ﴾ اور ان کو قتل کرو ﴿حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ﴾ جہاں کہیں تم ان کو پاؤ۔ یہ کافر ہیں جس طرح دوسرے کافر ہیں اور ان کے ساتھ اس طرح لڑو جس طرح دوسروں کے ساتھ لڑتے ہو اور اس بات کی پروا نہ کرو کہ انھوں نے چند دن ہمارے ساتھ کھانا کھایا ہے، نمازیں پڑھی ہیں، اکٹھے اٹھتے بیٹھتے رہے ہیں۔ ﴿وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وُلِيًّا وَلَا تَصِيروا﴾ اور نہ بناؤ ان میں سے کسی کو دوست اور مددگار۔ ہاں! ﴿إِلَّا الَّذِينَ﴾ مگر وہ لوگ ﴿يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمِ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقًا﴾ جو ملتے ہیں اس قوم کی طرف کہ تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہے، عہد و پیمانہ ہے۔

عرب کا ایک مشہور قبیلہ تھا بنو خزاعہ۔ وہ کافر ہونے کے باوجود غیر جانب دار تھے۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ نہ خود لڑتے تھے اور نہ دوسرے کافروں کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑتے تھے، بالکل غیر جانب دار تھے۔ ان کے سردار ہلال بن عویمر تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ انھوں نے آپ ﷺ کے ساتھ معاہدہ کیا تھا کہ ہم تمہارے خلاف نہیں لڑیں گے اور تم ہمارے خلاف نہیں لڑو گے اور جو ہمارے ساتھ آ کر ملے گا وہ بھی اس معاہدے میں شامل ہوگا۔ تو اللہ نے یہ بات سمجھائی ہے کہ تمہارے ساتھ جن لوگوں کا معاہدہ ہے ان کے ساتھ جو ملتے ہیں ان کے ساتھ بھی نہیں لڑنا۔ ﴿أَوْ جَاءُوكُمْ حَصْرَتِ صُدُورُهُمْ﴾ یا آئیں تمہارے پاس کہ جنگ ہو گئے ہیں ان کے سینے، ان کے دل اکتا گئے ہیں ﴿أَنْ يُقَاتِلُوكُمْ﴾ اس بات سے کہ تمہارے

ساتھ لڑیں ﴿أَوْ يُقَاتِلُوا أَقْوَمَهُمْ﴾ یا اپنی قوم کے ساتھ لڑنے سے بھی وہ غیر جانب دار ہیں لڑنے والے نہیں ہیں۔ کیونکہ کافر بھی کئی قسم کے ہوتے ہیں، اچھے بھی ہوتے ہیں برے بھی ہوتے ہیں۔ ایسے بھی ہوتے ہیں جو چاہتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کو کھا جائیں اور ایسے بھی ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ بھی اہر کوئی اپنے اپنے طریقے پر چلتا ہے۔

﴿وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ﴾ اور اگر اللہ چاہے ﴿لَسَاطَهُمْ عَلَيْكُمْ﴾ تو ان کافروں کو تم پر مسلط کر دے ﴿فَلَقَاتُواكُمْ﴾ پس وہ ضرور تمہارے ساتھ لڑیں ﴿فَإِنْ اعْتَزَلُواكُمْ﴾ اگر وہ کنارہ کشی کریں تم سے ﴿فَلَمْ يُقَاتِلُواكُمْ﴾ پس نہ لڑیں وہ تمہارے ساتھ ﴿وَأَلْفُوا إِلَيْكُمْ السَّلَمَ﴾ اور ڈالیں تمہاری طرف صلح کی بات کہ بھی اہماری تمہاری صلح ہے ہم تمہارے ساتھ نہیں لڑتے تو تم بھی ان کے ساتھ نہ لڑو ﴿فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا﴾ پس نہیں بنایا اللہ نے تمہارے لیے ان کے خلاف کوئی راستہ۔ اگر وہ نہ لڑیں اور غیر جانب دار رہیں تو تم بھی ان کے خلاف نہ لڑو۔ یہ رب کا حکم ہے امن قائم کرنے کے لیے۔



﴿سَتَجِدُونَ آخِرِينَ﴾ عنقریب تم پاؤ گے کچھ اور لوگوں کو ﴿يُرِيدُونَ﴾ جو ارادہ کرتے ہیں ﴿أَنْ﴾ اس کا ﴿يَأْمُرُكُمْ﴾ کہ تم سے بھی امن میں رہیں ﴿وَيَأْمُرُوا أَقْوَمَهُمْ﴾ اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں ﴿كُلَّمَا﴾ جب کبھی بھی ﴿مَرَدُّوْا إِلَى الْفِتْنَةِ﴾ ان کو لوٹا یا گیا فتنے کی طرف ﴿أَمْرًا كَسُوا فِيهَا﴾ تو لوٹا دیے جائیں گے اس فتنے کی طرف ﴿فَإِنْ لَمْ يَعْتَزِلْوْكُمْ﴾ پس اگر وہ تم سے الگ نہ رہیں ﴿وَيُلْفُوا إِلَيْكُمْ السَّلَمَ﴾ اور تمہاری طرف صلح کی پیش کش نہ کریں ﴿وَيُلْفُوا أَيْدِيَهُمْ﴾ اور نہ روکیں اپنے ہاتھوں کو ﴿فَخَذُوْهُمْ﴾ پس تم پکڑو ان کو ﴿وَأَبْتَلُوْهُمْ﴾ اور ان کو قتل کرو ﴿حَيْثُ تَقِفْتُمْ﴾ جہاں کہیں بھی تم ان کو پاؤ ﴿وَأُولَئِكَ﴾ اور وہی لوگ ہیں ﴿جَعَلْنَا لَكُمْ﴾ بنایا ہم نے تمہارے لیے ﴿عَلَيْهِمْ﴾ ان پر ﴿سُلْطٰنًا مُّبِينًا﴾ کھلا غلبہ ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ﴾ اور نہیں لائق کسی مومن کے ﴿أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا﴾ یہ کہ قتل کرے کسی مومن کو ﴿إِلَّا حَطًّا﴾ مگر غلطی سے ﴿وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا﴾ اور جس نے قتل کیا کسی مومن کو ﴿حَطًّا﴾ غلطی سے ﴿فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ﴾ پس آزاد کرنا ہے ایک غلام کو ﴿مَوْمِنَةً﴾ جو مومن ہو ﴿وَدِيَّةً﴾ اور مال کا بدلہ ہے ﴿مُسْلِمَةً﴾ جو سپرد کیا جائے گا ﴿إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾ اس مقتول کے وارثوں کے ﴿إِلَّا أَنْ يَصَدَّقُوا﴾ مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں ﴿فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ﴾ پس اگر ہے وہ ایسی قوم سے ﴿عَدُوِّكُمْ﴾ جو تمہاری دشمن ہے ﴿وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ اور وہ خود مومن ہے ﴿فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ﴾ پس آزاد کرنا ہے ایک غلام کا ﴿مَوْمِنَةً﴾ جو مومن ہو ﴿وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ﴾ اور اگر ہے وہ ایسی قوم سے ﴿بَيْنَكُمْ﴾ کہ تمہارے درمیان ﴿وَبَيْنَهُمْ﴾ اور ان کے درمیان ﴿وَبَيْنَاقٍ﴾ عہد و پیمان ہے ﴿فَدِيَّةً﴾ پس مال کا بدلہ ہے ﴿مُسْلِمَةً﴾ سپرد کیا جائے ﴿إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾

اس کے وارثوں کو ﴿وَتَحْرِيرَ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ﴾ اور آزاد کرنا ہے ایک گردن کا جو مومن ہو ﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ﴾ پس جس نے نہ پایا غلام اور لونڈی ﴿فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ﴾ پس روزے ہیں دو مہینے ﴿مُتَتَابِعَيْنِ﴾ لگاتار ﴿تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ﴾ یہ ہے توبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿وَكَانَ اللّٰهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿عَلِيمًا﴾ جاننے والا ﴿حَكِيمًا﴾ حکمت والا۔

جانوروں اور پرندوں کے حقوق

دین اسلام نام ہے حقوق اللہ کا اور حقوق العباد کا اور اسلام میں حقوق اللہ بھی بیان کیے گئے ہیں اور حقوق العباد پر بھی بڑا زور دیا گیا ہے۔ اور مسلمانوں پر دونوں قسم کے حقوق کی پابندی لازم اور ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی بھی پابندی کریں اور حقوق العباد بھی ادا کریں۔ پھر حقوق العباد میں مسلمانوں کے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں اور کافروں کے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں۔ بلکہ پیغمبر آخر الزمان نے حیوانوں کے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں۔

چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ مدینہ طیبہ کے باغوں میں سے ایک باغ کے پاس سے گزر رہے تھے ایک اونٹ آپ ﷺ کو دیکھ کر بڑبڑانے لگا اور اس نے خاصا شور کیا اور تڑپا۔ آپ ﷺ اونٹ کے پاس تشریف لے گئے۔ اونٹ نے اپنے مالک کی تین شکایتیں کیں۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: لِمَنْ هَذَا الْبَعِیْرُ؟ ”یہ اونٹ کس کا ہے؟“ آپ ﷺ کو بتایا گیا لَوْ جُلِّیْتُ مِنَ الْأَنْصَارِ ”انصار مدینہ میں سے ایک شخص کا ہے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو فوراً بلاؤ۔ چنانچہ ایک آدمی گیا اور اس کے مالک کو بلا لایا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تیرے اونٹ نے تین شکایتیں کی ہیں۔ ایک یہ کہ تو اس کو بروقت پانی نہیں پلاتا۔ دوسری یہ کہ تو اس کو چاراپورا نہیں ڈالتا اور تیسری یہ کہ تو اس کو دھوپ میں باندھے رکھتا ہے۔ فرمایا: اِنْقُوْا اللّٰهَ فِیْ هٰذِہِ الْبَہَائِمِ ”ان حیوانوں کے حقوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔“

یاد رکھنا! جو مالک اپنے جانور کو وقت پر پانی نہیں پلاتا اور اس کی ضرورت کے مطابق چارہ نہیں ڈالتا، گرمی سردی کا خیال نہیں کرتا، قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی گرفت ہوگی۔

اس طرح ابوداؤد شریف میں روایت ہے کہ آپ ﷺ ایک سفر میں تھے، راستے میں ایک ایسا مقام آیا کہ جہاں کافی درخت تھے، ایک درخت پر چڑیا کا گھونسل تھا، اس میں اس کے بڑے خوبصورت بچے تھے جن کے پر اُگے ہوئے تھے مگر ابھی اڑ نہیں سکتے تھے۔ ایک نوجوان درخت پر چڑھا اور اس کے بچے اٹھا کر گود میں ڈال لیے اور قافلے کے ساتھ چل پڑا۔ وہ چڑیا آ کر اس کے سر پر اڑنے لگی۔ کیونکہ اس نے دیکھ لیا تھا کہ میرے بچے اس کی گود میں ہیں۔ وہ پھڑپھڑاتی ساتھ ساتھ چلتی رہی۔ آپ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا کیا بات ہے؟ نوجوان نے بتایا کہ حضرت! میں اس کے بچے اٹھالایا ہوں اس لیے یہ میرے سر پر پھڑپھڑاتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تمہارا بچہ کوئی اٹھا کر لے جائے تو تم پر کیا گزرے گی؟ آخر یہ اس کے بچے ہیں جاؤ! فوراً اس کے بچے اس کے گھونسلے میں رکھ کر آؤ۔

تو اسلام نے انسانوں کے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں اور حیوانوں کے بھی، مسلمانوں کے بھی اور کافروں کے بھی۔ اور فرمایا کہ غیر مسلم جس طرح کی روش تمہارے ساتھ اختیار کریں تم بھی ان کے ساتھ اسی طرح پیش آؤ۔ چنانچہ عرب کے دو قبیلے تھے: بنو اسد اور بنو غطفان۔ یہ دونوں قبیلے بڑے ہوشیار اور شرارتی تھے۔ جب مسلمانوں کو ملتے تو ایسے انداز سے گفتگو کرتے کہ مسلمان سمجھتے کہ بڑے مخلص لوگ ہیں۔ حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی باتوں پر یقین کر لیتے کہ یہ مخلص لوگ ہیں اور جب اپنی قوم کے پاس جاتے تو کہتے کہ ہم تمہارے آدمی ہیں وہاں تو ہم ان کو دھوکا دینے کے لیے گئے تھے۔ گویا جب مسلمانوں کے پاس جاتے تو غیر جانب داری کا ثبوت اور یقین دلاتے اور جب اپنی قوم کے پاس جاتے تو کہتے ہم تمہارے ساتھ ہیں تم جو فیصلہ کرو گے ہم اس پر عمل کریں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿سَجِدُونَ لِأَخْرِيْنَ﴾ عنقریب پاؤ گے تم کچھ اور لوگوں کو یعنی قبیلہ بنو اسد اور قبیلہ بنو غطفان کو ﴿يُرِيدُونَ﴾ جو ارادہ کرتے ہیں ﴿أَنْ يَأْمُرُوكُمْ﴾ اس بات کا کہ تم سے بھی امن میں رہیں ﴿وَيَأْمُرُوا قَوْمَهُمْ﴾ اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں ﴿كُلَّمَا بَرَّادُوا إِلَى الْفِتْنَةِ﴾ جب کبھی بھی ان کو لوٹا یا گیا فتنے کی طرف۔ یعنی شرارت اور لڑائی کی طرف ﴿أَمْهَرَكُنَّوَالِيَهَا﴾ تو لوٹا دیئے جائیں گے اس فتنے کی طرف۔ یعنی جب بھی تمہارے خلاف کسی لڑائی کی نوبت آئی تو یہ اس میں دوڑ کر (فوراً) شامل ہو جائیں گے۔ یہ تمہارے پاس صرف جان بچانے کے لیے آتے ہیں، یہ مخلص نہیں ہیں ان سے محتاط رہو۔ ﴿فَإِنْ لَّمْ يَتَّخِذُوا لَكُمْ﴾ پس اگر وہ تم سے الگ نہ رہیں ﴿وَيُلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلْمَ﴾ اور تمہاری طرف صلح کی پیشکش نہ کریں۔

فائدہ : ﴿يُلْقُوا﴾ کا جملہ بھی ﴿لَمْ﴾ کے نیچے داخل ہے۔ یہ بات میں طلبہ اور قاریوں کے لیے کہہ رہا ہوں۔ دونوں جملوں کا مطلب بنے گا: پس اگر وہ تم سے کنارہ کشی اختیار نہ کریں اور صلح کی بات تمہاری طرف نہ ڈالیں۔

﴿وَيُلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلْمَ﴾ یہاں پر بھی واؤ کے بعد ﴿لَمْ﴾ ہے۔ معنی ہوگا اور نہ روکین اپنے ہاتھوں کو ﴿فَخَذُوا مِنْهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ﴾ پس تم پکڑو ان کو اور قتل کرو ان کو ﴿حَيْثُ لَقِفْتُمْهُمْ﴾ جہاں کہیں بھی تم ان کو پاؤ۔ کیونکہ وہ تمہارے پاس آ کر غیر جانب داری کا اظہار کر کے تمہیں غلط فہمی میں مبتلا کرتے ہیں ﴿وَأُولَئِكَ جَعَلْنَا لَكُمْ﴾ اور وہی لوگ ہیں بنایا ہم نے تمہارے لیے ﴿عَلَيْهِمْ﴾ ان کے خلاف ﴿سُلْطٰنًا مِّمَّنَّا﴾ کھلا غلبہ کہ جہاں کہیں تمہیں ملیں ان کو قتل کرو۔

قتل خطا کی مختلف صورتیں اور اس کی دیت

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مومن کی شان نہیں کہ وہ مومن کو قتل کرے مگر غلطی سے۔ قتل عمد کے متعلق کل کی آیت کریمہ میں آئے گا کہ اس کا کیا حکم ہے۔ اس آیت کریمہ میں قتل خطا کا بیان ہے۔ فرمایا ﴿وَمَا كَانَ لِمَنْ يَنۡقُضُ مَوۡثِقًا اِلَّا حَطًّا﴾ اور نہیں ہے لائق کسی مومن کے یہ کہ قتل کرے کسی مومن کو مگر غلطی سے۔

قتل خطا کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً: ایک صورت یہ ہے کہ ایک آدمی نے شکار کھیلتے ہوئے ہرن یا خرگوش یا مرغابی پر قار

کیا وہ جا کر کسی مسلمان کو لگ گیا جس کا اسے کوئی علم نہیں تھا کہ ادھر کوئی آدمی ہے اور وہ مر گیا تو یہ قتلِ خطا ہے۔ کوئی اچانک کار بس یا سکوٹر کے نیچے آ گیا تو یہ بھی قتلِ خطا ہے، کیونکہ ڈرائیور کی کسی سے ذاتی دشمنی نہیں ہوتی۔ اسی طرح فقہائے کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ بھاری جسم والی والدہ ہے، ساتھ چھوٹا بچہ سویا ہوا ہے، والدہ نے پہلو بدلا اور وہ نیچے آ کر مر گیا تو یہ بھی قتلِ خطا ہے اور اس کی بھی باقاعدہ دیت دینا پڑے گی چاہے حقیقی ماں ہو۔

آگے قتلِ خطا کا حکم بیان فرمایا ﴿وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَا﴾ اور جس نے قتل کیا کسی مومن کو غلطی سے تو اس کے دو بدلے ہیں۔ کیونکہ قتل میں اللہ تعالیٰ کا حق بھی ہے اور وارثوں کا حق بھی ہے اس لیے کہ مقتول کسی کا باپ ہوگا، کسی کا بیٹا ہوگا، کسی کا بھائی ہوگا، کسی کا خاوند ہوگا، کسی کی بیوی ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے قتل سے منع فرمایا ہے اور اس سے غلطی سے قتل ہو گیا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حق کی تلافی اس طرح ہوگی ﴿مَنْ خَرَّبُوا نَفْسًا فَسَدَّهَا﴾ پس آزاد کرنا ہے ایک غلام جو مومن ہو۔ ﴿نَفْسًا حُرًّا﴾ کے لفظی معنی ہیں گردن کے۔ یہ غلام اور لونڈی دونوں پر بولا جاتا ہے۔ لہذا ایک لونڈی یا ایک غلام آزاد کرنا ہوگا مگر اس کے لیے شرط ہے کہ مومن ہو۔ اس زمانے میں غلام اور لونڈیاں ہوتے تھے ہمارے زمانے میں نہیں ہیں۔

تو اگر غلام اور لونڈی اپنے پاس ہو تو آزاد کر دے اگر اپنے پاس نہیں ہے تو کسی سے خرید کر آزاد کر دے۔ اور دوسرا حق ہے اس کے وارثوں کا۔ فرمایا ﴿وَدِيَّةٌ مِّمَّا تَرَآءُ إِلَىٰ أَهْلِهِ﴾ اور مالی بدلہ ہے جو سپرد کیا جائے گا مقتول کے وارثوں کو۔ اور وہ مالی بدلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور خلفائے راشدین حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں اونٹوں کی شکل میں بھی ہوتا تھا اور سونے کے سکے دینار اور چاندی کے سکے درہم کی شکل میں بھی ہوتا تھا۔ اونٹ سو ہوتے تھے اور دینار ایک ہزار اور درہم دس ہزار دیت تھی۔ یہ مکمل دیت تھی۔

اور اگر کوئی کسی کی آنکھ ضائع کر دیتا تو اس کی دیت پچاس اونٹ تھی اور اگر ہاتھ کاٹ دیتا تو اس کی دیت پچاس اونٹ تھی، ٹانگ کاٹ دیتا تو اس کی دیت بھی پچاس اونٹ تھی اور اگر کوئی کسی کی ڈاڑھی موٹو دیتا تو اس کی دیت سو اونٹ تھی۔ گویا شریعت میں ڈاڑھی کی قدر ایک نفس (آدمی) کے برابر ہے۔

اس زمانے میں سو اونٹ ایک ہزار مالیت کا ہوتا تھا اور درہم کے حساب سے دس ہزار درہم کی مالیت کا ہوتا تھا۔ آج سے تقریباً پانچ چھ سال پہلے حکومت نے اسلامی نظریاتی کونسل سے دریافت کیا کہ دیت کتنی ہونی چاہیے تو اس وقت جو سونے اور چاندی کی قیمت تھی اس اعتبار سے ایک لاکھ اسی ہزار یا اس کے قریب قریب طے ہوئی تھی اور اب تک پاکستان میں یہی قانون نافذ ہے اور جب سونے چاندی کی قیمت بڑھ جائے گی تو ہو سکتا ہے کہ وہ رقم بھی بڑھ جائے۔ کیونکہ سونے چاندی کی قیمت بڑھتی گھٹتی رہتی ہے۔

شرعی حق مہر اور مہرِ فاطمی کی وضاحت

مجھے یاد ہے جب ہم چھوٹے ہوتے تھے تو اس وقت سونا پچیس روپے تولہ ہوتا تھا اور اب پانچ ہزار سے بھی زائد کا

ہو گیا ہے۔ انگریز کے دور میں پانچ سو درہم چاندی کی قیمت ایک سو تیس روپے چار آنے تھی۔ ایک درہم ساڑھے تین ماشہ کا ہوتا تھا۔ اُس زمانے میں لوگ جب مہر مقرر کرتے تھے تو کہتے مہر فاطمی ہو جائے۔ کیونکہ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کا مہر اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا مہر پانچ سو درہم تھا، سوائے اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کے (یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہمیشہ تھیں اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں)۔ ان کا مہر چار ہزار درہم تھا۔ تو چونکہ انگریز کے دور میں پانچ سو درہم چاندی کی قیمت ایک سو تیس روپے اور کچھ آنے تھی تو لوگ مہر فاطمی کہہ کر مقرر کرتے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ سو کا ہندسہ ختم کر دیا اور تیس روپے چھ آنے رہ گیا۔ پھر چھ آنے بھی گئے اور تیس روپے رہ گیا جسے عام طور پر آج کل شرعی مہر سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے یاد رکھنا! یہ کوئی شرعی مہر نہیں ہے۔ کم از کم مہر دس درہم ہے اور زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے اور مہر فاطمی پانچ سو درہم ہے اور چاندی سونے کی قیمت بڑھتی کھٹتی رہتی ہے تو جس زمانے میں جتنی قیمت ہوگی اتنا مہر ہوگا۔

اور حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر چار ہزار اس طرح مقرر ہوا کہ یہ اپنے خاوند کے ساتھ حبشہ میں تھیں، یہ مہاجرین حبشہ میں سے ہیں، ان کے خاوند وہاں فوت ہو گئے، نبی ﷺ۔ ان کی وفات کی خبر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت پریشان ہوئے کہ ان کے خاوند فوت ہو گئے ہیں اور والدین ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے اور ہیں بھی سخت مزاج لوگ۔ یہ سارے خاندانی طور پر سخت مزاج تھے۔ کفر میں بھی سخت تھے اور جب مسلمان ہوئے تو اسلام میں بھی بہت سخت تھے۔ اس وجہ سے پریشانی ہوئی کہ بہن، بھائی، باپ کافر ہیں اور ہیں بھی سخت مزاج، وہ اس کو گھر میں داخل نہیں ہونے دیں گے اس بے چاری کا کیا بنے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت شرمیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ذریعہ پیغام بھیجا جو کچھ ساتھیوں کے ہمراہ حبشہ جا رہے تھے کہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بات کرنی ہے عدت گزرنے کے بعد۔ اگر وہ میرے ساتھ نکاح پر راضی ہو جائے تو عدت گزرنے کے بعد وہیں سے نکاح کر کے لے آنا۔

چنانچہ عدت گزر چکی تھی انھوں نے ان سے گفتگو کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کا اظہار کیا۔ وہ کہنے لگیں کہ میرے لیے اس سے زیادہ خوش نصیبی کیا ہو سکتی ہے؟ اس وقت حبشہ کا بادشاہ تھا اصمہ رضی اللہ عنہ۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا نہیں ہے، رویت کے اعتبار سے صحابی نہیں ہیں دور کے اعتبار سے صحابی ہیں۔ کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے، ان کے ساتھ بھی گفتگو کی، انھوں نے اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کو بلا یا اور کہا کہ یہ پیغام آپ نے سن لیا ہے؟ کہنے لگی: ہاں! سن لیا ہے اور میں راضی ہوں تو حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح پڑھا دیا اور حضرت شرمیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قبول کر لیا، کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وکیل تھے۔

اور مسئلہ یہ ہے کہ اگر آدمی خود مجلس نکاح میں حاضر نہ ہو تو اس کا وکیل اس کی طرف سے قبول کر لے۔ یہ جو ٹیلی فون پر نکاح ہوتے ہیں وہ جائز نہیں ہیں۔ کیونکہ نکاح کے لیے مجلس کا ایک ہونا شرط ہے۔ بچی جس کا نکاح ہو رہا ہے اور بچہ جس کے ساتھ ہو رہا ہے، وہ دونوں مجلس نکاح میں موجود ہوں اور اگر خود موجود نہ ہوں تو ان کا وکیل موجود ہو اور ان کی طرف سے قبول

کرے۔ مثلاً: لڑکا برطانیہ، امریکہ، سعودیہ کسی ملک میں ہے اور بچی پاکستان میں ہے تو وہ اپنے باپ یا بھائی یا دوست کو فون کرے کہ تو میری طرف سے وکیل ہے لہذا میری طرف سے قبول کر لے تو اس طرح نکاح ہو جائے گا۔ اور وکیل اس طرح کہے گا کہ میں نے فلاں لڑکی جو فلاں کی بیٹی ہے فلاں لڑکا جو فلاں کا بیٹا ہے کے لیے قبول کی ہے۔

تو حضرت شریعہ نے آنحضرت ﷺ کی طرف سے وکیل تھے، انہوں نے آپ ﷺ کی طرف سے نکاح قبول کیا۔ حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ نے اپنی جیب سے آنحضرت ﷺ کی طرف سے چار ہزار درہم مہر دیا۔ تو اس طرح ان کا مہر چار ہزار درہم تھا اور باقی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا پانچ سو درہم تھا۔

تو بات چلی تھی دیت سے کہ آج سے پانچ چھ سال قبل جب سونے کی قیمت پانچ ہزار روپے تھی، دیت مقرر ہوئی تھی ایک لاکھ اسی ہزار روپے۔ قیمت بڑھے گی تو دیت بھی بڑھ جائے گی، جو دینی ہے وارثوں کو ﴿إِلَّا أَنْ يَتَّصِلَا﴾ مگر یہ کہ وارث معاف کر دیں۔ کیونکہ وارثوں کو معافی کا حق ہے۔ مثلاً: وہ یہ کہیں کہ ہمارا عزیز تو دنیا سے چل گیا ہے اور تم نے جان بوجھ کر تو قتل نہیں کیا، غلطی سے ہو گیا لہذا ہم اس کی دیت نہیں لینا چاہتے، یہ وارثوں کو حق حاصل ہے۔

﴿فَإِنْ كَانَ مِنَ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ﴾ پس اگر ہے وہ ایسی قوم سے جو تمہاری دشمن ہے اور وہ خود مومن ہے۔ اس کو آپ مثال کے طور پر اس طرح سمجھیں کہ ہمارے ملک پاکستان کے ساتھ ہندوستان ہے اور وہ دارالحرپ ہے، وہاں ہندو اور سکھ رہتے ہیں۔ سکھ برادری میں سے یا ہندوؤں میں سے ایک آدمی مسلمان ہو گیا، باقی ساری برادری کافر ہے، یہ مسلمان بارڈر پر کھڑا تھا اور وہ تم سے قتل ہو گیا تو چونکہ اس کی برادری کافر ہے لہذا اس کی دیت نہیں دی جائے گی صرف اللہ تعالیٰ کے حق کا کفارہ دیا جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حق بھی تو توڑا ہے۔ وہ (کفارہ) ہے ایک غلام یا ایک لونڈی کا آزاد کرنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ﴾ پس آزاد کرنا ہے ایک غلام کا جو مومن ہو۔

ذمی کافر کے احکام

﴿وَإِنْ كَانَ مِنَ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ﴾ اور اگر ہے وہ ایسی قوم سے کہ تمہارے درمیان اور ان کے درمیان عہد و پیمانہ ہے۔ مراد وہ کافر ہے جو مسلمان کے ملک میں رہتا ہے اس کو ذمی اور معاہدہ کہتے ہیں کہ اس نے معاہدہ کیا ہوتا ہے کہ میں ملکی قوانین کی پابندی کروں گا اور حکمران طبقہ کے ذمہ ہے اس کے مال اور جان کی حفاظت کرنا۔ وہ کافر جو مسلمانوں کے ملک میں ذمی بن کر رہتے ہیں ان پر مکمل اسلامی قوانین کی پابندی کرنا لازمی ہوتی ہے، سوائے تین چیزوں کے: شراب اور خنزیر کے ان میں وہ آزاد ہیں کہ شراب بنائیں اور پیئیں، سُرور پالیں اور کھائیں، نیز ان کے آپس میں نکاح، طلاق، وراثت کے احکام بھی ان کے مذہب کے مطابق ہوں گے۔

آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے: ((الْخَمْرُ لَهُمْ كَأَنْ لُغِلَ لَنَا)) "شراب ان کے لیے ایسے ہی ہے جیسے ہمارے

لیے سرکہ ہے۔ " وَالْخِنْزِيرُ لَّهُمْ كَالنَّشَاةِ لَنَا " اور خنزیر ان کے لیے ایسے ہی ہے جیسے ہمارے لیے بکری ہے۔ ان کے علاوہ باقی سارے اسلامی احکام ان پر لاگو ہوں گے۔ مثلاً: اگر وہ اپنی ماں، بہن، بیٹی کے ساتھ نکاح کو جائز سمجھتے ہیں تو اسلام ان کو اجازت نہیں دے گا اور وہ ہمارے ملک میں ایسا نہیں کر سکیں گے یا وہ کہیں کہ سود ہمارے ہاں حلال ہے، تو ہم تسلیم نہیں کریں گے۔ اگر وہ کسی کو قتل کریں گے تو ان پر باقاعدہ وہی حد جاری ہوگی جو مسلمانوں پر جاری ہوتی ہے۔

تو فرمایا اگر وہ مقتول ذمی قوم کا ہے اور ہے مسلمان۔ مطلب یہ ہے کہ باقی سارے کافر ہیں اور یہ ان میں سے مسلمان ہو گیا تھا جیسے: بعض قادیانی مسلمان ہو جاتے ہیں یا بعض عیسائی مسلمان ہو جاتے ہیں یا منکرین حدیث میں سے مسلمان ہو جاتے ہیں یا بعض رافضی مسلمان ہو جاتے ہیں تو اگر مقتول ایسی قوم کا فرد ہے کہ تمہارے اور ان کے درمیان عہد و پیمانہ ہے ﴿فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِمْ﴾ بس مال کا بدلہ ہے سپرد کیا جائے اس کے وارثوں کو ﴿وَتَحْرِيرُ رَجُلٍ مِّنْهُمْ﴾ اور آزاد کرنا ہے ایک گردن کا جو مومن ہو۔

﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ﴾ پس جس نے نہ پایا غلام یا لونڈی۔ یعنی اگر کسی کو غلام اور لونڈی نہ ملے جیسے آج کل شرعی طور پر کوئی غلام یا لونڈی نہیں ہے یا اگر اس زمانے میں غلام تو ہوں مگر اس کے پاس نہ ہوں اور نہ خرید کر آزاد کرنے کی طاقت ہو ﴿فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ﴾ پس روزے ہیں دو مہینے لگاتار۔ دو مہینے لگاتار روزے رکھنے ہیں درمیان میں فاصلہ نہ آئے، تسلسل نہ ٹوٹے۔ اگر تسلسل ٹوٹ گیا تو از سر نو شروع کرنا پڑیں گے۔ مثلاً: ایک آدمی نے روزے رکھنے شروع کیے، پچاس رکھ چکا یا پچپن رکھ چکا اور اتفاقاً بیمار ہو گیا اور آگے روزہ نہیں رکھ سکا تو اب جب شروع کرے گا تو از سر نو شروع کرے گا اور پورے دو مہینے رکھے گا کیونکہ تسلسل ٹوٹ گیا تھا پچھلے روزوں کا، تو اس کو الگ ثواب ملے گا۔

البتہ عورتوں کا مسئلہ الگ ہے کہ مثلاً: کسی عورت سے قتل خطا ہو گیا ہے اور اس نے روزے رکھنے شروع کیے، بیس پچیس روزے رکھے اور ایام ماہواری شروع ہو گئے تو جب یہ دن اس کی عادت کے مطابق ختم ہوں گے، کیونکہ کسی کی عادت پانچ دن کی، کسی کی سات دن کی، کسی کی دس دن کی ہوتی ہے تو پاک ہو کر روزے رکھنا شروع کر دے گی اور جتنے باقی رہ گئے تھے وہ پورے کرے گی۔ ایام ماہواری کی وجہ سے اس کا تسلسل نہیں ٹوٹا، کیونکہ اس کے بس میں نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حج کے سفر پر روانہ ہوئے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ساتھ تھیں۔ جب مقام سرف پر پہنچے جو پہلے مکہ مکرمہ سے باہر تھا اور اب شہر میں داخل ہو گیا ہے، یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہرے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رو رہی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عائشہ! روتی کیوں ہو؟ کہنے لگی حضرت! میں نے حج کا احرام باندھا ہوا ہے مگر ایام ماہواری شروع ہو گئے ہیں اب میں حج تو نہیں کر سکتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ رو۔ ((شَيْءٌ كَتَبَ اللَّهُ عَلَىٰ بَنَاتِ آدَمَ)) "یہ چیز اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تمام بیٹیوں پر لکھ دی ہے، صرف تجھ اکیلی کا مسئلہ تو نہیں ہے۔"

دیکھو! نظام قدرت ہے جب ماں کے پیٹ میں بچے کا وجود بنتا ہے تو یہ خون اس کی خوراک ہوتا ہے اور جب بچہ ماں کے پیٹ میں نہیں ہوتا تو یہ خون خارج ہوتا رہتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا نظام ہے اس میں انسان کا کوئی دخل نہیں ہے۔ تو یہ خون عورت کے بس میں نہیں ہوتا اور اس کی وجہ سے روزوں کا تسلسل نہیں ٹوٹتا اور مردوں کو حیض نہیں آتا لہذا اگر ان کا ایک روزہ بھی رو گیا تو تسلسل ٹوٹ جائے گا اور روزے از سر نو شروع کرنے پڑیں گے۔ ﴿تَوْبَةٌ مِّنَ اللَّهِ﴾ یہ ہے تو بہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے، تو بہ کا ذریعہ ہے ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا۔



﴿وَمَنْ يَقْتُلْ﴾ اور جو شخص قتل کرے ﴿مُؤْمِنًا مُّتَعَبِدًا﴾ مومن کو دیدہ دانستہ ﴿فَجَزَاءُ مَا﴾ پس بدلہ اس کا ﴿جَهَنَّمَ﴾ دوزخ ہے ﴿خُلِدًا فِيهَا﴾ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا ﴿وَوُغِصِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ﴾ اور اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوگا ﴿وَلَعْنَةٌ﴾ اور اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی ﴿وَأَعْدَاءُ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تیار کیا ہے اس کے لیے ﴿عَدَاِبًا عَظِيمًا﴾ عذاب بہت بڑا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو ﴿إِذَا صَرَبْتُمْ﴾ جب تم سفر کرو ﴿فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ﴿فَتَبَيَّنُوا﴾ پس خوب تحقیق کر لیا کرو ﴿وَلَا تَقُولُوا﴾ اور نہ کہو تم ﴿لِمَنْ﴾ اس کے بارے میں ﴿الْقِيَامُ السَّلَامُ﴾ جس نے ڈالنا تمہاری طرف سلام ﴿لَسْتُ مُؤْمِنًا﴾ کہ تو مومن نہیں ہے ﴿تَتَّبِعُونَ﴾ چاہتے ہو تم ﴿عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ دنیا کی زندگی کا سامان ﴿فَعِنْدَ اللَّهِ﴾ پس اللہ تعالیٰ کے پاس ﴿مَعَانِمَ كَثِيرَةً﴾ بہت ساری غنیمتیں ہیں ﴿كَذَلِكَ كُنْتُمْ﴾ اسی طرح تھے تم ﴿مِن قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿فَمَنْ اللَّهُ عَلَيْكُمْ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا ﴿فَتَبَيَّنُوا﴾ پس اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو ﴿إِنَّ﴾ اللہ ﴿بِشَيْءٍ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿بِشَيْءٍ﴾ اس کا رروائی سے ﴿تَعْمَلُونَ﴾ جو تم کرتے ہو ﴿حَسِيرًا﴾ خبردار ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ﴾ نہیں ہیں برابر بیٹھنے والے ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ مومنوں میں سے ﴿غَيْرِ أُولِي الضَّرَامِ﴾ جو ضرور والے نہیں ہیں ﴿وَالْمُجَاهِدُونَ﴾ اور وہ جو جہاد کرتے ہیں ﴿فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ اللہ کے راستے میں ﴿بِأَمْوَالِهِمْ﴾ اپنے مالوں کے ساتھ ﴿وَأَنْفُسِهِمْ﴾ اور اپنی جانوں کے ساتھ ﴿فَقَضَّ اللَّهُ﴾ فضیلت عطا فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ﴿الْمُجَاهِدِينَ﴾ مجاہدوں کو ﴿بِأَمْوَالِهِمْ﴾ جنہوں نے جہاد کیا اپنے مالوں کے ساتھ ﴿وَأَنْفُسِهِمْ﴾ اور اپنی جانوں کے ساتھ ﴿عَلَى الْقَاعِدِينَ﴾ جو جہاد سے بیٹھے رہتے ہیں ﴿دَرَجَةً﴾ درجے کے اعتبار سے ﴿وَكُلًّا﴾ اور ہر ایک سے ﴿وَعَدَّ اللَّهُ﴾ وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ﴿الْحُسْنَ﴾ بھلائی کا ﴿وَقَضَّ اللَّهُ﴾ اور فضیلت عطا فرمائی

ہے اللہ تعالیٰ نے ﴿الْمُجَاهِدِينَ﴾ جہاد کرنے والوں کو ﴿عَلَى الْقُودِينَ﴾ بیٹھے رہنے والوں پر ﴿أَجْرًا عَظِيمًا﴾ بہت بڑے اجر کی ﴿وَدَرَجَاتٍ مِّنْهُ﴾ یہ درجے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿وَمَغْفِرَةً﴾ اور بخشش ہے ﴿وَرَحْمَةً﴾ اور مہربانی ہے ﴿وَكَانَ اللَّهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿عَفُورًا﴾ بخشنے والا ﴿رَاحِمًا﴾ رحمت کرنے والا۔

کل کے سبق میں آپ حضرات نے قتلِ خطا کا حکم سنا اور پڑھا کہ مومن مومن کو خطا قتل کرے تو اس کی مزا ہے ایک غلام کا آزاد کرنا، اللہ تعالیٰ کے حق کی تلافی کے لیے۔ اور دیت یعنی مالی بدلہ ہے مقتول کے وارثوں کے لیے۔ جو قدرے تفصیل سے کل بیان کیا تھا۔ اب اس قتل کی سزا کا ذکر ہے جو مومن کو دیدہ دانستہ قتل کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا﴾ اور جو قتل کرے مومن کو دیدہ دانستہ ﴿فَجَزَاءُ دَأْوَاهُمْ﴾ پس بدلہ اس کا دوزخ ہے ﴿خُلِيدًا فِيهَا﴾ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا ﴿وَعَصَبَ اللَّهِ عَلَيْهِ﴾ اور اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوگا۔ ظاہر ہے جس کو دوزخ میں ڈال دیا گیا اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہی ہوگا ﴿وَلَعْنَةُ﴾ اور اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی ﴿وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تیار کیا ہے اس کے لیے عذاب بہت بڑا۔

تو جو آدمی مومن کو جان بوجھ کر دیدہ دانستہ قتل کرے گا اس کی یہ سزا بیان فرمائی کہ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا، اس پر خدا کا غضب اور لعنت ہے اور بڑا عذاب ہے۔ کیونکہ حقوق العباد میں یہ سب سے بڑا گناہ ہے۔ جس طرح حقوق اللہ میں شرک سب سے بڑا گناہ ہے۔ شرک اکبر الکبائر ہے، بڑے گناہوں میں سے سب سے بڑا گناہ ہے۔ آنحضرت ﷺ سے سوال کیا گیا حضرت! بڑے گناہ کون کون سے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا سب سے بڑا گناہ ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات میں یا صفات میں یا افعال میں کسی کو شریک ٹھہرانا بڑا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک ہے، نہ اس کی ذات میں کوئی شریک ہے، نہ صفات میں کوئی شریک ہے، نہ اس کے افعال میں کوئی شریک ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت ﷺ نے ایک شخص سے کسی کام کے متعلق سوال کیا کہ ہوا ہے یا نہیں؟ اس نے جواب میں یہ الفاظ کہے مَا شَاءَ اللَّهُ وَيَسْمُتُ "میرا کام ہو جائے گا جو اللہ تعالیٰ نے چاہا اور آپ نے چاہا۔" اور ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں مَا شَاءَ اللَّهُ وَمَا شَاءَ مُحَمَّدٌ ﷺ۔ "جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا اور محمد ﷺ کو منظور ہوا تو میرا کام ہو جائے گا۔" آپ ﷺ نے فرمایا: أَجَعَلْتَنِي لِلَّهِ نِدًّا؟ "کیا تو نے مجھے خدا کا شریک بنایا ہے؟" بَلْ قُلْ مَا شَاءَ اللَّهُ وَحْدَهُ "بلکہ یوں کہو جو اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک لہ کو منظور ہوگا، وہی ہوگا۔" کیونکہ مشیت اور ارادہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

یاد رکھنا! کچھ لوگ لاعلمی کی وجہ سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے میرا کام ہو جائے گا یا اس طرح کہہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے میں مقدمہ سے بری ہو جاؤں گا۔ یہ شرک

ہے۔ یا اس طرح کہنا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے امتحان میں پاس ہو جاؤں گا۔ یا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے مجھے تجارت میں نفع ہوگا، برکت ہوگی، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے میں رشتہ لینے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ یہ سب شرکیہ جملے ہیں۔ کیونکہ تکوینی کام جتنے ہیں ان میں رب تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ کیونکہ اس صحابی نے یہ نہیں کہا کہ حضرت! مجھے آپ نے پیدا کیا ہے، زمین اور آسمانوں کو آپ نے پیدا کیا ہے، مخلوق آپ نے پیدا کی ہے، بلکہ صرف اتنا کہا کہ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا اور آپ کو منظور ہوا تو میرا کام ہو جائے گا اس کو بھی آپ ﷺ نے شرک فرمایا۔ کیونکہ مشیت و ارادہ بھی رب تعالیٰ کی صفت ہے اور اس میں کسی کو کوئی دخل نہیں ہے۔

ہاں! جو شرعی احکام ہیں ان کے متعلق اگر اس طرح کہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے کہ نماز پڑھو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے والدین کی فرماں برداری کرو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے کہ جھوٹ نہ بولو۔ یہ سب شرعی احکام ہیں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائے ہیں اور حضور ﷺ نے بیان فرمائے ہیں اس لیے یہ شرکیہ جملے نہیں ہیں۔

بدعت کا گناہ

باقی رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے بیمار صحت مند ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے فلاں کو بیٹا ملے گا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے تجارت میں برکت ہوگی، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے فلاں مصیبت ٹل جائے، یہ کہنا شرک ہے۔ اکثر لوگ جو شرک میں مبتلا ہیں اور بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں یہ لاعلمی کی وجہ سے کرتے ہیں ورنہ ان کو رب تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ عداوت نہیں ہے۔ ان کو علم ہو جائے کہ شرک کتنا بڑا گناہ اور ہم جو کچھ کر رہے ہیں یہ شرک ہی ہے تو کبھی قریب نہ جائیں۔ اس طرح بدعت کے متعلق علم ہو جائے کہ کتنا بڑا گناہ ہے تو لوگ اس کے قریب نہ جائیں۔ اگر کوئی شخص مسجد کے محراب میں سو بوتلیں شراب کی پیے تو کتنا گناہ ہے سارے سمجھتے ہیں کہ شراب پینا بڑا گناہ پھر مسجد کے محراب میں بیٹھ کر پینا اور زیادہ گناہ ہے، لیکن ایک بدعت کا ارتکاب کرنا اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔ اس لیے کہ شراب پینے سے دین کا حلیہ اور نقشہ نہیں بدلتا کیونکہ سارے سمجھتے ہیں کہ گناہ ہے اور بدعت کرنے سے دین کا نقشہ بدل جاتا ہے۔ کیونکہ بدعت دین سمجھ کر کی جاتی ہے۔ لہذا ایک بدعت سو کبیرہ گناہوں سے بھی بڑی ہے۔ اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بدعتی پرتو بہ کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ یعنی بدعت کی اتنی نحوست ہے کہ بدعتی کو توبہ کی توفیق نہیں ملتی۔ اتنا بڑا گناہ ہے اور اکثر لوگ لاعلمی کی وجہ سے شرک اور بدعت میں مبتلا ہیں۔

یہاں جو سمر بزرگ بیٹھے ہیں ان کو یاد ہوگا کہ میرے پاس ایک بزرگ آئے تھے، حافظ اللہ داد صاحب مرحوم ضلع گجرات میں قصبہ پٹیاہ کے رہنے والے تھے، وہ میرے چیر بھائی بھی تھے اور کئی کئی دن میرے پاس ٹھہرتے تھے۔ پنجابی کے

بہترین واعظ تھے۔ انھوں نے ایک دفعہ اپنے قصبے کا واقعہ سنایا کہ ہمارے قصبے کا ایک چودھری تھا جو کانی جائیداد کا مالک تھا، وہ فوت ہو گیا۔ پسماندگان میں ایک بیوہ اور دو لڑکے تھے، لڑکی کوئی نہیں تھی۔ لڑکوں کا جائیداد کی تقسیم پر جھگڑا ہو گیا کہ مثلاً:

ایک نے کہا کہ میں نے یہ حصہ لینا ہے، دوسرے نے کہا کہ یہ حصہ میں نے لینا ہے۔ جھگڑا کانی طول پکڑ گیا، عزیز رشتہ داروں نے بھی مداخلت کی مگر صلح نہ ہو سکی اور وہ اپنی ضد پر اڑے رہے۔ والدہ ناراض ہو کر میکے چلی گئی کہ میں تمہاری والدہ ہوں اور تم میری بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہو لہذا تم جانو اور تمہارا کام جانے۔ اس پر برادری نے ملامت کی کہ تمہاری والدہ اگرچہ اپنے بھائیوں کے ہاں رہ رہی ہے مگر وہ اپنے گھر اچھی لگتی ہے۔ ان کو شرمندگی ہوئی، والدہ کو لینے کے لیے گئے مگر وہ نہ مانی تو واپس آ گئے۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ انھوں نے مجھے کہا کہ آپ ہمارے قصبے کے امام ہیں، استاد ہیں، آپ کی بات مانی جائے گی لہذا آپ ہمارے ساتھ چلیں۔ فرماتے ہیں کہ میں بھی ان کے ساتھ گیا، جب گھر میں داخل ہوئے تو والدہ سامنے برآمدے میں بیٹھی تھی، دونوں بھائی آگے بڑھے، ایک نے والدہ کے ایک کندھے پر ہاتھ رکھا دوسرے نے دوسرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور والدہ کو راضی کرنے کے لیے کہا کہ ہمارے ساتھ چل! کیا تو ہماری بے بے (ماں) نہیں ہے؟ اس نے کہا کہ میں تمہاری کوئی بے بے شیپے نہیں ہوں میں تو اللہ، رسول کی بے بے ہوں۔

دیکھو! اس نے یہ جملہ پیار سے کہا اور ہے کفر۔ محبت میں آ کر رب تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بے بے بن کے بیٹھ گئی، کافر ہو گئی اور ساری نیکیاں برباد ہو گئیں۔ کیونکہ رب تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اس پارے میں تم پڑھ چکے ہو ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَفْقَهُوْا أَنْ يُشْرَكَ بِهِ﴾ کہ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کریں گے۔ کیونکہ رب تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اس سے ساری نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں اور حشر میں شرک کی کوئی معافی نہیں ہے اور عوام بے چارے جہالت کا شکار ہیں ورنہ ان کو رب تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت نہیں ہے، معدین سے عداوت ہے۔

البتہ کچھ لوگ شرک اور بدعات کا ارتکاب ضد کی وجہ سے کرتے ہیں ان کا کوئی علاج نہیں ہے اور جس طرح شرک بہت بڑا گناہ ہے اسی طرح شرک کے بعد بدعت بہت بڑا گناہ ہے اور حقوق العباد میں قتل ناحق بہت بڑا گناہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کی عدالت میں حقوق العباد میں سب سے پہلے قتل ناحق کا مقدمہ پیش ہوگا اور یہ مسئلہ میں نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ قتل کرنے والا، قتل پر ابھارنے والا، قتل کا مشورہ دینے والا سب ایک ہی درجہ کے مجرم ہیں۔ اور یہ مسائل سمجھنے والے ہیں اور عمل کرنے والے ہیں۔

اگلی آیت کریمہ کا شان نزول یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت غالب بن قصاصہ رضی اللہ عنہ کی کمان میں ایک لشکر محاذ پر روانہ فرمایا کہ فلاں محاذ پر جاؤ اور جہاد کرو۔ یہ لوگ جہاد سے فارغ ہو کر واپس آ رہے تھے کہ راستے میں ایک مشہور قبیلہ بنو اسلم آباد تھا۔ یہ کانی بڑا قبیلہ تھا ان کے کچھ لوگ پہاڑوں پر آباد تھے اور کچھ لوگ میدانی علاقے میں۔ اس قبیلے کے ایک بزرگ جن کا نام مرداس بن نہیق تھا، مسلمان ہو چکے تھے، باقی گھر کے افراد اور برادری کافر تھی، یہ تنہا مسلمان تھے، ان کے پاس بھیڑ

بکریوں کا ریوڑ تھا، یہ اس فکر میں تھے کہ میں کس طرح ہجرت کروں؟ ان جانوروں کا کیا بنے گا؟ بچوں کا کیا بنے گا؟ آخر انسان ہے، ان چیزوں کے بارے میں سوچتا ہے، ادھر سے جب مجاہد نعرے لگاتے ہوئے آئے تو حضرت مرداس بن نہیق رضی اللہ عنہم ریوڑ کے راستہ میں کھڑے ہو گئے کہ میرے عقیدہ کے ساتھی آئے ہیں، کیونکہ قدرتی طور پر آدمی کو ہم عقیدہ آدمی کے ساتھ محبت ہوتی ہے چاہے عقیدہ جیسا ہی ہو۔

تو یہ بڑے خوش ہوئے، سلام کیا اور کہا کہ میں بھی مسلمان ہوں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ پڑھا، پھر کلمہ شہادت: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ پڑھا اور بڑی عقیدت اور محبت سے ان کے ساتھ پیش آئے۔ مجاہدین کے ذہن میں آیا کہ ہجرت فرض ہے اگر یہ مومن ہوتا تو ہجرت کرتا۔ کیونکہ ابتدائی دور میں ہجرت فرض تھی، جو لوگ مسلمان ہو جاتے تھے ان کو حکم تھا کہ جہاں تم آسانی کے ساتھ دین پر عمل کر سکتے ہو وہاں چلے جاؤ اور اس نے ہجرت نہیں کی لہذا یہ مومن نہیں ہے اور اپنی بھیڑ بکریاں بچانے کے لیے ہمیں سلام کہہ رہا ہے۔ یہ بدگمانی پیدا ہو گئی، نتیجہ یہ ہوا کہ مجاہدین نے اس کو قتل کر دیا اور بھیڑ، بکریاں، مال غنیمت سمجھ کر ساتھ لے گئے۔

اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿إِذَا صَدَقْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ جب تم سفر کرو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ﴿فَتَبَيَّنُوا﴾ تو خوب تحقیق کر لیا کرو ﴿وَلَا تَقُولُوا﴾ اور نہ کہو تم ﴿لَسْنَا بِاللَّذِينَ الْيُكْفَرُ إِلَيْكُمْ السَّلَام﴾ اس کے بارے میں جس نے ڈالا تمہاری طرف سلام ﴿لَسْنَا مُؤْمِنًا﴾ کہ تو مومن نہیں ہے۔ جس نے تمہیں سلام کیا، اپنے اسلام کا اظہار کیا، اس کو تم یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں ہے ﴿تَتَّبِعُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ چاہتے ہو تم دنیا کی زندگی کا سامان۔ یہ بکریاں دیکھ کر تمہاری آنکھیں لچا گئیں ﴿فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمٌ كَثِيرَةٌ﴾ پس اللہ تعالیٰ کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں ﴿كَذَلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ﴾ اسی طرح تھے تم اس سے پہلے کہ جس کو تم کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں، وہ تمہیں مسلمان سمجھتا تھا، اسی طرح تم بھی دوسروں کو مسلمان سمجھو اگر وہ تمہیں مسلمان نہ سمجھتا تو تمہارا کیا حشر ہوتا؟

مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ میں مسلمان ہوں اسے مسلمان ہی سمجھنا چاہیے۔ بشرطیکہ اس کا کوئی عقیدہ اور عمل اسلام کے خلاف نہ ہو، اس کے قول اور فعل سے اسلام کے خلاف کوئی چیز سرزد نہ ہو۔ لیکن جو شخص زبانی طور پر تو کہے کہ میں مسلمان ہوں اور اس کا عقیدہ اور عمل اسلام کے خلاف ہو تو وہ مسلمان نہیں ہے۔ مثلاً: قادیانی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور منکرین حدیث بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، رافضی بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور باقی فرقے والے بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ اسی طرح بہائی بھی اور یہ سب غیر اسلامی عقائد بھی رکھتے ہیں۔ قادیانی مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانتے ہیں اور منکرین حدیث کہتے ہیں کہ حدیث کوئی شے نہیں ہے اور رافضی کہتے ہیں کہ موجودہ قرآن پاک اصلی نہیں ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کافر کہتے ہیں اور بابی محمد علی باب کو پیغمبر مانتے ہیں اور بہائی بہاء الدین کو پیغمبر مانتے ہیں اور یہ کفریہ عقائد ہیں لہذا ان عقائد کے ہوتے ہوئے ان کے مسلمان ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بے شک اسلام کے دعوے دار بنے رہیں۔

اور یہ مسئلہ بھی یاد رکھنا کہ جس شخص کا کفر قطعی طور پر ثابت ہو جائے اس کو جو کافر نہیں کہے گا وہ بھی کافر ہے۔ مثلاً: کسی آدمی کے متعلق علم ہو جائے کہ یہ قادیانی ہے اگر اس کو کافر نہیں کہتا وہ خود کافر ہے۔ یہ مسئلہ نہ بھولنا مگر تحقیق کے بعد۔ محض ظن اور گمان سے نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿مَتَّبِعُوا﴾ خوب تحقیق کرو۔

فرمایا ﴿فَمَنْ لَّهِ عَلَيْكُمْ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا ﴿مَتَّبِعُوا﴾ پس اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو۔ مسلمان کو مسلمان کہنے میں بھی اور کافر کو کافر کہنے میں بھی جلد بازی سے کام نہ لو۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾ بے شک ہے اللہ تعالیٰ اس کا رروائی سے جو تم کرتے ہو خبردار۔

مجاہد اور غیر مجاہد میں فرق

آگے اللہ تعالیٰ نے مجاہد اور غیر مجاہد کا فرق بیان فرمایا ہے۔ ﴿لَا يَسْتَوِي الْقُعُودُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ نہیں ہیں برابر بیٹھ رہنے والے مومنوں سے ﴿عَيْنُوا أُولِي الضَّمَامِ﴾ جو ضرر والے نہیں ہیں۔ ان کو کوئی تکلیف اور عذر نہیں ہے، وہ مومن جو گھروں میں بیٹھے ہیں، جہاد نہیں کرتے اور ان کو کوئی عذر بھی نہیں ہے، اندھے نہیں ہیں، لنگڑے نہیں ہیں، بوڑھے نہیں ہیں، بیمار نہیں ہیں، تندرست ہیں، کوئی عذر بھی نہیں ہے اور جہاد نہیں کرتے، یہ برابر نہیں ہیں ان مجاہدین کے ﴿وَالْمُهَيَّبُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ اور وہ جو جہاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں ﴿بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ﴾ اپنے مالوں کے ساتھ اور جانوں کے ساتھ۔ یہ اور وہ جو گھر بیٹھنے والے ہیں برابر نہیں ہو سکتے۔ البتہ جو عذر کی وجہ سے نہیں جاسکتا اور اشتیاق ہے اس کو اللہ تعالیٰ پورے مجاہد کا اجر دے گا۔

غزوہ تبوک جو ہجرت کے نویں سال پیش آیا۔ یہ بڑا عسرت کا غزوہ تھا، گرمی کا موسم تھا، سفر لمبا تھا، مالی طور پر تنگی تھی، فصل کچی ہوئی تھی، رومیوں کے ساتھ لڑائی تھی۔ آنحضرت ﷺ جب تبوک کے مقام پر پہنچے تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاؤں کے چمڑے اتر گئے تھے، گرم ریت کی وجہ سے ناخن اتر گئے تھے، ایسا موقع بھی آیا کہ کسی کے پاس پانی نہ تھا، ایک دو آدمی شدت پیاس کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے۔ آدازیں دی گئیں۔ هَلْ مَعَكُمْ مِنْ مَّاءٍ؟ بھائی! کسی کے پاس پانی ہے؟ جانیں ضائع ہو رہی ہیں۔ کسی کے پاس پانی نہ تھا۔ فرمایا دائیں بائیں تلاش کرو، مگر کہیں سے پانی نہ ملا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اونٹ ذبح کر کے اس کی اوجھڑی نچوڑ کر ان کے منہ میں ڈالو تاکہ جان بچ جائے۔ کیونکہ اضطراری حالت میں مسئلہ جدا ہے۔

اس موقع پر آپ رضی اللہ عنہم نے فرمایا کچھ لوگ ایسے ہیں جو ہیں مدینہ طیبہ میں، ان کو بھی اتنا ثواب ملا ہے جتنا تمہیں ملا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا حضرت! ہمارے تو پاؤں کے چمڑے اُدھڑ گئے ہیں، ناخن اتر گئے ہیں، گرمی کی وجہ سے ہمارے حلیے بگڑ گئے ہیں اور وہ لوگ گھروں میں بیٹھے ہیں اور ان کو ہمارے برابر اجر مل گیا؟ فرمایا: ہاں! حَبَسَهُمُ الْعُدَّةُ ان کو عذر نے روک دیا ہے۔ وہ معذور ہونے کی وجہ سے نہیں آسکے ورنہ وہ گھر بیٹھنے پر خوش نہیں ہیں، تندرست ہوتے تو تمہارے ساتھ ہوتے۔

اسی واسطے حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص اچھے کام کی نیت کرے اللہ تعالیٰ اس کو اس کام کا اجر عطا فرمادیتے ہیں۔ اور یہ بھی حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس شخص نے جہاد نہ کیا اور اگر جہاد نہیں ہو رہا اور اس نے نیت نہ کی تو مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِّنْ يَّفَاقٍ [رواہ مسلم] "یہ جب بھی مرے گا نفاق پر مرے گا۔" اور ایک روایت میں آتا ہے مَيِّتَةً جَاهِلِيَّةً "مردار موت مرے گا۔" اور جو شخص نیت کرے کہ جب جہاد کا موقع آئے گا تو میں ضرور جہاد کروں گا بَلَّغَهُ اللَّهُ مَتَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَإِنْ مَاتَ عَلَى فِرَاشِهِ [رواہ مسلم] "اس کو اللہ تعالیٰ شہداء کے ساتھ کھڑا کریں گے اگرچہ یہ اپنی چار پائی پر مرے۔" کیونکہ اس کی نیت ایسی تھی۔ کام میں نیت کا بڑا دخل ہوتا ہے۔

تو جو مومن معذور نہ ہونے کے باوجود گھروں میں بیٹھے ہیں جہاد نہیں کرتے یہ ان کے برابر نہیں ہو سکتے جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرتے ہیں اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ۔ ﴿فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ﴾ فضیلت عطا فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ان مجاہدین کو جنہوں نے جہاد کیا اپنے مالوں کے ساتھ اور اپنی جانوں کے ساتھ ﴿عَلَى الْقَعِيدِينَ﴾ ان پر جو بیٹھے رہتے ہیں ﴿دَرَجَاتٍ﴾ درجے کے اعتبار سے۔ مجاہد کا درجہ اور ہے اور غیر مجاہد کا درجہ اور ہے ﴿وَكُلًّا وَعَدَّ اللَّهُ الْحُسْبَى﴾ اور ہر ایک سے وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا۔ ہیں تو وہ بھی مومن، ایمان کا صلہ تو ان کو بھی ملے گا، لیکن ﴿وَقَضَىٰ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَعِيدِينَ﴾ اور فضیلت عطا فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھے رہنے والوں پر ﴿أَجْرًا عَظِيمًا﴾ بہت بڑے اجر کی ﴿دَرَجَاتٍ مِّمَّنْ﴾ یہ درجے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿وَمَغْفِرَةً لِّذُنُوبِهِمْ﴾ اور بخشش ہے اور مہربانی ہے ﴿وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ بخشنے والا، رحمت کرنے والا۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿تَوَفَّيْنَاهُمُ الْمَلَائِكَةُ﴾ جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے ﴿خَالِيْنَ أَنْفُسِهِمْ﴾ اس حال میں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں ﴿قَالُوا﴾ فرشتے کہتے ہیں ﴿فِيْمَ كُنْتُمْ﴾ تم کس حال میں تھے ﴿قَالُوا﴾ کہا انھوں نے ﴿كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ﴾ ہم کمزور تھے ﴿فِي الْأَرْضِ﴾ زمین میں ﴿قَالُوا﴾ فرشتوں نے کہا ﴿أَلَمْ تَكُنْ أَرْضَ اللَّهِ وَاسِعَةً﴾ کیا نہیں تھی اللہ تعالیٰ کی زمین کشادہ؟ ﴿فَتَهَاجِرُوا فِيهَا﴾ پس تم ہجرت کر جاتے اس زمین میں ﴿فَأُولَٰئِكَ﴾ پس وہ لوگ ہیں ﴿مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ﴾ ٹھکانا ان کا جہنم ہے ﴿وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ اور بہت برا ہے ٹھکانا ﴿إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ﴾ مگر وہ کمزور ﴿مِنَ الرِّجَالِ﴾ مردوں میں سے ﴿وَالنِّسَاءِ﴾ اور عورتوں میں سے ﴿وَالْوِلْدَانَ﴾ اور بچوں میں سے ﴿لَا يَسْتَطِيعُونَ﴾ نہیں طاقت رکھتے ﴿حِيلَةً﴾ کسی تدبیر کی ﴿وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا﴾ اور وہ نہیں راہ پاتے ﴿فَأُولَٰئِكَ﴾ پس وہ لوگ ہیں ﴿عَسَىٰ اللَّهُ﴾ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ﴿أَنْ يَغْفِرَ عَنْهُمْ﴾ معاف کر دے گا ان کو ﴿وَكَانَ اللَّهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿غَفُورًا﴾ معاف کرنے والا

﴿عَفُوْرًا﴾ بخشنے والا ﴿وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اور جس نے ہجرت کی اللہ تعالیٰ کی راہ میں ﴿يَجِدْ﴾ پائے گا ﴿فِي الْاَرْضِ﴾ زمین میں ﴿مُرْعٰتًا﴾ بھاگنے کی جگہیں ﴿كَثِيْرًا﴾ بہت سی ﴿وَسَعَةً﴾ اور وسعت اور گنجائش ﴿وَمَنْ يَخْرُجْ﴾ اور وہ شخص جو نکلا ﴿مِنْ بَيْتِهِ﴾ اپنے گھر سے ﴿مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ﴾ ہجرت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف ﴿وَسُوْلِهِ﴾ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ﴿ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ﴾ پھر پالے اس کو موت ﴿فَقَدْ وَفَّءَ اَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ﴾ پس تحقیق واقع ہو گیا اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ﴿وَكَانَ اللّٰهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿عَفُوْرًا﴾ بخشنے والا ﴿رٰحِيْمًا﴾ مہربان۔

مسلمان جہاں کہیں بھی ہو اس پر لازم اور ضروری ہے کہ وہ اپنے عقیدے کا اظہار کرے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو عبادتیں فرض ہیں اور واجب ہیں ان کو ادا کرے۔ اگر وہاں کے لوگ رکاوٹ بنیں تو جہاد کرے، اگر جہاد کی طاقت اور قوت نہیں ہے تو ایمان اور دین کی حفاظت کے لیے وہاں سے ہجرت کر کے ایسی جگہ چلا جائے کہ جہاں اطمینان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکے۔ کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ اگر کافروں کے علاقے میں رہتا ہے تو جب یہ اپنے عقیدے کا اظہار کرے گا تو دوسروں کو تکلیف ہوگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ میں لا الہ الا اللہ کا اعلان فرمایا تو مشرک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ٹوٹ پڑے اور کہنے لگے ﴿اَجْعَلْ الْاِلٰهَةَ الْهٰذَا جَدًا﴾ اِنْ هٰذَا الشَّيْءُ عَجَابٌ ﴿کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا دیا یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ کہ سارے خداؤں، حاجت رواؤں اور مشکل کشاؤں اور دستگیروں اور فریادرسوں کا انکار کر کے کہتا ہے کہ الہ ایک ہی ہے یہ تو بڑی عجیب اور زالی بات ہے ہم نہیں مانتے۔

اور سورۃ الصافات پارہ: ۲۳ میں آتا ہے ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يُسْتَكْبِرُوْنَ﴾ بے شک ان کا حال یہ تھا کہ جب ان کو کہا جاتا تھا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو تکبر کرتے تھے، اچھلتے تھے۔ تو عقیدے کے اظہار پر مخالفوں کو تکلیف ہونا ظاہر ہے اور یہ بات بھی واضح ہے کہ جہاں ان کی اکثریت ہوگی وہ پریشان کریں گے اور کوشش کریں گے کہ مسلمانوں کو اپنے عقیدے پر نہ رہنے دیں۔ تو ایسی صورت حال میں یہی حکم ہے کہ اگر وہ اپنے عقیدے پر نہیں رہ سکتے اور عبادت ادا نہیں کر سکتے تو ان کے ساتھ جہاد کریں اور اگر جہاد کی طاقت اور توفیق نہیں ہے تو پھر وہاں سے ہجرت کرنی پڑے گی۔

اور یہ بھی یاد رکھنا! کہ جہاد مقصود بالذات نہیں ہے، بلکہ ایمان اور عبادت کے برقرار رکھنے کا ذریعہ ہے۔ اگر کسی علاقے میں کافر روڑے نہ اٹکائیں اور تنگ نہ کریں تو جہاد کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں! اگر رکاوٹیں پیدا کریں اور عبادت ادا نہ کرنے دیں تو پھر ان کے خلاف جہاد کرنا ہے اور اگر جہاد کی طاقت نہ ہو تو ہجرت کرنی پڑے گی اور ہجرت کوئی آسان معاملہ نہیں ہے۔ آپ تصور کریں کہ آدمی کا ذاتی مکان ہو اور سامان سے بھرا ہوا اور اپنی زمین ہو، باغات ہوں یا اپنا کاروبار ہو، کارخانے ہوں اور اسی علاقے میں پیدا ہوا اور وہیں پرورش پائی ہو، ایسی جگہ کو چھوڑنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ ہجرت کرتے وقت کتنا

سامان اٹھا کر ساتھ لے جاسکتا ہے، صرف ضروری ضروری سامان بھی اٹھالے تو بڑی بات ہے۔ مگر جب ایمان کی حفاظت مقصود ہو تو یہ سب کچھ کرنا ہوتا ہے کیونکہ ایمان بہت بڑی دولت ہے اور یہ ساری چیزیں اس کے مقابلہ میں بیچ ہیں۔

ایمان کی قدر و قیمت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما جو اُمت میں اول نمبر کے فقیہ اور اول نمبر کے مفسر قرآن اور بلند درجے کے صحابی ہیں اور مسلمان ہونے میں ان کا چھٹا نمبر ہے، ان سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس آدمی کے بارے میں خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو ایمان کی توفیق عطا فرمادیتے ہیں۔ اور ایک روایت میں آتا ہے: **إِنَّ اللَّهَ يُعْطِي الدُّنْيَا مَنْ يُحِبُّ وَمَنْ لَا يُحِبُّ** ”بے شک اللہ تعالیٰ دنیا اُسے بھی دیتا ہے جس سے پیار کرتا ہے اور اُسے بھی دیتا ہے جس سے پیار نہیں کرتا“ **وَلَا يُعْطِي الدُّنْيَا إِلَّا مَنْ يُحِبُّ** ”اور دین صرف اُسے دیتا ہے جس سے محبت کرتا ہے۔“ اور ایک روایت میں آتا ہے **وَلَا يُعْطِي إِلَّا الْإِيمَانَ إِلَّا مَنْ يُحِبُّ** ”کہ ایمان صرف اُسے عطا فرماتا ہے جس سے محبت کرتا ہے۔“ تو ایمان صرف اُسے ملتا ہے جس پر رب تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور مال کامل جانا اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کی دلیل نہیں ہے وہ نیکوں کو بھی ملتا ہے اور بُروں کو بھی ملتا ہے۔

تو ایمان بڑی قیمتی دولت ہے اس کے مقابلہ میں دنیا کوئی چیز نہیں ہے۔ تو قیمتی شے کی حفاظت کرنا ضروری ہے لہذا اگر ایمان ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو مسلمان پر لازم ہے کہ مکان، زمین، باغات، کارخانے سب چھوڑ دے اور ہجرت کر کے ایمان کو بچالے اور ایمان کی حفاظت کرے۔ کیونکہ قیمتی شے کی حفاظت کرنی ہے۔ لیکن آقا کے حکم کے مقابلہ میں کوئی شے قیمتی نہیں ہے۔

محمود اور ایاز

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اکابر اولیاء میں سے گزرے ہیں۔ مثنوی شریف ان کی مشہور کتاب ہے۔ اس میں انھوں نے ایمان، اتباع سنت اور اخلاقیات کو حکایات کی صورت میں بیان فرمایا ہے۔ انھوں نے مثنوی شریف میں سلطان محمود غزنوی کا واقعہ نقل فرمایا ہے۔ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کو جب معلوم ہوا کہ مسلمان ہندوؤں کے مظالم کی وجہ سے پریشان ہیں اور ہندو مسلمانوں کو بہت پریشان کرتے ہیں تو انھوں نے ہندوستان پر حملہ کر کے ہندوؤں کی طاقت کو پامال کیا، سومنات کا بت توڑا اور بڑے قیمتی ہیرے اور جواہرات ہاتھ آئے۔ ان میں ایک بڑا قیمتی ہیرا بھی ان کو حاصل ہوا۔ ان کے ایک سپاہی کا لڑکا تھا جس کا نام ایاز تھا۔ یہ بچہ بڑا سمجھ دار تھا۔ اس کو وہ اپنے پاس بٹھاتے تھے اور دزیوں اور مشیروں کو یہ بات اچھی نہیں لگتی تھی کہ بادشاہ سلامت دس گیارہ سال کے بچے کو اپنے پاس بٹھاتے ہیں۔ ایک دن کہنے لگے کہ ہم کچھ کہہ تو نہیں سکتے مگر اس چھوٹے بچے کا یہاں بیٹھنا مناسب نہیں ہے۔ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ بے تو چھوٹا مگر بڑا سمجھ دار ہے۔

ایک موقع پر انھوں نے اس طرح کیا کہ اپنے ایک ملازم کو حکم دیا کہ ایک پتھر اور ایک تھوڑا لاکر دربار میں رکھ دے۔ چنانچہ ملازم نے دونوں چیزیں مہیا کر دیں۔ دربار لگا تو سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جیب سے وہ قیمتی ہیرا نکالا اور ہیرے

کی یہ خاصیت ہے کہ یہ گھستا نہیں ہے، ٹوٹ سکتا ہے۔ ہیرے کے علاوہ دنیا کی کوئی دھات ایسی نہیں ہے جو نہ گھسے۔ مثلاً: لوہا ہے، پیتل ہے، تانبا ہے، سونا ہے، چاندی ہے، یہ سب دھاتیں گھس جاتی ہیں مگر ہیرے میں رب تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ وہ گھستا نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قیمتی گھڑیوں کی چولیس ہیرے کی ہوتی ہیں۔ تو بادشاہ نے ایک وزیر کو کہا کہ اس ہیرے کو پتھر پر رکھ کر تھوڑے سے توڑ دے۔ اس نے کہا کہ اس کو میں کیسے توڑوں؟ یہ تو بڑا قیمتی ہے۔ اسی طرح اور پانچ، دس کو کہا مگر کسی نے نہ توڑا۔ پھر ایاز کو کہا کہ بیٹا! تو اس ہیرے کو توڑ دے۔ اس نے ہیرا پتھر پر رکھ کر تھوڑے سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا بیٹے! اتنا بڑا قیمتی ہیرا تو تے توڑ دیا ہے؟ ایاز نے کہا کہ میرے سامنے دو چیزیں تھیں۔ ایک ہیرے کی قیمت اور ایک آقا کے حکم کی قیمت۔ میرے نزدیک آقا کا حکم زیادہ قیمتی تھا اس لیے میں نے ہیرا توڑ دیا۔ اس وقت سب کو سمجھ آئی کہ یہ صرف بچہ نہیں ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے بڑی سمجھ عطا فرمائی ہے۔

تو بات یہ ہو رہی تھی کہ مشکل کاموں میں سے ایک ہجرت بھی ہے اور آٹھ [۸] ہجری تک ہجرت فرض تھی اور جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا اور سارے عرب میں اسلام کا جھنڈا لہرایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ: لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ ”کہ مکہ مکرمہ کے فتح ہو جانے کے بعد اب عرب میں کوئی ہجرت نہیں ہے۔“ کیونکہ دارالاسلام سے ہجرت کرنے کا تو کوئی معنی نہیں ہے۔ البتہ دنیا کے دوسرے ممالک میں آج تک ہجرت چلی آرہی ہے۔ مثلاً:

آج لاکھوں کی تعداد میں افغانی ہمارے پاس موجود ہیں۔ اسی طرح برما کے مظلوم مسلمان کچھ تو بنگلہ دیش چلے گئے ہیں اور کچھ دوسرے ممالک میں۔ کیونکہ وہاں بدھ مت والوں نے ان پر بڑے مظالم ڈھائے ہیں اور مسلمانوں پر ہر جگہ ظلم ہو رہا ہے، فلپائن میں، انڈیا میں، کشمیر میں، فلسطین میں، مگر ان کی خبر گیری کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ وہ بیچارے پکار پکار کر کہتے ہیں ہماری بھی کوئی خبر گیری کرے۔ خبر گیری دور کی بات ہے ان مظلوموں کے لیے آواز بلند کرنے کے لیے کوئی تیار نہیں ہے۔

اس وقت مسلمانوں کے چؤن [۵۴] ملک ہیں مگر ان کے سربراہ عیاشیوں میں مصروف ہیں اور دنیا کی ساری بے غیرتی مسلمان سربراہوں کو الاٹ ہو چکی ہے۔ یہ جتنے مسلمان ملکوں کے سربراہ ہیں، الا ماشاء اللہ، کم از کم آواز تو بلند کریں، مگر نہیں، کیونکہ نانا جی امریکہ صاحب ناراض ہوتا ہے اور اگر وہ ناراض ہو گیا تو ان کی عیاشیوں میں فرق پڑ جائے گا۔ اس لیے یہ صرف نانا جی کو راضی کرنے پر لگے ہوئے ہیں۔ اور اس کے برعکس امریکہ کی دہشت گردی دیکھو کہ اگر اس کے ملک کے دو تین آدمی مارے جاتے ہیں تو وہ ہمارے ملک کے آدمی پکڑوا کر ان کو پھانسی پر لٹکا دیتا ہے اور دنیا میں کہیں بھی کوئی عیسائی ان کو آواز دے تو وہ دوڑ پڑتے ہیں۔

تو خیر! ابتداء ہجرت فرض تھی اور کچھ لوگوں نے طاقت رکھنے کے باوجود ہجرت نہ کی۔ باوجود اس کے کہ ان کو کافر وہاں عبادت بھی ادا نہیں کرنے دیتے تھے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان کو تنبیہ فرمائی ہے۔ ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْكُمْ لَكَاذِبِينَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿تَوَلَّوْا لَكُمْ الْبُكْرَةَ عَالِمِينَ﴾ جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے اس حال میں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں۔ ظلم یہ کہ وہاں

کھلے بندوں عبادت بھی نہیں کر سکتے اور ہجرت بھی نہیں کی ﴿قَالُوا فَمَنْ لَكُمْ يُفْرِغُ فِيكُمْ مَائًا﴾ فرشتے کہتے ہیں تم کس حال میں تھے؟ ﴿قَالُوا لَمَّا نَسْتَعِينُ﴾ فرشتوں نے کہا ﴿أَلَمْ نَكُنْ أُمَّةً مِّنْ أُمَّةٍ لِّمَنْ كَانَ اللَّهُ وَابِعَةً﴾ کیا نہیں تھی اللہ تعالیٰ کی زمین کشادہ ﴿مُهَيَّأَةً لِّذَالِكُمْ﴾ پس تم ہجرت کر جاتے اس زمین میں جہاں تم عبادت کر سکتے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ہجرت فرض تھی اور کچھ لوگوں نے کوتاہی کرتے ہوئے ہجرت نہیں کی تھی ﴿فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ﴾ پس یہی لوگ ہیں ٹھکانا ان کا دوزخ ہے، لیکن ﴿خَالِدًا﴾ نہیں فرمایا۔ کیونکہ وہ اپنی سزا بھگتنے کے بعد کسی وقت دوزخ سے نکل آئیں گے، کیونکہ تھے تو مومن اور مومن کے لیے خلود فی النار نہیں ہے۔ رب تعالیٰ جتنی سزا چاہیں گے دیں گے اور یہ بھی وہی جانتا ہے کہ کس کو کتنی سزا دینی ہے ہم اس سلسلے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ﴿وَسَاءَ مَا مَحْكُمُونَ﴾ اور وہ جہنم بہت برا ٹھکانا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مومنین اور مومنات کو، تمام مسلمین اور تمام مسلمات کو بچائے اور محفوظ رکھے۔ [امین!]

دوزخ کتنا برا ٹھکانا ہے؟ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیں گے کہ آواز دو کہ وہ آدمی کھڑا ہو جس نے دنیا میں سب سے زیادہ آرام اور سکون کی زندگی بسر کی ہے اَنْعَمِ اَهْلِي الدُّنْيَا کے الفاظ آتے ہیں۔ ایک ہوتا ہے قصبے میں سب سے زیادہ آسودہ حال، ایک تحصیل میں ہوتا ہے، ایک ضلع میں ہوتا ہے، ایک صوبے میں ہوتا ہے، ایک ملک میں سب سے زیادہ آسودہ حال اور آرام اور سکون سے زندگی بسر کرنے والا ہوتا ہے۔ فرمایا جو ساری دنیا میں سب سے زیادہ آرام و سکون پانے والا تھا اس کو لایا جائے۔ چنانچہ اس کو لایا جائے گا، حکم ہوگا اس کا فر کو آگ میں ڈال دو۔ فَيَغْمِسُ غَمْسَةً ”پس اس کو ایک غوطہ دیا جائے گا۔“ جہنم کے شعلوں میں سے ایک شعلہ اس کو لپٹے گا۔ اس کے بعد رب تعالیٰ اس سے پوچھیں گے هَلْ رَأَيْتَ فِي الدُّنْيَا مِثْلَ الْخَيْرِ؟ ”اے بندے! کیا تو نے دنیا میں کوئی چین اور آرام دیکھا ہے؟“ وہ کہے گا: اے پروردگار! میں نے کوئی سکون نہیں پایا اور دیکھا۔ یعنی جہنم کی آگ کا ایک شعلہ دنیا کے سارے آرام بھلا دے گا۔ پھر اس شخص کو لایا جائے گا جس نے بالغ ہونے کے بعد سے لے کر مرتے دم تک کو سکون نہیں دیکھا ہوگا اور ہوگا مومن۔ مطلب یہ ہے کہ نہ تو اس کی ضرورت کے مطابق اس کو لباس ملا، نہ خوراک ملی، نہ رہائش کا کوئی خاص انتظام تھا، بیمار ہوا تو علاج کے لیے کچھ پاس نہ تھا، رب تعالیٰ اس کو حکم دیں گے کہ نہر حیات میں چھلانگ لگا کر ایک غوطہ لگا (نہر حیات جنت کے دروازے کے اندر ہے)۔ وہ نہر حیات میں ایک غوطہ لگائے گا رب تعالیٰ فرمائیں گے میرے بندے! بتا تو نے دنیا میں کوئی دکھ دیکھا ہے؟ وہ کہے گا اے میرے پروردگار! میں نے دنیا میں کوئی دکھ نہیں دیکھا۔

یعنی جنت کی نہر کا ایک غوطہ دنیا کے سارے دکھ بھلا دے گا اور دوزخ کا ایک غوطہ دنیا کے سارے آرام اور سکون بھلا دے گا۔ جہنم تو اتنی بری ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ آپ ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ۔ ”اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں قبر کے عذاب سے اور تیری پناہ میں آتا ہوں جہنم کے عذاب سے۔“ یہ آپ ﷺ نے امت کو تعلیم دی ہے ورنہ آپ ﷺ کو تو کوئی خطرہ نہ تھا یہ امت کی تعلیم

کی خاطر تھا۔ یہ حکم جو اوپر بیان ہوا ہے فرض عین کے تارک کا ہوا ہے۔

ہجرت کے حکم سے جو لوگ مستثنیٰ تھے آگے ان کا بیان ہے۔ فرمایا ﴿إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ﴾ مگر وہ کمزور مردوں میں سے اور عورتوں میں سے ﴿وَالْوِلْدَانَ﴾ اور بچوں میں سے ﴿لَا يَسْتَضْعِفُونَ حِينَلَهُ﴾ نہیں طاقت رکھتے کسی تدبیر کی ﴿وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا﴾ اور وہ نہیں راہ پاتے کہ کہاں جائیں اور کس طرح جائیں، معذور ہیں ان پر کوئی مواخذہ نہیں ہے، کوئی گناہ نہیں ہے ﴿فَأُولَئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُو عَنْهُمْ﴾ پس وہ لوگ ہیں قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دے ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا، بخشنے والا ﴿وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ اور جس شخص نے ہجرت کی اللہ تعالیٰ کی راہ میں ﴿يَجِدْ فِيهَا ثَرْوًا مِمَّا كَثَبُوا﴾ پائے گا اللہ تعالیٰ کی زمین میں بھاگنے کی جگہ بہت سی ﴿وَسَعَةً﴾ اور وسعت و گنجائش۔ ان کو پہاڑوں کے غار لیں گے، پانی بھی ملے گا اور بہت ساری سہولتیں اللہ تعالیٰ پیدا فرمادے گا اور بڑی گنجائش پائیں گے۔

مکہ مکرمہ میں ضمیر بن جندب نامی بزرگ تھے، کافی عمر رسیدہ تھے اور تفسیر ابوسعود وغیرہ میں ہے کہ كَانَ أَغْنَى نَابِئًا تَحْتَهُ اور تھے بھی بیمار۔ اب ظاہر بات ہے کہ جو آدمی اتنا بوزھا ہو کہ خود اٹھ بیٹھ نہ سکے اور ہو بھی ناپینا اور اس کے ساتھ ساتھ بیمار بھی ہو یہ معذور ہے۔ مگر انھوں نے جب یہ آئیں سنیں کہ جن لوگوں نے ہجرت نہ کی وہ گنہگار ہیں تو اپنے بیٹوں اور پوتوں کو کہا کہ میری چار پائی اٹھاؤ اور مجھے مدینہ طیبہ پہنچاؤ اس لیے کہ ہجرت فرض ہے۔ انھوں نے کہا بابا! اللہ تعالیٰ نے ﴿إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ﴾ سے کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے لہذا تم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے اور تم بڑھے بھی ہو، ناپینا بھی اور بیمار بھی۔ کہنے لگے اگر میں خود نہیں جاسکتا تو کیا تم مجھے چار پائی پر بٹھا کر نہیں لے جاسکتے؟ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ انگریزی میلوں کے اعتبار سے تین سو گیارہ میل کی مسافت پر ہے۔ چنانچہ ان کے بیٹوں اور پوتوں نے ان کو چار پائی پر ڈالا اور لے کر چل پڑے، مگر حضرت ضمیر بن جندب جیٹھو راستہ میں ہی فوت ہو گئے۔

تو ایسے وفادار لوگ بھی تھے۔ ان کے متعلق لوگوں نے کہا: نہ گھر کے رہے اور نہ ہجرت کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَمَنْ يُخْرِجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ اور وہ شخص جو گھر سے نکلا ہجرت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ﴿ثُمَّ يَدْرِأُ لَهُ الثَّوَاتُ﴾ پھر پالیا اس کو موت نے ﴿فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ﴾ پس تحقیق واقع ہو گیا اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر۔ اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ کیونکہ موت و حیات انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے

اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

لہذا جو ہجرت کی نیت سے گھر سے نکلا وہ مہاجرین کی صف میں شامل ہو گیا چاہے دو چار قدم ہی چلا ہو۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے لیے نکلا اور محاذ پر پہنچنے سے پہلے فوت ہو گیا اللہ تعالیٰ اس کو شہیدوں کی

صف میں شامل فرمائے گا۔ کیونکہ جہاد کی نیت سے نکلا ہے لہذا یہ باقاعدہ شہید ہے۔ ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا رَحِيمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان۔ دعا کرو اللہ تعالیٰ سب کی بخشش فرمائے اور رحمت کے دروازے کھول دے۔ [امین!]



﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ﴾ اور جب تم سفر کرو ﴿فِي الْأَرْضِ﴾ زمین میں ﴿فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ﴾ پس نہیں ہے تم پر کوئی گناہ ﴿أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ﴾ یہ کہ کم کرو تم نماز سے ﴿إِنْ خِفْتُمْ﴾ اگر تم خوف کرو ﴿أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ یہ کہ تمہیں فتنے میں ڈالیں گے وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿إِنَّ الْكُفْرَيْنَ﴾ بے شک کافر ﴿كَانُوا﴾ ہیں لگتے تمہارے ﴿عَدُوًّا مُّبِينًا﴾ کھلے دشمن ﴿وَإِذَا كُنْتُمْ فِيهِمْ﴾ اور جب آپ ہوں ان میں موجود ﴿فَاقْتُلُوا﴾ قتل کرو ﴿الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ ان میں سے ﴿مَعَكُمْ﴾ آپ کے ساتھ ﴿وَلْيَأْخُذُوا بِسِلْحِهِمْ﴾ اور چاہیے کہ وہ لے لیں اپنے ہتھیار ﴿وَإِذَا سَأَلْتُمُ النَّاسَ﴾ پس جس وقت وہ سجدہ کریں ﴿فَلْيُؤَدُّوا لَكُمْ مِنْ ذَمَّتْكُمْ﴾ پس چاہیے کہ یہ لوگ تمہارے سے پیچھے ہو جائیں ﴿وَلْيَأْتُوا بِكَلِمَاتٍ طَيِّبَاتٍ﴾ اور چاہیے کہ آئے گروہ ﴿أُخْرَى﴾ دوسرا ﴿لَمْ يَصَلُّوا﴾ جنہوں نے نماز نہیں پڑھی ﴿فَلْيُصَلُّوا مَعَكُمْ﴾ پس چاہیے کہ وہ نماز پڑھیں آپ کے ساتھ ﴿وَلْيَأْخُذُوا بِحِمْلِهِمْ﴾ اور چاہیے کہ وہ لے لیں اپنے بچاؤ کا سامان ﴿وَاسْلِحْهُمْ﴾ اور اپنے ہتھیار ﴿وَذَالِ الْيَمِينِ﴾ پسند کرتے ہیں وہ لوگ ﴿كَفَرُوا﴾ جو کافر ہیں ﴿لَوْ﴾ اس بات کو ﴿تَعْلَمُونَ﴾ کہ تم غافل ہو جاؤ ﴿عَنْ اسْلِحَتِكُمْ﴾ اپنے ہتھیاروں سے ﴿وَأَمْتِعَتِكُمْ﴾ اور اپنے سامان سے ﴿فِي يَمِينِكُمْ﴾ پس وہ حملہ کر دیں ﴿عَلَيْكُمْ﴾ تم پر ﴿مِثْلَةَ وَاحِدَةٍ﴾ یکساں حملہ ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ اور کوئی گناہ نہیں ہے تم پر ﴿إِنْ كَانَتْكُمْ آذَى﴾ اگر ہو تمہیں کوئی تکلیف ﴿مِنْ مَطَرٍ﴾ بارش کی وجہ سے ﴿أَوْ كُنْتُمْ مَرْضَى﴾ یا ہو تم بیمار ﴿أَنْ تَضَعُوا اسْلِحَتَكُمْ﴾ یہ کہ تم اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دو ﴿وَخُذُوا جُنُودَكُمْ﴾ اور لے لو اپنے بچاؤ کا سامان ﴿إِنَّ اللَّهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے ﴿أَعَدَّ﴾ تیار کیا ہے ﴿لِلْكَافِرِينَ﴾ کافروں کے لیے ﴿عَذَابًا مُهِينًا﴾ عذاب رسوا اور ذلیل کرنے والا۔

قصر نماز کا حکم

اس سے پہلے رکوع میں ہجرت کا ذکر تھا اور اس سے پہلے جہاد کا ذکر تھا۔ جہاد میں سفر کی ضرورت بھی پیش آتی ہے اور ہجرت تو نام ہی سفر کا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے سفر کی نماز اور خوف کی نماز کا حکم بیان فرمایا ہے۔

اس مسئلہ میں اگرچہ فقہی طور پر بعض جزئیات میں اختلاف بھی ہے لیکن محقق بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص از تالیس میل یا اس سے زیادہ سفر کرے، برابر ہے کہ وہ سفر پیدل ہو یا گھوڑے پر ہو یا گاڑی پر ہو یا جہاز پر ہو تو وہ نماز میں قصر کرے گا کہ چار رکعت والی نماز دو رکعتیں پڑھے گا اور دو اور تین رکعات والی نماز میں قصر نہیں ہے۔ یعنی ظہر کی چار رکعت کی بجائے دو پڑھے گا، عصر کی چار کی بجائے دو پڑھے گا، عشاء کی چار کی بجائے دو پڑھے گا، فجر کی دو رکعات دو ہی رہیں گی، مغرب کی تین رکعات تین ہی رہیں گی، ان کی قصر نہیں ہے۔ یہ اصول تو ہے فرضوں کے متعلق۔

رہا مسئلہ سنتوں کا تو سنتوں کے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ اگر سفر جاری ہے جاری سفر کا مطلب یہ ہے کہ ایک گاڑی سے اترا اور دوسری پر بیٹھ گیا تو جاری سفر میں سنتیں چھوڑنا بہتر ہیں۔ احناف رضی اللہ عنہم کا مختار اور مفتی بہ قول یہی ہے۔ سوائے فجر کی سنتوں کے کہ صبح کی سنتیں سفر حضر میں پڑھنی ہیں، بیماری تندرستی میں پڑھنی ہیں، کسی حال میں بھی نہیں چھوڑنی۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر تم میدان جنگ میں زخمی ہو کر گر پڑے ہو اور کافروں کے گھوڑے تمہیں کچل رہے ہوں پھر بھی یہ سنتیں نہیں چھوڑنی اور اگر سفر میں ٹھہرے ہو چاہے ایک آدھ دن کے لیے ہی ٹھہرنا ہو تو پڑھنی بہتر ہیں اگرچہ مؤکدہ نہیں ہیں لیکن سنتوں میں قصر نہیں ہے۔ چھوڑنی ہیں تو پوری چھوڑنی ہیں پڑھنی ہیں تو پوری پڑھنی ہیں۔ اور اگر کہیں پندرہ دن یا اس سے زائد ٹھہرنے کی نیت کر لے تو پھر قصر نہیں ہے مکمل نماز پڑھنی پڑے گی۔

اسی طرح سفر کے دوران میں مقیم امام کے پیچھے پڑھے گا تو پوری پڑھے گا۔ اگر امام مسافر ہے تو قصر ہی پڑھے گا اور اگر پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت ہے تو دو گنا نہ ہی پڑھے گا۔ البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا سفر میں قصر رخصت اور اجازت ہے یا ضروری ہے؟

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رخصت اور اجازت ہے اگر کوئی چار بھی پڑھ لے تو گنہگار نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چار رکعات پڑھنے والا گنہگار ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سفر کے دوران میں چار رکعات پڑھنی ثابت نہیں ہیں لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی خلاف ورزی ہوگی اور یہ صحیح نہیں ہے۔

دو گنا کب شروع ہوگا؟ دو گنا نہ اس وقت شروع ہوگا جب اپنے شہر یا قصبے سے باہر نکل جائے گا۔ یعنی اپنے شہر یا قصبے کا جو آخری مکان ہے، چاہے کچا ہو یا پکا ہو، جب اس سے آگے نکلے گا دو گنا نہ شروع کر دے۔ اس شہر یا گاؤں کی زمین کا ختم ہونا کوئی ضروری نہیں ہے زمین تو لوگوں کی دور دور تک ہوتی ہے اور واپس اس جگہ پہنچنے تک دو گنا نہ ہی پڑھے گا۔ یعنی اپنے شہر یا قصبے کے آخری مکان تک پہنچنے سے پہلے پہلے دو گنا نہ پڑھے گا، اس کے بعد نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہی ﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَمْثَالِ﴾ اور جب تم سفر کرو زمین میں ﴿فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ﴾ پس نہیں ہے تم پر کوئی گناہ ﴿أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ﴾ یہ کہ تم کم کر دو نماز سے۔ آگے نماز خوف کا ذکر ہے۔ فرمایا ﴿إِنْ خِفْتُمْ أَنْ تَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ اگر تم خوف کر دے کہ تمہیں فتنے میں ڈالیں گے وہ لوگ جو کافر ہیں۔ اس زمانے میں کافروں کا غلبہ تھا اور ان کی طرف

سے خطرہ رہتا تھا مگر مسلمان نمازیں پڑھتے تھے اور ان کی نمازیں، نمازیں ہوتی تھیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نمازیں

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ مسجد حرام میں ایسے اطمینان کے ساتھ نماز پڑھتے تھے کہ کبوتر ان کو لکڑی سمجھ کر ان پر بیٹھ جاتے تھے۔ حالانکہ کبوتر بڑا ہوشیار پرندہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں تیر لگا جو دوسری طرف تک پہنچ گیا۔ ساتھی جب تیر نکالنے لگے تو تکلیف محسوس ہوئی، فرمایا پانی لاؤ، میں وضو کر کے نماز شروع کرتا ہوں جب میں نماز شروع کر دوں تو تم تیر نکال لینا مجھے تکلیف محسوس نہیں ہوگی۔ یعنی نماز میں وہ اس طرح ہوتے تھے جس طرح ان کو نشہ پلا دیا گیا ہے۔

ابوداؤد شریف کی روایت میں آتا ہے کہ ایک مقام پر مجاہدین سوئے ہوئے تھے اور دو ساتھیوں کی ڈیوٹی تھی کہ اگر دشمن کا خطرہ ہو تو ساتھیوں کو آگاہ کرنا ہے۔ جس طرف سے دشمنوں کا خطرہ تھا قبلہ بھی اسی طرف تھا۔ ان دونوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ دونوں کا جاگنا تو ضروری نہیں ہے ساتھیوں کو خطرے سے آگاہ ہی کرنا ہے لہذا ایک سو جائے دوسرا جاگے۔ پھر وہ سو جائے اور دوسرا جاگے۔ جو پہرے پر کھڑا تھا اس نے سوچا کہ ویسے کھڑا ہونے سے کیا فائدہ ہے؟ نفل شروع کر دیتا ہوں کیونکہ جس طرف سے خطرہ ہے قبلہ بھی ادھر ہی ہے، منہ بھی اسی طرف ہوگا، خطرہ ہوگا تو ساتھیوں کو آگاہ کر دوں گا اور نماز شروع کر دی۔ دور ان نماز دشمن کی طرف سے تیر آیا جو ان کو لگ گیا اور خون بہنے لگا، وہ خون سوئے ہوئے ساتھی تک پہنچا، ان کو جب گرم گرم چیز لگی جس طرح پانی ہوتا ہے متفکر ہوئے کہ یہ کہاں سے آیا ہے؟ جاگے اور ایک دوسرے کو آوازیں دیں کہ اٹھو یہ کیا ہو رہا ہے؟ دیکھا تو تیر اس کے پاؤں میں چبھا ہوا ہے اور وہ نماز پڑھ رہا ہے۔ جب نماز سے فارغ ہوا تو پھر اس کو محسوس ہوا کہ مجھے تیر لگا ہے، جب تک نماز میں تھے کچھ محسوس نہ ہوا۔ نمازیں تو ان لوگوں کی تھیں۔

تو عین نماز کے وقت بھی دشمن کے حملے کا خطرہ ہوتا تھا اس لیے خوف کی قید اتنا ہی ہے، ضروری نہیں ہے۔ امن وامان کی حالت میں بھی سفر میں قصر ہے۔ چنانچہ بخاری شریف اور مسلم شریف میں احادیث موجود ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر حج میں منیٰ میں، عرفات میں دو دور کعتیں پڑھی ہیں حالانکہ وہاں کوئی خوف خطرہ نہ تھا۔ مالکی حضرات اور کچھ حنبلی اب بھی وہاں ظہر اور عصر کی دو دور کعتیں پڑھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو پڑھی تھیں۔ دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو پڑھی تھیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو مسافر تھے اور تم تو مکہ مکرمہ سے اٹھ کر آئے ہو جو کل تقریباً دس میل بنتا ہے تم تو مسافر نہیں ہو۔ یہ وہاں کے مقامی لوگوں کی بات ہو رہی ہے کہ وہ بھی دو دور کعتیں پڑھتے ہیں۔ اس لیے ساتھیو! یہ مسئلہ سمجھ لو کہ حج کے موقع پر جب تم مسجد نمروہ میں جاؤ تو امام کی تحقیق کر لو۔ اگر وہ مقامی ہو تو اس کے پیچھے چار کعتیں پڑھنی ہیں اور اگر مسافر ہو تو اس کے پیچھے دو کعتیں پڑھنی ہیں۔ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دس دن مکہ مکرمہ رہے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو گانہ نماز پڑھی تھی کیونکہ اقامت کے لیے پندرہ دن کی نیت ضروری ہے۔

اور یہ مسئلہ بھی سمجھ لیں کہ جو شخص مسجد نمبرہ میں نمازیں پڑھے گا جو عرفات میں ہے تو وہ دو نمازیں ظہر اور عصر کی ظہر کے وقت میں اکٹھی پڑھے گا اور دوسرے مقام پر چاہے جماعت کے ساتھ پڑھے ظہر اپنے وقت میں پڑھے گا اور عصر اپنے وقت میں پڑھے گا۔ مسجد نمبرہ میں ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی ظہر کے وقت میں پڑھنے پر امت کا اتفاق اور اجماع ہے اور صحیح احادیث موجود ہیں۔ یہ صرف اس مسجد کی خصوصیت ہے اس کے علاوہ اگر کسی اور جگہ پڑھے چاہے اکیلا پڑھے یا جماعت کے ساتھ ظہر اپنے وقت میں اور عصر اپنے وقت میں۔ ﴿إِنَّ الْكُفْرِينَ كَانُوا أَعْدَاؤَ صِبْيَانَا﴾ بے شک کافر ہیں تمہارے کھلے دشمن۔

اگلی آیات میں خوف کی نماز پڑھنے کا طریقہ بیان فرمایا ہے۔ واقعہ اس طرح ہوا کہ غزوہ ذات الرقاع جس میں آنحضرت ﷺ خود شریک تھے، دشمنوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ یہ مسلمان جب اپنی عبادت نماز میں مشغول ہو جاتے ہیں تو ان کو کسی اور شے کا ہوش نہیں ہوتا لہذا جب یہ نماز شروع کریں اور سجدے میں جائیں تو ہم ان پر حملہ کر کے ان کو ختم کر دیں اور وہ تھے بھی قریب کوئی زیادہ فاصلہ بھی نہ تھا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور آپ ﷺ کو کافروں کی اس سازش سے آگاہ فرمایا اور صلوٰۃ خوف کے ادا کرنے کا طریقہ بتلایا۔

صلوٰۃ خوف پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ مثلاً: سفر ہے اور دو رکعتیں پڑھنی ہیں تو امام مجاہدین کے دو گروہ بنائے گا۔ ایک گروہ دشمن کے مقابلے میں اور ایک گروہ کو ایک رکعت پڑھائے گا۔ وہ قیام، رکوع اور دو سجدے جب کر لیں گے تو امام دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہوگا اور یہ گروہ دو سجدوں سے فارغ ہونے کے بعد دشمن کے مقابلے میں چلا جائے گا اور جو دشمن کے مقابلے میں کھڑا ہے وہ آ کر دوسری رکعت میں امام کے ساتھ شریک ہوگا اور ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھے گا، التحیات تک امام کے ساتھ شریک رہے گا جب امام سلام کہے گا یہ بغیر سلام کہے اٹھ کر چلا جائے گا اور دشمن کے مقابلے میں کھڑا ہو جائے گا۔ پہلا گروہ جو ایک رکعت پڑھ کر گیا تھا اب وہ آئے گا اور اپنی دوسری رکعت پڑھے گا اور التحیات پڑھے گا اور سلام پھیر کر چلا جائے گا اور دشمن کے مقابلے میں کھڑا ہو جائے گا اور دوسرا گروہ آئے گا جس نے امام کے ساتھ دوسری رکعت پڑھی تھی یہ ایک رکعت پڑھے گا اور التحیات پڑھ کر سلام پھیرے گا۔ اس طرح دونوں گروہوں کی نماز مکمل ہو جائے گی۔

اور اگر حضری نماز ہے تو امام کے پیچھے ایک گروہ دو رکعتیں پڑھے گا اور چلا جائے گا اور دوسرا گروہ آ کر دو رکعتیں پڑھے گا اور سلام پھیرے بغیر چلا جائے گا، پھر پہلا گروہ اپنی دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیرے گا اور چلا جائے گا اور دوسرا گروہ آ کر دو رکعتیں پڑھے گا۔ اس طرح نماز مکمل ہوگی۔

مسئلہ یہ ہے کہ گروہ آتے جاتے وقت کوئی بات نہیں کریں گے۔ البتہ ان کی اس نقل و حرکت سے صلوٰۃ خوف پر کوئی زد نہیں پڑے گی اور یہ اس صورت میں ہے جب کہ سارے ایک امام کے پیچھے پڑھنے پر مصر ہوں۔ اس وقت سب کی یہی خواہش ہوتی تھی کہ ہم آنحضرت ﷺ کے پیچھے نماز پڑھیں۔ کیونکہ امام جتنا نیک ہوگا اتنا ثواب بھی زیادہ ہوگا اور جتنی بڑی جماعت ہوگی اتنا ہر ایک کے حصے میں ثواب بھی زیادہ آئے گا۔ اس لیے حدیث پاک میں آتا ہے: **أَسْفَرُوا بِالْفَجْرِ قِيَانَةً**

أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ "صبح کی نماز روشن کر کے پڑھو، یعنی دیر سے پڑھو، کیونکہ اس میں ثواب زیادہ ہے۔" ظاہر بات ہے کہ دیر سے ہوگی تو نمازی زیادہ ہوں گے، ثواب زیادہ ہوگا اور اگر ایک امام کے پیچھے پڑھنے پر بھند نہ ہوں تو ایک امام ایک گروہ کو پڑھائے گا اور دوسرا امام دوسرے گروہ کو پڑھائے گا اور مغرب کی نماز میں پہلے گروہ کو دو رکعتیں پڑھائے گا اور دوسرے گروہ کو ایک رکعت پڑھائے گا، باقی طریقہ وہی ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جب آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کے دو گروہ بنائے۔ فرمایا ایک میرے پیچھے کھڑا ہو کر نماز پڑھے اور دوسرا دشمن کے مقابلہ میں اور جب میں پہلی رکعت کے دوسرے سجدے سے فارغ ہوں تو یہ دشمن کے مقابلہ میں چلے جائیں اور جو دشمن کے مقابلہ میں ہیں وہ آ کر میرے پیچھے دوسری رکعت پڑھیں۔ نماز کی اہمیت کا اندازہ لگاؤ کہ اس حالت میں بھی معاف نہیں ہے۔

فرمایا ﴿وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ﴾ اور جب آپ ہوں ان میں موجود ﴿فَأَقَمْتَ لَتَمَّ الصَّلَاةَ﴾ تو آپ قائم کریں ان کے لیے نماز ﴿فَلْتَقُمْ كَأَيْفَةٍ مِنْهُمْ مَعَكَ﴾ پس چاہیے کہ کھڑا ہوں ان میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ ﴿وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ﴾ اور چاہیے کہ وہ لے لیں اپنے ہتھیار کہ پہن کر نماز پڑھیں ﴿فَإِذَا سَجَدُوا﴾ پس جس وقت وہ سجدہ کریں پہلی رکعت کا ﴿فَلْيَكُونُوا مِنْكُمْ﴾ پس چاہیے کہ یہ لوگ تمہارے پیچھے سے ہٹ جائیں ﴿وَلْيَأْتِ كَأَيْفَةٍ أُخْرَى﴾ اور چاہیے کہ آئے گروہ دوسرا ﴿لَمْ يَصَلُّوا﴾ جنہوں نے نماز نہیں پڑھی ﴿فَلْيَصَلُّوا مَعَكَ﴾ پس چاہیے کہ وہ نماز پڑھیں آپ کے ساتھ دوسری رکعت۔ اگر دو رکعتوں والی نماز کی امامت ہے۔

﴿وَلْيَأْخُذُوا جُنُودَهُمْ﴾ اور چاہیے کہ وہ لے لیں اپنے بچاؤ کا سامان ﴿وَأَسْلِحَتَهُمْ﴾ اور اپنے ہتھیار لے لیں۔ کیونکہ ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا﴾ پسند کرتے ہیں وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿لَوْ﴾ اس بات کو ﴿تَضَعُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ﴾ کہ تم غافل ہو جاؤ ہتھیاروں سے ﴿وَأَمَتِعْتِكُمْ﴾ اور اپنے سامان سے۔ مثلاً: سر پر جو خود لیتے ہیں یا جنگ کے موقع پر زرہ پہنتے ہیں اور بھی جو جہاد کے لیے سامان ہوتا ہے یہ چاہتے ہیں کہ تم اس سے غافل ہو جاؤ ﴿فَيَسِينُونَ عَلَيْكُمْ مِثْلَةَ وَاحِدَةٍ﴾ پس وہ حملہ کریں تم پر یکبارگی حملہ اور تمہیں ختم کر دیں۔

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ اور کوئی گناہ نہیں ہے تم پر ﴿إِنْ كَانَ بِكُمْ أَدْمَىٰ مِنْ مَظْمَرٍ﴾ اگر ہو تمہیں کوئی تکلیف بارش کی وجہ سے کہ کپڑے گیلے ہو گئے ہیں تو اس وقت آدمی کو وہی ناگوار ہوتے ہیں اور ان کے اوپر ہتھیار باندھے ہوئے ہوں تو اور زیادہ تکلیف ہوتی ہے تو اگر بارش کی وجہ سے تکلیف ہے ﴿أَوْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ﴾ یا ہو تم بیمار۔ مثلاً: کوئی جسمانی تکلیف ہے یا زخمی ہو اور ہتھیار اپنے بدن کے ساتھ نہیں باندھ سکتے تو ﴿أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ﴾ یہ کہ تم اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دو۔ یعنی حکم تو یہ ہے کہ تم ہتھیاروں سمیت نماز پڑھو لیکن اگر بارش کی وجہ سے اندھ کال (تے آنا محسوس) ہوتی ہے کہ تم اوپر ہتھیار بھی پہنو یا تم زخمی ہو کہ ہتھیار نہیں باندھ سکتے تو ہتھیار اتار دو۔ لیکن ﴿وَأَخُذُوا جُنُودَهُمْ﴾ اور لے لو تم اپنے بچاؤ کا سامان۔ ہتھیار ایسی جگہ رکھو کہ

خدا نخواستہ دشمن حملہ کر دے تو تمہیں دوڑ کر نہ جانا پڑے۔

یہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ دشمن کے مقابلہ میں اپنے بچاؤ کا سامان کرو۔ اگر کوئی شخص توفیق اور طاقت کے ہوتے ہوئے اپنا بچاؤ نہیں کرتا اور تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے تو تکلیف اپنی جگہ اور اس کے ساتھ ساتھ گنہگار بھی ہوگا کہ اس نے اپنے بچاؤ کا سامان کیوں نہیں کیا؟ جب کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ﴿خُذُوا حِذْرًا كُمْ﴾ اپنے بچاؤ کا سامان کرو، انتظام کرو۔ یہ وجود اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اس میں خیانت نہیں ہونی چاہیے ﴿إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے تیار کیا ہے کافروں کے لیے عذاب ذلیل اور رسوا کرنے والا جو کافروں کو رسوا کر دے گا۔



﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ﴾ پس جب تم ادا کر لو نماز کو ﴿فَاذْكُرُوا اللَّهَ﴾ تو ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا ﴿قِيَامًا﴾ کھڑے ہونے کی حالت میں ﴿وَقُعُودًا﴾ اور بیٹھنے کی حالت میں ﴿وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ﴾ اور اپنے پہلوؤں کے بل ﴿فَإِذَا أَطْمَأْنَنْتُمْ﴾ پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ ﴿فَاقْبِسُوا الصَّلَاةَ﴾ تو قائم کرو نماز کو دستور کے مطابق ﴿إِنَّ الصَّلَاةَ﴾ بے شک نماز ﴿كَانَتْ﴾ ہے ﴿عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾ مومنوں پر ﴿كِتَابًا﴾ لکھی ہوئی ﴿مُوقُوتًا﴾ مقررہ وقت کے اندر ﴿وَلَا تَهِنُوا﴾ اور نہ سستی کرو ﴿فِي ابْتِغَاءِ الْقُورِ﴾ دشمن قوم کی تلاش کرنے میں ﴿إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ﴾ اگر تم زخمی ہوئے ہو ﴿فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ﴾ پس بے شک وہ بھی زخمی ہوتے ہیں ﴿كَمَا تَأْلَمُونَ﴾ جس طرح تم زخمی ہوتے ہو ﴿وَتَرْجُونَ﴾ اور تم امید رکھتے ہو ﴿مِنَ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ سے ﴿مَا﴾ اس چیز کی ﴿لَا يَرْجُونَ﴾ جس چیز کی وہ امید نہیں رکھتے ﴿وَكَانَ اللَّهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿عَلِيمًا﴾ جاننے والا ﴿حَكِيمًا﴾ حکمت والا۔

کل کے درس میں آپ حضرات نے ایک تو قصر نماز کا مسئلہ پڑھا ہے کہ مسافر نے چار رکعات والی نماز کی دو رکعتیں پڑھنی ہیں۔ اگر فرض ہی دو ہیں تو پھر دو رکعات پڑھنی ہیں اور اگر تین فرض ہیں تو تین رکعات ہی پڑھنی ہیں۔ اگر سفر پر چار رکعتوں والی نماز پوری پڑھے گا تو گنہگار ہوگا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہی تحقیق اور فتویٰ ہے۔

ایک اور مسئلہ اچھی طرح سمجھ لیں اور اس کو یاد رکھنا کہ اگر کوئی شخص مسافر امام کے پیچھے نماز پڑھے اور نماز چار رکعات والی ہو تو امام دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر دے گا اور اس نے دو باقی پڑھنی ہیں تو ان بقیہ دو رکعتوں میں قراءت نہیں کرنی۔ کیونکہ یہ حکم امام کی اقتداء میں ہے۔ یہ اتنی دیر کھڑا رہے جتنی دیر میں قراءت ہوتی ہے۔ اور دوسرا مسئلہ صلوة خوف پر پڑھا۔ یہ قدرے تفصیل کے ساتھ کل بیان ہو چکے ہیں۔

آج کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ذکر کی ترغیب دی ہے۔ فرمایا ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ﴾ پس جب تم ادا کر لو نماز کو ﴿فَاذْكُرُوا اللَّهَ﴾ تو ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا ﴿قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ﴾ کھڑے ہونے کی حالت میں اور بیٹھنے کی حالت میں اور

اپنے پہلوؤں کے بل۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر ہر وقت مقبول اور محمود ہے لیکن نمازوں کے بعد اس کا بہت بڑا درجہ ہے۔

تسبیحاتِ فاطمیؑ

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھوں سے چکی پیستی تھیں جس کی وجہ سے ہاتھوں پر چھالے پر پڑ گئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ہاتھوں پر چھالے پڑ گئے ہیں اور ان سے پانی نکل رہا ہے۔ فرمایا: میں تجھے ایک طریقہ بتاتا ہوں اگر اس پر عمل کرو تو، وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ غلام اور لونڈیاں آئی ہیں تم جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاتھ دکھاؤ اور کہو کہ چکی پیسنے کی وجہ سے چھالے پڑ گئے ہیں لہذا مجھے بھی کوئی لونڈی دے دو تاکہ وہ میرے گھر کا کام کرے۔ اتفاق کی بات ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب تشریف لے گئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت گھر پر موجود نہیں تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سامنے اپنا مطالبہ رکھ کر واپس تشریف لے آئیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا عمر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے چھوٹی تھیں، مگر وہ ماں تھی اور یہ بیٹی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ میں ضرور تمہارا پیغام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچاؤں گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیر سے تشریف لائے، عشاء کی نماز ہو چکی تھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹی کے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک ہی رضائی تھی، سردی کا موسم تھا، ہم عشاء کی نماز پڑھ کر اس رضائی میں لیٹے ہوئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، ہم نے اٹھنا چاہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ اٹھو، لیٹے رہو مگر ہم اٹھ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور اپنے پاؤں لحاف کے اندر کر لیے کیونکہ سردی تھی اور فرمایا کہ بیٹی فاطمہ! مجھے تیرا پیغام ملا ہے کہ تو نے کوئی غلام یا لونڈی مانگی ہے میں تجھے غلام یا لونڈی سے بہتر چیز نہ بتا دوں؟ کہنے لگیں حضرت! بتائیں۔ فرمایا سوتے وقت تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر پڑھ کر سویا کرو۔ یہ غلام اور لونڈی سے بہت بہتر ہے۔ ان کو تسبیحاتِ فاطمی کہتے ہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بتائی تھیں۔

اور یہ امت کے لیے بھی ہیں اور یہ روایت بھی بخاری شریف میں ہے کہ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے کہ حضرت! ثواب تو سارا مال دار لے گئے۔ کیونکہ نمازیں ہم بھی پڑھتے ہیں وہ بھی پڑھتے ہیں، روزے ہم بھی رکھتے ہیں وہ بھی رکھتے ہیں، مگر ان کے پاس مال ہے وہ اس کی زکوٰۃ دیتے ہیں، مالی استطاعت کی وجہ سے وہ حج کرتے ہیں، صدقہ خیرات کرتے ہیں، فطرانہ دیتے ہیں اور ہم یہ سارے کام نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارے پاس مال نہیں ہے۔ اسی طرح وہ قربانی دیتے ہیں ہم نہیں دے سکتے لہذا وہ ہم سے آگے نکل گئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں کہ اس کے پڑھنے سے تمہیں بھی وہ درجہ حاصل ہو جائے گا۔ کہنے لگے حضرت! ضرور بتائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرض نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر پڑھنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہیں بھی ان کے برابر ثواب عطا فرمائے گا۔

پہلے تو بڑے خوش ہوئے کہ ہمیں چند کلمات پڑھنے سے مال داروں کے برابر ثواب مل جائے گا، پھر پریشان ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا بات ہے؟ کہنے لگے حضرت! جس طرح یہ کلمات ہم پڑھیں گے مال دار بھی تو سن رہے ہیں وہ بھی پڑھیں گے تو پھر ہم ان سے بڑھ تو نہ سکے۔ اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ذَلِكْ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ" یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔" اس کو کون روک سکتا ہے؟

اور مسلم شریف میں متعدد احادیث ہیں کہ فرض نماز کے بعد جو شخص لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ پڑھے تو اس کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں چاہے سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ اور دارمی میں روایت ہے آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جو شخص فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھتا ہے (بشرطیکہ اس کا عقیدہ صحیح ہو، مشرکان نہ ہو) اس کے اور جنت کے درمیان موت کے علاوہ کوئی چیز رکاوٹ نہیں ہے۔ لہذا فرض نماز کے بعد آیت الکرسی بھی پڑھنی ہے اور تین مرتبہ استغفار بھی پڑھنا ہے ((أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا جُؤَالُ الْقَيْئُومِ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَأَوْ تُوْبُ إِلَيْكَ)). اسی طرح یہ دعا ((اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ)). مختلف الفاظ آتے ہیں۔

اپنا معمول یہ ہے کہ جس نماز کے بعد سنتیں نہیں ہوتیں اس کے بعد یہ تسبیحات بھی اور ان کے علاوہ جو رب تعالیٰ تو فیتس عطا فرماتے ہیں پڑھ لیتا ہوں۔ اور جس نماز کے بعد سنتیں ہوتی ہیں ان فرضوں کے بعد لمبی دعا نہیں پڑھتا، دعا کے بعد پڑھ لیتا ہوں۔ کیونکہ جماعت میں شریک بعض ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جنہوں نے سفر پر جانا ہوتا ہے تو ان کو مقید کرنا اچھی بات نہیں ہے اور فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا صحیح احادیث اور اجماع امت سے ثابت ہے اور بڑی برکت ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس وقت بندے اکٹھے ہو کر جائز شے کی دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھوں کو خالی نہیں لوٹاتا۔

اور یہ بھی حدیث میں آتا ہے کہ جن وقتوں میں دعائیں قبول ہوتی ہیں ان میں ایک سحری کا وقت ہے، ایک فرض نماز کے بعد کا وقت ہے اور یہاں اللہ تعالیٰ نے نماز کے بعد ذکر کا حکم فرمایا ہے۔ اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان اور انعام ہے کہ اس کے ذکر کے لیے کوئی حالت متعین نہیں فرمائی کہ تم بیٹھ کر ذکر کرو۔ اگر اللہ تعالیٰ بیٹھ کر ذکر کرنے کا حکم فرمادیتے تو انسان انسان ہے کسی وقت آدمی نہیں بھی بیٹھ سکتا۔ اس طرح اگر یہ شرط ہوتی کہ تم نے اللہ تعالیٰ کا ذکر با وضو کرنا ہے تو انسان کہہ سکتا تھا اے پروردگار! میرا تو معدہ خراب ہے، وضو باقی نہیں رہ سکتا میں کیا کروں؟ لہذا ذکر بغیر وضو کے بھی کر سکتا ہے اور اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے، بلکہ عورتیں جن دنوں میں نمازیں نہیں پڑھ سکتیں ان دنوں میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور رود شریف پڑھ سکتی ہیں۔ البتہ قرآن شریف نہیں پڑھ سکتیں۔

نماز اشراق کا ثواب

ترمذی شریف کی حدیث میں آتا ہے ((مَنْ صَلَّى الْفَجْرَ فِي جَمَاعَةٍ)) جس آدمی نے فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُ اللَّهَ پھر بیٹھ گیا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہا حتیٰ إِذَا ظَلَمَتِ الشَّمْسُ یہاں تک کہ جب سورج طلوع ہو گیا تو صَلَّى رَكَعَتَيْنِ اس نے دو رکعتیں پڑھیں اس کو اللہ تعالیٰ حج عمرے کا ثواب عطا فرمائیں گے انعام کے طور پر۔ پھر فرمایا تَامَّةً تَامَّةً مکمل حج عمرے کا ثواب، پورے حج و عمرے کا ثواب عطا فرمائے گا۔ اور یہ مسئلہ سمجھ لیں کہ اشراق کا وقت طلوع آفتاب کے تقریباً پندرہ منٹ کے بعد شروع ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ سمجھ لیں کہ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ مسجد ہی میں اشراق پڑھے، گھر جا کر بھی پڑھ سکتا ہے۔

اور یہ مسئلہ بھی سمجھ لیں اور یاد رکھنا کہ مسائل سننے کا ثواب ذکر کرنے سے بہت زیادہ ہے۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ ادھر درس ہو رہا ہے اور وہ تسبیح پھیر رہے ہوتے ہیں۔ بھئی اٹھیک ہے اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی بڑی چیز ہے مگر قرآن اور حدیث کا سمجھنا بہت بڑا کام ہے۔ یوں سمجھو کہ ایک آدمی سارا دن ذکر کرتا رہے اور دوسرا آدمی پانچ منٹ بیٹھ کر مسائل سمجھ لے اس کا ثواب اس سے زیادہ ہے۔ اور یہ جو فرمایا ہے کہ اس کو حج عمرے کا ثواب ملے گا، یہ بطور انعام کے ہے۔ جس طرح کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس شخص نے مسجد قبلہ میں دو رکعتیں پڑھیں اللہ تعالیٰ اس کو عمرے کا ثواب عطا فرمائے گا۔

اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ جس شخص نے سورہ اخلاص ایک مرتبہ پڑھی اس کو اللہ تعالیٰ دس پاروں کا ثواب عطا فرماتے ہیں اور سورہ زلزال پڑھی تو پندرہ پاروں کا ثواب عطا فرماتے ہیں اور جو سورہ کافرون پڑھے گا اس کو چوتھائی قرآن پاک کا ثواب عطا فرمائیں گے اور سورہ نصر کے متعلق آتا ہے کہ جس نے ایک دن پڑھی اس کو اللہ تعالیٰ چوتھائی قرآن پاک کا ثواب عطا فرماتے ہیں۔ یہ سب انعامات ہیں۔ تو فرض نماز کے بعد قرآن پاک کی تلاوت، اس کا سمجھنا اور ذکر کرنے کا بڑا ثواب ہے۔

﴿فَإِذَا أَظْمَأْتُمْ﴾ پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ کہ تمہیں خوف نہ ہو اور سفر بھی نہ ہو ﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ﴾ تو قائم کرو نماز کو دستور کے مطابق ﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى النَّاسِ مِيزَانًا﴾ بے شک نماز ہے ایمان والوں پر ﴿كِتَابًا مُّؤْتَاتًا﴾ لکھی ہوئی مقرر وقت کے اندر۔ وقت بھی نماز کی شرائط میں سے ایک شرط ہے۔ وقت سے پہلے پڑھے گا تو نماز ادا نہیں ہوگی۔ مثلاً: ایک دن صبح صادق ہوتی ہے پانچ بج کر تینتیس منٹ پر، اگر کسی نے پچیس منٹ پر نماز پڑھی تو ادا نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی نے تینتیس منٹ سے پہلے اذان دے دی تو اس کے ساتھ جو نماز پڑھی جائے گی وہ خلاف سنت ہوگی۔ کیونکہ اذان وقت سے پہلے ہوگئی ہے۔

کئی لوگ دین کے سلسلے میں غیر محتاط ہیں۔ کوئی پانچ منٹ پہلے، کوئی دس منٹ پہلے اذان کہہ دیتا ہے۔ ایسے لوگوں کی جماعت بالکل خلاف سنت ہوتی ہے۔ کیونکہ اس جماعت کے لیے تو اذان ہوئی نہیں ہے اور جو اذان دی گئی ہے وہ وقت سے پہلے پڑھی گئی ہے۔ ہاں! ایک تہجد کی اذان ہے جو ایک گھنٹہ پہلے دی جاتی ہے لیکن وہ فجر کی نماز کے لیے تو نہیں ہے۔ پھر آج کل

نقشے ہر جگہ موجود ہیں، گھڑیاں بھی ہر ایک کے پاس ہیں اس لیے مؤذنین کو اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیے کہ مسجدوں کی گھڑیاں بھی خراب نہ ہوں اور اپنی گھڑیاں بھی خراب نہ ہوں اور نقشے کے مطابق اذان دیں۔ لاہور سے ہمارا اصولی طور پر ایک منٹ کا فرق ہے مگر ہم چار منٹ بعد اذان کہلاتے ہیں کہ ممکن ہے کہ گھڑی میں فرق ہو لوگوں نے روزے بھی رکھے ہوئے ہوتے ہیں کیونکہ بعض لوگ نقلی روزے بھی رکھتے ہیں، تاکہ ان کے روزوں میں گڑ بڑ نہ ہو اور زیادہ تاخیر بھی نہیں ہونی چاہیے۔

حدیث پاک میں آتا ہے: **اِتَّقُوا صَلَوةَ الْمُتَأَفِّي، اِتَّقُوا صَلَوةَ الْمُتَأَفِّي**۔ ”منافق کی نماز سے بچو، منافق کی نماز سے بچو۔“ منافق کی نماز کیا ہے؟ وہ اس طرح سمجھو کہ مثلاً: فجر کی نماز ہے اور یہ مزے سے سویا ہوا ہے، جب سورج نکلنے کے بالکل قریب ہو تو جلدی جلدی اٹھا، وضو کیا اور ٹھونگیں ماریں۔ فرمایا: **فَتِلْكَ صَلَوةَ الْمُتَأَفِّي فِتْلِكَ صَلَوةَ الْمُتَأَفِّي فِتْلِكَ**۔ ”پس یہ ہے منافق کی نماز، پس یہ ہے منافق کی نماز، پس یہ ہے منافق کی نماز۔“ اسی طرح عصر کا وقت ہو گیا اور یہ مزے سے اپنے کاروبار میں مشغول ہے، جب سورج غروب ہونے کے بالکل قریب ہو گیا تو جلدی جلدی ٹھونگیں (ٹھوکر پاؤں سے ماری جاتی ہے) مارتا ہے جس طرح مرغانے چمکتا ہے، یہ منافق کی نماز ہے۔

جمع صلواتین کا مسئلہ

بعض لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں کہ بخاری شریف اور نسائی شریف اور دیگر حدیث کی کتابوں میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر کی حالت میں یا بیماری کی حالت میں یا بارش کی صورت میں دو نمازیں اکٹھی پڑھ لیتے تھے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اکٹھی کس طرح پڑھتے تھے؟ وہ اس طرح کہ ظہر کی نماز مؤخر فرمائی اور پڑھی ظہر کے وقت میں اور عصر کی نماز کو مقدم کیا اور پہلے وقت میں پڑھ لی۔ اس طرح نہیں کہ ظہر و عصر دونوں ظہر کے وقت میں پڑھیں یا عصر کے وقت میں پڑھیں، سوائے عرفات کے اس شخص کے لیے جو مسجد نمبرہ میں نماز پڑھے، ان شرائط کے ساتھ جو وہاں کی ہیں اور شام اور عشاء کی مزدلفہ میں اکٹھی پڑھے۔ ان کے علاوہ اور کوئی نظیر موجود نہیں ہے۔

بعض بارش کی چار بوندیں پڑنے سے عشاء کی نماز مغرب کے وقت میں پڑھ لیتے ہیں قطعاً ان کی عشاء کی نماز نہیں ہوتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا﴾** ”بے شک نماز ہے مومنوں پر لکھی ہوئی وقت مقررہ کے اندر۔“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب اور عشاء اکٹھی پڑھی ہیں مگر اس طرح کہ مغرب اپنے آخری وقت میں اور عشاء اپنے پہلے وقت میں۔ ایسا نہیں کہ دونوں ایک وقت میں پڑھ لی ہوں۔ یہ نص قطعی ہے کہ نماز اپنے وقت میں ادا کرو اور جو مستحب وقت ہے اس میں ادا کرو۔

فرمایا **﴿وَلَا تَهْتُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ﴾** اور سستی نہ کرو دشمن قوم کی تلاش کرنے میں۔ دشمن کے پیچھے پڑو اس کے ٹھکانے تلاش کرو اور ان کو توڑو اور یہ جسنگی اصولوں کے عین مطابق ہے۔ دشمن کے ٹھکانوں کو توڑنا ضروری ہے۔ اے مومنو! **﴿إِنْ**

تَلُوْنُوا تَالُوْنَ ﴿ اگر تم زخمی ہوئے ہو۔ کیونکہ لڑائی میں آدمی زخمی بھی ہوتا ہے ﴿ فَإِنَّهُمْ يَأْتُونَ كَمَا تَأْتُونَ ﴾ پس بے شک وہ بھی زخمی ہوئے ہیں جس طرح تم زخمی ہوئے ہو۔ کیونکہ کافروں کے وجود بھی تو لوہے کے بنے ہوئے نہیں ہیں آخر وہ بھی تمہاری طرح انسان ہیں مگر تمہیں اللہ تعالیٰ نے ایمان کی توفیق عطا فرمائی ہے اور وہ دولت ایمان سے محروم ہیں اس لیے تمہارے اور ان کے درمیان فرق ہے کہ ﴿ وَ تَزُجُّوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَزُجُّوْنَ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ سے اس چیز کی امید رکھتے ہو جس چیز کی وہ امید نہیں رکھتے۔ تم اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھتے ہو، جنت کی امید رکھتے ہو اور وہ کافر ہیں، ان کو نہ ثواب ملے گا، نہ جنت نصیب ہوگی۔ ان کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَبِيعَ الْجَنَّةَ فِي سِتْمِ الْخِيَاطِ ﴾ ”اور وہ نہیں داخل ہوں گے جنت میں یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے نکل جائے۔“ اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گزرتا تو ہو سکتا ہے مگر کافر جنت میں نہیں جا سکتا۔

دیکھو! اونٹ کتنا بڑا اور سوئی کا ناکا (سوراخ) کتنا باریک ہے کہ اس سے دھاگا مشکل سے گزرتا ہے۔ تو فرمایا جس طرح اونٹ سوئی کے ناکے سے نہیں گزر سکتا۔ اسی طرح کافر جنت میں نہیں جا سکتا۔ جنت کا داخلہ تو دور کی بات ہے آٹھویں پارے میں آتا ہے کہ دوزخی جب جنتیوں کو کھاتے پیتے دیکھیں گے میوے وغیرہ تو کہیں گے کہ ہمیں بھی تھوڑا سا کھانا اور پانی دے دو۔ تو جنتی جواب دیں گے ﴿ إِنَّ اللّٰهَ خَرَّمَ مَعَالِ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ [الاعراف: ۵۰] ”اللہ تعالیٰ نے ان کا رزق اور پانی کافروں پر حرام کر دیا ہے، ہم نہیں دے سکتے۔“ ﴿ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا۔

﴿ إِنَّا ﴾ بے شک ہم نے ﴿ أَنْزَلْنَا ﴾ نازل کی ﴿ إِلَيْكَ ﴾ آپ کی طرف ﴿ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ﴾ کتاب حق کے ساتھ ﴿ يَتَحَكَّمْ ﴾ تاکہ توفیصلہ کرے ﴿ بَيْنَ الْقَائِمِيْنَ ﴾ لوگوں کے درمیان ﴿ پِنًا ﴾ اس چیز کے مطابق ﴿ أَلَمَّا كَلَّمَ اللّٰهَ ﴾ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سمجھائی اور دکھائی ﴿ وَلَا تَكُنْ ﴾ اور نہ ہو تو ﴿ لِلْحٰآئِنِيْنَ ﴾ خیانت کرنے والوں کی طرف سے ﴿ خَوِيْنًا ﴾ جھگڑنے والا ﴿ وَ اسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگ ﴿ إِنَّ اللّٰهَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿ كَانَ ﴾ ہے ﴿ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ بخشنے والا مہربان ﴿ وَلَا تُجَادِلْ ﴾ اور نہ جھگڑا کریں آپ ﴿ عَنِ الَّذِيْنَ ﴾ ان لوگوں کی طرف سے ﴿ يَخْتٰنُوْنَ ﴾ جو خیانت کرتے ہیں ﴿ أَنْفُسَهُمْ ﴾ اپنے نفسوں سے ﴿ إِنَّ اللّٰهَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿ لَا يُحِبُّ ﴾ نہیں محبت کرتا ﴿ مَنْ ﴾ اس کے ساتھ ﴿ كَانَ ﴾ جو ہو ﴿ خَوٰنًا ﴾ خیانت کرنے والا ﴿ آثِيْمًا ﴾ گنہگار ﴿ يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ الثَّلٰثِيْنَ ﴾ وہ لوگ چھپتے ہیں لوگوں سے ﴿ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ ﴾ اور نہیں چھپتے اللہ تعالیٰ سے ﴿ وَ هُوَ مَعَهُمْ ﴾ اور وہ ان کے ساتھ ہے ﴿ إِذْ يُبَيِّتُوْنَ ﴾ جب وہ رات کو مشورہ کرتے ﴿ مَا ﴾ اس

چیز کا ﴿لَا يَرْضَى﴾ اس پر رب تعالیٰ راضی نہیں ہے ﴿مِنَ الْقَوْلِ﴾ بات سے ﴿وَ كَانَ اللَّهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿بِمَا يَعْمَلُونَ﴾ جو عمل وہ کرتے ہیں ﴿مُحِيطًا﴾ احاطہ کرنے والا ﴿هَاتَتْكُمْ هَذَا﴾ خبردار تم یہ ہو ﴿جَدَلْتُمْ﴾ جھگڑا کیا تم نے ﴿عَنْهُمْ﴾ ان کی طرف سے ﴿فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ دنیا کی زندگی میں ﴿فَمَنْ يُجَادِلِ اللَّهَ﴾ پس کون جھگڑا کرے گا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿عَنْهُمْ﴾ ان کی طرف سے ﴿يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ قیامت والے دن ﴿أَمْ مَنْ يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا﴾ یا کون ہوگا ان کے لیے وکیل ﴿وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا﴾ اور جو شخص عمل کرے بُرا ﴿أَوْ يظَلِمَ نَفْسَهُ﴾ یا ظلم کرے اپنی جان پر ﴿ثُمَّ يَسْتَعْفِفِ﴾ پھر وہ اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرے ﴿يَجِدِ اللَّهَ﴾ پائے گا اللہ تعالیٰ کو ﴿عَافُوهُمَا﴾ بخشنے والا ﴿رَاحِمًا﴾ مہربان ﴿وَمَنْ يَكْسِبْ إِثْمًا﴾ اور جو شخص کمائے گا گناہ ﴿فَاتَّأَمَّ﴾ پس پختہ بات ہے ﴿يَكْسِبُهُ عَلَى نَفْسِهِ﴾ کمائے گا وہ اس کو اپنی جان پر ﴿وَ كَانَ اللَّهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿عَلِيمًا﴾ جاننے والا ﴿حَكِيمًا﴾ حکمت والا ﴿وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيئَةً﴾ اور جو شخص کرے خطا ﴿أَوْ إِثْمًا﴾ یا گناہ ﴿ثُمَّ يَزُورْهُ بِوَيْتِنَا﴾ یا پھر وہ تہمت لگا دے بری الذمہ آدمی پر ﴿فَقَدْ أَحْتَسَلَ﴾ پس تحقیق اٹھایا اس نے ﴿بِهَتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا﴾ بہتان اور صریح گناہ۔

چالاک منافق کا واقعہ

ان آیات میں ایک واقعہ کے ذریعہ منافقین کی کارگزاریوں کا ذکر ہے۔ اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایک خاندان تھا طعمہ بن ابیرق۔ یہ خاندان بڑا ہوشیار، چالاک، چور اور بددیانت تھا، لڑائی جھگڑے کو بڑا پسند کرتا تھا۔ اس ماندان نے بظاہر کلمہ پڑھ لیا مگر اکثریت منافق تھی۔ مسجد میں حاضر ہوتے، نمازیں پڑھتے اور بڑھ چڑھ کر وہ سارے کام کرتے۔ مسلمان کرتے تھے۔ اس خاندان کا بشیر نامی نوجوان جو بڑا ہوشیار، چالاک اور عادی چور تھا اور چوری اس انداز سے کرتا تھا کہ کسی کو معلوم نہیں ہونے دیتا تھا۔ ایک معمر صحابی تھے حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ، ان کے منہ کے دانت بھی گر چکے تھے اور اتنے کمزور تھے کہ آسانی کے ساتھ چل پھر بھی نہیں سکتے تھے۔ ان کے گھر والوں نے خیال کیا کہ ہم تو کھجوریں چبالتے ہیں کیونکہ ہمارے دانت ہیں اور باباجی کھجوریں نہیں چبا سکتے، ان کے لیے میدہ خرید لیں۔ شام کے علاقہ سے آنا میدہ وغیرہ چیزیں آتی تھیں۔ انھوں نے ایک بوری میدے کی خرید لی۔ اس میدے کی روٹیاں روٹی کی طرح نرم پکتی تھیں۔ ان کے گھر کی پچھلی طرف ایک چبوتسا کرہ تھا، یہ ساری قیمتی چیزیں اس میں رکھتے تھے۔

انھوں نے میدے کی بوری، قیمتی تلوار، خود یعنی سر کی لوہے کی ٹوپی جو میدان جنگ میں پہنتے تھے اور زرہ، اور بھی قیمتی چیزیں تھیں وہ اس کمرے میں رکھ دیں۔ مکان کچے ہوتے تھے، بشیر نامی منافق کو معلوم ہو گیا کہ ان کے پچھلے کمرے میں

قیمتی سامان ہے۔ اس کے گھر کئی دنوں سے فاقہ تھا کیونکہ بڑا ہذا حرام تھا کام نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ جس کو فارغ رہ کر کھانے کی عادت پڑ جائے وہ کب کام کرتا ہے؟ اور یہ بہت بری عادت ہے اللہ تعالیٰ کرے یہ کسی مسلمان خصوصاً نوجوانوں میں نہ آئے۔

حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **إِنَّ اللَّهَ يُبْغِضُ الشَّابَّ الْقَارِعَ الصَّغِيرَ**۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس جوان پر سخت ناراض ہوتا ہے جو تندرست ہے اور فارغ رہتا ہے۔ تو نکما ہونا بھی گناہوں میں سے ایک گناہ ہے۔ پنجابی میں کہتے ہیں ہذا حرام اور کھانے کا دھنی۔ تو یہ بشیر نامی منافق بھی ہذا حرام تھا۔ اس نے حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی پچھلی جانب نقب لگائی اور میدے کی بوری، تلوار، خود اور زرہ اٹھا کر لے گیا۔

اتفاق کی بات ہے کہ آنے کی بوری میں تھوڑا سا سوراخ تھا، مدارک وغیرہ تفسیروں میں ہے کہ وہ جس جس راستے سے گیا تھوڑا تھوڑا آنا گرتا گیا۔ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہا نے جب صبح کو جا کر دیکھا تو نہ آٹا، نہ تلوار، نہ خود، نہ زرہ، نقب لگی ہوئی ہے۔ آنے کے نشانات کو دیکھتے ہوئے بشیر منافق کے گھر تک جا پہنچے اور وہ چوری میں پہلے ہی بدنام تھا۔ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہا کی زینہ اولاد فوت ہو چکی تھی اور لڑکیاں اپنے اپنے گھروں میں آباد تھیں۔ آس پاس والوں کو علم ہوا کہ باباجی کی چوری ہو گئی ہے، شور برپا ہو گیا۔

حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھتیجے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو بلایا جو صحت مند نوجوان تھے، ان کو بتایا کہ میری چوری ہو گئی ہے اور اس کا نشان بشیر کے گھر تک جاتا ہے۔ میں بوڑھا آدمی ہوں، چل پھر نہیں سکتا اور میرے منہ میں دانت بھی نہیں، جب بات کرتا ہوں تو کوئی بات سمجھ آتی ہے اور کوئی نہیں آتی۔ لہذا میں بات اچھی طرح سمجھا نہیں سکتا تو میری طرف سے جا کر آنحضرت ﷺ کی عدالت میں مقدمہ دائر کر کے میرے چچا رفاعہ رضی اللہ عنہا بوڑھے ہیں، آنہیں سکتے اور ان کے منہ میں دانت بھی نہیں ہیں، اس لیے وہ بات بھی اچھی طرح سمجھا نہیں سکتے، ان کی چوری ہو گئی ہے اور انہوں نے مجھے بھیجا ہے کہ آپ کو اطلاع دوں کہ میرے چچا کی فلاں فلاں چوری ہو گئی ہے اور شک ہے، بلکہ یقین کے درجے میں کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا چور بشیر نامی منافق ہے۔ ادھر منافقوں کو بھی معلوم ہو گیا کہ مقدمہ آنحضرت ﷺ کی عدالت میں پیش ہو گیا ہے۔ تو سارے منافق امیر نامی منافق کے گھر اکٹھے ہوئے اور آپس میں مشورہ کیا اور کہنے لگے کہ گھر کی بات تو ہم سارے جانتے ہیں کہ یہ چور ہے مگر اب عزت کا سوال ہے۔ اگر آپ ﷺ کی مجلس میں اس کا چور ہونا ثابت ہو گیا تو اس پر چوری کی مہر لگ جائے گی لہذا اس طرح کرو کوئی مضبوط کارروائی کرو کہ یہ اس الزام سے بچ جائے۔ اور وہ اس طرح کہ تمام کے تمام آنحضرت ﷺ کے پاس جاؤ اور اس کی صفائی پیش کرو اور خوب دباؤ ڈال کر بات کرو۔

چنانچہ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ حضرت! یہ دعویٰ کرنے والا جھوٹا ہے اور اس شریف اور پاک باز آدمی کو بدنام کرنا چاہتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو بھی بلوایا۔ منافق بڑے باتونی تھے، گفتگو اس انداز سے کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کو بھی مغالطہ میں ڈال دیتے تھے۔ کہنے لگے کہ حضرت! اس کو کہو کہ موقع کے گواہ پیش

کرے اور یہ ان کو معلوم تھا کہ موقع کا کوئی گواہ نہیں ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے جب مقدمہ پیش کیا اور اس کے چور ہونے کے شواہد بیان کیے تو سارے بول پڑے۔ کہنے لگے حضرت! اس سے پوچھو کہ اس کے پاس گواہ ہیں؟ جنہوں نے اس کو یہ سامان اٹھا کر لے جاتے دیکھا ہو ورنہ یہ ایک نیک اور اچھے خاندان کے ایک نیک نوجوان پر جو بڑا پاک صاف ہے بغیر کسی ثبوت کے چوری کا الزام لگا کر اس کو بدنام کر رہا ہے اور یہ بڑی زیادتی ہے۔

ترمذی شریف صحاح ستہ کی کتاب ہے، اس میں اور مستدرک حاکم جو حدیث کی کتاب ہے، اس میں بھی روایت آتی ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے غصے ہوئے اور ان کو ڈانٹا کہ تو نے بغیر کسی ثبوت کے ایک صالح خاندان کے ایک صالح نوجوان پر الزام لگا دیا ہے۔ وہ بے چارے بڑے پریشان ہوئے کہ میرے ساتھ ہوا کیا ہے؟ وہ روتے روتے اپنے چچا کے پاس گئے اور کہا کہ چچا! معاملہ تو الٹ ہو گیا ہے، وہاں تو انہی مجھے جھڑکیں پڑ گئی ہیں کہ تو نے بغیر کسی ثبوت کے ایک صالح نوجوان پر چوری کا الزام لگا دیا ہے۔ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ بیٹا! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، حق حق ہے اور باطل باطل ہے، سچ سچ ہے اور جھوٹ جھوٹ ہے، میں سچا ہوں کہ چوری میری ہوئی ہے اللہ تعالیٰ میری مدد فرمائیں گے۔ ہم نے مقدمہ صحیح پیش کیا ہے۔ تھوڑا سا وقت گزرا تو یہ دور کوغ نازل ہوئے۔ ان میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو تشبیہ فرمائی کہ آپ کو مزید غور کرنا چاہیے تھا ان شیطانوں کی باتوں میں آ کر آپ ﷺ نے سچے مسلمان کو جھڑک دیا، ڈانٹ پلا دی، وہ تو واقعتاً چور ہے اور منافق جھوٹے ہیں جن کی طرف سے آپ ﷺ نے وکالت کی ہے۔

بشیر منافق کو جب علم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے خلاف فیصلہ دے دیا ہے اور اب میں چور ثابت ہو گیا ہوں اور اس جرم میں میرا ہاتھ کاٹا جائے گا تو وہ مرتد ہو گیا۔ پہلے منافقانہ طور پر کلمہ پڑھتا تو تھا اب کھلے طور پر کافر ہو گیا اور یہاں سے بھاگ کر مکہ مکرمہ چلا گیا۔ ابھی تک مکہ فتح نہیں ہوا تھا کہ مکہ مکرمہ میں سلاف نامی عورت کے ساتھ اس کے تعلقات تھے، اس کے ہاں جا بھرا۔ اس کو بھی معلوم تھا کہ یہ چور ہے کہنے لگی میرے پاس تو کوئی شے ہے نہیں کچھ لائے گا تو خود بھی کھائے گا اور مجھے بھی کھائے گا۔ مکہ مکرمہ میں ایک گھر چوری کرنے لگا، دیوار کو نقب لگائی، وہ دیوار اس کے اوپر گری اور اس کے نیچے دب کر مر گیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ﴾ بے شک ہم نے آپ کی طرف کتاب نازل کی حق کے ساتھ ﴿لِتَعْلَمَ بَنِي آدَمَ أَنَّهَا مِنْ رَبِّكَ﴾ تاکہ آپ فیصلہ کریں لوگوں کے درمیان اس کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حقیقت سمجھائی اور دکھائی ہے ﴿وَلَا تَكُنْ لِلْخَافِيْنَ خَصِيْمًا﴾ اور نہ ہوں خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑا کرنے والے ﴿وَأَسْتَغْفِرِ اللَّهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگیے ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ بے شک ہے اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ﴿وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَفُونَ أَنفُسَهُمْ﴾ اور آپ نہ جھگڑا کریں ان لوگوں کی طرف سے جو خیانت کرنے والے ہیں اپنی جانوں سے ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّاتًا أَزِيمًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں محبت کرتا اس کے ساتھ جو ہو خیانت کرنے والا گنہگار ﴿يَسْتَفْتُونَ مِنْ آدَمَ﴾ وہ لوگ چھپتے ہیں لوگوں سے ﴿وَلَا يَسْتَفْتُونَ مِنْ اللَّهِ﴾ اور نہیں چھپتے اللہ تعالیٰ سے ﴿وَهُوَ مَعَهُمْ﴾

اور وہ اب ان کے ساتھ ہے ﴿إِذْ يُبَيِّنُ لَكُمْ مَا لَا تَبْصِرُونَ﴾ جب وہ رات کو مشورہ کرتے اس چیز کا جس پر اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہے۔ کہ چور کو پاک صاف ثابت کرنے کے لیے اس کا ساتھ دینا اور جھوٹے کو سچا ثابت کرنا۔

اور اس کے لیے انھوں نے امیر نامی منافق کے گھر جمع ہو کر مشورہ کیا کہ واقعاً ہمارا نوجوان ہے تو مجرم ہے مگر مسئلہ ہے برادری کی ناک کا۔ لہذا ہم نے ہر حال میں اس کا دفاع کرنا ہے اور مشورہ کرنے کے بعد یہ سارے بڑے بڑے قدآور شخص عمدہ عمدہ لباس پہن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آگئے اور بڑھ چڑھ کر بشیر منافق چور کی وکالت کی اور صفائی بیان کی کہ یہ تو بڑا نیک صالح نوجوان ہے۔ سارا خاندان اس کی صفائی کے لیے حاضر ہے۔ جب اتنے لوگ اکٹھے ہو کر صفائی کے لیے آجائیں اور ظاہری ثبوت بھی کوئی نہ ہو تو آدمی کو مغالطہ لگ سکتا ہے۔

یہاں ایک بات اچھی طرح سمجھ لیں۔ قرآن پاک میں دو عقیدے مذکور ہیں: ایک عقیدہ ہے ﴿الْزُّحَلْنَ عَلَى النَّعْرَشِ اسْتَوَى﴾ ”کہ رحمن عرش پر مستوی ہے۔“ کس طرح بیٹھا ہے؟ گنہگار کی بیٹھنا اس کی شان کے لائق ہے۔ ہماری طرح نہیں کہ مثلاً: اس وقت میں مصلے پر بیٹھا ہوں آپ حضرات قلیوں پر بیٹھے ہو، کوئی کرسی پر بیٹھا ہوتا ہے، کوئی پتنگ پر، کوئی فرش پر۔ تو ہم ایک دوسرے کے بیٹھے کو سمجھتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کا بیٹھنا ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ بس یہ عقیدہ رکھنا ہے کہ جو اس کی شان کے لائق ہے۔

اور دوسرا عقیدہ ہے ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ [المہدیہ: ۴] ”تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔“ ایسا نہیں ہے کہ عرش پر ہے اور ساتھ نہیں ہے۔ وہ ہر ایک کے ساتھ ہے، علم کے لحاظ سے، قدرت کے لحاظ سے، ذات کے لحاظ سے، جو اس کی شان کے لائق ہے اور ہے اتنا قریب کہ فرمایا ﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ﴾ [ق: ۱۲] ”اور ہم اس کی رگ جان سے بھی اس سے زیادہ قریب ہیں۔“ یہ جو شہہ رگ ہے یہ دل سے دماغ تک جاتی ہے، اس کو رگ جان کہتے ہیں۔ یہ ختم ہو جائے تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ اللہ تعالیٰ اس رگ سے بھی زیادہ قریب اور نزدیک ہے۔

تو اللہ تعالیٰ ان کے رات کے مشورے پر راضی نہیں تھا ﴿وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ جو وہ عمل کرتے ہیں اس کا احاطہ کرنے والا۔ علم کے اعتبار سے، قدرت کے اعتبار سے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کو تنبیہ فرمائی ﴿هَاتَتْكُمْ هُلُوكًا جَدَلْتُمْ عَنْهُمْ﴾ خبردار! تم یہ ہو کہ جھگڑا کیا تم نے ان کی طرف سے ﴿فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ دنیا کی زندگی میں ﴿فَنَنْتِنُ يُجَاوِلُ اللَّهُ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ پس کون جھگڑا کرے گا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی طرف سے قیامت والے دن۔ دنیا میں تو تم جتھہ بن کر آگئے ہو کہ برادری کی عزت کا سوال ہے اور چوروں کا دفاع کر رہے ہو قیامت والے دن اللہ تعالیٰ سے کون جھگڑا کرے گا؟ ﴿أَمْ مَنْ يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَيَكِيلًا﴾ کون ہوگا ان کے لیے دیکس، ﴿وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا﴾ اور جو شخص عمل کرنے کا برا ﴿أَوْ يَكِلْهُ نَفْسَهُ﴾ یا ظلم کرے اپنی جان پر ﴿ثُمَّ يَسْتَعْفِفُ﴾ پھر وہ اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرے ﴿يَجِدِ اللَّهُ عَفْوَ تَرَاهُ جِسْمًا﴾ پا۔
گا اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان۔

معافی کے لیے یہ شرط ہے کہ صاحب حق کو اس کا حق پہنچا دے یا اس سے معاف کرا لے۔ کیونکہ چوری میں اس نے دو حق ضائع کیے ہیں۔ ایک بندے کا حق اور ایک اللہ تعالیٰ کا حق کہ اس کے قانون کو توڑا ہے۔ لہذا بندے کا حق ادا کرے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے۔ محض توبہ کرنے سے معافی نہیں ہوگی کہ زبانی طور پر استغفار کرتا رہے، چاہے کروڑ مرتبہ ہی کیوں نہ توبہ کرے۔ ﴿وَمَنْ يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُ عَلَى نَفْسِهِ﴾ اور جو شخص کماے گناہ پس پختہ بات ہے کہ وہ کماے گا اس کو اپنی جان پر ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا۔

اس منافق نے ایک اور چال بازی بھی کی تھی، اس کا ذکر ہے۔ وہ کہاوت مشہور ہے نا کہ چور کی ڈاڑھی میں تنکا۔ چور کو ڈر اور خطرہ تو ہوتا ہی ہے۔ اس چور نے اس طرح کیا کہ میدے کی بوری گھر لے جانے کے بعد دوسرے دروازے سے نکال کر لبید نامی شخص کے گھر بطور امانت رکھ دی اور کہا کہ مجھے جب ضرورت پڑے گی لے لوں گا۔ یہ لبید یہودی تھا اور بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ لبید کا گھر ذرا دور تھا، چور کا خیال تھا کہ اس کا گھر دوسرے محلہ میں ہے اور وہ یہاں سے دور ہے وہاں تک بات نہیں پہنچے گی۔ پھر جب معاملہ رفع دفع ہو جائے گا تو جا کر لے آؤں گا اور کھالوں گا۔ اتفاق کی بات ہے کہ جب یہ مقدمہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا، تو لبید بھی آیا اور اس نے کہا حضرت! اس شخص نے بوری میرے گھر بطور امانت رکھی ہے۔ اس پر سرے منافق بول پڑے اور کہنے لگے حضرت! پھر چور یہی ہے جن کے پاس مال ہے ہمارا نام ویسے ہی لے رہا ہے۔ سب نے اس کو چور بنا دیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَنْ يَكْسِبْ خَيْرًا أَوْ إِثْمًا﴾ اور جو شخص کرے خطا یا گناہ ﴿ثُمَّ يَتُوبْ بِهِ بَرِيئًا﴾ پھر وہ تہمت لگا دے بری الذمہ آدمی پر ﴿فَقَدْ أَحْضَلَ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا﴾ پس تحقیق اٹھایا اس نے بہتان اور صریح گناہ۔ اس لیے کہ چوری خود کی اور بہتان دوسرے پر لگا دیا۔ منافق اس طرح کرتے تھے۔

حاضر ناظر کون ؟

اب بات سمجھو۔ اگر آنحضرت ﷺ حاضر ناظر ہوتے اور عالم الغیب ہوتے تو یہ واقعہ اس طرح نہ ہوتا بلکہ آپ ﷺ ابتداء ہی میں فرمادیتے کہ بے ایمانو! میرے سامنے تم نے چوری کی ہے، میں دیکھ رہا تھا اور میرے علم میں ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کو یہ آیتیں نازل کر کے واقعہ کی وضاحت کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ اللہ تعالیٰ سب کو سمجھ عطا فرمائے۔ [آمین]



﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا ﴿عَلَيْكَ﴾ آپ پر ﴿وَرَحْمَتُهُ﴾ اور اس کی رحمت اور مہربانی ﴿لَهَمَّتْ﴾ تو البتہ ارادہ کر چکا تھا ﴿طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ﴾ ایک گروہ ان میں سے ﴿أَن يُّضْلُوا﴾ یہ کہ آپ کو بہکا دیں ﴿وَمَا يَضِلُّونَ﴾ اور وہ نہیں بہکا سکتے ﴿إِلَّا﴾ مگر ﴿أَنفُسَهُمْ﴾ اپنی جانوں کو ﴿وَمَا يَصُرُّونَكَ﴾ اور

وہ نہیں نقصان پہنچا سکتے آپ کو ﴿مِنْ شَيْءٍ﴾ کچھ بھی ﴿وَأَنْزَلَ اللَّهُ﴾ اور نازل کی اللہ تعالیٰ نے ﴿عَلَيْكَ﴾ آپ پر ﴿الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ کتاب اور سنت اور حدیث ﴿وَعَلَّمَكَ﴾ اور تعلیم دی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ﴿مَا﴾ ان چیزوں کی ﴿لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ﴾ جو آپ نہیں جانتے تھے ﴿وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ کا فضل ﴿عَلَيْكَ﴾ آپ پر ﴿عَظِيمًا﴾ بہت بڑا ﴿لَا خَيْرَ لِي كَذِبًا﴾ نہیں کوئی بہتری بہت سی ﴿قِنْ نَجْوَاهُمْ﴾ ان کی سرگوشیوں میں ﴿إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَاتِهِ﴾ مگر وہ شخص جو حکم کرے صدقہ خیرات کا ﴿أَوْ مَعْرُوفٍ﴾ یا کسی بھلائی کا ﴿أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ﴾ یا لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے کا ﴿وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ﴾ اور جو شخص یہ کام کرے گا ﴿ابْتِغَاءً﴾ چاہتے ہوئے ﴿مَرْضَاتِ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی رضا ﴿كَسُوفٍ﴾ پس عنقریب ﴿تُؤْتِيهِ﴾ ہم اس کو دیں گے ﴿أَجْرًا عَظِيمًا﴾ اجر بہت بڑا ﴿وَمَنْ﴾ اور وہ شخص ﴿يُشَاقِقِ الرَّسُولَ﴾ جس نے مخالفت کی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ﴿مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ﴾ بعد اس کے کہ خوب واضح ہو گئی اس کے سامنے ﴿الهُدَى﴾ ہدایت ﴿وَيَتَّبِعْ﴾ اور اس نے پیروی کی ﴿عَذَابَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ مومنوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی ﴿تُولِيهِ﴾ ہم اس کو چلا دیں گے ﴿مَا تَوَلَّى﴾ جس طرف کو وہ چلنا چاہتا ہے ﴿وَأَنْصَلِهِ جَهَنَّمَ﴾ اور ہم اس کو داخل کریں گے دوزخ میں ﴿وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

رہا آیات

اس سے پہلے رکوع میں یہ واقعہ بیان ہوا تھا کہ مدینہ طیبہ میں ایک خاندان تھا طعمہ بن ابیرق۔ اس خاندان کے اکثر لوگ منافق تھے، مگر نمازیں اور جمعہ باقاعدگی کے ساتھ ادا کرتے تھے، بلکہ پہلی صفوں میں بیٹھے ہوتے تھے، وعظ و نصیحت اور درس کی مجلسوں میں بھی حاضر رہتے تھے۔ رفاعہ رضی اللہ عنہا کھاتے پیتے گھرانے کے لوگ تھے اور عمدہ لباس پہنتے تھے۔ ان منافقین کے ایک مرد نے حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہا کی چوری کر لی۔

حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہا عمر رسیدہ صحابی تھے جن کے منہ کے دانت بھی گر چکے تھے اور چلنے پھرنے سے بھی قاصر تھے۔ بشیر نامی منافق نے ان کے مکان کے پچھلی طرف سے نقب لگا کر آٹے کی بوری، خود، زرہ اور کھوار اٹھالی اور ہوشیاری یہ کی کہ سامان اپنے گھر رکھنے کی بجائے لپید نامی آدمی کے گھر رکھ دیا۔ صبح ہوئی تو حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھتیجے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا کہ بیٹے! میں تو چل پھر نہیں سکتا اور منہ میں دانت نہ ہونے کی وجہ سے بات اچھی طرح سمجھا نہیں سکتا لہذا تو جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں میرا مقدمہ پیش کر۔ چنانچہ یہ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مقدمہ پیش کیا۔ کہنے لگے: حضرت! میرے تایا حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہا کا بیٹا ہے، خود آتے، مگر معذور ہیں۔ انھوں نے مجھے بھیجا ہے، ان کی چوری

ہوئی ہے اور چور جس جس راستہ سے بوری لے کر گیا ہے، آنا گرتا گیا ہے اور یہ نشانات بشیر نامی آدمی کے گھرتک جاتے ہیں اور ہمارا خیال یہ ہے کہ وہی ہمارا چور ہے۔

مجلس میں جو منافق بیٹھے تھے انہوں نے سنا اور واپس جا کر رات کو میٹنگ کی کہ ہماری برادری کی بہت بدنامی ہے، لہذا سب مل کر دفاع کرو اور آنحضرت ﷺ سے جا کر کہو کہ ہمارا آدمی چور نہیں ہے اور اس نکتے پر بات کرو کہ مدعی موقع کے گواہ پیش کرے اور موقع کا گواہ تو ہے کوئی نہیں لہذا ہم پر قسم آئے گی، عزت کی خاطر اٹھالیں گے اور اس طرح یہ معاملہ رفع دفع ہو جائے گا۔ صبح کو فریقین آپ ﷺ کی خدمت میں پیش ہو گئے۔ آپ ﷺ نے مدعی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کون کون سی چیز گئی ہے؟ انہوں نے بیان کر دیں۔ فرمایا تیرا الزام کس پر ہے؟ انہوں نے کہا کہ بشیر طعمی پر ہے۔ سارے منافق بول پڑے اور کہنے لگے: تو بہ تو بہ یہ تو بڑا نیک، پاک باز اور عبادت گزار آدمی ہے، تیرے پاس اگر کوئی گواہ ہے تو پیش کر۔ آنحضرت ﷺ نے بھی فرمایا کہ مسئلہ یہ ہے اَلْبَيْتَةُ عَلَى الْمُدْعَى وَالْيَمِينُ عَلَى مَنْ اُنْكِرَ مَدَى كَلِمَةَ الْغَوَاہِ ہوں اور اگر اس کے پاس گواہ نہیں ہیں تو مدعی علیہ کو قسم دینی پڑے گی۔ اور انہوں نے بھی یہی سوچا تھا۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے قاعدے کے مطابق حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تیرے پاس گواہ موجود ہیں کہ یہ چور ہے؟ انہوں نے کہا حضرت! رات کا وقت تھا، اس وقت تو دیکھنے والا کوئی نہیں تھا؟ منافق کہنے لگے حضرت! اس کو کہو کہ پھر ایک نیک آدمی پر چوری کا الزام کیوں لگایا ہے؟ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے بھی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو ڈانٹا کہ بغیر ثبوت کے ایک آدمی پر چوری کا الزام لگانا بڑی نامناسب بات ہے۔ اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے پہلا رکوع بھی نازل فرمایا۔

پہلے رکوع میں فرمایا کہ یہ منافق خائن لوگ ہیں ان کی طرف داری نہ کرو اور اس رکوع میں فرمایا ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل نہ ہوتا اور مہربانی نہ ہوتی ﴿لَهَمَّتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ أَنْ يُضْلُوكَ﴾ تو البتہ ایک گردہ ان میں سے ارادہ کر چکا تھا یہ کہ آپ کو حقیقت سے بہکا دیں کہ غلط فہمی میں رکھیں۔ کیوں کہ انہوں نے عزم کر رکھا تھا کہ اپنے آدمی کو بچانا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ بچ گئے۔ ﴿وَمَا يُضْلُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ﴾ اذ وہ نہیں بہکا سکتے مگر اپنی جانوں کو، ان کی اس شرارت کا وبال ان کی جانوں پر پڑتا ہے ﴿وَمَا يُضْرُؤُكَ مِنْ شَيْءٍ﴾ اور وہ نہیں نقصان پہنچا سکتے آپ کو کچھ بھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تمہیں ان کی خیانت کی اطلاع دی کہ یہ لوگ خائن، بددیانت اور چور ہیں اور چوروں کے حمایتی ہیں، ان کا ساتھ نہ دینا۔ ﴿وَإَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ اور نازل کی اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور سنت۔

یہ کتاب قرآن کریم تمام آسمانی کتابوں میں سے افضل ترین کتاب ہے۔ اس کا پڑھنا ثواب، اس کا سمجھنا ثواب، اس کو ہاتھ لگانا ثواب، اس کو دیکھنا ثواب، اس پر عمل کرنا ذریعہ نجات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہمارے جیسے گنہگاروں کو یہ کتاب عطا فرمائی ہے۔ کاش! کہ ہم اس کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں۔ تورات، انجیل، زبور آسمانی کتابیں اور صحیفے

ہیں، یہ اپنے اپنے زمانے میں بالکل برحق تھیں، مگر اس وقت دنیا میں ان کا کوئی وجود نہیں ہے کیونکہ اپنی اصل شکل میں ان میں سے کوئی بھی نہیں مل سکتی۔ آسمانی کتابوں میں صرف قرآن مجید ہے جو اپنی اصل شکل میں موجود ہے اور یہ بات صرف ہم نہیں کہتے بلکہ پادری صاحبان کو بھی اقرار ہے کہ اصلی کتاب ہمارے پاس موجود نہیں ہے۔ بلکہ وہ اس بات سے بھی قاصر ہیں کہ ان کی کتاب کی اصلی زبان کیا تھی؟ یعنی انجیل کس زبان میں نازل ہوئی تھی؟ یہ شرف صرف ہمیں حاصل ہے کہ ہماری کتاب اپنی اصلی شکل میں موجود ہے۔ جس شکل میں لوح محفوظ میں موجود تھی، جبرئیل علیہ السلام کی زبان پر تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر تھی، جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پڑھی اور تابعین رضی اللہ عنہم کو پہنچائی اور پڑھائی۔ انھوں نے تبع تابعین کو اور آج تک موجود ہے۔

حجیت حدیث

اور حکمت سے مراد سنت اور حدیث ہے اور قرآن کریم کی طرح حدیث بھی نازل ہوئی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ قرآن پاک کے الفاظ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور مفہوم بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور یہ الفاظ لوح محفوظ میں تھے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام لے کر آئے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پاک زبان سے تلاوت فرمائے اور حدیث کا مفہوم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا تھا۔ اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے الفاظ میں بیان فرمادیتے تھے۔ یعنی جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچادیتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان میں بیان کر دیتے تھے۔ یعنی اپنے الفاظ میں تفسیر فرمادیتے تھے۔ تو سنت اور حدیث بھی ہمارے دین کا حصہ ہے۔

اور یقین جانو کہ اگر ہم حدیث کو نہیں مانتے تو ہمیں قرآن بھی سمجھ نہیں آ سکتا۔ چنانچہ کئی مرتبہ عرض کر چکا ہوں کہ قرآن پاک میں ﴿اقِمُْوا الصَّلَاةَ﴾ کا لفظ آتا ہے کہ نماز قائم کرو، مگر قرآن پاک میں نہ تو نماز کا طریقہ بیان کیا گیا ہے کہ کس طرح قائم کرنی ہے اور نہ رکعات کا ذکر ہے کہ صبح کی نماز میں کتنی رکعات ہیں، ظہر کی کتنی ہیں، عصر کی کتنی ہیں، مغرب کی کتنی ہیں، عشاء کی کتنی ہیں؟ یہ تمام چیزیں حدیث پاک میں ہیں۔ لہذا اگر ہم حدیث کو نہیں مانتے تو ﴿اقِمُْوا الصَّلَاةَ﴾ کے حکم پر عمل نہیں کر سکتے۔

اسی طرح ﴿وَاْتُوا الزَّكَاةَ﴾ کا حکم قرآن پاک میں ہے کہ زکوٰۃ ادا کرو۔ مگر سونے کی زکوٰۃ کا کیا نصاب ہے؟ چاندی کا کیا نصاب ہے؟ اونٹوں کا کیا نصاب ہے؟ گائے، بھینس کتنی ہوں؟ تو ان پر زکوٰۃ واجب ہے اور بکریوں کا کیا نصاب ہے؟ اور یہ کہ سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ ان میں سے کسی شے کا ذکر قرآن پاک میں نہیں ہے، یہ سب چیزیں حدیث پاک میں ہیں۔

اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک رکن حج ہے۔ قرآن پاک میں صرف اتنا آتا ہے ﴿وَالْيَطَّوْفُ بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ﴾ اور حاجیوں کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے پرانے گھر کا طواف کریں۔ مگر یہ تفصیل کہ کتنے چکر لگائیں اور کہاں سے شروع کریں اور

کہاں ختم کریں؟ یہ حدیث پاک میں ہے۔ اس لیے جس طرح قرآن پاک ہمارا دین ہے، حدیث بھی ہمارا دین ہے۔ سترین حدیث نے محض اپنی خواہش کے مطابق قرآن کریم کو سمجھنے کی کوشش کی ہے اور حدیث کا انھوں نے بالکل انکار کر دیا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ ہم نے حدیث کا انکار اختلاف سے بچنے کے لیے کیا ہے۔ کیونکہ حدیث ماننے سے اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ کوئی کہتا ہے رفع یدین کرو، کوئی کہتا ہے نہ کرو، کوئی کہتا ہے آئین بلند آواز سے کہو اور کوئی کہتا ہے آہستہ کہو، کوئی کہتا ہے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھو، کوئی کہتا ہے نہ پڑھو۔ سارے اختلاف حدیث کے ماننے کی وجہ سے ہیں لہذا ہم کہتے ہیں۔ حدیث نہ مانو۔

بے شک یہ اختلافات موجود ہیں مگر فروعات میں ہیں۔ اصول میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مثلاً: اس میں اختلاف ہے کہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرنا ہے یا نہیں؟ تو ایک طبقہ کہتا ہے کرنا مستحب ہے اور دوسرا طبقہ کہتا ہے کہ نہ کرنا مستحب ہے اور مستحب کا معنی ہے کہ کرو گے تو ثواب ملے گا، نہ کرو گے تو ناناہ کوئی نہیں ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی طبقہ اصل کا تو منکر نہیں ہے کہ نمازیں پانچ نہیں ہیں یا تعداد رکعات میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے کہ فجر کے کتنے فرض ہیں اور ظہر کے کتنے فرض ہیں یا عصر کے کتنے فرض ہیں یا مغرب کے کتنے فرض ہیں اور عشاء کے کتنے فرض ہیں؟ اس میں تو کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اور منکرین حدیث کا ایک گروہ کہتا ہے کہ نمازیں دو ہیں اور دوسرا گروہ کہتا ہے تین ہیں اور ایک گروہ کہتا ہے پانچ ہیں اور ایک گروہ کہتا ہے چھ نمازیں ہیں۔ اور رکعات کے متعلق بھی ان میں اختلاف ہے اور سجدوں میں بھی اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ ایک رکعت میں ایک سجدہ ہے اور کوئی کہتا ہے کہ دو سجدے ہیں۔ تو حدیث کے انکار سے تو اصل میں اختلاف کر بیٹھے۔ ابن زبان کا محاورہ ہے: **فَرَّ مِنَ الْمَطَرِ وَقَامَ تَحْتِ الْمِيزَابِ** ”کہ بارش سے بچنے کے لیے بھاگا اور پرنا لے کے نیچے کھڑا ہوا۔“ بھائی! تم تو پرنا لے کے نیچے کھڑے ہو گئے ہو۔ ہمارا اختلاف تو فروعات میں ہے، اصولوں میں تو نہیں ہے اور تمہارا تو اصولوں میں اختلاف ہے کہ رفع یدین کا مسئلہ فردعی ہے، اولیٰ غیر اولیٰ کا اختلاف ہے۔

البتہ بعض کم سمجھ لوگ اس پر زور رکھتے ہیں کہ جس نے رفع یدین نہیں کیا اس کی نماز نہیں ہوتی اور لوگوں کو وہم اور شک میں ڈالتے ہیں کہ تمہاری نمازیں نہیں ہوتیں۔ یہ دین میں غم ہے۔ سعودیہ میں تو کوئی جھگڑا نہیں ہوتا کہ وہاں کرنے والے بھی ہیں اور رفع یدین نہ کرنے والے بھی ہیں۔ اس لیے کہ سارے سمجھتے ہیں کہ اختلافی مسئلہ ہے۔ مگر اصل میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

لہذا ساتھیو! یاد رکھنا! کہ حدیث بھی دین کی بنیاد ہے اور حدیث کے بغیر قرآن کریم نہیں سمجھ آ سکتا اور جس طرح قرآن کریم سمجھنے کے لیے حدیث درکار ہے اسی طرح قرآن اور حدیث کو سمجھنے والے بھی درکار ہیں۔ صحابہ کرامؓ پہنچے نہیں، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، فقہائے کرام اور محدثین اور بزرگان دینؓ، ان حضرات کے بغیر ہم کچھ بھی نہیں سمجھ سکتے۔ ان دونوں کی خدمات ہیں کہ انھوں نے قرآن و سنت کو ہم تک پہنچایا ہے۔ یہ ان کی بڑی خدمت ہے۔ آج اگر ہماری کوئی چیز راستہ میں گر پڑے، مثلاً:

ہوا اگر جائے اور کوئی شخص وہ ہم تک پہنچا دے تو ہم اس کا کتنا شکر یہ ادا کرتے ہیں اور کہتے ہیں تیری مہربانی، جزا کے اللہ، اللہ تعالیٰ تجھے جزا عطا فرمائے کہ تو نے میری چیز مجھے پہنچا دی ہے اور ان لوگوں نے تو دین کے سارے مسئلے اصل شکل میں ہم تک پہنچائے ہیں اور ان کی عنایت اور کوشش ہے کہ دین اصل شکل میں موجود ہے اور موجود رہے گا۔ تو ان کے بغیر بھی دین سمجھ نہیں آسکتا۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَعَلَيْكَ مَا لَمْ نَكُنْ نَعْلَمُ﴾ اور تعلیم دی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان چیزوں کی جو آپ پہلے نہیں جانتے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر فضل فرمایا ﴿وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ کا فضل آپ پر بہت بڑا۔ کہ آپ ﷺ کو تمام مخلوقات میں برگزیدہ بنایا اور آپ ﷺ کو خاتم النبیین بنایا اور قیامت والے دن تمام انبیاء کرام علیہم السلام آپ ﷺ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوں گے۔

خیرات کی فضیلت

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ سارے منافقین نے مل کر پروگرام بنایا کہ چور بشیر کو سچا ثابت کر دو اور اس کے لیے انہوں نے مشورہ کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ نُّجْوَاهُمْ﴾ نہیں کوئی بہتری بہت سی ان کی سرگوشیوں میں یعنی ان کے بہت سے پوشیدہ مشوروں میں کچھ بہتری نہیں ہے۔ ہاں ﴿الْأَمَنَ أَمْرٌ بَصَدَقَةٌ أَوْ مَعْرُوفٌ﴾ مگر وہ شخص جو حکم کرے خیرات کا یا کسی بھلائی کا۔ مثلاً: کسی آدمی سے کسی نے سوال کیا اور یہ خود دے نہیں سکتا، کسی مال دار کے کان میں کہتا ہے کہ بھائی! یہ شخص واقعی محتاج ہے اور مستحق ہے اور مجھے توفیق نہیں ہے تو اس کی مدد کر تو اس طرح خیرات کے متعلق کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور معروف یہ ہے کہ آہستہ سے کسی کے کان میں نیکی کی بات ڈالنا کہ بھائی جان! یہ کام اس طرح کرو، اس میں بھلائی ہے۔ کیونکہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو آہستہ بات کہو تو سمجھ جاتے ہیں اور اگر لوگوں کے سامنے کہو تو نہیں مانتے۔ ﴿أَوْ إِصْلَاحٌ بَيْنَ النَّاسِ﴾ یا لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے کا مشورہ دے کہ بھائی! معاملے کو نہ بگاڑو، نہ فساد کرو، آپس میں نا اتفاقی اور اختلاف اچھی بات نہیں ہے، بلکہ بہت بڑی چیز ہے۔ تو ایسا مشورہ بھی صحیح ہے۔ ﴿وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ﴾ اور جو شخص یہ کام کرے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہوئے ﴿فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ پس عنقریب ہم اس کو دیں گے اجر بہت بڑا۔ اور بُرے کاموں کے لیے مشورہ کرنا اور چور کو سچا ثابت کرنے کے لیے مشورہ کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم اور آنحضرت ﷺ کے حکم کو ٹالنے کے لیے مشورہ کرنا حرام اور گناہ ہے۔

پہلے تفصیل کے ساتھ یہ بات گزر چکی ہے کہ جب قرآن کریم کی یہ آیتیں نازل ہوئیں اور مسئلے میں کوئی اخفا نہ رہا تو وہ منافق چور کھلے طور پر کافر ہو گیا اور کہنے لگا کہ مجھے ایسے اسلام کی ضرورت نہیں ہے کہ جس میں لوگوں کی بے عزتی ہو اور مرتد ہو کر مکہ مکرمہ چلا گیا اور وہاں سلف نامی عورت جو اسی قسم کی تھی، اس کے پاس جا کے ٹھہرا۔ اس نے کہا کہ میرے پاس تو کھانے کے

لیے کچھ نہیں ہے لہذا تو اپنے ہاتھ کی صفائی دکھا اور مال لے کر آ کہ مل کر کھائیں اور عادتیں تو نہیں جاتیں اور اگر اچھے کام کی عادت ہو جائے تو اچھا ہے، اس سے عبادت بھی آسان ہو جاتی ہے۔ بہر حال اس نے ایک جگہ جا کر نقب زنی کی، وہ دیوار گری اور یہ اس کے نیچے دب کے مر گیا اور ایمان والوں سے جدا ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ﴾ اور جس شخص نے مخالفت کی رسول ﷺ کی، بعد اس کے کہ خوب واضح ہو گئی اس کے سامنے ہدایت ﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ اور پیروی کی اس نے مومنوں کے راستہ کے علاوہ کسی اور راستہ کی ﴿تَوَلَّاهُمْ مَاتُوا﴾ ہم اس کو چلا دیں گے جس طرف کو وہ چلنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر آدمی کو اختیار دیا ہے کہ چاہے تو حق کو قبول کرے یا کفر اختیار کرے۔

فرمایا ﴿الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ﴾ ”حق تیرے رب کی طرف سے ہے ﴿فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمَرْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ﴾ بس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ ایمان اختیار کرنے میں بھی انسان با اختیار ہے اور کفر اختیار کرنے میں بھی انسان کی مرضی کا دخل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نہ ایمان پر کسی کو مجبور کیا ہے، نہ کفر پر۔ اپنی مرضی سے جو نیکی پر چلے گا اللہ تعالیٰ اس کو ادھر چلا دیں گے۔ اگر بڑے راستہ پر چلے گا تو اللہ تعالیٰ ادھر چلا دیں گے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ چار اماموں میں سے ایک ہیں اور بڑے بلند پائے کے امام ہیں۔ انھوں نے اس مسئلے پر دلیل تلاش کرنے کے لیے کہ اجماع امت حجت ہے، قرآن پڑھنا شروع کیا۔ ایک دفعہ سرسری طور پر پڑھا، دوسری دفعہ سارے قرآن کریم کو پڑھا، تیسری دفعہ یہ آیت کریمہ سامنے آئی ﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ﴾ اور جس نے مخالفت کی رسول ﷺ کی جب ہدایت اس کے سامنے خوب واضح ہو گئی ﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ اور اس نے پیروی کی مومنوں کے راستہ کے سوا کسی اور راستہ کی ﴿تَوَلَّاهُمْ مَاتُوا﴾ ہم اس کو چلا دیں گے جس طرف وہ چلنا چاہتا ہے ﴿وَنُصَلِّهِمْ جَهَنَّمَ﴾ اور ہم اس کو داخل کریں گے دوزخ میں ﴿وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔“

تو فرماتے ہیں کہ جملہ ﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ اور وہ چلتا ہے مومنوں کے راستہ کے سوا کسی اور راستہ پر سے مسئلہ واضح ہو گیا کہ اجماع بھی اسی طرح قطعی حجت اور دلیل ہے جس طرح قرآن کریم اور حدیث متواتر قطعی دلیل اور حجت ہیں۔ لہذا مومنوں کے اجماع کا منکر قرآن کا منکر ہے۔ مومنوں سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین رضی اللہ عنہم ہیں۔ اس دور کے مسلمانوں نے جن جن مسائل پر اتفاق کیا ہے وہ حجت ہیں۔ لہذا ان کا راستہ چھوڑ کر اگر کوئی دوسرے راستہ پر رہے گا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَنُصَلِّهِمْ جَهَنَّمَ﴾ داخل کریں گے ہم اس کو دوزخ میں۔ کیونکہ نجات کا راستہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا اور ایمان والے اس پر چلے ﴿وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ اور وہ دوزخ بہت برا ٹھکانا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہر مسلمان مرد و عورت کو اس سے بچائے اور محفوظ رکھے۔ آمین!

﴿إِنَّ اللَّهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَا يُعْفُذُ﴾ نہیں بخشے گا ﴿أَنْ يُشْرَكَ بِهِ﴾ کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے ﴿وَيُعْفُذُ﴾ اور بخش دے گا ان گناہوں کو ﴿مَا دُونَ ذَلِكَ﴾ جو شرک سے نیچے نیچے ہوں گے ﴿لِمَنْ يَشَاءُ﴾ جس کو چاہے گا ﴿وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ﴾ اور جس نے شرک کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿فَقَدْ﴾ پس تحقیق ﴿صَلَّ﴾ بہک گیا، گمراہ ہوا ﴿صَلًّا بَعِيدًا﴾ گمراہی دور کی ﴿إِنْ يَدْعُونَ﴾ اور نہیں وہ پکارتے ﴿مِنْ دُونِهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے درجے ﴿إِلَّا انشَاءً﴾ مگر زمانہ قسم کی چیزوں کو ﴿وَإِنْ يَدْعُونَ﴾ اور نہیں وہ پکارتے ﴿إِلَّا شَيْطَانًا﴾ مگر شیطان کو ﴿مَرِيدًا﴾ جو سرکش ہے ﴿لَعَنَهُ اللَّهُ﴾ اللہ تعالیٰ نے اس پر لعنت کی ہے ﴿وَقَالَ﴾ اور کہا شیطان نے ﴿لَا تَخَذَنْ﴾ البتہ میں ضرور بناؤں گا ﴿مِنْ عِبَادِكَ﴾ تیرے بندوں میں سے ﴿نَصِيبًا﴾ حصہ ﴿مَفْرُوضًا﴾ مقرر کیا ہوا ﴿وَلَا ضَرَّكُمْ﴾ اور البتہ میں ضرور ان کو گمراہ کروں گا ﴿وَلَا مَنِيئَهُمْ﴾ اور البتہ میں ضرور ان کو آرزوئیں دلاؤں گا ﴿وَلَا مَرْتَبَهُمْ﴾ اور البتہ میں ضرور ان کو حکم دوں گا ﴿فَلْيَبْتَئِكُنَّ﴾ پس البتہ وہ ضرور کاٹیں گے ﴿أَذَانَ الْأَنْعَامِ﴾ جانوروں کے کانوں کو ﴿وَلَا مَرْتَبَهُمْ﴾ اور البتہ ضرور ان کو حکم دوں گا ﴿فَلْيَعْبُذْنَ خَلْقَ اللَّهِ﴾ پس البتہ ضرور وہ تبدیلی کریں گے اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیزوں میں ﴿وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا﴾ اور جس نے بنایا شیطان کو دوست ﴿مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِينًا﴾ پس تحقیق اس نے نقصان اٹھایا کھلا نقصان ﴿يَعِيدُهُمْ﴾ شیطان ان کے ساتھ وعدہ کرتا ہے ﴿وَيُؤْتِيهِمْ﴾ اور ان کو آرزوئیں دلاتا ہے ﴿وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ﴾ اور نہیں وعدہ کرتا شیطان ان کے ساتھ ﴿إِلَّا غُرُورًا﴾ مگر دھوکے کا ﴿أُولَئِكَ﴾ یہی لوگ ہیں ﴿مَا دَانَهُمْ جَهَنَّمُ﴾ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے ﴿وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا﴾ اور نہیں پائیں گے وہ اس دوزخ سے چھٹکارے کی کوئی جگہ۔

شُرک کی تردید ؟

رب تعالیٰ کے قانون میں سب سے بڑی نیکی بلکہ راس الطاعات یعنی تمام نیکیوں کی جڑ توحید ہے اور سب سے بڑا گناہ شرک ہے۔ توحید سے بڑی نیکی کوئی نہیں اور شرک سے بڑا گناہ کوئی نہیں ہے۔ اسی لیے شرک کی سزا کیفیت کے لحاظ سے بھی بڑی ہے اور کیت کے لحاظ سے بھی بڑی ہے، جو کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُعْفِذُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا اس کو کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے۔ یہ بات بڑی یقینی اور اٹل ہے جو ہر قسم کے شبہ سے پاک ہے کہ شرک کی بخشش نہیں ہے اور جس شخص نے شرک نہ کیا چاہے وہ کتنا ہی بڑا گنہگار ہے بخشا جائے گا۔

مسلم وغیرہ حدیث کی کتابوں میں حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسانوں کو خطاب کیا اور فرمایا: يَا ابْنَ آدَمَ! اے آدم کے بیٹے! لَوْ لَقِينْتَنِي بِقُرَابِ الْأَرْضِ ذَنْبًا لَقَبَيْتُكَ بِبِغْلٍهَا مَغْفِرَةً اگر تو مجھے ملے اس حال میں کہ تیرے اتنے گناہ ہوں کہ مشرق سے لے کر مغرب تک اور شمال سے لے کر جنوب تک ساری زمین تیرے گناہوں سے بھری ہوئی ہو، میں تجھے ملوں گا اتنی ہی بخشش کے ساتھ۔“ مگر شرط یہ ہے کہ مَا لَكَ تُشْرِكُ بِي شَيْئًا ”تو میرے ساتھ کسی شے کو شریک نہ ٹھہرائے۔“

اور معراج کی رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُمت کے لیے تین تحفے عطا کیے گئے:

① نمازوں کا تحفہ، جو پہلے پچاس تھیں پھر موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے بار بار التجا اور درخواست کی تو پانچ رہ گئیں۔

② دوسرا تحفہ سورہ بقرہ کی آخری آیات اِنَّ الرُّسُلَ سے لے کر آخر تک۔

③ اور تیسرا تحفہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تیری اُمت کے ان لوگوں کو بخش دوں گا جو میرے ساتھ کسی شے کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اور یہ تینوں تحفے اللہ تعالیٰ نے آپ کو جبرئیل علیہ السلام کی وساطت کے بغیر عطا فرمائے۔

ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ اَمَّا الذَّنْبُ اَمْ كَبُرُ؟ ”حضرت! یہ بتائیں کہ سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ وِدًّا وَهُوَ خَلْقَكَ۔ یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کا شریک بنائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا فرمایا ہے۔“ اللہ تعالیٰ تمام مومنین و مومنات کو شرک سے بچائے۔

شرک کی اقسام اور نظر کا لگ جانا برحق ہے

اور یہ بھی یاد رکھنا کہ شرک کی بڑی قسمیں ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ: اَلشِّرْكُ اَخْفٰی مِنْ ذَبِيبٍ نَسِلٍ ”شرک کی بعض قسمیں چھوٹی کی چال سے بھی باریک ہوتی ہیں۔“ اور یہ شرک عموماً عورتوں میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً: کسی عورت کو تکلیف ہوگئی تو کہے گی کہ فلاں عورت ہمارے گھر سے ہو کر گئی ہے جس کی وجہ سے میں بیمار ہوگئی ہوں، فلاں آئی تھی اس لیے مجھے کھانسی ہوگئی ہے، فلاں عورت آئی تھی اس لیے میرا بچہ مر گیا ہے، فلاں آئی تھی تو یہ ہو گیا، فلاں کا سایہ پڑ گیا تو یہ ہو گیا۔ یہ سب شرک کی قسمیں ہیں اور اس عقیدہ سے نماز، روزے سب برباد ہو جاتے ہیں، کسی کے آنے جانے سے کچھ نہیں ہوتا۔

بہنو! مسئلہ اچھی طرح سمجھ لو، بیماری، تندرستی، سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ نظر کا لگ جانا بھی حق ہے، اس میں بھی کوئی شک نہیں مگر بیماری کی کڑی اس سے ملانا کہ فلاں آئی تھی تو یہ ہو گیا، یہ غلط اور شرک ہے۔ طبی طور پر بیماریاں بھی ہوتی ہیں جو بڑوں کو بھی ہوتی ہیں، بچوں کو بھی ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ شفا دیتے ہیں، خواہ مخواہ ہر بات پر کہنا کہ فلاں کی نظر لگ گئی اور عورت پھر کر گئی ہے، تو بہ تو بہ اللہ تعالیٰ شرک سے بچائے۔

اللہ تعالیٰ مشرک کی بخشش نہیں فرمائیں گے ﴿وَيَعْفُو مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَن يَشَاءُ﴾ اور بخش دے گا ان گناہوں کو جو شرک سے نیچے نیچے ہوں گے جس کو چاہے گا۔ کیونکہ وہ مجبور نہیں ہے۔ اسی پارے میں اس سے دور کو ع پہلے آپ پڑھ چکے ہیں کہ مومن کو قتل کرنا بڑا سنگین جرم ہے۔ اگر کوئی شخص حلال سمجھ کر مومن کو قتل کرتا ہے تو وہ کافر ہے اور اسی طرح کسی بھی گناہ کو جو حلال سمجھتا ہے وہ کافر ہے اس کی بخشش نہیں ہوگی۔ اور گناہ کو گناہ سمجھ کر کرنے والا کافر نہیں ہے، اس کی کسی نہ کسی وقت بخشش ہو جائے گی۔ وہ اس طرح کہ مثلاً: اللہ تعالیٰ مقتول کے وارثوں کو فرمائیں کہ تم اس کو معاف کر دو، اس کے بدلے میں تمہیں معاف کر دیتا ہوں اور جنت میں بلند مقام عطا کرتا ہوں تو وارث راضی ہو جائیں گے اور معاف کر دیں گے تو قتل جیسے سنگین جرم کی بھی معافی ہے، مگر شرک کی معافی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

فرمایا ﴿وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ هَمَلًا بَعِيدًا﴾ اور جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا پس تحقیق وہ بہک گیا، مگر اہ ہو گیا، مگر اہی دور کی۔ اگر کوئی شخص اصل راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے پر چل پڑا ہو اور تھوڑا سا چلنے کے بعد احساس ہو گیا تو اس کا واپس لوٹنا آسان ہے اور جو شخص بہت دور نکل گیا تو اس کا واپس آنا بہت مشکل ہے اور ایسے شخص کے لیے بخشش اور مغفرت کی بھی کوئی صورت نہیں ہوتی اور یہ بھی یاد رکھنا! کہ ایسی خواہش کے پیچھے لگنا اور اس کو پورا کرنا جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی یہ بھی شرک ہے۔

چنانچہ انیسویں پارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿أَمْ أَوْيْتُمْ﴾ ”کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے ﴿مِنَ اتَّخَذَ إِلَٰهًا هَوًى﴾ جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا رکھا ہے ﴿أَفَأَنْتُمْ تَكْفُرُونَ عَلَيْهِ وَكَيْلًا﴾ [الفرقان: ۳۳] کیا آپ اس پر نگہبان ہو سکتے ہیں؟“ کھانے پینے کی خواہشات ہیں، جتنی خواہشات ہیں ان کو شرعی قاعدے کے مطابق پورا کرنے کا تو حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا﴾ [طور: ۱۹] ”کھاؤ اور پیو۔“ ﴿وَأَنْتُمْ حَاوِلُوا إِلَىٰ مِثْلِهِمْ﴾ [النور: ۳۲] ”جن عورتوں کے نکاح نہیں ہوئے ان کا نکاح کر دو۔“ ان کے متعلق اپنی مرضی کرنا اور شریعت کی مرضی کے خلاف چلنا، یہ بھی شرک کی ایک قسم ہے۔ اس کے متعلق علامہ اقبال مرحوم فرماتے ہیں:۔

دہریت کیا ہے بندہ حرص و ہوا ہونا
قیامت ہے مگر اوروں کو سمجھا دہریت تو نے
زبان سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا تو نے

زبان سے کلمہ پڑھتا ہے اور کرتا اپنی مرضی ہے تو کلمہ پڑھنے کا کیا فائدہ؟ لہذا یاد رکھنا! کسی بھی کام میں جو شریعت کے خلاف ہو، اپنی مرضی کرنا شرک ہے۔ آٹھواں پارہ سورہ انعام میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَإِنِ اطَّعْتُمْهُمْ إِنَّكُمْ لَشُرُكُونَ﴾ ”اگر تم شیطانوں کی اطاعت کرو گے تو بے شک تم بھی مشرک ہو۔“ شیطان کاموں کو شیطان کے کہنے پر کرنا یہ بھی شرک کی ایک

قسم ہے۔

فرمایا ﴿إِنْ يَنْدَعُونَ مِنْ دُونِ إِلَّا إِلَهًا﴾ اور وہ نہیں پکارتے اللہ تعالیٰ کے ورے مگر زمانہ قسم کی چیزوں کو۔ بعض مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ عرب کے مشرک لات، منات اور عزیٰ کی پرستش کرتے تھے جو سب عورتوں کے نام ہیں۔ لات، اللہ کی مؤنث ہے اور عزیٰ، عزیز کی مؤنث ہے اور منات، منان کی مؤنث ہے۔ تو انہوں نے اپنے معبودوں کے زمانہ نام رکھے ہوئے تھے۔ رب تعالیٰ کو چھوڑ کر زمانہ قسم کی چیزوں کو پکارتے ہیں۔

اور کئی دفعہ میں بیان کر چکا ہوں کہ لات اصل میں ایک مانگ کا نام تھا جو حاجیوں کو ستو گھول کر پلاتا تھا۔ جب یہ مر گیا تو لوگوں نے اس کی قبر پر عرس کرنا شروع کر دیا، پھر اس کا بت بنا کر مکہ مکرمہ میں نصب کر دیا اور اس سے مدد مانگنا شروع کر دی۔ کہتے تھے یا لَاتُ اَعْشِيحِي "اے لات میری مدد کر۔" اور عزیٰ کی ایک پری تھی جو کہ مکہ مکرمہ سے چند میل کے فاصلے پر کبھی ظاہر ہوتی اور کبھی چھپ جاتی تھی۔ وہاں پر موٹے موٹے ملکوں نے ڈیرے لگالئے، وہاں پانی بھی تھا اور کچھ درخت بھی لگے ہوئے تھے، لوگوں نے وہاں مکان بنا لئے۔

۸ ہجری میں جب مکہ فتح ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ عزیٰ کو جا کر ختم کر دو، کیونکہ مجھے اس کی پوجا سے بہت تکلیف ہے۔ وہ گئے اور ملکوں کو بھگا دیا، درخت کاٹ دیئے اور مکان گرا دیئے اور واپس آ کر رپورٹ پیش کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ کیونکہ عزیٰ کو تو چھوڑ دیا ہے۔ کہنے لگے حضرت! وہاں تو کوئی شے نہیں تھی۔ فرمایا دوبارہ جا اور عزیٰ کو ختم کر دے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ دوبارہ گئے تو دیکھا اِمْرًا اَقَا قَاشِرَةً رَأْسَهَا "ایک عورت ہے اس کے سر کے بال بکھرے ہوئے ہیں۔" سر میں مٹی ڈال رہی ہے اور زور زور سے چیخیں مارا مار کر رورہی ہے اور کہہ رہی ہے كُفِّرَا نَكَ يَا عَزْزِي "عزیٰ تیرا بیڑا غرق ہو گیا ہے۔" حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا۔ فرمایا: تِلْكَ الْعُزْزِي لَنْ تُعْبَدَ بَعْدَ ذَلِكَ الْيَوْمِ "یہ عزیٰ تھی جو ختم ہو گئی اور آج کے بعد اس کی عبادت نہیں کی جائے گی۔" اور منات بھی ایک آدمی کا نام تھا۔ اور یہ معنی بھی کرتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کی قوی ذات کو چھوڑ کر کمزوروں سے مانگتے ہو، جس طرح عورت کمزور ہوتی ہے۔ اسی لیے اس کو صنف نازک کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ بنے گا کہ نہیں پکارتے تم اس اللہ تعالیٰ کے سوا مگر زمانہ قسم کی چیزوں کو یعنی کمزور کو پکارتے ہو جو کچھ نہیں کر سکتے۔

مشرکین کی بے بسی

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ صُوبْ مَثَلًا﴾ "اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے ﴿فَانسَبُوا لَهَا﴾ اے غور سے سنو ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَنْدَعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ کہ جن کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا﴾ وہ ایک کبھی بھی نہیں بنا سکتے ﴿وَلَوْ اجْتَمَعُوا لَهُ﴾ اگر چہ اس کے لیے سارے اکٹھے ہو جائیں ﴿وَلَنْ يَسْلُمَهُمُ اللَّهُ أَبًا شَيْئًا﴾ اور اگر ان

سے کبھی کوئی چیز چھین کر لے جائے ﴿لَا يَسْتَفْقِدُ وَهُوَ وَاوْنُهُ﴾ تو اسے اس سے چھڑائیں سکتے ﴿صَغَفَ الْقَابِ وَالْقَابِ وَالْقَابِ﴾ طالب بھی کمزور، مطلوب بھی کمزور۔ عابد بھی کمزور، معبود بھی کمزور۔ تو یہ زمانہ یعنی کمزور قسم کی چیزوں سے مرادیں مانگتے ہیں ﴿وَإِنْ يَذُوعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَّرِيدًا﴾ اور نہیں پکارتے وہ مگر شیطان کو جو سرکش ہے، مردود ہے۔ براہ راست شیطان کو کوئی نہیں پکارتا، مگر شیطان کی بات مان کر غیر اللہ کو پکارتا شیطان ہی کو پکارتا ہے۔ حضرت ابراہیم ؑ نے اپنے باپ آزر کو کہا تھا ﴿يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ﴾ ”اے میرے باپ! شیطان کی پیروی نہ کر۔“ یعنی جو کچھ آپ کر رہے ہیں شیطان یہی چاہتا ہے، لہذا اس کی چاہت کے مطابق کرنا اس کی عبادت ہے۔

رہا شیطان کا سرکش ہونا تو اس کو یوں سمجھو کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿يَا بَلِيْسُ مَا مَنَعَكَ﴾ ”اے ابلیس! تجھے کس چیز نے منع کیا ﴿أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِإِيْمَانٍ﴾ اس کے آگے سجدہ کرنے سے جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا؟ شیطان کی سرکشی دیکھو، کہنے لگا ﴿أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ﴾ میں اس سے بہتر ہوں ﴿خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَأَخْلَقْتَ الْمَلَائِكَةَ مِنْ طِينٍ﴾ مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے۔ ”میں اس کو کیوں سجدہ کروں؟ اور چودھواں پارہ سورۃ الحجر میں ہے، کہنے لگا ﴿لَمْ أَكُنْ لَأَسْجُدَ لِمَنْ شَاءَ خَلَقْتَهُ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْتَوِينَ﴾ ”میں وہ نہیں ہوں کہ سجدہ کروں ایک بشر کو جس کو تو نے کھنکھناتے سڑے گارے سے بنایا ہے۔“ پھر اللہ تعالیٰ کو طعن دینے لگا کہ ﴿هَذَا الَّذِي كُذِّبَتْ عَنْهُ﴾ [بنی اسرائیل: ۶۲] ”یہ ہے وہ جس کو تو نے میرے اوپر فضیلت بخش ہے۔“ اس سے زیادہ سرکشی اور کیا ہو سکتی ہے؟ ایسے سرکش کے تم تا بعد از ہوا اور رب تعالیٰ کی بات تم نہیں مانتے۔

﴿لَعْنَةُ اللَّهِ﴾ اس مردود شیطان پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے ﴿وَقَالَ﴾ اور شیطان نے کہا ﴿لَا تَخْذَنَ مِنْ عِبَادِكِ﴾ البتہ ضرور بناؤں گا میں تیرے بندوں میں سے ﴿تَصِيدُنِيًا مَفْرُوضًا﴾ حصہ مقرر کیا ہوا۔ سارے تیرے بندے نہیں رہنے دوں گا میں اپنے بندے بھی بناؤں گا۔ کیا کروں گا ﴿وَلَا ضَلَّيْتُمْ﴾ اور میں ان کو ضرور گمراہ کروں گا ﴿وَلَا مَنِيْتُمْ﴾ اور البتہ ضرور میں ان کو آرزو میں دلاؤں گا۔ گناہ پر آمادہ کر کے کہوں گا کوئی بات نہیں اللہ بڑا مہربان ہے، رحیم ہے ﴿وَلَا مَرِيْتُمْ﴾ اور البتہ میں ان کو ضرور حکم دوں گا ﴿فَلْيَبْتَئِكُنَّ إِذْ أُنْزِلَ الْوَعْدُ﴾ پس وہ ضرور کاٹیں گے جانوروں کے کانوں کو۔

مشرک اس طرح کرتے تھے کہ جانور کا کان تھوڑا سا کاٹ کر نشان لگا دیتے اور کہتے کہ یہ لات کے لیے وقف ہے اور یہ عزئی کے لیے وقف ہے۔ جس طرح تم گوجرانوالا جاؤ تو تمہیں بازاروں میں آوارہ گائیں پھرتی نظر آئیں گی اور گلے میں ان کے کپڑا بندھا ہوگا، ان کا کوئی مالک نہیں ہے۔ یہ مشرک قسم کے لوگوں نے اپنے پیروں کے نام پر وقف کی ہوئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو چھیڑتا کوئی نہیں بلکہ یہ گائے اگر کسی سودے میں منہ مارے تو بڑے آرام سے کہتے ہیں باباجی! چھپے ہو جاؤ۔ اس کو مارتے نہیں ہیں کہ کہیں بے بے جی کو مارنے سے نقصان نہ ہو جائے۔ ہندو تو واقعتاً گائے کو مانتا کہتے تھے اور اب مسلمانوں نے بھی اس کو ماں بنایا ہوا ہے۔

ساتویں پارے میں اللہ تعالیٰ نے اسی کی تردید فرمائی ہے: ﴿مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا

حَاكِمًا وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلٰى اللّٰهِ الْكٰذِبَ ۗ وَ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴﴾ ”اللہ تعالیٰ نے نہ تو بحیرہ کچھ چیز بنا کی ہے اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام، بلکہ کافر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ افتراء کرتے ہیں اور ان کے اکثر عقل نہیں رکھتے۔“

لہذا یاد رکھنا! یہ جو بکرے چھترے کا قبروں پر چڑھاوا چڑھاتے ہیں، یہ شرک ہے۔ بڑا جانور تو درکنار ایک مکھی کی وجہ سے ایک آدمی جنت میں گیا اور ایک آدمی جہنم میں گیا ہے۔

ایک مکھی کی وجہ سے ایک آدمی جنت میں اور ایک جہنم میں ۛ

حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔ اور ایک ہیں طارق بن زیاد رضی اللہ عنہ، وہ تبع تابعین میں سے ہیں، جنہوں نے اندلس فتح کیا تھا۔ یہ طارق بن شہاب ہیں۔ ترجمان السنۃ میں امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صرف ایک مکھی کی وجہ سے ایک شخص جنت میں داخل ہوا اور دوسرا دوزخ میں۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا: یا رسول اللہ! یہ کیسے؟ فرمایا کسی قوم کا ایک بت تھا ان کا دستور تھا کہ کوئی شخص اس پر چڑھاوا چڑھائے بغیر ادھر سے گزر نہیں سکتا تھا۔ اتفاق سے دو شخص ادھر سے گزرے۔ ان لوگوں نے اپنے دستور کے مطابق ان میں سے ایک شخص سے کہا: نیاز چڑھاؤ۔ وہ بولا اس کے لیے میرے پاس تو کچھ نہیں ہے۔ وہ بولے کچھ نہ کچھ تو ضرور چڑھاوے خواہ ایک مکھی ہی سہی۔ اس نے ایک مکھی چڑھا دی، اس وجہ سے وہ دوزخ میں گیا۔ انہوں نے اس کو چھوڑ دیا۔ اب دوسرے سے کہا تو بھی کچھ چڑھاوا چڑھا۔ اس نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی اور کے نام پر نیاز نہیں دے سکتا۔ یہ سن کر انہوں نے اس کی گردن اڑادی۔ اس لیے وہ جنت میں داخل ہو گیا۔

گیارہویں کی تردید ۛ

یہ حدیث یاد رکھنا، بھولنا نہیں، قبروں پر جو چھترے بکرے بزرگوں کی نیاز کے طور پر چڑھائے جاتے ہیں، وہ سب اسی مد میں ہیں۔ یہ شرک ہے۔ گیارہویں کی تفصیل بھی سن لو۔ اگر کوئی شخص گیارہویں اس نظریے سے دیتا ہے کہ اس سے میرے مال ڈنگر میں برکت ہوگی، کاروبار میں برکت ہوگی اور اگر نہیں دوں گا تو نقصان ہوگا، تو حرام ہے اور دینے والا پکا مشرک ہے اور اگر اس ارادے سے دیتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں ان کو ثواب پہنچے اور دینا اللہ تعالیٰ کے نام پر ہے تو پھر کفر تو نہیں، شرک تو نہیں مگر بدعت ہے۔ کیونکہ ایصالِ ثواب کے لیے دن کا مقرر کرنا بدعت ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر ایصالِ ثواب کرنا ہے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے کیوں نہیں کرتا؟ کہ وہ محسن امت ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے لیے کیوں نہیں کرتا؟ اور ہزاروں لاکھوں ولی ہیں ان کے لیے کیوں نہیں کرتا؟ پھر صرف گیارہویں تاریخ کو کیوں کرتا ہے؟ آگے پیچھے کیوں نہیں کرتا؟

اب میری کتابوں کے بعد ان لوگوں نے یہ ہیرا پھیری شروع کر دی ہے کہ کچھ بارہویں کو کر لیتے ہیں، کچھ تیرہویں کو

کر لیتے ہیں اور کچھ چودھویں تاریخ کو کرتے ہیں، کبھی پندرہویں کو کر لیتے ہیں اور میرے خیال میں یہ سلسلہ انھوں نے اس لیے کیا ہے کہ سب کچھ گیارہویں کو تو پیٹ میں نہیں ڈال سکتے اور نہ اس دن کا کھایا ہوا سارا مہینہ کام آ سکتا ہے لہذا انھوں نے پیٹ کے لیے اب یہ طریقہ نکالا ہے کہ کہیں گیارہویں ہو جائے اور کہیں بارہویں ہو جائے، کہیں تیرہویں ہو جائے، کہیں چودھویں ہو جائے اور اس سے بھی بچ جائیں گے کہ ہم نے تعین چھوڑ دیا ہے۔

﴿وَلَا تَمُرُّنَّ﴾ اور شیطان نے کہا اور میں ان کو ضرور حکم دوں گا ﴿فَلْيَعْبُدَنَّ خَلْقَ اللَّهِ﴾ بس البتہ وہ ضرور تہدلی کریں گے اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیزوں میں۔ تفسیر کبیر وغیرہ میں آتا ہے کہ ڈاڑھی کا منڈوانا اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے بدلنے کی مد میں ہے۔ کیونکہ مردوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے ڈاڑھی بنائی ہے، مٹھی سے کم کریں یا بالکل منڈوائیں، دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔

اسی طرح اگر عورتیں اپنے سر کے بال کٹوائیں تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدلنے والی ہیں۔ اسی طرح بعض عورتیں بھویں صاف کرتی ہیں، وہ بھی اسی مد میں ہے۔ ہاں! چھوٹی بچیوں کا مسئلہ الگ ہے وہ اس کی زد میں نہیں آتیں۔ تو شارع کی اجازت کے بغیر اپنے بدن کے کسی حصے میں تصرف کرنا اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدلنا ہے۔ یہ شیطانی کارروائی ہے۔ اسی طرح سر پر لٹ رکھنا، یہ بھی حرام ہے، بودی رکھنا بھی حرام ہے۔ یا تو آسترہ پھرائیں، ٹنڈ کرائیں یا پٹے رکھیں۔ اس کے سوا شریعت میں کوئی صورت نہیں ہے۔

فرمایا ﴿وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ اور جس نے بنایا شیطان کو دوست اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿فَقَدْ خَسِرَ خُسْرًا نَاقِصًا﴾ پس تحقیق اس نے نقصان اٹھایا کھلا نقصان اٹھانا ﴿يَعِدُّهُمْ﴾ شیطان ان کے ساتھ وعدہ کرتا ہے ﴿وَيُعِدُّهُمْ﴾ اور ان کو آرزو میں دلاتا ہے ﴿وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا﴾ اور نہیں وعدہ کرتا شیطان ان کے ساتھ مگر دھوکے کا ﴿أُولَٰئِكَ مَا لَهُمْ جَهَنَّمَ﴾ یہی لوگ ہیں ان کا ٹھکانا دوزخ ہے ﴿وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا﴾ اور نہیں پائیں گے وہ دوزخ سے چھٹکارے کی کوئی جگہ۔ اللہ تعالیٰ دوزخ سے بچائے اور محفوظ فرمائے۔ [آمین]



﴿وَالَّذِينَ﴾ اور وہ لوگ ﴿آمَنُوا﴾ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا﴾ اور انھوں نے عمل کیے ﴿الصَّالِحَاتِ﴾ اچھے ﴿سُنَدًا﴾ عنقریب ہم ان کو داخل کریں گے ﴿جَنَّاتٍ﴾ جنت کے ایسے باغوں میں ﴿تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ بہتی ہوں گی ان کے نیچے نہریں ﴿خَالِدِينَ فِيهَا﴾ رہا کریں گے ان باغوں میں ﴿أَبَدًا﴾ ہمیشہ ہمیشہ ﴿وَعَدَّ اللَّهُ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ﴿حَقًّا﴾ سچا ہے ﴿وَمَنْ أَصْدَقُ﴾ اور کون زیادہ سچا ہے ﴿مِنَ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ سے ﴿قِيلًا﴾ بات کرنے میں ﴿كَيْفَ يَأْمُرُكُمْ﴾ نہیں ہیں معاملات تمہاری خواہشات کے مطابق ﴿وَلَا آمَانٍ﴾ اور نہ اہل کتاب کی خواہشات کے مطابق ﴿مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا﴾ جو شخص بُرا عمل کرے گا

﴿يُجْزِيهِ﴾ اس کو بدلہ دیا جائے گا ﴿وَلَا يَجِدُ لَهُ﴾ اور نہیں پائے گا وہ اپنے لیے ﴿مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿وَلِيًّا﴾ کوئی حمایت کرنے والا ﴿وَلَا نَصِيرًا﴾ اور نہ کوئی مدد کرنے والا ﴿وَمَنْ يَعْمَلْ﴾ اور جو شخص عمل کرے گا ﴿مِنَ الصَّالِحَاتِ﴾ نیک اعمال میں سے ﴿مِنْ ذَكَرٍ﴾ وہ مرد ہو ﴿أَوْ اُنْثَى﴾ یا وہ عورت ہو ﴿وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ بشرطیکہ وہ مومن ہو ﴿فَأُولَٰئِكَ﴾ پس یہی لوگ ﴿يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ﴾ داخل ہوں گے جنت میں ﴿وَلَا يُظْلَمُونَ﴾ اور نہیں ظلم کیا جائے گا ان پر ﴿نَقِيرًا﴾ تل برابر بھی ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ﴾ اور کون شخص زیادہ اچھا ہے ﴿دِينًا قَاتِلِينَ﴾ دین کے اعتبار سے اس شخص سے ﴿أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ﴾ جس نے جھکا دیا اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ﴿وَهُوَ مُخْلِصٌ﴾ اور وہ نیکی کے کام کرنے والا ہے ﴿وَأَتَيْنَا مَلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا﴾ اور اس نے پیروی کی ابراہیم علیہ السلام کی اور ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی جو ایک طرف ہو کر رہنے والے تھے ﴿وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا﴾ اور بنا لیا اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا دوست ﴿وَاللَّهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے ﴿مَا فِي السَّمٰوٰتِ﴾ جو کچھ ہے آسمانوں میں ﴿وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ اور جو کچھ ہے زمین میں ﴿وَكَانَ اللَّهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا﴾ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا۔

کل کے سبق میں شیطان کے پیروکاروں کا اور ان کے انجام کا ذکر تھا جو جانوروں کو غیر اللہ کے نام پر نامزد کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی خلقت کو بدلتے ہیں، شیطان کے وعدوں پر یقین کر کے دھوکے میں آنے والے ہیں کہ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور دوزخ سے ان کو کبھی چھٹکارا نصیب نہیں ہوگا۔ اب ان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں ذکر ہے، ان کی خوبیوں کا بیان ہے اور ان کے نتیجے کا ذکر ہے۔ کیونکہ کسی شے کی حقیقت تقابل کی صورت میں صحیح سمجھ آتی ہے۔ مثلاً: رات کی حقیقت دن سے سمجھ آتی ہے، سیاہی سفیدی سے سمجھ آتی ہے، حق سمجھ نہیں آسکتا جب تک مقابلے میں باطل نہ ہو۔ مومنوں کی خوبیاں اور ان کا نتیجہ سمجھ نہیں آسکتا جب تک مقابلے میں کافروں کی بدکاری اور اس کے نتیجے کا ذکر نہ ہو۔ اس لیے کافروں کی بدکاری اور اس کے نتیجے کا ذکر کرنے کے بعد اب مومنوں کی خوبیوں اور ان کے نتیجے کا ذکر ہے۔

ایمان کے ساتھ اچھے اعمال بھی ضروری ہیں

فرمایا ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے۔ سب سے بڑی عبادت بلکہ تمام عبادتوں کی جڑ ایمان ہے۔ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَرُكِبِهِ وَكُتِبَ عَلَيْهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرٌ وَشَرٌّ مِنْ اللّٰهِ تَعَالٰی وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ. ایمان لایا میں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر اور اچھائی اور برائی کی تقدیر پر سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر۔“

صرف ایمان نہیں بلکہ ﴿وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ اور انھوں نے عمل کیے اچھے۔ کیونکہ اصل مقصد تو اعمال ہیں، ایمان تو بنیاد ہے۔ اعمال پھل ہیں، پتے ہیں۔ اعمال کے بغیر کچھ نہیں۔ جس طرح درخت کی پہچان پتوں سے ہوتی ہے اور پھل سے ہوتی ہے۔ موسم خزاں میں جب پتے جھڑ جاتے ہیں تو بعض اوقات ان کی شناخت بھی نہیں ہو سکتی کہ یہ کون سا درخت ہے؟ اور یہ کون سا درخت ہے؟ پھر جب موسم بہار آتا ہے اور درختوں پر پتے لگتے ہیں تو پھر لوگ جانتے اور سمجھتے ہیں کہ یہ فلاں درخت ہے اور وہ فلاں درخت ہے۔ اس کے بعد جب پھل لگتا ہے تو اصل مقصد پورا ہوتا ہے۔ کیونکہ اصل مقصد تو پھل ہے، خالی تنے کا کیا کرنا ہے؟ اس لیے ایمان جزا اور بنیاد ہے لیکن جب تک اس کے ساتھ پتے اور پھل نہیں لگے، مقصد پورا نہیں ہوگا۔ لہذا ایمان کے ساتھ اچھے اعمال بھی ضروری ہیں۔

وہ اعمال زبانی بھی ہیں، بدنی بھی ہیں، مالی بھی ہیں۔ یعنی بعض کا تعلق زبان کے ساتھ ہے، بعض کا تعلق بدن کے ساتھ ہے، بعض کا تعلق مال کے ساتھ ہے اور ہر نماز میں ہم اقرار کرتے ہیں اَلْعِبَادَاتُ لِلّٰہِ وَ الصَّلٰوٰتُ وَ الطَّیِّبٰتُ ”تمام زبانی عبادتیں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، بدنی عبادتیں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور مالی عبادتیں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔“ بدن، مال، زبان سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں خرچ کرنا چاہیے۔

تو جو ایمان لائے اور عمل اچھے کرتے ہیں ﴿سَنُدْخِلْهُمْ جَنَّاتٍ﴾ عنقریب ہم ان کو داخل کریں گے ایسے باغوں میں ﴿تَجْرُونَ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ بہتی ہوں گی ان کے نیچے نہریں۔ بس آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے جب قبر میں پہنچے گا تو جنت بھی سامنے، دوزخ بھی سامنے، نہ جنت دور ہے، نہ دوزخ دور ہے ﴿خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا﴾ رہا کریں گے ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ اور اس ہمیشہ کی زندگی کا آج ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ﴿وَعِنْدَ اللّٰہِ حَقٌّ﴾ اللہ کا وعدہ سچا ہے ﴿وَمَنْ أَضْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِيْلًا﴾ اور کون زیادہ سچا ہے اللہ تعالیٰ سے بات کرنے میں۔ ﴿قِيْلًا﴾ مصدر ہے قَالَ يَقُولُ کا۔ اس کا مصدر قَوْل بھی آتا ہے، قِيْل بھی آتا ہے اور مقالہ بھی آتا ہے۔ رب تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ ایمان بھی ہو اور عمل صالح بھی ہوں۔

زبانی دعوؤں سے جنت نہیں ملتی ﴿﴾

یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ ﴿لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا اَوْ نَصْرًا﴾ [البقرہ: ۱۱۱] یہودی کہتے تھے کہ جنت صرف ہماری ہے اور عیسائی کہتے تھے جنت صرف ہماری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے مومنو! ﴿لَيْسَ بِاٰمَانِيْكُمْ وَلَا اٰمَانِيْ اٰهْلِ الْكِتٰبِ﴾ نہیں ہے معاملہ تمہاری خواہشات کے مطابق اور نہ اہل کتاب کی خواہشات کے مطابق۔ آخرت کا دار و مدار نہ تمہاری خواہشات پر ہے نہ تم کہو کہ ہم جنتی ہیں اور نہ اہل کتاب کی خواہشات پر ہے کہ وہ کہیں کہ ہم جنتی ہیں۔ زبانی دعوؤں اور خواہشات سے جنت نہیں ملتی۔ رب تعالیٰ کا دستور ہے ﴿مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا اَوْ اِيْجْرِبْهُ﴾ جو شخص برا عمل کرے گا اس کو بدلہ دیا جائے گا۔ یہ

آیت کریمہ جب نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے پریشان ہوئے کہ اس طرح تو کوئی بھی نہیں بچے گا۔ کیونکہ ہر آدمی سے کوئی نہ کوئی غلطی تو ہو ہی جاتی ہے لہذا اگر ہر برائی پر سزا ملے تو بندے کی خیر نہیں ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جو أعلمُ ہذہ الأُمَّۃ ہیں، اس امت میں سب سے بڑے عالم ہیں، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا حضرت! ہم میں سے کوئی آدمی ایسا نہیں جس سے کوئی صغیرہ کبیرہ گناہ نہ ہو؟ کیونکہ صغیرہ کبیرہ سے معصوم تو صرف اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزِبْهُ﴾ جس نے کوئی بھی برا کام کیا تو لایا نفعاً، اس کو بدلہ دیا جائے گا تو حضرت! پھر ہماری تو خیر نہیں ہے۔ انہوں نے ﴿يُجْزِبْهُ﴾ کا مفہوم یہ سمجھا کہ قبر میں عذاب ہوگا، دوزخ میں جانا پڑے گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رب تعالیٰ کا فرمان حق ہے مگر بدلے اور جزا کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دوزخ میں جائے بلکہ بہت سارے گناہوں کا کفارہ دنیا میں ہو جاتا ہے۔ مثلاً: کسی آدمی سے برائی سرزد ہوگئی، اس کے بعد اس کو کوئی تکلیف ہوگئی، سر درد ہوگیا، پیٹ میں درد ہوگیا، گھٹنوں میں درد ہوگیا، یہ اس برائی کا کفارہ ہوگیا، بدلہ مل گیا۔ بہت سارے گناہ ایسے ہیں جو تکلیفوں کے ذریعہ معاف ہو جاتے ہیں۔

یاد رکھنا! یہ مصیبتیں، تکلیفیں، بیماریاں ہمارے گناہوں کا کفارہ ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کسی کو کاٹنا چھوڑنا تو یہ بھی گناہ کا کفارہ ہے۔ اگر کسی کو چیونٹی نے کاٹا تو یہ بھی گناہ کا کفارہ ہے۔ حالانکہ اس کے کاٹنے سے کتنی تکلیف ہوتی ہے، مگر وہ بھی مومن کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ اسی طرح جیب سے رقم گر جائے تو انسان کو صدمہ ہوتا ہے، اس صدمے کے بدلے بھی اللہ تعالیٰ گناہ معاف کر دیتے ہیں۔ غرض یہ کہ انسان کو سر سے لے کر پاؤں تک جو بھی تکلیف پہنچتی ہے وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے۔ بعض بزرگ ایسے بھی گزرے ہیں کہ جب ان کی تکلیف رفع ہو جاتی تھی تو وہ روتے تھے کہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض ہو گیا ہے کہ اس نے تکلیف دور کر دی ہے جو کہ ہمارے گناہوں کا کفارہ تھی۔

﴿وَلَا يَجِدُ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ اور نہیں پائے گا وہ اپنے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿وَلِيًّا﴾ کوئی حمایت کرنے والا ﴿وَلَا نَصِيْرًا﴾ اور نہ کوئی مددگار۔ کوئی زبانی کلامی کہے کہ میں تیرے ساتھ ہوں، اس کو حمایت کہتے ہیں اور جو عملی طور پر میدان میں آ کر مدد کرے اس کو نصیر کہتے ہیں۔ تو جو مجرم ہوگا اس کا نہ کوئی حمایتی ہوگا اور نہ کوئی عملی طور پر اس کو دوزخ سے بچا سکے گا ﴿إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ﴾ [پارہ: ۳۰، سورہ بروج] ”تیرے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔“ جب کسی کو پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے لَيْمَنْ لِيَ الظَّالِمِ ”اللہ تعالیٰ ظالم کی رسی ڈھیلی چھوڑ دیتا ہے کہ تو جو کرنا چاہتا ہے کر لے حتیٰ إِذَا أَخَذَهُ لَهُ يَفْلِتُهُ يَٰهَا تَمَكُّ“ جب اس کو پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں ہے۔“

فرمایا ﴿وَمَنْ يَتَمَلَّ مِنَ الضَّالِحَاتِ﴾ اور جو شخص عمل کرے گا اچھے ﴿مَنْ ذَكَرَ إِذْ أُنزِلَتْ﴾ وہ مرد ہو یا عورت ہو۔ مردوں کی طرح عورتیں بھی مکلف مخلوق ہیں اور آدمی امت ہیں۔ ایمان جس طرح مردوں کے لیے ہے، اسی طرح عورتوں کے لیے بھی ہے۔ نیکی جس طرح مردوں کے لیے ہے، اسی طرح عورتوں کے لیے بھی ہے مگر شرط یہ ہے کہ وہ مومن ہوں۔ کیونکہ ایمان کے

بغیر کسی نیکی کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ لہذا سب سے پہلے عقیدے کی اصلاح ہونی چاہیے، عقیدہ صحیح ہو تو تھوڑا سا عمل بھی وزنی ہو جائے گا اور اگر عقیدہ صحیح نہیں ہے بے شک ساری رات کوئی جاگتا رہے، عبادت میں مشغول رہے، بے کار اور بے فائدہ ہے۔ عقیدے کی اصلاح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے، نہ ذات میں، نہ صفات میں، کوئی دکھ، تکلیف آئے تو سمجھے کہ رب تعالیٰ کی طرف سے ہے اور میرے گناہوں کا کفارہ ہے یا یہ سمجھے کہ میرے کسی گناہ کا وبال ہے۔ یہ نہ سمجھے کہ فلاں عورت آئی تھی اور مجھے تکلیف ہو گئی ہے، فلاں آدمی آیا تھا اس لیے مجھے تکلیف ہو گئی ہے۔ یہ شریک باتیں ہیں، اللہ تعالیٰ شرک سے محفوظ رکھے۔

نقیر اور فیتل کی وضاحت

تو مرد اور عورت اچھے عمل کریں گے۔ مرد ہو یا عورت ﴿وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ اور ہو مومن ﴿فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ﴾ پس یہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے ﴿وَلَا يُظْلَمُونَ نَبِذًا﴾ اور نہیں ظلم کیا جائے گا ان پر تل برابر بھی۔ کھجور کی گٹھلی کے اوپر ایک نقطہ ہوتا ہے اس کو نقیر کہتے ہیں اور کھجور کی گٹھلی میں جو دراز (شکاف) ہوتی ہے، اس کے اندر ایک دھاگا ہوتا ہے، اس کو فیتل کہتے ہیں۔ عربی حضرات جب کسی چیز کی قلت کو بیان کرتے تھے تو کبھی نقیر کے ساتھ تشبیہ دیتے تھے اور کبھی فیتل کے ساتھ۔ جس طرح ہم کہتے ہیں کہ فلاں کے پاس کوڑی بھی نہیں ہے۔ تو معنی کرتے ہیں تل برابر یعنی عمل کے مطابق سزا دی جائے گی، کسی پر تل برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

عورتوں نے آنحضرت ﷺ کے سامنے ایک مسئلہ پیش کیا۔ کہنے لگیں حضرت! اجر و ثواب تو سارا مرد لے گئے، ہمارے لیے کیا بچا ہے؟ کیونکہ نیکی کے جتنے اہم کام ہیں وہ تو سارے مرد کرتے ہیں۔ مثلاً: امام مرد بنتے ہیں، اذان مرد نے دینی ہے، جس کے ایک ایک حرف کے بدلے دس نیکیاں الگ ہیں اور آواز بلند کرنے کی نوے نیکیاں ہیں اور تکبیر کے ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں الگ ہیں اور آواز بلند کرنے کی ساٹھ نیکیاں ہیں۔ اسی لیے حدیث میں آیا ہے: مَنْ أَدَّخَنَ فَهُوَ يُقَيِّمُهُ جو شخص اذان دے، تکبیر وہی کہے۔ یہ اس کا حق ہے۔ جب تک اذان دینے والا کسی کو اجازت نہ دے دوسرا شخص تکبیر نہیں کہہ سکتا۔ اور جہاد بھی مردوں نے کرنا ہے، اس کا بھی بڑا درجہ ہے۔ قاضی اور جج بھی مرد بنتے ہیں اور جو قاضی اور جج حق کے فیصلے کرے اس کا بھی بڑا درجہ ہے۔ تو امام، مجاہد، قاضی، جج مرد بن گئے، عورتوں کے لیے کیا بچا ہے؟ جھاڑو پھیرنا، کپڑے دھونا، بچوں کا پیشاب صاف کرنا، ناک صاف کرنی رہ گیا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں نے تو سارا اجر و ثواب میں حاصل کر لیا ہے بغیر کچھ کرنے کے۔ وہ اس طرح کہ جس عورت کا خاوند امام ہے، جتنا اجر اس کو ملے گا اس کی بیوی کو بھی اتنا اجر ملے گا اور جس کا خاوند مؤذن ہے، جتنا اجر اس کو ملے گا اس کی بیوی کو بھی اتنا اجر ملے گا، جتنا اجر مجاہد کو ملے گا، اس کی بیوی کو بھی اتنا اجر ملے گا۔ کیونکہ عورت اپنے خاوند کی معاون ہے، اس

کے گھر کا خیال رکھتی ہے، اس کے بچوں کی حفاظت کرتی ہے، روٹی پکا کر دیتی ہے، کپڑے دھو کر دیتی ہے، تو اپنے خاوند کے کاموں میں عورت کا دخل ہے۔ خدمت کی وجہ سے رب تعالیٰ اس کو برابر کا ثواب عطا فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی کی نیکی کو ضائع نہیں کرتے۔ لہذا عورتوں کو چاہیے کہ گھر کے کام ثواب سمجھ کر کریں اور ثواب کے علاوہ اس میں بدن کی صحت بھی ہے، بدن جتنا حرکت کرے گا مضبوط ہوگا، ہاتھ پاؤں حرکت کریں گے قوی ہوں گے، اس میں قوتِ مدافعت پیدا ہوگی اور بیماری سے بچیں گے۔ پہلے زمانے کی عورتیں آج کل کی نوجوان بچیوں سے زیادہ طاقت ور تھیں۔ آج کل تو سارا کام مشینیں کر رہی ہیں۔

﴿وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا﴾ اور کون شخص زیادہ اچھا ہے دین کے اعتبار سے ﴿وَمَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ﴾ جس نے جھکا دیا اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کے سامنے۔ کبھی قیام میں ہے، کبھی رکوع میں ہے، کبھی سجدے میں ہے اور رب تعالیٰ کے حکموں کی تعمیل کرتا ہے اور ان پر عمل کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے، اس سے بہتر دین کس کا ہو سکتا ہے؟ ﴿وَهُوَ مُخِينٌ﴾ اور وہ نیکی کے کام کرنے والا ہے۔ اسلام لانے کے بعد ایک آدھ مرتبہ ہی سر نہیں جھکا تا بلکہ دن رات نیکی میں لگا رہتا ہے، زبان سے نیکی، فعل سے نیکی، اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے اس کو اچھے راستوں پر خرچ کرتا ہے ﴿وَأَتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا﴾ اور اس نے پیروی کی ابراہیم علیہ السلام کی جو ایک طرف ہو کر رہنے والے تھے، موحد تھے، مشرک نہیں تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو دین ہے، یہ ملتِ حنیفی ہے، شرک اس میں نہیں ہے، بدعت اس میں نہیں ہے، رسم و رواج اس میں نہیں ہے، بالکل سیدھا راستہ ہے۔

﴿وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا﴾ اور بنا لیا اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا دوست۔ تمام کائنات میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے پہلا درجہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، دوسرا درجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے، تیسرا درجہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام، بہت بڑی شخصیت ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے جتنے پیارے ہیں ان کے پاس خدائی اختیارات نہیں ہوتے اور نہ ان کا اللہ تعالیٰ کی ملک میں کوئی حصہ ہے۔ سن لو ﴿وَيَذَرُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ آسمان اور زمین اسی نے پیدا فرمائے اور ان میں تصرف بھی اسی کا ہے، کسی دوسرے کا نہ آسمانوں میں تصرف ہے، نہ زمین میں تصرف ہے ﴿وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا۔ علم کے اعتبار سے اور قدرت کے اعتبار سے، اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ قادرِ مطلق بھی وہی ہے، مختارِ کل بھی وہی ہے، علیم بذات الصدور بھی وہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے جو پیارے بندے ہیں وہ مخلوق ہیں، خالق نہیں ہیں اور نہ خالق کے اوصاف ان میں ہیں۔



﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ﴾ اور لوگ آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں ﴿فِي النِّسَاءِ﴾ عورتوں کے حقوق کے متعلق ﴿قُل﴾ آپ کہہ دیں ﴿اللَّهُ يُفْتِيكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ تمہیں فتویٰ دیتا ہے ﴿فِيهِنَّ﴾ عورتوں کے متعلق ﴿وَمَا يُثَلِّ عَلَيْكُمْ﴾ اور وہ جو تلاوت کی جاتی ہے تم پر ﴿فِي الْكِتَابِ﴾ کتاب میں ﴿فِي يَسْتَفْتِي النِّسَاءَ﴾ یتیم عورتوں کے بارے میں

﴿الَّذِي﴾ وہ عورتیں ﴿لَا يُؤْتُونَ هُنَّ﴾ کہ نہیں دیتے تم ان عورتوں کو ﴿مَا كَتَبَ لَكُنَّ﴾ جو ان کے لیے فرض کیا گیا ہے ﴿وَتَوَعَّبُونَ﴾ اور تم شوق رکھتے ہو ﴿أَنْ تَتَّكِبُوا هُنَّ﴾ کہ تم ان سے نکاح کرو ﴿وَالْمُسْتَضْعِفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ﴾ اور اسی طرح تمہیں حکم دیتا ہے کمزور بچوں کے بارے میں ﴿وَأَنْ تَقُولُوا﴾ اور یہ کہ تم قائم رہو ﴿بِالْيَمِينِ﴾ تیسوں کے حق میں ﴿بِالْقِسْطِ﴾ انصاف کے ساتھ ﴿وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ﴾ اور جو کچھ بھی تم بھلائی کرو گے ﴿فَإِنَّ اللَّهَ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿بِهِ عَلِيمًا﴾ اس کو جاننے والا ﴿وَإِنْ أَمْرًا﴾ اور اگر کوئی عورت ﴿خَافَتْ﴾ خوف کھائے ﴿مِنْ بَعْلِهَا﴾ اپنے خاوند سے ﴿نَشْوَئًا﴾ بددماغی کا ﴿أَوْ إِعْرَاضًا﴾ یا اعراض کرنے کا ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا﴾ پس کوئی حرج نہیں ہے ان دونوں پر ﴿أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا﴾ یہ کہ صلح کر لیں آپس میں صلح کرنا ﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ اور صلح ہی بہتر ہے ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ الْإِنْفُسَ﴾ اور حاضر کیا گیا جانوں کو ﴿الْفَخَّ﴾ بخل پر ﴿وَإِنْ تُحْسِنُوا﴾ اور اگر تم نیکی کرو گے ﴿وَتَتَّقُوا﴾ اور ڈرتے رہو گے ﴿فَإِنَّ اللَّهَ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ جو عمل تم کرتے ہو ﴿خَبِيرًا﴾ ان سے خبردار ﴿وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا﴾ اور ہرگز تم طاقت نہیں رکھ سکو گے ﴿أَنْ تَعْدِلُوا﴾ کہ تم عدل کر سکو ﴿بَيْنَ النِّسَاءِ﴾ عورتوں کے درمیان ﴿وَلَوْ حَرَصْتُمْ﴾ اگرچہ تم حرص کرو ﴿فَلَا تَيَسَّلُوا﴾ پس نہ جھکو تم ﴿كُلَّ الْبَيْتِ﴾ پوری طرح جھکنا ﴿فَتَدْرُوهَا﴾ تاکہ چھوڑو تم اس عورت کو ﴿كَالْمُعَلَّقَةِ﴾ جیسے لٹکی ہوئی ﴿وَإِنْ نُصَلِحُوا﴾ اور اگر تم اصلاح کرو گے ﴿وَتَتَّقُوا﴾ اور ڈرتے رہو گے ﴿فَإِنَّ اللَّهَ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿بِعَفْوِئِهِ﴾ بخشنے والا ﴿رَحِيمًا﴾ مہربان ﴿وَإِنْ يَتَفَرَّقَا﴾ اور اگر خاوند بیوی جدا جدا ہو جائیں ﴿يُغْنِ اللَّهُ﴾ غنی کرے گا اللہ تعالیٰ ﴿كُلًّا﴾ ہر ایک کو ﴿مِنْ سَعْيِهِ﴾ اپنی وسعت سے ﴿وَكَانَ اللَّهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿وَاسِعًا﴾ وسعت رکھنے والا ﴿حَكِيمًا﴾ حکمت والا۔

انسانی حقوق کی رٹ

دنیا انسانی حقوق کی رٹ لگاتی ہے صرف اپنے مفاد تک، جہاں اپنا مفاد ختم ہو جائے وہاں گونگے ہو جاتے ہیں۔ امریکہ کا کہیں ایک آدمی قتل ہو جائے تو طوفان کھڑا ہو جاتا ہے اور کشمیر، فلسطین، فلپائن، عراق، اری ٹیریا اور دوسری جگہوں پر ہزاروں مسلمان قتل ہو جائیں تو وہ ان کا نام تک نہیں لیتا۔ یہ انسانی حقوق کا علمبردار ہے۔ انہوں نے انسانی حقوق کی رٹ صرف اپنے مفاد کے لیے لگائی ہوئی ہے۔ رتہ دھوہو کوٹ لدھا میں ایک عیسائی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے دروازے پر اور

دوسری دیواروں پر آنحضرت ﷺ کے متعلق تو ہین آمیز الفاظ لکھے۔ ان کے خلاف مقدمہ درج ہو اور اخبارات میں بھی آتا رہا، ماسٹر عنایت اللہ وغیرہ ابھی تک زیر عتاب ہیں۔ تو ان عیسائیوں کے لیے امر کی سفیر گوجرانوالا آیا۔ اندازہ لگاؤ کہ ان کا معمولی سا آدمی پکڑا جائے تو سفیر پہنچتے ہیں اور مسلمان ہزاروں کی تعداد میں ذبح ہو جائیں ان کو کوئی پروا نہیں ہے۔ یاد رکھنا! حقوق العباد کے متعلق جو ہدایات اسلام نے دی ہیں وہ عین عدل و انصاف کے مطابق ہیں اور دنیا کے کسی قانون میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ لیکن افسوس ہے کہ عملی طور پر ان کا نفاذ بہت کم ملکوں میں ہے۔ اس لیے نہ تو اقلیت کے حقوق کسی کو سمجھ آتے ہیں نہ یتیموں کے، نہ عورتوں کے، نہ یتیموں کے، نہ یتیموں کے، نہ بیگانوں کے۔ اسلام نے جو حقوق بیان فرمائے ہیں اگر وہ نافذ ہو جائیں اور لوگ ان پر عمل کریں تو دنیا امن کا گہوارہ بن جائے۔ غیر مسلموں نے انسانی حقوق کی رٹ صرف اپنے مفاد کے لیے لگائی ہوئی ہے اور کہتے ہیں کہ عورتوں کو مردوں کے شانہ بشانہ چلنا چاہیے۔ بھئی! چھنٹ کا آدمی ہے اور چارنٹ کی عورت ہے، شانہ بہ شانہ کس طرح چلیں گے؟ دیوانوں کی بڑ ہے۔ اصل یہ ہے کہ اسلام نے جو حقوق بیان فرمائے ہیں ان پر عمل کر دو ساری پریشانیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حقوق بیان فرمائے ہیں۔

عورتوں کے حقوق

﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ﴾ اور لوگ آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں عورتوں کے حقوق کے متعلق۔ فتویٰ کا معنی حکم اور فیصلہ ہے اور ﴿يَسْتَفْتُونَكَ﴾ استفعال کا باب ہے، اس کی خاصیت ہے طلب ماخذ۔ یعنی ماخذ کو طلب کرنا۔ تو معنی ہوگا آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں عورتوں کے بارے میں، عورتوں کے حقوق کے بارے میں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں میں تو کچھ نہیں کہہ سکتا ﴿اللَّهُ يُفَتِّنُكُمْ فِيهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ تمہیں فتویٰ اور حکم سناتے ہیں۔ میں تو رب تعالیٰ کا مبلغ ہوں ﴿وَمَا يَنْتَلِ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ﴾ اور وہ جو تلاوت کی جاتی ہے تم پر کتاب میں ﴿فِي نِسَاءِ النَّبِيِّ لَأَنْتُمْ تَنْهَوْنَ﴾ یتیم عورتوں کے بارے میں وہ یتیم عورتیں کہ نہیں دیتے تم ان کو ﴿مَا كُتِبَ لَكُنَّ﴾ جو ان کے متعلق فرض کیا گیا ہے، جو ان کے حقوق لکھے گئے ہیں ﴿وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ﴾ اور یہ کہ تم شوق رکھتے ہو کہ تم ان سے نکاح کرو۔

ہوتا اس طرح تھا کہ مثلاً: کسی شخص کا چچا یا تایا فوت ہو جاتا اور اس کی لڑکی ہوتی خوبصورت اور یہ اس کا سر پرست ہوتا۔ کیونکہ مسئلہ یہ ہے کہ اصلی سر پرست تو باپ ہے۔ اگر باپ نہ ہو تو دادا اور اگر دادا نہ ہو تو چچا تایا، اگر چچا تایا نہ ہو تو ان کے بیٹے اور یہ عصبات کہلاتے ہیں اور ماں کی طرف سے جو رشتہ دار ہیں ان کا درجہ بہت بعد میں ہے۔ تو یہ سر پرست ہوتا اور بچی خوبصورت ہوتی تو اس کو اور کسی جگہ نکاح نہیں کرنے دیتا تھا بلکہ خود اس کے ساتھ نکاح کر لیتا اور اس کو جتنا حق مہر ملنا ہوتا تھا نہیں دیتا تھا کہ ہم خود ہی تو ہیں، ہمیں کس نے پوچھنا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس طرح نہ کرو بلکہ انصاف سے کام لو، ان کا جو حق بنتا ہے وہ ان کو دو۔

اور بخاری شریف میں اس کی تشریح موجود ہے کہ اگر تم نے ان کے ساتھ نکاح کرنا ہے تو ان کو ان کا مہر دو جتنا دوسرے لوگ دیتے ہیں اور ان کے حقوق میں کمی نہ کرو اور بعض اوقات ایسا ہوتا تھا کہ چچے تائے کی لڑکی خوب صورت تو نہیں ہوتی تھی مگر مال دار اور صاحب جائیداد ہوتی۔ اس صورت میں خود بھی اس کے ساتھ نکاح نہیں کرتے تھے اور دوسری جگہ بھی نکاح نہیں کر کے دیتے تھے کہ مال جائیداد، زمین، مال مویشی، روپیہ ساتھ لے جائے گی۔ اس طرح وہ بے چاری بوڑھی ہو کر مر جاتی اور یہ اس کی جائیداد پر قبضہ کر لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان کے ساتھ ظلم و زیادتی نہ کرو بلکہ ان کے حقوق ادا کرو۔

مرد اور عورت کے حصے پر محمدین کا اعتراض

بعض طہر قسم کے لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ بیٹے کا ذہل اور بیٹی کا حصہ سنگل۔ جب کہ بیٹی بھی اسی باپ کی ہے جس کا بیٹا ہے، ماں بھی دونوں کی ایک ہے تو یہ کیا انصاف ہوا کہ بیٹے کو دو ہرا اور بیٹی کو اکہرا حصہ ملے۔ جیسا کہ تم نے چوتھے پارہ میں پڑھا ہے ﴿وَاللَّذِکْرُ وَفِیْ حَظِّ الْاُنثٰیٰنِ﴾ مرد کے لیے ہے دو عورتوں کے حصے کے برابر اور سطحی قسم کے لوگ جن کو دین کی گہرائی حاصل نہیں ہے وہ واقعتاً شیعہ میں پڑ جاتے ہیں کہ بات تو صاف ہے۔ مگر وہ نادان ہیں اور اللہ تعالیٰ حکیم اور خیر ہے اس نے لڑکی کا سارا خرچہ خاوند کے ذمہ لگایا ہے۔ نکاح ہو جانے کے بعد اس کا نان و نفقہ، سکنتی، دکھ، تکلیف سب خاوند کے ذمہ ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ والدین کمزور ہوں اور خاوند مال دار ہو تو مزے کرے گی، بخلاف لڑکے کے کہ اس کا خرچہ نہ تو سسرال پر ڈالا ہے اور نہ بیوی کے ذمہ لگایا ہے بلکہ وہ سارا خرچہ خود برداشت کرتا ہے۔ ان کا اعتراض اس وقت بجا تھا کہ جب بیوی کا خرچہ خاوند کے ذمہ نہ لگایا جاتا اور اس نے باپ کی جائیداد ہی پر زندگی بسر کرنی ہوتی۔

لہذا شریعت نے جو حکم دیا ہے اس میں کوئی نا انصافی نہیں ہے۔ پھر عورت کی اپنی جائیداد بھی ہو سکتی ہے، اس کا اپنا وجود ہے، وہ اپنے مال کے حقوق خود ادا کرے گی، قربانی دے گی، زکوٰۃ نکالے گی، فطرانہ خود ادا کرے گی اور اگر مال دار، صاحب استطاعت ہے تو حج بھی کرے گی بشرطیکہ اس کے ساتھ محرم ہو اور اگر محرم نہیں ہے جو ساتھ جائے تو چاہے جتنی مال دار کیوں نہ ہو اس پر حج فرض نہیں ہے کیونکہ شرط نہیں پائی گئی۔ یقین جانو! عورت کو جتنے حقوق اسلام نے دیے ہیں اتنے اور کسی قانون اور ازم نے نہیں دیے، صرف زبان سے رٹ لگاتے ہیں جو فضول رٹ ہے۔

مرد و عورت کا اختلاط

ہاں! یہ بات اسلام ضرور کرتا ہے کہ مردوں اور عورتوں کا اختلاط نہ ہو۔ افغانستان میں مرد عورتیں اکٹھے ایک یونیورسٹی میں پڑھتے تھے، طالبان نے عورتوں کی تعلیم الگ کر دی ہے اور مردوں کی الگ کر دی ہے۔ اس پر اہل یورپ نے بڑا شور مچایا کہ دیکھو! عورتوں کی تعلیم پر پابندی لگا دی ہے۔ بھئی! عورتوں کی تعلیم الگ کرنے سے تعلیم پر کیسے پابندی لگ گئی ہے؟ کیا تعلیم صرف اختلاط کا نام ہے؟ اسی طرح دفنوں میں عورتیں مردوں کے ساتھ بیٹھتی تھیں انہوں نے عورتوں کو مخلوط دفنوں سے الگ کر دیا

اور اعلان کیا کہ عورتیں تعلیم حاصل کر سکتی ہیں، ڈاکٹر بن سکتی ہیں، معلم بن سکتی ہیں، مگر مردوں کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتیں۔ شریعت نے جو احکام دیے ہیں ان کے مطابق چلیں مگر یورپ ان کو بلاوجہ بدنام کر رہا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ رب تعالیٰ نے توفیق دی تو طالبان حکومت کرنے میں سب سے زیادہ کامیاب رہیں گے۔ اگرچہ ان کو مالی پریشانیاں بہت ہیں کہ سڑکیں ٹوٹی ہوئی ہیں، کارخانے بند پڑے ہیں، اگر ان کی یہ مالی پریشانیاں ختم ہو جائیں تو ان کی حکومت بہت کامیاب رہے گی اور کامیابی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ باقی ملکوں کے حقہ نوش اور سگریٹ نوش لوگ اکٹھے ہوتے ہیں اور اپنے مفادات کو سامنے رکھ کر قانون سازی کرتے ہیں کہ ان کی زمینیں بچ جائیں، کارخانے بچ جائیں، عیاں راجہ بیاں؟ یہ حقیقت سب پر واضح ہے۔

اور طالبان کو قانون بنانے کی ضرورت نہیں ہے، ہدایہ فقہ حنفی کی مستند کتاب ہے جو پانچویں صدی میں لکھی گئی ہے اور صدیوں سے علماء اس کو پڑھتے پڑھاتے چلے آ رہے ہیں اس میں شریعت کے تمام احکام مذکور ہیں۔ جو مسئلہ درپیش آئے ہدایہ اٹھاؤ، مسئلہ دیکھو اور اس پر عمل کرو۔ ان کو قانون بنانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ ہاں! اگر کوئی نیا مسئلہ درپیش ہو کہ فلاں حکومت کے ساتھ لڑنا ہے یا صلح کرنی ہے، یہ سڑک بنانی ہے اور کس طرح کی بنانی ہے، ان کے متعلق سوچ سکتے ہیں اور خود فیصلہ کر سکتے ہیں اور ہمارے حکمران تو قانون بناتے اور توڑتے رہتے ہیں۔ ایک پارٹی آئی انہوں نے اپنے مفاد کو سامنے رکھ کر قانون بنایا، جب دوسرے آئے انہوں نے اپنے خلاف دیکھا تو ڈر دیا۔ مثلاً: اب قانون بنایا ہے کہ ۱۹۹۰ء سے پہلے کے جو بددیانت لوگ ہیں ان کو پکڑا جائے اور ۱۹۹۰ء کے بعد والوں کو نہ پکڑا جائے۔ کیوں کہ اس کی زد میں وہ خود آتے ہیں۔

یتیم بچوں کے حقوق

﴿وَالْمَسْكِينُ مِنَ الْوَالِدَانِ﴾ اور اسی طرح تمہیں حکم دیتا ہے کمزور بچوں کے بارے میں جو یتیم ہیں، کمزور ہیں ﴿وَأَنْ تَقُولُوا لِلْيَتَامَىٰ بِالْقِسْطِ﴾ یہ کہ تم قائم رہو یتیموں کے حق میں انصاف کے ساتھ۔ جس طرح تم اپنے بچوں کی تربیت کرتے ہو اور نگرانی کرتے ہو۔ اسی طرح یتیموں کی نگرانی اور تربیت کرو، وہ چچے کے ہیں یا تائے کے ہیں، خالہ کے ہیں یا پھوپھی کے ہیں، اپنے بچوں کی طرح انصاف اور دیانت کے ساتھ ان کی نگرانی کرنی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یتیم درد کی ٹھوکریں کھاتے پھریں اور ماتتے پھریں۔ میں پوچھتا ہوں کہ بچوں کو یہ حقوق اسلام کے علاوہ کسی اور قانون نے دیے ہیں؟ یہ اسلام ہی ہے جس نے عورتوں کے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں اور بچوں کے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں۔

﴿وَمَا تَقْلَعُوا مِنَ الْخَيْرِ﴾ اور جو کچھ بھی تم کرو گے بھلائی ﴿قَالَ اللَّهُ كَانَ بِہِ عَلِيمًا﴾ پس بے شک ہے اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والا۔ تمہارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے جو عالم الغیب والشہادۃ ہے اور علیم بذات الصدور ہے۔ لہذا یہ ذہن نشین رکھو کہ تمہارا معاملہ اس ذات پاک کے ساتھ ہے جس کی نگاہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے اور وہ قادر مطلق ہے، سب کچھ کر سکتا ہے ﴿وَالَّذِينَ﴾

امْرَأَةٌ خَالَتْ مِنْ بَعْلِهَا ثَمًّا ﴿۱﴾ اگر کوئی عورت خوف کھائے اپنے خاوند سے بددماغی کا کہ بلا وجہ اس کو مارتا ہے۔ اگر کسی غلطی کی وجہ سے مارتا ہے تو وہ مسئلہ جدا ہے اور عموماً عورتوں کی عادت ہے کہ نہ اپنی غلطی بتاتی ہیں اور نہ مانتی ہیں۔ البتہ یہ ضرور کہیں گی کہ مجھے مار پڑی ہے مگر یہ نہیں بتائیں گی کہ کیوں پڑی ہے؟ اور کس وجہ سے پڑی ہے؟ خاوند کسی وجہ سے ہی مارتا ہے بشرطیکہ پاگل نہ ہو۔

اور اگر بلا وجہ مارتا ہے اور بددماغی سے کام لیتا ہے ﴿۲﴾ اَوْ اِعْرَاضًا ﴿۲﴾ یا خوف ہو اعراض کرنے کا کہ بیوی کی طرف توجہ نہیں دیتا ﴿۳﴾ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ﴿۳﴾ تو کوئی حرج نہیں ہے ان دونوں پر ﴿۴﴾ اَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ﴿۴﴾ یہ کہ صلح کر لیں آپس میں صلح کرنا۔ کہ عورت اپنا کوئی حق چھوڑ دے کہ جدائی کی نوبت نہ آئے۔ حکماء فرماتے ہیں بہ نسبت مردوں کے عورتوں میں ضد زیادہ ہوتی ہے۔ عورت اگر ضد پر اتر آئے کہ میں فلاں چیز ضرور لوں گی تو ظاہر بات ہے کہ اس سے خرابی پیدا ہوگی اس لیے فرمایا کہ صلح کر لیں۔ کچھ حق چھوڑ دیں اور کچھ چھڑا لیں اور بد مزگی پیدا نہ کریں ﴿۵﴾ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ﴿۵﴾ اور صلح ہی بہتر ہے۔

﴿۶﴾ اَوْ حَضَمَاتٍ اِلَى النَّفْسِ الْبَغِيضِ ﴿۶﴾ اور حاضر کیا گیا جانوں کو بغل پر۔ نفس بغل میں پیدا کیے گئے ہیں۔ عورت کہے گی میں نے اپنا حق نہیں چھوڑنا، مرد کہے گا میں نے اپنا حق نہیں چھوڑنا اور دونوں اپنی اپنی بات پر اڑے رہے تو بد مزگی پیدا ہوگی اور یہ کوئی بھیڑ بکری کا مسئلہ تو ہے نہیں کہ آج اس منڈی میں اور کل اس منڈی میں، یہ تو شریف انسانیت کا مسئلہ ہے۔ اس لیے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿۷﴾ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهِمْ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ﴿۷﴾ [النساء: ۳۵] اور اگر تمہیں معلوم ہو کہ میاں بیوی میں ان بن ہے تو ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف عورت کے خاندان میں سے مقرر کرو۔ کہ اگر آپس میں جھگڑا پیدا ہو جائے تو درمیان میں ثالث ڈال کر مسئلے کو نمٹا دو اور جس کے اندر غلطی ہو ثالث اس کو بتائیں کہ تیرے اندر یہ غلطی ہے اور وہ غلطی تسلیم کرے۔

لیکن آج کل اپنی غلطی کو کوئی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ یہاں تک کہ پاگل بھی اپنے آپ کو پاگل ماننے کے لیے تیار نہیں ہے۔ حالانکہ غلطی کو تسلیم کرنا بہت اچھی بات ہے کہ اس سے اصلاح کی صورت پیدا ہو جاتی ہے ﴿۸﴾ وَاِنْ تَحْسَبُوْنَ اَنْ لَّا تَقْرُبُوْا نِكَاحًا فَاغْرِبْ بَيْنَهُمْ بِرَبِّكُمْ ﴿۸﴾ اور اگر تم نیک کرو گے ﴿۹﴾ وَتَتَّقُوْا ﴿۹﴾ اور رب تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے ﴿۱۰﴾ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۰﴾ تو بے شک ہے اللہ تعالیٰ جو عمل تم کرتے ہو ان سے خبردار۔

مسئلہ: اگر کسی شخص کی ایک سے زیادہ بیویاں ہیں کیونکہ چار تک رکھنے کی اجازت ہے مگر انصاف کی شرط کے ساتھ، جیسا کہ تم چوتھے پارہ میں پڑھ چکے ہو ﴿۱۱﴾ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَا تَعْدِلُوْا فَوَاجِدًا ﴿۱۱﴾ یہ کہ تم انصاف کرو اگر کوئی انصاف نہیں کر سکتا تو دوسری شادی کی اجازت نہیں ہے۔ "آنحضرت ﷺ کی بیک وقت نو بیویاں اور دو لونڈیاں تھیں۔ آپ ﷺ نے باری مقرر فرمائی ہوئی تھی، چوبیس گھنٹے ایک بیوی کے پاس اور چوبیس گھنٹے دوسری بیوی کے پاس اور چوبیس گھنٹے تیسری بیوی کے پاس رہتے تھے اور ہر چیز میں برابری رکھتے تھے۔ لباس میں، خوراک میں اور دعا کرتے کہ اے پروردگار! جو میرے اختیار میں ہے

ان چیزوں میں تو میں برابری کرتا ہوں اور جو چیز میرے اختیار میں نہیں ہے اس چیز میں مجھے ملامت نہ کرنا۔ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ طبعی طور پر جو محبت تھی اس میں دوسری کوئی بیوی شریک نہیں تھی، فرمایا وہ میرے بس میں نہیں ہے۔ کیونکہ قلبی چیز انسان کے اختیار میں نہیں ہوتی۔

اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَنْ تَسْتَظِيحُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ﴾ اور ہرگز تم طاقت نہیں رکھ سکو گے یہ کہ تم عدل کرو عورتوں کے درمیان۔ کہ جتنی محبت ایک کے ساتھ ہے دوسری کے ساتھ بھی اتنی ہو یہ تمہارے بس کی بات نہیں ہے ﴿وَلَوْ حَضَرْتُمْ﴾ اور اگرچہ تم حرم کرو ﴿فَلَا تَعِينُوا كُنَّ السَّبِيلَ﴾ پس نہ جھکومت پوری طرح جھکنا ﴿فَتُنْزَلُ مَا كَانَتْ لِعَلَّةٍ﴾ کہ چھوڑ دو تم دوسری عورت کو لنگی ہوئی کی طرح۔ نہ زمین پر نہ آسمان میں، اس کا بھی حق ادا کرو گے کہ صلح کے ساتھ رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو ﴿وَإِنْ تَصْلِحُوا وَتَتَّقُوا﴾ اگر صلح کے ساتھ رہو گے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے ﴿فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ ہے بخشنے والا مہربان۔ جو غلطیاں سرزد ہوئی ہیں معاف کر دے گا۔ لیکن اگر نباہ کی کوئی صورت نہیں ہے ﴿وَإِنْ يَتَّفِقُوا﴾ اور خاوند بیوی جدا ہو جائیں کہ طلاق کی نوبت آگئی ﴿يُعْنِ اللَّهُ كَلًّا مِنْ سَعَتِهِ﴾ غنی کر دے گا اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اپنی وسعت سے۔ عورت کو اپنی جگہ خاوند مل جائے گا اور اس کو بیوی مل جائے گی۔ لیکن یہ اس وقت ہے کہ جب آخری حدوں سے تجاوز کر جائیں تو پھر طلاق بھی جائز ہے۔ مگر مباح چیزوں میں سے بری چیز ہے۔ حتیٰ الوسع طلاق نہیں دینی چاہیے اور اگر اس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو تو ٹھیک ہے ﴿وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ وسعت رکھنے والا، حکمت والا۔ جو احکام اس نے دیے ہیں وہ خالص حکمت اور دانائی پر مبنی ہیں۔

﴿وَاللَّهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے ﴿مَا﴾ جو کچھ ﴿فِي السَّمَوَاتِ﴾ آسمانوں میں ہے ﴿وَمَا﴾ اور جو کچھ ﴿فِي الْأَرْضِ﴾ زمین میں ہے ﴿وَلَقَدْ﴾ اور البتہ بہ تحقیق ﴿وَصَدَقْنَا﴾ ہم نے تاکیدی حکم دیا ہے ﴿الَّذِينَ﴾ ان لوگوں کو ﴿أَوْتُوا الْكِتَابَ﴾ جن کو دی گئی کتاب ﴿مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ تم سے پہلے ﴿وَإِنَّا كُنَّا﴾ اور تمہیں بھی ہم تاکیدی حکم دیتے ہیں ﴿أَنْ اتَّقُوا اللَّهَ﴾ یہ کہ ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے ﴿وَإِنْ تَكْفُرُوا﴾ اور اگر تم کفر اختیار کرو گے ﴿فَإِنَّ اللَّهَ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے ﴿مَا فِي السَّمَوَاتِ﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے ﴿وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ اور جو کچھ زمین میں ہے ﴿وَكَانَ اللَّهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿غَنِيًّا﴾ بے پروا ﴿حَنِيدًا﴾ قابل تعریف ﴿وَاللَّهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے ﴿مَا فِي السَّمَوَاتِ﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے ﴿وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ اور جو کچھ زمین میں ہے ﴿وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا﴾ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کا رساز ﴿إِنْ يَشَاءُ﴾ اگر وہ چاہے ﴿يُنْزِلْ عَلَيْكُمْ﴾ تو تمہیں فنا کر دے ﴿أَيُّهَا النَّاسُ﴾ اے انسانو! ﴿وَيَاتِ بِآخِرِينَ﴾ اور لائے دوسروں کو ﴿وَكَانَ اللَّهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ

﴿عَلَىٰ ذٰلِكَ قَدِيرًا﴾ اس پر قدرت رکھنے والا ﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا﴾ جو شخص ارادہ کرتا ہے دنیا کے بدلے کا ﴿فَعِنْدَ اللّٰهِ﴾ پس اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ﴿ثَوَابُ الدُّنْيَا﴾ دنیا کا بدلہ ﴿وَالْآٰخِرَةِ﴾ اور آخرت کا بدلہ بھی ﴿وَ كَانَ اللّٰهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿سَمِيْعًا﴾ سننے والا ﴿بَصِيْرًا﴾ دیکھنے والا۔

لفظ اللہ کی تحقیق

لفظ اللہ اللہ جلالہ کا ذاتی نام ہے۔ ذاتی کو آپ اس طرح سمجھیں ایک آدمی پیدا ہوا تو اس کا نام رکھا گیا عبد اللہ جو اس کی ذات پر دلالت کرتا ہے۔ یہ اس کا ذاتی نام ہوا، اس کے بعد وہ قرآن کا حافظ ہو گیا تو اس کو حافظ کہیں گے اور قاری بن کر تو قاری کہیں گے، عالم بن گیا تو مولوی کہیں گے اور کتابت سیکھ لی تو کتابت سیکھنے والے کہیں گے۔ یہ سب اس کے صفاتی نام ہیں اور عبد اللہ ذاتی نام ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام اللہ ہے، باقی الرحمن، رحیم، کریم، ودود، متین وغیرہ یہ صفاتی نام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام مشہور ہیں، حدیث پاک میں آتا ہے جو شخص ان ناموں کو یاد کرے گا اور ان کا معنی و مفہوم بھی سمجھے گا وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جنت میں داخل ہوگا، اللہ تعالیٰ کا ہر نام بابرکت ہے اور ہر نام میں تاثیر ہے۔

اور اللہ جلالہ کا ذاتی نام اللہ ہے جس کو عربی میں عَٰلَمٌ کہتے ہیں۔ عَٰلَمٌ اُسے کہتے ہیں جو دوسرے پر نہ بولا جائے، جس کا ہے اسی کی ذات کے لیے خاص ہے اور لفظ اللہ کی تعریف کرتے ہیں: وہ عَٰلَمٌ ہے ذات واجب الوجود کا۔ اور واجب الوجود کا معنی ہے کہ اس کا وجود اپنا ہے کسی کا دیا ہوا نہیں ہے۔ جس کی نہ ابتدا ہے، نہ انتہا ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں ہے اور ساری کائنات اس کی محتاج ہے، نہ وہ بیمار ہوتا ہے، نہ اس پر کوئی حادثہ طاری ہو سکتا ہے، نہ وہ مرے گا، وہ قدوس ہے یعنی تمام عیبوں سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلِلّٰهِ صَٰلِي السَّمٰوٰتِ وَ الصَّٰلِي الْاَرْضِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ سات آسمان ہیں، اوپر عرش ہے، کرسی ہے، آسمانوں میں فرشتے ہیں، چاند سورج ستارے ہیں، اس کے علاوہ جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے، وہی مالک ہے، وہی متصرف ہے، اسی کے حکم سے سارا نظام چلتا ہے اور زمینوں کا بھی پیدا کرنے والا وہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بغیر زمین کا ایک ذرہ بھی کسی کا پیدا کیا ہوا نہیں ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے ہر چیز کا پیدا کرنے والا وہی ہے، مالک بھی وہی ہے اور اپنے ملک میں جو احکام چاہے نافذ کرے، مردوں کے لیے، عورتوں کے لیے، یتیموں کے بارے میں، یتیموں کے بارے میں، اس لیے کہ مالک بھی وہی ہے اور متصرف بھی وہی ہے۔

وصیت ضروری ہے

فرمایا ﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِیْنَ اٰتُوْا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے تاکید حکم دیا ان لوگوں کو جن کو کتاب دی گئی تم سے پہلے۔ وصیت کا معنی ہیں تاکید حکم۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس آدمی نے وصیت کرنی ہے اس پر دو راتیں بھی نہیں گزرنی چاہئیں مگر وہ اس کے پاس لکھی ہوئی ہو۔ کسی سے کچھ لیتا ہے، کسی کا کچھ دینا ہے، زندگی میں کچھ نمازیں رہ گئی ہیں تو

ان کے متعلق لکھے کہ اتنی نمازیں میری رہ گئی ہیں، ان کا ہدیہ دے دینا۔ اگر روزے رہ گئے ہیں ان کے متعلق لکھے کہ میرے روزے رہ گئے ہیں، ان کا ہدیہ دے دینا۔ اسی طرح اگر کسی کے ذمہ حج ہے کہ فرض ہو جانے کے بعد بلا وجہ تاخیر کرنا گیا کہ فوت ہو گیا اور حج نہ ادا کر سکا تو مرنے سے پہلے وصیت نامہ لکھے کہ میرے ذمہ حج ہے جو میں اپنی زندگی میں نہیں کر سکا وہ تم نے میری طرف سے کرنا ہے۔ اور اگر بغیر وصیت کے مر گیا تو فقہائے کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں اگر وارث اس کی طرف سے کر لیں یا بغیر وصیت کے وارثوں نے نماز، روزے کا ہدیہ دے دیا، تو امید ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر زکوٰۃ اس کے ذمہ واجب الادا ہے تو اس کے پاس تحریر ہونی چاہیے کہ میں نے اتنی زکوٰۃ دینی ہے جو کہ واجب الادا ہے اور اگر نہیں لکھا گیا تو ان چیزوں کے ادا نہ کرنے کا گناہ الگ ہوگا اور وصیت نہ لکھنے کا گناہ الگ ہوگا۔

لہذا جن چیزوں کی تاکید کرنی ہے دو راتیں بھی نہیں گزرنی چاہئیں مگر وہ اس کے پاس صاف ستر لکھا ہوا ہونا چاہیے اور گھر کے دیانت دار افراد کے علم میں ہونا چاہیے کہ فلاں چیز لینی ہے اور فلاں چیز دینی ہے اور فلاں کام اس طرح کرنا ہے اور فلاں کام اس طرح کرنا ہے۔

تو فرمایا ﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے تاکید حکم دیا ان لوگوں کو جن کو کتاب دی گئی تم سے پہلے۔ مثلاً: تورات موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی اور اس کے ماننے والے یہودی ہیں، زبور داؤد علیہ السلام کو دی گئی اور انجیل عیسیٰ علیہ السلام کو دی گئی، اس کے ماننے والے عیسائی ہیں۔ مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے یہودیوں اور عیسائیوں کو بھی یہ تاکید حکم دیا ﴿وَإِنَّا لَمَعْلَمُونَ﴾ اور اے مومنو! تمہیں بھی یہ تاکید حکم دیتے ہیں ﴿أَنِ اتَّقُوا اللَّهَ﴾ یہ کہ ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا معنی ہے کہ اس کی نافرمانی نہ کرو اور اس نے جو احکام نازل فرمائے ہیں انہیں لازم پکڑو، ان پر عمل کرو اور پابندی کے ساتھ ادا کرو اور جن چیزوں سے منع فرمایا ہے ان کے قریب نہ جاؤ۔ کیونکہ اگر تم نے رب تعالیٰ کی نافرمانی کی تو اس کی گرفت میں آؤ گے، اس کی پکڑ سے بچو۔ پھر یہ بات بھی سمجھادی کہ یہ حکم صرف تمہارے لیے ہی نہیں ہے بلکہ تم سے پہلے جو گزرے ہیں ان کو بھی یہی حکم دیا گیا تھا۔ لہذا بندے کو مجلس میں بھی اور تنہائی میں بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور ہر وقت یہ خیال رہے کہ میرا خالق مجھے دیکھ رہا ہے اور میں نے حساب دینا ہے۔

اور فرمایا یہ بھی سن لو ﴿وَإِنْ تَكْفُرُوا﴾ اور تم کفر اختیار کرو گے ﴿فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ پس اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ﴿وَكَانَ اللَّهُ غَفِيْرًا حَمِيْدًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ بے پروا قاتل تعریف۔ اگر تم کفر کرو گے تو اس کا تو کچھ نہیں بگڑے گا وہ تمہاری نیکیوں کا محتاج نہیں ہے، نقصان تمہارا ہی ہوگا۔

حدیث قدسی

حدیث قدسی میں اس طرح آتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں: اگر سارے کے سارے بندے پر ہیزگار بن

جائیں کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت اور یاد میں لگے رہیں تو رب تعالیٰ کی خدائی میں ایک رتی کا بھی اضافہ نہ ہوگا اور معاذ اللہ! اگر سارے کے سارے بندے کافر اور نافرمان ہو جائیں تو خداوند عزیز کی خدائی میں ایک رتی کی بھی کمی نہیں ہو سکتی۔ یہ تمہارے اعمال تمہارے فائدے کے لیے ہیں۔ اگر کرو گے تو تمہیں فائدہ ہوگا اور اگر نہیں کرو گے تو تمہارا نقصان ہے اور اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ ہماری عبادت سے اللہ تعالیٰ کی خدائی میں اضافہ ہو جائے گا، ہرگز نہیں! اور اسی طرح اگر نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی خدائی میں کمی ہو جائے گی، ہرگز نہیں! وہ حمید ہے، تم اس کی تعریف نہیں کرو گے وہ پھر بھی حمید ہے۔

سورۃ بنی اسرائیل میں ہے ﴿وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا لَيْسَ بِحَسْبِئِهِمْ وَلَكِنْ لَا تَعْقِلُونَ سَبِّحْهُمْ﴾ ”اور مخلوق میں سے کوئی چیز نہیں مگر وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے تعریف کے ساتھ، لیکن تم اس کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔“ زمین کا ایک ایک ذرہ، پانی کا ایک ایک قطرہ، درخت کا ہر ایک پتا اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہے، جو اس کی شان کے لائق ہے۔ تو فرمایا اگر تم اس کی تعریف نہیں کرو گے تو اس کی شان میں کوئی فرق نہیں آئے گا اور نہ ہی وہ تمہاری تعریف کا محتاج ہے۔

﴿وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ وہی مالک ہے، وہی خالق ہے، وہی متصرف ہے ﴿وَلَا يَكْفِيْ بِلٰئِهِمْ كَيْلًا﴾ اور اللہ کافی ہے کارساز، کام بنانے اور سنوارنے والا بھی وہی ہے اور بگاڑنے والا بھی وہی ہے۔ اس کے کارخانہ کائنات میں نہ کوئی کام بنا سکتا ہے، نہ بگاڑ سکتا ہے۔ نافع بھی وہی ہے اور فائدہ دینے والا بھی وہی ہے۔ یہ قرآن پاک کا بنیادی سبق ہے ﴿وَإِنْ يَتَسَنَّكَ اللهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ﴾ [یونس، پارہ: ۱۱] ”اور اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی دور کرنے والا نہیں ہے ﴿وَإِنْ يُرِيدْ كَيْدًا فَلَا تَرٰآذَ لِفَضْلِهِ﴾ [یونس، پارہ: ۱۱] اور اگر اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں خیر کا ارادہ فرمائے تو اس کی خیر کو کوئی رو نہیں کر سکتا۔“

فرمایا ﴿إِنْ يَشَاءِ يُدْبِرْكُمْ﴾ اگر وہ چاہے تو تمہیں فنا کر دے ﴿أَيُّهَا النَّاسُ﴾ اے انسانو! ﴿وَيَأْتِ بِآخِرِينَ﴾ اور لائے دوسروں کو تمہاری جگہ۔ دوسروں کو لکھڑا کرے اس کے لیے کیا مشکل ہے؟ وہ ایک منٹ میں سب کچھ کر سکتا ہے۔

آج سے تقریباً چار سال پہلے جاپان میں سترہ سینڈ کا زلزلہ آیا تھا۔ اس زلزلے سے عمارتوں، سڑکوں اور صنعتوں کا اتنا نقصان ہوا کہ اس کے انصران نے کہا تھا کہ یہ جو سترہ سینڈ کے زلزلہ سے نقصان ہوا حکومت جاپان اس کو دس سال میں پورا نہیں کر سکتی۔ جب کہ صنعت کے اعتبار سے جاپان دنیا کا سب سے ترقی یافتہ ملک ہے اور صنعت کی وجہ سے سب کی گردن پر سوار ہے۔ اور اب افغانستان میں زلزلہ آیا ہے جس سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ مر گئے ہیں۔ کاش! کہ ان کو سمجھ آ جائے اور اپنی غلطیوں کو تسلیم کر کے ازالہ کر لیں۔ دوسری طرف طالبان ہیں، ان میں بھی غلطیاں ہوں گی آخروہ بھی انسان ہیں، معصوم تو نہیں ہیں، کیونکہ پیغمبروں کے علاوہ کوئی بھی معصوم نہیں ہے اور غلطی کا ہو جانا انسانی لوازمات میں سے ہے لیکن انہوں نے اعلان کیا ہے کہ ہم خدائی قانون نافذ کریں گے اور اس پر وہ عمل بھی کرتے ہیں۔ لہذا طالبان کی جو مخالفت کرے گا وہ رب تعالیٰ کی مخالفت کرے گا اور ان کا خالی دعوئی ہی نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے کہ وہ خلافت راشدہ کا نظام چاہتے ہیں اور اس پر عمل بھی کر رہے ہیں۔

اور زلزلہ ان علاقوں میں آیا ہے جہاں طالبان کے مخالف آباد ہیں اگرچہ وہ بھی ہمارے مسلمان بھائی ہیں ہم ان کو کافر تو نہیں کہتے مگر وہ باغی ہیں۔ احمد شاہ مسعود بڑا قابل کمانڈر ہے اس نے روس کے خلاف جنگ لڑی ہے، لیکن اقتدار کا نشہ بہت بری چیز ہے جس کی خاطر وہ غلط راہ پر چل پڑا ہے اور ایک یہ وہم اس کے ذہن پر سوار ہو گیا ہے کہ یہ پشتو بولنے والے ہم پر قابض ہونا چاہتے ہیں۔ کیونکہ طالبان پشتو بولنے والے ہیں اور احمد شاہ مسعود وغیرہ فارسی بولنے والے ہیں۔ زبانوں سے کیا فرق پڑتا ہے؟ ہیں تو سارے مسلمان۔ دیکھو! ہمارے ملک پاکستان میں تیس زبانیں بولی جاتی ہیں حالانکہ چھوٹا سا ملک ہے۔ اسی طرح افغانستان میں فارسی بھی ہے، پشتو بھی ہے، ترکی بھی ہے۔ مسلمان کو مسلمان ہونا چاہیے۔ نہ رنگوں سے فرق پڑتا ہے، نہ زبانوں سے، یہ فضول تعصب ہے اور اسلام کی روح کے خلاف ہے۔ سب مسلمان ایک ہیں، چاہے کالے ہیں، گورے ہیں اور جو بھی زبان بولتے ہیں۔ ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ قَدِيرًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ اس پر قدرت رکھنے والا۔ ایک لمحہ میں وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ ﴿مَنْ كَانَ يُرِيدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا﴾ جو شخص ارادہ کرتا ہے دنیا کے بدلے کا ﴿فَعَسَىٰ أَلْفُ ثَوَابِ الدُّنْيَا وَآخِرَتِهَا﴾ پس اللہ تعالیٰ کے پاس ہے دنیا کا بدلہ اور آخرت کا بدلہ بھی۔ دیکھو! جن لوگوں نے چاند پر پہنچنے کی کوشش کی ہے وہاں پہنچ گئے ہیں اور اب زہرہ پر جانے کی کوشش کر رہے ہیں، ممکن ہے وہاں بھی پہنچ جائیں۔ انہوں نے خلا میں آبادی کا منصوبہ بنا لیا ہے کہ زمین پر آبادی زیادہ ہو گئی ہے لہذا وہاں جا کر لوگوں کو آباد کرتے ہیں۔ یہ چیزیں ممکنات میں سے ہیں، ایسا ہو سکتا ہے غیر ممکن نہیں ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہارے وہاں آباد ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ تمہارا احضار کر دیں۔ کیونکہ تمہاری نافرمانیاں اس حد تک پہنچ چکی ہیں۔ آخر کب تک مہبت دے گا؟ اللہ تعالیٰ جب ظالم کو پکڑتے ہیں تو اس کی پکڑ کا کوئی حساب نہیں ہوتا، اس کی پکڑ بہت سخت ہوتی ہے۔ وقت قریب آ گیا ہے ظالموں کی گرفت ہونے والی ہے۔

امریکہ کی انانیت کا اندازہ کرو کہ دوسروں کے گھروں کی تلاشی لیتا ہے اور اپنے گھر کی تلاشی دینے کے لیے تیار نہیں ہے کہ مثلاً: اس کو کہو نا کہ اپنا ایٹمی پلانٹ ہمیں دکھا۔ کبھی نہیں دکھائے گا اور ساری دنیا اس کو کہے کہ اپنے فوجی ٹھکانے ہمیں دکھا، کبھی نہیں دکھائے گا اور عراق کے پیچھے پڑا ہوا ہے کہ تلاشی دے۔ بھائی! تو کیا لگتا ہے تلاشی کا؟ طاقت کا گھمنڈ ہے اور اسرائیل کو تحفظ دینا چاہتا ہے۔ کیونکہ وہ کہتا ہے کہ یہ مسلمانوں کی تباہی کا سبب ہے۔ انہوں نے بہت کچھ تیار کیا ہے۔ یہ صرف اسرائیل کی پشت پناہی کے لیے سب کچھ ہو رہا ہے۔ دیکھو! کیا کرتا ہے اور کیا نہیں کرتا اور کیا نتیجہ سامنے آتا ہے۔ لیکن ظلم کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ ﴿وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ سننے والا، دیکھنے والا۔ تم جو کلمات منہ سے نکالتے ہو آہستہ یا بلند آواز سے سب کو وہ سنتا ہے اور تمہارے ظاہر اور باطن کے تمام اعمال کو دیکھتا ہے۔ تمہارا معاملہ پروردگار کے ساتھ ہے اس لیے جو کام بھی کرو اس بات کو پیش نظر رکھ کر کرو کہ ہمارا رب سنتا بھی ہے اور دیکھتا بھی ہے اور ایک دن اس کے سامنے پیش بھی ہوتا ہے اور اس نے حساب بھی لیتا ہے۔



﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو ﴿كُونُوا﴾ ہو جاؤ تم ﴿قَوِّمِينَ﴾ سختی کے ساتھ قائم رہنے والے ﴿بِالْقِسْطِ﴾ انصاف پر ﴿شَهِدَ آعْرَابُهُ﴾ گواہی دینے والے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ﴿وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ﴾ اور اگرچہ وہ گواہی تمہارے نفسوں کے خلاف ہو ﴿أَوِ الْوَالِدِينَ﴾ یا ماں باپ کے خلاف ﴿وَالْأَقْرَبِينَ﴾ اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف ہو ﴿إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا﴾ اگر ہے وہ شخص مال دار ﴿أَوْ فَقِيرًا﴾ یا محتاج ﴿فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِنَّ﴾ پس اللہ تعالیٰ ان دونوں کے زیادہ قریب اور خیر خواہ ہے ﴿فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ﴾ پس نہ پیروی کرو تم خواہش کی ﴿أَنْ تَعْدُوا﴾ اس بات سے کہ تم عدل نہ کرو ﴿وَإِنْ تَكُونُوا﴾ اور اگر تم زبان کو دباؤ گے ﴿أَوْ تُعْرَضُوا﴾ یا اعراض کرو گے ﴿فَإِنَّ اللَّهَ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے خبر دار ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو! جنہوں نے زبان سے ایمان کا دعویٰ کیا ہے ﴿آمَنُوا﴾ حقیقتاً ایمان لاؤ ﴿بِاللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ پر ﴿وَرَسُولِهِ﴾ اور اس کے رسول پر ﴿وَالْكِتَابِ الَّذِي﴾ اور اس کتاب پر ﴿نَزَّلَ﴾ جو نازل فرمائی اللہ تعالیٰ نے ﴿عَلَىٰ رَسُولِهِ﴾ اپنے رسول پر ﴿وَالْكِتَابِ الَّذِي﴾ اور ہر اس کتاب پر ایمان لاؤ ﴿أَنْزَلَ﴾ جو نازل فرمائی اللہ تعالیٰ نے ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ﴾ اور جو شخص انکار کرے گا اللہ تعالیٰ کے احکام کا ﴿وَمَلِئْتُمْ﴾ اور اس کے فرشتوں کا ﴿وَكُتِبَ﴾ اور اس کی کتابوں کا ﴿وَرُسُلِهِ﴾ اور اس کے رسولوں کا ﴿وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ اور آخرت کے دن کا ﴿فَقَدْ ضَلَّ﴾ پس تحقیق وہ گمراہ ہوا ﴿صَلًّا بَعِيدًا﴾ گمراہی میں دور جا پڑا ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿ثُمَّ كَفَرُوا﴾ پھر کفر اختیار کیا ﴿ثُمَّ آمَنُوا﴾ پھر ایمان لائے ﴿ثُمَّ كَفَرُوا﴾ پھر کفر اختیار کیا ﴿ثُمَّ أَذَادُوا كُفْرًا﴾ پھر بڑھتے گئے کفر میں ﴿لَمْ يَكُنِ اللَّهُ﴾ نہیں ہے اللہ تعالیٰ ﴿لِيَغْفِرَ لَهُمْ﴾ کہ ان کو بخشے ﴿وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا﴾ اور نہ ان کی راہنمائی کرے راستے کی۔

گواہی کا ضابطہ

اس سے پہلے نکاح، طلاق اور وراثت جیسے اہم مسائل کا ذکر تھا اور ان مسائل میں گواہی کی ضرورت پیش آتی ہے اس لیے اب اللہ تعالیٰ گواہی کے متعلق ضابطہ بیان فرماتے ہیں ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿كُونُوا قَوِّمِينَ بِالْقِسْطِ﴾ ہو جاؤ تم سختی کے ساتھ قائم رہنے والے انصاف کے ساتھ ﴿شَهِدَ آعْرَابُهُ﴾ گواہی دینے والے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے۔

گواہی دیتے ہوئے یہ بات ذہن میں رکھو کہ گواہی دینے کا حکم اللہ تعالیٰ کا ہے تو میں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق گواہی دینی ہے اور گواہی پر قائم رہنا ہے، پھسلنا نہیں ہے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینی ہے۔ گواہی بنیادی چیز ہے، مگر نئی زمانہ تو یہ حال ہے کہ دوسرے فریق کو معلوم ہو جائے کہ اس کے خلاف دینی ہے تو وہ گواہ کا کام تمام کر دیتے ہیں۔ خدا پناہ! بہت مشکل دور ہے۔ بہر حال مسئلہ یہ ہے کہ جس آدمی کی گواہی پر معاملہ موقوف ہے اس پر واجب ہے گواہی دینا، اگر وہ گواہی نہیں دے گا تو گتہ گار ہوگا۔ مثلاً: جب معاملہ ہوا اس وقت معاملہ کرنے والوں کے علاوہ صرف دو آدمی موجود تھے اور ان میں اختلاف ہو گیا اور یہ گواہی نہیں دیتے تو کسی ایک آدمی کا حق مرتا ہے اور گواہی دینے سے اس کو حق ملتا ہے، اگر یہ گواہی نہیں دیں گے تو گتہ گار ہوں گے اور اگر موقع پر کافی لوگ موجود ہوں تو پھر ہر آدمی پر گواہی دینا واجب نہیں ہے۔

نفس گواہی پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ البتہ گواہ آنے جانے کا کرایہ لے سکتا ہے۔ اور اگر گواہ غریب آدمی ہے، دہاڑی والا ہے، یا کسی محکمہ میں کچا ملازم ہے کہ چھٹی کرے تو دہاڑی کاٹی جاتی ہے تو اس کو دہاڑی لینا بھی جائز ہے مگر اتنی کہ جتنی دہاڑی وہ لیتا ہے اور اگر مال دار ہے یا کسی محکمہ یا ادارہ میں کچا ملازم ہے کہ چھٹی کرنے پر دہاڑی نہیں کاٹی جاتی تو اس کو دہاڑی لینا جائز نہیں ہے اور گواہ کی خوراک اور سفری ضروریات بھی لے جانے والے کے ذمہ ہوں گی۔

تو گواہی پر انصاف کے ساتھ قائم رہو ﴿وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ﴾ اور اگرچہ وہ گواہی تمہارے نفسوں کے خلاف ہو۔ اپنے نفس کے خلاف گواہی کا مطلب ہے کہ اپنی غلطی کو تسلیم کر لے کہ میرے سے یہ غلطی ہوئی ہے۔ میرے خیال کے مطابق اس زمانے میں تو کوئی شاذ و نادر ہی ہے جو اپنی غلطی کو تسلیم کرے اور دوسرے کا حق مان لے۔ وہ خیر القرون کا زمانہ تھا جو اپنی غلطی کو تسلیم کرتے تھے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک آدمی نے چوری کی، لوگوں نے اس کو پکڑ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مَا أَخَالَهَ سِرِّقَهٗ ”میرے خیال میں تو اس نے چوری نہیں کی۔“ کیونکہ وضع قطع، شکل و صورت کے اعتبار سے بڑا نیک آدمی معلوم ہوتا تھا، چور نہیں لگتا۔ لیکن اس آدمی نے کہا حضرت! میں نے چوری کی ہے۔ آج کا زمانہ ہوتا تو وہ اس کو غنیمت سمجھتا کہ خود جج میری تائید کر رہا ہے۔ آپ ﷺ نے تحقیق فرمائی کہ یہ پاگل تو نہیں ہے، کیونکہ پاگل بھی کسی وقت دانائی کی بات کر جاتے ہیں، اگرچہ ان کا پاگل پن چھپا نہیں رہتا، کوئی کام یا بات ایسی ضرور کرے گا جس سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ پاگل ہے۔

استاذ محترم مولانا غلام محمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ جہانیاں منڈی مسجد کے خطیب اور مدرس تھے۔ ہم ان کے پاس پڑھتے تھے۔ ۱۹۳۰ء کے قریب کا واقعہ ہے کہ ان کی برادری کا ایک آدمی پاگل ہو گیا جس کو انھوں نے لاہور پاگل خانے میں داخل کر دیا۔ اس وقت ہندوستان میں صرف دو پاگل خانے تھے۔ ایک بریلی میں اور ایک اجپورہ لاہور میں۔ کچھ دنوں کے بعد اس کی خبر لینے کے لیے گئے اور کچھ تحفے تحائف بھی اس کے لیے لے گئے۔ وہ جب اپنے آدمی کے پاس پہنچے، طے اور بیٹھے تو ایک اور آدمی ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور علمی گفتگو شروع کر دی۔ کبھی منطق کی، کبھی فلسفے کی، کبھی ریاضی کی، کبھی تفسیر کی، کبھی حدیث

کی باتیں کرتا۔ مولانا بھی بڑے فاضل آدمی تھے اور ہر فن میں ماہر تھے۔ کچھ دیر کے بعد اس نے کہا کہ میں ذرا ٹھہر کے آ رہا ہوں، طبعی تقاضے کے لیے گیا یا پانی پینے کے لیے گیا۔ مولانا نے دریافت کیا کہ یہ کون آدمی ہے؟ کہنے لگے پاگل ہے۔ مولانا نے کہا یہ کس طرح پاگل ہے؟ اس نے تو میرے ساتھ کافی دیر علمی گفتگو کی ہے اس میں تو کوئی پاگلوں والی بات نہیں ہے۔ حیران ہو گئے کہ یہ کیسا پاگل ہے؟

تھوڑی دیر بعد وہ پھر آ گیا اور مختلف مسائل پر گفتگو شروع کر دی۔ وہ جوں جوں باتیں کرتا، مولانا توں جیران ہوتے کہ اس کو پاگل کہنے والے تو خود پاگل ہیں۔ مولانا نے ٹائم دیکھا تو فرمایا کہ میں جاتا ہوں اگر تاخیر کی تو گاڑی سے رہ جاؤں گا۔ کیونکہ اس زمانے میں آمدورفت کے وسائل بہت کم ہوتے تھے، ریل گاڑیاں ہوتی تھیں جو رہ گیا سورہ گیا۔ پھر اگلی گاڑی کا انتظار کرنا ہوتا تھا۔ اس لیے مولانا نے کہا کہ میں اب جاتا ہوں۔ اس نے کہا اچھا تم جارہے ہو؟ مولانا نے کہا کہ ہاں میں جا رہا ہوں۔ مصافحہ کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تو اس نے ہاتھ پر تھوک دیا۔ مولانا نے کہا کہ واقعی پاگل ہے۔ تو پاگل چھپے نہیں رہتے۔ تو بات ہو رہی تھی چور کے متعلق کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ پاگل تو نہیں ہے؟ کہنے لگے نہیں حضرت! سمجھ دار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو! یہ نشہ میں تو نہیں ہے؟ معلوم ہوا کہ نہیں، نشہ میں بھی نہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو لے جاؤ اور اس کا ہاتھ کاٹ دو۔ تو آج کے زمانہ میں کون اقرار کرتا ہے؟ جانتے ہوئے کہ میرا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔

﴿أَوَالِدًا ذِينَ﴾ یا گواہی والدین کے خلاف ہو۔ والدین بڑی دولت ہیں اگر کوئی سمجھے تو۔ مگر گواہی اگر چہ والدین کے خلاف بھی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا حکم مقدم سمجھتے ہوئے ان کے خلاف بھی گواہی دے ﴿وَإِذَا قَرَّبْتَ﴾ اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف حق کی گواہی ہے تو ان کے خلاف بھی دے ﴿إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَآؤُا إِلَىٰ ذِي بَيْتِكَ﴾ اگر ہے وہ شخص مال دار یا محتاج۔ بس اللہ تعالیٰ ان دونوں کے زیادہ قریب اور خیر خواہ ہے۔ تم نے نہ مال دار ہونے کی رعایت کرنی ہے، نہ فقیر ہونے کا لحاظ کرنا ہے۔ یہ نہ خیال کرو کہ یہ مال دار ہے اور اچھے کام کرتا ہے اس کے حق میں گواہی دے دوں، اچھے کام کرتا رہے گا۔ یا وہ فقیر ہے اس کا حق تو نہیں بتا مگر اس کے حق میں گواہی دے دوں، محتاج ہے اس کا کچھ بن جائے گا۔ فرمایا نہیں! تم حق کی گواہی دو، نہ غنی کی رعایت کرو اور نہ فقیر کا لحاظ کرو۔

فرمایا ﴿فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا﴾ پس تم نہ پیروی کرو خواہش کی کہ تم عدل کرنا چھوڑ دو ﴿وَإِنْ تَلَوَّا أَوْ تَعْرَضُوا﴾ اور اگر تم زبان کو دباؤ گے، اعراض کرو گے۔ مطلب یہ ہے کہ شہادت کو توڑنے موڑنے کے لیے اپنی زبان کو اس طرح مت حرکت دو کہ اس کے معانی تبدیل ہو جائیں اور شہادت ہی غلط ہو جائے۔ اور زبان کو دبائے کا مطلب یہ بھی ہے کہ بعض ملتے جلتے الفاظ ہوتے ہیں، زبان دبا کر ایک ہی جگہ دوسرا ادا کر دیا جائے، ایسا نہ کرو۔ مثال کے طور پر یہودی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تو کہتے السامہ علیک۔ اب توجہ کرنے والا ہی سمجھے گا کہ اس نے کیا کہا ہے۔ اصل لفظ تو ہے السلام علیک۔ آپ پر سلامتی ہو۔ وہ لام کھا جاتے اور کہتے السامہ علیک۔ اس کا معنی ہے تیرے اوپر موت واقع ہو۔ تو تھوڑے

سے فرق کے ساتھ کتنا فرق پڑ گیا۔ تو اس طرح تم زبان دبا کر ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ کہو گے تو سخت گناہ ہے۔

ہم وڈالہ سندھواں پڑھتے تھے، ہمارا ایک ساتھی بڑا مسخرہ تھا۔ اس نے کوئی شرارت کی جس کی شکایت مہتمم صاحب کے پاس پہنچ گئی۔ اس کو طلب کیا اور اس سے پوچھا کہ تو نے یہ شرارت کی ہے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم ہے مجھے تو علم بھی نہیں ہے اور جان بچالی۔ مگر جن ساتھیوں کو علم تھا کہ اس نے یہ کام کیا ہے انہوں نے اس کو گھیر لیا کہ تو نے قسم کس حساب سے اٹھائی ہے؟ کہنے لگا کہ تم نے سنا نہیں ہے کہ میں نے کیا کہا ہے؟ میں نے تو کہا ہے اَللّٰن کی قسم ہے۔ ایک سبزی ہے کہ دو کی جنس سے اس کو اَللّٰن کہتے ہیں اور تربوز کی تیل کو بھی اَللّٰن کہتے ہیں۔ دیکھو! اس نے زبان دبا کر اللہ کی جگہ اَللّٰن کہہ دیا۔ تو چال باز قسم کے لوگ ایسی حرکتیں کر کے دھوکا دیتے ہیں کہ ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ ادا کر دیا۔ لہذا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم گواہی میں زبان کو نہ دباؤ، نہ پھیرو۔

اور اعراض کا مطلب ہے کہ جس بات پر گواہی موقوف ہے وہ اہم جزو تم بیان ہی نہ کرو اور ادھر ادھر کی باتیں کر کے فضول بحث کرتے رہو۔ یہ بھی سخت گناہ ہے۔ ﴿فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہے جو کچھ تم کرتے ہو اس سے خبردار۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو! جنہوں نے زبان سے ایمان کا دعویٰ کیا ہے کہ ہم مسودہ ہیں ﴿إِٰمِنُوا﴾ حقیقتاً ایمان لے آؤ، صحیح معنی میں مومن بن جاؤ۔ کیونکہ خالی ایمان کے دعویٰ سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ ایمان کس پر لاؤ؟ ﴿بِاللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات پر۔

ایمانیات میں سب سے بنیادی چیز ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر ایمان لانا کہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جو واجب الوجود ہے۔ نہ اس کی ابتدا ہے، نہ انتہا ہے، نہ اس کو کسی کا خوف ہے، نہ وہ بیمار ہوتا ہے، نہ اس کو موت کا ڈر ہے، خود نظر نہیں آتا، اس کی قدرت کے مناظر نظر آتے ہیں اور انھی کے ذریعہ اس کی پہچان ہوتی ہے کہ زمین کو دیکھو، آسمان کو دیکھو، چاند سورج ستاروں کو دیکھو، انسانوں کی شکل و صورت کو دیکھو، حیوانات کو دیکھو۔ وَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَّهٗ آيَةٌ تَدُلُّ عَلٰٓى اَنَّهُ وَاٰحِدٌ ہر چیز میں اس کے لیے دلیل ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ وہ وحدہ لا شریک ہے۔“

﴿وَمَا سُؤِلَہٗ﴾ اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ ﴿وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی سُلَیْمٰنَ﴾ اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر تھوڑی تھوڑی کر کے نازل فرمائی ہے، یعنی قرآن پاک۔ ﴿وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ مِنْ قَبْلُ﴾ اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو نازل فرمائی اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے، تورات، زبور، انجیل اور جن کتابوں کا تمہیں نام نہیں آتا ان پر اجمالی طور پر ایمان لاؤ کہ اللہ تعالیٰ کی تمام کتابوں کو ہم مانتے ہیں اور تمام رسولوں کو ہم مانتے ہیں ﴿وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ﴾ اور جو شخص انکار کرے اللہ تعالیٰ کے احکام کا ﴿وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاللّٰهِ﴾ اور اس کے فرشتوں کا۔

اللہ تعالیٰ کے فرشتے نوری مخلوق ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے نور سے پیدا فرمایا ہے اور وہ نور بھی اسی طرح مخلوق ہے جس طرح آگ مخلوق ہے، مٹی مخلوق ہے، ہوا مخلوق ہے، پانی مخلوق ہے۔ وہ نہ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں، نہ ان میں مرد و عورتوں والی

خواہشات ہیں، ہر وقت اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء میں مشغول رہتے ہیں۔ ان کی خوراک ہے سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ۔ ﴿وَكُفِّرْ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی جتنی کتابیں ہیں ان کا انکار کرنے گا ﴿وَمُسْلِمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں کا انکار کرے گا۔ بے شمار پیغمبر تشریف لائے، ہمیں قطعی اور یقینی طور پر ان کی تعداد معلوم نہیں ہے۔ قرآن پاک میں صرف پچیس [۲۵] پیغمبروں کے ناموں کا ذکر ہے۔ لہذا اجمالی طور پر اتنا کہنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبروں پر میرا ایمان ہے ﴿وَالْيَتُورَ الْاٰخِرَ﴾ اور آخرت کے دن کا انکار کیا ﴿فَقَدْ هَمَّتْ صَلَّىٰ سَلًا لَّيْبَةً﴾ پس وہ گمراہ ہوا گمراہی میں دُور جا پڑا۔ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اپنے وقت میں موسیٰ ﷺ پر ﴿لَمْ يَكْفُرُوْا﴾ پھر انھوں نے پھڑے کی پوجا کر کے کفر اختیار کیا ﴿لَمْ اٰمَنُوْا﴾ پھر بعد کے دور میں ایمان لائے ﴿لَمْ يَكْفُرُوْا﴾ پھر عیسیٰ ﷺ کو تسلیم نہ کر کے کفر کیا، بلکہ ﴿وَقَوْلِهِمْ عَلٰٓمَتَيْنَا عٰظِمًا﴾ [پارہ: ۶، سورۃ النساء: ۱۵۶] البتہ تحقیق انھوں نے عیسیٰ ﷺ کی والدہ پر بڑا بہتان باندھا کہ ہم اس کو نبی کیا مانیں، حلال زادہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

انسان میں ضد آ جائے تو وہ حق کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ ورنہ حضرت عیسیٰ ﷺ ایک دن کے تھے، حضرت مریم ﷺ ان کو اٹھا کے لا رہی تھیں، لوگوں نے دیکھا تو کہا ﴿يٰٓاٰحْتٰ هٰذُوْنَ مَا كَانُوْا اٰمَرًا سَوِيًّا وَّ مَا كَانَتْ اُمَّلًا نَّبِيًّا﴾ ”اے ہارون کی بہن! یہ بچہ اٹھائے پھرتی ہے نہ تیرا باپ برا آدمی ہے، نہ تیری ماں بدکار ہے یہ بچہ کہاں سے اٹھا کے لائی ہے؟“ ﴿فَاَشَاهَتْ اِلَيْهِ﴾ تو حضرت مریم ﷺ نے اس لڑکے کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے پوچھو کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ ﴿قَالُوْا كَيْفَ نَكْلِمُ مَنْ كَانَتْ فِيْهَا نَفْسٌ صٰوِيًّا﴾ کہنے لگے: ہم اس سے کس طرح بات کریں؟ وہ گود میں ہے، بچہ ہے۔ ”تو اپنا گناہ چھپانے کے لیے اس کو آگے کرتی ہے، تو خود بتا۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ حضرت عیسیٰ ﷺ نے تقریر شروع کر دی ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ الْخَلِيْقِ الْكَلْبُ وَ جَعَلَنِيْ نَبِيًّا﴾ [سورۃ مریم] ”میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔“ آگے مفصل تقریر ہے ایک رکوع کی۔ لیکن جن لوگوں کے دلوں پر تالے لگے ہوئے تھے انھوں نے پھر بھی تسلیم نہ کیا۔ حالانکہ وہ سوچ سکتے تھے کہ ایک دن کا بچہ ہے اور کیسی عمدہ تقریر کر رہا ہے ہمیں تسلیم کر لینا چاہیے۔ مگر دل پر تالے لگ جائے تو اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔

﴿لَمْ اٰذَا ذُوْا كُفْرًا﴾ پھر جب آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو مزید کفر میں بڑھتے گئے۔ پہلے پارے میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ مرتے وقت یہودی وصیت کرتے تھے کہ نبی آخر الزماں کی یہ علامتیں ہیں، جب وہ تشریف لائیں تو ان پر ایمان لانا اور ہمارا ان کو سلام کہنا اور جب دشمنوں کے مقابلہ میں لڑتے تو آپ ﷺ کے وسیلے اور برکت سے دعا کرتے اور کہتے اے پروردگار! نبی آخر الزماں کی برکت اور وسیلے سے ہمیں فتح عطا فرما۔ پھر جب وہ تشریف لائے تو انکار کر گئے اور کفر کو اور زیادہ کر لیا۔ ﴿لَمْ يَكُنْ اللّٰهُ لِيَعُوْذَ لِيْكُمْ﴾ نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ ان کو بخشے جو یہ کاروائیاں کرتے ہیں ﴿وَلَا لِيُعِيْذَ بِكُمْ سَيِّئًا﴾ اور نہ اللہ تعالیٰ ان کو راستے کی رہنمائی کرے گا۔ جو اپنی ضد پر اس قدر پختہ ہوں، خدا کو کیا ضرورت ہے ان کو ہدایت دینے کی؟

وہ کوئی ان کا محتاج تھوڑا ہی ہے، بلکہ یہ اس کے محتاج ہیں۔



﴿بَشِيرٍ﴾ آپ خوش خبری سنادیں ﴿السُّفُوفِينَ﴾ منافقوں کو ﴿بِأَنَّ﴾ اس چیز کی کہ بے شک ﴿لَهُمْ﴾ ان کے لیے ہے ﴿عَذَابًا أَلِيمًا﴾ عذاب دروناک ﴿الَّذِينَ﴾ منافق وہ ہیں ﴿يَتَّخِذُونَ﴾ جو بناتے ہیں ﴿الْكَافِرِينَ﴾ کافروں کو ﴿أَوْلِيَاءَ﴾ دوست ﴿مِنَ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ مومنوں کے سوا ﴿أَيْتَسُّونَ﴾ کیا تلاش کرتے ہیں ﴿عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ﴾ ان کافروں کے پاس عزت ﴿فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا﴾ پس بے شک عزت اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے سب کی سب ﴿وَقَدْ﴾ اور بہ تحقیق ﴿نَزَّلَ عَلَيْكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے تم پر ﴿فِي الْكِتَابِ﴾ کتاب میں یہ حکم ﴿أَنْ إِذْ أَسْمَعْتُمْ﴾ یہ کہ جب سنو تم ﴿آيَاتِ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے بارے میں ﴿يُكْفِرُوا بِهَا﴾ کہ ان کا انکار کیا جا رہا ہے ﴿وَيَسْتَهْزِئُوا بِهَا﴾ اور ان کے ساتھ ٹھٹھا کیا جا رہا ہے ﴿فَلَا تَتَّعَدُوا مَعَهُمْ﴾ پس نہ بیٹھو تم ان کے ساتھ ﴿حَتَّىٰ يَخُوضُوا﴾ یہاں تک کہ وہ مشغول ہو جائیں ﴿فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ﴾ اس ٹھٹھے کے علاوہ کسی اور بات میں ﴿إِنَّكُمْ﴾ بے شک تم ﴿إِذَا﴾ اگر ان کے ساتھ بیٹھے رہے تو اس وقت ﴿مِثْلَهُمْ﴾ ان جیسے گنہگار ہو گے ﴿إِنَّ اللَّهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿جَامِعُ السُّفُوفِينَ﴾ اکٹھا کرنے والا ہے منافقوں کو ﴿وَالْكَافِرِينَ﴾ اور کافروں کو ﴿فِي جَهَنَّمَ﴾ جہنم میں ﴿جَمِيعًا﴾ سب کو ﴿الَّذِينَ﴾ منافق وہ ہیں ﴿يَتَرَبَّصُّونَ بِكُمْ﴾ جو انتظار کرتے ہیں تمہارے بارے میں ﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ﴾ پس اگر تمہیں نصیب فتح ﴿مِنَ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿قَالُوا﴾ کہتے ہیں ﴿أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ﴾ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ ﴿وَإِنْ كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ﴾ اور اگر ہو کافروں کا حصہ ﴿قَالُوا﴾ کہتے ہیں ﴿أَلَمْ نَسْتَعِذْكُمْ﴾ کیا ہم غالب نہیں آگئے تھے تم پر ﴿وَتَسْتَعِذُّونَا﴾ اور کیا ہم نے نہیں حفاظت کی تمہاری ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ مومنوں سے ﴿قَالَهُ﴾ پس اللہ تعالیٰ ﴿يَحْكُمُ﴾ فیصلہ کرے گا ﴿بَيْنَكُمْ﴾ تمہارے درمیان ﴿يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ قیامت والے دن ﴿وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ﴾ اور ہرگز نہیں بنایا اللہ تعالیٰ نے ﴿لِلْكَافِرِينَ﴾ کافروں کے لیے ﴿عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾ مومنوں پر ﴿سَيِّئًا﴾ کوئی بھی اقتدار کا راستہ۔

پہلے کھلے کافروں کا ذکر تھا، اب منافقوں کا ذکر ہے، مومن اسے کہتے ہیں کہ زبان سے اقرار کرے اور دل میں یقین اور تصدیق موجود ہو اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ادا کر کے اس کا عملاً ثبوت دے۔ کافر وہ ہے کہ نہ دل کی تصدیق ہے، نہ زبان سے

اقرار ہے۔ منافق اسے کہتے ہیں جو زبان سے ایمان کا اقرار کرتا ہے، مگر دل میں یقین و تصدیق موجود نہیں ہے، یہ گروہ سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ کھلے کافر سے بچنا آسان ہے، منافق سے بچنا مشکل ہوتا ہے۔ جس طرح کھلے دشمن سے آدمی بچنے کا انتظام کرتا ہے اور کر بھی سکتا ہے اور جو دوست نما دشمن ہو اس سے بچنا مشکل ہوتا ہے یہ منافق بھی دوست نما دشمن ہوتے ہیں، ظاہری طور پر کلمہ پڑھتے ہیں اور اندر ان کے کفر ہوتا ہے۔

انہی کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿بَشِيرِ السُّفُوفِينَ﴾ اے نبی کریم! آپ خوش خبری سنا دیں منافقوں کو۔ کس بات کی خوش خبری؟ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّا جَاءْنَا بِالْبُرْهَانِ﴾ اس چیز کی کہ بے شک ان کے لیے ہے دردناک عذاب۔ یہ منافقوں کے ساتھ مذاق اور طنز ہے۔ کیوں کہ خوش خبری تو اچھی چیز کی ہوتی ہے، عذاب کی کیا خوش خبری ہے؟ پھر عذاب بھی دردناک۔ منافق کون ہیں؟ ﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الْكُفْرَيْنَ أَولِيَاءَ﴾ جو بناتے ہیں کافروں کو دوست ﴿مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ مومنوں کے سوا۔ مومنوں کے ساتھ کوئی رابطہ اور تعلق نہیں اور کافروں کے ساتھ یاری اور دوستی ہے اور انھی پر ان کا اعتماد ہے، وہ جو کہتے ہیں کرتے ہیں ﴿أَيَّتَعْتُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ﴾ کیا تلاش کرتے ہیں ان کافروں کے پاس عزت کہ ان سے دوستی رکھیں گے تو ہمیں عزت ملے گی؟ ﴿فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا﴾ پس بے شک عزت ساری اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ تمہیں کافروں سے کیا عزت ملے گی؟ کافروں کا خیر خواہ نہیں ہے۔

جو زیادہ عمر کے بزرگ ہیں ان کو یاد ہوگا کہ پاکستان بننے کے بعد امریکہ نے پاکستان کے ساتھ دفاعی معاہدہ کیا تھا۔ دفاعی معاہدے کا مفہوم یہ ہے کہ اگر دشمن نے تم پر حملہ کیا تو ہم تمہارا ساتھ دیں گے اور اگر ہم پر حملہ ہو تو تم ہمارا ساتھ دو گے۔ ان دنوں اخبارات نے بھی بڑے زور و شور سے اس پر سرخیاں لگائیں اور مضمون نگاروں نے مضمون لکھے مگر میں نے جمعہ کے خطبہ میں یہ بات کہی تھی کہ کافروں پر اعتماد کرنا بالکل غلط ہے اور دفاعی معاہدہ کر کے یہ نہ سمجھو کہ وہ ہمارا ساتھ دیں گے، یہ اسلام کی روح کے خلاف ہے اور تجربہ اس پر شاہد ہے۔ ہاں! اگر کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہو، اٹھا لو۔

اور یہ بھی تمہیں یاد ہوگا کہ مجمع میں سے ایک نوجوان اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ تم مولویوں والا ذہن رکھتے ہو۔ یہ حکومتوں کے آپس میں معاہدے ہیں مولویوں کے نہیں ہیں۔ میں نے کہا تھا برخوردار! اللہ کرے تیرا یہ کہنا اور ارادہ پورا ہو جائے مگر ایمان کی اور قرآن اور حدیث کی رو سے اور تاریخ اسلام کی رو سے ہمارا تجربہ یہ ہے کہ کافر نے مومن کا کبھی ساتھ نہیں دیا۔ لیکن نوجوان بڑا جذبہ بانی تھا، اٹھ کر چلا گیا اور جمعہ بھی نہ پڑھا اور کہا کہ میں تمہارے ساتھ نمٹ لوں گا۔ اللہ تعالیٰ رحمت کرے حاجی محمد اقبال صاحب پر کئی دنوں تک بطور محافظ کے یہاں سے میرے گھر تک میرے ساتھ جاتے اور جب میں نے آنا ہوتا تھا تو مجھے ساتھ لے کر آتے تھے۔ اس خیال کے پیش نظر کہ نوجوان ہے، دھمکی دے کر گیا ہے کوئی غلط قدم نہ اٹھا بیٹھے۔

کچھ عرصے کے بعد ۱۹۶۵ء کی جنگ لگ گئی۔ باوجود حلیف ہونے کے امریکہ نے ہماری کوئی مدد نہ کی، قطعاً کوئی مدد نہ کی۔ اس کو مدد کا کہتے رہے مگر اس نے کوئی نہ سنی۔ پھر اس کے بعد ۱۹۷۱ء کی جنگ امریکہ نے ہم پر مسلط کی۔ بھائی! کافروں پر

کیا اعتماد ہو سکتا ہے؟ ان کے ساتھ دوستی کا کیا معنی ہے؟ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا کون ہے؟ وہ فرماتے ہیں کہ منافق وہ ہیں جو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں۔ اس لیے کہ مومنوں کے پاس راکٹ نہیں ہیں، دولت نہیں ہے، کیونکہ جتنے بھی باطل فرتے ہیں انھوں نے اپنے نظریات قرآن و حدیث کے خلاف بیان کیے ہیں اور ہر کوئی اپنے انداز میں بیان کرے گا اور ان کا مفہوم بگاڑ دے گا۔

﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ﴾ اور بہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے کتاب میں حکم ﴿أَنْ﴾ یہ کہ ﴿إِذَا سَمِعْتُمْ﴾ جب سنو تم ﴿آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا﴾ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا جاتا ہے ﴿وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا﴾ اور مذاق کیا جاتا ہے، مخالفت کی جارہی ہے ﴿فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ﴾ پس تم ان کے ساتھ نہ بیٹھو۔ جس مجلس میں قرآن و حدیث کے خلاف بات ہو رہی ہو اس مجلس میں بیٹھنے اور شریک ہونے والا گنہگار ہے۔ اسی طرح باطل فرقوں کے جلسوں میں شرکت کرنے والا بھی گنہگار ہے۔ البتہ وہ شخص جاسکتا ہے جس کا عقیدہ پختہ ہو اور اس غرض سے جائے کہ سنوں کہ یہ کہتے کیا ہیں؟ تاکہ ان کا جواب دیا جاسکے۔

اور مسئلہ یہ ہے کہ باطل کی تردید فرض کفایہ ہے۔ اگر کسی نے کسی شہر میں یا قصبے میں دین کے خلاف بات کی ہے اور اس شہر یا قصبے میں کسی ایک نے بھی اس کی تردید نہ کی تو سارے گنہگار ہوں گے اور اگر کسی ایک شخص نے بھی باطل کی تردید کر دی تو سارے گناہ سے بچ گئے۔ یہ مسئلہ یاد رکھنا، بھولنا نہیں ہے کہ کسی شہر، محلے یا قصبے میں کسی نے اسلام کے خلاف بات کی اور کسی طرف سے اس کا جواب نہ آیا تو سارے مسلمان عاقل بالغ گنہگار ہوں گے اور اگر کسی ایک نے بھی معقول جواب دے دیا تو سارے گناہ سے بچ گئے۔

تو جہاں قرآن و حدیث کے خلاف بات ہو رہی ہو اس مجلس میں بیٹھنا منع ہے ﴿حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ﴾ یہاں تک کہ وہ مشغول ہو جائیں اس ٹھٹھے (استہزا) کے علاوہ کسی اور بات میں۔ قرآن و حدیث کے خلاف بات کرنے سے باز آجائیں اور کوئی سیاسی وغیرہ باتیں کرنے لگ جائیں تو بات جدا ہے۔ کیونکہ جب وہ قرآن و حدیث، فقہ اسلامی، اجماع امت کی مخالفت کر رہے ہوں گے اور تم ان میں بیٹھے ہو گے ﴿إِنَّكُمْ إِذَا أَتَيْتُمُوهُمْ﴾ بے شک تم اس وقت ان جیسے گنہگار ہو گے۔ کیونکہ تم اپنے اختیار سے اس مجلس میں بیٹھے ہو جس میں قرآن و حدیث کا انکار اور مذاق اڑایا جا رہا ہے لہذا تم بھی گنہگار ہو۔

اسی طرح جس مجلس میں جھوٹ بولا جا رہا ہو، گالی گلوچ ہو رہی ہو، غیبت ہو رہی ہو یا خلاف شرع کام ہو رہا ہو، مسلمان پر فرض ہے کہ اس مجلس سے اٹھ کر چلا جائے، وہاں نہ بیٹھے۔ اگر تمہیں اللہ تعالیٰ نے ہاتھ سے روکنے کی طاقت عطا فرمائی ہے تمہارے پاس کوئی منصب ہے تو روکو۔ کیونکہ ہاتھ سے تو حکمران ہی روک سکتے ہیں عام آدمی تو ہاتھ سے نہیں روک سکتا۔ اگر طاقت ہے تو ہاتھ سے روکے اور اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے۔ مگر آج کا ماحول ایسا ہے کہ زبان سے روکنا اور بتانا کہ یہ برائی ہے، بڑا مشکل ہے۔ فقہائے کرام رضی اللہ عنہم نے مسئلہ لکھا ہے اور بجا لکھا ہے کہ جس مقام پر حق بیان کرنے کے بدلے شر اور فتنے کا شدید خطرہ ہو وہاں پر خاموشی بہتر ہے۔ آج تو ہماری مجالس ہی بڑی ہیں، الاما شا، اللہ۔

یہ تو اُمت کو حکم ہے کہ ایسی مجلس میں نہیں بیٹھنا جہاں دین کے خلاف بات ہو رہی ہو یا خلاف شرع کام ہو رہا ہو اور آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے وہ بھی سن لو اور اس کو بھی اچھی طرح یاد رکھنا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَإِذَا مَا آيَاتُ الَّذِينَ﴾ اے نبی کریم! جب آپ دیکھیں ایسے لوگوں کو ﴿يُخَوِّضُونَ فِي الْآيَاتِ﴾ جو ہماری آیتوں کے بارے میں بکواس کر رہے ہیں، ان کے خلاف کچھ کہہ رہے ہیں، اسلام کے خلاف کچھ کہہ رہے ہیں ﴿فَاعْوِضْ عَنْهُمْ﴾ تو آپ ان سے اعراض کریں وہاں سے اُٹھ کر چلے جائیں ﴿حَتَّىٰ يُخَوِّضُوا فِي حَادِيثِ غَدْرِهِ﴾ یہاں تک کہ وہ اور باتوں میں مشغول ہو جائیں ﴿وَإِنَّمَا يُبَيِّنُكَ السُّلْطٰنُ﴾ اور اگر شیطان تمہیں بھلا دے بات کی طرف توجہ نہ ہو ﴿فَلَا تَعْتَدْ بَعْدَ الَّذِي لَمْ يَكُنْ مَعَكَ الْقَوُّوۃَ الظَّالِمِيۡنَ﴾ پس نہ بیٹھ یاد آنے کے بعد ظالم قوم کے ساتھ۔

حاضر ناظر کون ؟

اب ٹھنڈے دل سے اس بات پر بھی غور کرو اور سوچو کہ جاہل قسم کے لوگ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر اور موجود ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ نظریہ اپنا کر ہم آنحضرت ﷺ کی تعظیم کر رہے ہیں۔ دیکھو! کتنی بڑی جہالت ہے کہ قرآن کریم تو آپ ﷺ کو حکم دے کہ آپ خلاف شرع مجلسوں میں بیٹھ نہیں سکتے اور یہ کہیں کہ نہیں آپ ﷺ ہر جگہ موجود ہیں۔ دنیا خلاف شرع مجلسوں سے بھری ہوئی ہے، دینی اور مذہبی مجالس تو بہت کم ہیں۔ تو بری مجلسوں میں آپ ﷺ کو حاضر و ناظر جاننا یہ آپ ﷺ کی توہین ہے یا تعظیم ہے؟ آپ ﷺ تو ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے جہاں تصویریں ہوتی تھیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ایک کپڑا ملا جس پر جاندار چیزوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں، انھوں نے وہ کپڑا ایک الماری کے آگے لٹکادیا جس میں دو چار برتن پڑے تھے۔ کیونکہ الماری کا دروازہ نہیں تھا اور طبعی طور پر عورتوں کو گھر کے ساتھ، برتنوں کے ساتھ، زیوروں کے ساتھ محبت ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ نے یہ بات ان کی فطرت میں رکھی ہے۔ آنحضرت ﷺ باہر سے تشریف لائے اور دروازے میں قدم مبارک رکھا، تصویروں پر نگاہ پڑی تو پیچھے ہٹ گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں کہ آپ ﷺ ناراض ہو گئے ہیں، دوڑیں اور کہنے لگیں حضرت! اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے تو معافی چاہتی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا سامنے جو تصویریں لگی ہوئی ہیں جہاں یہ ہوں وہاں نہ تو رحمت کا فرشتہ داخل ہوتا ہے، نہ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر۔ انھوں نے وہ کپڑا آنحضرت ﷺ کے سامنے پھاڑ دیا۔ پھر آپ ﷺ اندر تشریف لے گئے۔

بھئی! آپ ﷺ تصویروں کی وجہ سے اپنے گھر اور حجرے میں تو داخل نہ ہوں اور ہمارے گھر جو بت خانے بنے ہوئے ہیں وہاں آپ ﷺ حاضر و ناظر ہیں۔ لہذا یاد رکھنا! آپ ﷺ کو ہر جگہ حاضر و ناظر ماننا یہ آپ ﷺ کی انتہائی توہین ہے۔ عوام بے چارے غلط فہمی کا شکار ہیں توہین کو تعظیم سمجھتے ہیں۔

ساتھیو! یہ بات میں متعدد مرتبہ بتا چکا ہوں کہ الحمد للہ! میں نے آج تک سینما نہیں دیکھا اور آئندہ بھی اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ کیونکہ ہمارا یہ ذہن بنایا گیا تھا کہ تھیٹر نہیں دیکھنا، سینما نہیں دیکھنا۔ والد محترم کی ڈاڑھی سنت کے مطابق تھی، کپے نمازی اور بڑے مہمان نواز تھے، بالکل اُن پڑھ۔ وہ ہمیں کہتے تھے بیٹے! تھیٹر نہیں دیکھنا، سینما نہیں دیکھنا۔ ان کا یہ دیا ہوا سبق مجھے آج تک یاد ہے، بھلایا نہیں ہے۔ تو بھائی! میرے جیسا آدمی تو وہاں نہ جائے کہ توہین ہے اور آنحضرت ﷺ کو وہاں حاضر و ناظر تسلیم کیا جائے تو یہ آپ ﷺ کی توہین ہے یا تعظیم ہے؟ یہ گندے عقیدے ہیں، ان سے بچنا۔

پھر بعض لوگ ڈھچھڑاہ دیندے ہیں (ضد کرتے ہیں) کہ پھر اللہ تعالیٰ کیوں ہر جگہ حاضر و ناظر ہے؟ بھئی! بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مکلف نہیں ہے، اس پر کوئی قانون لاگو نہیں ہے اور اس کا ہر جگہ موجود ہونا یہ اس کی صفت ہے اور مخلوق کو ہر جگہ حاضر و ناظر جانو گے تو اس کی توہین ہوگی۔ آنحضرت ﷺ مکلف ہیں، آپ ﷺ کو حکم ہے ﴿فَلَا تَقْعُدُوا بَعْدَ اللَّهِ بِكُلِّ مَنَاقِبٍ﴾ یا آیت کو اچھی طرح سمجھو اور یاد کرو تا کہ موقع پر پیش کر سکو۔ اور جس طرح آنحضرت ﷺ حاضر و ناظر نہیں ہیں اسی طرح آپ ﷺ علم کل بھی نہیں ہیں۔

جادو کرنا کفر ہے

الحمد للہ! میں نے بہت سارے علوم حاصل کیے ہیں مگر جادو کا علم حاصل نہیں کیا۔ کیونکہ جادو کا سیکھنا کفر ہے۔ یہودی حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف جادو کی نسبت کرتے تھے کہ وہ جادو کرتے تھے۔ پہلے پارے میں اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید فرمائی ہے ﴿وَمَا كَفَرُ سُلَيْمٰنٌ وَّلٰكِنَّ الشَّيْطٰنَ كَفَرًا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ﴾ "سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا اور لیکن شیطان ہی کفر کرتے ہیں کہ لوگوں کو جادو سکھاتے ہیں۔" تو بھئی! میرے جیسے گنہگار آدمی کو تو جادو نہ آئے کہ اس سے خرابی آتی ہے اور انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کے متعلق یہ عقیدہ بنایا جائے کہ وہ سارے علم جانتے ہیں یہ کون سا کمال ثابت کیا ہے؟ اُٹلان کی توہین کی ہے۔ کیونکہ سارے علوم میں جادو کا علم بھی ہے جس کا حاصل کرنا کفر ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَمَا عَلَّمْنٰهٗ السِّحْرَ وَّمَا يَتَّبِعُ لَهٗ﴾ اور ہم نے پیغمبر ﷺ کو شعر گوئی نہیں سکھائی اور نہ وہ اس کے شایان شان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو شعر و شاعری کا فن نہیں سکھایا اور وہ آپ ﷺ کی شان کے مناسب بھی نہیں ہے۔ یہ باتیں عقائد کی ہیں اور قرآن پاک کے مسئلے ہیں، دھکوسلے نہیں ہیں، ان کو اچھی طرح سمجھ لو۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْكَافِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جٰمِعًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جمع کرنے والا ہے سب منافقوں اور کافروں کو جہنم میں ﴿اَلَّذِيْنَ يَتَرَتَّبُوْنَ اٰيٰتِنَا﴾ منافق وہ ہیں جو انتظار کرتے ہیں تمہارے بارے میں۔ کس چیز کا انتظار کرتے ہیں؟ فرمایا ﴿فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فِتْنَةٌ مِّنْ اللّٰهِ﴾ پس اگر تمہیں فتنہ نصیب ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لڑائی میں ﴿قَالُوْا﴾ کہتے ہیں ﴿اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ﴾ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ ہمیں بھی حصہ دو ﴿وَ اِنْ كَانَ لِلْكَافِرِيْنَ نَصِيْبٌ﴾ اور اگر ہو کافروں کا حصہ کہ لڑائی میں ان

کا پلہ بھری ہو جاتا ہے ﴿قَالُوا﴾ ان کے پاس پہنچ کر کہتے ہیں ﴿الَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ﴾ کیا ہم غالب نہیں آگئے تھے تم پر؟ ﴿وَنَنْتَعِمُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ اور کیا ہم نے تمہاری حفاظت نہیں کی ایمان والوں سے کہ وہ تمہارا صفایا کرنا چاہتے تھے ہم نے درمیان میں آ کر ایسے حالات پیدا کیے کہ تم بچ گئے، ہم نے تمہارا دفاع کیا ہے۔ لہذا تمہیں جو مال ملا ہے اس سے ہمیں حصہ دو ﴿قَالَ اللَّهُ يَخْتَكُم بَيْنَكُم يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ پس اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ کرے گا تمہارے درمیان قیامت والے دن ﴿وَلَنْ يُجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ﴾ اور ہرگز نہیں بنایا اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے ﴿عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا﴾ مومنوں پر کوئی بھی اقتدار کا راستہ۔

مومن مومن ہیں، ان کے لیے کافروں کے ساتھ نہ تو دوستی کا راستہ ہے، نہ عزت کا راستہ ہے۔ ہاں! دنیاوی معاملات میں کافروں کے ساتھ برتاؤ کر سکتے ہیں اس سے اسلام منع نہیں کرتا۔ برتاؤ کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بے دین ہو جاؤ۔ جس طرح ترکی کے حکمران بے دین ہیں کہ کبھی اذان پر پابندی، کبھی پردے پر پابندی اور دینی مدرسے پہلے ہی بند کر دیے ہیں کہ دین کوئی نہ پڑھے۔ جو کچھ ان سے امریکہ کراتا ہے، کرتے چلے جا رہے ہیں اور یہ اس ملک میں ہو رہا ہے جہاں لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں مسلمان موجود ہیں۔ ترکی کے عوام بڑے نہیں ہیں، صرف حکمران طبقہ بے ایمان ہے اور اب تو ہر جگہ ایسا ہی ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں کے شر سے بچائے اور محفوظ رکھے۔ (آمین)



﴿إِنَّ السُّفِيَّيْنَ﴾ بے شک منافق ﴿يُخَدِعُونَ اللَّهَ﴾ دغا بازی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿وَهُوَ خَادِعُهُمْ﴾ اور وہ ان کو ان کی دغا بازی کا بدلہ دے گا ﴿وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ﴾ اور جب وہ کھڑے ہوتے ہیں نماز کی طرف ﴿قَامُوا﴾ کھڑے ہوتے ہیں ﴿كَسَالٍ﴾ ست ﴿يُرْآءُونَ النَّاسَ﴾ دکھاوا کرتے ہیں لوگوں کو ﴿وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ﴾ اور نہیں ذکر کرتے اللہ تعالیٰ کا ﴿إِلَّا قَلِيلًا﴾ مگر بہت تھوڑا ﴿مُذَبَذِبِينَ﴾ وہ لٹک رہے ہیں ﴿بَيْنَ ذَلِكَ﴾ کفر اور اسلام کے درمیان ﴿لَا إِلَى هُوَاءٍ﴾ صحیح معنی میں نہ ان کی طرف ہیں ﴿وَلَا إِلَى هَوَاءٍ﴾ اور نہ ان کی طرف ہیں ﴿وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ﴾ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ بہکا دے ﴿فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا﴾ پس آپ ہرگز نہیں پاؤ گے اس کے لیے کوئی راستہ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَتَّخِذُوا﴾ نہ بناؤ تم ﴿الْكَافِرِينَ﴾ کافروں کو ﴿أَوْلِيَاءَ﴾ دوست ﴿مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ مومنوں کو چھوڑ کر ﴿أَتُرِيدُونَ﴾ کیا تم ارادہ کرتے ہو ﴿أَنْ﴾ اس بات کا ﴿تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ﴾ کہ بناؤ تم اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے خلاف ﴿سُلْطَانًا﴾ دلیل ﴿مُبِينًا﴾ کھلی ﴿إِنَّ السُّفِيَّيْنَ﴾ بے شک وہ لوگ جو منافق ہیں ﴿فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ﴾ نچلے طبقے میں ہوں گے ﴿مِنَ الْقَابِئِ﴾ دوزخ کے ﴿وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ﴾ اور ہرگز نہیں پائے گا تو ان کے لیے ﴿نَصِيرًا﴾ کوئی

مددگار ﴿إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا﴾ مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی ﴿وَأَصْلَحُوا﴾ اور اصلاح کر لی ﴿وَأَعْتَصَمُوا بِاللَّهِ﴾ اور انہوں نے مضبوطی سے پکڑا اللہ تعالیٰ کے دین کو ﴿وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ﴾ اور خالص بنایا انہوں نے اپنے دین کو ﴿اللَّهُ﴾ اللہ تعالیٰ کے لیے ﴿فَأُولَٰئِكَ﴾ پس وہ لوگ ﴿مَعَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ایمان والوں کے ساتھ ہیں ﴿وَسَوْفَ يُؤْتِي اللَّهُ﴾ اور عنقریب دے گا اللہ تعالیٰ ﴿الْمُؤْمِنِينَ﴾ ایمان والوں کو ﴿أَجْرًا عَظِيمًا﴾ اجر بہت بڑا ﴿مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَدَابِكُمْ﴾ کیا کرے گا اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے کر ﴿إِنْ شَكَرْتُمْ﴾ اگر تم شکر ادا کرتے رہے ﴿وَأَمْسَلْتُمْ﴾ اور ایمان پر قائم رہے ﴿وَكَانَ اللَّهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿شَاكِرًا﴾ قدر دان ﴿عَلِيمًا﴾ جاننے والا۔

نماز میں سستی منافقت کی علامت ہے ؟

منافقین اور ان کے کردار کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ ان آیات میں بھی ان کے ایک کردار کا ذکر ہے۔ فرمایا ﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَدِعُونَ اللَّهَ﴾ بے شک منافق دغا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ مراد یہ ہے کہ دھوکے کا معاملہ کرتے ہیں۔ حقیقتاً تو اللہ تعالیٰ کو دھوکا کوئی نہیں دے سکتا، اس لیے کہ دھوکا اس کو دیا جاتا ہے جس کو علم نہ ہو، حقیقت معلوم نہ ہو اور اللہ تعالیٰ سے کوئی شے مخفی نہیں ہے۔ لیکن ان کی طرف سے معاملہ ایسا ہے جیسے دھوکے باز کا ہوتا ہے۔ نمازیں پڑھتے ہیں، نیکی کے کاموں میں حصہ لیتے ہیں، اپنے آپ کو مومن کہتے ہیں، مگر مومن نہیں ہیں اور یہ کب تک کر لیں گے ﴿وَهُوَ خَادِعُهُمْ﴾ وہ ان کو ان کی دغا بازی کا بدلہ دے گا۔ آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے جنت بھی سامنے، دوزخ بھی سامنے، ثواب بھی سامنے، عقاب بھی سامنے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی کچھ علامتیں بیان فرمائی ہیں۔

فرمایا ﴿وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ﴾ اور جب وہ کھڑے ہوتے ہیں نماز کے لیے ﴿قَامُوا كَسَانٍ﴾۔ ﴿كَسَانٍ﴾ جمع ہے کسلان کی، جس کا معنی ہے سستی کرنا۔ کھڑے ہوتے ہیں سستی کرتے ہوئے اس طرح کہ جو کام نہیں کرنا وہ کرنا پڑ رہا ہے۔ کیونکہ دل میں نماز کا ذوق تو ہے نہیں بادل نخواستہ لوگوں کو دکھانے کے لیے پڑھنا پڑتی ہے۔ دعا کرو کہ ہمارے اندر نماز کی سستی نہ آئے کہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی علامت بیان فرمائی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **إِتَّقُوا صَلَاةَ الْمُتَنَافِقِ** اتَّقُوا صَلَاةَ الْمُتَنَافِقِ اتَّقُوا صَلَاةَ الْمُتَنَافِقِ۔ ”منافق کی نماز سے بچو، منافق کی نماز سے بچو، منافق کی نماز سے بچو۔“

منافق کی نماز کیا ہے؟ وہ اس طرح کہ مثلاً: فجر کی نماز ہے اور اس نے معمول بنایا ہوا ہے کہ جب سورج طلوع ہونے کے قریب ہوتا ہے تو اٹھتا ہے اور جلدی جلدی وضو کرتا ہے اور جلدی جلدی نماز پڑھتا ہے، جس طرح مرغنا چوچیں مارتا ہے۔ یہ منافق کی نماز ہے۔ اسی طرح مثلاً: عصر کی نماز ہے، اس کے مستحب وقت میں نماز نہیں پڑھتا بلکہ اپنے کام میں مشغول رہتا ہے اور جب سورج غروب ہونے کے قریب ہوتا ہے تو وضو کرتا ہے اور نکریں مارتا ہے۔ یہ منافق کی نماز ہے۔ عصر کی نماز کے متعلق

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مَنْ قَاتَتْهُ صَلَوةُ الْعَصْرِ "جس شخص کی عصر کی نماز فوت ہوگئی فَكَأَنَّمَا وِيَرَّ أَهْلُهُ وَمَالُهُ پس گویا کہ اس کے گھر کے سارے افراد بھی مارے گئے اور گھر کا سارا سامان بھی لوٹ لیا گیا۔" اندازہ لگاؤ کہ جس شخص کے گھر کے سارے افراد مارے جائیں اور گھر کا سارا سامان لوٹ لیا جائے تو اس کو کتنا دکھ ہوگا اور اس کی کیا حالت ہوگی؟ عصر کی نماز ضائع ہونے سے مومن کا اتنا نقصان ہوتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ کوئی سمجھے۔ اور منافق کی یہ علامت کہ وہ نماز میں سستی کرتا ہے حدیث پاک میں بھی موجود ہے۔

منافقت کی دیگر علامات ہیں

دوسری صفت: ﴿يُؤْخَذُونَ النَّاسُ﴾ دکھاوا کرتے ہیں لوگوں کو۔ دکھانے کے لیے نماز پڑھتے ہیں، لوگوں کو دکھانے کے لیے۔ اگر کوئی دیکھنے والا نہیں ہے تو پھر نماز کا نام و نشان ہی نہیں ہے، نیکی کا نام و نشان ہی نہیں ہے۔ تیسری علامت: ﴿وَلَا يَدْعُونَ اللَّهَ إِلَّا قِيلًا﴾ اور نہیں ذکر کرتے اللہ تعالیٰ کا مگر بہت تھوڑا اور مومن کی یہ صفت ہے کہ ﴿يَدْعُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ﴾ [آل عمران: ۱۹۱] "وہ یاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو کھڑے کھڑے، بیٹھے ہوئے اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے۔" مومن کا دل اور زبان ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ تر ہے۔

منافقوں کی چوتھی صفت: ﴿مُذَّكَّرًا وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ كُفْرًا﴾ وہ متردد ہیں کفر اور اسلام کے درمیان ﴿وَلَا إِلَىٰ هَؤُلَاءِ﴾ صحیح معنی میں مومنوں کے ساتھ ہیں، کیونکہ دل ان کے ساتھ نہیں ﴿وَلَا إِلَىٰ هَؤُلَاءِ﴾ اور نہ مکمل کافروں کے ساتھ ہیں۔ کیونکہ زبانی طور پر مومنوں کے ساتھ ہیں۔ کھل کر واضح طور پر نہ ان کے ساتھ ہیں، نہ ان کے ساتھ ہیں، درمیان میں لٹکے ہوئے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی علامتیں بیان فرمائی ہیں اور ہمیں بھی سوچنا چاہیے کہ ان میں سے کوئی ہمارے اندر تو نہیں پائی جاتی۔ اگر پائی جاتی ہے تو اس کا تدارک کرنا چاہیے۔

﴿وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ﴾ اور جس کو اللہ تعالیٰ بہکا دے ﴿فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا﴾ تو اسے مخاطب! تو ہرگز نہیں پائے گا اس کے لیے کوئی راستہ۔ اللہ تعالیٰ کس کو بہکاتے ہیں؟ فرمایا ﴿فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ﴾ [سورۃ الصف: ۵، پارہ: ۲۸] "کہ جب وہ غلط راستہ پر چل پڑتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی ان کو ادھر ہی چلا دیتا ہے۔" جبراً اللہ تعالیٰ کسی کو غلط راستہ پر نہیں چلاتے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے ﴿تَوَلَّوْا مَا تَوَلَّوْا وَنُصَلِّبْ جَهَنَّمَ﴾ "ہم اس کو پھیر دیں گے اسی طرف جس طرف اس نے رخ کیا اور ہم اس کو دوزخ میں داخل کریں گے۔"

مطلب یہ ہے کہ جدر کوئی جانا چاہے گا ہم اس کو ادھر ہی چلا دیں گے اور سورۃ الکہف میں آتا ہے ﴿فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَ مَنِ شَاءَ فَلْيُكْفِرْ﴾ "پس جو شخص چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے۔" رب تعالیٰ نے کسی کو مجبور نہیں کیا اور جب کوئی اپنی مرضی سے غلط راستہ پر چل پڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ جبراً ہدایت بھی نہیں دیتا۔ ہدایت، ایمان، اسلام بہت قیمتی چیزیں ہیں، مفت

میں نہیں ملتیں ان کے لیے محنت کرنا پڑتی ہے۔

کافر اور مومن کی دوستی

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِينَ اَوْلِيَاءَ﴾ نہ بناؤ تم کافروں کو دوست ﴿مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ مومنوں کو چھوڑ کر۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ کافروں سے دوستی نہ کرو۔ مگر اس وقت مسلمان کہلوانے والے تقریباً پچپن ملک ہیں جو سب کے سب امریکہ کی گود میں ہیں اور جو وہ کہتا ہے کرتے ہیں۔ سوائے دو تین کے کہ جن کا رب تعالیٰ کے اس ارشاد پر پورا یقین ہے۔ باقی سب کی اس کے ساتھ دوستی ہے ذاتی مفادات کے لیے۔ ایمان کمزور ہیں اس لیے ایسا کر رہے ہیں۔ اگر ایمان مضبوط ہو تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پر اعتماد ہوتا ہے، نہ ڈر ہوتا ہے۔

دیکھو! افغانستان میں آج سے چار دن پہلے چوروں کے ہاتھ کاٹے گئے تو یورپی ملکوں نے اس پر داویلا کیا، شور مچایا کہ افغانستان میں ظلم ہو رہا ہے۔ طالبان حکومت نے کہا: بے شک شور کرتے رہو، چیختے چلاتے رہو، ہمیں تمہاری کوئی پروا نہیں ہے، تمہارے طعنوں سے رب تعالیٰ کا حکم مقدم ہے۔ رب تعالیٰ کا حکم ہے ﴿وَالسَّامِيَّةِ وَالسَّامِيَّةِ فَاقْطَعُوا آيُنَ يُهْمَا﴾ ”چور مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹ دو۔“ ہم اپنے رب کو راضی رکھیں گے تم بگڑتے ہو تو بگڑ جاؤ۔ ایمان کے بغیر آدمی یہ بات نہیں کہہ سکتا۔

﴿اَتْرِيدُونَ﴾ کیا تم ارادہ کرتے ہو ﴿اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا﴾ اس بات کا کہ بناؤ اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے خلاف دلیل کھلی۔ تم کافروں کے ساتھ دوستی کرو گے تو یہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی کی کھلی دلیل ہوگی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں منع کر دیا ہے ﴿لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِينَ اَوْلِيَاءَ﴾ کافروں کو دوست نہ بناؤ۔

﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِي الدَّرَجٰتِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ بے شک وہ لوگ جو منافق ہیں دوزخ کے نیچے طبقے میں ہوں گے۔ دوزخ کے اوپر نیچے سات طبقے ہیں۔ سب سے اوپر والا طبقہ گنہگار مسلمانوں کے لیے ہے جن کا عقیدہ تو صحیح ہوگا مگر عملی کوتاہیوں کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے اور کچھ مدت کے بعد دوزخ سے نکل کر سارے جنت میں چلے جائیں گے۔ صحیح العقیدہ کوئی بھی مسلمان دوزخ میں نہیں رہے گا۔ اس سے نیچے والے طبقے میں عیسائی ہوں گے اور اس سے نیچے والے طبقے میں یہودی ہوں گے اور اس سے نیچے والے طبقے میں مجوسی ہوں گے اور اس سے نیچے والے طبقے میں مشرک ہوں گے اور جو سب سے نیچے والا طبقہ ہے اس میں منافق ہوں گے۔

جہنم کا سانس

دوزخ کے طبقوں کا آپس میں کتنا تفاوت ہے؟ اس کا اندازہ اس حدیث سے لگاؤ کہ جہنم کے ایک طبقے نے دوسرے طبقے کی شکایت کی کہ اے پروردگار! اس کی تپش اور ٹھنڈک نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس طبقے کو اجازت دی کہ

تو دوسانس لے لے۔ اس نے دوسانس لیے ایک ٹھنڈا اور ایک گرم۔ یہ جو تمہیں گرمی لگتی ہے یہ جہنم کا ایک سانس ہے اور جو سردی لگتی ہے یہ بھی جہنم کے زہریر طبقے کا ایک سانس ہے اور بسا اوقات گرمی سردی اتنی پڑتی ہے کہ آدمی مر جاتے ہیں۔

پچھلے دنوں اخبار میں آیا تھا کہ ایک آدمی کا سردی کی وجہ سے خون جم گیا اور وہ مر گیا اور گرمی کی شدت سے بھی آدمی مر جاتے ہیں۔ اس سے اندازہ لگاؤ کہ اس کی ذاتی پیش کتنی ہوگی۔ اس کو اس طرح سمجھو کہ آدمی جب سانس لیتا ہے تو اس کے ذریعے معدے کی حرارت کو باہر نکالتا ہے۔ سانس کتنا گرم ہوتا ہے، اس سے معدے کی حرارت کا اندازہ لگا لو۔

تو جہنم کے نچلے طبقے میں سب سے زیادہ سزا ہوگی اور منافقین اس میں ہوں گے ﴿وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا﴾ اور اے مخاطب! ہرگز نہیں پائے گا تو ان کے لیے کوئی مددگار۔ آج دنیا میں لوگ ایک دوسرے کی مدد کے دعوے بھی کرتے ہیں اور بسا اوقات مدد کرتے بھی ہیں مگر قیامت والے دن ان کی کوئی مدد نہیں کر سکے گا۔ ہاں! ﴿إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا﴾ مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کر لی۔ جو منافق نفاق سے باز آ گئے ﴿وَأَصْلَحُوا﴾ اور توبہ کے بعد اپنی اصلاح کر لی۔ غزوہ تبوک میں تقریباً چودہ پندرہ منافق رات کو اکٹھے ہوئے اور بڑی داہی تباہی قسم کی باتیں کیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف، قرآن کریم کے خلاف، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف۔ ان کے ذہن میں یہ تھا کہ ہماری باتوں کو کوئی سن تو رہا نہیں ہے جو منہ میں آیا یا بکتے رہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک نازل فرما کر اپنے پیغمبر کو آگاہ فرما دیا کہ انہوں نے رات کو اللہ تعالیٰ کا مذاق اڑایا ہے اور اس کی آیات کا بھی اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر سے بھی مذاق کیا ہے۔

ان منافقوں میں سے ابن حمیر کو اللہ تعالیٰ نے توبہ کی توفیق عطا فرمائی اور انہوں نے منافقت سے توبہ کر لی اور سچے دل سے ایمان قبول کیا۔ اس طرح کی ایک دو مثالیں اور بھی ملتی ہیں کہ چند منافقوں نے نفاق سے توبہ کی، باقی اکثر منافقوں کو توبہ کی توفیق نہیں ملی۔ جس طرح بدعتی کو توبہ کی توفیق نہیں ملتی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ قَدْ حَجَبَ التَّوْبَةَ عَنِ كَثِيرٍ صَاحِبِ بَدْعَةٍ﴾ ”بے شک اللہ تعالیٰ نے بدعتی پر توبہ کا دروازہ بند کر دیا ہے۔“ بدعت کی ایسی نحوست ہے کہ جس کی وجہ سے توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔

﴿وَأَعْتَصَبُوا بِاللَّهِ﴾ اور انہوں نے مضبوطی سے پکڑا اللہ تعالیٰ کے دین کو ﴿وَأَخْلَصُوا جِيبَهُمْ لِلَّهِ﴾ اور خالص بنایا انہوں نے اپنے دین کو اللہ تعالیٰ کے لیے۔ توبہ کر کے خالص دین پر چلے ﴿فَأُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ پس وہ لوگ ایمان والوں کے ساتھ ہیں۔ ان کا شمار ایمان والوں کے ساتھ ہوگا۔

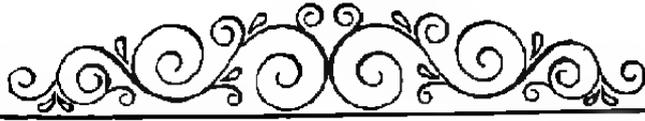
ساتھیو! توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے۔ گزشتہ گناہوں سے توبہ کرو اور آئندہ اپنی اصلاح کرو۔ البتہ جن چیزوں کی قضا ضروری ہے ان کی قضا لوٹاؤ۔ مثلاً: نماز ہے، روزہ ہے، زکوٰۃ ہے، کسی آدمی کا حق کھایا ہے، کسی کو گالیاں دی ہیں، کسی کی پیٹھ پیچھے برائی کی ہے، اس سے معافی مانگنی پڑے گی اور اللہ تعالیٰ سے بھی مانگنی ہے۔ کیونکہ اس میں رجحان ہے۔ ایک بندے کا حق ہے، وہ معاف کرے گا تو معاف ہوگا۔ یہ نہ سمجھنا کہ لوگوں کا مال کھا کر توبہ توبہ کہہ دیا تو وہ معاف ہو گیا۔ حاشا وکلا! ہرگز اس طرح نہیں

ہوگا۔ غلط فہمی میں نہ رہنا جس کا حق دینا ہے اس کا حق لوٹاؤ اور معافی مانگو۔ دوسرا اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ اس کے قانون کو توڑا ہے لہذا اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی ہے۔

﴿ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴾ اور عنقریب دے گا اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اجر بہت بڑا۔ اس کے خزانوں میں بہت کچھ ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ جو اجر اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لیے رکھا ہوا ہے آج ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَدَابِكُمْ ﴾ کیا کرے گا اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے کر اے بندو! تمہیں سزا دینے سے اللہ تعالیٰ کو کیا مل جائے گا؟ اور اگر سزا نہ دی تو اس کا کیا بگڑ جائے گا؟ ﴿ إِن شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ ﴾ اگر تم شکر ادا کرتے رہو اور ایمان پر قائم رہو۔

وہ سزا تب دے گا کہ تم اس پر ایمان نہ لاؤ اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا نہ کرو اور ظاہر بات ہے کہ نافرمان کو کوئی بھی معاف نہیں کرتا۔ ہم تم بھی نافرمان کو معاف نہیں کرتے اور رب تعالیٰ تو قہار ہے اور ساری قوتوں کا مالک ہے۔ ہاں! اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دینے پر راضی نہیں ہے اسی لیے فرمایا ﴿ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ﴾ [الزمر: ۷] ”اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہے اپنے بندوں کے لیے کفر پر۔“ کفر پر سخت ناراض ہے اور ظاہر بات ہے اگر تم کفر کرو گے تو سزا بھی دے گا ﴿ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ قدر دان، جاننے والا۔ اگر تم ایک نیکی کرو تو دس گنا بدلہ دیتا ہے اور اگر نیکی فی سبیل اللہ کی مد میں ہو تو سات سو گنا بدلہ دیتا ہے۔ کتنا قدر دان ہے اور جانتا بھی ہے اس سے کوئی شے مخفی نہیں ہے۔ وہ تمہارے ظاہر و باطن کو جانتا ہے، تمہاری نیتوں سے واقف ہے، وہ تمہارے اعمال و اقوال کو بخوبی جانتا ہے۔ یہ بات ہر وقت تمہارے پیش نظر رہے کہ معاملہ پروردگار کے ساتھ ہے جو عظیم بذات الصدور ہے اور اپنے وقت پر اس کو حساب دینا ہے۔





پارہ ⑥

لَا يُحِبُّ اللَّهُ



﴿لَا يُحِبُّ اللَّهُ﴾ نہیں پسند کرتا اللہ تعالیٰ ﴿الْجَهْرَ بِالسُّوِّءِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ ظاہر کرنا بُری بات کو ﴿إِلَّا مَنْ ظَلِمَ﴾ مگر وہ شخص جس پر ظلم کیا گیا ہے ﴿وَكَانَ اللَّهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿سَيِّعًا﴾ سننے والا ﴿عَلِيمًا﴾ جاننے والا ﴿إِنْ تَبَدُّوا﴾ اگر تم ظاہر کرو گے ﴿خِيْرًا﴾ نیکی کو ﴿أَوْ تُخْفُوا﴾ یا چھپاؤ گے اس نیکی کو ﴿أَوْ تَعْفُوا عَنْ سُوءِ﴾ یا اور گزر کرو گے برائی سے ﴿فَإِنَّ اللَّهَ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿عَفُوًّا﴾ معاف کرنے والا ﴿قَدِيرًا﴾ قدرت والا ﴿إِنَّ الَّذِينَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ﴾ جو انکار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ﴿وَمُسْلِمٍ﴾ اور اس کے رسولوں کا ﴿وَيُرِيدُونَ﴾ اور ارادہ کرتے ہیں ﴿أَنْ﴾ اس بات کا ﴿يُقْفَرُوا﴾ کہ تفریق کریں ﴿بَيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ کے درمیان ﴿وَمُسْلِمٍ﴾ اور اس کے رسولوں کے حکموں کے درمیان ﴿وَيَقُولُونَ﴾ اور کہتے ہیں ﴿تُؤْمِنُ بَعْضٌ﴾ ہم ایمان لائیں گے بعض پر ﴿وَنُكْفَرُ بَعْضٌ﴾ اور بعض کا ہم انکار کرتے ہیں ﴿وَيُرِيدُونَ﴾ اور ارادہ کرتے ہیں ﴿أَنْ﴾ اس کا ﴿يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا﴾ کہ بنالیں اس کے درمیان ایک راستہ ﴿أُولَئِكَ﴾ وہ لوگ ﴿هُمُ الْكٰفِرُونَ﴾ وہ کافر ہیں ﴿حَقًّا﴾ یقیناً ﴿وَاعْتَدْنَا﴾ اور ہم نے تیار کیا ہے ﴿لِلْكَافِرِينَ﴾ کافروں کے لیے ﴿عَذَابًا مُّهِينًا﴾ عذاب رسوا کرنے والا ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر ﴿وَمُسْلِمٍ﴾ اور اس کے رسولوں پر ﴿وَلَمْ يُفَرِّقُوا﴾ اور نہیں تفریق کی ﴿بَيْنَ﴾ أَحَدٍ مِنْهُمْ﴾ ان میں سے کسی ایک کے درمیان ﴿أُولَئِكَ﴾ وہی لوگ ہیں ﴿سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ﴾ عنقریب دے گا ان کو اللہ تعالیٰ ﴿أُجْرَتَهُمْ﴾ ان کے اجر ﴿وَكَانَ اللَّهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿عَفُوًّا﴾ بخشنے والا ﴿مُهَيِّمًا﴾ مہربان۔

اس سے پہلے منافقوں کی علامتوں کا ذکر تھا کہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی کرتے ہیں اور نیکی ریا کاری کے طور پر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں، فضول باتوں اور کہانیوں میں وقت گزارتے ہیں، کافروں اور مومنوں کے درمیان لٹکے ہوئے ہیں اور منافقوں کی سزا بھی بیان فرمائی ﴿إِنَّ الشُّفُقَةَ فِي الدِّمْرِكَ الْأَسْفَلِ مِنَ الْقَابِ﴾ "کہ منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔" اور چونکہ برائی کا اظہار کافروں اور منافقوں کا کام ہے اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوِّءِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ نہیں پسند کرتا اللہ تعالیٰ بُری بات کے ظاہر کرنے کو۔ غیبت بُری بات ہے، جھوٹ بُری بات ہے، کسی کو گالیاں دینا اور اس کو ایسی بات کہنا جس میں اس کی تذلیل اور تحقیر ہو، بُری بات ہے لیکن آج کل دُک اس کو عیب کی بجائے ہنر سمجھتے ہیں کہ میں نے فلاں کو یہ کہا اور یہ کہا اور اس طرح ذلیل کیا۔ حالانکہ ان باتوں کو شریعت پسند نہیں کرتی۔

غیبت اور گالیوں کا بیان

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِيهِ)) ”کہ مسلمان وہ ہے کہ دوسرے مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ ہوں۔“ تو برائی ظاہر کرنے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا ﴿إِلَّا مَنْ ظَلِمَ﴾ مگر وہ شخص کہ جس پر ظلم کیا گیا ہے کہ یہ شخص ظالم کی بات کو حاکم وقت کے سامنے یا مفتی، قاضی کے سامنے یا کسی اثر و رسوخ والے آدمی کے سامنے پیش کرے جو اس کا ازالہ کر سکتا ہے تو اس کو برائی ظاہر کرنے کی اجازت ہے کہ فلاں شخص نے مجھ پر ظلم کیا ہے اور اس طرح اس نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے اور ان الفاظ کے ساتھ اس نے مجھے گالی دی ہے۔ کیونکہ وہ محض دل کی بھڑاس نہیں نکال رہا بلکہ اس کے ساتھ جو زیادتی ہوئی ہے اس کی داد رسی چاہتا ہے۔ رعنی یہ بات کہ ظالم کون ہے اور مظلوم کون ہے؟ تو ابتدا کرنے والا ظالم ہے۔

چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ دو آدمی آپس میں جھگڑا کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو گالی دیتے ہیں۔ فرمایا جو ابتداء کرنے والا ہے وہ بڑا ظالم ہے۔ یعنی ابتدا کرنے والے کو شریعت ظالم کہتی ہے۔ دیکھو! بہت سارے ایسے مقامات ہوتے ہیں کہ ایک آدمی کو مار پڑتی ہے۔ وہ ساتھیوں کو کہتا ہے مجھے مار پڑی ہے، مدد چاہتا ہے، مگر یہ نہیں بتائے گا کہ مار پڑی کیوں ہے؟ حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ بتایا جائے کہ مار کس وجہ سے پڑی ہے؟ اسی طرح یہ تو بتائے گا کہ فلاں نے مجھے گالی دی ہے مگر یہ نہیں بتائے گا کہ کیوں دی ہے؟ ہر آدمی اپنے فائدے کی بات کرتا ہے اور اپنے خلاف کوئی بات کرنے سننے کے لیے تیار نہیں ہے۔ تو شریعت کہتی ہے ابتدا کرنے والا ظالم ہے۔ جو شرارت کی بنیاد رکھے گا ظالم ہے۔ ہاں! مَا لَمْ يَتَعَدَى الْمَظْلُومُ ”جب تک مظلوم تجاوز نہ کرے۔“ اگر مظلوم تجاوز کرے گا تو یہ تب ظالم بن جائے گا۔ مثلاً: ظالم نے چار ککے مارے اور مظلوم نے بھی جواب میں چار ککے مار دیے تو کوئی گناہ نہیں ہے، پانچواں مارے گا تو گنہگار ہو جائے گا۔

﴿وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ سننے والا، جاننے والا۔ تمہاری اچھی بری ہر بات کو سنتا ہے اور تمہاری نیتوں، ارادوں اور ہیرا پھیری کو خوب جانتا ہے، اس سے کوئی چیز محفوظ نہیں ہے۔ ﴿إِنْ تُبْدُوا خِيَرًا﴾ اگر تم ظاہر کرو گے نیکی کو ﴿أَوْ تُخْفُوا﴾ یا چھپاؤ گے نیکی کو ﴿أَوْ تَعْفُوا عَنْ نَوْءٍ﴾ یاد رگزر کرو گے برائی سے ﴿قَاتِلُوا اللَّهَ كَانَتْ عَفْوَ أَقْدِيًّا﴾ پس بے شک ہے اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا، قدرت والا۔ نیکی کا کام یا بات کوئی ظاہر کر کے کرتا ہے مگر ریا کاری کے لیے نہیں تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اگر مخفی طور پر کرتا ہے کہ میری نیکی کا لوگوں کو علم نہ ہو تو بھی رب تعالیٰ کے علم میں ہے۔ اس سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے۔

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی ایک نیکی

ایک زمانہ ایسا تھا کہ لوگ سالہا سال نیکی کرتے تھے اور رب تعالیٰ کے سوا کسی کو علم نہیں ہوتا تھا۔ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ

جن کا نام علی ابن حسین ہے، حضرت علیؑ کے پوتے ہیں۔ ان کی عبادت کا یہ عالم تھا کہ چوبیس گھنٹوں میں ایک ہزار رکعت نماز نفل ادا کرتے تھے، دوسری نیکیاں الگ تھیں۔ ان کی ایک نیکی کا ذکر ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایک بوڑھی عورت اپنے گھر میں اکیلی رہتی تھی، گھر میں اور کوئی فرد نہیں تھا۔ امام زین العابدینؑ کے دل میں خیال آیا کہ یہ بوڑھی عورت ہے اور اس کے گھر میں کوئی اور فرد بھی نہیں ہے، اس کو پانی کون لاکر دیتا ہوگا؟ لکڑیاں کون لاکر دیتا ہوگا؟ کیونکہ اس زمانے میں زیادہ اہمیت انھی دو چیزوں کی ہوتی تھی۔ تو انھوں نے ایک مشک بنوائی، سحری کے وقت آتے اور اس کے پانی کے سارے برتن بھر جاتے اور لکڑیاں بھی پہنچا جاتے۔ وہ پوچھتی کہ تم کون ہو؟ تو فرماتے مائی! تم اپنا کام کرو، تمہیں اس سے کیا غرض ہے؟ بس میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ جب یہ فوت ہوئے تو غس دینے والوں نے ان کے کندھوں پر مشک اٹھانے کے نشان دیکھے، بڑے حیران ہوئے کہ انھوں نے تو مشک کبھی اٹھائی نہیں ہے ان کے کندھوں پر داغ کس طرح پڑ گئے؟ دو تین دن گزرنے کے بعد وہ مائی بولی کہ اب میرے گھر پانی نہیں پہنچتا، معلوم نہیں پہنچانے والا کہیں چلا گیا ہے؟ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا امام زین العابدینؑ اس بڑھیا کے گھر مشک کے ذریعہ پانی پہنچاتے تھے۔ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے نیکی کرتے تھے اور ریا کاری سے بچتے تھے۔

یہودیوں اور عیسائیوں کا ذکر

آگے یہودیوں اور عیسائیوں کا ذکر ہے ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ﴾ بے شک وہ لوگ جو انکار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکموں کا اور اس کے رسولوں کا۔ دنیا میں ایسے کافر جو سرے سے اللہ تعالیٰ کے وجود کے منکر ہوں بہت کم پیدا ہوئے ہیں۔ جیسے وہ یہی قسم کے لوگ آج بھی موجود ہیں اور پہلے بھی موجود تھے۔ یہود و نصاریٰ اور مشرکین یہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے منکر نہیں ہیں۔ جب ان سے پوچھا جاتا مَن خَلَقَكُمْ؟ تمہیں کس نے پیدا کیا ہے؟ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ مَن خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ۔ ”زمینوں اور آسمانوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟“ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، چاند، سورج کس کے تابع ہیں؟ ان کو کون چلا رہا ہے؟ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ۔ بارش کون برساتا ہے؟ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ۔ زمین سے اناج وغیرہ کون اگاتا ہے؟ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ۔ تو یہاں اللہ تعالیٰ کے انکار کا ذکر ہے، مطلب یہ ہے کہ اس کے حکموں کا انکار کرتے ہیں، تسلیم نہیں کرتے، اس کے پیغمبروں کو نہیں مانتے، اس کی کتابوں پر عمل نہیں کرتے۔ ﴿وَيُؤَيَّدُونَ أَنْ يَقُولُوا﴾ اور ارادہ کرتے ہیں اس بات کا کہ تفریق کریں ﴿بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے درمیان اور اس کے رسولوں کے حکموں کے درمیان۔ اور تفریق اس طرح کرتے ہیں ﴿وَيَقُولُونَ نُوْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ﴾ اور کہتے ہیں ہم ایمان لائیں گے بعض پر اور بعض کا ہم انکار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے وہ حکم جو ان کی مرضی کے مطابق ہوتے ان کو مان لیتے اور جو ان کی مرضی کے خلاف ہوتے ان کا انکار کر دیتے۔ اور رسولوں کے درمیان تفریق اس طرح کرتے، مثلاً:

یہودیوں نے کہا کہ عیسیٰؑ کو نبی ماننا تو درکنار ہم تو اس کو حلال زادہ ماننے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں، جس کا ذکر آگے

رکوع میں آ رہا ہے اور عیسائی ضد پر آئے، انہوں نے کہا اگر تم ہمارے نبی کو نہیں مانتے تو ہم تمہارے نبی موسیٰ [حجۃ] کو نہیں مانتے۔ اور یہودی اور عیسائی دونوں آنحضرت ﷺ کو نہیں مانتے۔ تو اس طرح تفریق کی کہ ایک نبی کو مانا اور دوسرے کو نہ مانا۔ ﴿وَيُرِيدُونَ أَنْ يُتَّخَذُوا بَيْتَ اللَّهِ سِينًا﴾ اور ارادہ کرتے ہیں کہ بنا لیں اس کے درمیان ایک راستہ۔ اس کو وہ اپنے لیے بہتری کا راستہ سمجھتے تھے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں میں سے کسی کا انکار تو درکنار پیغمبروں سے جو بات صحیح ثابت ہے اس کا انکار کرنا بھی کفر ہے۔ جیسا کہ باطل فرقتے ہیں، یہ ہر چیز کا انکار نہیں کرتے۔

مثلاً: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک گروہ نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ کہتے تھے ہم نماز پڑھیں گے، حج بھی کریں گے، روزے بھی رکھیں گے، مگر زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ کیونکہ قرآن پاک سے ہمیں اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ ہم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے کہ ہم سے زکوٰۃ لینے کا حکم حضور پاک ﷺ کو تھا۔ وہ دنیا سے چلے گئے ہیں لہذا اب ہم کسی اور کو زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ جس طرح شیعہ کا مذہب ہے کہ جب تک ہمارا امام نہیں آئے گا اس وقت تک نہ ہم پر زکوٰۃ ہے، نہ عشر ہے اور بینک میں حلفیہ بیان جمع کر دیتے ہیں کہ ہم جعفریہ اور امامیہ ہیں لہذا ہماری رقم سے زکوٰۃ نہ کاٹی جائے اور پھر عجیب بات ہے کہ سنیوں کی جمع شدہ زکوٰۃ جب تقسیم ہوتی ہے تو لینے کے لیے پہنچ جاتے ہیں اور جب دینے کی باری آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہمارا امام آئے گا تو دیں گے۔ نہ امام نے آنا ہے اور نہ انہوں نے کچھ کرنا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منکرین زکوٰۃ کے خلاف اسی طرح جہاد کیا جس طرح کافروں کے ساتھ جہاد ہوتا ہے۔ حالانکہ انہوں نے سارے دین کا انکار نہیں کیا تھا۔

تو کفر کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دین کی تمام چیزوں کا انکار کر دے۔ نہیں! بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکموں میں سے کسی ایک کا انکار کرے گا یا تاویل کرے گا تو کافر ہو جائے گا اور جو ایسا کرتے ہیں ﴿وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ حَقًّا﴾ وہ لوگ کافر ہیں یقیناً ﴿وَآخِذُوا بِالْكَفْرِ إِنَّ عَذَابَنَا لَمُهَيَّبًا﴾ اور ہم نے تیار کیا ہے کافروں کے لیے عذاب رسوا کرنے والے جو ان کو ذلیل اور رسوا کر دے گا ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر، اس کے حکموں پر ﴿وَمُسْلِمِينَ﴾ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تک جتنے پیغمبر تشریف لائے ہیں سارے برحق ہیں ﴿وَلَمْ يَفْعَلُوا بَيْتًا أَحَدًا مِنْهُمْ﴾ اور نہیں تفریق کرتے ان میں سے کسی ایک کے درمیان۔ اور تفریق کا معنی ابھی بیان ہوا ہے کہ ﴿لَنْ نُؤْمِنَ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ﴾ بعض کو ہم مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے۔ یہ تفریق ہے ماننے اور انکار کرنے کی۔ باقی رہی بات درجات کی کہ کس پیغمبر کا درجہ زیادہ ہے اور کس کا نسبتاً کم ہے، یہ اپنی جگہ ثابت ہے۔ تیسرے پارے کی پہلی آیت کریمہ ﴿تِلْكَ الْأَمْثَلُ قَضَلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾ ”یہ پیغمبر ہیں ہم نے فضیلت دی ہے ان میں سے بعض کو بعض پر۔“

سب سے بلند درجہ آنحضرت ﷺ کا ہے، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ تو درجوں کا تفاوت ہے۔ اسی طرح سورہ بنی اسرائیل میں آتا ہے ﴿وَلَقَدْ فَضَلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ بَعْضٍ وَآتَيْنَاكَ آدَاةَ زُبُونِكَ﴾ ”اور البتہ تمہیں ہم نے فضیلت بخشی بعض نبیوں کو بعض پر اور داد دی ہے ہم نے زبور دی۔“ تو فضیلت اور درجوں میں تو تفریق ہے اور یہاں

تفریق نہ کرنے کا مطلب ہے ایمان لانے اور نہ لانے میں ﴿أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ یہی لوگ ہیں عنقریب ان کو دے گا اللہ تعالیٰ ان کے اجر ﴿وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان۔



﴿يَسْئَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ﴾ سوال کرتے ہیں آپ سے کتاب والے ﴿أَنْ﴾ اس بات کا کہ ﴿تُنزِّلَ﴾ آپ اتاریں ﴿عَلَيْهِمْ﴾ ان پر ﴿كِتَابًا مِنَ السَّمَاءِ﴾ کتاب آسمان کی طرف سے ﴿فَقَدْ سَأَلُوا﴾ پس تحقیق ان کے بڑوں نے سوال کیا ﴿مُوسَى﴾ موسیٰ علیہ السلام سے ﴿أَكْتُمُونَ ذٰلِكَ﴾ اس سے بھی بڑی چیز کا ﴿فَقَالُوا﴾ پس انہوں نے کہا ﴿أَإِنَّا نَالَهُ﴾ دکھا ہمیں اللہ تعالیٰ آنکھوں سے ﴿جَهْرًا﴾ سامنے ﴿فَأَخَذَتْهُمُ الضُّعْفَةُ﴾ پس پکڑا ان کو بجلی نے ﴿يُظْلِمُوهُمْ﴾ ان کے ظلم کی وجہ سے ﴿ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ﴾ پھر بنا لیا انہوں نے بچھڑے کو معبود بعد اس کے کہ پہنچ چکیں ان کے پاس واضح دلیلیں ﴿فَعَقَّبُوا عَنِ ذٰلِكَ﴾ پس ہم نے اس سے بھی درگزر کیا ﴿وَآتَيْنَا مُوسَى﴾ اور دیا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ﴿سُلْطٰنًا مُّبِينًا﴾ کھلا غلبہ ﴿وَرَفَعْنَا﴾ اور ہم نے بلند کیا ﴿نُورَهُمُ الظُّلُمٰتِ﴾ ان پر طور کو ﴿بَيِّنَاتٍ﴾ ان کے وعدے کی وجہ سے ﴿وَقُلْنَا لَهُمْ﴾ اور ہم نے کہا ان سے ﴿ادْخُلُوا الْبَابَ﴾ داخل ہو جاؤ دروازے سے ﴿سُجَّدًا﴾ سجدہ کرتے ہوئے ﴿وَقُلْنَا لَهُمْ﴾ اور ہم نے کہا ان سے ﴿لَا تَعْدُوا فِي السَّبْتِ﴾ تجاوز نہ کرنا ہفتے والے دن ﴿وَآخَذْنَا مِنْهُمُ﴾ اور لیا ہم نے ان سے ﴿وَيْثَاتًا عَظِيمًا﴾ بڑا مضبوط وعدہ ﴿فَبِمَا نَقُضُوا مِنْهُ﴾ بوجہ ان کے توڑنے کے ﴿وَيْثَاتٍ﴾ اپنے پختہ وعدے کو ﴿وَكُفْرِهِمْ بِآيَاتِ اللَّهِ﴾ اور بوجہ ان کے کفر کرنے کے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ ﴿وَقَتْلِهِمُ الْأَنْبِيَاءَ﴾ اور بوجہ ان کے قتل کرنے کے اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو ﴿بِغَيْرِ حَقٍّ﴾ ناحق ﴿وَقَوْلِهِمْ﴾ اور ان کے اس قول کی وجہ سے ﴿قَتَلْنَا نَارًا﴾ کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں ﴿بَلْ طَبَعَهُمُ اللَّهُ عَلَيْهَا﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ نے مہر لگادی ان کے دلوں پر ﴿بِكُفْرِهِمْ﴾ ان کے کفر کی وجہ سے ﴿فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ پس نہیں ایمان لاتے مگر بہت تھوڑے ﴿وَبِكُفْرِهِمْ﴾ اور ان کے انکار کی وجہ سے ﴿وَقَوْلِهِمْ﴾ اور ان کے اس قول کی وجہ سے ﴿عَلَىٰ مَرْيَمَ﴾ حضرت مریم علیہا السلام پر ﴿بِهَيْثَاتِنَا عَظِيمًا﴾ بہت بڑا بہتان باندھا انہوں نے۔

یہودی شرارتیں

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہودی شرارتوں، نا انصافیوں اور بہتان تراشیوں کا ذکر فرمایا ہے۔ کچھ باتوں کا ذکر تو آج

کی آیات میں ہے اور کچھ کا ذکر اگلے حصے میں آئے گا، ان شاء اللہ۔ لغوی طور پر تو ہر کتاب کو کتاب کہا جاسکتا ہے مگر یہاں وہ کتاب مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے اور اہل کا معنی ”والا“ ہے۔ تو اہل کتاب کا معنی کتاب والا۔ جیسے اہل بیت کا معنی ہے گھر والا۔ اہل المال کا معنی ہے مال والا۔ لیکن قرآن، اسلام اور شریعت کی زبان میں اہل کتاب وہ لوگ ہیں جو آسمانی کتابوں کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مثلاً: یہودی تورات کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کے بڑے کافی عرصہ تک اس پر عمل بھی کرتے رہے ہیں اور عیسائی انجیل کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ تو تورات اور انجیل کو ماننے والے اہل کتاب ہیں۔ اسی طرح جو زبور کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ بھی اہل کتاب ہیں۔ ان آیات میں یہود کا ذکر ہے۔

یہود کا قرآن آہستہ آہستہ نازل ہونے پر اعتراض ؟

فرمایا ﴿يَسْئَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ﴾ اے نبی کریم ﷺ! سوال کرتے ہیں آپ سے کتاب والے۔ مدینہ طیبہ میں یہودی اکثریت تھی، پڑھے لکھے، تعلیم یافتہ لوگ تھے اور مدینہ طیبہ کی منڈی پر بھی ان کا قبضہ تھا۔ اس کے علاوہ ان کی زمینیں اور باغات تھے اور بڑے مضبوط قلعے بنائے ہوئے تھے۔ اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں بھی انھی کی تھیں، سیاست اور کاروبار ان کے ہاتھ میں تھا۔ ان کے مقابلہ میں اوس اور خزرج کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ جس طرح پاکستان بننے سے پہلے تجارت پر ہندوؤں کا قبضہ تھا، اٹکاؤنگا دکان مسلمان کی بھی ہوتی تھی۔ یہودیوں کا ایک وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا اور سوال کیا کہ تم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے از خود دعویٰ نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنا دیا ہے۔ کہنے لگے اگر تم نبی ہو تو پھر یہ تھوڑی تھوڑی آیات تم پر کیوں نازل ہوتی ہیں؟ ایک ہی دفعہ کتاب لاؤ جس طرح موسیٰ علیہ السلام لائے تھے۔ یہ سوال ان کا غلط تھا۔ کیونکہ احکامات اکٹھے نازل ہوں یا تھوڑے تھوڑے اصل تو ان کو تسلیم کرنا اور ان پر عمل کرنا ہے اور موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور سے تورات دس تختیوں میں اکٹھی لے کر آئے تھے ان کے بڑوں نے تو اس کو بھی ماننے سے انکار کر دیا تھا اور کہا تھا کہ ہم اس پر عمل نہیں کر سکتے اور کچھ لٹی سیدھی باتیں بھی کی تھیں، جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

تو فرمایا ﴿يَسْئَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ﴾ سوال کرتے ہیں آپ سے اہل کتاب ﴿أَنْ تَنْزِلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِّنَ السَّمَاءِ﴾ اس بات کا کہ آپ اُتاریں ان پر کتاب آسمان کی طرف سے۔ اب دیکھو! سوال کیسا ہے کہ تو اتار۔ بھائی! اُتارنا تو رب تعالیٰ کا کام ہے، پیغمبر علیہ السلام کا کام تو نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ﴾ ہم نے قرآن نازل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں آپ ﷺ ان کی باتوں سے پریشان نہ ہوں ﴿فَقَدْ سَأَلُوا مُؤْتَمِرِينَ أَكْبَرُ مِنْ ذَلِكَ﴾ پس تحقیق ان کے بڑوں نے سوال کیا موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑی چیز کا۔ کتاب کا آسمان سے اُتارنا بھی بڑی چیز ہے مگر ان کے بڑوں نے تو اس سے بڑا سوال کیا ﴿فَقَالُوا إِنَّا نَرَى اللَّهَ جَهْدًا﴾ پس انھوں نے کہا دکھا ہمیں اللہ تعالیٰ سامنے آنکھوں سے۔

ہو اس طرح کہ موسیٰ علیہ السلام جب توراہ لے کر ان کے پاس آئے تو کہنے لگے کہ اس میں تو بڑے بڑے مشکل احکامات

ہیں ان پر ہم عمل نہیں کر سکتے اور یہ معلوم نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں یا تم خود وہاں بیٹھ کر لکھتے رہے ہو۔ لہذا یہ کتاب واپس لے جاؤ اور کوئی نرم سی کتاب لاؤ یا اس میں ترمیم کراؤ۔ ان حالات میں موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی: اے پروردگار! اس بے وقوف قوم کا کیا علاج کروں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان میں سے ستر آدمیوں کو منتخب کر کے کوہ طور پر لاؤ، میں کلام کروں گا جسے یہ خود اپنے کانوں سے سنیں گے اور واپس جا کر قوم کو گواہی دیں گے کہ ہم نے خود سنا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے لہذا اس پر عمل کرو۔ اس کا ذکر سورہ اعراف میں آتا ہے ﴿وَ اخْتَارَ مُوسَىٰ قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا لِّحَمِيْقَاتِنَا﴾ اور منتخب کیے موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں سے ستر آدمی ہمارے وعدے کے وقت پر لانے کے لیے۔“

تو موسیٰ علیہ السلام ستر آدمی ساتھ لے گئے اور ان کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اے پروردگار! یہ لوگ میرے ساتھ آئے ہیں اور تونیتوں سے خوب واقف ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ توراہ کے احکام بہت سخت ہیں، ہم ان پر عمل نہیں کر سکتے، ہمیں کوئی آسان سی کتاب عطا فرما۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ میں حکیم بھی، عیم بھی، خیر بھی ہوں، میں نے جو احکام دیے ہیں ان میں کوئی بھی ایسا حکم نہیں ہے جو تمہاری طاقت سے باہر ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے ﴿لَا يَكْلِفُ اللهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ ”نہیں تکلیف دیتا اللہ تعالیٰ کسی نفس کو مگر اس کی طاقت کے مطابق۔“ چونکہ انہوں نے آزاد زندگی بسر کی ہے اور یہ عبادتیں انہوں نے پہلے نہیں کیں اس لیے ان کو دشوار نظر آ رہی ہیں۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ جس نے آزاد زندگی بسر کی ہو اس پر جب پابندی لگے گی تو اسے تکلیف ہوگی۔ جب یہ ان احکام پر عمل کریں گے کچھ دنوں کے بعد آسان ہو جائیں گے۔ اس کو اس طرح سمجھو کہ تم نمازیں پڑھتے ہو آج صبح تم اٹھے ہو، وضو کیا ہے، نیند چھوڑی ہے، نماز پڑھی ہے، درس سن رہے ہو، عورتیں بھی درس سن رہی ہیں، تمہیں کوئی مشکل تو پیش نہیں آئی، کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی، کوئی ایسا کام تو نہیں کیا جو تمہارے بس میں نہیں اور ایسے بد بخت بھی ہیں جو ابھی تک سو رہے ہیں۔ بول و براز کی ضرورت پیش آئے گی تو اٹھیں گے یا دفتروں میں جانے کے وقت اٹھیں گے، ناشتہ کریں گے اور کام پر چلے جائیں گے۔ ان کو نماز کے لیے اٹھنا پہاڑ سے بھی زیادہ بھاری نظر آتا ہے کیونکہ انہوں نے اس کی عادت ہی نہیں بنائی۔

یہود کی شقاوت قلبی کی انتہاء

تو فرمایا اس پر عمل کرو اگر تم سے کوئی غلطی ہوئی تو میں معاف کر دوں گا۔ اللہ تعالیٰ کا کلام ان ستر نمائندوں نے کانوں سے سنا اور موسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ واقعی ہمیں آواز تو آ رہی ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ جن بول رہا ہے یا کوئی فرشتہ بول رہا ہے، یا رب تعالیٰ بول رہا ہے۔ رب تعالیٰ نظر آئے تو تب یقین آئے گا ﴿لَقَالُوا آهٰنَا اللهُ جَهَنَّمَ﴾ پس کہا انہوں نے دکھا ہمیں اللہ تعالیٰ آنکھ سے۔ یعنی سامنے کھلے طور پر ہمیں نظر آئے یہ پردے کی اوٹ میں بولتا ہے ہمیں نظر کیوں نہیں آتا؟

دیدار حق کا بیان

معراج کے واقعہ کے بارے میں علمائے کرام کا اختلاف ہے کہ معراج کی رات آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو آنکھوں کے ساتھ دیکھا ہے یا نہیں؟ ایک گروہ کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے۔ دوسرا گروہ جن میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں، کہتا ہے کہ آنکھوں سے نہیں دیکھا صرف کلام سنا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس جہاں میں اگر کسی نے اللہ تعالیٰ کو آنکھوں سے دیکھا ہے تو صرف آنحضرت ﷺ نے دیکھا ہے اور کسی نے نہیں دیکھا۔

موسیٰ علیہ السلام نے طور پر صرف اپنے لیے سوال کیا تھا ﴿سَأَلْتُ رَبِّيَ أَنْظُرَ إِلَيْكَ﴾ "اے پروردگار! مجھے دکھاتا کہ میں دیکھوں تیری طرف" ﴿قَالَ لَنْ تَرَانِي﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو ہرگز نہیں دیکھ سکے گا مجھے ﴿وَلَكِنْ أَنْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ﴾ اور لیکن دیکھو (زبیر) پہاڑ کی طرف ﴿فَإِنْ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ﴾ پس اگر ٹھہرا ہوا وہ اپنی جگہ پر ﴿فَسَوْفَ تَرَانِي﴾ تو پھر تو مجھے دیکھ سکے گا ﴿فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ﴾ پس جس وقت تجلی دکھائی اس کے پروردگار نے پہاڑ پر ﴿جَعَلَهُ دَكَّاءَ﴾ تو کر دیا اس کو ریزہ ریزہ ﴿وَوَخَّزَ مُوسَىٰ صِعْقًا﴾ [سورۃ الاعراف] اور گر پڑے موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ یہ چھوٹی انگلی ہے جس کو چمپی کہتے ہیں، اس کے پونے کے برابر اللہ تعالیٰ نے نور ڈالا تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے ﴿فَلَمَّا أَتَاهَا﴾ "پس جب موسیٰ علیہ السلام کو ہوش آیا ﴿قَالَ سُبْحٰنَكَ ثُبٰثَ إِلَيْكَ﴾ [سورۃ الاعراف] کہا پاک ہے تیری ذات میں توبہ کرتا ہوں تیرے سامنے، میں نے بے جا سوال کیا ہے، مجھے معاف کر دے۔" اس جہاں میں تو موسیٰ علیہ السلام کو دیدار نہ ہوا تم کس باغ کی مولیٰ ہو؟ کہتے ہو میں اللہ تعالیٰ سامنے نظر آئے۔

ہاں! اگلے جہاں میں اللہ تعالیٰ کا دیدار حق ہے۔ قرآن کریم سے بھی ثابت ہے، حدیث سے بھی ثابت ہے اور اجماع اُمت سے بھی ثابت ہے کہ مومنوں کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا اور مومنوں کے لیے اس سے بڑی خوشی کی اور کوئی چیز نہ ہوگی۔ پھر کسی کو دن میں دو دفعہ، کسی کو دن میں ایک دفعہ دیدار نصیب ہوگا اور کسی کو ہفتے کے بعد۔ جس قدر ایمان، اعمال اور اخلاق ہیں ان کے مطابق اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔

جب انھوں نے کہا کہ آواز تو آ رہی ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ جن کی ہے، فرشتے کی ہے یا رب تعالیٰ کی؟ لہذا ہمیں اللہ تعالیٰ سامنے آنکھوں سے دکھا تو اس گستاخی پر ﴿فَأَخَذْتَهُمُ الصَّعِقَةَ يُظَلُّونَ﴾ پس پکڑا ان کو بجلی نے ان کے ظلم کی وجہ سے۔ ان پر بجلی پڑی۔ پہلے پارے میں بھی ہے اور نویں پارے میں بھی ہے کہ ستر کے ستر سارے ہی مر گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے پروردگار! ان کو تو میں اپنی تائید کے لیے لایا تھا، جب میں واپس جاؤں گا اور ان میں سے کوئی بھی میرے ساتھ نہیں ہوگا تو قوم کو کیا جواب دوں گا؟ ﴿أَتَهْلِكُنَا لِمَا فَعَلَ الشُّعْقَاءُ مِنَّا﴾ [پارہ: ۹، سورۃ الاعراف] "کیا تو ہلاک کر دے گا ہمیں اس فعل کے سزا میں جو ہم میں سے بے عقل لوگوں نے کیا ہے؟ ان کو معاف کر دے اے پروردگار! ﴿إِنَّا هَدَيْنَاكَ إِلَيْكَ﴾ ہم نے تیری طرف رجوع کیا ہے۔" پہلے پارے میں ہے ﴿لَمْ يَعْزُبْ عَنْكُمْ مِنَ رَبِّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ "پھر ہم نے تم کو زندہ کیا تمہارے مرنے

کے بعد۔“

تو جب ان پر اکٹھی کتاب نازل ہوئی تھی اس کو انھوں نے تسلیم کر لیا تھا؟ کہ اب آپ ﷺ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے کتاب اتاریں ﴿لَمَّا أَخَذُوا الْعِجْلَ﴾ پھر انھوں نے بنا لیا بچھڑے کو معبود۔ موسیٰ علیہ السلام تو رات لینے کے لیے کوہ طور پر تشریف لے گئے، تیس راتوں کا وعدہ تھا، روزانہ ایک ایک تختی ملتی، پھر اللہ تعالیٰ نے دس راتیں مزید بڑھا دیں ﴿فَقَتَّمْ وَمَقَاتُ سَابِئَةَ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً﴾ [سورۃ الاعراف، پارہ: ۹] ”پس پوری ہو گئی مدت اس کے پروردگار کی چالیس راتیں۔“ ان چالیس دنوں میں موسیٰ علیہ السلام کی برادری کے ایک آدمی نے جس کا نام موسیٰ بن ظفر تھا اور قبیلہ بنو سامرہ میں سے تھا، قوم کو گمراہ کر دیا۔

ہو اس طرح کہ بحر قلزم میں فرعونی لشکر کے غرق ہونے کے موقع پر حضرت جبرئیل علیہ السلام جس گھوڑے پر سوار ہو کر آئے تھے وہ گھوڑا جس جگہ پاؤں رکھ کر اٹھاتا وہاں سبزہ اُگ جاتا۔ اس سامری نے وہاں سے تھوڑی سی مٹی اٹھالی تھی اور اپنے پاس رکھ لی۔ جب بنی اسرائیل نے وہ سونا، چاندی جو قبطیوں سے مانگ کر لائے تھے پھینکا تو سامری نے اس سونے، چاندی کا بچھڑا بنایا اور اس کے منہ میں وہ مٹی ڈالی تو بچھڑا ناں ناں کرنے لگ گیا۔ جس طرح بچھڑے کرتے ہیں۔ سامری نے کہا کہ یہ جو بچھڑے کے اندر بول رہا ہے، یہ رب ہے، اس کی پوجا کرو۔ یہودیوں کے بڑوں نے اس کی پوجا شروع کر دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب تشریف لائے تو پہلے تو ہارون علیہ السلام کی خبر لی، ان کی ڈاڑھی اور سر کے بال پکڑ کر کھینچا کہ یہ قوم کیا کر رہی ہے؟ تم کہاں تھے؟ روکا کیوں نہیں؟ حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا: اے میری ماں جائے! میرا کوئی قصور نہیں ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا مزاج جلالی تھا اور ہارون علیہ السلام کا مزاج جمالی تھا۔ مزاج اپنا اپنا ہوتا ہے۔ جیسے: حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل کا مزاج اور تھا ہابیل کا مزاج اور تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کنعان کا مزاج اور تھا اور باقی تین بیٹوں کا مزاج اور تھا۔ باپ ایک ہی ہے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے تو یہاں تک رد کا اور سمجھا یا کہ ﴿كَأَذَىٰ يَاقْتُلُونَ﴾ [سورۃ الاعراف، پارہ: ۹] ”قریب تھا کہ وہ مجھے قتل کر ڈالتے۔“

تو ان کے بڑوں نے بچھڑے کو اللہ بنا لیا ﴿مَنْ بَعْدَ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ﴾ بعد اس کے کہ پہنچ چکیں ان کے پاس واضح دلیلیں۔ بہت سارے معجزات دیکھ چکے تھے۔ دریا کا پھٹنا دیکھا، من اور سلوئی کا اترنا وغیرہ دیکھا ﴿فَقَعَقُوا نَاعِنَ ذَلِكِ﴾ پس ہم نے اس سے بھی درگزر کیا ﴿وَإِنِّي نَأْمُوسِي سُلْطٰنًا صٰوِیِّنًا﴾ اور دیا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کھلا غلبہ۔ یہودیوں کی اور شرارت کہ یہودی جس وقت وادی تیبہ میں پہنچے جس کو آج کل کے جغرافیہ میں وادی سینائی کہتے ہیں۔ یہ چھتیس میل لمبا اور چوبیس میل چوڑا بڑا میدان ہے اور سطح سمندر سے تقریباً چار ہزار فٹ بلند ہے۔ ۱۹۳۷ء کی جنگ میں پوری وادی پر یہودیوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ اس کا کچھ حصہ رونے دھونے سے مصر کو واپس مل گیا تھا مگر وہ حصہ جو فوجی اہمیت کا حامل ہے ابھی تک نہیں ملا، یہودیوں کے پاس ہے۔ تو بنی اسرائیل جب وادی سینائی میں پہنچے تو کہنے لگے کہ ہمارے لیے کوئی قانون اور ضابطہ حیات ہونا چاہیے۔ کیونکہ کوئی قوم بغیر قانون کے زندگی بسر نہیں کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے مطالبہ پر تورات عطا فرمائی۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو پڑھ کر سنائی، تو

کہنے لگے: اس پر تو ہم عمل نہیں کر سکتے اس کے احکام تو بہت مشکل ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَنْ عَتَاكُمْ فَعَنَّاكُمْ فَمَنْ الظُّمَّرُ﴾ اور ہم نے بلند کیا ان پر طور کو۔ اللہ تعالیٰ نے کوہ طور کو ان کے سروں پر لٹکا دیا جس طرح یہ چھت ہمارے سروں پر ہے ﴿بَيْنَمَا قَوْمٌ﴾ ان کے وعدے کی وجہ سے۔ دین میں جبر نہیں ہے۔ قرآن پاک میں آتا ہے ﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ﴾ [البقرہ: ۲۵۶] ”دین میں جبر نہیں ہے۔“ ان کی سروں پر کوہ طور لٹکا کر تسلیم کرنے پر ان لیے مجبور کیا گیا کہ انھوں نے عہد شکنی کی تھی۔ پہلے خود مطالبہ کیا تھا کہ ہمارے لیے کوئی قانون لائیں جس پر ہم عمل کریں، جب کتاب آگئی تو کہنے لگے: اس کے احکام بڑے مشکل ہیں، ہم ان پر عمل نہیں کر سکتے۔ تو اس عہد شکنی کی وجہ سے طور پہاڑ ان کے سروں پر لٹکا یا گیا ورنہ ابتداءً تم کسی کافر کو اسلام لانے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ تبلیغ کر سکتے ہو، ترغیب دے سکتے ہو، تلوار کے زور پر اس کو مسلمان نہیں بنا سکتے۔ لیکن اگر کوئی شخص مسلمان ہو جانے کے بعد العیاذ باللہ! مرتد ہو جائے تو اس کی سزا قتل ہے۔ کیونکہ اس نے رب تعالیٰ کے ساتھ عہد کر کے توڑ دیا ہے۔ لہذا یہ سزا عہد شکنی کی وجہ سے ہے، جبر نہیں ہے۔

ان کی بد عہدی کا ایک اور واقعہ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو نبی بنایا اور وادی تیبہ میں پابندی کے چالیس سال بھی مکمل ہو گئے۔ نئی پود جوان ہو چکی تھی۔ حضرت یوشع علیہ السلام نے فرمایا کہ اب تم اس شہر بیت المقدس میں داخل ہو جاؤ، سجدہ کرتے ہوئے۔ پہلے زمانے میں شہروں کے دروازے ہوتے تھے، جس طرح ہمارے گوجرانوالا میں سیالکوٹی دروازہ ہے، ایمن آبادی دروازہ ہے، لاہوری دروازہ ہے، وغیرہ۔ اسی طرح لاہور میں دہلی دروازہ تھا، ملتان دروازہ تھا۔ حکم ہوا کہ تم اس دروازہ سے شہر میں داخل ہو جاؤ سجدہ کرتے ہوئے اور زبان سے کہو ﴿حَقَّتْ﴾ اے اللہ! ہمارے گناہ معاف فرمادے۔ مگر یہودیوں نے دونوں حکموں کی نافرمانی کی۔ سجدہ کی بجائے چوڑوں کے بل گھسٹتے ہوئے بچوں کی طرح داخل ہوئے اور ﴿حَقَّتْ﴾ کی بجائے حَقَّتْ یعنی ہمیں گندم چاہیے کہتے ہوئے داخل ہوئے۔ یعنی فعل کی بھی اور قول کی بھی نافرمانی کی۔ یہ ان کی نسل میں سے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے ہیں۔ لہذا ان کے سوالوں سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

فرمایا ﴿وَلَقَدْ نَأْمُرُكُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا﴾ اور ہم نے کہا ان سے داخل ہو جاؤ دروازے سے سجدہ کرتے ہوئے ﴿وَلَقَدْ نَأْمُرُكُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا﴾ اور ہم نے کہا ان سے تجاوز نہ کرنا ہفتے والے دن۔ ان کے لیے ہفتے کا دن عبادت کے لیے مقرر تھا۔ کوئی اور کام جائز نہیں تھا، چوبیس گھنٹے عبادت ہی میں گزارنے ہوتے تھے۔ ان کی تاریخ رات کے بارہ بج کر ایک منٹ پر بدلتی ہے۔ مثلاً: آج جمعہ کا دن ہے، سورج غروب ہونے کے بعد رات کو بارہ بج کر ایک منٹ پر تاریخ بدل جائے گی اور اگلی رات بارہ بجے تک یہی تاریخ رہے گی اور اسلامی تاریخ سورج کے غروب ہونے کے ساتھ ہی بدل جاتی ہے۔

یہود کی عہد شکنی اور قتل انبیاء علیہم السلام

تو ان کے لیے حکم تھا کہ ہفتے والے دن تم نے عبادت کرنی ہے۔ باقی کاموں سے عموماً اور مچھلیوں کے شکار کو خصوصی طور پر

منع کیا گیا۔ نویں پارے میں اس کے متعلق آتا ہے کہ انھوں نے یہ حکم توڑ دیا، سوائے چند لوگوں کے۔ تو یہ ان لوگوں کی نسل سے ہیں، حالانکہ ﴿وَآخِذْنَا مِنْهُمْ غِيَابًا﴾ اور لیا، ہم نے ان سے بڑا مضبوط وعدہ۔ لیکن اس کے باوجود انھوں نے نافرمانی کی۔ یہ وعدہ شکن لوگ ہیں۔ ان کو اپنے بڑوں کے حالات کا علم نہیں ہے کہ آپ ﷺ سے سوال کرتے ہیں کتاب اکٹھی لا کر دے۔ ﴿فَمَا تَنْفَضُهُمْ فَمَا قَهُمْ﴾ بوجہ ان کے توڑنے کے اپنے پختہ عہد کو ﴿وَكَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ﴾ اور بوجہ ان کے کفر کرنے کے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ ﴿وَقَتْلِهِمُ الْأَنْبِيَاءَ بَعْدَ حَقِّ﴾ اور بوجہ ان کے قتل کرنے کے اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو ناحق۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کیا، حضرت زکریا علیہ السلام کو انھوں نے قتل کیا۔ بلکہ ایک روایت میں ہے کہ ایک علاقے میں تینتالیس [۳۳] تو میں رہتی تھیں، ان کی طرف تینتالیس [۳۳] پیغمبروں کو مبعوث کیا گیا۔ انھوں نے ان سب کو ایک دن میں شہید کر دیا اور ایک سوستر [۱۷۰] ان کے حواریوں اور صحابیوں کو شہید کر دیا جو پیغمبروں کی حمایت کے لیے آئے تھے۔ اس کا ذکر تیسرے پارے میں ہے۔

﴿وَقَوْلِهِمْ كَلُوبًا غُلْفٌ﴾ اور ان کے اس قول کی وجہ سے کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں۔ غلف اغلف کی جمع ہے، اغلف، غلاف کو کہتے ہیں۔ جس طرح لوگ قرآن پر غلاف چڑھاتے ہیں، مٹی دھول (گرد و غبار) سے بچاؤ کے لیے۔ تو وہ کہتے تھے کہ ہمارے دل تو غلافوں میں ہیں تمہاری باتوں کو ہم ان تک پہنچنے ہی نہیں دیتے۔ فرمایا غلاف میں نہیں ہیں ﴿كَلُوبًا غُلْفًا﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے ان کے دلوں پر ان کے کفر کی وجہ سے ﴿فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ پس نہیں ایمان لاتے مگر بہت تھوڑے۔ ﴿وَيَكْفُرُونَ﴾ اور ان کے کفر کی وجہ سے ﴿وَقَوْلِهِمْ﴾ اور ان کے اس قول کی وجہ سے ﴿عَلَىٰ مَرْيَمَ بَعْثَانَا عَظِيمًا﴾ حضرت مریم علیہا السلام پر انھوں نے بہت بڑا بہتان باندھا۔

یہودیوں کو جب کہا جاتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی تسلیم کر دو تو کہتے کہ ہم تو اس کو حلال زادہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں، نبی کس طرح تسلیم کریں؟ حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان لگاتے تھے کہ وہ بدکارہ تھی۔ آپ ﷺ سے مطالبہ کرنے والے یہ لوگ ہیں۔ لہذا ان کی باتوں سے متاثر ہونے کی ضرورت نہیں ہے کہ تمہیں کہتے ہیں کہ کتاب اکٹھی لا کر دو، جب اکٹھی لا کر دی گئی تھی۔ اس وقت ان کے بڑوں نے اس کے ساتھ کیا کیا تھا؟ آگے مزید ان کی کارروائیوں کا ذکر آئے گا۔



﴿وَيَكْفُرُونَ﴾ اور (ہم نے ان پر لعنت کی) ان کے کفر کرنے کی وجہ سے ﴿وَقَوْلِهِمْ﴾ اور ان کے اس قول کی وجہ سے ﴿عَلَىٰ مَرْيَمَ بَعْثَانَا عَظِيمًا﴾ کہ انھوں نے حضرت مریم علیہا السلام پر بہت بڑا بہتان باندھا ﴿وَقَوْلِهِمْ﴾ اور ان کے اس قول کی وجہ سے (ان پر لعنت کی) ﴿إِنَّا قَتَلْنَا النَّسِيمَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ﴾ بے شک ہم نے قتل کیا مسیح علیہ السلام کو جو عیسیٰ بن مریم تھے ﴿رَسُولَ اللَّهِ﴾ جو اللہ تعالیٰ کے رسول ہونے کا دعویٰ کرتے تھے ﴿وَمَا قَتَلُوهُ﴾ اور انھوں نے

نے نہیں قتل کیا اس کو ﴿وَمَا صَلَّيْتُمْ﴾ اور نہ انھوں نے اس کو سولی پر چڑھایا ہے ﴿وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾ اور لیکن یہ معاملہ ان کے لیے مشتبہ کر دیا گیا ہے ﴿وَإِنَّ الَّذِينَ﴾ اور بے شک وہ لوگ ﴿اِخْتَلَفُوا فِيهِ﴾ جنہوں نے اختلاف کیا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ﴿كَفَىٰ شَكَّ مَثَلُهُ﴾ البتہ وہ شک میں ہیں ان کے متعلق ﴿مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ﴾ نہیں ہے ان کو اس بارے میں کوئی علم ﴿إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ﴾ سوائے گمان کی پیروی کے ﴿وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا﴾ اور نہیں قتل کیا انھوں نے صبح علیہ السلام کو یقیناً ﴿بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اٹھالیا اس کو اپنی طرف ﴿وَكَانَ اللَّهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿عَزِيزًا﴾ غالب ﴿حَكِيمًا﴾ حکمت والا ﴿وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ﴾ اور نہیں ہے اہل کتاب میں سے کوئی بھی ﴿إِلَّا﴾ مگر ﴿لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ﴾ البتہ ضرور ایمان لائے گا عیسیٰ علیہ السلام پر ﴿قَبْلَ مَوْتِهِ﴾ ان کی وفات سے پہلے ﴿وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ اور قیامت والے دن ﴿يَكُونُ﴾ ہوں گے ﴿عَلَيْهِمْ شَيْبَاتًا﴾ عیسیٰ علیہ السلام ان پر گواہ۔

بہتانِ عظیم

یہودیوں کی شرارتوں اور کج رویوں کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ دنیا کی ذہین اور ضدی قوموں میں ایک قوم یہودی ہے۔ یعنی ذہین بھی بڑے ہیں اور ضدی بھی بڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَيَكْفُرْهُمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بِنْتَنَا عَظِيمًا﴾ اور ہم نے ان پر لعنت کی ان کے کفر کی وجہ سے اور اس قول کی وجہ سے کہ انھوں نے حضرت مریم علیہا السلام پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ اگلی سورت میں الفاظ آ رہے ہیں کہ یہودیوں پر عہد شکنی اور دیگر کاروائیوں کی بناء پر ہم نے لعنت کی۔ ان آیات کا تعلق بھی اسی مضمون کے ساتھ ہے، ان وجوہ سے ان پر لعنت کی گئی۔

حضرت مریم علیہا السلام کے والد بھی فوت ہو چکے تھے اور والدہ بھی فوت ہو چکی تھی اور ان کا ایک بھائی جس کا نام ہارون تھا، وہ بھی فوت ہو چکا تھا۔ حضرت مریم علیہا السلام کی تربیت اور پرورش حضرت زکریا علیہ السلام کی اہلیہ محترمہ حنہ بنت فاووذہ نے کی، جو حضرت مریم علیہا السلام کی حقیقی خالہ تھیں۔ حضرت مریم علیہا السلام نے بڑی عجیب زندگی گزاری ہے۔ جب جوان ہوئیں، غسل کرنا تھا، سادہ مکان تھا، اس کی مشرق کی جانب دو دیواروں کے ساتھ کپڑا لٹکا کر پردہ بنایا اور غسل کیا۔ کپڑے پہنے تو اچانک دیکھا کہ ایک صحت مند نوجوان ان کے پاس کھڑا ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام گھبرا گئیں۔ انھوں نے سمجھا کہ اس کی نیت اچھی نہیں ہے، میں جوان عورت ہوں اور ہوں بھی تنہائی میں، اس وقت اس کا آنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کے نام پر مستقل ایک سورت ہے، اس میں اس کا ذکر ہے۔

انھوں نے فریاد کی ﴿إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ إِنَّ كُنْتَ تَقِينًا﴾ ”میں تم سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں اگر تم پر ہیز گار متلی ہو۔“ تو جہاں سے آئے ہو وہیں چلے جاؤ ﴿قَالَ﴾ ”اس نے کہا بی بی! مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے ﴿إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ

رَبِّكَ ﴿ میں تو تیرے پروردگار کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں جبرئیل ﴿ لَا هَبَّ لَكَ عَنَّا ذَكِيًّا ﴾ اور اس لیے آیا ہوں تاکہ میں دوں تجھے ایک لڑکا پاکیزہ۔ ” جب لڑکے کی خوش خبری سنی تو ﴿ قَالَتْ ﴾ ” کہنے لگی ﴿ اِنِّي يَتْلُوَنِي عَلِيمٌ ﴾ کہاں سے ہوگا میرے لیے لڑکا ﴿ وَ لَمْ يَنْسِفِي بَشْرًا لَّمْ اَكْ بَغِيًّا ﴾ اور نہیں چھوا مجھے کسی انسان نے اور نہیں ہوں میں بدکار۔ ” ناجائز طریقے سے کوئی مرد میرے پاس آیا ہے اور نہ میں بدکار ہوں۔ کیونکہ عادتاً بچے دو طریقے سے ہی حاصل ہوتے ہیں، حلال طریقے سے یا حرام کے طور پر۔ اور یہ دونوں باتیں میرے اندر نہیں ہیں۔

﴿ قَالَ ﴾ ” فرشتے نے کہا ﴿ كَذٰلِكَ ﴿ اسی طرح ہوگا ﴿ قَالَ رَبِّ اِنِّي اَمْرًا مَّيْمُنًا ﴿ فرمایا ہے تیرے رب نے ﴿ هُوَ عَلٰى هَوْنٍ ﴿ یہ مجھ پر آسان ہے۔ ” اور دوسری جگہ ہے ﴿ كَذٰلِكَ اَللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ﴿ [آل عمران: ۴۷] ” اسی طرح اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ ” ﴿ اِن مِّثْلَ عَيْسٰى عَمْدًا اِنَّهٗ كَمِثْلِ اَدَمَ ﴿ بے شک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسی ہی ہے جیسے مثال ہے آدم علیہ السلام کی ﴿ خَلَقَهَا مِنْ نُّوْرٍ ﴿ اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا مٹی سے ﴿ ثُمَّ قَالَ لَهٗ مَنْ فَيَكُوْنُ ﴿ [آل عمران: ۵۹] ” پھر کہا اس کو، ہوا، پس وہ ہو گئے۔ ” حضرت آدم علیہ السلام کا نہ باپ، نہ ماں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ تو ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان کے گریبان میں پھونک ماری، اس کا اثر یہ ہوا کہ ان کے پیٹ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وجود بن گیا اور جب لڑکے کی پیدائش کا وقت ہوا تو پریشان ہوئیں کہ میں لوگوں کو کس طرح مطمئن کروں گی کہ یہ لڑکا کس طرح ہو گیا؟ وہ کس طرح تسلیم کریں گے؟ عمران بن ماثان جو مسجد اقصیٰ کے خطیب تھے اور اس وقت کے ولی کامل تھے میں ان کی بیٹی ہوں، زکریا علیہ السلام کے گھر میری تربیت ہوئی ہے، سارا خاندان ہی نیک ہے، میں یہ کہوں کہ لڑکا اس طرح پیدا ہوا ہے تو لوگ مطمئن ہو جائیں گے؟ کس طرح مطمئن کروں گی؟

جب دروزہ شروع ہوا وہاں سے دو ایک ٹیلا تھا، وہاں کھجور کے کچھ درخت تھے، کھجور کا ایک درخت بالکل خشک تھا اس کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں اور کہا ﴿ يٰلَيْتَنِيْ وَتَّ قَبْلَ هٰذَا وَ كُنْتُ نَسِيًّا مِّنْهَا ﴿ [سورہ مریم: ۲۳] ” کاش کہ میں اس سے پہلے مر چکی ہوتی اور بھولی بسری ہوتی۔ ” اللہ تعالیٰ کا فرشتہ آ گیا اور کہا ﴿ اَلَا تَحْزَنِيْ ﴿ ” بی بی پریشان نہ ہو اللہ تعالیٰ اسباب پیدا فرمائے گا۔ ” جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہو چکی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا ﴿ وَ هُوَ عِنِّيْ اِلَيْكَ بِحُزْنٍ اَلْتَخَلُّوْا ﴿ [مریم: ۲۵] ” اور کھجور کے تنے کو پکڑ کر اپنی طرف ہلاؤ ﴿ تَسْقُطْ عَلَيْنِكَ نٰطِبًا جَنِيًّا ﴿ تم پر تازہ بہ تازہ کھجوریں گریں گی۔ ”

حرکت میں برکت ہے ہاں

دیکھو! کتنی بڑی عجیب بات ہے کہ بچے کی پیدائش کے بعد تو عورت ہلنے چلنے کے قابل نہیں ہوتی جو بھنی تک نہیں ہلا سکتی اس کو حکم دیا جا رہا ہے کہ کھجور کا تنا ہلاؤ۔ تنا پہلوان بھی نہیں ہلا سکتا مگر اس میں ہمارے لیے سبق ہے کہ حرکت میں برکت ہے ﴿ وَ تَتَّ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗا ﴿ ” پھر وہ اس بچے کو اٹھا کر قوم کے پاس لے آئیں ﴿ قَالُوْا ﴿ جس جس نے دیکھا کہا ﴿ يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ بِشَيْءٍ فَرِيًّا ﴿ اے مریم! البتہ تحقیق لائی ہے تو اوپری چیز ﴿ يٰاَحْتِ هٰذُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكَ اَمْرًا سُوْءًا وَّ مَا كَانَتْ اُمَّكَ بَغِيًّا ﴿

ہارون کی بہن انہ تیرا باپ برا، نہ تیری ماں بدکار، یہ بچہ کہاں سے آ گیا؟ ﴿فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ﴾ پس حضرت مریم علیہا السلام نے اشارہ کیا بچے کی طرف کہ اس سے پوچھو کون ہے؟ اور کہاں سے آیا ہے؟ ﴿قَالُوا﴾ انہوں نے کہا ﴿كَيْفَ نَكْتُمُ مَنْ كَانَ فِي النَّهْدِ صَيْبًا﴾ ہم اس بچے سے کیسے بات کریں جو گود میں ہے۔ جس کو تو نے گود میں اٹھایا ہوا ہے۔ مخلوق اکٹھی تھی، مرد کیا عورتیں کیا بوزھے اور کیا بچے، عجیب سماں تھا اور یہ گنہگار ہو رہی تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تقریر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا پہلا دن تھا، بعض نے دوسرا دن لکھا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تقریر شروع کر دی ﴿قَالَ﴾ ”فرمایا ﴿إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ﴾ بے شک میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ یہ پہلی کاری ضرب ہے عیسائیوں پر جو ان کو رب مانتے ہیں۔ فرمایا میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، رب نہیں ہوں ﴿الَّذِي الْكُتِبَ﴾ رب تعالیٰ نے مجھے کتاب دینے کا وعدہ کیا ہے ﴿وَجَعَلَنِي نَبِيًّا﴾ اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے ﴿وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ﴾ اور مجھے برکت والا بنایا ہے جہاں بھی میں ہوں ﴿وَأَوْضَعَنِي بِالصَّلَاةِ وَالزُّكُوفِ مَا دُمْتُ حَيًّا﴾ [سورہ مریم، پارہ ۱۶] اور اس نے مجھے تاکید فرمائی ہے نماز کی اور زکوٰۃ کی جب تک کہ میں زندہ رہوں۔“ لمبی چوڑی تقریر فرمائی اور ایک دن کے بچے نے ایسی تقریر کی کہ کوئی شخص بوڑھا پے میں بھی ایسی تقریر نہیں کر سکتا لیکن یہودیوں نے تسلیم نہ کیا اور کہا کہ یہ بچہ حلال نہیں ہو سکتا۔ اتنے ضدی تھے کہ ساری نشانیاں دیکھنے کے باوجود خمیٹ باز نہ آئے۔ نبوت تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں ہی مل گئی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ اس وقت بنی اسرائیل نے اپنا دین مسخ کر لیا تھا۔

جس طرح آج کل اہل بدعت نے دین کا نقشہ اور حلیہ بگاڑ دیا ہے اور کہتے اپنے آپ کو خفی ہیں۔ حالانکہ اماموں میں سے شرک اور بدعت کی تردید جتنی امام اعظم امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے کی ہے اتنی کسی اور نے نہیں کی اور فقہ حنفی میں جتنی شرک اور بدعت کی تردید ہے اتنی اور کسی فقہ میں نہیں ہے۔ مگر وہ بھی اپنے آپ کو خفی کہتے ہیں اور ہمیں وہابی کہتے ہیں، لا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔ ان کے سامنے اگر کوئی حق بیان کرے تو اس کو بھڑوں کی طرح چمٹ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ دین بگاڑنے والا ہے۔

اسی طرح جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کی اصلاح کرنی شروع فرمائی کہ لوگو! تم نے جو دین کا نقشہ بنایا ہوا ہے، یہ خدائی دین نہیں ہے یہ تمہارا خانہ ساز ہے۔ یہ بدعات ہیں، رسم و رواج ہیں تو ان کے مولوی اور عوام سارے ہی ان کے مخالف ہو گئے اور ان کے مولوی اور پیر مخالفت میں پیش پیش تھے۔

یہودیوں کا عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا مطالبہ کرنا

ملک شام میں رومیوں کی حکومت تھی۔ ایک صوبہ یہودیوں کا تھا، اس کا گورنر تھا ہیرودہ جو مرکز کی طرف سے مقرر تھا،

یہودیوں کا ایک وفد گورنر کے پاس گیا اور کہا کہ یہ شخص یعنی عیسیٰ علیہ السلام ہمارے دین میں بگاڑ پیدا کرنے کے لیے آیا ہے۔ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ اس کو سولی پر لٹکایا جائے اگر حکومت ہمارا مطالبہ پورا نہیں کرے گی تو ہم خود قدم اٹھائیں گے۔ گورنر خاصا پریشان ہوا اور مرکز کو خط لکھا کہ میرے صوبے میں اس طرح کا ایک شخص ہے وہ اپنے آپ کو نبی بتاتا ہے، وعظ اور تقریریں کرتا ہے مگر سارا صوبہ اس کے خلاف ہے سوائے چند آدمیوں کے اور لوگ مجھ سے مطالبہ کرتے ہیں اس کو سولی پر لٹکانے کا، میرے متعلق جو ہدایات ہیں بتائی جائیں تاکہ میں ان پر عمل کروں۔

حکومت نے کہا ایسا نہ کرنا، ایسا ہوتا رہتا ہے لوگ درخواستیں دیتے رہتے ہیں کسی کو قتل کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ کچھ دن گزرنے کے بعد یہودی عوام مولویوں اور پیروں نے جلوس نکالنے شروع کر دیے اور گورنر ہاؤس کا گھیراؤ شروع کر دیا، نعرے بازی ہو رہی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو ہمارے سامنے سولی پر لٹکاؤ۔ گورنر نے پریشان ہو کر دوبارہ مرکز کو خط لکھا کہ لوگوں نے میری نیند حرام کر دی ہے، نہ دن کو آرام ہے، نہ رات کو، یا تو مجھے اس کی قتل کی اجازت دو یا میرا استعفیٰ قبول کرو۔

مرکز نے جواب دیا کہ اگر ایک آدمی کے قتل کرنے سے صوبے میں امن قائم ہوتا ہے تو اس کو سولی پر لٹکا دو۔ گورنر ہیروڈ کو اجازت مل گئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھانے کی۔ گورنر نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کے آرڈر جاری کر دیے اور پولیس گرفتار کرنے کے لیے روانہ ہوئی۔ غیر ملکی پولیس تھی رومیوں کی، جس طرح ہم پر ایک وقت انگریز مسلط تھا، گورے سپاہی ہوتے تھے، ہم جو رعیت تھے، ہری زبان، شکلیں اور بودوباش اور تھی، گوروں کی اور تھی۔ اسی طرح وہاں بھی بادشاہ کی طرف سے پولیس متعین تھی ان کی بولی رومی تھی اور یہودیوں کی عبرانی زبان تھی۔

پولیس نے ایک آدمی مرتبہ عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تھا۔ پولیس نے بجائے عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کے شمعون قرینی کو گرفتار کر لیا۔ یہ ایک منافق آدمی تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاتا تو ان کا بن جاتا اور یہودیوں کے پاس جاتا تو ان کا بن جاتا اور اس کی شکل حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملتی جلتی تھی، اس مغالطے میں انہوں نے اس کو گرفتار کر لیا۔ اس نے کافی شور مچایا، چیخا چلایا کہ میں شمعون قرینی ہوں، عیسیٰ نہیں ہوں مگر انہوں نے اس کی ایک نہ سنی اور کہا کہ لوگ ایسے موقع پر ایسا کرتے ہیں اور لے جا کر اس کو سولی پر چڑھا دیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر زندہ اٹھالیا اور یہ بات دو تاریخی کتابوں میں موجود ہے اور وہ دونوں کتابیں انگریزوں کی مرتب کردہ ہیں۔ ایک کا نام ”انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا“ (Encyclopedia Britannica) اور دوسری کا نام ہے ”انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس“ (Ethics Religion and of Encyclopedia) ان دونوں کتابوں میں یہ تصریح موجود ہے کہ جس شخص کو سولی پر لٹکایا گیا تھا وہ شمعون قرینی تھا۔

نزول عیسیٰ علیہ السلام

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمانوں پر اٹھالیا اور وہ

دوسرے آسمان پر موجود ہیں اور قیامت کے قریب اس وقت نازل ہوں گے جب امام مہدی علیہ السلام لوگوں کو نماز پڑھانے کی تیاری میں ہوں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق شہر میں جامع مسجد اُموی کے شرقی منارہ پر اتریں گے۔ وہ منارہ آج بھی منارہ المسج کے نام سے مشہور ہے۔ وہ سفید رنگ کا منارہ ہے اور صبح کے وقت نازل ہوں گے۔

جن روایتوں میں عصر کے وقت کا ذکر ہے وہ کمزور ہیں۔ صبح روایتوں میں ہے کہ صبح کے وقت نازل ہوں گے۔ پہلی نماز امام مہدی علیہ السلام کے پیچھے کھڑے ہو کر پڑھیں گے، نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمائیں گے کہ مجھے جس مقصد کے لیے بھیجا گیا ہے اب ہم اس کو پورا کریں گے۔ چنانچہ دجال لعین کو لُذ کے مقام پر قتل کریں گے۔ تل ایب سے جو اسرائیل کا دار الخلافہ ہے چھتیس میل دور ایک چھوٹی سی بستی ہے، اس کا نام لُذ ہے۔

دجال لعین چالیس دنوں میں زمین پھر چکا ہوگا۔ پہلا دن ایک سال کا ہوگا، دوسرا دن ایک مہینے کے برابر ہوگا اور تیسرا دن ہفتے کے برابر لمبا ہوگا اور باقی دن عام دنوں کی طرح ہوں گے۔ مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ اور بیت المقدس کے علاوہ کوئی ایسی جگہ نہیں ہوگی جہاں وہ نہ پھرا ہوگا۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان پر لعنت بھیجی ان کے کفر کی وجہ سے اور ان کے اس قول کی وجہ سے کہ انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام پر بہت بڑا بہتان باندھا ﴿وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ﴾ اور ان کے اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی کہ بے شک ہم نے قتل کیا مسیح کو جو عیسیٰ بن مریم تھے ﴿سَأْئِلُوكَ اللَّهُ﴾ جو اللہ تعالیٰ کے رسول ہونے کا دعویٰ کرتا تھا۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَا قَتَلُوهُ﴾ حالانکہ انہوں نے نہیں قتل کیا اس کو ﴿وَمَا صَلَّبُوهُ﴾ اور نہ انہوں نے اس کو سولی پر چڑھایا ﴿وَلَكِنْ شَكَّوهُ﴾ اور لیکن معاملہ ان کے لیے مشتبہ کر دیا گیا ہے کہ ان کا ہم شکل آدمی شمعون قرینی قابو آ گیا اور اس کو سولی پر چڑھا دیا گیا۔ ﴿وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ﴾ اور بے شک وہ لوگ جنہوں نے اختلاف کیا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ﴿لَنْ يَشْكُرُوا﴾ اللہ کے اللہ وہ شک میں ہیں ان کے متعلق ﴿مَا لَكُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ﴾ نہیں ہے ان کو اس بارے میں کوئی علم ﴿إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ﴾ سوائے گمان کی پیروی کے ﴿وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا﴾ اور نہیں قتل کیا انہوں نے مسیح کو یقیناً ﴿بَلْ تَرَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اٹھالیا اپنی طرف۔

غور کرو اب اتنی تاکید کے بعد بھی کوئی شخص یہ کہے کہ عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے ہیں تو اس کے مردود ہونے میں کیا شک ہے؟ یہ قرآن پاک تمہارے سامنے ہے، دیکھ رہے ہو، اس کے بعد کسی چیز کی گنجائش ہے؟ ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ غالب، حکمت والا۔ اس کے اٹھانے میں کوئی اشکال نہیں ہے ﴿وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ﴾ اور نہیں ہے اہل کتاب میں سے کوئی بھی ﴿إِلَّا لِيُؤْمِنُوا بِهِ﴾ مگر ایمان لائے گا عیسیٰ علیہ السلام پر ﴿قَبْلَ مَوْتِهِ﴾ ان کی وفات سے پہلے۔ جب آسمان سے نازل ہوں گے اور جہاد کریں گے، جو لڑائی سے بچ جائیں گے ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہوگا جو عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے۔

ایک شخص نے سوال کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کس حیثیت سے تشریف لائیں گے؟ حضرت شیخ نے جواب میں فرمایا کہ

آپ ﷺ اُمتی کی حیثیت سے تشریف لائیں گے۔ ﴿وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شِهَادًا﴾ اور قیامت والے دن ہوں گے عیسیٰ ﷺ ان لوگوں پر گواہ۔ حیاتِ مسیح پر میں نے ایک چھوٹا سا رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے ”توضیح المرام“ تو فیق ہو تو اس کو ضرور دیکھو۔ اس میں میں نے حضرت عیسیٰ ﷺ کے زندہ آسمانوں پر اُٹھائے جانے اور قربِ قیامت نازل ہونے اور نزول کے بعد دجال کو قتل کرنے اور شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا التحیۃ والتسلیم کے مطابق حکومت کرنے اور زمین کو عدل و انصاف سے چلانے کا ثبوت قرآنِ پاک، صحیح احادیث، فقہاء اور متکلمین کے اقوال سے اور بزرگانِ دین کے اقوال سے دیا ہے اور مرزائیوں کی تردید ان کی کتابوں سے کی ہے۔

لیکن لکھنے کے لوگوں کو کتاب پڑھنے کا شوق بالکل نہیں ہے اور کتاب لینے کے حق میں بڑے بخیل ہیں۔ کتاب پر پیسے خرچ کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ بس یہ سمجھتے ہیں کہ درس سن لیا، بس یہی کافی ہے۔ حالانکہ جتنا اطمینان کتاب سے حاصل ہو سکتا ہے وہ درس سے نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس پر کافی محنت صرف کی ہوتی ہے اور پورے زور کے ساتھ دلائل جمع کیے ہوتے ہیں اور مالہا و ما علیہا پر تفصیلی بحث ہوتی ہے۔



﴿قَدْ ظَلَمَ﴾ بس بہ سبب ظلم کرنے کے ﴿قَوْمِ الَّذِينَ﴾ ان لوگوں کی طرف سے ﴿فَادُوا﴾ جو یہودی تھے ﴿حَزْمَنَا﴾ حرام کر دیں ہم نے ﴿عَلَيْهِمْ﴾ ان پر ﴿طَبِيبًا﴾ پاکیزہ چیزیں ﴿أَحَلَّتْ لَهُمْ﴾ جو حلال کی گئی تھیں ان کے لیے ﴿وَوَصَلَتْهُمْ﴾ اور بہ وجہ ان کے روکنے کے ﴿عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے راستے سے ﴿كَثِيرًا﴾ بہت زیادہ ﴿وَأَخَذْنَاهُمُ الرِّبَا﴾ اور بہ سبب ان کے سود لینے کے ﴿وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ﴾ حالانکہ تحقیق ان کو منع کیا گیا تھا سود خوری سے ﴿وَأَكْبَهُمُ أَمْوَالِ النَّاسِ﴾ اور بہ وجہ ان کے کھانے کے لوگوں کے مالوں کو ﴿بِالْبَاطِلِ﴾ باطل طریقے سے ﴿وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ﴾ اور ہم نے تیار کیا ہے کافروں کے لیے ان میں سے ﴿عَذَابًا أَلِيمًا﴾ عذاب دردناک ﴿لَكِنَّ الرِّسْحُونَ﴾ لیکن جو پختہ ہیں ﴿فِي الْعِلْمِ﴾ علم میں ﴿مِنْهُمْ﴾ ان میں سے ﴿وَالْمُؤْمِنُونَ﴾ اور وہ جو ایمان لانے والے ہیں ﴿يُؤْمِنُونَ﴾ ایمان لاتے ہیں ﴿بِنَا﴾ اس چیز پر ﴿أَنْزَلَ إِلَيْكَ﴾ جو نازل کی گئی ہے آپ کی طرف سے ﴿وَمَا﴾ اور اس چیز پر ﴿أَنْزَلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ جو نازل کی گئی آپ سے پہلے ﴿وَالْمُتَّقِينَ الصَّلَاةَ﴾ اور جو قائم کرنے والے ہیں نماز کو ﴿وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ﴾ اور دیتے ہیں زکوٰۃ ﴿وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ اور ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر ﴿وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ اور آخرت کے دن پر ﴿أُولَئِكَ﴾ وہ لوگ ہیں ﴿سَمُوتِيهِمْ﴾ عنقریب ہم ان کو دیں گے ﴿أَجْرًا عَظِيمًا﴾ اجر بہت بڑا۔

کل کے درس میں تم نے تفصیلاً سنا کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کے متعلق نامناسب باتیں کیں جو کسی شریف آدمی کے متعلق بھی نہیں کہی جاسکتیں چہ جائے کہ اللہ تعالیٰ کے شان والے پیغمبر اور اس کی پاک دامن ماں کے بارے میں کہی جائیں۔ مگر دنیا میں بہت کچھ ہوتا ہے کسی کی زبان تو نہیں پکڑی جاسکتی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقوں نے تہمت لگائی، کم و بیش ایک مہینہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پریشان رہے اور منافقوں نے اس قدر زور سے پروپیگنڈا کیا کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم بھی غلط فہمی کا شکار ہو گئے۔ جیسے: حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ مشہور شاعر ہیں، کہنے لگے نوعمر عورت ہے ایسی بات ہوگئی ہو تو تعجب نہیں ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) اور حضرت مسطح رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی ہیں، مہاجرین میں سے ہیں اور بدری صحابی ہیں مگر غلط فہمی کا شکار ہو گئے اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھی کی بیٹی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سالی بھی لگتی تھیں، وہ بھی اس غلط فہمی کا شکار ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی صفائی میں سورہ نور کے اندر دو رکوع نازل فرمائے اور فرمایا ﴿سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ﴾ ”پروردگار! تو پاک ہے یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔“

تو دنیا میں باتیں کرنے سے تو کوئی بھی باز نہیں آتا۔ اب ظاہر بات ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جو اتہام لگایا گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا گزری ہوگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مہینہ تک کیا کیفیت تھی؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ پر بھی تہمت لگائی گئی، اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو ناحق شہید کیا گیا، لوگ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کا مقابلہ کرتے رہے اور پیغمبروں پر کیا کیا ظلم کرتے رہے، اس کا ذکر ہے۔

لفظ یہودی کی وجہ تسمیہ ؟

﴿فَيُظْلَمُونَ ذٰلِكَ فَادُّوا﴾ یہ سب ان لوگوں کے ظلم کرنے کے جو یہودی تھے۔ یہودیوں کو یہودی اس لیے کہا جاتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے کا نام یہود تھا۔ وہ مومن تھا، صحابی تھا، ولی کامل تھا۔ پھر پیغمبر کا بیٹا تھا اس کی طرف نسبت کی وجہ سے ان کو یہودی کہتے ہیں یا اس وجہ سے یہودی کہا جاتا ہے کہ ان کے بڑوں نے غلطی کی تھی پھر توبہ کی اور کہا ﴿اِنَّ هٰذَا نَا اِلَيْكَ﴾ ”اے پروردگار! ہم نے تیری طرف رجوع کیا ہے ہمیں معاف کر دے۔“ تو اس ﴿هٰذَا نَا﴾ کے لفظ کی وجہ سے ان کو یہودی کہا جاتا ہے کہ یہ حق کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ ان میں نیک بھی تھے مگر اکثریت بُروں کی تھی۔

پاکیزہ چیزوں کے حرام ہونے کا مطلب ؟

تو فرمایا یہ سب ان لوگوں کے ظلم کے جو یہودی تھے ﴿حٰزَمْنَا عَلٰیہُمْ﴾ حرام کر دیں، ہم نے ان پر ﴿ظَلَمْنَا﴾ لٹم لٹم پاکیزہ چیزیں جو حلال کی گئی تھیں ان کے لیے۔ ان کے ظلم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر حرام فرمادیں۔ اس کا ذکر دوسرے مقام پر ہے ﴿وَ عَلٰی الَّذِيْنَ هٰذَا حٰزَمْنَا﴾ ”اور ان لوگوں پر جو یہودی تھے ہم نے حرام کر دیا ﴿كُلِّ دِيْنٍ ظَلَمْنَا﴾ سب

ماخن والے جانور جن کے پاؤں پھٹے ہوئے نہیں ہوتے۔ جیسے: اونٹ، شتر مرغ، بٹخ وغیرہ کہ ان کے پاؤں جڑے ہوئے ہوتے ہیں ﴿وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ﴾ اور گائیوں میں سے اور بھینس بھی اس میں داخل ہے اور بکریوں میں سے اور بھیریں بھی اس میں شامل ہیں ﴿حَزَمْنَا عَلَيْهِنَّ شَوْمَهُنَّ﴾ ان کی چربی ہم نے ان پر حرام کر دی۔“ گائے، بیل کا گوشت تو کھا سکتے تھے مگر ان کی بزبی نہیں کھا سکتے، بکری بکرا چھترے کا گوشت تو کھا سکتے ہو مگر چربی نہیں کھا سکتے ﴿إِلَّا مَا حَلَلْتَ لَهَا مِنْهَا﴾ ”سوائے اس چربی کے جو ان کی پیٹھ کے ساتھ لگی ہوئی ہو ﴿أَوِ الْحَوَايَا﴾ یا انتڑیوں کے ساتھ لگی ہوئی ہو ﴿أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ﴾ یا وہ جو ہڈی کے ساتھ لگی ہوئی ہو وہ کھا سکتے ہیں، باقی نہیں۔“ مثلاً: چکی ہے یا گردوں کے ساتھ جو لگی ہوئی ہے نہیں کھا سکتے تھے، یہ چیزیں کیوں حرام فرمائیں؟ ﴿ذَلِكَ جَزَاءُ مَا كَفَرْتُمْ﴾ [الانعام: ۱۳۶، پارہ: ۸] ”یہ ہم نے ان کو سزا دی ان کی سرکشی کی وجہ سے۔“

اس کو تم اس طرح سمجھو کہ عمومی حالات میں لوگ اکٹھے بیٹھے، چلتے پھرتے ہیں مگر جب حکومت کو خدشہ ہو کہ لوگ اکٹھے ہو کر حکومت کے خلاف کوئی کارروائی کرنا چاہتے ہیں یا بدمعنی پھیلا نا چاہتے ہیں تو حکومت دفعہ ایک سوچو الیس نافذ کر دیتی ہے کہ مثلاً: پانچ آدمی اکٹھے نہیں چل سکتے یا بیٹھ نہیں سکتے۔ لوگوں کی شرارت سے بچنے اور امن برقرار رکھنے کے لیے مذکورہ دفعہ لگائی جاتی ہے اور یہ پابندی عارضی طور پر ہوتی ہے۔ اسی طرح یہودیوں پر جو یہ چیزیں حرام کی گئی تھیں عارضی طور پر تھیں، ان کی سرکشی کی وجہ سے حرام فرمائیں۔ ﴿وَبَصَّطُوا فِي اللَّهِ كَثِيرًا﴾ اور بہ وجہ ان کے روکنے کے اللہ تعالیٰ کے راستہ سے بہت زیادہ۔ ہر آدمی اپنے عقائد پر خوش ہے، چاہے وہ کیسے ہی کیوں نہ ہوں۔

زور حاضر میں دین سے روکنے کے جدید طریقے

قرآن پاک میں آتا ہے ﴿كُلُّ حَرْبٍ بِمَا كَذَّبْتُمْ قَوْمًا﴾ [الروم: ۳۲] ”ہر گروہ ان چیزوں پر خوش ہے جو ان کے پاس ہیں۔“ اور کوشش کرتا ہے کہ سارے لوگ میرے جیسے ہو جائیں اور میرے ساتھ مل جائیں۔ مثلاً: چور چاہتا ہے اور لوگ بھی چور بن جائیں اور میرے ساتھ مل جائیں، ڈاکو اپنا گینگ بنائیں گے تاکہ ان کی قوت بڑھ جائے۔ ہر قسم کے لوگ اپنے نظریات کو پھیلاتے ہیں، باطل نظریات سے صرف وہ بچ سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ بچائے اور وہ خود بچنے کی کوشش کرے۔ اس وقت مغربی قوتوں نے مسلمانوں کے عقائد و نظریات اور اعمال پر یلغار کی ہوئی ہے، ڈش کے ذریعے، ٹی وی کے ذریعے، رسائل کے ذریعے، اسکولوں کے ذریعے، مشنریوں کے ذریعے، ایسا کہ ہر ہر لفظ میں ہر ہر بول میں مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا کرتے ہیں۔ انھوں نے تو اپنا کام کرنا ہے ہمارے اندر بھی غیرت ہونی چاہیے کہ ہم دین کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں نہ کہ ان سے متاثر ہو کر دین کے کام چھوڑ بیٹھیں اور ان جیسی وضع قطع اپنالیں۔

﴿وَأَخَذْنَاهُمُ الرِّبَا﴾ اور بہ سبب ان کے سود لینے کے ﴿وَقَدْ نُهَوَّاعُنْتُمْ﴾ حالانکہ ان کو بہ تحقیق منع کیا گیا تھا سود خوری سے اور صرف ان کے لیے حرام نہیں تھا بلکہ ہمارے لیے بھی حرام ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((لَعَنَ اللَّهُ أَكْلَ الرِّبَا

وَمُؤَكِّدَةٌ وَكَاتِبَةٌ وَشَهِيدَةٌ)) ”سو دکھانے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور کھلانے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت یعنی لینے والے پر، دینے والے پر اور سو لکھنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور سو کے گواہ بننے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔“ (یہ بخاری شریف کی صحیح روایت ہے)۔ اور جس طرح سو حرام ہے اس طرح رشوت بھی حرام ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے رشوت لینے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور رشوت دینے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور دلالت پر اللہ تعالیٰ کی لعنت یعنی جو ان کو جوڑتا ہے ﴿وَأَمْوَالُهُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ اور بہ وجہ ان کے کھانے کے لوگوں کے مالوں کو باطل طریقے سے، ڈاکے بھی ڈالتے تھے، فراڈ بھی کرتے تھے۔ عجیب عجیب طریقے تھے لوگوں کے مال کھانے کے۔ جس طرح آج کل بھی لوگ موجود ہیں، مردوں میں بھی ہیں، عورتوں میں بھی ہیں کہ مال آئے جس طرح بھی آئے اور اس چیز کی تمیز نہیں ہے کہ حلال ہے یا حرام ہے اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندے تردید کرنے والے بھی موجود ہیں، مرد بھی، عورتیں بھی جو حرام خوردی کی تردید کرتے ہیں۔

مومن کے بارے میں خیر کا گمان کرو

ہاں! حدیث پاک میں آتا ہے: كَلُّنَا بِالْمُؤْمِنِينَ خَيْرًا ”مومنوں کے بارے میں خیر کا گمان کرو۔“ اگر کسی شخص کے حالات تمہیں معلوم نہیں ہیں اور وہ تمہیں تحفہ یا ہدیہ دیتا ہے تو بدگمانی نہ کرو، بلکہ سمجھو کہ مومن ہے۔ اچھی چیزیں دے گا، حلال چیزیں دے گا کہ مومن ہے اور بندہ اس کا مکلف نہیں ہے کہ تحقیق شروع کر دے کہ کہاں سے کما کر لائے ہو؟ یہ چیز تمہیں کہاں سے ملی ہے؟ اس کو کس طرح حاصل کیا ہے؟ ہاں! اگر تمہیں یقین ہو کہ واقعی اس کی کمائی حرام کی ہے تو بہتر یہ ہے کہ اس سے ہدیہ نہ لو اور اگر کسی وجہ سے لے لو تو خود استعمال نہ کرو بلکہ کسی غریب، مسکین، ضرورت مند کو دے دو۔

﴿وَاعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ﴾ اور ہم نے تیار کیا ہے کافروں کے لیے ﴿مِنْهُمْ﴾ ان یہودیوں میں سے ﴿عَذَابًا أَلِيمًا﴾ دردناک عذاب۔ ان گناہوں اور شرارتوں کی وجہ سے اور بد اعمالیوں کا ان کو بدلہ ملے گا۔ بظاہر ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ سارے یہودی ظالم اور بُرے تھے۔ کیونکہ الفاظ ہیں ﴿فَيُظْلَمُونَ الَّذِينَ هَادُوا﴾ بہ وجہ ان لوگوں کے ظلم کرنے کے جو یہودی ہیں، لیکن ایسی بات نہیں ہے۔

ایمان لانے والے یہود کی تعریف

فرمایا ﴿لَكِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ﴾ لیکن جو پختہ ہیں علم میں ان میں سے ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا﴾ اور وہ جو ایمان لانے والے ہیں ﴿يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ﴾ ایمان لاتے ہیں اس چیز پر جو نازل کی گئی ہے آپ کی طرف۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قرآن نازل کیا گیا ہے، سنت نازل کی گئی ہے ﴿وَمَا أُنزِلَ مِنْ سَمَكٍ﴾ اور اس چیز پر ایمان لاتے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نازل کی گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی یہودیوں میں سے چند آدمی ایسے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے

تھے۔ جیسے: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ، حضرت اسید رضی اللہ عنہ، حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ وغیرہ اور عام یہودی جانتے ہوئے بھی ایمان نہیں لاتے تھے۔ غلط فہمی کا مسئلہ جدا ہے مگر یہودیوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں تھی۔ قرآن میں ہے ﴿يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبْنَاءَهُمْ﴾ ”حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔“ یعنی جس طرح اپنی اولاد کے پہچاننے میں کوئی شبہ نہیں ہوتا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان علامتوں اور نشانیوں سے جو پہلی کتابوں میں مذکور تھیں جانتے اور پہچانتے تھے کہ واقعی یہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا یہ مقولہ تفسیروں میں منقول ہے کہ ہمیں اپنی اولاد کے بارے میں تو شبہ ہو سکتا ہے کہ ہماری بیویوں نے خیانت کی ہو اور ہمیں نہ بتایا ہو لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ بڑی عجیب بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں آنے سے پہلے یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ اور طفیل سے دعا کرتے تھے کہ اے پروردگار! اس پیغمبر کے صدقے اور طفیل سے جس نے آنا ہے ہمیں دشمن کے مقابلہ میں فتح نصیب فرما۔ جیسا کہ تم پہلے پارے میں پڑھ چکے ہو ﴿وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ ”اور تھے وہ اس سے پہلے فتح کے لیے توسل حاصل کرتے ان لوگوں کے خلاف جو کافر ہیں ﴿فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا﴾ پس جب آئی ان کے پاس وہ ذات جس کو انہوں نے پہچان لیا ﴿كَفَرُوا بِهِ﴾ اس کا انکار کر گئے۔“ تو اس کا تو دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔

اور ماننے والوں کی ظاہری علامت یہ ہے ﴿وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ﴾ اور جو قائم کرنے والے ہیں نماز کو ﴿وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ﴾ اور دیتے ہیں زکوٰۃ، مالی عبادتیں بھی کرتے ہیں اور بدنی عبادتیں بھی کرتے ہیں ﴿وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ اور صحیح معنی میں رب تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں ﴿وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ اور آخرت کے دن پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ تو یہودیوں میں ایسے لوگ تھے اور ہیں جو پختہ علم والے ہیں، ایمان لاتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت کے دن پر یقین رکھتے ہیں ﴿وَالَّذِينَ سَأَلُوا عَنْهُمْ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ وہ لوگ ہیں عنقریب ہم ان کو دیں گے بہت بڑا اجر۔ تو یہودی سارے برابر نہیں تھے اور اب بھی سارے برابر نہیں ہیں۔ اکثریت تو بُروں کی ہے اور کچھ حق ماننے والے بھی ہیں۔

﴿إِنَّا أَوْحَيْنَا﴾ بے شک ہم نے وحی بھیجی ﴿إِلَيْكَ﴾ آپ کی طرف ﴿كَمَا أَوْحَيْنَا﴾ جیسا کہ وحی بھیجی ہم نے ﴿إِلَى نُوحٍ﴾ نوح علیہ السلام کی طرف ﴿وَالثَّابِتِينَ مِنْ بَعْدِهِ﴾ اور ان نبیوں کی طرف جو نوح علیہ السلام کے بعد آئے ﴿وَأَوْحَيْنَا﴾ اور ہم نے وحی بھیجی ﴿إِلَى إِبْرَاهِيمَ﴾ ابراہیم علیہ السلام کی طرف ﴿وَأِسْمَاعِيلَ﴾ اور اسماعیل علیہ السلام کی طرف ﴿وَأِسْحٰقَ﴾ اور اسحاق علیہ السلام کی طرف ﴿وَيَعْقُوبَ﴾ اور یعقوب علیہ السلام کی طرف ﴿وَالرَّسُلَ﴾ اور ان کی اولاد اور اولاد کی طرف ﴿وَعِيسَى﴾ اور عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ﴿وَأَيُّوبَ﴾ اور ایوب علیہ السلام کی طرف ﴿وَيُونُسَ﴾ اور

یونس علیہ السلام کی طرف ﴿وَهُرُونَ﴾ اور ہارون علیہ السلام کی طرف ﴿وَسُلَيْمَانَ﴾ اور سلیمان علیہ السلام کی طرف ﴿وَأَتَيْنَا﴾ اور دی ہم نے ﴿كَادَا دَرِيضُونَ﴾ داؤد علیہ السلام کو زبور کتاب ﴿وَرُسُلًا﴾ اور کئی رسول بھیجے ہم نے ﴿قَدْ قَضَيْنَاهُمْ عَلَيْكَ﴾ تحقیق جن کے کچھ حالات ہم نے بیان کیے آپ پر ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿وَرُسُلًا﴾ اور کئی رسول ہیں ﴿لَمْ نَقْضُصْهُمْ عَلَيْكَ﴾ جن کے حالات ہم نے نہیں بیان کیے آپ پر ﴿وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى﴾ اور کلام کیا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ﴿تَكَلِّمُنَا﴾ کلام کرنا ﴿رُسُلًا﴾ یہ پیغمبر تھے ﴿مُبَشِّرِينَ﴾ خوش خبری سنانے والے ﴿وَمُنذِرِينَ﴾ اور ڈرانے والے اس لیے بھیجے ﴿لِيَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ﴾ تاکہ نہ ہو لوگوں کے لیے ﴿عَلَى اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے سامنے ﴿حُجَّةٌ﴾ کوئی بہانہ اور عذر ﴿بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ رسولوں کے آنے کے بعد ﴿وَكَانَ اللَّهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿عَزِيزًا﴾ غالب ﴿حَكِيمًا﴾ حکمت والا ﴿لَكِنَّ اللَّهَ يَشْهَدُ﴾ لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے ﴿بِمَا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ﴾ اس چیز کی جو اس نے نازل کی آپ کی طرف ﴿أَنْزَلْنَاهُ بِعَلِيمٍ﴾ نازل کیا اس چیز کو اپنے علم کے ساتھ ﴿وَالْمَلَائِكَةُ يَشْهَدُونَ﴾ اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں ﴿وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا﴾ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ گواہی دینے والا۔

ما قبل سے ربط

اس سے پہلے رکوع کی ابتدا میں یہودیوں کے سوال کا ذکر ہوا تھا کہ ﴿يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنْ تُنزِلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِثْلَ الَّذِي أَنْزَلْتَ﴾ ”اے نبی کریم! اہل کتاب آپ سے سوال کرتے ہیں کہ اگر تم پیغمبر ہو تو آسمان سے اکٹھی کتاب کیوں نہیں لاتے؟“ یہ کیا ہوا کہ کبھی ایک آیت سنادی، کبھی دو آیتیں سنادیں، کبھی رکوع سنادیا اور کہہ دیتے ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہے۔ اکٹھی کتاب لاؤ ورنہ ہم تمہیں نبی ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا، فرمایا ﴿إِنَّا آذَيْنَاكَ بِهِ﴾ شک ہم نے وحی بھیجی آپ کی طرف ﴿كَمَا آذَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيَّ مِنْ بَعْدِهِ﴾ جیسا کہ وحی بھیجی ہم نے نوح علیہ السلام کی طرف اور ان نبیوں کی طرف جو نوح علیہ السلام کے بعد آئے تو بتاؤ کہ نوح علیہ السلام پر کون سی اکٹھی کتاب نازل ہوئی تھی؟ حالانکہ اصولی طور پر تم ان کو نبی مانتے ہو اور ان کے بعد بے شمار پیغمبر تشریف لائے ہیں، ان پر کون سی کتابیں نازل ہوئی ہیں؟ یہ بتانا تمہارا فرض ہے۔ کیونکہ یہ معیار تمہارا ہے کہ اکٹھی کتاب نازل ہو تو پیغمبر مانیں گے ورنہ نہیں۔ جب کہ تم ان کو پیغمبر بھی مانتے ہو اور سب پر کتابیں بھی اکٹھی نازل نہیں ہوئیں۔

مزید تفصیل ﴿وَآذَيْنَا إِيَّابْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ﴾ اور وحی بھیجی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی طرف اور اسماعیل علیہ السلام کی طرف اور اسحاق علیہ السلام کی طرف اور یعقوب علیہ السلام کی طرف۔ ان کی طرف کون سی اکٹھی کتابیں نازل ہوئیں، جب

کہ تم ان سب کو نبی مانتے ہو اور تھے بھی یقیناً نبی۔ ﴿وَالْاَسْبَابُ﴾ اُسبَاط جمع ہے سِبْط کی اور سِبْط کے معنی ہیں اولاد۔ معنی بنے گا ان کی اولاد اور اولاد کی طرف وحی بھیجی۔ کیونکہ ان کی اولاد میں بہت پیغمبر آئے ہیں مگر سب کے پاس کتابیں نہیں تھیں۔ ﴿وَعِيسَى﴾ اور عیسیٰ ؑ کی طرف وحی بھیجی۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے انجیل عطا فرمائی ﴿وَاٰیُوبَ﴾ اور ایوب ؑ کی طرف وحی بھیجی مگر ان کی طرف کوئی کتاب نازل نہ ہوئی ﴿وَيُوْنُسَ﴾ اور یونس ؑ کی طرف وحی بھیجی، کتاب نہیں ملی ﴿وَالْحٰمٰنَ﴾ اور ہارون ؑ کی طرف وحی بھیجی، مگر کتاب نہیں ملی۔ وہ تورات کو ماننے اور منوانے کے پابند تھے ﴿وَسُلَيْمٰنَ﴾ اور سلیمان ؑ کی طرف وحی بھیجی مگر ان پر کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی۔ ان سب کو تم پیغمبر مانتے ہو، اب تمہارا معیار کہاں گیا کہ انھی کتاب نازل ہو تو پیغمبر مانیں گے اور اگر انھی کتاب نازل نہ ہو تو پیغمبر نہیں مانیں گے۔ ان سب کو پیغمبر بھی مانتے ہو، سب پر کتابیں بھی نازل نہیں ہوئیں۔ ﴿وَاٰتِيْنَاكَ اَوْدٰنًا مِّنْ اَوْدٰنِ﴾ اور دی ہم نے داؤد ؑ کو زبور کتاب۔ کسی کو کتاب ملی، کسی کو نہیں ملی، جن کو کتاب ملی وہ بھی نبی ہیں اور جن کو کتاب نہیں ملی وہ بھی نبی ہیں۔ کیونکہ چار آسمانی کتابیں مشہور ہیں۔ قرآن کریم، تورات، انجیل اور زبور۔ ان میں تو کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ ان کے علاوہ صحفِ موسیٰ اور صحفِ ابراہیم کا ذکر بھی قرآن میں آتا ہے۔ اس کے علاوہ قطعی اور یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک ہزار چار کتابیں نازل ہوئی ہیں۔ مگر محدثین کرام رضی اللہ عنہم اس کی سختی کے ساتھ تردید کرتے ہیں۔ کیونکہ اس میں ایک راوی وہ ہے جو جھوٹوں کا پیر ہے۔

علم غیب خاصہ خداوندی ہے

﴿وَسُؤْلًا﴾ اور ان کے علاوہ کئی رسول تھے ﴿قَدْ فَضَّلْنَاكَ مِنْ قَبْلُ﴾ تحقیق جن کے کچھ حالات ہم نے بیان کیے آپ پر اس سے پہلے ﴿وَسُؤْلًا لَّمْ نَقْضْهُمْ عَلَيْكَ﴾ اور کئی رسول ہیں جن کے حالات نہیں بیان کیے ہم نے آپ پر۔ بعض لوگ جہالت کی وجہ سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام غیوب عطا فرمادے ہیں اور لوگوں کو یہ مغالطہ دیتے ہیں کہ یہاں جو نفی ہے وہ ذاتی کی ہے۔ مثلاً: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾ ترجمہ کرتے ہیں کہ میں ذاتی طور پر نہیں جانتا اور کہتے ہیں کہ ہم عطا کی علم غیب کے قائل ہیں اور چون کہ خداوند کریم کی صفت عطا کی نہیں ہے بلکہ ذاتی ہے، اس لیے عطا کی طور پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے علم غیب کی صفت ثابت کرنا شرک نہیں ہے۔

یہ ان کا نظریہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تو کوئی چیز بھی ذاتی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مسعود بھی اللہ تعالیٰ کا عطا کیا ہوا ہے۔ تو ذاتی، عطا کی تفریق کہاں سے آگئی؟ ذاتی علم تو ایک ذرے کا بھی کسی کو نہیں ہے جو ملا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا ہے، عطا ہوا ہے اور جہاں نفی ہوگی عطا ہی کی ہوگی۔ جیسا کہ اس آیت کریمہ میں صراحت کے ساتھ فرمایا ہے اور کتنے ہی رسول ہم نے بھیجے جن میں سے بعض کے حالات ہم نے آپ کو اس سے قبل بتا دیے ہیں اور ان میں سے بعض کے حالات ہم نے آپ کو نہیں بتائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے تو نہیں بتائے، اس کے سوا کون بتائے گا اور عطا کس طرف سے آئے

گی؟ اور اس کے خلاف قرآن پاک میں کوئی آیت بھی نہیں ہے کہ جس کا مفہوم یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں کے حالات آپ ﷺ کو بتادیے ہیں۔

سورہ یسین میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشُّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ﴾ اور ہم نے نبی کریم ﷺ کو شعر و شاعری کی تعلیم نہیں دی اور یہ ان کے لائق بھی نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس کی تعلیم ہی نہیں دی تو اور کہاں سے یہ تعلیم ہوتی یا ہو سکتی ہے؟ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی بالکل بے نقاب کر دیا کہ یہ شعر کی تعلیم آپ ﷺ کی بلند شان کے لائق ہی نہیں ہے۔ کیونکہ شاعر لوگ کہتے کچھ اور ہیں اور کرتے کچھ اور ہیں ﴿وَأَنْتُمْ يَفْقَهُونَ مَا لَا يَفْقَهُونَ﴾ [الشعراء: ۲۲۶] اور بے شک کہتے وہ ہیں جو کرتے نہیں۔ اور یہاں تو بڑے شاعر یہ کہہ گئے ہیں کہ:

گفتار کا غازی بن تو گیا

کردار کا غازی بن نہ سکا

اور پیغمبر کی ذات وہ ہے کہ جو دل میں ہے وہی زبان پر ہے اور جو زبان پر ہے وہ عمل میں ہے۔ یہاں دورنگی نہیں ہے۔ عارف گنجوی رحمہ اللہ بڑے بزرگ گزرے ہیں، ان کے بیٹے نے شعر و شاعری کے میدان میں قدم رکھا، جب ان کو معلوم ہوا تو اس کو بلا کر پاس بٹھایا اور کہا بیٹے! ”در شعر میخ و در فن اوست چوں اکذب اوست احسن اوست۔“ بیٹا شعر و شاعری کے میدان میں قدم نہ رکھ، کیونکہ جتنا جھوٹا اور خلاف واقعہ ہوگا اتنا ہی زیادہ اچھا اور لذیذ ہوگا۔ جیسے ایک شاعر کہتا ہے کہ:

طوافِ کعبہ مشتاقِ زیارت کا بہانہ ہے

کوئی ڈھب چاہیے آخر رقیبوں کے منانے کا

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ، کہا ہے کہ یہ جو حج اور عمرہ کرنے کے لیے جاتے ہیں ان کا اصل مقصد تو آنحضرت ﷺ کے روضہ اطہر پر حاضری ہے لیکن رب تعالیٰ رقیب ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) اس کو ٹھگنے اور داؤ لگانے کے لیے در چار چکر طواف کے بھی لگا لیتے ہیں تاکہ وہ بھی ناراض نہ ہو، بگڑ نہ جائے۔ اندازہ لگاؤ! کتنا غلو ہے۔ بے شک آنحضرت ﷺ کے روضہ اقدس پر حاضری بھی بڑی سعادت ہے مگر طواف کرنا اصل عبادت ہے اللہ تعالیٰ کی اور اللہ تعالیٰ کا حق مقدم ہے۔ پہلے وہ ادا کر دو پھر آپ ﷺ کے روضہ اقدس پر حاضری دو۔

﴿وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا﴾ اور کلام کیا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام کرنا۔ موسیٰ علیہ السلام جب بھی کوہ طور پر تشریف لے جاتے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہوتے اور صحیح قول کے مطابق معراج کی رات آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہوئے۔ سورۃ النجم میں ہے ﴿فَاذْكُرْ آلِيَّ عَبْدًا مِّمَّا أَنشَأْنَا﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی طرف وحی کی جو وحی نازل کی۔ ایک دن موسیٰ علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہوئے تو کہنے لگے ﴿سَبِّحْ آلِيَّ رَبِّكَ﴾ ”اے پروردگار! تو مجھے اپنا دیدار کرا، میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں“ ﴿قَالَ﴾ رب تعالیٰ نے فرمایا ﴿لَنْ تَرِنِي﴾ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا ﴿وَلَكِنْ انظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ﴾

اَسْتَقْرَأَ مَكَانَهُ لَسَوْفَ تَزِينُ ﴿﴾ لیکن سامنے اس پہاڑ کی طرف دیکھو، اس پر میں اپنے نور کی تجلی ڈالوں گا اگر وہ اپنی جگہ پر کھڑا رہا تو پھر ممکن ہے تو بھی مجھے دیکھ سکے۔“

حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہاتھ کی جو چھوٹی انگلی ہے جس کو چھپی کہتے ہیں اس کے ایک پورے کے برابر اپنا نورزیر پہاڑ پر ڈالا، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا ﴿وَخَرُّ مُوسَىٰ صَاحِقًا﴾ ”اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔“ جب افاقہ ہوا تو کہنے لگے: اے پروردگار! میں توبہ کرتا ہوں میں نے بے جا سوال کیا تھا۔ دنیا میں موسیٰ علیہ السلام جیسا پیغمبر اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھ سکا۔ یہ عقیدہ رکھو کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوگی۔ قرآن پاک میں آتا ہے ﴿وَجُودًا يُؤْمِنُونَ كَاٰخِرَةَ﴾ ”کئی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے ﴿إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرِينَ﴾ اپنے پروردگار کی طرف دیکھنے والے ہوں گے۔“

تو قرآن پاک سے اللہ تعالیٰ کی رویت ثابت ہے۔ اور حدیث پاک میں آتا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا: هَلْ نَرَىٰ رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ ”کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں گے؟“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بات اؤ کہ چودھویں کا چاند ہو، دُھند اور بادل بھی نہ ہوتے تو تمہیں نظر آتا ہے یا نہیں؟ دوپہر کے وقت سورج سر پر کھڑا ہو، دُھند اور بادل بھی نہ ہوتے تو تمہیں نظر آتا ہے یا نہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ حضرت! نظر آتا ہے۔ فرمایا: كَذٰلِكَ سَتَرُوْنَ رَبَّكُمْ ”اسی طرح تم اپنے رب کو دیکھو گے۔“

پیغمبروں کی آمد کا مقصد

پیغمبر اللہ تعالیٰ نے کیوں بھیجے؟ اس کے متعلق فرمایا ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ﴾ یہ پیغمبر تھے خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام ماننے والوں کو جنت کی خوش خبری سنا دیں اور انکار کرنے والوں کو ڈرائیں کہ دنیا میں بھی تم پر عذاب آئے گا، مرنے کے بعد قبر میں بھی اور قیامت والے دن بھی اور پھر دوزخ میں بھی اور یہ پیغمبر اس لیے بھی بھیجے کہ ﴿لَا يَلْبِغُونَ لِلَّهِ عَلَىٰ اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ تاکہ نہ ہو لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی بہانہ اور عذر رسولوں کے آنے کے بعد۔

اگر پیغمبر تشریف نہ لاتے تو لوگ کہہ سکتے تھے اے پروردگار! ہمیں تو معلوم نہیں تھا کہ کون سی چیز حلال ہے اور کون سی چیز حرام ہے؟ کون سی چیز جائز ہے اور کون سی چیز ناجائز ہے۔ کیا ہم نے کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا؟ بہانہ بنا سکتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے پیغمبر مبعوث فرما کر یہ بہانہ ختم کر دیا۔ اب ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمیں معلوم نہیں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کانوں میں انگلیاں دے لیں اور پیغمبر کی بات ہی نہ سنیں۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قرآن سناتے تھے تو کافر کہتے تھے ﴿لَا تَسْمَعُوا لِهٰذَا الْقُرْآنِ وَالنَّوَاتِيهِ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ﴾ [سورہ ختم سجدہ، پارہ: ۲۳] ”نہ سنو اس قرآن کو اور جب پڑھنے لگیں تو شور مچا دیا کرو تا کہ تم غالب رہو۔“ اور دوسرے مقام پر ہے ﴿وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَمْنَعُونَ عَنْهُ﴾ [سورہ الانعام، پارہ: ۷] ”یہ لوگ دوسروں کو قرآن سے روکتے

ہیں اور خود دور بھاگتے ہیں۔ "تو جو سنا بھی گوارا نہ کرے اس کا کیا علاج ہے؟

حضرت نوح علیہ السلام تبلیغ کرتے تھے ﴿جَلُّوْا اَصَابِعُهُمْ فِيْ اَذَانِهِمْ﴾ "لوگوں نے اپنی انگلیاں کانوں میں لیں ﴿وَسْتَعِزُّوْا بِمَا بَيْنَ يَدَيْكُمْ﴾ [سورہ نوح، پارہ: ۲۹] اور کپڑے اوڑھ لے اپنے اوپر۔" اپنے اوپر رضائیاں ڈال لیں تاکہ اس کی آواز ہم تک نہ پہنچے۔ تو اس کا کیا علاج ہے؟ مگر اللہ تعالیٰ نے اتمامِ حجت کے لیے پیغمبر بھیجے تاکہ کل کو کوئی بہانہ اور عذر نہ کر سکے ﴿وَكَانَ اِنَّهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ نے لبِ حکمت والا۔ اب بات کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ اہل کتاب نے کہا تھا کہ تو اگر نبی ہے تو قرآن اکٹھا کیوں نہیں لاتا؟ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ تم ہارون، یونس، ایوب، اسماعیل، اسحاق علیہم السلام کو نبی مانتے ہو، ان پر کون سی کتابیں نازل کی گئی ہیں؟ نبوت کے لیے وحی شرط ہے وہ ان کی طرف آ رہی ہے اور پہلے نبیوں کی طرف بھی وحی آتی رہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے کتاب بھی عطا فرمائی۔

تفسیر ابن جریر وغیرہ میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ ساری باتیں سننے کے بعد کہنے لگے لَا نَشْهَدُ لَكَ بِالتَّبُوْۤاتِ "جو مرضی کہو ہم تیری نبوت کی گواہی دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر تم اقرار نہیں کرتے اور گواہی نہیں دیتے، نہ دو ﴿لٰكِنَّ اللّٰهَ يَشْهَدُ﴾ لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے ﴿بِمَا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ﴾ اس چیز کی جو اس نے نازل کی آپ کی طرف ﴿اَنْزَلْنَاهُ بِعِلْمِهِ﴾ نازل کیا اس کو اپنے علم کے ساتھ ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ﴾ اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں جو معصوم ہیں۔ مگر ضد کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے ﴿وَكَفٰٓى بِاللّٰهِ شٰهِيْدًا﴾ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ گواہی دینے والا کہ یہ کتاب اس نے نازل فرمائی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔ فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں تم نہیں مانتے تو نہ مانو۔



﴿اِنَّ الَّذِيْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿كَفَرُوْۤا﴾ جنہوں نے کفر اختیار کیا ﴿وَصَدُّوْۤا﴾ اور انہوں نے روکا ﴿عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے راستے سے ﴿قَدْ صَلُّوْۤا﴾ تحقیق وہ گمراہ ہو گئے ﴿صَلًّا لَّا يَبِيْنُا﴾ گمراہی بہت دور کی ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿كَفَرُوْۤا﴾ جنہوں نے کفر اختیار کیا ﴿وَوَلَّوْۤا﴾ اور انہوں نے ظلم اور شرک کیا ﴿لَمْ يَكُنْ اللّٰهُ﴾ نہیں ہے اللہ تعالیٰ ﴿لِيَغْفِرْ لَهُمْ﴾ کہ ان کو بخشے ﴿وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ﴾ اور نہ یہ کہ ان کو چلائے ﴿طَرِيْقًا﴾ سیدھے راستے پر ﴿اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ﴾ سوائے جہنم کے راستے کے ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ رہنے والے ہوں گے جہنم میں ﴿اَبَدًا﴾ ہمیشہ ﴿وَكَانَ ذٰلِكَ﴾ اور ہے یہ چیز ﴿عَلٰى اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ پر ﴿يَسِيْرًا﴾ آسان ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ﴾ اے لوگو! ﴿قَدْ جَاءَكُمْ﴾ تحقیق آ گیا ہے تمہارے پاس ﴿الرَّسُوْلُ﴾ رسول ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق لے کر ﴿مِنْ رَبِّكُمْ﴾ تمہارے رب کی طرف سے ﴿فَاٰمِنُوْۤا﴾ پس ایمان لاؤ ﴿خَيَّرَّاكُمْ﴾ یہی تمہارے لیے

بتر ہے ﴿وَإِنْ تَكْفُرُوا﴾ اور اگر تم انکار کرو گے ﴿فَإِنَّ لِلَّهِ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ﴿مَنَافِي السَّمَوَاتِ﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے ﴿وَالْأَرْضِ﴾ اور زمین میں ہے ﴿وَكَانَ اللَّهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿عَلِيمًا﴾ جاننے والا ﴿حَكِيمًا﴾ حکمت والا۔

اہل سے ربط ہے

اس سے پہلے رکوعوں میں اہل کتاب خصوصاً یہود کی خرابیوں کا ذکر تھا کہ وہ باوجود اہل کتاب ہونے کے اور موسیٰ علیہ السلام کو نبی تسلیم کرنے کے اپنے اصلی دین سے دور ہو چکے تھے اور رسم و رواج کو من حیث القوم دین سمجھ بیٹھے تھے اور یہ کہ وہ انتہائی ضدی تھے۔ تو کافی تفصیل کے ساتھ یہود کے متعلق بیان ہوا، اب عام کافروں کے متعلق ہو رہا ہے۔

کفر کا لفظی معنی ہے

فرمایا ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا۔ کفر کا لفظی معنی ہے چھپانا۔ قرآن کریم میں جانوں کو کفار کہا گیا۔ فرمایا ﴿أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَأُهُ﴾ کیونکہ وہ دانے کو زمین میں چھپاتے ہیں اور رب اس کو اگا تا ہے اور یہ جو کافر ہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور حکموں کو چھپاتے ہیں اور کفر کا لازمی معنی کیا جاتا ہے انکار کہ یہ رب تعالیٰ کے حکموں کا انکار کرتے ہیں ﴿وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾ اور انہوں نے روکا اللہ تعالیٰ کے راستے سے۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر لوگوں کو حق کی دعوت دیتے تھے اور جو مخالف تھے وہ لوگوں کو ہر طریقے سے روکتے تھے، تو لا بھی، فعلاً بھی اور جو طریقہ بھی روکنے کا استعمال کر سکتے تھے، کرتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تو مال داروں میں صرف ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور وہ بھی درمیانہ قسم کے مال دار تھے۔ باقی جتنے بھی تھے وہ غریب تھے۔ جیسے: حضرت بلال رضی اللہ عنہ، خباب بن ارت رضی اللہ عنہ، حضرت عمار رضی اللہ عنہ، حضرت ابو بلکہہ رضی اللہ عنہ، یہ غلام تھے، لوگوں کی مزدوریاں کرتے تھے۔ کسی وقت کھانا نصیب ہوتا اور کسی وقت نصیب نہیں ہوتا تھا۔ لوگ ان کو فقیر سمجھتے تھے، مگر کافروں نے ان مسکینوں پر بھی ظلم کے پہاڑ گرائے۔ ان کو مارتے پیتے، ان کے شخصوں میں رسیاں باندھ کر گھسیٹتے تھے۔ مکہ مکرمہ کا علاقہ پتھر والا ہے۔ اب تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سڑکیں بنی ہوئی ہیں، اس زمانے میں اس کا تصور بھی کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ تو اس پتھریلی زمین پر ان کو گھسیٹتے کہ ایمان چھوڑ دو، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانا چھوڑ دو۔ تو ایسے لوگ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکا ﴿قَدْ ضَلُّوا ضَلَالًا بَعِيدًا﴾ تحقیق وہ گمراہ ہو گئے گمراہی دور کی۔ اگر گمراہی نزدیک کی ہو تو اس کے راہ راست پر آنے کی امید ہوتی ہے اور جو صحیح راستے سے دور نکل جائے تو اس کا راہ راست پر آنا خاصا مشکل ہوتا ہے۔

آیت میں ظلم کا معنی و مفہوم

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا ذُكِّمُوا﴾ بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا اور انہوں نے ظلم کیا، شرک کیا۔ بعض مفسرین کرام **ذُكِّمُوا** فرماتے ہیں کہ ﴿ذُكِّمُوا﴾ کا معنی ہے انہوں نے شرک کیا۔ کیونکہ شرک بھی ظلم ہے۔ حضرت لقمان رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿يَا بُنَيَّ﴾ ”اے میرے بیٹے! ﴿لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرنا ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ [سورۃ لقمان: پارہ: ۲۱] بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔“

ظلم کا لغوی معنی تو ہے وَضْعُ الشَّيْءِ فِي غَيْرِ مَعْلَىٰ ”کسی شے کو اس کے محل میں نہ رکھنا۔“ یعنی جس کا جو حق بنتا ہے اس کو نہ دینا کسی اور کو دے دینا۔ عبادت و پکار، نذر و نیاز، سجدہ و طواف وغیرہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے، یہ حق کسی اور کو دیا جائے گا تو ظلم ہوگا۔ رب تعالیٰ کے حق پر ڈاکا ہے۔ تو ایسے لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا اور شرک کیا ﴿لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيُغْفِرْ لَهُمْ﴾ نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ ان کو بخشے۔ کیونکہ اس کا قانون ہے ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا یہ کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔ شرک کے لیے معافی نہیں، یہ اس کا اہل فیصلہ ہے۔

اور بعض ظلم سے عام ظلم مراد لیتے ہیں۔ مثلاً: کسی کے ساتھ زبانی طور پر زیادتی کی ہے، فعلاً زیادتی کی ہے، کسی کو ناجائز مارا ہے یا کسی کا حق کھا گیا ہے تو ایسوں کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا جب تک صاحب حق نہ معاف کرے۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، کر تو سکتا ہے مگر اس کا ضابطہ ہے کہ حق والا معاف کرے گا تو معافی ہوگی۔ اس لیے حقوق العباد کا مسئلہ بہت سخت ہے اس کا خیال رکھنا۔

﴿وَلَا يَهْدِيهِمْ طَرِيقًا﴾ اور نہ یہ کہ چلائے ان کو سیدھے راستے پر۔ کفر و شرک کرنے والے کو، ظلم کرنے والے کو، سیدھے راستے کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔ راہ راست کے لیے بڑا صاف دل چاہیے ﴿إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ﴾ سوائے جہنم کے راستے کے ﴿خُلُودًا مِّنْ فِيهَا أَبَدًا﴾ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے جہنم میں۔ بُرے لوگوں کے لیے بُرے راستے پر چلنا آسان ہوتا ہے اور نیکی کے راستے پر چلنا بھاری لگتا ہے۔ ان کو نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، مسجد میں داخل ہونا ایسے معلوم ہوگا جیسے پہاڑ اٹھانا ہے۔ لیکن چوری ڈکیتی کے لیے ساری رات جاگنا چاہے سردی کا موسم ہو، لوگوں کے گھر میں نقب زنی کرنا اور لوٹنا آسان ہے۔

مزاج کا بگاڑ اور اچھے بُرے کی تمیز

انسان کا جب مزاج بدل جاتا ہے تو اچھے بُرے کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔ آدمی کی آنکھیں درست ہوں تو ہر چیز اپنے اپنے محل میں درست نظر آتی ہے اور اگر بھیگا ہو تو اس کو ایک کی دو نظر آتی ہیں۔ کیونکہ زاویہ بگڑا ہوا ہوتا ہے اور صفراوی مزاج والے آدمی کو بخار ہو جائے تو اس کو بیٹھی چیز کڑوی لگتی ہے۔ چینی، شہد تک کڑوا لگتا ہے کیونکہ مزاج بگڑ گیا ہے۔ اس طرح مزاج بگڑ جائے تو اس کو حق کی بات کڑوی لگتی ہے اور سچی بات سے اس کو کوفت ہوتی ہے اور جہنم کا راستہ اس کو آسان لگتا ہے۔ ﴿وَوَكَانَ

ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسْتَوِي ﴿۱﴾ اور ہے یہ چیز اللہ تعالیٰ پر آسان کہ مشرک کو جہنم میں ڈالے اور ہمیشہ جہنم ہی میں رکھے۔

آگے اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو خطاب فرماتے ہیں چاہے یہودی ہوں، عیسائی ہوں، مشرک ہوں، گورے ہوں، کالے ہوں، مشرق میں رہنے والے ہوں یا مغرب میں۔ فرمایا ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ﴾ اے لوگو! دنیا کے جس خطے میں بھی رہتے ہو ﴿قَدْ جَاءَكُمْ الرُّسُولُ بِالْحَقِّ﴾ تحقیق آگیا تمہارے پاس رسول حق کے ساتھ۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام رسولوں کے سردار ہیں، امام ہیں، تمام مخلوق سے افضل ہیں، حق لے کر تمہارے پاس آگئے ہیں۔ یہ قرآن پاک اول سے آخر تک حق ہی حق ہے، جو وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی ہے وہ حق ہے اور جو معجزات اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئے ہیں حق ہیں ﴿وَمَنْ يُشْرِكْ﴾ تمہارے رب کی طرف سے آیا ہے، خود نہیں آیا، لہذا تم یہ کرو ﴿فَأَمَّاؤُا خِيدُوا لَكُمْ﴾ بس تم ایمان لاؤ یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ شان والے پیغمبر ہیں، خاتم النبیین ہیں، ان پر ایمان لاؤ یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔

﴿وَأَنْ تَقُولُوا﴾ اور اگر تم انکار کرو گے ایمان لانے سے تو اللہ تعالیٰ کا تو کچھ نہیں بگڑے گا تمہارا ہی نقصان ہوگا کہ ﴿فَوَإِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ آسمانوں میں سورج ہے، چاند ہے، ستارے ہیں، فرشتے ہیں، بے شمار مخلوق ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ آسمانوں میں چار انگشت بھی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ عبادت میں مشغول نہ ہو۔ کعبۃ اللہ کے عین محاذات میں ساتویں آسمان پر ایک مقام ہے جس کا نام ہے بیت المعمور۔ فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں، جس طرح انسان کعبۃ اللہ کا طواف کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی روزانہ ستر ہزار فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں اور جس فرشتے نے ایک دفعہ طواف کر لیا ہے اس کو دوبارہ قیامت تک موقع نہیں ملتا اور زمین میں بھی اللہ تعالیٰ کی بے شمار مخلوق ہے۔ انسان ہیں، حیوانات ہیں، چرند ہیں، پرند ہیں، پہاڑ ہیں، دریا ہیں، درخت ہیں، حشرات الارض ہیں، زمین کی سطح پر بھی بہت کچھ ہے اور اس کی تہہ میں بھی بہت کچھ ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اور وہی مالک ہے، وہی ان میں تصرف کرنے والا ہے۔

اور یاد رکھنا! ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا، حکمت والا۔ تمہارا کوئی قول، فعل اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں ہے۔ اگر وہ مجرم کو فوری طور پر سزا نہیں دیتا تو یہ اس کی حکمت ہے۔ اس کی گرفت سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ اپنی پکڑ اور گرفت سے سب کو محفوظ فرمائے۔ [آمین!]



﴿يَا أَهْلَ الْكِتٰبِ﴾ اے کتاب والو! ﴿لَا تَتَّبِعُوا﴾ نہ غلو کرو ﴿فِي دِينِكُمْ﴾ اپنے دین کے بارے میں ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا﴾ اور نہ کہو تم ﴿عَلَى اللّٰهِ﴾ اللہ پر ﴿إِلَّا الْحَقَّ﴾ مگر حق ﴿إِنَّمَا﴾ پختہ بات ہے ﴿الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ﴾ عیسیٰ بن مریم ﴿رَسُولَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے رسول تھے ﴿وَكَلِمَةٌ﴾ اور اللہ کا کلمہ تھا ﴿الْقَهْنَ﴾ جس کو

واللہ تعالیٰ نے ﴿إِنِّي مَرْيَمُ﴾ مریم کی طرف ﴿وَمُرَاوْحُ مَثْنَةً﴾ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عجیب قسم کی روح تھی ﴿فَأَمِنُوا بِاللَّهِ﴾ پس ایمان لاؤ تم اللہ تعالیٰ پر ﴿وَمُرْسُلِهِ﴾ اور اس کے رسولوں پر ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ كَفَرْنَا أَوْ لِمَنْ كَفَرْنَا أَوْ لِمَنْ كَفَرْنَا﴾ اور نہ کہو تم تین ﴿إِنْتَهُوا﴾ باز آ جاؤ ﴿خَيْرًا لَّكُمْ﴾ یہ تمہارے لیے بہتر ہے ﴿إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهٌ وَاحِدٌ﴾ جتنی بات ہے اللہ تعالیٰ ایک ہی معبود ہے ﴿سُبْحَانَكَ﴾ اس کی ذات پاک ہے ﴿أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ﴾ اس بات سے کہ اس کے لیے کوئی اولاد ہو ﴿لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ﴾ اسی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے ﴿وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ اور جو کچھ زمین میں ہے ﴿وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا﴾ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کا راز ﴿لَنْ يَسْتَنْكِفَ النَّبِيُّ﴾ ہرگز عار نہیں سمجھتے مسیح علیہ السلام ﴿أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ﴾ کہ ہوں وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ﴿وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ﴾ اور نہ مقرب فرشتے عار سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بندے ہونے سے ﴿وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ﴾ اور جو شخص عار سمجھے گا ﴿عَنْ عِبَادَتِهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے ﴿وَيَسْتَكْبِرُ﴾ اور تکبر کرے گا ﴿فَسَيُضْرِبُهُمُ﴾ پس عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو اکٹھا کرے گا ﴿إِلَيْهِ﴾ اپنی طرف ﴿جَبِينًا﴾ سب کو۔

عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہود و نصاریٰ کا غلو

قرآن پاک کے نزول کے وقت اہل کتاب کے دو گروہ تھے۔ ایک یہود کا، دوسرا نصاریٰ کا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں دونوں نے غلو سے کام لیا۔ یہودیوں نے دشمنی میں غلو کیا، ان کی والدہ پر بہتان باندھا اور عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ان کی گندی زبانوں سے یہ الفاظ بھی نکلے کہ عیسیٰ علیہ السلام حلالی ہی نہیں ہے پیغمبر کس طرح ہو سکتا ہے؟ اور نصاریٰ نے محبت میں غلو کیا اور اللہ تعالیٰ کا بیٹا، خدائی میں شریک اور الٰہ تک بنا دیا۔ غلو کسی بھی رنگ میں ہو مضر ہے، چاہے دشمنی کے رنگ میں، چاہے محبت کے رنگ میں۔

حافظ اللہ داد صاحب رحمہ اللہ مرحوم میرے پیر بھائی تھے اور پنجابی کے بہت اچھے واعظ تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی معفرت فرمائے۔ میرے پاس کئی کئی دن ٹھہرتے تھے۔ ایک دفعہ انھوں نے واقعہ سنایا کہ میرے پاس ایک عورت آئی اور کہنے لگی حافظ صاحب! آپ بزرگ اور نیک آدمی ہیں میرے خاوند کو سمجھاؤ کہ وہ میرے ساتھ پیار محبت نہیں کرتا۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں میں نے کہا کہ وہ تجھے خرچہ نہیں دیتا؟ کہنے لگی دیتا ہے؟ کیا تجھے مارتا پیٹتا ہے؟ کہنے لگی نہیں مارتا۔ کیا تجھے زشتہ داروں کے ہاں ساتھ نہیں لے جاتا؟ کہنے لگی ساتھ بھی لے جاتا ہے۔ حافظ صاحب کہتے ہیں میں نے کہا کہ تجھے خرچہ بھی دیتا ہے، مارتا بھی نہیں۔ زشتہ داروں کے ہاں بھی لے جاتا ہے، پھر بھی تو کہتی ہے کہ میرے ساتھ پیار محبت نہیں کرتا؟ کہنے لگی اس نے مجھے کبھی بے بے جی نہیں کہا۔ حافظ صاحب نے کہا کہ اگر وہ تجھے بے بے جی کہے تو پھر اس کی بیوی رہے گی؟ اور یہ بھی فرمایا کہ یہ ہے محبت کا شرک۔

افراط و تفریط جائز نہیں ہے، چاہے دشمنی کی شکل میں ہو چاہے محبت کی شکل میں ہو۔ دونوں نقصان دہ ہیں۔ یہود نے

عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دشمنی میں غلو کیا اور نصاریٰ نے محبت میں اور دونوں کفر اور شرک کا شکار ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ﴾ اے کتاب والو! یہاں عیسائی مراد ہیں ﴿لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ﴾ نہ غلو کرو اپنے دین کے بارے میں ﴿وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ﴾ اور نہ کہو تم اللہ تعالیٰ پر مگر حق۔ غلط باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کرو ﴿إِنَّمَا التَّسْبِيحُ عِنْدَ ابْنِ مَرْيَمَ مَسْئُولَ اللَّهِ﴾ پختہ بات ہے کہ مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ تعالیٰ کے رسول تھے ﴿وَكَلَّمَتْهُ﴾ اور اللہ کا کلمہ تھے ﴿أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ﴾ جس کو ڈالا اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام کی طرف جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے اور ان کا وجود حضرت مریم علیہا السلام کے پیٹ میں بن گیا ﴿وَمَوْجُ قَتْنَةٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عجیب قسم کی روح تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت عام انسانوں کی طرح نہیں ہوئی۔ عام طور پر تو اس طرح ہوتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں بچے کی جب شکل و صورت بن جاتی ہے تو تین چار ماہ کے بعد روح ڈالی جاتی ہے۔ اس ضابطہ سے ہٹ کر اس طرح ہوا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور انھوں نے حضرت مریم علیہا السلام کے گریبان میں پھونک ماری اور کہا ﴿مَنْ﴾ رب تعالیٰ کے حکم سے ہو جا، بس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وجود ماں کے پیٹ میں بن گیا اور ساتھ ہی روح ڈال دی گئی۔

عیسائیوں کے تین گروہ

﴿قَامُوا بِاللَّهِ﴾ پس ایمان لاؤ تم اللہ تعالیٰ پر ﴿وَمُسْلِمًا﴾ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ ﴿وَلَا تَقُولُوا لَنْ نَكْفُرَ﴾ اور نہ کہو تم تین۔ یعنی تثلیث کے قائل نہ بنو۔ اصولی طور پر عیسائیوں کے تین گروہ ہیں۔ ایک نسٹوریہ ہے، ان کا نظریہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں ﴿قَالَتِ النَّصْرَانِيَّةُ ابْنُ اللَّهِ﴾ میں ان کا ذکر ہے۔

دوسرا گروہ یعقوبیہ کا ہے۔ ان کا نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے وجود میں حلول کیا ہوا ہے۔ ان سے جو معجزے ظاہر ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کے اندر داخل ہے۔ یعنی رب تعالیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام ایک ہی ہیں، وہی اللہ وہی عیسیٰ۔ اس پارے میں آئے گا ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ ”البتہ تحقیق کافر ہیں وہ لوگ جنہوں نے کہا اللہ وہی مسیح بن مریم ہے۔ دیکھو! پہلے رب تعالیٰ نے ان کو کافر کہا بعد میں ان کا عقیدہ بیان فرمایا۔“

تیسرا گروہ مکاریہ کا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ نظام کائنات تین ارکان سے چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک، عیسیٰ دو، اور جبرئیل تین۔ یہ تین مل کر نظام کائنات چلاتے ہیں۔ اس گروہ میں ایک اور گروہ ہے وہ جبرئیل علیہ السلام کی جگہ عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو شامل کرتے ہیں۔ یعنی ان کے نزدیک تین ارکان یہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایک، عیسیٰ علیہ السلام دو، اور حضرت مریم علیہا السلام تین۔

عقیدہ تثلیث کی حقیقت

تو یہ مکاریہ تثلیث کے قائل ہیں اور عموماً عیسائی یہی نظریہ رکھتے ہیں اور یہ بالکل عقل کے خلاف ہے۔ کیونکہ سن عیسوی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے شروع ہوتا ہے۔ تو اس وقت ۱۹۹۸ء ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کو ۱۹۹۸ء سال ہو گئے

ہیں اور اس سے بیس سال پہلے حضرت مریم علیہا السلام کی ولادت مان لو۔ اب سوال یہ ہے کہ حضرت مریم اور عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پہلے نظام کائنات چلتا تھا یا نہیں چلتا تھا؟ اگر چلتا تھا اور یقیناً چلتا تھا تو کس طرح چلتا تھا؟ اور ان کی پیدائش کے بعد کون سی کمی آگئی کہ ان کو رکن بننا پڑا؟ ان کی پیدائش سے پہلے یہ نظام قائم تھا اور اکیلے رب تعالیٰ چلا رہے تھے۔ جس پروردگار نے زمین بنائی، آسمان بنائے، پہاڑ پیدا فرمائے، دریا پیدا فرمائے، حتیٰ کہ عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بھی پیدا فرمایا، ان کے پیدا کرنے کے بعد اس خدا میں کون سی کمی آگئی ہے کہ وہ ان کا محتاج ہو گیا ہے؟ وہ پہلے بھی کامل تھا بعد میں بھی کامل ہے۔ نہ وہ پہلے کسی کا محتاج تھا، نہ بعد میں کسی کا محتاج ہے۔

لہذا یہ تثلیث کا نظریہ بالکل عقل کے خلاف ہے۔ جب کہ ننانوے فیصد عیسائی یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا کہ تمیں خدا نہ کہو ﴿إِنَّهُمْ أَخْبَرُوا أَنَّهُم بِاللَّهِ وَالرَّسُولِ لَازِقُونَ﴾ باز آ جاؤ یہی تمہارے لیے بہتر ہے ﴿إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهٌ وَاحِدٌ﴾ پختہ بات ہے اللہ تعالیٰ ایک ہی معبود ہے۔ اس کا کوئی شریک اور حصہ دار نہیں ہے۔ نہ عیسیٰ، نہ ان کی والدہ، نہ جبرئیل، نہ کوئی اور، نہ وہ کسی کا محتاج ہے۔

﴿سُبْحٰنَہٗ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ وَّلَدٌ﴾ اس کی ذات پاک ہے اس بات سے کہ اس کے لیے کوئی اولاد ہو۔ اس میں ان کا رد ہو گیا جو عیسیٰ اور عزیر کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا مانتے ہیں۔ اس کا کوئی بیٹا نہیں ہے، وہ اولاد سے پاک ہے ﴿لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ اس کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے۔ سب کچھ اس نے پیدا فرمایا ہے اور اس کے حکم سے سارا نظام چل رہا ہے، کسی اور کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے ﴿وَسَمِعْنَا بِاللّٰہِ وَکَیْلًا﴾ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کا رساز۔ اس کو نظام کائنات چلانے کے لیے کسی اور کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اپنی ذات و صفات میں وحدہ لا شریک لہ ہے۔ مشہور محاورہ ہے ”مدعی ست اور گواہ چست“ یہی حال ان کا ہے۔

یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام رب ہیں اور رب کے بیٹے ہیں ان کو رب تعالیٰ کا بندہ نہ کہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا بندہ ہونے کا انکار نہیں کرتے، نہ اس کو اپنے لیے عار سمجھتے ہیں بلکہ رب تعالیٰ کا بندہ ہونے پر فخر محسوس کرتے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ ان کو بندہ نہ کہو وہ رب ہیں، رب تعالیٰ کے بیٹے ہیں، لا حوٰنَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَنْ یَسْتَنْکِفَ السَّیْنِیْمُ﴾ ہرگز عار نہیں سمجھتے عیسیٰ علیہ السلام۔ اِسْبِیْتَنَّکَافَ کا معنی ہے کسی کام کے کرنے سے ناک چڑھانا، عار سمجھنا۔ تو عیسیٰ علیہ السلام اس کو عار نہیں سمجھتے ﴿اَنْ یَّکُوْنَ عَبْدًا لِلّٰہِ﴾ کہ ہوں وہ اللہ تعالیٰ کے بندے۔ وہ رب تعالیٰ کا بندہ ہونے سے نہیں شرماتے اور ان نادانوں کا حال دیکھو! یہ کہتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کا بندہ نہ کہو ﴿وَلَا الْمَلَائِکَةُ الْمُقَرَّبُونَ﴾ نہ مقرب فرشتے عار سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونے سے۔ وہ فرشتے جو رب تعالیٰ کے قریب ہیں، عرش کو اٹھانے والے ہیں وہ بھی بندہ ہونے کو عار نہیں سمجھتے بلکہ اپنی عبدیت کو بلند مقام سمجھتے ہیں۔

عبدیت بہت بلند مقام ہے ؟

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے معراج کا ذکر فرمایا تو عبد کے ساتھ فرمایا ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْمٰی بِعَبْدِہٖ﴾ ”پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو سیر کرائی۔“ جب رب تعالیٰ کے پاس پہنچے تو فرمایا ﴿فَاَوْسٰی اِلٰی عِبْدِہٖ مَا اَوْسٰی﴾ ”پس رب تعالیٰ نے وحی کی اپنے بندے کی طرف جو وحی کی۔“ وہاں پہنچ کر بھی عبد ہی رہے اور آپ ﷺ معراج سے واپس تشریف لائے تو یہ حمد لے کر آئے: اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ۔ اس تحفے میں بھی عبدیت موجود ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے بڑی ہستی آنحضرت ﷺ کی ہے۔ اگر عبد کے لفظ میں تھوڑی سی بھی توہین ہوتی تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو عبد نہ فرماتے اور آپ ﷺ کی امت کو حکم نہ دیتے کہ نماز میں آپ ﷺ کی عبدیت کا اقرار کرو۔ کیوں کہ احمیات کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی اور احمیات میں ہے۔ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔“

یہ کم عقل لوگوں کی کم عقلی ہے کہ وہ بندہ ہونے کو عیب سمجھتے ہیں اور ان کو اصل غلطی یہاں سے لگی کہ وہ ہمیں تمہیں اور اپنے آپ کو بندہ سمجھتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم بندے ہیں اور گناہوں سے بھرے ہوئے ہیں لہذا نبی کو بندہ نہیں کہنا چاہیے۔ اے خدا کے بندو! ہم پر تو صرف عبدیت کا غلاف چڑھا ہوا ہے، اندر تو ساری توڑی (بھوسا) ہے، ان کو اپنے جیسا بندہ سمجھ لیا ہے (معاذ اللہ تعالیٰ)۔ وہ تو حقیقتاً اللہ تعالیٰ کے بندے تھے لہذا وہ اپنے بندہ ہونے کو عار نہیں سمجھتے تھے۔

اور فرمایا ﴿وَمَنْ يَسْتَكْفِرْ عَنْ عِبَادَتِہٖ﴾ اور جو شخص عار سمجھے گا اللہ تعالیٰ کی عبادت سے ﴿وَيَسْتَكْبِرْ﴾ اور تکبر کرے گا بندہ ہونے سے ﴿فَسَيَجْزِئُہُمْ اللّٰهُ جَیْبًا﴾ پس عنقریب ان سب کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف اکٹھا کرے گا۔ پھر کیا ہوگا؟ اس کی تفصیل اگلی آیات میں آرہی ہے۔



﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ﴾ مریم ﷺ پس بہر حال وہ لوگ ﴿اٰمَنُوْا﴾ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور انھوں نے اچھے عمل کیے ﴿فَبِیْوَقُوْہُمْ﴾ پس پورا پورا دے گا ان کو اللہ تعالیٰ ﴿اُجُوْرَہُمْ﴾ ان کے اجر ﴿وَبِیْزِیْدُہُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ﴾ اور زیادہ دے گا ان کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ﴿وَ اَمَّا الَّذِیْنَ﴾ اور بہر حال وہ لوگ ﴿اَسْتَكْفَرُوْا﴾ جنھوں نے ناک چڑھایا یعنی عار سمجھا اللہ تعالیٰ کی عبادت سے ﴿وَاَسْتَكْبَرُوْا﴾ اور تکبر کیا ﴿فَبِعَذَابِہُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا﴾ پس ان کو اللہ تعالیٰ سزا دے گا سزا دردناک ﴿وَلَا یَجِدُوْنَ﴾ اور نہ پائیں گے وہ ﴿لٰہُمْ﴾ اپنے لیے ﴿مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ﴾ اللہ تعالیٰ سے ورے ﴿وَلٰیٰہَا﴾ کوئی حمایت کرنے والا ﴿وَلَا نَصِیْرًا﴾ اور نہ کوئی مددگار ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ﴾ اے انسانو! ﴿قَدْ جَاءَ کُمْ﴾ تحقیق آگئی ہے تمہارے پاس ﴿بُرْہَانَ﴾ واضح دلیل ﴿مِّنْ رَبِّکُمْ﴾ تمہارے رب کی

طرف سے ﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ﴾ اور اتارا ہم نے تمہاری طرف ﴿تَنْوُرًا مُّبِينًا﴾ واضح نور ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ﴾ پس بہر حال وہ لوگ ﴿أَمَّنُوا بِاللَّهِ﴾ جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ کی ذات پر ﴿وَاعْتَصَمُوا بِهِ﴾ اور انہوں نے مضبوطی سے پکڑا اللہ تعالیٰ کے دین کو ﴿فَسَيُدْخِلُهُمْ﴾ پس بتا کید داخل کرے گا ان کو اللہ تعالیٰ ﴿فِي رَحْمَتِهِ﴾ رحمت میں اپنی طرف سے ﴿وَفَضْلٍ﴾ اور اپنی مہربانی میں ﴿وَيَهْدِيهِمْ﴾ اور ان کو چلائے گا ﴿إِلَىٰ﴾ اپنی طرف ﴿صِرَاطٍ مُسْتَقِيمًا﴾ سیدھے راستے پر۔

ایمان عمل کے بغیر خالی تنے کی طرح ہے

اس سے پچھلی آیت کریمہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی طرف جمع کرے گا۔ اس کے بعد کیا ہوگا؟ اس کا بیان ہے ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ﴾ پس بہر حال وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَعَبَدُوا الصَّلِطَةَ﴾ اور عمل کیے انہوں نے اچھے۔ ایمان کے ساتھ نیک کام بھی کیے۔ بے شک ایمان بڑی چیز ہے مگر عمل کے بغیر اس طرح سمجھو جس طرح بغیر شاخوں اور پھل کے درخت کا تنا ہو۔ حالانکہ درخت سے مقصود شاخیں، پتے اور پھل ہوتا ہے کہ شاخوں اور پتوں کے سائے میں بیٹھیں گے اور پھل کھائیں گے اور اگر شاخیں، پتے اور پھل ہی نہ ہو تو خالی تنے سے کیا حاصل ہوگا؟ تو جو لوگ ایمان لائے اور ساتھ اچھے عمل بھی کیے ﴿يَبُوءُ لَهُمْ أَجُورَهُمْ﴾ پس پورے پورے دے گا ان کو ان کے اجر بلکہ ﴿وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ﴾ اور زیادہ دے گا ان کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے۔

زیادہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ضابطہ بیان فرمایا ہے ﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا﴾ [سورۃ الانعام، پارہ: ۸] ”جو شخص ایمان کی حالت میں اخلاص کے ساتھ اتباع سنت میں ایک نیکی لائے گا تو اس کو دس گنا اجر ملے گا۔“ نیکی تو ایک کی اس کے ساتھ نو اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے دے گا۔ دیکھو! آدمی کہتا ہے السلام علیکم! اس کو دس نیکیاں مل گئیں۔ اسی طرح سلام کے جواب میں کہا علیکم السلام! دس نیکیاں مل گئیں۔ ایک دفعہ کہا سبحان اللہ! دس نیکیاں مل گئیں، الحمد للہ! کہا دس نیکیاں مل گئیں، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ! کہا دس نیکیاں مل گئیں، اللہ اکبر! کہا دس نیکیاں مل گئیں۔ نیکی ایک کی، ثواب دس کامل گیا اور یہ کم از کم ہے، زیادہ جتنا چاہے اللہ تعالیٰ دے۔

پھر یہ ضابطہ عام نیکیوں کے بارے میں ہے۔ جو نیکی فی سبیل اللہ کی مد میں آتی ہے اس کے متعلق ضابطہ تیسرے پارے میں بیان فرمایا ہے کہ جو شخص فی سبیل اللہ کی مد میں نیکی کرے گا اس کا ادنیٰ ترین بدلہ سات سو ہے ﴿وَاللَّهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ اور اللہ تعالیٰ بڑھائے گا جس کے لیے چاہے گا۔ یعنی سات سو سے بھی زیادہ دے گا۔

فی سبیل اللہ کی مد میں تو بہت ہیں، ان میں ایک مد علم دین کا حاصل کرنا ہے۔ آپ لوگ گھر سے اس ارادے کے ساتھ

آئے ہیں کہ نماز کے بعد قرآن کریم کا درس سننا ہے، اس ارادے سے تمہارا گھر سے نکلنا فی سبیل اللہ کی مد میں اور ایک ایک قدم پر سات سات سونکیاں ہیں۔ آتے ہوئے بھی اور جاتے ہوئے بھی اور اس پر اللہ تعالیٰ چاہے تو زیادہ کر دے جتنا چاہے۔ دوسری مد ہے تبلیغ دین۔ اگر کوئی تعلیم یافتہ گھر سے اس نیت کے ساتھ چلے کہ میں لوگوں کو دین سمجھاؤں گا تو اس کو ایک ایک قدم پر سات سات سونکیاں ملیں گی یا کوئی ان پڑھ گھر سے چلا ہے دین سیکھنے کی نیت سے، کیونکہ تبلیغ کرنا تو صرف ان کا کام ہے جو دین کو سمجھتے ہیں تو جو دین سیکھنے کی نیت سے گھر سے چلا اس کو بھی ہر قدم کے بدلے سات سات سونکیاں ملیں گی۔ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں کافروں کے ساتھ جناد کرنا بھی فی سبیل اللہ کی مد میں ہے اور حج کے سفر پر بھی فی سبیل اللہ کا اطلاق ہوتا ہے اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ جمعہ پڑھنے کے لیے مسجد میں آنا یہ بھی فی سبیل اللہ کی مد میں ہے۔ کیونکہ جمعہ میں مسائل بیان ہوتے ہیں اور جو شخص حلال روزی کمانے کے لیے گھر سے نکلتا ہے اس پر بھی فی سبیل اللہ کا اطلاق ہوتا ہے۔

﴿وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنكَفُوا﴾ اور بہر حال وہ لوگ جنہوں نے ناک چڑھایا اللہ تعالیٰ کی عبادت سے، اس کو اپنے لیے عار سمجھا ﴿وَاسْتَكْبَرُوا﴾ اور تکبر کیا ﴿فَيَعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ پس ان کو اللہ تعالیٰ سزا دے گا دردناک۔ دنیا کی آگ جہنم کی آگ کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔ جہنم کی آگ اس سے اہتر [۶۹] گنا تیز ہے اور حال یہ ہے کہ اس آگ میں لوہا پگھل جاتا ہے، تانبا پگھل جاتا ہے اور جتنی بھی دھاتیں ہیں پگھل جاتی ہیں، پتھر جل جاتے ہیں۔ اس سے اس آگ کا اندازہ خود لگا لو۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہر مومن، ہر مومنہ، ہر مسلم، ہر مسلمہ کو اس آگ سے بچائے۔ آمین!

لفظ ولی اور نصیر میں فرق

﴿وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ﴾ اور نہ پائیں گے وہ اپنے لیے اللہ تعالیٰ سے ورے ورے ﴿وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا﴾ کوئی حمایت کرنے والا اور نہ کوئی مددگار۔ ولی اسے کہتے ہیں جو زبانی زبانی تائید اور حمایت کرے کہ میں تیرا مؤید ہوں، تیرے ساتھ ہوں اور نصیر اسے کہتے ہیں جو عملی طور پر مدد کرے۔ تو دو چیزوں کا نہ تو کوئی زبانی طور پر حمایت کرنے والا ہوگا کہ ان پر ظلم ہو رہا ہے، زیادتی ہو رہی ہے، ان سے عذاب ختم ہونا چاہیے اور نہ عملی طور پر کسی کو طاقت ہوگی کہ ان کو عذاب سے نکال سکے۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَبِّكُمْ﴾ اے انسانو! عربو! عجمو! کالے ہو یا گورے، دنیا کے جس خطے میں رہنے والے ہو، تحقیق آگئی ہے تمہارے پاس واضح دلیل تمہارے رب کی طرف سے۔ وہ ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی جو تمام پیغمبروں کے سردار اور امام ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے اعلیٰ اور افضل ہیں۔ اب تمہارے پاس کوئی بہانہ نہیں ہے کہ تم کہو کہ ہم بے خبر تھے، ہمیں کوئی بتانے والا نہیں آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑی حجت اور برہان محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں تمہارے پاس بھیجا ہے ﴿وَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ فُورَانًا مِّنْ بَيْنَانَا﴾ اور اتارا ہم نے تمہاری طرف واضح نور قرآن مجید ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ﴾ پس بہر حال وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ کی ذات پر ﴿وَ اعْتَصَمُوا بِهِ﴾ اور انہوں نے مضبوطی سے پکڑا

اللہ تعالیٰ کے دین کو، اس پر چلے ﴿فَسَيُذَكِّرُ فِي تَرْحُمَةٍ﴾ پس بتا کید داخل کرے گا ان کو اللہ تعالیٰ رحمت میں اپنی طرف سے ﴿وَلَقَدْ﴾ اور اپنے فضل اور مہربانی سے رحمت کے مقام تک پہنچائے گا جو جنت ہے ﴿وَيَقُولُ يَوْمَئِذٍ أَلَمْ أَنتُمْ قَبْلُ﴾ اور ان کو چلائے گا اپنی طرف سیدھے راستہ پر۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر صحیح معنی میں ایمان رکھتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہیں، دین اسلام پر چلتے ہیں، ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کو صراط مستقیم پر چلائے گا۔ یعنی صراط مستقیم پر قائم رکھے گا اور اپنی رحمت کی جگہ یعنی جنت میں پہنچائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل اور مہربانی سب پر فرمائے۔ آمین!



﴿يَسْتَفْتُونَكَ﴾ یہ لوگ آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اللَّهُ يُفْتِيكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ تمہیں فتویٰ دیتا ہے ﴿فِي الْكَلَّةِ﴾ اوتر کے بارے میں ﴿إِنْ أَمْرٌؤَا هَلَكَ﴾ اگر کوئی شخص وفات پا جائے ﴿كَيْسَ لَهُ﴾ کہ اس کی اولاد نہیں ہے ﴿وَلَوْلَا أُحْتِ﴾ اور اس کی ایک بہن ہے ﴿فَلَهَا يَصْفُ مَا تَرَكَ﴾ تو اس کی بہن کو آدھا ملے گا، اس میں سے جو مرنے والے نے چھوڑا ہے ﴿وَهُوَ يَرِثُهَا﴾ اور وہ بھائی اس بہن کا وارث ہوگا ﴿إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ﴾ اگر اس بہن کی اولاد نہیں ہے ﴿فَإِنْ كَانَتْ أُنثَىٰ﴾ پس اگر ہیں وہ دو بہنیں ﴿فَلَهُمَا الْفُلْهُنَ﴾ پس ان کے لیے دو تہائیاں ہیں ﴿وَمَا تَرَكَ﴾ اس میں سے جو مرنے والے نے چھوڑا ہے ﴿وَإِنْ كَانَتْ إِخْوَتًا﴾ اور اگر ہوں وہ بھائی ﴿تَرِجَالًا وَنِسَاءً﴾ مرد اور عورتیں ﴿فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ مِثْلٍ جِزًا الْأُنثَىٰ﴾ پس مرد کو دو عورتوں کے حصے کے برابر ملے گا ﴿يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ﴾ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے بیان کرتا ہے ﴿أَنْ تَصْلُوا﴾ کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ ﴿وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو بخوبی جانتا ہے۔

وراثت کا ایک اہم مسئلہ

اس سورت کی ابتدا میں وراثت کے مسائل بیان ہوئے تھے اور اختتام پر بھی وراثت کا مسئلہ بیان ہوا ہے۔ تو وراثت ایک شرعی مسئلہ ہے جو قرآن پاک میں بیان ہوا ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ اگر مرنے والے نے روپیہ پیسہ مال چھوڑا ہے تو سب سے پہلے اس میں سے کفن و دفن کا انتظام ہوگا۔ کیونکہ یہ سب سے زیادہ اہم ہے۔ اگر بغیر اجرت کے غسل دینے والا کوئی نہیں ہے تو غسل دینے والے کو اجرت دینا اور اس کو اجرت لینا جائز ہے اور یہ سب کچھ مرنے والے کے مال سے کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد اس کے ذمہ جو قرض ہے وہ ادا کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اگر اس نے بیوی کا حق مہر اپنی زندگی میں ادا نہیں کیا تو وہ اس کے ذمہ قرض ہے اس کے مال میں سے ادا کیا جائے گا۔ تیسرے نمبر پر اگر اس نے کوئی جائز وصیت کی ہے تو اس کو پورا کیا جائے گا۔ جائز کا مطلب یہ ہے کہ مرنے والا اپنے کل مال

کے تیسرے حصے میں وصیت کر سکتا ہے۔ اس سے زیادہ میں وصیت کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ کیونکہ دو حصے شرعی وارثوں کا حق ہے اور ایسے کام کی وصیت کرے جو شرعاً جائز ہو۔ اگر ناجائز کام کی وصیت کرے گا تو باطل ہوگی، اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر کسی نے یہ وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد کچھ حافظ اور قادی اکٹھے کرنا اور میرے لیے قرآن شریف پڑھوانا اور اتنی رقم ان کو دے دینا۔ اس کی یہ وصیت جائز نہیں ہے۔ کیونکہ جو قرآن شریف اجرت پر پڑھا جائے اس کا مرنے والے کو ثواب نہیں پہنچتا۔ یہ تمام فقہائے کرام رحمہم اللہ کا متفقہ فیصلہ ہے۔ اس کے بعد اس کی وراثت تقسیم کی جائے گی۔

عورتوں پر ایک سنگین ظلم

لوگ وراثت کے مسائل میں بہت کوتاہی کرتے ہیں، بیٹیوں کا حق نہیں دیتے، بہنوں کا حق نہیں دیتے، پھوپھیوں کا حق نہیں دیتے اور بڑے عجیب قسم کے حیلے بہانے کرتے ہیں۔ لڑکیوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان کی تعلیم پر روپیہ خرچ کیا ہے، شادی پر بڑی رقم خرچ کی جاتی ہے۔ بھائی! سوال یہ ہے کہ لڑکی کی تعلیم مفت میں ہوگئی ہے اور لڑکے کی شادی پر رقم خرچ نہیں کی جاتی۔ کبھی یہ بہانہ کرتے ہیں کہ بچیاں عیدیں اور شپ قدر لے جاتی ہیں۔ یہ ٹھیک ہے مگر لڑکے بھی تو تمھاری جیب کاٹتے ہیں، وہ کب معاف کرتے ہیں۔ اور کبھی کہتے ہیں کہ لڑکیوں نے اپنا حق معاف کر دیا ہے۔ بھی! معاف کس طرح کیا ہے؟ اس کے نام مکان کی رجسٹری، نہ زمین کی رجسٹری، نہ انتقال، نہ ان کا قبضہ، معافی کس چیز کی ہوئی ہے؟ پہلے قانونی طور پر ان کے نام رجسٹری کراؤ، انتقال کراؤ، ان کو قبضہ دو، سال دو سال وہ استعمال کریں، زمین کی پیداوار کھائیں، ان کو ان کے منافع معلوم ہوں پھر معاف کریں تو ٹھیک ہے۔ خالی معاف کا کوئی معنی نہیں ہے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ انگریز کے دور سے جس طرح زمین منتقل ہوتی چلی آ رہی ہے اسی طرح ہم تو ان پر قابض ہیں اگر لڑکیوں کا حصہ نہیں دیا تو بڑوں نے نہیں دیا اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ یہ ٹھیک ہے کہ انگریز کے دور میں وراثت شرعی قاعدے کے مطابق تقسیم نہیں ہوتی تھی، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر انگریز کے دور میں لڑکیوں کو حق نہیں دیا گیا تو کیا ان کا حق ختم ہو گیا ہے؟ ضائع ہو گیا ہے؟ زمینیں تمھارے پاس موجود ہیں اور ان میں ان کا حق بھی موجود ہے وہ ان کے حوالے کرو۔ اگر بڑوں نے اپنی قبریں خراب کی ہیں تو تم اپنی قبریں خراب نہ کرو۔ لڑکیوں کی اولاد اور اولاد جو موجود ہے ان کے حوالے کرو۔ بہر حال وراثت کے مسئلہ میں بڑی کوتاہی ہو رہی ہے۔

تقسیم وراثت کی مختلف صورتیں

اسی سورت میں پہلے یہ مسئلہ بیان ہو چکا ہے اگر کوئی آدمی فوت ہو جائے اور اس کی اولاد نہ ہو، بہن بھائی ہوں، ماں کی طرف سے یعنی صرف ماں شریک بہن بھائی ہیں تو ان کو کل مال کا تیسرا حصہ ملے گا۔ وہ اس تیسرے حصے کو آپس میں برابر تقسیم

کریں گے۔ یعنی جتنا حصہ لڑکوں کو ملے گا اتنا ہی لڑکیوں کو ملے گا۔ ایسا نہیں کہ مرد کو ذہرا اور عورت کو اکہرا۔
لیکن اس مسئلے کی دو شقیں باقی تھیں۔ ایک یہ کہ مرنے والے کے حقیقی بہن بھائی ہوں، ماں بھی ایک باپ بھی ایک۔
دوم یہ کہ باپ شریک بہنیں بھائی ہوں۔ یعنی سب کا باپ ایک ہو اور ماںیں الگ الگ ہوں تو ان کو کس طرح حصہ ملے گا؟ اس کو
بیان فرماتے ہیں۔

چنانچہ اس سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا اگر کوئی اوترا فوت ہو جائے جس کو عربی میں کلالہ کہتے ہیں، جس کے
نہ اصول ہوں، نہ فروع، باپ بھی نہیں، بیٹے بیٹیاں اور پوتے پوتیاں بھی نہیں ہیں، مگر اس کی بہنیں ہیں ماں باپ کی طرف سے یا
نقطہ باپ کی طرف سے تو ان کو حصہ کس طرح ملے گا؟ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا۔ فرمایا ﴿سَيَسْفُونَكَ﴾ یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم
سے فتویٰ طلب کرتے ہیں ﴿قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾ اللہ تعالیٰ تمہیں فتویٰ دیتا ہے اوتراے کے بارے میں ﴿إِنْ أَمْوَالُ
هَلَكٌ﴾ اگر کوئی شخص فوت ہو جائے، ہلاک ہو جائے ﴿لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ﴾ اور اس کی اولاد نہیں ہے، نہ بیٹا، نہ بیٹی، نہ پوتا، نہ پوتی
﴿وَلَا أُخْتُ﴾ اور اس کی ایک بہن ہے، حقیقی ہے یا صرف باپ شریک ہے ﴿فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ﴾ تو اس کی بہن کو آدھا ملے گا
اس میں سے جو مرنے والے نے چھوڑا ہے اور اس جائیداد میں زمین، مکان، باغات، کارخانے، روپیہ، پیسہ، گھر کا سارا اثاثہ
شامل ہے ﴿وَهُوَ يَرْتَمٰهَا﴾ اور وہ بھائی اس بہن کا وارث ہوگا۔ اگر کوئی عورت اوتری ہے کہ اس کی اولاد در اولاد کوئی بھی نہیں ہے،
صرف بھائی اس کا وارث ہے تو اس کی ساری جائیداد اس بھائی کو مل جائے گی ﴿إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ﴾ اگر اس بہن کی اولاد نہیں
ہے ﴿فَإِنْ كَانَا اثْنَيْنِ﴾ پس اگر ہیں وہ دو بہنیں برابر ہے کہ مرنے والے کی حقیقی بہنیں ہوں یا باپ شریک ہوں ﴿فَلَهُمَا
الْقُلُوبِ﴾ پس ان کے لیے دو تہائیاں ہیں ﴿وَمَا تَرَكَ﴾ اس میں سے جو مرنے والے نے چھوڑا ہے۔ اگر بہنیں دو سے زیادہ
ہوں پھر بھی ان کو دو تہائیاں ملیں گی اور یہ سب آپس میں تقسیم کر لیں۔

﴿وَإِنْ كَانُوا إِخْوًا تَرَ جَالَادًا وَنِسَاءً﴾ اور اگر ہوں وہ بھائی مرد اور عورتیں بہت سارے حقیقی ہیں یا صرف باپ شریک
ہیں ﴿فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ﴾ پس مرد کو دو عورتوں کے حصے کے برابر ملے گا۔ یعنی بھائیوں کو ڈبل حصہ ملے گا اور بہنوں کو
سنگل حصہ ملے گا اور جو بہن بھائی ماں شریک ہیں ان کا تیسرا حصہ ہے اور وہ تیسرے حصہ میں سب برابر شریک ہیں۔

اب دیکھو! یہاں آدمی کی عقل بے بس نظر آتی ہے کہ ماں شریک ہوں تو سب کو برابر حصہ ملتا ہے اور اگر حقیقی بہن بھائی
ہوں یا باپ شریک ہوں تو بھائیوں کو ڈبل اور بہنوں کو سنگل۔ لیکن یہ احکام اللہ نے قرآن پاک میں بیان فرمائے ہیں تاکہ کوئی
گڑبڑ نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ کے احکام میں کسی کی رائے کو کوئی دخل نہیں ہے۔

حق وراثت نہ دینے والوں کو وعید

حدیث پاک میں آتا ہے کہ بعض لوگ ساٹھ ساٹھ سال تک بڑی عبادت کرتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، روزے

رکھتے ہیں، حج کرتے ہیں، زکوٰتیں دیتے اور بہت کچھ کرتے ہیں اور جب مرنے کا وقت آتا ہے تو سیدھے جہنم میں جاتے ہیں۔ اس لیے کہ شرعی وارثوں کا حق نہیں دیتے، ان کی حق تلفی کر جاتے ہیں جس کی وجہ سے ساٹھ ساٹھ سال کی عبادت و ریاضت برباد ہو جاتی ہے۔ لہذا ان مسائل کو اچھی طرح سمجھو اور ان پر عمل کرو۔ رب تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں اور قرآن پاک میں بیان فرمائے ہیں۔

﴿يَبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے بیان فرمائے ہیں ﴿أَنْ تَضَلُّوا﴾ تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ ﴿وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو بخوبی جانتا ہے۔ اسی نے یہ حصے مقرر فرمائے ہیں اور ہر ایک کا حق بیان فرمایا ہے، ان کو سمجھو اور عمل کرو، اس میں کوتاہی نہ کرو، ورنہ تمہاری نمازیں اور روزے کچھ کام نہیں آئیں گے۔ میں نے تمہیں بخاری شریف کی حدیث سنائی ہے کہ ساٹھ ساٹھ سال عبادت کرتے ہیں اور مرتے وقت شرعی وارثوں کو محروم کر دیتے ہیں، ان کی حق تلفی کرتے ہیں اور سیدھے دوزخ میں جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

آج بتاریخ ۲۴ رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ یہ مطابق ۲۰ نومبر ۲۰۰۳ء

سورۃ النساء مکمل ہوئی۔ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَىٰ ذَٰلِكَ

محمد نواز بلوچ

مہتمم: مدرسہ ریحان المدارس، جناح روڈ، گوجرانوالہ



اللّٰهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں محمدؐ ان کے رسول ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تَفْسِیْرُ

سُوْرَةُ الْمَائِدَةِ مَدَنِیَّةٌ

پارہ ← لَا یُحِبُّ اللّٰهُ ، وَإِذَا سَمِعُوا

④

⑥

فہرست عنوانات

ذخیرۃ الجہان فی فہم القرآن

(حصہ پنجم)

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۸۷	غیر اللہ کی نذر دنیا	۲۷۸	اہل علم سے گزارش
۲۸۹	آیت کریمہ کا نزول	۲۸۱	سورۃ کی وجہ تسمیہ
۲۸۹	حکیمیل دین	۲۸۲	ایفائے عہد کی تاکید و تفصیل
۲۸۹	مضطر کے لیے حرام چیزیں کھانے کا ذکر	۲۸۲	بیمیرۃ الانعام کی تفصیل
۲۹۱	حلال و حرام پرندوں کی تفصیل	۲۸۲	بیمیرۃ الانعام سے مستثنیٰ جانوروں کا مجمل ذکر
۲۹۱	کلب معلم کا شکار	۲۸۳	حالت احرام میں شکار کرنے کی ممانعت
۲۹۲	شکاری جانور کے لیے پانچ شرائط	۲۸۳	شکار کا احترام اور مفہوم
۲۹۳	تیر اور بندوق کے شکار کا مسئلہ	۲۸۳	اشہر حرم کا بیان
۲۹۳	موردوی صاحب کا اعتراض اور اس کا جواب	۲۸۳	ہدی اور اضحیہ میں فرق / تعریف
۲۹۳	اہل کتاب اور دہریے کے ذبیحہ کا حکم	۲۸۳	تلاک کا مفہوم
۲۹۳	حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا فہم	۲۸۳	حجاج اور مستقرین کا احترام
۲۹۳	بچے کی پرورش اور ماں کا کردار	۲۸۳	غیر محرم کے لیے شکار کی اجازت
۲۹۵	عورت سے شادی کی چار وجوہات	۲۸۵	سخت دشمن کے مقابلہ میں بھی عدل کو مت چھوڑو
۲۹۵	اہل کتاب کی عورتوں سے شادی کا حکم اور مقاصد	۲۸۶	حلال و حرام جانوروں کی تفصیل
۲۹۵	معاشرے کی خرابی کا ذمہ دار کون؟	۲۸۶	میتہ کا حکم
۲۹۶	ایمان بچانے کی تاکید	۲۸۶	دم مسفوح کی حرمت
۲۹۷	ربط آیات	۲۸۷	لم خنزیر ذکر کرنے کی وجہ

۳۰۹.....	میثاق شکنی پر سزا.....	۲۹۷.....	ظاہری طہارت کا بیان.....
.....	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل بنی اسرائیل کا	۲۹۸.....	وضو کے فرائض اور حکم.....
۳۰۹.....	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرنا.....	۲۹۸.....	وضو سے متعلق چند مسائل.....
۳۱۰.....	احکام خداوندی میں یہود کا تحریف کرنا.....	۲۹۹.....	وضو میں بے احتیاطی پر وعید.....
۳۱۱.....	ربط آیات.....	غسل جنابت کے فرائض اور احتیاطاً حضرت علی رضی اللہ عنہ
۳۱۲.....	نصاری کی وجہ تسمیہ.....	۲۹۹.....	کا سر منڈوانا.....
.....	میثاق کی تفصیل اور عقیدہ تثلیث کا رد / مسیح ابن اللہ	۳۰۰.....	تیمم کی اجازت اور صحت کے شرائط.....
۳۱۲.....	کا رد.....	۳۰۱.....	طریقہ تیمم.....
۳۱۳.....	تقص میثاق پر سزا.....	۳۰۱.....	تیمم کے تین رکن.....
۳۱۳.....	اہل کتاب اور رسول سے مراد.....	۳۰۱.....	تیمم کن چیزوں سے جائز اور کن سے ناجائز.....
۳۱۳.....	رسول کی صفت.....	۳۰۲.....	انعام خداوندی اور میثاق کا ذکر.....
۳۱۳.....	آیت کریمہ کے دو حصے.....	۳۰۳.....	گواہی میں انصاف کا حکم.....
۳۱۶.....	مسئلہ نور و بشری حقیقت.....	۳۰۳.....	چند کبار گناہوں کا بیان.....
۳۱۸.....	قرآن کے ذریعے ہدایت کا ملنا.....	۳۰۴.....	دشمن کے متعلق بھی عدل کا حکم.....
۳۱۹.....	عیسائیوں کے تیسرے گروہ کا نظریہ اور رد.....	۳۰۴.....	اللہ تعالیٰ کا مومنین سے مغفرت کا وعدہ.....
۳۲۰.....	کثرت عبادت سے اللہ کی حفاظت میں آنا.....	۳۰۴.....	کفار کا انجام.....
۳۲۰.....	اللہ تعالیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام میں فرق.....	۳۰۴.....	نعم خداوندی کا بیان.....
۳۲۰.....	تخلیق میں خود مختار.....	۳۰۵.....	تقویٰ کا حکم.....
۳۲۱.....	یہود و نصاریٰ کی حقیقت.....	۳۰۶.....	ربط آیات.....
۳۲۱.....	یہود و نصاریٰ کے قول کی تردید.....	۳۰۶.....	اسرائیل کا معنی اور وجہ تسمیہ.....
۳۲۲.....	زمانہ فترت کی تشریح.....	۳۰۷.....	میثاق اور وعدہ میں فرق.....
۳۲۲.....	اتمام حجت.....	۳۰۷.....	اللہ تعالیٰ کا ساتھ ہونے کا مطلب.....
۳۲۳.....	تورات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ.....	۳۰۷.....	اعمالِ حسنہ کا بیان.....
۳۲۳.....	اسلام سے خائف باطل قوتیں.....	۳۰۸.....	اللہ تعالیٰ کو قرض دینے کا مطلب.....
۳۲۳.....	بنی اسرائیل کا تعارف.....	۳۰۹.....	حسن اور سیئہ کا بدلہ.....

۳۳۷	سزائے متعلق تفصیلی حکم	۳۲۳	انعامات کا تذکرہ
۳۳۸	شرعی حدود کا فائدہ	۳۲۳	انبیاء علیہم السلام کی بعثت
۳۳۸	تائب کے لیے شرعی قانون	۳۲۳	لوہیت کا تمغہ
۳۳۹	تقویٰ کا مفہوم	۳۲۵	دیگر مخصوص انعامات
۳۳۹	وسیلہ کا حکم	۳۲۵	ایک عجیب واقعہ
۳۳۹	وسیلہ کے جواز کی صورت	۳۲۵	ارض مقدسہ کی حدود
۳۴۰	جہاد کا مفہوم	۳۲۶	قوم عمالقہ سے جہاد کا حکم
۳۴۰	عذاب الہی سے کوئی مفر نہیں	۳۲۷	عمالقہ کی جاسوسی کا منظم منصوبہ
۳۴۱	چور کی سزا	۳۲۹	سورہ البلد اور اس میں داخلے کی ترغیب
۳۴۱	چوری کی مقدار	۳۲۹	قوم کا جواب
۳۴۱	ائمہ کرام کے اقوال	۳۲۹	قوم موسیٰ (علیہ السلام) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں جوابی منظر
۳۴۲	شرعی حد میں سفارش کا واقعہ	۳۳۰	قوم کی طرف سے موسیٰ (علیہ السلام) کی مایوسی
۳۴۳	حدزنا میں خیانت کا واقعہ	۳۳۰	قوم پر عتاب
۳۴۳	تورات کے احکام اور شریعت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم)	۳۳۲	خالی نسبت کام نہیں آتی
۳۴۵	عبداللہ بن صوریہ کی خیانت	۳۳۲	ہاتل کا واقعہ قتل
۳۴۵	خلاصہ تفسیر	۳۳۳	شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ
۳۴۶	عبداللہ بن صوریہ کا انجام	۳۳۳	زیر زمین دفن کا آغاز
۳۴۷	گناہ کا اقرار بھی ایک خوبی ہے	۳۳۳	قاتل مسلمان تھا یا کافر
۳۴۷	بچی کے قتل کا واقعہ	۳۳۳	نسبت کب کام آئے گی؟
۳۴۸	سگساری کا فیصلہ	۳۳۵	رہا آیات
۳۴۸	”سحت“ کی تفسیر	۳۳۵	ایک انسان کا قتل تمام انسانیت کا قتل ہے
۳۴۹	رشوت خور کی کمائی	۳۳۵	آج کل قتل عام کی وجہ
۳۵۱	تورات کا مقام و مرتبہ	۳۳۶	ڈاکوؤں کی سزا
۳۵۱	جھوٹے مدعیان نبوت	۳۳۶	شان نزول
۳۵۲	عیسائیوں کی پانچ اناجیل		

۳۶۹.....	رہب آیات	۳۵۳.....	شکل کی تشریح
۳۶۹.....	مومن کا حقیقی دوست کون؟	۳۵۳.....	تورات کے احکام
۳۶۹.....	مومنین کی صفات کا ذکر	۳۵۳.....	انصاف کا شرعی طریقہ
۳۶۹.....	تارک صلوة کا حکم	۳۵۵.....	طالبان کی مثالی حکومت
۳۶۹.....	ادائیگی زکوٰۃ کی حکمت اور فلسفہ	۳۵۵.....	امام مسجد نبوی (خدیجی) کا خطبہ جمعہ
۳۷۰.....	”مصدق رکوع“ میں مفسرین کے اقوال	۳۵۵.....	قصاص سے متعلق امام اعظم رضی اللہ عنہما کا مسلک
	غلبہ مومنین کے لیے شرط کفار سے قلبی دوستی سے	۳۵۷.....	انجیل تورات کا تتمہ ہے
۳۷۰.....	ممانعت	۳۵۸.....	ایک دلچسپ واقعہ
۳۷۰.....	رہب رکوع	۳۵۹.....	محرف تورات میں توہین آمیز مضامین
۳۷۱.....	فلم ”حج“ اور احتجاج	۳۶۰.....	قوتِ اختیاری کی آزمائش
	فلم ”حج“ اور مولانا محمد علی جالسندھری رضی اللہ عنہما کا		الشَّيْخُ وَالشَّيْخُوْحَةُ..... (الآیۃ) تلاوت منسوخ
۳۷۱.....	موقف	۳۶۱.....	مگر حکم باقی ہے
۳۷۳.....	رہب آیات	۳۶۲.....	حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہما کا واقعہ
۳۷۳.....	تمسخر کی صورت کا بیان	۳۶۲.....	ایک عورت کے رجم کا عجیب و غریب واقعہ
۳۷۴.....	غرضِ تمسخر	۳۶۳.....	یہود و نصاریٰ سے موالات کی ممانعت
۳۷۴.....	نَقْمُ کی لغوی تحقیق	۳۶۳.....	امریکہ کی چال بازی
۳۷۴.....	تمسخر کا انجام کار	۳۶۵.....	منافقین کا رویہ
۳۷۵.....	ایلہ شہر کی تحقیق	۳۶۵.....	پاکستان کا جنگی معاہدہ
۳۷۵.....	نماز جمعہ میں اذان و افعال کی حیثیت	۳۶۶.....	دورانِ کلام نوجوان کی تلخ کلامی
۳۷۵.....	اذانِ اول کے بعد نکاح کا حکم	۳۶۶.....	امریکہ کی دھوکا دہی
۳۷۶.....	یہود کے فرقے اور انجام کار	۳۶۷.....	ہمارے حکمرانوں کی بے غیرتی
۳۷۷.....	رہب آیت	۳۶۷.....	مومنین کی صفات کا تذکرہ
۳۷۷.....	اٹم اور عدوان کا مصداق	۳۶۷.....	کفار پر غلبہ
۳۷۸.....	نُحْتًا و رر شوت کی تفصیل	۳۶۸.....	مسلمانوں کی روز افزوں ترقی
۳۷۸.....	حقیقی پیر اور مشائخ کی ذمہ داری	۳۶۸.....	مجاہد کسی ملامت کا خوف نہیں رکھتا

- ۳۷۹..... بیان ربط آیات و مضمون
- ۳۷۹..... یہودی گستاخی کا بیان
- ۳۸۲..... بیان ربط آیات
- ۳۸۲..... موودی صاحب کی غلطی کا جائزہ
- ۳۸۶..... کافر طہ اور زندیق کی تحقیق
- ۳۸۷..... ”یہودی“ کہنے کی وجوہ
- ۳۸۷..... ”صابی، نصرانی“ کہنے کی وجوہ
- ۳۸۹..... عیسائیوں کے گرد ہوں کا بیان اور نظریات
- ۳۹۰..... معجزہ اور کرامت پر تحقیق
- ۳۹۳..... ربط مضمون کا بیان
- ۳۹۳..... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کی نفی
- ۳۹۳..... بشریت پر دلیل
- ۳۹۵..... ایک لطیفہ
- ۳۹۵..... نفع و نقصان کا مالک
- ۳۹۶..... عیسیٰ علیہ السلام منجی یا محتاج نجات؟
- ۳۹۶..... فرق باطلہ کی سرگرمیاں
- ۳۹۷..... ہفتہ کے دن شکار کی ممانعت
- ۳۹۸..... نافرمانی کا انجام
- ۳۹۸..... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اور مائدہ کا نزول
- ۳۹۸..... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا
- ۳۹۹..... سبب لعنت
- ۳۹۹..... نبی عن المنکر کا طریقہ ہائے کار
- ۳۹۹..... یہودی سرگرمیاں اور اظہارِ تاسف
- ۳۹۹..... کفار سے رفاقت کی ممانعت
- ۴۰۱..... یہود کے بعد ”مشرک“ دشمن اسلام ہیں
- ۳۰۲..... مسلمانوں پر ظلم و ستم کا دور اذیل اور ہجرت حبشہ
- ۳۰۳..... مشرکین مکہ کا تعاقب کرنا
- ۳۰۳..... نجاشی اور فریقین کا مکالمہ
- ۳۰۳..... حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور نجاشی
- ۳۰۳..... عیسائی پادریوں کی حلت و حرمت میں ہرزہ سرانی
- ۳۰۶..... (قسم) حلف کے متعلق شرعی اصول
- ۳۰۶..... حلف کی اقسام اور احکام
- ۳۰۷..... مسکین کی تعریف
- ۳۰۷..... مسکین کے لیے شرائط
- ۳۰۹..... وہ قسمیں جن کا توڑنا واجب ہے
- ۳۱۰..... بیان ربط آیات و مضمون
- شراب کی حلت کا زمانہ اور برگزیدہ شخصیات کی
- پرہیزگاری
- ۳۱۰..... شراب کی حرمت کا نزول
- ۳۱۰..... آنصابت کی تشریح
- ۳۱۱..... آزالہ کی تفسیر و توضیح
- ۳۱۲..... شراب سے منع کی حکمت
- ۳۱۲..... ربط آیات و مضمون
- ۳۱۳..... محرم (آؤنی) کے شکار کا حکم
- محرم سے جنایت اور جزا میں ائمہ کرام رضی اللہ عنہم کا
- اختلاف
- ۳۱۵.....
- ۳۱۶..... ”ہدی“ کی تحقیق
- ۳۱۷..... ربط آیت و مضمون
- ۳۱۷..... محرم کے فعل صید پر تفصیلی گفتگو
- ۳۱۸..... غیر مسلم کے ذبیحہ کا حکم

۴۲۸	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر..... ہدایت کا معیار .	۴۱۸	طعام کی توضیح
۴۲۸	شان نزول	۴۱۸	حطیم کعبۃ اللہ میں ہے
۴۲۸	امام مخفی <small>ؑ</small> کا جنازہ	۴۱۹	قینا اللئیس کی تشریح
۴۲۹	وصیت کے احکام	۴۱۹	اشہر حرم اور حکم
۴۳۰	صلوٰۃ وسطیٰ کے ترک پر وعید	۴۱۹	قلادہ کی غرض و حکمت
۴۳۰	قسم اٹھانے کا طریقہ	۴۲۰	کثرت النبیث کی توضیح
۴۳۰	اوصیاء کی گواہی حق بالقبول ہے	۴۲۱	ربط آیات
۴۳۱	اسلام میں کسی کی حق تلفی نہیں	۴۲۱	آیت سے متصل واقعات
۴۳۱	تقویٰ کا انعدام، قیامت کی ایک علامت	۴۲۱	علم غیب کی نفی پر دلیل
۴۳۲	روز محشر انبیاء <small>ؑ</small> سے سوال	۴۲۲	پانچ چیزوں کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے
۴۳۲	انبیاء <small>ؑ</small> کے اظہارِ لاعلمی کی وجہ	۴۲۲	غیر ضروری سوالات سے ممانعت اور باعث عذاب
۴۳۲	روز محشر صالحین کی حالت	۴۲۳	حلال چیزوں کو حرام مت کرو
۴۳۳	حضرت ابن عباس <small>ؓ</small> کا قول	۴۲۳	بجیرہ
۴۳۳	ابن جریج تابعی <small>ؒ</small> کی تفسیر	۴۲۳	سانہ
۴۳۳	حضرت عیسیٰ <small>ؑ</small> پر احسان	۴۲۴	وصیلہ
۴۳۴	روح القدس کون؟	۴۲۴	حام
۴۳۴	حضرت عیسیٰ <small>ؑ</small> کا امتیاز	۴۲۴	مسئلہ تقلید
۴۳۴	نبی کریم <small>ؐ</small> کی فضیلت کا ایک پہلو	۴۲۴	جائز اور ناجائز تقلید
۴۳۴	کتاب اور حکمت سے مراد	۴۲۵	حدیث مبارک سے اجتہاد کا ثبوت
۴۳۵	حضرت عیسیٰ <small>ؑ</small> کے چند معجزات	۴۲۵	اجتہاد میں نبی کریم <small>ؐ</small> کی رضا ہے
۴۳۵	چار مردوں کو زندہ کرنے کا بطور خاص ذکر	۴۲۵	مجتہدین کی اتباع
۴۳۶	حضرت عیسیٰ <small>ؑ</small> کو اللہ تعالیٰ نے بچایا	۴۲۶	اندھی تقلید کی مذمت
۴۳۷	لفظ ”حواری“ کی تحقیق	۴۲۶	کیا امام کا درجہ پیغمبر کے برابر ہے؟
۴۳۷	حواریوں سے خطاب	۴۲۷	ربط آیت
۴۳۷	حواریوں سے مطالبہ	۴۲۷	مسلمانوں کو تسلی

۴۴۳ شرک صرف بتوں کی پوجا کا نام نہیں	۴۳۸ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تذکیر
۴۴۳ مجسموں کی حیثیت	۴۳۸ حواریوں کا اطمینان قلب
۴۴۳ کاغذی تصویر کا حکم	۴۳۸ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا
۴۴۴ حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا عمل	۴۳۸ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ وادی تہ میں
۴۴۴ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اور نجف علی خان رافضی	۴۳۹ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا مصداق
۴۴۴ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب وضاحت کے ساتھ	۴۳۹ اللہ تعالیٰ ہی رزاق ہیں
۴۴۴ تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ کی دل نشین تشریح	۴۳۹ اللہ تعالیٰ کی عنایت اور ایک تشبیہ
۴۴۵ اللہ تعالیٰ کافر کو بخشنے پر قادر ہے یا نہیں؟	۴۴۰ دسترخوان کا نزول اور احکام
۴۴۵ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا خوبصورت جواب	۴۴۰ ناشکری کی سزا
۴۴۶ فیصلے کا دن	۴۴۰ بنی اسرائیل کی سزا کا زمانہ
۴۴۶ اہل حق کا اعزاز	۴۴۰ گانا سننے کی سزا
۴۴۶ مختار کل صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے	۴۴۱ خلاف شرع مجالس میں شرکت سے ممانعت
۴۴۶ میرا اور میرے اسلاف کا عقیدہ	۴۴۲ عیسائیوں کے تین فرقے
۴۴۶ نبی کریم علیہ السلام کے معجزات	۴۴۲ نصاریٰ کی فضیحت کے لیے سوالات
۴۴۶ نفع و نقصان کا مالک بھی پروردگار ہے	۴۴۲ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب
۴۴۷ خلاصہ بحث	۴۴۲ غیب کا علم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہے



اہل علم سے گزارش

بندۂ ناچیز امام الحدیث مجدد دقت شیخ الاسلام حضرت العلام مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ کا شاگرد بھی ہے اور مرید بھی۔

اور محترم لقمان اللہ میر صاحب حضرت اقدس کے مخلص مرید اور خاص خدام میں سے ہیں۔

ہم وقتاً فوقتاً حضرت اقدس کی ملاقات کے لیے جایا کرتے۔ خصوصاً جب حضرت شیخ اقدس کو زیادہ تکلیف ہوتی تو علاج معالجہ کے سلسلے کے لیے اکثر جانا ہوتا۔ جانے سے پہلے ٹیلیفون پر رابطہ کر کے اکٹھے ہو جاتے۔ ایک دفعہ جاتے ہوئے میر صاحب نے کہا کہ حضرت نے ویسے تو کافی کتابیں لکھی ہیں اور ہر باطل کا رد کیا ہے مگر قرآن پاک کی تفسیر نہیں لکھی تو کیا حضرت اقدس جو صبح بعد نماز فجر درس قرآن ارشاد فرماتے ہیں وہ کسی نے محفوظ نہیں کیا کہ اسے کیسٹ سے کتابی شکل سے منظر عام پر لایا جائے تاکہ عوام الناس اس سے مستفید ہوں۔ اور اس سلسلے میں جتنے بھی اخراجات ہوں گے وہ میں برداشت کروں گا اور میرا مقصد صرف رضائے الہی ہے، شاید یہ میرے اور میرے خاندان کی نجات کا سبب بن جائے۔ یہ فضیلت اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر فرمائی تھی۔

اس سے تقریباً ایک سال قبل میر صاحب کی اہلیہ کو خواب آیا تھا کہ ہم حضرت شیخ اقدس کے گھر گئے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ حضرت کیلوں کے چھلکے لے کر باہر آ رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا حضرت مجھے دے دیں میں باہر پھینک دیتی ہوں۔ حضرت نے وہ مجھے دے دیے اور میں نے باہر پھینک دیے۔

چوں کہ حضرت خواب کی تعبیر کے بھی امام ہیں۔ میں نے مذکورہ بالا خواب حضرت سے بیان کیا اور تعبیر پوچھنے پر حضرت نے فرمایا کہ میرا یہ جو علمی فیض ہے اس سے تم بھی فائدہ حاصل کرو گے۔ چنانچہ وہ خواب کی تعبیر تفسیر قرآن "ذخیرۃ الجنان" کی شکل میں سامنے آئی۔

میر صاحب کے سوال کے جواب میں میں نے کہا اس سلسلے میں مجھے کچھ معلوم نہیں حضرت اقدس سے پوچھ لیتے ہیں۔ چنانچہ جب گکھڑ حضرت کے پاس پہنچ کر بات ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ درس دو تین مرتبہ ریکارڈ ہو چکا ہے اور محمد سردار منہاں کے پاس موجود ہے ان سے رابطہ کر لیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ گکھڑ والوں کے اصرار پر میں یہ درس قرآن پنجابی زبان میں دیتا رہا ہوں اس کو اردو زبان میں منتقل کرنا انتہائی مشکل اور اہم مسبہ ہے۔

اس سے دو دن پہلے میرے پاس میرا ایک شاگرد آیا تھا اس نے مجھے کہا کہ میں ملازمت کرتا ہوں تنخواہ سے اخراجات

پورے نہیں ہو پاتے، دوران گفتگو اس نے یہ بھی کہا کہ میں نے ایم۔ اے پنجابی بھی کیا ہے۔ اس کی یہ بات مجھے اس وقت یاد آگئی۔ میں نے حضرت سے عرض کی کہ میرا ایک شاگرد ہے اس نے پنجابی میں ایم۔ اے کیا ہے اور کام کی تلاش میں ہے، میں اس سے بات کرتا ہوں۔

حضرت نے فرمایا اگر ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔ ہم حضرت کے پاس سے اٹھ کر محمد سرور منہاس صاحب کے پاس گئے اور ان کے سامنے اپنی خواہش رکھی انہوں نے کیٹیش دینے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ کچھ کیٹیشیں ریکارڈ کرانے کے بعد اپنے شاگرد ایم۔ اے پنجابی کو بلا یا اور اس کے سامنے یہ کام رکھا اُس نے کہا کہ میں یہ کام کر دوں گا، میں نے اسے تجرباتی طور پر ایک عدد کیسٹ دی کہ یہ لکھ کر لاؤ پھر بات کریں گے۔ دینی علوم سے ناواقفی اس کے لیے سد راہ بن گئی۔ وہ قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور عربی عبارت سمجھنے سے قاصر تھا۔ تو میں نے فیصلہ کیا کہ یہ کام خود ہی کرنے کا ہے میں نے خود ایک کیسٹ سنی اور اردو میں منتقل کر کے حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کی۔ حضرت نے اس میں مختلف مقامات میں سے پڑھ کر اظہارِ اطمینان فرمایا۔ اس اجازت پر پوری تن دہی سے متوکل علی اللہ ہو کر کام شروع کر دیا۔

میں بنیادی طور پر دنیاوی تعلیم کے لحاظ سے صرف پرائمری پاس ہوں، باقی سارا فیض علمائے ربانیین سے دورانِ تعلیم حاصل ہوا۔ اور میں اصل رہائشی بھی جھنگ کا ہوں وہاں کی پنجابی اور لاہور، گوجرانوالا کی پنجابی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ لہذا جہاں دشواری ہوتی وہاں حضرت مولانا سعید احمد صاحب جلاپوری شہید سے رجوع کرتا یا زیادہ ہی الجھن پیدا ہو جاتی تو براہ راست حضرت شیخ سے رابطہ کر کے تشفی کر لیتا لیکن حضرت کی وفات اور مولانا جلاپوری کی شہادت کے بعد اب کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آتا جس کی طرف رجوع کروں۔ اب اگر کہیں محاورہ یا مشکل الفاظ پیش آئیں تو پروفیسر ڈاکٹر اعجاز سندھو صاحب سے رابطہ کر کے تسلی کر لیتا ہوں۔

اہل علم حضرات سے التماس ہے کہ اس بات کو بھی مد نظر رکھیں کہ یہ چونکہ عمومی درس ہوتا تھا اور یادداشت کی بنیاد پر مختلف روایات کا ذکر کیا جاتا تھا اس لیے ضروری نہیں ہے کہ جو روایت جس کتاب کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے وہ پوری روایت اسی کتاب میں موجود ہو۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ روایت کا ایک حصہ ایک کتاب میں ہوتا ہے جس کا حوالہ دیا گیا ہے مگر باقی تفصیلات دوسری کتاب کی روایت بلکہ مختلف روایات میں ہوتی ہیں۔ جیسا کہ حدیث نبوی کے اساتذہ اور طلبہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اس لیے ان دروس میں بیان کی جانے والی روایات کا حوالہ تلاش کرتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھا جائے۔

علاوہ ازیں کیسٹ سے تحریر کرنے سے لے کر مسودہ کے زیور طہاعت سے آراستہ ہونے تک کے تمام مراحل میں اس مسودہ کو انتہائی ذمہ داری کے ساتھ میں بذاتِ خود اور دیگر تعاون کرنے والے احباب مطالعہ اور پروف ریڈنگ کے دوران غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہیں اور حتی المقدور غلط کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کمپوزنگ اور اغلاط کی نشاندہی کے بعد میں

ایک مرتبہ دوبارہ مسودہ کو چیک کرتا ہوں تب جا کر انتہائی عرق ریزی کے بعد مسودہ اشاعت کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ ہم سارے انسان ہیں اور انسان نسیان اور بھلائی سے مرکب ہے غلطیاں ممکن ہیں۔ لہذا اہل علم سے گزارش ہے کہ تمام نامیوں اور کمزوریوں کی نسبت صرف میری طرف ہی کی جائے اور ان غلطیوں سے مطلع اور آگاہ کیا جائے تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح ہو سکے۔

العارض

محمد نواز بلوچ

فارغ التحصیل مدرسہ نصرۃ العلوم وفاضل وفاق المدارس العربیہ، ملتان



آيَاتُهَا ۱۲۰ ﴿۵﴾ سُورَةُ الْمَائِدَةِ مَدَنِيَّةٌ ﴿۱۱۳﴾ رُكُوعَاتُهَا ۱۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿أَوْفُوا﴾ پورا کرو ﴿بِالْعُقُودِ﴾ عہد و پیمان کو ﴿أُحِلَّتْ لَكُمْ﴾ حلال کیے گئے تمہارے لیے ﴿بِهِيْمَةً﴾ چوپائے ﴿الْأَنْعَامِ﴾ جو انعام کی قسم سے ہیں ﴿إِلَّا مَا يُثَلِّفُ لَكُمْ﴾ مگر وہ جو تلاوت کیے جائیں گے تم پر ﴿غَيْرَ مُجِلِّ الصَّيْدِ﴾ اس حال میں کہ حلال نہ سمجھنے والے ہو شکار کو ﴿وَأَنْتُمْ حُرْمٌ﴾ جب کہ تم احرام کی حالت میں ہو ﴿إِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿يَحْكُمُ﴾ فیصلہ کرتا ہے ﴿مِمَّا يُرِيدُ﴾ جو ارادہ کرے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تُحْلُوا﴾ نہ بے حرمتی کرو تم ﴿شَعَائِرَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی علامتوں کی ﴿وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ﴾ نہ عزت والے مہینوں کی ﴿وَلَا الْهَدْيَ﴾ اور نہ قربانی والے جانوروں کی ﴿وَلَا الْقَلَائِدَ﴾ اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلے میں پٹے ڈالے ہوئے ہیں ﴿وَلَا آقِمْ﴾ آقِمْ البَيْتَ الْحَرَامَ کی اور نہ ان لوگوں کی جو ارادہ کرتے ہیں بیت الحرام کا ﴿يَبْتَغُونَ﴾ چاہتے ہیں ﴿فَضْلًا مِّنْ رَبِّهِمْ﴾ اپنے رب کی طرف سے فضل ﴿وَمِنْ صَوَابًا﴾ اور اس کی رضا ﴿وَإِذَا حَلَلْتُمْ﴾ اور جب تم احرام سے نکل آؤ ﴿فَأَصْطَادُوا﴾ پس تم شکار کر سکتے ہو ﴿وَلَا يُغْرَمُكُمْ﴾ اور نہ ابھارے تمہیں ﴿شَنَّانُ قَوْمٍ﴾ بغض کسی قوم کا ﴿أَنْ صَدَّوْكُمْ﴾ اس لیے کہ انہوں نے تمہیں روکا تھا ﴿عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ مسجد حرام سے اس پر نہ ابھارے ﴿أَنْ تَعْتَدُوا﴾ یہ کہ تم زیادتی کرو ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبُرِّ وَالشَّقَاوِي﴾ اور ایک دوسرے کا ساتھ دو، امداد کرو، نیکی اور تقویٰ کے کاموں پر ﴿وَلَا تَعَاوَنُوا﴾ اور ایک دوسرے کی امداد نہ کرو ﴿عَلَى الْإِثْمِ﴾ گناہ پر ﴿وَالْعُدْوَانِ﴾ اور زیادتی کی چیزوں پر ﴿وَ اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو ﴿إِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ سخت سزا دینے والا ہے۔

سورة کی وجہ تسمیہ

اس سورۃ کا نام ہے سورۃ المائدۃ اور مائدہ کا معنی ہے دسترخوان جس پر کھانا رکھا گیا ہو۔ اور اس سورۃ کا نام مائدہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس کے آخر میں مائدہ کا ذکر ہے۔ اس طرح کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا۔ ﴿عَلِ يَسْتَوِي رَبُّكَ أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَاءً يَدْرَأُ مِنَ السَّمَاءِ﴾ ”کیا تمہارا رب طاقت رکھتا ہے کہ ہم پر آسمان سے دسترخوان اتارے ﴿قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ ایک طرف تو کہتے ہو ﴿رَبُّكَ﴾ اور دوسری طرف

کہتے ہو کہ کیا اس کو دسترخوان اتارنے کی قدرت ہے۔ دسترخوان کی کیا حیثیت ہے کیا آسمانوں اور زمینوں کو بنانے والا یہ نہیں کر سکتا؟ اس میں مائدہ کا ذکر ہے اس لیے ساری سورۃ کا نام مائدہ رکھا یعنی وہ سورۃ جس میں مائدہ کا ذکر ہے۔ یہ سورۃ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے ایک سو گیارہ سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ نزول کے اعتبار سے اس کا ایک سو بارہواں نمبر ہے۔ اس کے سولہ رکوع ہیں اور ایک سو بیس آیات ہیں۔

ایمانی عہد کی تاکید و تفصیل

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿أَوْفُوا بِالْعُقُودِ﴾، عقود جمع ہے عقد کی اور عقد کا معنی گرہ اور وعدہ ہے۔ وعدے پورے کرو۔ پہلا وعدہ تم نے عالم ارواح میں کیا تھا جب رب تعالیٰ نے فرمایا تھا ﴿الَّذِينَ آمَنُوا﴾ ”کیا تم تمہارا رب نہیں ہوں؟“ ﴿قَالُوا بَلَىٰ﴾ [الاعراف: ۱۷۲] سب نے کہا ہاں تو ہمارا رب ہے۔ ”تو سب سے پہلے تو اس وعدہ کو پورا کرو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا رب کسی کو نہ بناؤ۔“

دوسرا وعدہ : جب آدمی کلمہ پڑھتا ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کا عہد کرتا ہے۔ تیسرا وعدہ : جب ایمان مفصل اور ایمان مجمل پڑھتا ہے تو کہتا ہے قَبِلْتُ بِجَمِيعِ أَحْكَامِهِ میں نے اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو قبول کیا تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو وعدے کیے ہیں ان کو بھی پورا کرو اور بندوں کے ساتھ جو وعدے کیے ہیں ان کو بھی پورا کرو وعدے کی خلاف ورزی منافقت ہے۔

بھیمہ الانعام کی تفصیل

آگے فرمایا ﴿أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ﴾ حلال کیے گئے تمہارے لیے چوپائے جو انعام کی مد سے ہیں۔ بھیمہ کی جمع بھائم آتی ہے۔ بھیمہ کا لفظی معنی ہے چار ٹانگوں والا جانور۔ بھیمہ کے بعد اگر انعام کا لفظ نہ ہوتا تو اس میں کتا، بلی، گدھا سب شامل تھے لیکن انعام کا لفظ ذکر کر کے یہ بتا دیا کہ وہ چوپائے حلال ہیں جو انعام کی مد سے ہیں اور اس سے اگلی سورۃ کا نام ہی انعام ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ انعام کی مد سے آٹھ قسم کے جانور ہیں۔ بھینڑوں میں سے دونر اور مادہ اور بکریوں میں سے دونر اور مادہ، اونٹوں میں سے دونر اور مادہ، گایوں میں سے دونر اور مادہ، بھینس اور بھینسا گایوں کی جنس سے ہیں یہ حلال ہیں۔

بھیمہ الانعام سے مستثنیٰ جانوروں کا مجمل ذکر

﴿إِلَّا مَا يَتْلُو عَلَيْكُمْ﴾ مگر وہ جو تلاوت کیے جائیں گے تم پر ان کا ذکر آگے آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ الْبَيْهَاتُ﴾ سے ان کو بیان کیا ہے۔ کہ فلاں فلاں تم پر حرام ہے اور باقی سب حلال ہیں۔

حالتِ احرام میں شکار کرنے کی ممانعت

﴿عَبْدٌ مُّجْتَبِئٌ مِنَ الضُّمُورِ﴾ اس حال میں کہ حلال نہ سمجھنے والے ہو شکار کو جب کہ تم احرام کی حالت میں ہو۔ جس طرح تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد ہر وہ کام حرام ہو جاتا ہے جس کا نماز کے ساتھ تعلق نہیں ہے۔ مثلاً: تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے باتیں کرنی جائز تھیں، سلام اور سلام کا جواب دینا، ادھر ادھر دیکھنا جائز تھا۔ مگر تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد یہ تمام چیزیں حرام ہو گئیں۔ اور یاد رکھنا! زبان سے اللہ اکبر! کہنا فرض ہے اور ہاتھوں کا کانوں تک لے جانا مستحب ہے۔ تو جس طرح تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد نماز سے غیر متعلقہ چیزیں حرام ہو جاتی ہیں اسی طرح حج اور عمرے کا احرام باندھ لینے کے بعد بہت سی چیزیں حرام ہو جاتی ہیں۔ مثلاً: اب لمبیں نہیں کٹوا سکتا، سر نہیں منڈوا سکتا، ناخن نہیں کاٹ سکتا، سلاہوا کیڑا نہیں پہن سکتا، خوشبو نہیں لگا سکتا اسی طرح احرام کی حالت میں شکار نہیں کھیل سکتا جس کا ذکر ہے کہ احرام کی حالت میں تم شکار کو حلال سمجھنے والے نہ ہو۔ البتہ محرم کو گھریلو جانور ذبح کرنے کی اجازت ہے۔ مثلاً: مرغی، بطخ، بکرا، چھترا، اونٹ، گائے، بیل کو ذبح کر سکتا ہے مگر وہ جانور جو شکار کی مد میں آتے ہیں بے شک محرم ان کو اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرے پھر بھی وہ جانور حلال نہیں ہوں گے کیونکہ محرم حالت احرام میں شکار کی چیزوں کو ذبح کرنے کا اہل نہیں ہے۔

شعائر کا احترام اور مفہوم

فرمایا ﴿إِنَّ اللَّهَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ فیصلہ کرتا ہے جو ارادہ کرتا ہے۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ﴾ نہ بے حرمتی کرو تم اللہ تعالیٰ کی علامتوں کی، اللہ تعالیٰ کے شعائر کی۔ شعائر جمع ہے شعیرہ کی۔ شعیرہ کے معنی علامت اور نشانی کے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ویسے تو شعائر اللہ میں بہت سی چیزیں آتی ہیں مگر چار بڑی ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کا وجود۔ (۲) کعبۃ اللہ۔ (۳) قرآن کریم اور (۴) نماز۔

تو پیغمبر کا احترام کرو۔ نماز کا احترام کرو۔ یعنی نماز قائم کرو۔ کعبۃ اللہ کا احترام کرو قرآن کریم کا احترام کرو۔ ان کے علاوہ صفا، مروہ بھی شعائر اللہ میں سے ہیں قربانی کے جانور بھی شعائر اللہ میں سے ہیں۔ ان کا بھی احترام کرو بے حرمتی نہ کرو۔

اشہر حرم کا بیان

﴿وَلَا تُشْرِكُوا بِاللَّهِ الْعِزَّةَ﴾ نہ عزت والے مہینوں کی بے حرمتی کرو۔ حرمت والے مہینے چار تھے۔

① ذوالقعدہ۔ ② ذوالحجہ۔ ③ محرم اور ④ رجب۔

زمانہ جاہلیت میں بھی ان مہینوں کا احترام کیا جاتا تھا اور ان مہینوں میں لڑنا جھگڑنا ممنوع تھا۔ اسلام کے ابتدائی دور میں بھی ان کے احترام کا حکم تھا۔ سورۃ توبہ میں آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ تم ان مہینوں میں جنگ میں پہل نہ کرو۔

لیکن اگر دشمن تم پر حملہ آور ہو تو دفاع کر سکتے ہو۔

ہدی اور اضحیہ میں فرق/تعریف

﴿وَالْأَنْدَى﴾ اور نہ قربانی والے جانوروں کی بے حرمتی کرو۔ ہدی اس جانور کو کہتے ہیں جس کو قربانی کے لیے حرم میں لے جاتے ہیں۔ اور حرم کے سوا دوسری جگہوں پر جس جانور کی قربانی دی جاتی ہے اس کو اَضْحِيَّةٌ ہمزے کے فتح کے ساتھ اور اَضْحِيَّةٌ ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ بھی کہتے ہیں۔ تو جو ہدی کا جانور ہے اس کا بھی احترام کرو، اسے نہ چھیڑو۔

قلائد کا مفہوم

﴿وَالْقَلَادِ﴾ اور نہ ان جانوروں کی بے حرمتی کرو جن کے گلے میں بٹے ڈالے ہوئے ہیں قَلَائِدٌ جمع ہے قَلَادَةٌ کی قَلَادَةٌ کہتے ہیں بٹے کو۔ حاجی جو بڑے جانور ہدی کے طور پر لے جاتے تھے مثلاً: اونٹ، گائے، بیل وغیرہ تو ان کے گلے میں پٹا ڈالتے تھے تاکہ نشانی ہو کہ یہ جانور ہدی کا ہے کہ حاجی قضاء حاجت کے لیے گیا ہو، وضو کے لیے گیا ہو، پانی پینے کے لیے گیا ہو تو ان کو کوئی نہ نقصان پہنچائے نہ چھیڑے، یہ قربانی کا جانور ہے۔

حجاج اور مستحرمین کا احترام

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْبَيْتِ الْعَرَبِ﴾ اور نہ ان لوگوں کی بے حرمتی کرو جو ارادہ کرنے والے ہیں بیت الحرام کا۔ یعنی جو لوگ حج یا عمرہ کے ارادہ سے سفر کر رہے ہیں ان سے کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ یا لڑائی نہیں ہونی چاہیے وہ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے گھر کی طرف جارہے ہیں۔

غیر محرم کے لیے شکار کی اجازت

﴿يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّن تَرْتِيمٍ﴾ چاہتے ہیں اپنے رب کی طرف سے فضل کہ وہاں سودا بیچنا ہے خریدنا ہے کیونکہ لوگ حج کے دنوں میں تجارت بھی کرتے ہیں اور حج بھی ہوتا ہے۔ ﴿وَمَرْضَانَا﴾ اور اللہ تعالیٰ کی رضا تلاش کرتے ہیں۔ مسلمان کا اصل مقصد توج کرنا ہے ضمنی طور پر کوئی تجارت بھی کر لے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ حج کے لیے جاتے تھے، کعبۃ اللہ کا احترام کرتے تھے۔ اور وہ اپنے خیال کے مطابق رب تعالیٰ کو راضی کرتے تھے گو اس خیال سے رب راضی ہو یا نہ ہو لیکن تمہیں ان کو چھیڑنے کا حق نہیں ہے۔

﴿وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا﴾ اور جب تم احرام سے نکل آؤ پس شکار کر سکتے ہو۔ احرام کی حالت میں ممنوع ہو گیا تھا اب شکار کرنا تمہارے لیے جائز ہے۔ ۶ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پندرہ سو صحابہ کرام کے ہمراہ عمرہ کے لیے تشریف لے گئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے مقام پر پہنچے آج کل اس کا نام حمیصہ ہے تو مکہ والوں نے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی اجازت نہ

دی اور کہا کہ تم آئندہ سال آ کر عمرہ کرنا اس سال ہم عمرہ نہیں کرنے دیں گے کیونکہ ہماری توہین ہے۔ لوگ کہیں گے کہ قریش نے اپنے دشمنوں کو مکہ میں آنے دیا ہے۔ معاہدہ کے تحت اگلے سال ۷ ہجری میں آپ ﷺ عمرۃ القضاء کے لیے تشریف لے گئے۔ مسلمانوں کے دلوں میں پچھلے سال کا غصہ تھا کہ انھوں نے ہمیں روکا تھا اللہ تعالیٰ نے اس غصے کے اظہار سے پہلے ہی منع فرمادیا۔

سخت دشمن کے مقابلہ میں بھی عدل کو مت چھوڑو

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ﴾ اور نہ ابھارے تمہیں ﴿شَتَائِنُ تُوْبِرَ﴾ بغض کسی قوم کا ﴿أَنْ صَدُّوْكُمْ﴾ اس لیے کہ انھوں نے تمہیں روکا تھا ﴿عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ مسجد حرام سے، اس بات پر نہ آمادہ کرے ﴿أَنْ تَقْتُلُوْا﴾ یہ کہ تم زیادتی کرو ﴿وَتَقَاوُنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالشَّقَاوِي﴾ اور ایک دوسرے کا ساتھ دو، مدد کرو نیکی اور تقویٰ کے کاموں پر۔ نیکی سے مراد وہ کام ہیں جو کرنے کے ہیں۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، سچ بولنا، پورا تولنا اور تقویٰ سے مراد وہ کام ہیں جن سے بچنا ہے اور ان کو کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ ان میں بھی ایک دوسرے کا ساتھ دو کہ وہ نہ کرنے دو۔

﴿وَلَا تَقَاوُنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ اور ایک دوسرے کی مدد نہ کرو گناہ پر اور زیادتی کی چیزوں پر اِثْم کا معنی ہے رب تعالیٰ کے حکموں کو توڑنا تو رب تعالیٰ کے حکموں کو توڑنے پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ اور عُدْوَان بندوں کے حق ضائع کرنا اور بندوں پر زیادتی کرنا اور بندوں کے حقوق ضائع کرنے میں بھی ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور ہر حالت میں تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ بندہ اگر اس نکتہ کو سمجھ لے تو زندگی سنور سکتی ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔ اگر تم نافرمانی کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی سزا اور گرفت سے نہیں بچ سکو گے۔



﴿حُرْمَتِ﴾ حرام کیا گیا ﴿عَلَيْكُمْ﴾ تم پر ﴿الْمَيْتَةِ﴾ مردار ﴿وَالْدَمِّ﴾ اور خون ﴿وَاللَّحْمِ الْغَيْرِ الْمَيْتِ﴾ اور خنزیر کا گوشت ﴿وَمَا﴾ اور وہ چیز ﴿اَهْلٍ﴾ جو نام زد کی گئی ہو ﴿لِعَنْدِ اللّٰهِ﴾ غیر اللہ کے نام پر ﴿وَالْمُسَخَّنَةِ﴾ اور وہ جو گلا گھٹنے سے مر گیا ﴿وَالْمَوْقُوْدَةِ﴾ اور وہ جس کو چوٹ لگائی گئی ﴿وَالْمَتْرُوْدَةِ﴾ اور جو اونچی جگہ سے گر گیا ﴿وَالطَّيْحَةِ﴾ اور جس کو دوسرے نے سینگ مار دیا ﴿وَمَا اَكَلَ السَّبْءُ﴾ اور جس کو درندوں نے کھا لیا ﴿اِلَّا مَا ذَكَيْتُمْ﴾ مگر وہ جس کو تم نے ذبح کر لیا ﴿وَمَا ذَبَحَ عَلَى النَّصْبِ﴾ اور جو ذبح کیا گیا بتوں کے نام پر ﴿وَاَنْ تَسْتَقْبِلُوْا بِالْاَزْوَاجِ﴾ اور یہ کہ تم نیزوں کے ذریعہ تقسیم کرو ﴿ذَلِكُمْ فَنَشْ﴾ یہ نافرمانی ہے ﴿اَلْيَوْمِ﴾ آج کے دن

﴿يَبْسُ الذُّنُوبِ﴾ نامید ہو گئے وہ لوگ ﴿كُفْرًا﴾ جو کافر ہیں ﴿مِنْ دِينِكُمْ﴾ تمہارے دین سے ﴿لَا تَحْشَوْهُمْ﴾ پس تم نہ ڈرو ان سے ﴿وَإِخْشَاؤُنَ﴾ اور مجھ سے ڈرو ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ﴾ آج کے دن میں نے مکمل کر دیا تمہارے لیے ﴿دِينَكُمْ﴾ تمہارا دین ﴿وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي﴾ اور مکمل کر دی میں نے تم پر اپنی نعمت ﴿وَرَضِيتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ اور میں نے پسند کیا ہے تمہارے لیے اسلام کو دین ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ﴾ پس جو شخص مجبور کیا گیا ﴿فِي مَخْصَصَةٍ﴾ بھوک میں ﴿غَيْرِ مُتَجَانِفٍ﴾ اس حال میں کہ وہ مائل ہونے والا نہیں ہے ﴿لَا فِيمَ﴾ گناہ کی طرف ﴿فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

حلال و حرام جانوروں کی تفصیل

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے احکام بیان فرمائے ہیں۔ ان میں سے پہلا حکم ہے ﴿حُوتٌ مَّا عَلَيْنَكُمُ الْكَيْبُوتُ﴾ حرام کیا گیا تم پر مردار۔ جو جانور ذبح کیے بغیر مر جائے وہ حرام ہے اگرچہ فی نفسہ وہ حلال ہے۔ مثلاً: مرغی ہے، بکرا، چھترا، اونٹ وغیرہ فی نفسہ تو حلال ہیں لیکن اگر ان کو ذبح نہ کیا جائے تو ان کا کھانا حرام ہے۔ البتہ شریعت نے اتنی اجازت دی ہے کہ مردار کا چمڑا تار کر خشک کر کے یعنی رنگنے کے بعد اس کو بیچ بھی سکتے ہو اور اپنے استعمال میں بھی لاسکتے ہو۔

میتہ کا حکم

چنانچہ بخاری شریف میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک جگہ سے گزر رہے تھے لوگ ایک موٹی تازی بکری کو دور پھینکنے کے لیے کھینچ کر لے جا رہے تھے تاکہ بدبو نہ پھیلے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((هَلَّا أَخَذْتُمْ رِهَايَهَا)) تم نے اس کا چمڑا کیوں نہیں اتار لیا۔ انھوں نے کہا حضرت! مردار ہو گئی ہے۔ فرمایا تمہیں چمڑا اتارنے کی اجازت ہے۔ تو مردار وہ ہے جو ذبح کیے بغیر مر جائے۔ البتہ دو جانور ایسے ہیں جن کو ذبح کیے بغیر کھانا جائز ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((أَجَلَّتْ لَنَا الْمَيْتَتَانِ)) دو چیزیں ہمارے لیے بغیر ذبح کے حلال کی گئی ہیں ((الْحَيَوْتُ وَالْجَوَادِ)) مچھلی اور مگزی۔ یہی وجہ ہے کہ مچھلی کافر بھی شکار کرے تو اس سے لینے کی اجازت ہے اور مچھلی کے علاوہ دوسرا شکار کافر سے لینے کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ذبح کا اہل نہیں ہے۔

دم مسفوح کی حرمت

﴿وَالدَّمُ﴾ اور خون بھی حرام کیا گیا ہے اور خون سے مراد وہ خون ہے جو ذبح کرتے وقت نکلتا ہے۔ چنانچہ آٹھویں پارے میں آئے گا ﴿ذَمًا مَسْفُوحًا﴾ بہتا ہوا خون اس کو نہ اندرونی طور پر استعمال کر سکتے ہیں نہ بیرونی طور پر یعنی نہ تو اس کو

کھا سکتے ہیں نہ بدن پر لگا سکتے ہیں کیونکہ قطعی حرام ہے کسی طرح بھی استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

لم خنزیر ذکر کرنے کی وجہ ہے؟

﴿وَلَحْمُ الْخُزْنِ﴾ اور خنزیر کا گوشت بھی حرام کیا گیا ہے۔ خنزیر کی ہر چیز حرام ہے گوشت کی تخصیص اس لیے کی ہے کہ کھایا گوشت ہی جاتا ہے چمڑا، بال یا ہڈیوں کو تو کوئی نہیں کھاتا۔ ﴿وَمَا أَهْلُ لِقَائِهِ﴾ اور وہ چیز جو نام زد کی گئی ہو غیر اللہ کے نام پر۔ ”اہلال“ کا معنی ہے آواز بلند کرنا۔ مقصد یہ ہے کہ جس جانور کو غیر اللہ کے نام پر پکارا گیا ہو وہ حرام ہے۔ مثلاً: یوں کہے کہ یہ جانور یا چیز فلاں بت، قبر یا بزرگ کی نیاز ہے تو وہ چیز حرام ہوگئی۔ اس مسئلے کو اچھی طرح سمجھ لیں کیوں کہ غلط کار لوگ دھوکا دیتے ہیں اور الجھن پیدا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بزرگوں کی طرف نسبت کرنے سے حرام ہو جاتا ہے تو قربانی کا بکرا، عقیقہ کا بکرا، زید کا بکرا، یہ نسبتیں بھی تو غیر اللہ کی طرف ہیں کیا یہ سارے حرام ہیں؟ تو یاد رکھنا! ایک ہے شرعی نسبت کہ وہ اس کا مالک ہے اور تم کہو کہ یہ بکرا زید کا ہے یہ گائے بکر کی ہے اور قربانی کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے عقیقہ شرعی حکم ہے۔ قربانی کے بکرے کا معنی ہے خدا تعالیٰ کے راستے میں قربانی کے لیے ہے۔ عقیقہ کے بکرے کا مطلب ہے کہ عقیقہ کے لیے ذبح کرنا شرعی حکم ہے۔ یہ شرعی نسبتیں ہیں یہ صحیح ہیں۔ اور تقرب کے لیے غیر اللہ کے نام زد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی جانور یا دودھ یا اور کوئی چیز کسی بت قبر یا بزرگ کے نام پر متعین کی جائے اس نیت اور ارادے سے کہ میرے کاروبار میں برکت ہوگی فصل میں برکت ہوگی اگر نہیں دوں گا تو نقصان ہوگا یہ حرام ہے اور وہ شے بھی حرام ہے۔ اگر جانور ہے تو بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرنے سے بھی حلال نہ ہوگا۔

غیر اللہ کی نذر و نیاز ہے؟

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عزیزی اور فتاویٰ عزیزیہ میں لکھتے ہیں کہ جو چیز کسی بزرگ کے نام پر متعین کر دی جائے کہ یہ بکرا فلاں کا ہے یہ چھتر افلاں کا ہے تو وہ بکبیر پڑھنے سے بھی حلال نہیں ہوگا یہ ایسے ہی ہے کہ کوئی کتے کو بکبیر پڑھ کر ذبح کرے یا خنزیر کو بکبیر پڑھ کر ذبح کرے تو وہ حلال نہیں ہوگا۔ ایسے ہی جو چیز غیر اللہ کے لیے نام زد کی جائے گی وہ حلال نہیں ہوگی اور فرماتے ہیں کہ اس میں جانور کی بھی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

”ما کولات، مشروبات، ملبوسات ہمیں حکم دارند“ کھانے، پینے اور پہننے کی چیزیں یہی حکم رکھتی ہیں۔ دیکھو! یہ لوگ آج کل کیا رہویں دیتے ہیں اس میں تفصیل ہے اگر تو اس ارادے سے دیتا ہے کہ میرے جانوروں میں برکت ہوگی گھر میں برکت ہوگی کاروبار میں برکت ہوگی اگر نہیں دوں گا تو بکبیر صاحب ناراض ہو جائیں گے اور مجھے نقصان پہنچے گا تو پھر یہ دینے والا کافر ہے اور وہ چیز قطعی حرام ہے۔ اور اگر دیتا تو اللہ تعالیٰ کے نام پر ہے اور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو ایصالِ ثواب کرتا ہے تو بدعت ہے کیونکہ اور بھی بہت بزرگ ہیں ان کو ایصالِ ثواب کیوں نہیں کرتا، ماں باپ کو ایصالِ ثواب کیوں نہیں کرتا ان کی نمازیں رہ گئیں، روزے رہ گئے ان کا کفارہ کیوں نہیں ادا کرتا؟

رہے شیخ عبدالقادر جیلانی برطانیہ تو وہ اتنے نیک تھے کہ اگر ان کی نیکیوں کو تقسیم کیا جائے تو کئی ضلعے بخشے جائیں لہذا ان کی نسبت ایصالِ ثواب کے لیے ہمارے ماں باپ زیادہ مستحق ہیں۔ آخر ان کی تخصیص اور تعین کی وجہ کیا ہے؟ پھر گیارہویں کی تاریخ کی تخصیص کیوں ہے؟ ایصالِ ثواب آگے پیچھے کیوں نہیں ہو سکتا؟ لہذا مسئلہ کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔

﴿وَالْمَسْخُوفَةُ﴾ اور وہ جانور جو گلا گھسنے سے مر گیا ہو یعنی جس کا گلاری یا زنجیر یا کسی اور شے سے گھونٹا گیا اور مر گیا وہ بھی حرام ہے۔ ﴿وَالْمَوْذُوذَةُ﴾ اور جس کو چوٹ لگائی گئی ہو، پتھر لگایا یا لاٹھی ماری اور وہ مر گیا وہ بھی حرام ہے۔ ﴿وَالْمَتْرُوبَةُ﴾ اور جو اونٹنی جگہ سے گر گیا، پہاڑ سے نیچے گر کر مر گیا یا کنویں میں گر کر مر گیا یا کسی بھی جگہ سے گر کر مر گیا تو وہ بھی حرام ہے۔ ﴿وَالنَّطِيحَةُ﴾ اور جس کو دوسرے نے سینگ گھونپ دیا اور وہ مر گیا تو وہ بھی حرام ہے۔

﴿وَمَا أَكَلَ السَّبِيحُ﴾ اور وہ جس کو درندوں نے کھایا مثلاً: شیر، چیتا، بھیڑیا، پرچھ وغیرہ اس کو کھینچ کر لے گئے اس کو بچہ پھاڑ دیا۔ اگر کھایا تو ان کا بچا ہوا بھی حرام ہے۔ ﴿إِلَّا مَا ذُكِّبْتُمْ﴾ مگر وہ جس کو تم نے ذبح کر لیا کسی درندے نے زخمی کر دیا ہو مگر مرنے سے پہلے تم نے اسے باقاعدہ ذبح کر لیا تو وہ حلال ہے۔

﴿وَمَا ذُهِبَ عَلَى التُّصْبِ﴾ اور وہ جو ذبح کیا گیا بتوں کے نام پر۔ پہلے تھا کہ جو چیز بزرگوں کے نام پر ذبح کی جائے وہ حرام ہے اور اب فرمایا کہ جو چیز بتوں کے نام پر ذبح کی جائے وہ بھی حرام ہے۔ ﴿وَأَنْ تَسْتَشْفُوا بِالْأَزْلَامِ﴾ اور یہ کہ تم تیزوں کے ذریعہ تقسیم کرتے ہو یہ بھی حرام ہے۔ اَزْلَامُ، زَلْمُ کی جمع ہے اور زَلْمُ کا معنی ہے ”تیز“۔ کعبۃ اللہ میں ایک تھیلا رکھا ہوا تھا اس میں دس تیر ہوتے تھے اور وہ تھیلا کعبۃ اللہ کے متولی کے کنٹرول میں ہوتا تھا۔ ان میں سے چھ پر لکھا ہوا تھا لا جس کا معنی ہے نہیں اور تین پر لکھا ہوا تھا نَعْمُ، نَعْمُ کا معنی ہے ہاں اور ایک خالی ہوتا تھا۔ ان لوگوں نے جب کوئی کام کرنا ہوتا تھا رشتے کا، تجارت کا یا لے سفر پر جانے کا تو ان تیروں کے ذریعہ فال نکالتے تھے یعنی ان سے پوچھتے تھے کہ میں یہ کام کروں یا نہ کروں۔ میرا فلاں کام ہوگا یا نہیں؟ سفر پر جاؤں یا نہ جاؤں؟ طریقہ یہ تھا کہ تیر نکالتے اگر نَعْمُ والا نکلتا تو کہتے بس میرا کام ہو گیا اور اگر لا والا نکلتا تو کہتے کہ میرا کام نہیں ہوگا اس کام کو چھوڑ دیتے تھے اگر خالی تیر نکلتا تو دوبارہ بارہ بارہ تیر نکالنے کی اجازت ہوتی تھی بھائی تیروں کے نکالنے کے ساتھ تیرے کام کا کیا تعلق ہے؟ ایسی وہم پرستی سے خدا کی پناہ۔ اسی وہم پرستی میں مسلمان بھی ہیں کیا مرد اور کیا عورتیں۔ وہم کوٹ کوٹ کر ان میں بھرا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی عورت گھر میں آئی اور بچہ بیمار ہو گیا تو کہیں گے کہ فلاں عورت آئی تھی اس لیے بیمار ہو گیا ہے، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔ یہ اپنے آپ کو مسلمان کہلوانے ہیں جن کے عقیدے اور نظریات ہندوؤں سے بدتر ہیں۔ بھائی! بیماریاں، تندرستیاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ بندوں کا اس میں کیا عمل دخل ہے؟

اور تیروں کے ذریعے تقسیم کا ایک اور طریقہ بھی رائج تھا وہ اس طرح کہ دس آدمی مل کر ایک اونٹ خریدتے پھر تیر نکالتے اگر زید کے نام کا تیر نکل آتا تو اونٹ سارا زید کا ہو جاتا یا تیر سارے فارغ جس طرح آج کل لائبریاں یا بانڈ ہیں۔

اور ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ دس آدمی مل کر ایک اونٹ خریدتے اور اس کا گوشت برابر دس حصوں میں تقسیم کرتے تھے جن میں سے سات پر نمبر لگے ہوتے تھے اور تین خالی ہوتے تھے ایک ایک حصہ دار ایک ایک تیر نکالتا اس تیر پر جتنے نمبر لکھے ہوتے وہ اتنے حصے لے لیتا مثلاً: دو لکھے ہوئے ہیں، تین لکھے ہوئے ہیں، سات لکھے ہوئے ہیں سارے حصے ختم ہو جاتے باقی حصہ دار جو ہوتے وہ رہ جاتے۔ تو فرمایا ﴿ذَلِكُمْ فَسُقُ﴾ یہ نافرمانی ہے۔

آیت کریمہ کا نزول

﴿الْيَوْمَ يَبْسُ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ آج کے دن ناامید ہو گئے وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿مِنْ دِينِكُمْ﴾ تمہارے دین سے۔ پہلے تو ان کو امید تھی کہ ہم اس کو دبا لیں گے ختم کر دیں گے لیکن اب عرب کی اکثریت مسلمان ہو چکی ہے اور جو باقی رہ گئے ہیں ان میں اسلام سے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے لہذا اب وہ بالکل ناامید ہو گئے ہیں کہ اسلام کے پودے کو پھینچ نہ دیں۔ یہاں ﴿الْيَوْمَ﴾ سے مراد ۹ ذوالحجہ ۱۰ھ کا دن ہے۔ کیونکہ یہ آیت کریمہ ۹ ذوالحجہ ۱۰ھ عرفات کے میدان میں نازل ہوئی ہے۔

مکمل دین

فرمایا ﴿فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ﴾ پس تم نہ ڈرو ان سے اور مجھ سے ڈرو ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ آج کے دن میں نے مکمل کر دیا تمہارے لیے تمہارا دین۔ عرفات کا میدان تھا، عرفہ اور جمعہ کا دن تھا اور عصر کا وقت تھا ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ کرام حضور ﷺ آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: قرآن کریم جس کا آغاز جبل نور کی چوٹی پر غار حرا میں ہوا تھا۔ آج اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مکمل ہو گیا ہے اور یہ اس کا آخری حصہ ہے۔ ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ آج کے دن میں نے مکمل کر دیا ہے ﴿وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي﴾ اور مکمل کر دی میں نے تم پر اپنی نعمت ﴿وَرَضِيْتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ اور میں نے پسند کیا ہے تمہارے لیے اسلام کو دین۔ یہ آپ ﷺ نے سب کو سنا دیا کہ اس کے بعد اب قرآن کریم کا کوئی حصہ نازل نہیں ہوگا اس کے بعد آپ ﷺ تقریباً بیاسی [۸۲] دن دنیا میں رہے ہیں اور وحی تو آتی رہی ہے مگر قرآن کریم کا ایک حرف بھی نازل نہیں ہوا۔

مضطر کے لیے حرام چیزیں کھانے کا ذکر

﴿فَمَنْ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ﴾ پس جو شخص مجبور کیا گیا بھوک میں ﴿عَلِيٍّ مَخْمَصَةٍ لَّا يَمْلِكُ﴾ اس حال میں کہ وہ مال ہونے والا نہیں ہے گناہ کی طرف۔ اس کو اجازت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں میں سے بقدر ضرورت کھا پی سکتا ہے۔ مثلاً: اگر مردار کا ذکر ہوا ہے خنزیر کا ذکر ہوا ہے کوئی ایسا وقت آگیا کہ آدمی نے کچھ کھایا یا پیا نہیں ہے اور جان خطرے میں ہے کہ اگر کچھ نہیں کھاتا پیتا تو مرتا ہے تو اس کو ایسے موقع پر اتنا حرام کھانے کی اجازت ہے کہ جس سے جان بچ جائے اور دوسرے پارے میں

﴿غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ﴾ کے لفظ ہیں کہ نہ لذت تلاش کرنے والا ہو اور نہ ضرورت سے زیادہ کھائے یعنی ایسی مجبوری کی حالت میں مردار بھی کھا سکتا ہے، خنزیر بھی کھا سکتا ہے، شراب بھی پی سکتا ہے مگر صرف اتنی پینے کی اجازت ہے کہ جس سے جان بچ جائے اور اگر اس موقع پر خنزیر اور مردار نہ کھایا اور مر گیا تو گنہگار کی موت مرے گا۔

اسی طرح اگر اتنی شدید پیاس ہے کہ جان جاتی ہے اور اس کے پاس صرف شراب پڑی ہے اگر نہ پی اور مر گیا تو گنہگار کی موت مرا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے اس نے اس اجازت سے فائدہ کیوں نہیں اٹھایا؟

﴿فَإِنَّ اللَّهَ عُفُوٌّ رَحِيمٌ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ وہ چھوٹی موٹی لغزش کو معاف کر دے گا۔



﴿يَسْأَلُونَكَ﴾ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں ﴿مَاذَا أُحَلِّلُ لَهُمْ﴾ کیا کچھ ان کے لیے حلال کیا گیا ہے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿أُحَلِّلُ لَكُمْ الطَّيِّبَاتِ﴾ حلال کی گئیں تمہارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں ﴿وَمَاعَلَيْتُمْ﴾ اور وہ جو تم نے تعلیم دی ہے ﴿وَمِنَ الْجَوَارِحِ﴾ زخمی کرنے والے جانوروں کو ﴿مُكَلِّبِينَ﴾ کہ چھوڑتے ہو شکار پر ﴿تَعَلَّمُونَ هُنَّ﴾ سکھاتے ہو تم ان کو ﴿وَمِنَ مَا عَلِمْتُمْ اللَّهُ﴾ وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں تعلیم دی ہے ﴿فَكُلُوا﴾ پس کھاؤ ﴿وَمِمَّا﴾ ان جانوروں کو ﴿أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ﴾ (جو شکار کے بعد) انہوں نے تمہارے لیے روکے ہیں ﴿وَإِذْ كَرِهَ اللَّهُ﴾ اورد ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا نام اس پر ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو ﴿إِنَّ اللَّهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾ جلدی حساب لینے والا ہے ﴿الْيَوْمَ﴾ آج کے دن ﴿أُحَلِّلُ لَكُمْ الطَّيِّبَاتِ﴾ حلال کی گئیں تمہارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں ﴿وَطَعَامَ الَّذِينَ﴾ اور خوراک ان لوگوں کی ﴿أَذْنُوا الْكِتَابِ﴾ جن کو کتاب دی گئی ﴿حَلَّ تَلْم﴾ تمہارے لیے حلال ہے ﴿وَطَعَامُكُمْ﴾ اور یہ تمہارا کھانا ﴿حَلَّ تَلْم﴾ ان کے لیے حلال ہے ﴿وَالْمُحْصَنَاتِ﴾ اور پاک دامن عورتیں ﴿مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ﴾ ایمان والیوں میں سے ﴿وَالْمُحْصَنَاتِ﴾ اور پاک دامن عورتیں ﴿مِنَ الَّذِينَ﴾ ان لوگوں میں سے ﴿أَذْنُوا الْكِتَابِ﴾ جن کو دی گئی کتاب ﴿مِنَ قَبْلِكُمْ﴾ تم سے پہلے ﴿وَإِذَا اتَّيَبْتُمْ هُنَّ﴾ جب دو تم ان کو ﴿أَجُورَهُنَّ﴾ مہران کے ﴿مُحْصِنِينَ﴾ قید میں رکھنے والے ہو ﴿غَيْرَ مُسْفِحِينَ﴾ نہ مستی نکلنے والے ہو ﴿وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ﴾ اور نہ خفیہ یاری لگانے والے ﴿وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ﴾ اور جس نے انکار کیا ایمان کا ﴿فَقَدْ حَطَّ عَلَيْهِ﴾ پس تحقیق ضائع ہو گیا عمل اس کا ﴿وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ﴾ مِنَ الْخَسِرِينَ اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

حلال و حرام پرندوں کی تفصیل

سورت کی ابتداء میں یہ بیان ہوا کہ احرام کی حالت میں تمہارے لئے شکار کرنا جائز نہیں ہے احرام سے نکلنے کے بعد شکار کرنے کی اجازت ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی بعض شکاری تھے کسی نے کتے رکھے ہوئے تھے، کسی نے باز، بعض نے شاہین اور بعض نے شکرے (انہیں شکار کے لیے سدھاتے تھے، تیار کرتے تھے) تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ہم لوگ شکار کھلتے ہیں اس کے متعلق حضرت! ہمیں بتائیں کہ یہ درست ہے یا نہیں؟ اور کس کس چیز کا شکار کرنا جائز ہے؟ اور کس کا شکار کرنا جائز نہیں ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصول بیان فرمائے جو کہ تفاسیر اور احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔

فرمایا **كُلُّ ذِي مَخْلَبٍ مِّنَ الطَّيْرِ** ہر وہ پرندہ جو پنچے سے شکار کرتا ہے وہ حرام ہے۔ یاد رکھنا! ایک ہے پنچے سے پکڑ کر کھانا جیسے طوطا ہے لالی، شارک ہے اور بسا اوقات مرغی بھی پنچے سے پکڑ کر کھالیتی ہے یہ حلال ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ جو پنچے کے ذریعے شکار کرتے ہیں وہ حرام ہیں جیسے چیل، باز، شکرہ وغیرہ ہیں۔ اور درندوں میں جو کچلیوں یعنی دانتوں کے ساتھ شکار کرتے ہیں وہ حرام ہیں جیسے شیر، چیتا، بھیڑیا، ریچھ، گیدڑ وغیرہ ان آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے چند بنیادی چیزیں بیان فرمائی ہیں ان کو اچھی طرح سمجھنا چاہیے۔

فرمایا **يَسْتَوُونَكَ** لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں **﴿مَاذَا أَجَلٌ لَّهُمْ﴾** کیا کچھ ان کے لیے حلال کیا گیا ہے **﴿قُلْ﴾** آپ فرمادیں **﴿أَجَلٌ لَّكُمْ الطَّيْتُ﴾** حلال کی گئی ہیں تمہارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں **﴿وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ﴾** اور وہ جو تم نے تعلیم دی ہے زخمی کرنے والے جانوروں کو **﴿جَوَارِحِ﴾** جمع ہے اور **﴿جَارِحَةٌ﴾** جرح سے ہے جس کے معنی ہیں ”زخمی کرنا“ اور **﴿جَارِحَةٌ﴾** ایسے جانور کو کہتے ہیں جو دوسرے کو زخمی کرے اور جو جانور شکار کرتے ہیں وہ بھی زخمی کرتے ہیں کیوں کہ منہ سے پکڑتے ہیں اور جو پرندے شکار کرتے ہیں وہ بھی زخمی کرتے ہیں کیونکہ وہ نوکیلے پنوں سے پکڑتے ہیں۔

کلب معلم کا شکار

﴿مُكَلِّبِينَ﴾ چھوڑتے ہو شکار پر **﴿مُكَلِّبٌ﴾** کا معنی ہے کہ تم اس کو اپنے ارادہ سے شکار پر چھوڑتے ہو۔ **﴿تَعَلَّمُونَهُنَّ﴾** سکھاتے ہو تم ان کو **﴿مِنَّا عَلَّمْتُمُ اللّٰهُ﴾** وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں تعلیم دی ہے۔ تعلیم یافتہ سکھایا ہوا کتا وہ ہوتا ہے کہ جب تم اسے شکار کے لیے چھوڑو وہ شکار کے قریب پہنچ جائے تم اسے بلاؤ تو وہ واپس آجائے۔ تین دفعہ اس طرح امتحان لینا چاہیے اگر وہ تمہارے بلانے سے واپس آجاتا ہے تو ایسا کتا **﴿مُعَلَّمٌ﴾** ہے۔ یعنی سدھایا ہوا ہے۔ پھر اس کی شرط میں سے یہ بھی ہے کہ شکار کر کے کھانے نہ لگ جائے بلکہ مالک کے پاس لائے اگر شکاری جانور نے شکار کا کچھ حصہ خود کھا لیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ شکار اس نے اپنے لیے کیا ہے لہذا یہ تمہارے لیے حلال نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **﴿فَكُلُوا مِمَّا آمَسْتُم مِّنْهُنَّ﴾** پس کھاؤ ان جانوروں کو (جو شکار کے بعد) انہوں نے تمہارے

لیے روکے ہیں ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ عَلَيْكُمْ﴾ اور ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا نام اس پر یعنی کتے اور شکاری جانور کو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑو۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شکاری جانور کے ذریعہ شکار کرنے کے لیے پانچ شرطیں ہیں۔ اگر وہ پانچ شرطیں پائی گئیں تو اس کا کیا ہوا شکار حلال ہے ورنہ نہیں

شکاری جانور کے لیے پانچ شرائط

①..... جس جانور کو ہم نے شکار پر چھوڑا ہے وہ شکار کو زخمی کرے کیونکہ قرآن پاک میں ہے ﴿قِنَ الْجَوَاحِمَ﴾ زخمی کرنے والے جانوروں کو۔

②..... وہ سکھایا ہوا ہو اور اس کی نشانی یہ ہے کہ اگر تم اسے بلاؤ تو واپس آجائے

③..... جاہل کتا ساتھ نہ ہو مطلب یہ ہے کہ تم نے سکھایا ہوا کتا شکار پر چھوڑا اس کے ساتھ دوسرا عام کتا مل گیا اور دونوں نے مل کر شکار کیا اور جانور تکمیر پڑھ کر ذبح کرنے سے پہلے مر گیا تو اس کا کھانا جائز نہیں ہے یہ حرام ہے اور اگر صرف سدھائے ہوئے کتے نے شکار کیا اور تکمیر پڑھ کر ذبح کرنے سے پہلے مر گیا پھر بھی حلال ہے۔

چنانچہ مشہور زمانہ سنی حاتم طائی کے بیٹے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ پڑھے لکھے تعلیم یافتہ سمجھ دار نوجوان تھے پہلے عیسائی مذہب رکھتے تھے ۹ھ یا ۱۰ھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔ انھوں نے کہا کہ حضرت! ہم اپنے علاقے میں کتوں کے ساتھ شکار کھیلتے ہیں جن کو ہم نے سدھایا سکھایا ہوا ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ہم جب اپنے کتے کو شکار پر چھوڑتے ہیں تو اس کے ساتھ ایسا کتا بھی شامل ہو جاتا ہے جو سدھایا سکھایا ہوا نہیں ہوتا اور دونوں کتے مل کر شکار کو پکڑتے ہیں کیا اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا کھانا جائز نہیں ہے۔ اِنَّمَا سَمَّيْتُمْ عَلٰى كَلْبِكُمْ بَخْتَةَ بَاتِ هِيَ كَتُوْنِ بِسْمِ اللّٰهِ اپنے کتے پر پڑھی ہے دوسرا کتا جو ساتھ شریک ہو گیا ہے اس کو تو بسم اللہ پڑھ کر نہیں چھوڑا گیا۔ یہ روایت بخاری شریف کی ہے۔ اس روایت سے فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم نے ایک مسئلہ مستنبط کیا ہے وہ یہ کہ گائے، اونٹ کی قربانی جس میں سات آدمیوں تک شریک ہو سکتے ہیں اگر چہ اکیلے آدمی کی طرف سے ہو سکتی ہے، دو بھی مل کر کر سکتے ہیں تین بھی، چار بھی، پانچ بھی، چھ بھی، آخری حد سات ہے۔ اس کو اگر ایک آدمی بسم اللہ، اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کرے تو صحیح ہے وہ سب کی طرف سے وکیل ہے۔ لیکن اگر حصہ دار وہی ہوں اور کبھی کہیں کہ ذبح کرتے وقت ہم نے بھی چھری پر ہاتھ رکھنا ہے کہ اگر ہمارا ہاتھ چھری پر نہ آیا تو اجر میں کمی ہو جائے گی تو اس صورت میں ساتوں کے ساتوں کو بسم اللہ پڑھنی پڑھے گی۔ اگر ان میں سے ایک نے بھی بسم اللہ نہ پڑھی تو جانور حرام ہو جائے گا۔

④..... وہ کتا شکار لا کر تمہیں دے خود نہ کھائے اگر اس نے خود کھانا شروع کر دیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے یہ شکار اپنے لیے کیا ہے تمہارے لیے نہیں کیا۔

⑤..... بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا جائے۔

ان پانچ شرطوں کے پائے جانے کے بعد اگر جانور تمہارے پاس پہنچنے سے پہلے مر بھی جائے تو حلال ہے ہاں اتنا کرو کہ کتے نے جہاں منہ مارا ہے اس جگہ سے کاٹ کر پھینک دو کیونکہ کتے کا جھوٹا پلید ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِذَا وَلَعِ الْكَلْبُ فِي إِثْنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيُرْقِهْ ثُمَّ لِيَغْسِلْهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ)) . (رواہ مسلم، ج ۱، ص ۱۳۷)

جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں منہ ڈال دے تو اسے چاہیے کہ وہ اسے پانی بہا کر سات مرتبہ دھوئے۔ لہذا جس جگہ کتے کا منہ لگا ہے اس جگہ کو کاٹ کر پھینک دو باقی جانور جائز ہے۔

تیر اور بندوق کے شکار کا مسئلہ

تیر کے شکار کے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ تم نے شکار پر تیر مارا ہے بسم اللہ اکبر پڑھ کر اور تیر کی نوک جانور کو لگی ہے اور وہ مر گیا ذبح کرنے سے پہلے تو وہ جائز اور حلال ہے اور اگر تیر عرضا لگا ہے تو اب ذبح کرنے کے بغیر نہیں کھا سکتے۔ رہا مسئلہ بندوق کا تو یہ نئی ایجاد ہے اس زمانے میں بندوقیں نہیں ہوتی تھیں۔ غلیلوں اور کمانوں کے ساتھ شکار کھیلتے تھے بندوق کا چھرا گول ہوتا ہے تیر کی طرح نوک دار نہیں ہوتا لہذا بندوق کا فائر بسم اللہ اکبر پڑھ کر بھی کیا جائے تو ذبح کیے بغیر جانور حلال نہیں ہے۔

مودودی صاحب کا اعتراض اور اس کا جواب

اور مودودی صاحب کہتے ہیں کہ چونکہ پتھر قیمتی ہوتا ہے اور یہ ہوتا ہے اور وہ ہوتا ہے۔ لہذا اس کے ساتھ ماری ہوئی چیز بھی ذبح کرنے کے بغیر حلال ہے یہ ان کی منطق باطل ہے کیونکہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ”اگر تیر نوک کی طرف سے نہ لگے تو جانور مردار ہے۔“ اور جس مسئلے پر صحیح حدیث موجود ہو اور چاروں ائمہ کرام متفق ہوں تو کسی کی رائے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اور اس مسئلے پر چاروں فقہی مذاہب احناف، شوافع، مالکیہ، اور حنابلہ متفق ہیں کہ بندوق کا مارا ہوا بغیر ذبح کرنے کے حلال نہیں ہے۔ لہذا اس کے خلاف مودودی صاحب کا اپنی رائے پیش کرنا کوئی دین کی خدمت نہیں ہے۔ تو فرمایا کہ جن جانوروں کو تم سدھا سکا کر بسم اللہ اکبر پڑھ کر چھوڑ دو اور وہ شکار کو تمہارے لیے روکیں تو وہ تمہارے لیے حلال ہے اس کو کھاؤ۔

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو ایسا نہ ہو کہ بسم اللہ اکبر پڑھ کر نہیں چھوڑا اور شکار بغیر ذبح کرنے کے مر گیا اور اس کو کھا لو یہ صحیح نہیں ہے۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ سَوِيْعُ الْحِسَابِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والا ہے ﴿الْيَوْمَ أَجِلُّ لَكُمْ الْحِسَابُ﴾ آج کے دن حلال کی گئیں تمہارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں۔

اہل کتاب اور وہیریے کے ذبیحہ کا حکم

اور ان کے علاوہ ﴿وَلَعَلَّامُ الْذِينَ أَوْتُوا الْكِتَابَ حَلْلٌ لَكُمْ﴾ اور خوراک ان لوگوں کی جن کو کتاب دی گئی تمہارے لیے

حلال ہے۔ اس سے مراد بیچ ہے کیونکہ عام کھانا تو تمام غیر مسلموں کا جائز ہے یعنی ان لوگوں کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے جن کو کتاب دی گئی اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں مگر اس کے لیے شرط ہے کہ اس قسم کے یہود و نصاریٰ ہوں جو نزول قرآن کے وقت تھے کہ اللہ تعالیٰ، پیغمبروں، آسمانی کتابوں، قیامت کے قائل ہوں، دہریے قسم کے یہود و نصاریٰ نہ ہوں جس طرح آج بہت سے ایسے فرتے ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہیں مگر وہ شریعت کی زبان میں مسلمان نہیں ہیں جیسے رافضی، قادیانی، ذکری، بابی، بہائی، منکرین حدیث ہیں۔ اور بھی کئی فرتے ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہیں مگر ہیں وہ کافر۔

اسی طرح یہودیوں اور عیسائیوں میں بھی ایسے لوگ ہیں جو اپنے آپ کو عیسائی اور یہودی کہلاتے ہیں مگر ہیں وہ دہریے۔ تو ایسے دہریے قسم کے یہودیوں اور عیسائیوں کا ذبیحہ جائز نہیں ہے اسی طرح آگے آ رہا ہے کہ اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے مگر ایسی عورتوں کے ساتھ بھی نکاح جائز نہیں ہے جو دہریے قسم کی ہوں۔ بیوی کانیک ہونا اولاد پر اثر انداز ہوتا ہے۔ لہذا نیک بیوی پسند کرنی چاہیے اور بہت سے عوامل ہیں جن کو سامنے رکھنا چاہیے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فہم

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جب بیروت، لبنان، شام کا علاقہ فتح ہوا اور ان علاقوں میں حسن بہت ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہاں بد معاشیاں بہت ہیں۔ اور عرب کے لوگ محنت مشقت کرنے والے سانولے پکے رنگ کے تھے۔ نئی نس نے جب گوری عورتیں دیکھیں ان کے ساتھ نکاح کرنے شروع کر دیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر پابندی لگا دی لوگوں نے اعتراض کیا کہ رب تعالیٰ نے تو اجازت دی ہے کہ اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کر سکتے ہو۔ اور آپ منع کرتے ہیں۔

بچے کی پرورش اور ماں کا کردار

فرمایا: ”رب تعالیٰ کی اجازت کو میں بھی جانتا ہوں مگر کچھ اور عوامل ہیں جن کی وجہ سے منع کر رہا ہوں وہ یہ کہ جو عرب عورتیں ہیں دین کو سمجھتی ہیں ان کا کیا بنے گا وہ کہاں جائیں گی اور تم اہل کتاب عورتوں کے ساتھ نکاح کرو گے اس سے تمہاری اولاد پر اثر پڑے گا اس لیے میں تمہیں منع کرتا ہوں۔“ خلیفہ راشد کو شرعی طور پر خاصے اختیارات حاصل ہوتے ہیں وہ ایسا کر سکتا ہے۔ دیکھو! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑی گری بات فرمائی ہے کہ ماں کا بڑا اثر ہوتا ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے بچے کو کبھی بے وضو دودھ نہیں پلایا تو جب ماں ایسی ہوگی تو پھر بچہ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ ہوگا۔ قائد اعظم مرحوم نے ۱۹۱۵ء میں ایک پارسی کی بیٹی رتن بانی سے شادی کی رتن بانی تو ان کے اثر و رسوخ سے مسلمان ہو گئی اس سے بیٹی ہوئی جس کا نام مریم تھا وہ پارسی ہو گئی باپ نے اس کو گھر سے نکال دیا اور نے عقیدہ نہ چھوڑا ابھی تک وہ بمبئی (موجودہ ممبئی) میں ہے۔

دلی خان کے بڑے بھائی ڈاکٹر خان کو لوگوں نے رد کا کہ میم (گوری عورت) کے ساتھ نکاح نہ کر لیکن اس نے کسی کی

بات نہ مانی اور نکاح کر لیا اس میم سے جو لڑکی پیدا ہوئی اس نے ایک سکھ کے ساتھ شادی کی اس کو نہ ولی خان روک سکا، نہ غفار خان اور نہ ڈاکٹر خان۔ لڑکی نے کہا کہ میں آزاد ہوں جہاں چاہوں نکاح کروں تو ماں کی نیکی یا بدی اولاد پر بہ نسبت باپ کے جلدی اثر کرتی ہے کیونکہ باپ بے چارہ تو ملازمت پر جائے گا یا کارخانے جائے گا یا مزدوری کے لیے جائے گا بچے جو کچھ ماں سے حاصل کر سکتے ہیں باپ سے نہیں یہی وجہ ہے کہ جن گھروں میں نیک عورتیں ہیں ان کے اثرات سامنے ہیں۔

عورت سے شادی کی چار وجوہات

حدیث پاک میں آتا ہے **تُنكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ عَمْرٍ** عورت کے ساتھ شادی کی جاتی ہے چار وجہ سے:

① حسن کی وجہ سے۔ ② حسب نسب کی وجہ سے۔ ③ مال کی وجہ سے۔ ④ دینداری کی وجہ سے۔

فرمایا تم دین دار عورت کو ترجیح دو۔ اس کا اولاد پر اثر ہوگا اکبر الہ آبادی مرحوم نے کیا خوب کہا ہے:

سیرت پر نظر چاہیے صورت سے زیادہ

بات ساری سیرت سے بنتی ہے۔ تو فرمایا **﴿وَطَعَامُ الَّذِينَ أُؤْتُوا الْكِتَابَ﴾** اور خوراک ان لوگوں کی جن کو کتاب دی گئی۔ **﴿جِلَّتْ لَكُمْ﴾** تمہارے لیے حلال ہے **﴿وَطَعَامُكُمْ﴾** اور یہ تمہارا کھانا **﴿جِلَّتْ لَهُمْ﴾** ان کے لیے حلال ہے **﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النُّبُوِّنَاتِ﴾** اور پاک دامن عورتیں ایمان والیوں میں سے حلال ہیں۔

اہل کتاب کی عورتوں سے شادی کا حکم اور مقاصد

﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُؤْتُوا الْكِتَابَ﴾ اور پاک دامن عورتیں ان لوگوں میں سے جن کو دی گئی کتاب **﴿مِنْ قَبْلِكُمْ﴾** تم سے پہلے تورات، انجیل جن کو دی گئیں وہ عورتیں بھی حلال ہیں۔

﴿إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ﴾ جب دو تم ان کو مہران کے **﴿مُحْصِنِينَ﴾** قید میں رکھنے والے ہو **﴿عَلَيْدُ مُسْفِحِينَ﴾** نہ سستی نکالنے والے ہو **﴿وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ﴾** اور نہ خفیہ یاری لگانے والے **﴿أَخْدَانٍ﴾** خدنگ کی جمع ہے اور **﴿خِدْنٌ﴾** کا معنی ہے یاری لگانا۔ عورتوں کی عصمت کی حفاظت کے نگہبان صرف مرد ہیں عورتوں کی نگہبانی صرف مرد کر سکتے ہیں تعلیم کا کوئی اثر نہیں ہے پرانی ہو یا نئی (دینی ہو یا عصری) لہذا عورتوں کی عصمت کا خیال رکھو۔ ان کی نگہداشت بہت ضروری ہے آزاد قسم کی بچیاں ماں باپ کے ہاتھ سے نکل جاتی ہیں۔

معاشرے کی خرابی کا ذمہ دار کون؟

آج لوگ کہتے ہیں کہ بچیاں بات نہیں مانتیں، فلاں جگہ سے روکتے ہیں رکتی نہیں۔ قوم کے لیے مصیبت بن گئی ہے۔ اب وہ معاشرہ تو رہا نہیں کہ معاشرہ میں خیر غالب ہونے کی وجہ سے اکثر لوگوں کی خود بہ خود اصلاح ہو جاتی تھی۔ لہذا خود اصلاح

کرتی ہے۔ اور معاشرے کی بربادی کی ایک بڑی وجہ حکومت بھی ہے۔ جو غلط کاموں کی سرپرستی کرتی ہے۔

کافی پرانی بات ہے کہ پاکستان بنے ابھی تیرہ، چودہ سال ہوئے تھے ایک بڑا موٹا ڈی سی ہوتا تھا اس نے ایک سکول میں معززین شہر کو جمع کیا مولویوں کو بھی بلایا مجھے بھی دعوت ملی میں بھی گیا۔ اس نے تقریر کی اور معاشرے کی خرابی کی ذمہ داری ساری مولویوں پر ڈال دی کہ یہ لوگوں کی اصلاح نہیں کرتے۔ میں نے اُٹھ کر کہا کہ ڈی سی صاحب آپ ہمارے ضلع کے بڑے افسر ہیں اور اس وقت ہمارے مہمان ہیں ہم آپ کی قدر کرتے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہ سینما گھر مولویوں نے بنوائے ہیں یا حکومت نے، یہ مینا بازار اور جمعہ بازار مولوی لگواتے ہیں یا تم؟ یہ مخلوط تعلیم مولویوں نے شروع کی ہے یا تم نے؟ یہ کلب مولویوں نے کھلوائے ہیں یا تم نے؟

مجھے ایک ساتھی نے کہا کہ ڈی سی ہے۔ میں نے کہا جب اس نے بات کی ہے تو مجھے بھی کرنے دو۔ سارا نزلہ مولوی پر گرتا ہے مولوی کے پاس زبان کے سوا اور ہے کیا؟ طاقت تمہارے پاس، حکومت تمہارے پاس، ڈنڈا تمہارے پاس، اختیارات تمہارے پاس، یہ سارے بد معاشی کے اڈے تم نے قائم کیے ہیں۔ اخبارات میں غلط قسم کی خبریں چھپتی ہیں جن کو پڑھ کر نوجوان طبقہ ڈاکو بنتا ہے وہ اخبارات تمہارے کنٹرول میں ہیں آج اکثریت ڈاکوؤں کی کالجیٹ ہے۔ حکومت ان کو ملازمتیں نہیں دیتی ان کی مدد نہیں کرتی وہ یہی کام کرتے ہیں، جاہل اور ان پڑھ ڈاکو بہت کم ہیں۔ تم مولویوں کو کوستے ہو اس میں مولویوں کا کیا گناہ ہے؟

ایمان بچانے کی تاکید

فرمایا ﴿وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ﴾ اور جس نے انکار کیا ایمان کا ﴿فَقَدْ حَوَّطَ عَنَلَهُ﴾ پس تحقیق ضائع ہو گیا عمل اس کا یعنی اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کی تو اجازت ہے مگر ایمان نہ ضائع کر دینا یہاں کچھ لوگ بڑے دین دار اور نیک ہوتے تھے۔ نمازیں بھی پڑھتے تھے روزے بھی رکھتے تھے نمبوں کے ساتھ شادیاں کیں۔ نہ نماز رہی، نہ روزہ۔

بھائی! دنیا میں کتنی دیر رہنا ہے موت تو سر پر کھڑی ہے۔ اس حادثاتی دور میں زندگی پر کچھ بھی یقین نہیں کرنا چاہیے۔ لہذا خواہشات کی وجہ سے ایمان نہ ضائع کرو جس نے ایمان ضائع کر دیا۔ ﴿وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْغَافِرِينَ﴾ اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آخرت کے نقصان سے محفوظ فرمائے۔ [امین]



﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿إِذَا قُمْتُمْ﴾ جس وقت کھڑے ہو تم ﴿إِلَى الصَّلَاةِ﴾ نماز کی طرف ﴿فَاعْلَمُوا﴾ پس دھولو ﴿وَجُوهَكُمْ﴾ اپنے چہروں کو ﴿وَأَيْدِيَكُمْ﴾ اور اپنے ہاتھوں کو ﴿إِلَى الْمَرَافِقِ﴾ کہنیوں تک ﴿وَأَمْسُوا بِرُءُوسِكُمْ﴾ اور مسح کرو اپنے سروں کا ﴿وَأَنزِلْكُمْ﴾ اور اپنے پاؤں دھولو ﴿إِلَى

الکعبین ﴿﴾ نخنوں سمیت ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا﴾ اور اگر ہو تم جنابت کی حالت میں ﴿فَاطَهَّرُوا﴾ تو اچھی طرح طہارت حاصل کرو ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى﴾ اور اگر ہو تم بیمار ﴿أَوْ عَلَى سَفَرٍ﴾ یا سفر پر ہو ﴿أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ﴾ یا آئے تم میں سے کوئی ﴿مِنَ النَّأْيِ﴾ قضائے حاجت سے ﴿أَوْ لَسْتُمْ بِالنِّسَاءِ﴾ یا تم نے ہمستری کی ہو عورتوں سے ﴿فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً﴾ پس نہ پاؤ تم پانی ﴿فَتَيَسَّؤُوا﴾ پس تم تیمم کرو ﴿صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ پاک مٹی سے ﴿فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ﴾ پس مسح کرو تم اپنے چہروں کا ﴿وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ﴾ اور اپنے ہاتھوں کا اس مٹی سے ﴿مَا رِيَدُ اللَّهُ﴾ نہیں ارادہ کرتا اللہ تعالیٰ ﴿لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ﴾ تاکہ کرے تم پر ﴿مِنْ حَرْجٍ﴾ کوئی تنگی ﴿وَلَكِنْ يُرِيدُ﴾ اور لیکن ارادہ کرتا ہے ﴿لِيُطَهَّرَكُمْ﴾ تاکہ وہ تمہیں پاک کر دے ﴿وَلِيُتِمَّ﴾ اور تاکہ پوری کر دے ﴿نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ﴾ اپنی نعمت تم پر ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ تاکہ تم شکر ادا کرو ﴿وَإِذْ كَرَّمْنَا نِعْمَةَ اللَّهِ﴾ اور یاد کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت ﴿عَلَيْكُمْ﴾ جو تم پر ہوئی ﴿وَمِيثَاقَهُ﴾ اور اس کا وعدہ ﴿الَّذِي﴾ وہ ﴿وَأَثَقْتُمُ بِهِ﴾ جو اس نے تم سے لیا ﴿إِذْ قُلْتُمْ﴾ جب تم نے کہا ﴿سَبَقْنَا﴾ ہم نے سن لیا ﴿وَاطْعْنَا﴾ اور ہم نے اطاعت کی ﴿وَأَثَقُوا اللَّهَ﴾ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے ﴿إِنَّ اللَّهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿عَلِيمٌ﴾ جانتا ہے ﴿بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ دلوں کے راز۔

رہا آیات

طہارت کی دو قسمیں ہیں ایک ظاہری اور ایک باطنی۔ طہارت باطنی ہے روح کا پاک ہونا اور روح پاک ہوتی ہے ایمان سے، توحید سے، صدق دل سے کلمہ طیبہ پڑھا ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدًا رَسُولَ اللَّهِ﴾ باطنی طہارت حاصل ہوگئی۔ ایمان، توحید کے بغیر باطنی طہارت حاصل نہیں ہوتی۔ مشرک اگر سات سمندروں میں بھی غسل کرے پاک نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ﴾ ”پختہ بات ہے کہ مشرک پلید ہے۔“ [التوبہ: ۲۸]

اور باطنی طہارت کے بغیر اعمال کی کوئی حیثیت نہیں ہے چاہے کوئی نماز پڑھے روزہ رکھے، صدقہ خیرات کرے جتنا اعلیٰ سے اعلیٰ عمل کرے اکارت ہے۔ اس سے پہلے اس کا ذکر تھا ﴿وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ﴾ ”اور جو انکار کرے گا ایمان کا پس تحقیق اس کا عمل ضائع ہو گیا۔“

ظاہری طہارت کا بیان

اور اب ظاہری طہارت کا ذکر ہے۔ ظاہری طہارت حاصل ہوتی ہے غسل سے، وضو سے، تیمم سے اور کچھ اعمال ایسے ہیں جو ظاہری طہارت پر موقوف ہیں لہذا ظاہری طہارت کو بیان فرماتے ہیں۔

وضو کے فرائض اور حکم

ارشادِ ربانی ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ﴾ جس وقت کھڑے ہو تم نماز کی طرف یعنی نماز پڑھنے کا ارادہ کرو ﴿فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ﴾ پس دھو لو اپنے چہروں کو۔ وضو کے فرضوں میں سے ایک فرض ہے چہرے کا دھونا اور چہرے کی حد ہے پیشانی کے بالوں سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان کی لو سے لے کر دوسرے کان کی لو تک اتنے حصے پر پانی کا بہانا فرض ہے۔ آنکھ کا باہر کا کونا دھونا بھی ضروری ہے، خشک نہ رہے اور اندر کا کونا دھونا بھی ضروری ہے۔ بعض لوگ آنکھیں بند کر کے چہرے پر چھینٹے مارتے ہیں ایسی صورت میں ممکن ہے کہ اندر کا کونا تر نہ ہو اگر ایسا ہوا تو وضو نہیں ہوگا۔

﴿وَأَيُّكُمْ إِلَى السَّوَابِقِ﴾ اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک۔ کہنی کی ہڈی کا دھونا فرض ہے۔ اگر خشک رہ گئی تو وضو نہیں ہوگا۔ اور یہ مسئلہ بھی یاد رکھیں کہ اگر ہاتھ پر رنگ روغن یا کوئی ایسی چیز لگی ہوئی ہے کہ جس کی وجہ سے پانی جلد تک نہیں پہنچتا تو اس کا دور کرنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اگر پانی جلد تک نہ پہنچا تو وضو نہیں ہوگا۔ اسی طرح عورتیں ناخن پالش لگاتی ہیں اس سے ناخنوں پر لیپ ہو جاتا ہے اور پانی نیچے نہیں جاتا۔ لہذا نہ وضو ہو اور نہ غسل ہو۔ نماز پڑھنے کے باوجود نہ ہوئی اور بغیر وضو کے سجدہ ہوا۔

وضو سے متعلق چند مسائل

اگرچہ فقہائے کرام رحمہم اللہ کا اس میں اختلاف ہے مگر فقہائے کرام رحمہم اللہ کی ایک بہت بڑی تعداد کا نظریہ یہ ہے کہ بغیر وضو کے سجدہ کرنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ تو یہ کوئی چھوٹا مسئلہ نہیں ہے بہت بڑا مسئلہ ہے۔ بلکہ پہاڑ سے بھی بڑا مسئلہ ہے اور نکاح نہ بھی ٹوٹے اس میں تو سب کا اتفاق ہے کہ نماز نہیں ہوتی پھر تعجب کی بات یہ ہے کہ بوڑھی بوڑھی عورتیں تعویذ لینے کے لیے آتی ہیں جو میری ماں کی عمر کی ہوتی ہیں انھوں نے بھی ناخن پالش لگائی ہوتی ہے۔ پوچھتا ہوں تو کہتی ہیں کہ پوتی نے لگا دی ہے لا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔ بھائی! بچیوں کا لگانا تو سمجھ میں آتا ہے نانی دادی کا لگانا سمجھ میں نہیں آتا۔ اصل بات یہ ہے کہ دین کی اہمیت ہی نہیں ہے، نماز کی اہمیت نہیں ہے وضو، غسل کی اہمیت نہیں ہے۔ اگر فکر ہو کہ میں نے نماز پڑھنی ہے، قرآن کریم کی تلاوت کرنی ہے تو ان چیزوں کا احساس بھی ہو۔

آج کل ایک خاص قسم کی مہندی آئی ہے اس کا مکمل تجربہ تو نہیں کیا لیکن شبہ ہے کہ اس کا بھی لیپ ہو جاتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو وہ بھی نہیں لگانی چاہیے۔ باقی عام مہندی عورتوں کے لیے سنت ہے۔ اس سے ناخن پر لیپ نہیں ہوتا صرف ناخن کی رنگت بدلتی ہے۔ اور یہ مسئلہ بھی سمجھ لیں کہ لمبے ناخنوں کے نیچے میل کچیل جمع ہو جاتی ہے وضو اور غسل کے وقت وہ جگہ نیچے سے خشک رہ جاتی ہے جبکہ وضو اور غسل میں اس کا گھیرا ہونا ضروری ہے۔ لہذا ناخن لمبے نہیں ہونے چاہئیں۔

اس لیے فقہائے کرام رحمہم اللہ نے حدیث پاک کی روشنی میں کہا ہے کہ ہفتے میں ایک دفعہ ناخنوں کا کاٹنا مستحب ہے ہاتھوں کے بھی اور پاؤں کے بھی۔ اگر کسی نے انگوٹھی پہنی ہوئی ہے تو وضو کے وقت اس کو اتار دیں تاکہ اس کے نیچے کی جگہ خشک نہ رہے ہاں اگر اتنی کھلی ہے کہ اس کے نیچے پانی پھر جائے تو نہ اتاریں۔ بعض گھڑیاں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے چین کے نیچے پانی نہیں جاتا ان کو اتار کر وضو کریں یا چین کے نیچے پانی پہنچائیں اور بہائیں صرف مسح نہیں کرنا بلکہ اس جگہ پانی چلانا ہے۔ ان مسائل کو اچھی طرح سمجھ لیں اور گھروں میں بیان کریں۔ اپنی عورتوں کو، بیٹیوں کو، بہوؤں کو، بہنوں کو سمجھاؤ۔ عورتیں دین سے بہت غافل ہیں ان کو احساس دلاؤ۔

اور تیسرا فرض ہے ﴿وَأَمْسُوا بِرُءُوسِكُمْ﴾ اور مسح کرو اپنے سروں کا۔ چوتھائی حصے کا مسح کرنا فرض ہے اور سارے سر کا مسح کرنا مستحب ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح مسح کرتے تھے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو پیچھے لے جاتے پھر پیچھے سے واپس آگے آتے اور دوپٹہ، ٹوپی اور رومال اتار کر مسح کرنا ہے۔ کیونکہ مسح سر کا کرنا ہے نہ کہ ٹوپی رومال کا۔

وضو میں بے احتیاطی پر وعید

اور چوتھا فرض ہے ﴿وَأَسْرَجُلُكُمْ إِلَى الْكَبَدِ﴾ اور اپنے پاؤں دھولو ٹخنوں سمیت ﴿وَأَسْرَجُلُكُمْ﴾ کا عطف ہے ﴿وَجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ﴾ پر یعنی جس طرح چہرے اور ہاتھوں کو دھونے کا حکم ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا اس نے وضو کیا مگر اس کی ایڑی تھوڑی سی خشک رہ گئی فتاویٰ بأعلى صوته وويل لئلا عقاب من النار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلند آواز سے فرمایا ”یہ ایڑیاں جو خشک رہ گئی ہیں دوزخ میں لے جائیں گی“، یہ ایڑیاں جو خشک رہ گئی ہیں دوزخ میں لے جائیں گی، یہ ایڑیاں جو خشک رہ گئی ہیں دوزخ میں لے جائیں گی۔ تین مرتبہ فرمایا، روایت بخاری شریف کی ہے۔ تو یہ چار فرض ہیں وضو میں باقی کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، پہلے ہاتھوں کو گٹھوں (پہنچوں) تک دھونا، مسواک کرنا، قبلہ رو ہو کر وضو کرنا اس کے علاوہ اور کئی چیزیں ہیں بعض ان میں سنت ہیں اور بعض مستحب ہیں۔

غسل جنابت کے فرائض اور احتیاطاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سر منڈوانا

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا﴾ اور اگر ہو تم جنابت کی حالت میں ﴿فَاغْتَسُوا﴾ تو اچھی طرح طہارت حاصل کرو۔ غسل جنابت میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا فرض ہے اور اسی طرح پورے جسم پر پانی بہانا بھی فرض۔ یہ تین فرض ہیں غسل کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **إِنْ تَمَحَّتْ كُلُّ شَعْرَةٍ جَنَابَةً** ”بے شک ہر بال کے نیچے جنابت کا اثر ہے۔“ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پئے رکھے ہوئے تھے ایک دن تشریف لائے تو سر منڈوایا ہوا تھا۔ ساتھیوں نے پوچھا حضرت! آپ نے سر منڈوایا ہے؟ فرمایا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے **إِنْ تَمَحَّتْ كُلُّ شَعْرَةٍ جَنَابَةً** ”بے شک ہر بال کے نیچے جنابت کا اثر ہے۔“ اور میرے بال گنے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ضروری غسل میں پانی نیچے نہ پہنچے اس خوف سے میں نے سر منڈوایا ہے۔ تو جنابت کی صورت میں

کمال طہارت کرنی ہے کوئی جگہ خشک نہ رہے۔

تیمم کی اجازت اور صحت کے شرائط

﴿وَرَانَ لَكُمْ مَزْلَجِي﴾ اور اگر ہوتم بیمار۔ لیکن بیماری سے کیسی بیماری مراد ہے۔ مسئلہ اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔ بیماری کی نوعیت ایسی ہو کہ پانی کے استعمال سے جان کا خطرہ ہو یا بیماری کے بڑھ جانے کا خطرہ۔ لیکن اس کا فیصلہ کون کرے گا؟ یا تو آدمی خود فیصلہ کرے۔ کیونکہ خود اپنا نفس بھی مفتی ہے۔ اس کو فقہائے کرام رضی اللہ عنہم رائے مبتلیٰ یہ کہتے ہیں کہ جو شخص کسی چیز میں مبتلا ہے اس کی رائے کا بھی اعتبار ہے۔ ایک آدمی بیمار ہے اور وہ خود سمجھتا ہے کہ میں روزہ نہیں رکھ سکتا یا پانی نہیں استعمال کر سکتا تو اس کو کسی مفتی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف اتنی بات ذہن میں رکھ کر فیصلہ کرے کہ کل جب میں رب تعالیٰ کی عدالت میں کھڑا ہوں گا اور اللہ تعالیٰ مجھ سے سوال کریں گے کہ فلاں روزہ تو نے کیوں نہیں رکھا تھا؟ یا فلاں وقت تو نے وضو کی جگہ تیمم کیوں کیا تھا؟ یا تو نے بیٹھ کر نماز کیوں پڑھی تھی؟ اگر یہ عذر میں نے بیان کیا تو سرخرو ہو جاؤں گا کہ پروردگار! تو جانتا ہے کہ میں کھڑا نہیں ہو سکتا تھا یا میں روزہ نہیں رکھ سکتا تھا یا وضو کرنا تو مر جانے کا خطرہ تھا یا بیماری کے بڑھ جانے کا خطرہ تھا۔ تو اللہ تعالیٰ میرے عذر کو قبول فرمائیں گے تو ایسی صورت میں اپنی رائے کا بھی اعتبار ہے۔

عورتوں میں یہ بیماری بہت زیادہ ہے کہ سارے کام کریں گی کہ سودا سلف بھی دکان سے لے آئیں گی مگر نماز بیٹھ کر پڑھیں گی۔ ہمارے گھر میں بھی دور دراز سے عورتیں مسائل دریافت کرنے کے لیے اور دم درود کے لیے آتی ہیں اور نماز بیٹھ کے پڑھنے لگ جاتی ہیں۔ پوچھا جاتا ہے کہاں سے آئی ہے؟ فلاں قصبہ سے آئی ہوں، کچھ سامان بازار سے خریدنا تھا اور آپ سے بھی کام تھا۔ اے اللہ کی بندی! سارا بازار تو پھر کر آئی ہے اور نماز بیٹھ کر پڑھتی ہے۔ یاد رکھنا! قیام نماز میں فرض ہے اور فرض کے چھوڑنے سے نماز نہیں ہوتی۔ ہاں! اس وقت ہو جائے گی جب کھڑے ہو کر پڑھنے کی ہمت نہ ہو۔ تو ایسا مریض کہ خود اس کی طبیعت فیصلہ کرے کہ میں غسل نہیں کر سکتا وضو نہیں کر سکتا تو اس کو تیمم کی اجازت ہے۔ یا حکیم اور ڈاکٹر پانی کے استعمال سے منع کریں لیکن حکیم، ڈاکٹر کے لیے تین شرطیں ہیں۔ اگر یہ شرطیں نہ پائی گئیں تو حکیم ڈاکٹر کی بات حجت نہیں ہوگی۔

①..... وہ حکیم یا ڈاکٹر مسلمان ہو اس لیے کہ دینی مسائل میں غیر مسلم کی بات حجت نہیں ہے۔ وضو، غسل، نماز، روزہ دین ہیں ان کے متعلق کافر کہے کہ چھوڑ دو ہرگز نہیں چھوڑنا۔

②..... حکیم یا ڈاکٹر نماز، روزے کا پابند ہو، فاسق، فاجر نہ ہو کیونکہ جو خود نہیں پڑھتا اس کی بات حجت نہیں ہو سکتی۔

③..... حکیم، ڈاکٹر مستند ہوں اور اپنے فن میں ماہر ہوں۔ محض شیشیاں اکٹھی کر کے بیٹھنے والے نہ ہوں۔ تو جس ڈاکٹر اور حکیم میں یہ شرطیں پائی جائیں اس کی بات حجت ہے۔

﴿أَوْ عَلَى سَفَرٍ﴾ یا سفر پر ہو۔ اور دوران سفر میں پانی میسر نہ ہو۔ میسر نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پانی تم سے ایک سین

دور ہوتو تمہیں وضو اور غسل کی جگہ تیمم کرنے کی اجازت ہے۔

﴿أَوْ جَاءَ أَحَدًا مِّنكُم مِّنَ الْمَاءِ﴾ یا آئے تم میں سے کوئی قضاے حاجت سے۔ یعنی چھوٹا، بڑا پیشاب کیا ہے۔
﴿أَوْلَسْتُمْ مِنَ الْمَاءِ﴾ یا تم نے ہم بستی کی ہو عورتوں سے ﴿فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً﴾ پس نہ پاؤ تم پانی۔

طریقہ تیمم

﴿قَيِّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ پس تم تیمم کرو پاک مٹی سے۔ تیمم کا لفظی معنی ہے ارادہ کرنا۔ لہذا تیمم کے لیے نیت کرنا ضروری ہے۔ تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ زمین پر رکھ کر جھاڑ لے۔ تاکہ گرد و غبار نہ لگے۔ کیونکہ مقصد گرد و غبار لگانا نہیں ہے۔ دونوں ہاتھ منہ پر پھیرے اچھی طرح جہاں جہاں تک چہرہ پانی سے دھونا ہے وہاں، وہاں تک ہاتھ پھیرے۔ دوبارہ پھر ہاتھ زمین پر رکھے اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک اچھی طرح پھیرے۔ گھڑی انگوٹھی وغیرہ اتار دے۔ کیونکہ اگر ان کے اوپر ہاتھ پھیرے گا تو تیمم نہیں ہوگا۔ انگلیوں کے درمیان ناخنوں کے اوپر غرضیکہ کوئی جگہ ایسی نہ رہے کہ جہاں ہاتھ نہ پھرے۔ بس یہی تیمم وضو کا ہے اور یہی غسل کا ہے۔ یعنی تیمم کے تین رکن ہیں۔

تیمم کے تین رکن

①..... نیت کرنا۔ ②..... منہ پر ہاتھ پھیرنا اور ③..... کہنیوں تک ہاتھ پھیرنا۔

تیمم کن چیزوں سے جائز اور کن سے ناجائز

تیمم میں سر کا مسح ہے نہ پاؤں کا مسح ہے۔ تیمم مٹی اور مٹی کی جنس کی جو چیزیں ہیں مثلاً: ریت، اینٹ (پکی ہو یا کچی) سے کر سکتے ہیں پتھر کپڑا اور کاغذ سے نہیں کر سکتے۔ ہاں اگر ان پر گرد و غبار پڑا ہو تو اس سے کر سکتے ہیں۔ البتہ مسجد کی دیوار اور فرش سے تیمم کرنا فقہائے کرام رضی اللہ عنہم نے مکروہ فرمایا ہے۔ اور وجہ یہ ہے کہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ آدمی جس پانی سے وضو کرتا ہے اس میں گناہ جھڑتے ہیں۔ حدیث مسلم اور ترمذی شریف کی ہے کہ پانی کے ساتھ گناہ جھڑتے ہیں اور تیمم وضو کا خلیفہ ہے تو جہاں تیمم کرو گے وہاں گناہ جھڑیں گے تو مسجد کی دیوار اور فرش سے تیمم نہیں کرنا چاہیے کہ وہاں گناہ نہ جھڑیں۔ مٹی کے متعلق بھی ایک مسئلہ سمجھ لیں کہ زمین پر اگر کسی نے پیشاب کیا ہے تو خشک ہونے کے ساتھ زمین پاک ہو جاتی ہے مگر اس جگہ سے تیمم نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ ﴿صَعِيدًا﴾ کے ساتھ ﴿طَيِّبًا﴾ کی قید ہے کہ پاک صاف ہو تو پیشاب کے خشک ہونے سے پاک تو ہو گئی مگر صاف نہیں ہے۔

فرمایا ﴿فَأَمَّا جَوَابُ جَوَابِكُمْ﴾ پس مسح کرو تم اپنے چہروں کا ﴿وَأَيُّكُمْ مِّنْهُ﴾ اور اپنے ہاتھوں کا اس مٹی سے (جس کی میں نے وضاحت کر دی ہے) ﴿مَا يُرِيدُ اللَّهُ﴾ نہیں ارادہ کرتا اللہ تعالیٰ ﴿لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّن حَرَجٍ﴾ تاکہ کرے تم پر کوئی

تنگی ﴿وَلٰكِنْ يُرِيدُ لِيُظْهِرَكُمْ﴾ اور لیکن وہ ارادہ کرتا ہے تاکہ تمہیں پاک کر دے ﴿وَلِيُتِمَّ بِكُمْ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ﴾ اور تاکہ پوری کر دے اپنی نعمت تم پر۔ اس امت پر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے وسیلے سے نرمی فرمائی۔ پہلی امتوں میں تیمم کی اجازت نہیں تھی۔ اس امت کو تیمم کی اجازت دے دی ان لوگوں کے لیے مالِ غنیمت حلال نہیں تھا۔ اس امت کے لیے مالِ غنیمت بھی حلال فرمادیا۔

﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ تاکہ تم شکر ادا کرو رب تعالیٰ کا ﴿وَ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾ اور یاد کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت جو تم پر ہوئی کہ اس نے تمہیں ایمان اور دین کی دولت عطا فرمائی کہ اس سے بڑی کوئی دولت نہیں ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ نرم شریعت عطا فرمائی۔ پہلے لوگوں کے لیے غسل جنابت سات مرتبہ ہوتا تھا یعنی اگر کوئی شخص جنبی ہو جاتا تو اس کے لیے ضروری تھا کہ سات مرتبہ غسل کرے اور بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ کپڑے پر اگر پیشاب، شراب یا کوئی اور گندگی لگ جاتی تو گندگی والی جگہ سے کاٹنا پڑتا تھا۔ ورنہ پاک ہی نہیں ہوتا تھا۔ تو دیکھو! گرم کپڑے کتنے قیمتی ہوتے ہیں اگر انہیں جگہ جگہ سے کاٹ دیا جائے تو پیچھے کیا رہ گیا اللہ تعالیٰ نے اس امت پر یہ بھی انعام فرمایا کہ دھونے سے پاک ہو جاتا ہے۔

انعام خداوندی اور بیثاق کا ذکر

﴿وَمِيثَاقَهُ الّٰذِي وَاٰتٰكُمْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰتٰكُمْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰتٰكُمْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰتٰكُمْ﴾ اور اس کا وہ وعدہ جو اس نے تم سے لیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کو یاد کرو جو اس نے تم سے لیا کیوں کہ جب آدمی کلمہ پڑھتا ہے ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ تو وہ اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرتا ہے کہ اے پروردگار! میں تیرے سوا کسی اور کو معبود نہیں مانتا اور ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ کے سوا کسی اور رسول نہیں مانتا۔ اے پروردگار! میں تیرے احکامات کی اس طرح اطاعت کروں گا جس طرح تیرا رسول فرمائے گا۔ تو فرمایا اس وعدے کو یاد کرو اور اس پر عمل کرو۔ ﴿اِذْ قُلْتُمْ﴾ جب تم نے کہا ﴿سُبْحٰنَا وَاَطَعْنَا﴾ ہم نے سن لیا اور ہم نے اطاعت کی ﴿وَاٰتٰكُمْ اللّٰهُ﴾ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ عَلِيمٌ بِذٰتِ الصُّدُوْرِ ﴿جانتا ہے دلوں کے راز۔ ظاہر، باطن سب اس کے سامنے ہے اگر عہد شکنی کرو گے تو اس کی سزا سے نہیں بچ سکو گے۔



﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿كُوْنُوْا﴾ ہو جاؤ ﴿قَوٰمِيْنَ﴾ پابندی کے ساتھ قائم رہنے والے ﴿لِلّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے لیے ﴿شٰهَدَآءَ﴾ گواہی دینے والے ﴿بِالْقِسْطِ﴾ انصاف کے ساتھ ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ﴾ اور نہ برا بیچتہ کرے تمہیں ﴿شِتَانٌ قَوْمٍ﴾ کسی قوم کا بغض ﴿عَلٰى اَلَا تَعْدِلُوْا﴾ اس بات پر کہ تم عدل نہ کرو ﴿اعْدِلُوْا﴾ عدل کرو ﴿هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ وہ زیادہ قریب ہے تقویٰ کے ﴿وَاٰتٰكُمْ اللّٰهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿خَبِيْرٌ﴾ خبر رکھنے والا ہے ﴿بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ اس کا رروائی سے جو تم کرتے ہو:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ وعدہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ اور عمل کیے اچھے ﴿لَهُمْ مَغْفِرَةٌ﴾ ان کی بخشش ہوگی ﴿وَأَجْرٌ عَظِيمٌ﴾ اور اجر ہوگا بڑا ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا﴾ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا ﴿وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا﴾ اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو ﴿أُولَٰئِكَ﴾ وہ لوگ ﴿أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾ شعلہ مارنے والی آگ کے ساتھی ہیں ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿إِذْ كُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ﴾ یاد کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو ﴿عَلَيْكُمْ﴾ جو تم پر ہوئی ﴿إِذْ هُمْ قَوْمٌ﴾ جب قصد کیا ایک قوم نے ﴿أَنْ يَتَّبِعُوا إِلَٰهِيكُمْ﴾ اس بات کا کہ وہ بڑھائیں تمہاری طرف ﴿أَيُّ إِلَٰهٍ﴾ اپنے ہاتھ ﴿فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ﴾ پس روک دیا اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کو تم سے ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے ﴿وَعَلَى اللَّهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی ﴿فَلْيَسْتَوْكِّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾ پس چاہیے کہ بھروسہ کریں ایمان والے۔

گواہی میں انصاف کا حکم

دنیا میں جو کام مشکل ہیں ان میں سے ایک حق کی گواہی دینا بھی ہے حق کی گواہی ہر زمانے ہی میں مشکل رہی ہے خصوصاً اس زمانے میں کہ جان کا خطرہ، عزت کا خطرہ ہمیشہ کی دشمنی مول لینی ہوتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے بڑے زوردار الفاظ کے ساتھ قرآن پاک میں گواہی کا حکم دیا ہے۔

فرمایا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو۔ مومنوں کو خطاب ہے ﴿كُونُوا قَوَّامِينَ﴾ ہو جاؤ پابندی کے ساتھ قائم رہنے والے ﴿لِلَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے لیے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کو ملحوظ رکھو۔ ﴿شُهَدَاءَ﴾ گواہی دینے والے۔ ﴿بِالْقِسْطِ﴾ انصاف کے ساتھ۔ جب گواہی دو تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دو اور انصاف کے مطابق دو اور اس پر قائم بھی رہو کہ جو تمہاری آنکھوں نے دیکھا ہے اور تمہارے کانوں نے سنا ہے اس کو بیان کر دو اور جو چیزیں گواہی میں اہم ہیں ان میں سے کوئی نہ جائے جس شخص کے حق میں گواہی دے رہے ہوں تو اس کے فائدے کو سامنے رکھو اور نہ جس کے خلاف دے رہے ہو اس کے نقصان کی پروا کرو۔ تمہارے سامنے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہونی چاہیے۔ بڑے گناہوں میں سے جھوٹی گواہی بھی ہے۔

چند کبار گناہوں کا بیان

ایک موقع پر آنحضرت ﷺ بڑے گناہ بیان فرما رہے تھے۔ سوال کیا گیا حضرت! بڑے گناہ کون کون سے ہیں؟ فرمایا سب سے بڑا گناہ ہے۔ أَنْ تَجْعَلَ لِلَّهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کا شریک بنائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے۔ پھر فرمایا: عُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ الْمُسْلِمِينَ مسلمان وادین کی مخالفت کرنا۔ ان کو قوراً فعلاً تکلیف پہنچانا، یتیم کا مال کھانا، سو دکھانا۔ پہلے آپ ﷺ لیٹے ہوئے تھے پھر اٹھ کر بیٹھ گئے۔ اور بار، بار فرمایا وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ بڑے گناہوں میں سے

چھوٹی گواہی کا دینا بھی ہے۔

دشمن کے متعلق بھی عدل کا حکم

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ﴾ اور ہرگز نہ برا بیچیتہ کرے تمہیں کسی قوم کا بغض ﴿عَلَىٰ آلَاتَعْدِلُوا﴾ اس بات پر کہ تم عدل نہ کرو ﴿وَإِن كُنتُمْ فِي شَكٍّ مِّن مَّا نَزَّلْنَا مِن مَّا لَدُنَّا مِن بَيِّنَاتٍ لِّقَوْمٍ﴾ وہ زیادہ قریب ہے تقویٰ کے ﴿وَآتَقُوا اللَّهَ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو ﴿إِنَّ اللَّهَ هَبَّ رُوحَهُ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ خیر رکھنے والا ہے اس کا ردوائی سے جو تم کرتے ہو۔ یعنی معاملہ تمہارا اس ذات کے ساتھ ہے جس سے کوئی شے مخفی نہیں ہے پھر جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو تسلیم کریں گے ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا اور جو تسلیم نہیں کریں گے ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا اس کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا مومنین سے مغفرت کا وعدہ

فرمایا ﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ وعدہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ﴿وَدَعُوا الصَّلٰٓئَةَ﴾ اور عمل کیے اچھے۔ کیا وعدہ ہے؟ فرمایا ﴿لَهُمْ مَغْفِرَةٌ﴾ ان کی بخشش ہوگی ﴿وَأَجْرٌ عَظِيمٌ﴾ اور اجر ہوگا بڑا۔ یاد رکھنا! جنت کی چھوٹی سے چھوٹی نعمت کے مقابلہ میں دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

کفار کا انجام

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا﴾ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو تسلیم نہیں کیا۔ ﴿وَكَذٰلِكَ يُؤَاۤءِٔتُنَا﴾ اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو۔ چاہے زبان سے جھٹلایا یا عمل سے جھٹلایا۔ ﴿أُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّجْمِ﴾ وہ لوگ شعلہ مارنے والی آگ کے ساتھی ہیں۔ دنیا کی آگ میں لوہے تک تمام دھاتیں پگھل جاتی ہیں اور دوزخ کی آگ اس سے اہتر/۶۹ گنا تیز ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ دوزخ کے ایک طبقے نے دوسرے طبقے کی شکایت کی کہ اے پروردگار! اس کی حرارت اور تیزی نے مجھے کھالیا ہے یعنی ایک طبقے اور دوسرے طبقے میں اتنا فرق ہے کہ اس نے شکوہ کیا کہ دوسرا مجھ پر غالب آ گیا ہے۔ اسی طرح زمہریر ایک طبقہ ہے جس میں ٹھنڈک ہے اس نے دوسرے طبقے کی شکایت کی کہ اس کی ٹھنڈک مجھ پر غالب آ گئی ہے۔ رب تعالیٰ نے دونوں کو حکم دیا کہ ایک ایک سانس لے لو۔ یہ دنیا میں جو سخت گرمی ہوتی ہے اس سانس کا نتیجہ ہے اور جو سخت سردی ہوتی ہے اس سانس کا نتیجہ ہے۔ جب کہ ایسے سرد علاقے ہیں کہ وہاں آدمی کا خون منجمد ہو جاتا ہے اور گاڑیوں میں پٹرول جم جاتا ہے چل نہیں سکتیں۔ اور گرمی تم خود جانتے ہو کتنی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ اور ٹھنڈک سے پناہ میں رکھے۔

نِعْمِ خِدَاۤءُنَدِي كَا بَيَانَ

فرمایا ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿اَذْكُرُوۡا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾ یاد کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو جو

تم پر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں۔ بدنی اعتبار سے، مالی اعتبار سے، اولاد کے اعتبار سے، عزت کے اعتبار سے، صحت کے اعتبار سے، ایمان و عمل کے اعتبار سے، ظاہری طور پر، باطنی طور پر، روحانی طور پر، جسمانی طور پر جو رب تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں۔ ان میں سے ایک نعمت یہ بھی ہے۔

﴿إِذْ هُمْ قَوْمٌ﴾ جب قصد کیا ایک قوم نے ﴿أَنْ يَنْبَسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ﴾ اس بات کا کہ وہ بڑھائیں تمہاری طرف اپنے ہاتھ۔ مکہ مکرمہ میں ایک مقام تھا ”خيف“ بنو کنانہ کا وہاں ایک بہت بڑا دار تھا جہاں جمع ہو کر یہ مشورہ کرتے تھے۔ ایک دن اس میں اکٹھے ہوئے اور مشورہ کیا کہ مسلمان روز بہ روز بڑھتے جا رہے ہیں ان کے متعلق کچھ سوچو۔ تمام قبیلوں کے سردار جمع تھے بعض نے مشورہ دیا کہ رشتہ داریوں کو بالائے طاق رکھ کر (کیونکہ بعض تمہارے رشتہ دار ہیں اور بعض ہمارے رشتہ دار ہیں) پورے عزم کے ساتھ ان کا صفایا کر دیا جائے۔ یہی اس کا حل ہے۔ جو جذباتی تھے انہوں نے اس کی تائید کی کہ ٹھیک ہے۔ ہمارا بھائی ہو، باپ ہو، بیٹا ہو، بہن ہو اس کو نہیں چھوڑیں گے۔ کچھ دوسرے حضرات نے کہا کہ اس میں تمہاری بدنامی ہوگی اور حرم میں نقل کرنا بھی سنگین جرم ہے۔ لہذا فی الحال اس کام کو چھوڑو۔ انہوں نے منصوبے پر پانی پھیر دیا۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے ﴿فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ﴾ پس روک دیا اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کو تم سے۔ پھر مشورہ یہ طے پایا کہ ان سے لڑنا کیونکہ وہ نہ آتے نہ پھرتے نہ ان کے ساتھ نکاح کر دینا اور فروخت۔ یعنی بائیکاٹ کر دینا ان سے کوئی رشتہ داری کرے نہ ان سے کوئی چیز خریدے نہ ان کے آگے کوئی چیز بیچے۔ چنانچہ مسلمانوں کے بیچے، بچیاں جب دکان پر کوئی چیز لینے جاتے تو کہتے، چلے جاؤ۔ اگر کوئی چیز بیچنی ہوتی تو لیتا کوئی نہیں تھا۔ یہ حالات بھی مسلمانوں پر گزرے۔

۵۸ میں جب مکہ مکرمہ فتح ہوا جہنڈا حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے پاس تھا کہنے لگے حضرت! میں جہنڈا کہاں گاڑوں گا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”خيف بنو کنانہ میں اس جگہ گاڑو جہاں کافروں نے ہمارے خلاف بائیکاٹ کا منصوبہ بنایا تھا تاکہ رب تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہو اور معلوم ہو کہ ﴿وَتِلْكَ الْآيَاتُ لِنَاوَلِيَّائِنَّا الَّذِينَ هُمْ فِيهَا يَلْتَمِسُونَ﴾ یہ دن ہم لوگوں میں پھیرتے رہتے ہیں۔ رب تعالیٰ قادر مطلق ہے۔

تقویٰ کا حکم

اس نعمت کا ذکر کر کے فرمایا ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے ہر وقت، مجلس میں، تنہائی میں، رات کو، دن کو، ہر وقت اللہ تعالیٰ کا خوف تمہارے ذہنوں میں رہے۔ ﴿وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہی پر پس چاہیے کہ بھروسہ کریں ایمان والے۔ اور اسی پر اعتماد کریں۔



﴿وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ﴾ اور البتہ تحقیق لیا اللہ تعالیٰ نے ﴿مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ﴾ پختہ وعدہ بنی اسرائیل سے ﴿وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ﴾ اور مقرر کیے ہم نے ان میں سے ﴿اثنى عشر نقيبًا﴾ بارہ لیڈر ﴿وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ﴾ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں ﴿لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ﴾ البتہ اگر تم نماز قائم کرتے رہے ﴿وَاتَيْتُمُ الزَّكَاةَ﴾ اور دیتے رہے تم زکوٰۃ ﴿وَأَمَنْتُمْ بِرُسُلِي﴾ اور ایمان لاتے رہے میرے رسولوں پر ﴿وَعَرَّضْتُمُ الْقُرْآنَ﴾ اور ان کی تم تعظیم کرتے رہے ﴿وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ﴾ اور قرض دیتے رہے تم اللہ تعالیٰ کو ﴿قَرْضًا حَسَنًا﴾ قرض اچھا ﴿لَا كُفْرَانَ عَنَّا﴾ البتہ ضرور مٹا دوں گا میں تم سے ﴿سَيِّئَاتِكُمْ﴾ تمہاری خطائیں ﴿وَلَا ذُخْلَنَكُمُ﴾ اور البتہ ضرور میں داخل کروں گا تمہیں ﴿جَنَّتْ﴾ ان باغوں میں ﴿تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ بہتی ہوں گی ان کے نیچے نہریں ﴿فَمَنْ كَفَرَ﴾ پس جس نے انکار کیا ﴿بَعْدَ ذَلِكَ﴾ اس وعدے کے بعد ﴿مِنْكُمْ﴾ تم میں سے ﴿فَقَدْ ضَلَّ﴾ پس تحقیق وہ گمراہ ہو گیا ﴿سَوَاءَ السَّبِيلِ﴾ سیدھے راستے سے ﴿فَمَا نَقِضَهُمْ﴾ پس بوجہ ان کے توڑ دینے کے ﴿مِيثَاقَهُمْ﴾ اپنے وعدے کو ﴿لَعْنَتُهُمْ﴾ ہم نے ان پر لعنت کی ﴿وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً﴾ اور کر دیا ہم نے ان کے دلوں کو سخت ﴿يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ﴾ تحریف کرتے ہیں کلمات میں ﴿عَنْ مَوَاضِعِهِ﴾ ان کی جگہوں سے پھیر کر ﴿وَنَسُوا حَظًّا﴾ اور بھلا دیا انہوں نے حصہ ﴿وَمَا ذُكِّرُوا بِهِ﴾ اس میں سے جو ان کو یاد دہانی کے لیے دیا گیا تھا ﴿وَلَا تَزَالُ﴾ اور ہمیشہ رہیں گے آپ ﴿تَكَلِّمُهُمْ﴾ مطلع ہوتے ﴿عَلَّ حَايِنَةٌ مِنْهُمْ﴾ ان کی کسی نہ کسی خیانت پر ﴿إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ﴾ مگر بہت تھوڑے ان میں سے ﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ﴾ پس آپ ﷺ معاف کر دیں ان کو ﴿وَصَافِحُمْ﴾ اور درگزر کریں ﴿إِنَّ اللَّهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ محبت کرتا ہے نسیکی کرنے والوں کے ساتھ۔

رابط آیات

گزشتہ آیات میں ایمان والوں کو ایفائے عہد کی تلقین کی گئی۔ اب بنی اسرائیل سے جو عہد لیا گیا تھا اس کا ذکر ہے۔

اسرائیل کا معنی اور وجہ تسمیہ

اسرائیل عبرانی زبان کا لفظ ہے اسراء کے معنی عبد اور ایل کا معنی اللہ ہے اس طرح اسرائیل کا معنی "عبد اللہ" ہوا۔ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے۔ جن میں سے ایک حضرت یوسف علیہ السلام تھے۔ تو بنی اسرائیل سے حضرت

یعقوب علیہ السلام کی اولاد مراد ہے۔

مِثَاقِ اور وعدہ میں فرق

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ﴾ اور البتہ تحقیق لیا اللہ تعالیٰ نے ﴿مِثَاقِ بَنِي إِسْرَائِيلَ﴾ پختہ وعدہ بنی اسرائیل سے۔ ایک مطلق وعدہ ہوتا ہے اور ایک مِثَاق ہوتا ہے۔ مِثَاق کا معنی ہے پختہ وعدہ (وہ وعدہ آگے آرہا ہے)۔
 ﴿وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا﴾ اور مقرر کیے ہم نے ان میں سے ﴿اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا﴾ بارہ لیڈر۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کے مستقل بارہ خاندان بن گئے۔ ہر خاندان کا نظم و نسق چلانے کے لیے ایک لیڈر اور سربراہ تھا۔ چھوٹی موٹی باتیں وہ خود طے کر دیتا تھا اگر کوئی بڑی بات ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام کے سامنے پیش کر دیتا تھا کہ یہ ان کا معاملہ ہے اس کا فیصلہ موسیٰ علیہ السلام فرمادیتے۔ یہودی ذہین بھی ہیں اور ضدی بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے جو مِثَاق لیا تھا اس کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ساتھ ہونے کا مطلب

﴿وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ﴾ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں۔ ساتھ ہونے کا ایک معنی یہ ہے کہ میری رضا اور خوشنودی تمہارے شامل حال ہے۔ اور دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر تمہارے ساتھ ہے جو اس کی شان کے لائق ہے۔ جس طرح قرآن پاک میں آتا ہے: ﴿الَّذِينَ خَلَقُوا عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ [پارہ : ۱۶، ط : ۵] ”اللہ تعالیٰ عرش پر قائم ہوا جو اس کی شان کے لائق ہے۔“ اسی طرح قرآن پاک میں آتا ہے ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ [المدید : ۳، پارہ : ۲۷] ”تم جہاں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔“ اور اتنا قریب ہے کہ فرمایا ﴿نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ﴾ [سورۃ ق : ۱۶]۔ ”ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔“ ”ورید“ اس رگ کو کہتے ہیں جو دل سے دماغ تک جاتی ہے۔ اس کو زگ جاں بھی کہتے ہیں کہ وہ کٹ جائے تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ قریب ہے۔ مگر جو اس کی شان کے لائق ہے اس طرح قریب ہے۔ تو رب تعالیٰ کے متعلق صرف یہ اعتقاد نہیں رکھنا کہ وہ عرش پر قائم ہے بلکہ جس طرح وہ عرش پر قائم ہے اسی طرح ہر جگہ موجود ہے مگر خود نظر نہیں آتا۔ اس کی قدرت کی نشانیاں نظر آتی ہیں۔ تو فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔

اعمالِ حسنہ کا بیان

﴿لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ﴾ البتہ اگر تم نماز قائم کرتے رہے۔ نماز ایک ایسی عبادت ہے کہ جس کا حکم تمام امتوں کو تھا۔ یعنی نماز ہر امت پر فرض رہی ہے کسی پر کم کسی پر زیادہ۔ اور جن لوگوں نے نماز کو ضائع کر دیا ان کو اللہ تعالیٰ نے ناکل فرمایا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے ﴿فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ﴾ [مریم : ۵۹]۔ ”پھر ان کے بعد نالائق ان کے جانشین ہوئے۔“ ﴿أَصَاغُوا الصَّلَاةَ﴾ ”جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا۔“ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مجھے امت سے نماز سے بے پروائی کا زیادہ خطرہ

ہے۔ بعض لوگ اس امید پر نماز سے بے پروائی برتتے ہیں کہ توبہ کر لیں گے۔ اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا یہ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ میں یہ مسئلہ متعدد مرتبہ بیان کر چکا ہوں کہ تمام فقہاء اور محدثین رضی اللہ عنہم اس بات پر متفق ہیں کہ مرد یا عورت بالغ ہو جائے اور ان کے ذمہ ایک نماز یا ایک روزہ بھی ہو تو کروڑ مرتبہ توبہ کرنے سے بھی معافی نہیں ہوگی جب تک اس کو قضا نہیں کرے گا۔ تو اب اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ لیا کہ اگر تم نماز قائم کرتے رہے۔

﴿وَاتَّبِعْتُمُ الرَّاكِبِينَ﴾ اور دیتے رہے تم زکوٰۃ۔ جس طرح نماز بدنی عبادت میں سب سے اعلیٰ ہے اسی طرح زکوٰۃ مالی عبادت میں سب سے اعلیٰ ہے۔ ﴿وَأَمَّا نَسْتَبِقُوا﴾ اور ایمان لاتے رہے میرے رسولوں پر۔ لیکن یہ ایسے ظالم تھے کہ ایمان لانے کی بجائے پیغمبروں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ قرآن پاک میں تصریح ہے۔ ﴿يَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ﴾ [البقرہ: ۶۱] ”انہوں نے نبیوں کو قتل کیا۔“ ایک علاقے میں مختلف قومیں آباد تھیں جن کی طرف بھیجے گئے تینتالیس پیغمبروں کو ان ظالموں نے ایک ہی دن میں شہید کر دیا۔

﴿وَعَزَّزْنَا شِئْوَاهُمْ﴾ اور ان (پیغمبروں) کی تم تعظیم کرتے رہے۔ انہوں نے بجائے تعظیم اور توقیر کرنے کے ان کو قتل کیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کیا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کو شہید کیا۔ حضرت شعبا علیہ السلام کو شہید کیا اور بے شمار پیغمبر شہید کیے۔

اللہ تعالیٰ کو قرض دینے کا مطلب

﴿وَأَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ اور قرض دیتے رہے تم اللہ تعالیٰ کو قرض اچھا۔ اللہ تعالیٰ کو قرض دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے حکم پر غریبوں، مسکینوں، ضرورت مندوں پر خرچ کرو تو تم نے اللہ تعالیٰ کو قرض دیا اس کو قرض سے تشبیہ دے کر یہ بات سمجھائی ہے کہ جس طرح قرض کی رقم واپس ملنی ہوتی ہے اسی طرح یہ پیسہ بھی تمہیں واپس ملے گا۔ بلکہ ایک کے بدلے دس گنا ملے گا، سات سو گنا ملے گا۔ ﴿وَاللّٰهُ يُضَوِّفُ لِمَن يَّشَاءُ﴾ [البقرہ: ۲۶۱] ”اور اللہ تعالیٰ بڑھائے گا جس کے لیے چاہے گا۔“ تو اس میں تشبیہ دی گئی ہے واپسی کے اعتبار سے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ قرض وہ لیتا ہے جو غریب اور فقیر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہم سے قرض مانگ رہا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ غریب ہو گیا ہے۔

جس طرح یہودیوں نے کہا تھا ﴿إِنَّ اللّٰهَ فَتَقِيذُوْنَ وَعَنْ غَنِيَاءَ﴾ [ال عمران: ۱۸۱] ”بے شک اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم مال دار ہیں“ کہ وہ ہم سے قرض مانگتا ہے۔ حالانکہ تشبیہ کسی خاص چیز کے اندر ہوتی ہے۔ جس طرح ہم کہتے ہیں، زید شیر ہے۔ اس کا مطلب ہے زید بہادر ہے۔ تو بہادری میں تشبیہ ہے۔ یہ معنی تو نہیں ہے کہ شیر کی طرح اس کی چار ٹانگیں ہیں۔ ذم ہے، اسی طرح کے کان ہیں، گردن پر بال ہیں اور منہ سے بو آتی ہے۔ بلکہ صرف بہادری میں تشبیہ ہے۔ یا جس طرح بے وقوف آدمی کو کوئی کہے کہ گدھا ہے۔ تو گدھے کے ساتھ مشابہت حماقت میں ہوگی نہ کہ گدھے کی طرح کی چار ٹانگیں ہوں، ذم ہو، چوڑی پیٹھ ہو۔ تو معاہدہ تو یہ تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دو گے۔ لیکن ان شیطانوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہو گیا ہے کہ ہم سے قرض مانگتا ہے۔

اعمالِ حسنہ اور سیئہ کا بدلہ

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو کہا کہ اگر تم نماز قائم کرتے، زکوٰۃ دیتے، پیغمبروں پر ایمان لاتے، ان کی عزت اور توقیر کرتے، اور اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دیتے کہ صدقہ خیرات کرتے رہتے تو ﴿لَا تَكْفُرُونَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ﴾ البتہ ضرور مٹا دوں گا میں تم سے تمہاری خطائیں۔ اور کیا کروں گا ﴿وَلَاؤُكُمْ جُنَّتْ جَنَّتْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ اور البتہ ضرور میں داخل کروں گا تمہیں ان باغوں میں بہتی ہوں گی ان کے نیچے نہریں ﴿فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ﴾ پس جس نے انکار کیا اس وعدے کے بعد تم میں سے۔ یعنی نہ نمازوں کی پابندی کی، نہ زکوٰۃ کی ادائیگی کی پابندی کی، نہ پیغمبروں پر ایمان لائے اللہ ان کو شہید کیا ان کی عزت نہ کی بلکہ توہین کی، اللہ تعالیٰ کے حکم پر خرچ کرنے کی بجائے کہا کہ اللہ تعالیٰ محتاج ہو گیا ہے کہ ہم سے مانگتا ہے۔ غرضیکہ کہ کسی ایک چیز کی بھی قدر نہ کی۔

﴿فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ﴾ پس تحقیق وہ گمراہ ہو گیا سیدھے راستہ سے۔ چنانچہ بنی اسرائیل نے عہد کو توڑ دیا۔ عہد کے توڑنے کی وجہ سے ان کو جو سزا دی گئی آگے اس کا ذکر ہے۔

بیاق فکنی پر سزا

﴿فَبِمَا نَقُضْتُمْ فَبِمَا قُضْتُمْ﴾ پس بوجہ ان کے توڑ دینے اپنے وعدے کو ﴿لَعْنَتُمْ﴾ ہم نے ان پر لعنت کی۔ وہ لعنت اس طرح ہوئی کہ ﴿وَجَعَلْنا قُلُوبَهُمْ قَوْرًا وَالْعَنَّا زَيْرًا﴾ [پارہ : ۶ / رکوع ۱۳]۔ اور بنا دیے ان میں سے بندر اور خنزیر۔ "نوجوانوں کو بندر کی شکل میں تبدیل کر دیا اور بوڑھوں کو خنزیر کی شکل میں۔ تفسیروں میں مذکور ہے کہ ایک دوسرے کو پہچانتے تھے اور روتے تھے۔ مگر اب رونا اور افسوس کرنا کس کام کا :۔

اب پھٹائے کیا ہوت
جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

وہ تین دن کے بعد ختم ہو گئے ان سے آگے نسل نہیں چلی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل بنی اسرائیل کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرنا

فرمایا ﴿وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَسِيَةً﴾ اور کر دیا ہم نے ان کے دلوں کو سخت۔ اللہ کرے کسی کا دل سخت نہ ہو۔ حدیث پاک میں آتا ہے: ((إِنَّ أَبْعَدَ الْقُلُوبِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى الْقَلْبُ الْقَاسِي)) "سخت دل اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوتا ہے۔" جتنا دل سخت ہوگا اتنا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوگا۔ اور جتنا نرم ہوگا اتنا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے قریب ہوگا اس سخت دل کا نتیجہ تھا کہ آخری پیغمبر کو نشانہ بنی اور علامتوں سے پہچاننے کے باوجود ایمان نہ لائے۔

قرآن پاک میں آتا ہے ﴿يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبَاءَهُمْ﴾ ”وہ آخری پیغمبر کو بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں۔“ اور ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف نہیں لائے تھے کہ یہ لوگ آپ کے وسیلے سے دعا کرتے تھے کہ اے پروردگار! ہمیں آخری پیغمبر کے وسیلے سے فتح عطا فرما۔ ﴿فَلَمَّا جَاءَهُمْ﴾ ”پس جب وہ تشریف لے آئے“ ﴿كَفَرُوا بِهِ﴾ ”انکار کر گئے۔ یہ ان کی سخت دلی کانتیجہ تھا۔“

احکام خداوندی میں یہود کا تحریف کرنا

﴿يَحْزَنُونَ الْكَلِمَةَ عَنْ مَوَاضِعِهِ﴾ تحریف کرتے ہیں کلمات میں ان کی جگہوں سے پھیر کر۔ لفظی تحریف بھی کرتے تھے اور معنوی تحریف بھی کرتے تھے۔ نہ مطلب کو اپنی جگہ رہنے دیتے نہ لفظوں کو۔

﴿وَسَوَّأْنَا حَظًّا مِمَّا دُكِرُوا بِهِ﴾ اور بھلا دیا انھوں نے حصہ اس میں سے جو ان کو یاد دہانی کے لیے دیا گیا تھا۔ وقتاً فوقتاً پیغمبر آتے رہے۔ رب تعالیٰ کی طرف سے کتابیں اور صحیفے نازل ہوتے رہے جو ان کو احکام خداوندی یاد کراتے تھے مگر انھوں نے کسی چیز کی قدر اور پروا نہ کی۔ اور خیانتیں کرنے لگے۔

فرمایا ﴿وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ﴾ اور ہمیشہ رہیں گے آپ مطلع ہوتے ﴿عَلَىٰ خَائِنَةٍ مِّنْهُمْ﴾ ان کی کسی نہ کسی خیانت پر۔ یعنی اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہمیشہ ان کی کسی نہ کسی خیانت پر اطلاع پاتے رہیں گے۔ چنانچہ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خیبر کے علاقے میں ایک اونچے طبقے کے شادی شدہ یہودی نے نیچے طبقے کی ایک شادی شدہ عورت کے ساتھ بدکاری کی۔ کمزور طبقے کے یہودیوں نے شور مچایا، احتجاج کیا کہ ان کو سزا ملنی چاہیے کیوں کہ وہ مسئلے کو دبانا چاہتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہم کمزور لوگ ایسا کریں تو قانون حرکت میں آجاتا ہے۔ ان بڑوں کے لیے کیوں نہیں۔ پبلک تو پبلک ہوتی ہے۔ احتجاج سے مجبور ہو کر انہوں نے مشورہ کیا اور کہنے لگے کہ یہ تو تم بھی جانتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر ہیں اور ان کی شریعت ہماری شریعت سے نرم ہے۔ لہذا ان سے فیصلہ کرو لو تا کہ لوگوں کی زبانیں بند ہو جائیں۔ ان کے بڑوں نے بھیجتے وقت یہ بھی کہا کہ اگر وہ رجم کا حکم دیں تو قبول نہ کرنا اور اگر کوئی نرم سا حکم دیں تو قبول کر لینا۔ اس کا ذکر قرآن میں بھی آتا ہے کہ احکام خداوندی کو چھپا لیتے ہیں۔ فدک کے علاقہ میں یہودیوں کا سب سے بڑا عالم رہتا تھا جس کا نام تھا ابن صوریا۔ وہ بھی موجود تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلایا اور فرمایا کہ تم تورات سے زنا کا حکم بیان کرو کہ اللہ تعالیٰ نے زنا کے متعلق تمہیں کیا حکم دیا ہے۔ اس نے تورات کو پڑھنا شروع کیا۔ اول اور آخر کا حصہ پڑھا اور درمیان سے کھا گیا۔ مثلاً: اس طرح سمجھو کہ یوں پڑھا ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿﴾ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے جو پہلے یہودی تھے، پھر مسلمان ہو گئے۔ اور وہ تورات کے عالم تھے کہنے لگے: كَذَّبَ عَدُوُّ اللَّهِ - حضرت! اللہ تعالیٰ کے دشمن نے جمعوت بولا ہے۔ یہ صحیح نہیں پڑھ رہا درمیان سے کھا گیا ہے۔ پھر انھوں نے پورا حکم پڑھ کر سنایا تو وہ بڑا شرمندہ ہوا اور لوگوں میں

ذلیل ہو گیا اور خیانت بھی ظاہر ہو گئی۔ تو فرمایا کہ آپ ﷺ ہمیشہ ان کی خیانت پر مطلع ہوتے رہیں گے۔ فرمایا سارے اہل کتاب ایک جیسے نہیں ہیں۔

﴿إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ﴾ مگر بہت تھوڑے ان میں سے۔ جو منصف مزاج تھے اور بعد میں مسلمان ہو گئے۔ ﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ﴾ پس آپ ﷺ معاف کر دیں ان کو ﴿وَاصْفَحْ﴾ اور درگزر کریں ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے نیکی کرنے والوں کے ساتھ۔ نیکی کرو احسان کرو اور ان کی خیانتوں کو ظاہر کرو اور اس کے علاوہ کوئی کارروائی نہ کرو۔



﴿وَمِنَ الَّذِينَ﴾ اور ان لوگوں میں سے ﴿قَالُوا إِنَّا تَطَّارْنَا﴾ جنہوں نے کہا بے شک ہم نصاریٰ ہیں ﴿أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ﴾ ہم نے لیا ان سے پختہ عہد ﴿فَنَسُوا حَظًّا﴾ پس انہوں نے بھلا دیا حصہ ﴿وَمَا ذُكِّرُوا بِهِ﴾ اس چیز سے جس چیز کی ان کو یاد دہانی کرائی گئی تھی ﴿فَاغْرَبْنَا يُنِيبُهُمْ﴾ پس ہم نے بھڑکادی ان کے درمیان ﴿الْعَدَاوَةَ﴾ عداوت ﴿وَالْبِغْضَاءَ﴾ اور کینہ اور بغض ﴿إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ قیامت کے دن تک ﴿وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ﴾ اور عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو خبر دے گا ﴿بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ﴾ اس کارروائی کی جو وہ کرتے تھے ﴿يَا هَلْ الْكِتَابِ﴾ اے اہل کتاب ﴿قَدْ جَاءَكُمْ مَسْئَلُنَا﴾ تحقیق آپکا ہے تمہارے پاس ہمارا رسول ﴿يُبَيِّنُ لَكُمْ﴾ بیان کرتا ہے تمہارے لیے ﴿كَثِيرًا﴾ بہت سی چیزیں ﴿مِمَّا لَمْ تَكُنْتُمْ تَحْفَظُونَ﴾ وہ چیزیں جو تم چھپاتے تھے ﴿وَمِنَ الْكِتَابِ﴾ کتاب میں سے ﴿وَيَعْقُوا عَنْ كَثِيرٍ﴾ اور درگزر کرتا ہے بہت سی چیزوں سے ﴿قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ﴾ تحقیق آپکا ہے تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿نُورًا وَكِتَابٌ مُّبِينٌ﴾ نور اور کتاب روشن کرنے والی ﴿يَهْدِي بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ ہدایت دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے ﴿مَنْ اتَّبَعَ﴾ اس کو جس نے پیروی کی ﴿بِرِضْوَانِهِ﴾ اس کی رضا کی ﴿سُبُلَ السَّلَامِ﴾ سلامتی کے راستوں کی ﴿وَيُخْرِجُهُمْ﴾ اور ان کو نکالتا ہے ﴿مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾ اندھیروں سے روشنی کی طرف ﴿بِإِذْنِهِ﴾ اپنے حکم سے ﴿وَيَهْدِيهِمْ﴾ اور ان کو چلاتا ہے ﴿إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ صراطِ مستقیم پر۔

رہل آیات

اس سے پہلی آیات میں اہل کتاب میں سے یہود کے ساتھ معاہدے کا ذکر تھا کہ اگر تم نماز قائم کر دو گے، زکوٰۃ دو گے، پیغمبروں پر ایمان لاؤ گے اور ان کی عزت اور توقیر کرو گے اور اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسد دو گے تو میں تمہارے گناہ مٹا دوں گا اور ایسے

باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ مگر انہوں نے معاہدے کی پابندی نہ کی اور ملعون ہوئے۔ اب اہل کتاب میں سے نصاریٰ کا ذکر ہے۔

نصاریٰ کی وجہ تسمیہ

فرمایا ﴿وَمِنَ الَّذِينَ﴾ اور ان لوگوں میں سے ﴿قَالُوا إِنَّا نَصْرَى﴾ جنہوں نے کہا بے شک ہم نصاریٰ ہیں۔ ”نصاریٰ“ کو نصاریٰ کیوں کہا جاتا ہے اس کے متعلق مفسرین کرام رحمہم اللہ نے مختلف توجیہات بیان فرمائی ہیں ایک وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش جس محلہ میں ہوئی تھی اس کا نام تھا ناصرہ تو اس کی طرف نسبت کی وجہ سے ان کو نصاریٰ کہا جاتا ہے۔ جس طرح آج کل بھی جگہوں کی طرف نسبت ہوتی ہے جیسے چکڑ الوی، قادیانی وغیرہ۔

دوسری اور قوی وجہ یہ ہے کہ ایک موقع پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿مَنْ أَنْصَارِيَّ﴾ [آل عمران: ۵۲] ”اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے میری مدد کون کرے گا؟“ ﴿قَالَ الْعَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ﴾۔ ان کے جو مخلص ساتھی تھے انہوں نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے نبی کی مدد کریں گے۔ ”تو چونکہ انہوں نے نصرت کا وعدہ کیا تھا اس لیے ان کو نصاریٰ کہا جاتا ہے۔“

بیباق کی تفصیل اور عقیدہ تثلیث کا رد/ مسیح ابن اللہ کا رد

تو فرمایا جنہوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں ﴿أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ﴾ ہم نے لیا ان سے پختہ وعدہ۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ لیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہ لا شریک ہے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد نہیں ہے۔ اس کی شان ہے ﴿لَمْ يَكُنْ لَكُمْ يُولَدٌ﴾ ”نہ اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ اس کو کسی نے جنا ہے۔“ اور بھی کئی وعدے تھے مگر انہوں نے سارے توڑ دیئے۔ خدائی میں شریک بنایا اور کہا کہ ”اقامیم ثلاثہ“ نظام کائنات چلا رہے ہیں۔ ”اقانیم“ جمع ہے ”اقنوم“ کی اور ”اقنوم“ کہتے ہیں رکن، حصہ اور جز کو۔ یعنی خدائی کے تین ارکان ہیں۔

① اللہ تعالیٰ کی ذات۔

② حضرت عیسیٰ علیہ السلام

③ رکن بعض کے نزدیک جبرئیل علیہ السلام ہیں اور بعض کے نزدیک حضرت مریم علیہا السلام۔

ان تین ارکان کے ذریعے خدائی کا نظام چلتا ہے۔ مگر ان کی یہ عجیب منطق ہے جو ہمیں سمجھ نہیں آتی کیونکہ یہ بھی کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے ہیں اور ان کی پیدائش کو آج ۱۹۸۹ء سال ہو گئے ہیں۔ اور ان کی والدہ ماجدہ ان سے سترہ اٹھارہ سال بڑی تھیں۔ اب سوال یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ پیدا نہیں ہوئی تھیں اس وقت یہ خدائی نظام چلتا تھا یا بند تھا؟ کہ سورج طلوع ہوتا تھا، غروب ہوتا تھا، چاند چڑھتا تھا، اترتا تھا، اور یقیناً چل رہا تھا تو ان کی ولادت سے کون سی کمی آگئی

کہ اب ان کے بغیر نہیں چل سکتا اور یہ خدائی رکن بن گئے۔ کیا آسمان بنائے، چاند، سورج، ستارے پیدا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو پیدا فرمایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا۔ اب اس ذات میں کون سی کمی آگئی ہے کہ وہ ان کا محتاج ہو گیا ہے۔

پھر جب ان کو کہا جاتا ہے کہ توحید کا کیا معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک لہ ہے؟ تو کہتے ہیں کہ ”التَّوْحِيدُ فِي التَّحْلِيلِ وَ التَّحْلِيلُ فِي التَّوْحِيدِ“ ایک تین میں اور تین ایک میں۔ بڑی عجیب بات ہے کہ ایک کو تین ماننے کے بعد بھی کہتے ہیں کہ یہ توحید کے خلاف نہیں۔ اگر ان کو کہو کہ چار ایک ہوتے ہیں اور ایک کو چار کہتے ہیں یا کہو کہ پانچ ایک ہوتا ہے اور ایک پانچ ہوتا ہے تو کہتے ہیں، نہیں! اس طرح نہیں ہو سکتا۔ مگر ایک تین اور تین ایک ہو جاتا ہے۔ بڑی عجیب منطق اور گورکھ دھندا ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ لیا۔

نقضِ میثاقِ پر سزا

﴿ قَسَمُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ ﴾ پس انھوں نے بھلا دیا حصہ اس چیز سے جس چیز کی ان کو یاد دہانی کرائی گئی تھی۔ بجائے ایک کے تین کے قائل ہو گئے اور ان میں سے ایک گروہ نے کہا عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں ﴿ وَقَالَتِ الْيَهُودُ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ﴾ [التوبہ: ۳۰] اور کہا نصاریٰ نے مسیح ابن اللہ ہے۔ اور ایک گروہ کا ذکر اگلی آیات میں آ رہا ہے۔ انھوں نے کہا ”رب تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام میں داخل ہو گیا ہے“ ان سے جو معجزات ظاہر ہوتے ہیں وہ رب تعالیٰ کرتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تمہارا نظریہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لٹکا دیا گیا ہے تو یہ بتاؤ رب تعالیٰ سچ گیا یا وہ بھی عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سولی پر لٹک کر ختم ہو گیا۔ اگر رب تعالیٰ اندر سے نکل گیا تو گڈ گڈ نہ ہوا اگر گڈ گڈ ہے تو رب تعالیٰ بھی ساتھ ہی گیا۔ اندازہ لگاؤ یہ دنیا کی بڑی عقل مند قوم کہلاتی ہے جو مذہبی اعتبار سے اتنی بے وقوف ہے کہ جس کا کوئی حساب ہی نہیں ہے۔ یاد رکھنا! اللہ بلند و برتر اپنی ذات و صفات میں وحدہ لا شریک لہ ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ وہ بے پروا ہے۔ اپنی خدائی میں کسی کا محتاج نہیں ہے۔ نہ کسی انسان کا، نہ فرشتے کا، نہ جن کا، نہ کسی پیغمبر کا، نہ کسی ولی کا اس کی شان ہے۔ ﴿ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَلِدْ لَهُ كُفْوًا وَاحِدًا ﴾ ﴿ نہ اس نے کسی کو جنم نہ اس کی کوئی بیٹی، نہ بیٹا اور نہ اس کو کسی نے جنم نہ اس کا باپ نہ ماں اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے۔ ”یہ سبق ان کو بنیادی طور پر دیا گیا تھا، مگر انہوں نے بھلا دیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں پھر ہم نے یہ کیا ﴿ فَأَعْوَبْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ ﴾ پس ہم نے بھڑکادی ان کے درمیان عداوت ﴿ ذِي الْقُرْبَىٰ ﴾ اور کینہ ﴿ اِنِّیْ یُؤْمِرُ الْقِسْمَةَ ﴾ قیامت کے دن تک۔ پھر عیسائیوں کی آپس میں لڑائیاں ہوئیں اور ہوتی رہیں گی۔ صرف بین میں ان کی آپس میں سات سو جنگیں ہوئیں۔

فرمایا ﴿ وَسَوْفَ يُنَادِيهِمُ اللَّهُ ﴾ اور عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو خبر دے گا ﴿ ہننا کالوایضننوں ﴾ اس کا روائی کی جو وہ

کرتے تھے۔ ان سے حساب لیا جائے گا کہ کس دلیل سے تم نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا اور کس دلیل سے ان کو خدا کا بیٹا بنایا اور کس دلیل سے تم نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی مخالفت کی اور ذکر یا علیہ السلام اور دوسرے پیغمبروں کو قتل کیا۔ ان تمام چیزوں کا اللہ تعالیٰ ان سے حساب لے گا۔

اگلی آیت کریمہ کا مطلب اور مفہوم پوری توجہ کے ساتھ سنیں اور سمجھیں کیوں کہ کچھ لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں اور دوسروں کو بھی اس غلط فہمی میں مبتلا کرتے ہیں۔ اگر تم بات کو اچھی طرح سمجھ گئے تو خود بھی مغالطہ نہیں کھاؤ گے اور کسی کے مغالطہ میں بھی نہیں آؤ گے۔ اس آیت کریمہ کے دو حصے ہیں ایک حصہ ہے ﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ﴾ سے لے کر ﴿وَيَقْفُوا عَنْ كَثِيرٍ﴾ تک اور دوسرا حصہ ہے ﴿قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ﴾ سے لے کر ﴿نُورًا وَكِتَابٌ مُبِينٌ﴾ تک۔ پہلے حصے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے اور دوسرے حصہ میں قرآن کریم کا ذکر ہے۔

اہل کتاب اور رسول سے مراد

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ﴾ اے کتاب والو! اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے تو معنی بنے گا "اے یہود و نصاریٰ"۔

رسول کی صفت

﴿قَدْ جَاءَكُمْ نَسُوْلُنَا﴾ تحقیق آچکا ہے تمہارے پاس ہمارا رسول۔ اس رسول سے مراد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ آخری پیغمبر تمہارے پاس پہنچ چکا ہے۔ ﴿يُبَيِّنُ لَكُمْ﴾ بیان کرتا ہے تمہارے لیے ﴿كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ﴾ بہت سی چیزیں جو تم چھپاتے تھے ﴿مِنَ الْكِتَابِ﴾ کتاب میں سے۔ تورات اور انجیل میں سے جن چیزوں کی وجہ سے ان کی کمائی پر زد پڑتی تھی وہ نہیں بتاتے تھے۔ صرف وہ چیزیں بتاتے تھے جن کی وجہ سے لوگوں سے کچھ وصول ہو جاتا تھا۔ تو فرمایا، ہم نے رسول بھیجا ہے یہ ان چیزوں کو ظاہر کرتا ہے جن کو تم چھپاتے تھے کتاب سے۔

آیت کریمہ کے دو حصے

﴿وَيَقْفُوا عَنْ كَثِيْرٍ﴾ اور درگزر کرتا ہے بہت سی چیزوں سے۔ یعنی وہ چیزیں جو پہلے تمہارے عقیدہ اور دین کی تھیں اور اب نہیں ہیں ان سے درگزر کرتا ہے ان کو بیان نہیں کرتا اور جو چیزیں اب بھی عقیدے اور دین میں ضروری ہیں اور تم نے ان پر پردہ ڈالا ہوا ہے ان کو بیان کرتا ہے۔ آیت کریمہ کے اس حصے میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے اور اگلے حصے میں کتاب اللہ یعنی قرآن پاک کا ذکر ہے۔

فرمایا ﴿قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ﴾ تحقیق آچکا ہے تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿نُورًا وَكِتَابٌ مُبِينٌ﴾ نور

(یعنی روشنی) اور کتاب روشن کرنے والی۔ جو حقیقت کو بیان کرتی ہے اور روشن کرتی ہے۔ ﴿فَيَهْدِي بِوَالِدِهِ﴾ ہدایت دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے ﴿مِنَ اثْبَتِكَ بِرِضْوَانِهِ﴾ اس کو جس نے پیردی کی اس کی رضا کی، ہدایت دیتا ہے ﴿سُبُلَ السَّلَامِ﴾ سلامتی کے راستوں کی۔

تو آیت کریمہ کے اس حصہ میں قرآن پاک کا ذکر ہے۔ بعض لوگ کم فہمی کی وجہ سے مغالطے میں پڑے ہوئے ہیں اور لوگوں کو بھی مغالطہ میں ڈالتے ہیں کہتے ہیں کہ لفظ نور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہے۔ لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں بشر نہیں ہیں۔ آپ کو بشر کہنا بے ادبی اور توہین ہے۔ اس لیے اس مسئلے کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسان تھے۔ بشر تھے آدم علیہ السلام کی اولاد تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پہلا نبی بنا دیا اور آدم علیہ السلام کے انسان ہونے اور آدمی ہونے کا تو دنیا میں کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

قرآن کریم میں آتا ہے: ﴿قَالَ يَا بَلِيسُ مَا لَكَ أَلَّا تَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ﴾ ”اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔“ ﴿قَالَ لَمْ أَكُنْ لَأَسْجُدْ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِنْ صَلْصَالٍ﴾ [المجر: ۳۳-۳۴، پارہ: ۱۳] ”ابلیس نے کہا میں ایسا نہیں ہوں کہ سجدہ کروں انسان کو جس کو پیدا کیا تو نے بننے والے متغیر سڑے ہوئے گارے سے۔“ اور سورہ اعراف میں ہے ﴿قَالَ مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ﴾ ”فرمایا اللہ تعالیٰ نے تو نے سجدہ نہ کیا جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا۔“ ﴿قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ﴾ ”تو شیطان نے کہا میں بہتر ہوں اس سے پیدا کیا تو نے مجھ کو آگ سے اور پیدا کیا تو نے اس کو مٹی سے۔“ ان آیتوں سے معلوم ہو گیا کہ آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے۔ نور سے نہیں پیدا کیے گئے اور تمام پیغمبر بمع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ انسان ہیں، آدمی ہیں اور آدمی کو آدمی بھی اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ آدم علیہ السلام کی اولاد ہے۔ تو سارے پیغمبر انسان تھے، بشر تھے، آدمی تھے، اللہ تعالیٰ کی مخلوق تھے۔ البتہ درجے اللہ تعالیٰ نے الگ الگ عطا فرمائے۔

سب سے بلند درجہ اور مقام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پھر درجہ بدرجہ سب کا مقام ہے۔ اور ہیں سارے انسان اور بشر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے پر قرآن شاہد ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہا ہے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بشر کہا ہے۔

چنانچہ پندرہواں پارہ سورہ بنی اسرائیل میں آتا ہے۔ کافروں نے مطالبہ کیا ﴿وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ بِكَ حَتَّىٰ تُفْعَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْثَلِ يَبْتُوعًا﴾ ”اور کہا کافروں نے ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر یہاں تک کہ آپ جاری کر دیں ہمارے لیے زمین سے چشمہ۔“ ﴿أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّجْمٍ مِّنْ سَمَاءٍ﴾ ”یا ہو آپ کے لیے باغ کھجوروں اور انگوروں کا۔“ ﴿فَتَقَدَّرَ إِلَيْهَا خَلْقَهَا تَجْدِيدًا﴾ پس چلائیں آپ نہروں کو ان کے درمیان چلانا۔ ﴿أَوْ تُسْقَطَ السَّمَاءُ﴾ ”یا گر ادیں آسمان“ ﴿كَمَا زَعَمْتُمْ عَلَيْنَا﴾ ”جیسا کہ آپ گمان کرتے ہیں ہم پر“ ﴿كَمَا﴾ ”کوئی ٹکڑا“ ﴿أَوْ تَأْتِي بِاللَّهِ وَالْحِكْمَةِ قَبِيلًا﴾ ”یا لائیں آپ اللہ تعالیٰ اور

فرشتوں کو سامنے۔ ﴿أَوَيَتُونَ لَكَ بَيْتٌ﴾ یا ہو آپ کے لیے گھر ﴿مِن رُّحُوفِ﴾ سنہری ﴿أَوْ تَرْتُّبِي فِي السَّمَاءِ﴾ یا چڑھ جائیں آپ آسمان پر ﴿وَلَنْ نُؤْمِنَ بِوَعْدِكَ﴾ اور ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے آپ کے اوپر چڑھنے سے ﴿حَتَّىٰ تُنزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا﴾ حتیٰ کہ آپ اتاریں ہمارے اوپر ایک کتاب ﴿لَقَدْ وُكِّدَتْ﴾ جس کو ہم پڑھیں۔ ”یہ ان کے مطالبات تھے۔

ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ﴾ ”اے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ ان کو کہہ دیں میرے رب کی ذات پاک ہے ہر عیب سے، کمزوری سے، وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ ﴿هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلُكُمْ﴾ نہیں ہوں میں مگر بشر، رسول ہوں، خدا نہیں ہوں، لہذا میں تمہارے مطالبات پورے کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ کیوں کہ یہ تو خدائی اختیارات ہیں۔ میں نے خدا ہونے کا کب دعویٰ کیا ہے۔

مسئلہ نور و بشر کی حقیقت

دیکھو! کتنے صاف الفاظ میں قرآن پاک میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بشریت کا ذکر ہے اور سورۃ کہف کی آخری آیت کریمہ میں فرمایا: ﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ ”بے شک میں بشر ہوں تمہارے جیسا۔“ اور کئی مقامات پر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بشریت کی تصریح ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بشر ہیں اور بخاری اور مسلم شریف میں حدیث ہے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کہ میں تمہاری طرح کا بشر ہوں۔ اور ابو داؤد وغیرہ حدیث کی کتابوں میں روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بہت تیز لکھنے والوں میں سے تھے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان مبارک سے جو لفظ نکلتا تھا فوراً لکھ لیتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو کہا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بَشَرٌ يَتَكَلَّمُ فِي الْغَضَبِ وَالزُّهْمِ ”آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) بشر ہیں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کبھی غصے اور خوشی میں بات کرتے ہیں لہذا ہر بات نہ لکھا کرو صرف مسائل لکھا کرو۔“ انہوں نے یہ بات آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بتائی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: اُكْتُبُ ”لکھا کرو۔“ میری زبان سے جو کچھ نکلے گا اور جس وقت نکلے گا حق ہی نکلے گا۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بشر ہی کہہ رہے ہیں۔

أم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی باہر کی زندگی مسجد کی، جہاد کی تو ہمارے سامنے ہے یہ بتاؤ کہ جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) گھر تشریف لے جاتے ہیں اس وقت کیا کرتے ہیں؟ أم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ((كَانَ بَشَرًا مِّثْلَ الْبَشَرِ)) (ترمذی) ”آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بشر تھے،“ کپڑے صاف کر لیتے تھے۔ اپنی بکری کا دودھ نکال لیتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) گھر کے سارے کام کر لیتے تھے۔ تو قرآن و حدیث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور أم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی ثابت ہو گیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بشر تھے، انسان تھے۔ اور تمام فقہ کی کتابوں میں تحریر ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بشر تھے، انسان تھے۔

فقہ کی کتابوں میں بڑی اہم کتاب ہے فتاویٰ عالمگیری، اور انگریز عالمگیر رضی اللہ عنہ نے پانچ سو جدید علمائے کرام کی کمیٹی

مائی تھی انھوں نے فتاویٰ عالمگیری مرتب کیا تھا۔ وہ تقویٰ، طہارت اور علم میں اتنے بلند تھے کہ اس وقت دنیا میں ان کی ایک بھی نظیر موجود نہیں ہے۔ اس میں یہ مسئلہ بھی موجود ہے کہ اگر کسی شخص سے یہ سوال کیا جائے کہ یہ بتاؤ آنحضرت ﷺ کون سی جنس سے تھے؟ عربی تھے، عجمی تھے، انسان تھے، فرشتہ تھے اور اس نے جواب میں کہا لَا أُخْرِجُ مِنْ نَحْوِیْ جَانَا کہ آپ ﷺ انسان تھے یا فرشتہ تھے یا جن تھے، عربی تھے یا عجمی تھے تو ایسا شخص کافر ہے کیوں کہ اس بات کا معلوم ہونا کہ آپ ﷺ بشر تھے اور عربی تھے فرض عین ہے۔ یہ کیوں کہتا ہے کہ ”میں نہیں جانتا۔“

لہذا یہ قطعی مسئلہ ہے کہ آپ ﷺ انسان تھے بشر تھے اور آپ ﷺ کی بشریت کا جو منکر ہے وہ کافر ہے۔ اور جو لوگ مغالطہ دیتے ہیں وہ اس لفظ نور سے مغالطہ دیتے ہیں جو آیت کریمہ ﴿قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ﴾ ”تحقیق آچکا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور کتاب روشن کرنے والی۔“ وہ کہتے ہیں کہ نور سے مراد آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نور سے مراد بھی قرآن کریم ہے اور قرآن کریم میں متعدد مقامات پر نور اسی معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی نور سے مراد قرآن کریم ہے۔ چنانچہ سورۃ نساء کے آخر میں ہے: ﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا﴾ ”اور ہم نے تمہاری طرف نور زمین یعنی قرآن کریم نازل فرمایا ہے۔“

اور سورہ اعراف میں آتا ہے: ﴿وَاتَّبِعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ﴾ [آیت: ۱۵۷] ”اور انہوں نے اس نور یعنی قرآن کریم کی پیروی کی جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا۔“

اور سورت شوریٰ میں ہے ﴿مَا كُنْتُمْ تَدْرِيْنَ مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيْمَانُ﴾ ”اور آپ نہیں جانتے تھے کتاب کیا ہے؟ اور ایمان (کی تفصیل) کیا ہے؟“ ﴿وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا﴾ اور لیکن ہم نے اس کتاب کو نور بنایا ہے ﴿لِنَهْدِيْكُمْ بِهِ﴾ اس کے ذریعہ ہم راہ دکھاتے ہیں اپنے بندوں میں سے جنہیں ہم چاہتے ہیں۔“

اور سورت تعابن میں ہے ﴿قَامُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أُنزِلْنَا﴾ ”بس ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا۔“ ان تمام مقامات میں ”نور“ قرآن کریم کو کہا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ذکر تو آیت کریمہ کے پہلے حصہ میں ہو گیا ہے۔ لہذا اس دوسرے حصے میں کتاب کا ذکر ہے۔

﴿قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ﴾ تحقیق آچکا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور کتاب روشن کرنے والی۔ اور ملف تفسیری ہے یعنی کتاب مبین نور کی تفسیر ہے۔ نور اور کتاب مبین ایک شے ہے۔ اور اس پر قرینہ بھی موجود ہے کہ فرمایا ﴿لِنَهْدِيْكُمْ بِهِ﴾ ہدایت دیتا ہے اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کہ ہو کی ضمیر واحد ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہدایت دینے والی ایک چیز کا ذکر ہے۔ اور وہ ہے قرآن کریم جو نور بھی ہے اور روشن کرنے والی کتاب بھی۔

پھر بعض لوگ ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا سایہ نہیں تھا۔ یاد رکھنا وہ روایت جعلی ہے اس میں ایک راوی ہے عبدالرحمن بن قیس زعفرانی یہ رافضی خبیث تھا۔ جعلی روایتیں بناتا تھا۔ متعدد صحیح روایات سے ثابت ہے کہ

آپ ﷺ کا سایہ تھا اس پر میں نے خاصی بحث کی ہے اپنی کتاب ”تفقید متین“ میں اور مسند احمد اور مستدرک حاکم سے بہت سی روایات نقل کی ہیں کہ آپ ﷺ کا باقاعدہ سایہ تھا لہذا کسی کے دھوکے میں نہ آنا آپ کی ذات کو نور ماننا بالکل قرآن پاک کا انکار ہے۔

ہاں! صفت آپ کی نور ہے یعنی آپ ﷺ نور ہدایت ہیں۔ اس کے ہم بھی قائل ہیں۔ مگر اس سے آپ ﷺ کی بشریت کا انکار کرنا قرآن پاک کا انکار کرنا ہے۔ حدیث پاک کا انکار کرنا ہے جو قائل کفر ہے اور ابھی آپ نے حوالہ سنا ہے کہ انکار تو درکنار اگر یہ کہے کہ مجھے معلوم نہیں ہے کہ آپ ﷺ بشر تھے، فرشتے تھے یا جن تھے، عربی تھے یا عجمی تھے تو وہ کافر ہے۔ فرمایا ﴿يَهْدِي بِي هُوَ اللَّهُ﴾ ہدایت دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے ﴿مَنْ اتَّبَعْتُمْ بِرِضْوَانِهِ﴾ اس کو جس نے پیروی کی اس کی رضا کی ﴿سُبُلَ السَّلَامِ﴾ سلامتی کے راستوں کی۔

قرآن کے ذریعے ہدایت کا ملنا ﴿﴾

﴿وَيُخْرِجُهُمْ﴾ اور ان کو نکالتا ہے ﴿فَمِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾ اندھیروں سے روشنی کی طرف ﴿يَا ذُنُوبَ﴾ اپنے حکم سے ﴿وَيَهْدِيهِمْ﴾ اور ان کو چلاتا ہے ﴿إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ سیدھے راستے پر۔ اللہ تعالیٰ سب کو سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

[آمین یا اللہ العالمین]



﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ﴾ البتہ تحقیق کافر ہیں وہ لوگ ﴿قَالُوا﴾ جنہوں نے کہا ﴿إِنَّ اللَّهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ وہی سچ ابن مریم ہے ﴿قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ﴾ آپ (ﷺ) کہہ دیجیے پس کون مالک ہے ﴿مِنَ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے سامنے ﴿شَيْئًا﴾ کسی چیز کا ﴿إِنْ أَرَادَ﴾ اگر ارادہ کرے اللہ تعالیٰ ﴿أَنْ يُهْلِكَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ یہ کہ وہ ہلاک کرے سچ ابن مریم کو ﴿وَأُمَّةً﴾ اور ان کی والدہ کو ﴿وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾ اور جو زمین میں ہیں سب کے سب کو ﴿وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کا ملک ﴿وَمَا يَتَّبِعُهُمَا﴾ اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ﴿يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ﴾ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے ﴿وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ﴾ اور کہا یہودیوں نے ﴿وَالنَّصَارَى﴾ اور عیسائیوں نے ﴿نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ﴾ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں ﴿وَأَحِبَّاؤُهُ﴾ اور اس کے محبوب ہیں ﴿قُلْ لِمَ يَعَذِّبُكُمْ﴾ آپ (ﷺ) کہہ دیجئے پس تمہیں کیوں سزا دیتا ہے ﴿بِمَا تَعْبُدُونَ﴾ تمہارے گناہوں کی وجہ سے

﴿بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ﴾ بلکہ تم بشر ہو ﴿وَمَنْ خَلَقَ﴾ اس مخلوق میں سے جو رب تعالیٰ نے پیدا فرمائی ﴿يَفْعَلُ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ جسے گا جس کو چاہے گا ﴿وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ﴾ اور سزا دے گا جس کو چاہے گا ﴿وَاللَّهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِينَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا ﴿وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ﴿وَإِلَيْهِ النُّصُوبُ﴾ اور اسی کی طرف ہے لوٹ کر جانا ﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ﴾ اے اہل کتاب! ﴿قَدْ جَاءَكُمْ﴾ تحقیق آ گیا ہے تمہارے پاس ﴿رَسُولُنَا﴾ ہمارا رسول ﴿يُبَيِّنُ لَكُمْ﴾ بیان کرتا ہے تمہارے سامنے ﴿عَلَىٰ قُرْآنٍ مِّنَ الرُّسُلِ﴾ رسولوں کے وقفے کے بعد ﴿أَنْ تَقُولُوا﴾ تاکہ تم نہ کہو ﴿مَا جَاءَنَا مِن بَشِيرٍ﴾ نہیں آیا ہمارے پاس کوئی خوش خبری سنانے والا ﴿وَلَا نَذِيرٍ﴾ اور نہ رب تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے والا ﴿فَقَدْ جَاءَكُمْ﴾ تحقیق آ گیا ہے تمہارے پاس ﴿بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ﴾ خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا ﴿وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

گزشتہ درس میں بیان ہوا تھا کہ عیسائیوں کے مشہور تین فرقے تھے:

- ①..... ایک کا دعویٰ تھا (اور ہے) کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ ان کا ذکر سورۃ توبہ آیت نمبر ۳۰ میں موجود ہے ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ النَّصَارَىٰ الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ﴾ اور کہا نصاریٰ نے مسیح اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔
- ②..... دوسرا فرقہ تثلیث کا قائل تھا جس کے متعلق آپ نے اسی پارے میں پڑھا ہے۔

عیسائیوں کے تیسرے گروہ کا نظریہ اور رد

③..... تیسرے فرقے کا نام یعقوبیہ تھا۔ ان کا نظریہ تھا کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام میں حلول کر گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام آپس میں گڈنڈ ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کو الگ مانتے تھے اور عیسیٰ علیہ السلام کی ذات کو الگ مانتے تھے کہ یہ الگ شخصیتیں ہیں مگر عیسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ کی اتنی عبادت کی کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام میں داخل ہو گئے اور عیسیٰ علیہ السلام سے جتنے معجزے ظاہر ہوئے تھے دراصل وہ اللہ تعالیٰ ہی کرتا تھا جو عیسیٰ علیہ السلام میں داخل تھا۔

اور اس کی مثال اس طرح دیتے تھے کہ دیکھو آگ جنس ہے اور لوہا الگ جنس ہے مگر جب لوہے کو آگ میں رکھتے ہیں تو آگ کی تاثیر اس میں آجاتی ہے اور وہ آگ کی طرح جلاتا ہے ان آیات میں اس فرقہ کا ذکر ہے۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے ان پر کفر کا فتویٰ لگایا پھر ان کا عقیدہ بیان فرمایا۔

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ﴾ البتہ تحقیق کافر ہیں وہ لوگ ﴿قَالُوا﴾ جنہوں نے کہا ﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ، وہی مسیح ابن مریم ہے۔ اور یہ نظریہ بھی رکھتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لٹکا دیا گیا (معاذ اللہ تعالیٰ) بھائی! جس میں

خدائی طاقت ہو، خدا اس میں حلول کیے ہوئے ہو وہ سولی پر کس طرح لٹک سکتا ہے؟ کیا جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لٹکایا گیا خدا اندر ہی رہا یا نکل گیا تھا؟ کیا گورکھ دھندا ہے۔

اور چاروں اناجیل یعنی متی، مرقس، لوقا اور یوحنا میں یہ روایت بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب سولی پر لٹکایا گیا تو فرماتے تھے: **إِنِّي إِنِّي لِمَا سَبَقْتَنِي** "اے میرے رب، اے میرے رب مجھے یہاں کیوں پھنسا دیا ہے۔" پھر کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام ہمارے بچے ہیں۔ بھائی وہ خود تو سولی پر لٹک گئے تمہارے لیے منجی کس طرح بن گئے؟ وہ اپنے آپ کو نجات نہ دے سکے تمہارے نجات دہندہ کس طرح بن گئے؟ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام ہمارے گناہوں کا کفارہ ہیں۔ او بے ایمانوا! گناہ تم کرو اور کفارہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیوں؟ مثلاً تم گناہ کرو دو ہزار سال بعد اور وہ کفارے کے لیے پہلے ہی سولی پر چڑھ جائیں۔ یہ کون سی منطق ہے؟

کثرت عبادت سے اللہ کی حفاظت میں آنا

تو خیر! اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں اللہ وہی مسیح بیٹا مریم کا ہے۔ رب، رب ہے اور عیسیٰ علیہ السلام پیغمبر ہیں۔ بے شک انہوں نے بہت عبادت کی ہے مگر وہ کثرت عبادت سے نہ رب بن گئے ہیں اور نہ رب ان میں داخل ہو گیا ہے۔ البتہ جو شخص کثرت سے عبادت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام میں فرق

چنانچہ بخاری شریف میں روایت آتی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "جو شخص کثرت سے میری عبادت کرتا ہے میں اس کے کان بن جاتا ہوں وہ میرے کانوں سے سنتا ہے میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں، میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں میں اس کی زبان بن جاتا ہوں"۔ محدثین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اس کے کانوں کی حفاظت کرتا ہوں اس کے کانوں کا نگران ہو جاتا ہوں، اس کے ہاتھوں کا نگران ہو جاتا ہوں، اس کے پاؤں کا نگران ہو جاتا ہوں، اس کی زبان کی حفاظت کرتا ہوں یعنی وہ سنے گا جس پر رب راضی ہوگا، وہ کرے گا جس پر رب راضی ہوگا، بات وہ کرے گا جس پر رب راضی ہوگا، ہاتھ سے وہ چیز پکڑے گا جس پر رب راضی ہوگا، پاؤں ادھر جائیں گے جدھر جانے پر رب راضی ہوگا۔ اس حدیث کا وہ مطلب نہیں ہے جو بعض کم فہم لوگوں نے سمجھا ہے کہ کثرت عبادت کرنے سے اللہ تعالیٰ ولی کے اندر حلول کر جاتا ہے، یہی نظریہ عیسائیوں کے ایک فرقے کا تھا جن کو رب تعالیٰ نے کافر کہا ہے۔

تخلیق میں خود مختار

آگے رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ لَمَنْ يَمْلِكُ﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجیے پس کون مالک ہے ﴿مِنَ اللَّهِ شَيْئًا﴾

اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی چیز کا ﴿إِنْ أَرَادَ﴾ اگر ارادہ کرے اللہ تعالیٰ ﴿أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ﴾ یہ کہ وہ ہلاک کرے مسیح ابن مریم ﷺ کو ﴿وَأُمَّةً﴾ اور ان کی والدہ کو۔ تو یہ بتاؤ کیا اللہ تعالیٰ بھی ساتھ ہی ختم ہو جائے گا؟ کیوں کہ تمہارا نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ ﷺ میں گنڈ ہے۔ رب تعالیٰ تو قادرِ مطلق ہے۔ ساری دنیا کو فنا کر سکتا ہے اور عیسیٰ ﷺ یأتی عَلَیْهِ الْفِتَاءُ ” ان پر موت آئے گی ” کیا ان کے ساتھ رب بھی فوت ہو جائے گا؟ سوچو تو سہی کیا کہہ رہے ہو؟ اور ان کی والدہ وفات پا چکی ہیں۔ اب نظام کائنات کس طرح چل رہا ہے؟

﴿وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾ اور جو زمین میں ہیں سب کے سب کو ہلاک کرے۔ کون سامنے آسکتا ہے۔ ﴿وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمینوں کا ملک ﴿وَمَا يَتَّبِعُهُمَا﴾ اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے۔ وہی خالق ہے، وہی مالک ہے، وہی رازق ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

یہود و نصاریٰ کی حقیقت

﴿يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ﴾ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے آدم ﷺ کو ماں باپ کے بغیر پیدا فرمایا۔ حواء علیہا السلام کو ماں کے بغیر پیدا فرمایا۔ حضرت عیسیٰ ﷺ کو باپ کے بغیر پیدا فرمایا۔ اور عام کائنات کو ماں باپ کے ذریعہ پیدا کرتا ہے۔ ﴿وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ آگے ان کے غلو اور زیادتی کا بیان ہے۔

یہود و نصاریٰ کے قول کی تردید

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى﴾ اور کہا یہودیوں اور عیسائیوں نے ﴿نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ﴾ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور اس کے محبوب ہیں۔ تم اللہ تعالیٰ کے بیٹے کس طرح بن گئے وہ تو ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ﴾ ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ اس کو کسی نے جنا ہے۔ اور اس کے محبوب کس طرح بن گئے؟ حالانکہ تم نے اس کے عظیم پیغمبر موسیٰ ﷺ پر بدکاری کا الزام لگایا اور حضرت مریم ﷺ پر بہتان عظیم باندھا اور کیا کیا خرافات اللہ تعالیٰ کے ذمہ لگائیں۔ عزیز ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہا۔

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ﴾ [توبہ: ۳۰] کہ عزیز ﷺ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ اور نصاریٰ کا عقیدہ ابھی آپ نے پڑھا کہ ”سبح اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو قتل کیا“ اس کے باوجود کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ یَسْبُغِي ابْنُ آدَمَ وَ لَمْ يَكُنْ لَهٗ ذَلِكْ ” آدم کا بیٹا مجھے گالیاں دیتا ہے حالانکہ اس کو گالیاں دینے کا حق نہیں تھا۔“ گالیاں کس طرح دیتا ہے؟ فرمایا يَذْعُو ابْنِي وَ لَدَا ”میری طرف اولاد کی نسبت کرتا ہے۔“ جس طرح ہمارے لیے یہ گالی ہے کہ کسی کا ثابت النسب بیٹا ہو اس کو کہا جائے کہ یہ تیرا بیٹا نہیں ہے اور کہنے والے کو از روئے قرآن اَمْحِ [۸۰] کوڑے بھی لگیں گے اور اس کی گواہی بھی قبول نہیں ہوگی اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرنا اللہ تعالیٰ کو گالی دینا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور محبوب ہو تو پس تمہیں کیوں سزا دیتا ہے ﴿يَذُنُّكُمْ﴾ تمہارے گناہوں کی وجہ سے۔ تمہیں رب تعالیٰ نے بندر، خنزیر کیوں بنایا؟ تم پر طاعون کیوں نازل ہوا؟ اور طرح طرح کے عذاب کیوں نازل ہوئے؟ لہذا تم غلط کہتے ہو کہ تم خدا کے بیٹے ہو اور محبوب ہو۔ ﴿بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ﴾ بلکہ تم بشر ہو ﴿وَمَنْ خَلَقَ﴾ اس مخلوق میں سے جو رب تعالیٰ نے پیدا فرمائی ﴿يَعْفُو لِمَنْ يَشَاءُ﴾ بخشے گا جس کو چاہے گا ﴿وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ﴾ اور سزا دے گا جس کو چاہے گا۔ جو رب تعالیٰ پر ایمان لائے گا اس کے پیغمبروں کو مانے گا اس کے احکام کو تسلیم کرے گا اس کو بخشے گا اور جو رب تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرے گا اس کے ساتھ شریک ٹھہرائے گا، اس کے پیغمبروں کو قتل کرے گا اور اس کے حکموں کی نافرمانی کرے گا اس کو سزا دے گا۔

﴿وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے ملک آسمانوں اور زمین کا ﴿وَمَا يَشَاءُ﴾ اور جو چاہے ان دونوں کے درمیان ہے۔ زمین، آسمان کے درمیان جو فضا ہے اس میں بے شمار مخلوق رہتی ہے سب کا مالک رب تعالیٰ ہی ہے۔ یاد رکھنا! ﴿وَالْيَهُودُ يَسْتَفْخِرُونَ﴾ اور اس کی طرف ہے لوٹ کر جانا۔ اے اہل کتاب! تحقیق آگیا ہے تمہارے پاس۔ آگے رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ﴾ اے اہل کتاب! (یہودیوں اور عیسائیوں) ﴿قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا﴾ تحقیق آگیا ہے تمہارے پاس ہمارا رسول۔ تمام پیغمبروں کا سردار، امام، خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

زمانہ فترت کی تشریح

﴿يَبَيِّنُ لَكُمْ﴾ بیان کرتا ہے تمہارے سامنے ﴿عَلَّ قَسْرَةَ قِنَ الرُّسُلِ﴾ رسولوں کے وقفے کے بعد۔ فترت کہتے ہیں اس زمانے کو جو ایک رسول کے جانے اور دوسرے نبی کے آنے کے درمیان ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد پانچ سو اکتھتر [۵۷۱] سال گزر چکے تھے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ تو یہ جو درمیان کا زمانہ ہے یہ فترت کا زمانہ ہے۔ تو فرمایا ہمارا پیغمبر رسولوں کے وقفے کے بعد تمہارے پاس آگیا ہم نے اپنا پیغمبر کیوں بھیجا ہے؟

اتمام حجت

﴿أَنْ تَقُولُوا﴾ تاکہ تم نہ کہو ﴿مَا جَاءَنَا مِنْ بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ﴾ نہیں آیا ہمارے پاس کوئی خوش خبری دینے والا اور نہ ڈرانے والا۔ اے اہل کتاب! یاد رکھو ﴿فَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ﴾ تحقیق آگیا ہے تمہارے پاس خوش خبری دینے والا اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے والا۔ لہذا اتمام حجت ہو چکا ہے۔ اور اہل کتاب جانتے تھے خصوصاً یہودی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر ہیں۔ قرآن پاک میں آتا ہے ﴿يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبْنَاءَهُمْ﴾ [البقرہ: ۱۷۶] ”یہ اس پیغمبر کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو جانتے ہیں۔“

تورات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ؟

چنانچہ جب آپس میں باتیں کرتے تھے تو کہتے تھے کہ یہ وہی پیغمبر ہے جس نے آنا تھا مگر ضد کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔ روایات اور سیرت کی کتابوں میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے اس وقت حضرت عبداللہ بن سلام نبی شیخ جو پہلے یہودی تھے کھجور کے درخت پر چڑھے ہوئے کھجوریں اتار رہے تھے اور ان کی پھوپھی نیچے بیٹھی ہوئی تھی۔ عین دوپہر کا وقت تھا ان کو ذوالخلفہ کے میدان میں سفید کپڑوں والے آتے ہوئے نظر آئے تو پھوپھی کو کہنے لگے وہ آگئے ہیں جن کا آپ ذکر کیا کرتی تھیں۔ کیونکہ یہ خود بھی اور ان کی پھوپھی بھی تورات کی بڑی عالمہ تھیں۔ اور وہ ان کو بتایا کرتی تھی کہ ایک پیغمبر نے مکہ مکرمہ میں مبعوث ہونا ہے اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ آنا ہے۔ جب وہ تشریف لائیں گے تو دوپہر کا وقت ہوگا اور ان کے اور ان کے ساتھیوں کے کپڑے سفید ہوں گے۔ تو جب حضرت عبداللہ بن سلام نبی شیخ نے بتایا تو کہنے لگیں۔ بھتیجے وہی تشریف لارہے ہیں مگر بلند آواز سے نہ کہو کہیں کوئی سن نہ لے تو ضد کا تو کوئی علاج نہیں ہے یہ سارا واقعہ سیرۃ ابن ہشام وغیرہ میں موجود ہے۔

اسلام سے خائف باطل تو تیں ؟

﴿ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ اسلام کو پھیلانے گا ﴿ وَاللَّهُ مُتِمِّمُ نُورِهِا وَتُوكِرِةِ الْكُفْرِؤُنِ ﴾ [الف: ۸] اور اللہ تعالیٰ ضرور مکمل کرے گا اپنے نور کو اگرچہ کافر مشرک اس کو ناپسند کریں۔ کافر تو ہمیشہ اسلام سے خائف رہے ہیں اور کوشش کرتے رہے ہیں کہ یہ نہ پھیلے بلکہ اس کو ختم کر دیا جائے اور اس وقت بھی جتنی باطل تو تیں ہیں امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی یہ سب اسلام سے خائف ہیں۔ خصوصاً جہاد سے تو ان کی جان جاتی ہے۔ یہ جو ٹھی بھرنو جوان اپنی ہتھیلیوں پر جانیں رکھ کر نکلے ہوئے ہیں ان کو تم معمولی نہ سمجھو یہ ان کے لیے موت کا پیغام ہیں.....!!



﴿ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لَأَنبِيَآءِہٖ وَسَلَّمَ إِنِّي لَأَخِيفُكُمْ بِمَا تُعْبَدُونَ ﴾ اور جب فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿ لِقَوْمِہٖ ﴾ اپنی قوم کو ﴿ لِقَوْمِہٖ ﴾ اے میری قوم! ﴿ اذْکُرُوا نِعْمَةَ اللّٰہِ ﴾ یاد کرو تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ﴿ عَلَیْکُمْ ﴾ جو تم پر ہوئیں ﴿ اذْجَعَلَ فِیْکُمْ اَنْبِیَآءَہٗ ﴾ جب بنائے اس نے تمہارے اندر پیغمبر ﴿ وَجَعَلَ لَکُمْ مِّنْہٗمُ کُتُبًا ﴾ اور بنایا اس نے تمہیں بادشاہ ﴿ وَآتٰہُمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیں ﴿ مَاہٗ ﴾ وہ نعمتیں ﴿ لَمْ یُؤْتِ اَحَدًاہٗ ﴾ جو نہ دیں کسی ایک کو ﴿ قُرْءَانَ الْعَلٰیٰنِ ﴾ جہان والوں میں سے ﴿ لِقَوْمِہٖ ﴾ اے میری قوم! ﴿ اذْخَلُوا الْاَمْرَاضَ الْمُقَدَّسَہٗ ﴾ داخل ہو جاؤ پاکیزہ زمین میں ﴿ الَّتِیْ ﴾ وہ زمین ﴿ کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمْ ﴾ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے ﴿ وَ لَا تَزِنُوْا ﴾ اور نہ پھرتو ﴿ عَلٰی اَدْبَارِکُمْ ﴾ اپنی پیٹھ دکھا کر ﴿ فَتَنَقَّلِبُوْا ﴾

﴿خَیْرَیْنِ﴾ پس لوٹو گے تم نقصان اٹھاتے ہوئے ﴿قَالُوا لَیْسَ بِیْنَکُمْ وَبَیْنَکُمْ﴾ کہنے لگے اے موسیٰ! ﴿اِنَّ فِیْہَا قَوْمًا﴾ بے شک ارض مقدسہ میں ایک قوم ہے ﴿جَبَّارِیْنَ﴾ بڑی زبردست ﴿وَ اِنَّ لَکُمْ نَدَّ خُلَکَآءَ﴾ اور ہم ہرگز نہیں داخل ہوں گے اس پاکیزہ زمین میں ﴿حَتّٰی یَخْرُجُوْا مِنْہَا﴾ یہاں تک کہ وہ خود بخود وہاں سے نکل جائیں ﴿فَاِنْ یَخْرُجُوْا مِنْہَا﴾ پس اگر وہ نکل گئے اس سے ﴿فَاِنَّ اَدْخُلُوْنَ﴾ تو ہم اس میں داخل ہوں گے۔

بنی اسرائیل کا تعارف

دنیا کی مشہور قوموں میں سے ایک قوم بنی اسرائیل بھی تھی۔ یہ بڑی ذہین قوم تھی ان میں نیک بھی تھے، بد بھی تھے، اس قوم میں بڑے پیغمبر ہوئے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پڑپوتے کے بیٹے تھے۔ موسیٰ بن عمران بن قاہٹ بن لاوی بن یعقوب اور ہارون علیہ السلام کو بھی نبی بنا یا یہ موسیٰ علیہ السلام سے عمر میں تین سال بڑے تھے۔ مگر درجے اور مرتبے میں چھوٹے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو توراہ عطا فرمائی۔ یہ بڑی جامع مانع کتاب تھی۔ تمام آسمانی کتابوں میں قرآن کریم کے بعد اس کا بلند مقام ہے۔ ان آیات میں اس قوم کا اور ان کے پیغمبر کا ذکر ہے۔

انعامات کا تذکرہ

فرمایا ﴿وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی﴾ اور جب فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو ﴿لَقَوْمِہٖ﴾ اپنی قوم کو ﴿لَقَوْمِہٖ﴾ اے میری قوم! ﴿اِذْ کُوْنُوْا نِعْمَۃً لِّلّٰہِ﴾ اے میری قوم یاد کرو تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ﴿عَلٰیکُمْ﴾ جو تم پر ہوئیں۔ نعمتوں کو یاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا شکر ادا کرو ان کی قدر کرو۔ آگے ان نعمتوں کا ذکر ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی بعثت

﴿اِذْ جَعَلْنَا مِنْکُمْ اَنْبِیَآءَ﴾ جب بنائے اللہ تعالیٰ نے تمہارے اندر پیغمبر۔ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک چار ہزار پیغمبر بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے ہیں۔ حالانکہ ایک پیغمبر کسی قوم میں آجائے تو اس قوم کا سر آسمان کے ساتھ جا لگتا ہے چہ جائیکہ چار ہزار پیغمبر مبعوث ہوئے ہوں۔ مگر قرآن پاک کے بیان کے مطابق ان ظالموں نے ان کی قدر نہ کی بلکہ ﴿و یَقْتُلُوْنَ الْمُرْسَلِیْنَ یَغْنُوْا حَتّٰی﴾ [آل عمران: ۲۱] اور انہوں نے پیغمبروں کو ناحق قتل کیا، نافرمانی کی اور اس طرح اس نعمت کی ناقدری کی۔

ملوکیت کا تمنغہ

اور انعام یہ فرمایا ﴿وَجَعَلْنَا مِنْکُمْ مُلُوْکًا﴾ اور بنایا اس نے تمہیں بادشاہ۔ بعض کو نبی بھی بنایا اور بادشاہ بھی، جیسے حضرت

یوسف علیہ السلام آخری دور میں مصر کے بادشاہ بھی تھے اور نبی بھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نبی بھی تھے اور خلیفہ فی الارض بھی تھے حضرت سلیمان علیہ السلام کو پینمبری کے ساتھ ساتھ عظیم سلطنت بھی عطا فرمائی کہ ان کی حکومت انسانوں کے علاوہ جنات، حیوانوں اور پرندوں پر بھی تھی۔ اور بعض ایسے تھے کہ جو صرف بادشاہ تھے پینمبر نہیں تھے اور بہت سے انعامات فرمائے۔

دیگر مخصوص انعامات

فرمایا ﴿وَاللّٰهُمَّ مَا لَمْ يُوْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیں وہ نعمتیں جو نہ دیں کسی ایک کو جہان والوں میں سے۔ ان میں سے بعض نعمتوں کا ذکر پہلے پارے میں اور نویں پارے میں ہے اور دیگر مقامات پر بھی ذکر آتا ہے کہ جب یہ لوگ وادی تیبہ میں پہنچے جس کو آج کل وادی سینا کہا جاتا ہے جس کی لمبائی چھتیس میل اور چوڑائی چوبیس میل ہے اور سطح سمندر سے تقریباً پانچ ہزار فٹ کی بلندی پر ہے۔ اس کا زیادہ تر حصہ مضر کے پاس ہے مگر وہ حصہ جس میں تیل کے کنوئیں ہیں یا فوجی اہمیت کا حامل ہے وہ ابھی تک یہودیوں کے قبضہ میں ہے۔ تو اس وادی سینا میں یہ لوگ جب موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ ارض مقدس میں عمالقوم آباد ہے ان کے خلاف جہاد کرو جس کا ذکر کل کے سبق میں آئے گا۔ تو انھوں نے عذر اور بہانے کیے اور جہاد کرنے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے چالیس سال کے لیے اس میدان سے نکلنا ان پر حرام کر دیا اور ان کے لیے کھانے پینے اور سائے کا انتظام فرمایا۔ اس طرح کہ کھانے کے لیے سن اور سلوئی نازل فرمایا۔ ایک پلیٹ میں کھیر ہوتی اور ایک پلیٹ میں بٹیر ہوتے۔ اور جب سورج چڑھتا تو ساتھ ہی رب تعالیٰ بادلوں کا سایہ فرمادیتے۔ ﴿وَقَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ﴾ اور سایہ کیا ہم نے تم پر بادلوں سے اور یہ کوئی معمولی انتظام نہیں تھا ان کی تعداد چھ لاکھ سے زیادہ تھی۔ مرد تھے، عورتیں تھیں، بچے اور بوڑھے تھے۔ لیکن ان لوگوں نے ناقدری کی کہنے لگے ﴿لَنْ نُصِيبَ عَلٰی طَعَامٍ وَّ اٰجِلًا﴾ ”ہم ایک قسم کے کھانے پر ہرگز صبر نہیں کریں گے۔“

ایک عجیب واقعہ

پھر ان کے لیے پانی کی ضرورت تھی کیوں کہ کوئی جان دار چیز بلکہ نباتات اور درخت بھی پانی کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے پتھر سے پانی کے بارہ چشمے جاری فرمادئے۔ اور اس سے پہلے جب یہ لوگ ہجرت کر کے جا رہے تھے اور راستے میں دریائے قلوم آ گیا جو کافی گہرا تھا اللہ تعالیٰ نے پانی روک کر انہیں دوسرے کنارے پر پہنچا دیا۔ ﴿فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ﴾ [الشعراء : ۶۳] ”پس ہو گیا ہر ایک حصہ ایک بڑے پہاڑ کی طرح کہ جس طرح دیواریں کھڑی ہیں اس طرح پانی کھڑا ہو گیا درمیان میں سڑکیں بن گئیں۔“

ارض مقدسہ کی حدود

پھر ان کو ارض مقدس بھی عطا کر دی جس کا دوسرا نام شام تھا اس وقت جو شام ہے یہ اور لبنان، اردن کا سارا علاقہ

ارض مقدس میں شامل تھا اور اس وقت جو علاقہ یہودیوں کے پاس ہے یہ بھی اور ایشیائے کوچک کا کچھ حصہ جو اس وقت ترکوں کے پاس ہے یہ وسیع تر علاقہ ارض مقدس کہلاتا تھا۔ شام اور کنعان بھی ارض مقدس میں ہے اس لیے کہ بے شمار پیغمبر وہاں تشریف لائے اور ان کی قبریں بھی وہیں ہیں۔ یہ بزازرخیز اور ٹھنڈا علاقہ ہے۔ ہر طرح کے پھل وہاں ہوتے ہیں۔ صاف ستھرا پانی ہے۔ ہم نے دمشق کی نہر میں دیکھا کہ پانی کی دونالیاں آرہی ہیں۔ ایک میں صاف شفاف پانی ہے اس کا پانی لوگ استعمال کرتے ہیں اور تھوڑے سے فاصلے پر دوسری نالی ہے جس میں استعمال شدہ پانی جا رہا ہے اور ہر جگہ پانی کی فراوانی ہے۔ گھروں میں بھی اور مسجدوں میں بھی اور وہاں کے لوگ بھی بڑے نسیب الطبع تھے۔ ہم ایک بازار سے گزر رہے تھے کہ ایک آدمی جس کی چھوٹی سی کریانہ کی دکان تھی دوڑتا ہوا آیا اور میری ڈاڑھی کو اس نے چومنا شروع کر دیا اور مسلسل چومتا رہا میں نے کہا بھائی! کیا بات ہے۔ میرا تیرا کوئی تعارف نہیں ہے۔ میں تجھے جانتا نہیں ہوں۔ میری ڈاڑھی کو کیوں چوم رہا ہے؟ کہنے لگا ڈاڑھی نظر آئی ہے محبت سے چوم رہا ہوں میں نے کہا تجھے بھی رکھنے کا حق ہے رکھ لے، کیوں نہیں رکھتا؟ اس نے بڑی گالی دے کر کہا کہ ہم تو ڈاڑھی رکھنا چاہتے ہیں مگر جب رکھتے ہیں تو یہ جو ہمارے بڑے ہیں ہمارا مذاق اڑاتے ہیں اس لیے ہم نہیں رکھتے یعنی معاشرہ رکاوٹ بنا ہوا ہے۔

تو خیر! شام، لبنان، اردن، فلسطین یہ سارا ایک ملک تھا مگر برطانیہ، فرانس اور ان کے گرد (لیڈر) امریکہ نے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ اب شام الگ ملک ہے، اردن الگ ملک ہے، لبنان الگ ملک ہے، اسرائیل کا علاقہ الگ ہے، پھر ان شیطانوں نے ان کا ایسا ذہن بنا دیا ہے اور ایک دوسرے کے خلاف ایسی نفرت بھردی ہے کہ امریکہ اور برطانیہ کے ساتھ تو بیٹھ سکتے ہیں، مگر آپس میں مل بیٹھنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ان خطوں کے حکمران دشمنوں کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔

قومِ عمالقہ سے جہاد کا حکم

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو رب تعالیٰ کے انعامات یاد دلانے کے بعد فرمایا ﴿لِقَوْمٍ اَدْخَلُوا الْاَرْضَ الَّتِي كُنتُمْ اِلٰهِيْنَ كُنتُمْ﴾ اے میری قوم! داخل ہو جاؤ پاکیزہ زمین میں وہ زمین جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے۔ اس علاقہ میں عمالقہ قوم آباد تھی جو عملیق کی نسل سے تھی یہ بڑی طاقتور اور جنگجو قوم تھی۔ فرمایا ان کے ساتھ جہاد کرو۔

﴿وَلَا تَزِنُوا عَلٰى اَدْبَارِكُمْ﴾ اور نہ پھرتو اپنی پیٹھ دکھا کر ﴿فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ﴾ پس لوٹو گے تم نقصان اٹھاتے ہوئے ﴿قَالُوْا لَيْسَ بِيْنَنَا وَاِيْتِيْكُمْ﴾ کہنے لگے (قوم نے موسیٰ علیہ السلام کو جواب دیا) اے موسیٰ! ﴿اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبِيْنًا﴾ بے شک ارض مقدر میں ایک قوم ہے بڑی زبردست (لڑاکا)۔ ﴿وَاِنَّا لَن نَّذْخَلُهَا﴾ اور ہم ہرگز نہیں داخل ہوں گے اس پاکیزہ زمین میں ﴿عَنْ يَدِنَا﴾ یہاں تک کہ وہ خود بخود وہاں سے نکل جائیں ﴿فَاَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا﴾ پس اگر وہ نکل گئے اس سے ﴿وَلَمَّا﴾

ان کی موجودگی میں ہم داخل ہونے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ان کی حماقت کا اندازہ لگاؤ کہ اتنا بھی نہ سوچا کہ عمالقہ کا دماغ خراب ہے کہ وہ بغیر لڑائی کے اپنا علاقہ چھوڑ دیں اور مفت میں تمہارے حوالے کر دیں۔ (اللہ رب العزت اپنی اطاعت کرنے کی توفیق عطا فرمائے)۔ آمین



﴿قَالَ رَاجِلُنِ﴾ کہا دو شخصوں نے ﴿وَمِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ﴾ ان لوگوں میں سے جو خوف کھانے والے تھے اللہ تعالیٰ سے ﴿أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا﴾ اللہ تعالیٰ نے ان پر انعام فرمایا تھا (کہا ان دونوں نے) ﴿إِذْ خَلُّوا﴾ داخل ہو جاؤ ﴿عَلَيْهِمُ الْبَابُ﴾ اپنے دشمن پر دروازے سے ﴿فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ﴾ پس جب تم اس دروازے سے داخل ہو جاؤ گے ﴿فَأَنْتُمْ غَلِبْتُمْ﴾ پس بے شک تم غالب ہونے والے ہو گے ﴿وَعَلَى اللَّهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی ﴿فَتَوَكَّلُوا﴾ پس تم بھروسہ کرو ﴿إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ اگر ہو تم ایمان والے ﴿قَالُوا أَيُّتَىٰ﴾ کہا انھوں نے اے موسیٰ! ﴿إِنَّا لَنْ نَدْخُلَهَا﴾ بے شک ہم ہرگز نہیں داخل ہوں گے ارض مقدسہ میں ﴿أَبَدًا﴾ کبھی بھی ﴿مَا دَامُوا فِيهَا﴾ جب تک وہ لوگ اس میں ہوں گے ﴿فَاذْهَبْ أَنْتَ﴾ پس جا تو ﴿وَسَهْبُكَ﴾ اور تیرا رب ﴿فَقَاتِلْ﴾ پس دونوں جا کر لڑو ﴿إِنَّا لَهْمَا قَعِدُونَ﴾ بے شک ہم یہاں بیٹھے رہیں گے ﴿قَالَ رَبِّ﴾ فرمایا موسیٰ ﷺ نے اے میرے رب! ﴿إِنِّي لَا أَمْلِكُ﴾ بے شک میں نہیں مالک ﴿إِلَّا نَفْسِي﴾ مگر اپنی جان کا ﴿وَأَخِي﴾ اور اپنے بھائی کا ﴿فَأَفْرِقْ بَيْنَنَا﴾ پس تو تفریق کر دے ہمارے درمیان ﴿وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ﴾ اور فاسق قوم کے درمیان ﴿قَالَ فَإِنَّهَا﴾ فرمایا پروردگار نے پس تحقیق وہ ارض مقدسہ ﴿مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ﴾ حرام کر دی گئی ان پر ﴿أَنْ يَدْخُلُوهَا﴾ چالیس سال ﴿يَتَّبِعُونَ فِي الْأَرْضِ﴾ حیران پھرتے رہیں گے زمین میں ﴿فَلَا تَأْسَ﴾ پس تو نہ نفوس کر ﴿عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ﴾ نا فرمانی کرنے والی قوم پر۔

عمالقہ کی جاسوسی کا منظم منصوبہ

بنی اسرائیل پہلے فرعون کے غلام تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو موسیٰ ﷺ کی وجہ سے نجات عطا فرمائی۔ فرعون بمع لشکر کے بحر قلزم میں غرق ہوا اور موسیٰ ﷺ اور ان کی قوم دریاب عبور کر گئی دادی سینا میں پہنچ کر کچھ دن آرام کیا پھر ان کو حکم ہوا کہ شام کے ملاتہ میں عمالقہ قوم آباد ہے ان کے ساتھ جہاد کرو، علاقہ پر قبضہ کرو اور میرا دین پھیلاؤ حضرت یعقوب ﷺ کے بارہ بیٹے تھے اور بیٹے کے نام پر الگ الگ خاندان تھا کوئی یہودی، کوئی رومیلی، کوئی بنیامینی اور کوئی یوسنی کہلاتا تھا۔ حضرت موسیٰ ﷺ نے ہر ہر خاندان میں سے ایک ایک آدمی منتخب فرمایا اور ان بارہ آدمیوں کو جاسوسی کے لیے شام کے علاقہ میں بھیجا۔ فرمایا کوئی تاجر کی

حیثیت سے، کوئی سیاح بن کر اور کوئی محض مسافر کی حیثیت سے ملک شام میں داخل ہو جاؤ اور جائزہ لو کہ وہ کس طرح کے لوگ ہیں ان کی چھاؤنیاں کتنی ہیں، اسلحہ کی کیا پوزیشن ہے۔ اور ان کے لڑنے کا کیا طریقہ ہے اور واپس آ کر ہم دو بھائیوں کو ہی رپورٹ پیش کرنی ہے۔ ہمارے سوا کسی کو کچھ نہیں بتانا۔ کیونکہ اگر تم عام لوگوں کو آ کر بتاؤ گے کہ وہ بڑے جابر لوگ ہیں اور ان کے پاس بڑا اسلحہ ہے تو ان کی ہمتیں پست ہو جائیں گی۔

چنانچہ وہ بارہ آدمی گئے۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہاں کتنی مدت رہنے مہینہ رہے، دو مہینے رہے اس وقت ایک ملک سے دوسرے ملک جانے کے لیے ویزے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ جائزہ لینے کے بعد جب واپس آئے تو سوائے دو آدمیوں کے ایک یوشع بن نون جو پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خادم اور بعد میں نبوت سے سرفراز ہوئے اور دوسرے کالب بن یوقنا، یہ بھی حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے بعد نبی بنائے گئے۔ باقی دس نے سب آدمیوں کے سامنے حالات بیان کیے کہ وہ بڑی ڈیل ڈول والی قوم ہے ان کے بڑے بڑے محفوظ قلعے ہیں اور بڑے جنگجو لوگ ہیں۔ بنی اسرائیلی غلام قوم تھی آزادی سے واقف نہ تھے۔ ایسی قوم بزدل ہوتی ہے اور موت سے ڈرتی ہے اور یاد رکھنا! بنی اسرائیلی من حیث القوم جتنا موت سے ڈرتے تھے اتنا اور کوئی قوم موت سے نہیں ڈرتی۔

چنانچہ قرآن پاک میں ہے ”اے یہودیو! اگر تمہیں یہ دعویٰ ہے کہ تم ہی اور لوگوں کے سوا اللہ تعالیٰ کے دوست ہو تو موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو“۔ فرمایا ﴿وَلَا يَسْتَوُونَ اَبَدًا اِنْبَاءًا قَدَّمَتْ اَيْنَا نُهْم﴾ [الجمعة : ۷] ”اور ہرگز یہ اس کی آرزو نہیں کریں گے بہ سبب ان اعمال کے جو یہ کر چکے ہیں۔“ تو خیر! دو آدمیوں کے سوا باقیوں نے عام لوگوں کو سارے حالات بتا دیے، اس کا ذکر ہے۔

فرمایا ﴿قَالَ رَجُلَانِ﴾ کہا دو شخصوں نے۔ یعنی یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا علیہ السلام نے ﴿مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ﴾ ان لوگوں میں سے جو خوف کھانے والے تھے اللہ تعالیٰ سے۔ کہ وعدہ خلافی گناہ ہے اور وہ موسیٰ اور ہارون علیہ السلام کے ساتھ وعدہ کر کے گئے تھے کہ وہاں کے حالات تمہارے سوا کسی کو نہیں بتائیں گے۔

﴿اَلْقَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا﴾ اللہ تعالیٰ نے ان پر انعام فرمایا تھا۔ کہ اپنے اپنے وقت پر دونوں کو نبی بنا یا نبوت بہت بڑا انعام ہے۔ اور ان کا وعدے پر پورا اترنا بھی اللہ تعالیٰ کا انعام تھا۔ ان دو آدمیوں نے قوم کو ترغیب دینے کے لیے کہا ﴿اِذْ خَلَوْا عَلٰیہُمْ﴾ البتہ داخل ہو جاؤ اپنے دشمن پر دروازے سے۔ اس زمانے میں شہر کے چاروں طرف دیوار ہوتی تھی جس کو سور البلد کہتے تھے اور شہر میں آنے جانے کے لیے دروازے ہوتے تھے جس طرح گوجرانوالا میں کھیالی دروازہ، لاہوری دروازہ، سیالکوٹی دروازہ ہے اسی طرح لاہور میں دلی دروازہ، موچی دروازہ، ملتان میں بھی دروازے تھے اگر چہ اب وہ تقریباً ختم ہو گئے ہیں۔ تو اس طرح پرانے زمانے میں دروازے ہوتے تھے تو ان دو آدمیوں نے ترغیب دی کہ عملاً قوم کے مقابلے کے لیے دروازے سے داخل ہو جاؤ۔

سورہ البلد اور اس میں داخلے کی ترغیب

﴿فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ﴾ پس جب تم اس دروازے سے داخل ہو جاؤ گے۔ تو بیت المقدس فتح ہو جائے گا۔ ﴿فَوَاتِكُمُ عَلَيْهِمُ﴾ پس بے شک تم غالب ہونے والے ہو گے۔ کیونکہ جب دار الخلافہ فتح ہو گیا تو پھر فتح ہی فتح ہے۔ ﴿وَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلُوا﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہی پر تم بھروسہ کرو ﴿إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ اگر ہو تم ایمان والے ﴿قَالُوا أَيُّهَذَا﴾ بنی اسرائیل نے کہا اے موسیٰ! ﴿إِنَّا لَنَرُّكَ كَلِئلاً﴾ بے شک ہم ہرگز نہیں داخل ہوں گے ارض مقدسہ میں کبھی بھی ﴿فَأَمَّا أُمَّؤُنَا﴾ جب تک وہ لوگ اس میں ہوں گے۔ اس سے پہلے درس میں آپ نے پڑھا کہ ”فَإِنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنَّا كَادِحُونَ“ پس اگر وہ خود بخود وہاں سے چلے جائیں تو پھر ہم داخل ہوں گے۔ مگر جب تک وہ وہاں ہیں ہم نہیں جائیں گے ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کو کتنا صاف جواب دیا۔

قوم کا جواب

﴿فَأَذَهَبَ آتُكَ وَرَبِّكَ﴾ پس جا تو اور تیرا رب ﴿فَقَاتِلْ﴾ پس دونوں جا کر لڑو ﴿إِنَّا هُمْ أَقْبَدُونَ﴾ بے شک ہم یہاں بیٹھے رہیں گے وادی تیبہ میں۔ یہ حال تھا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کا بخلاف اس کے امام الانبیاء کے اصحاب کا حال احادیث میں مذکور ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ کافر مدینہ طیبہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاصے پریشان ہوئے اور پریشانی کی وجہ یہ تھی کہ انصار مدینہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات طے کی تھی کہ اگر شہر میں آکر کوئی حملہ آور ہو تو ہم دفاع کریں گے اور اگر لڑائی کے لئے باہر جانا پڑا تو ہم مجبور نہیں ہوں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پریشان ہوئے کہ مہاجرین تو تھوڑے سے ہیں۔ کیونکہ کچھ ابھی تک مکہ مکرمہ سے نہیں آئے تھے اور کچھ حبشہ میں موجود تھے۔ اور انصار کو باہر جانے پر مجبور نہیں کر سکتے تھے کیونکہ پہلے طے ہو چکا تھا۔

قوم موسیٰ (علیہ السلام) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جو ابی منظر

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں (ازادھا اللہ شرفاً و کرامۃً) میننگ بلائی۔ فرمایا تمام ساتھی مسجد میں اکٹھے ہو جاؤ۔ جب سارے ساتھی اکٹھے ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ہم جب مکہ مکرمہ میں تھے کافروں نے ہم پر بڑے ظلم ڈھائے، میرے ساتھ بی زیادتی ہوئی، فلاں پر یہ ظلم ہوا، فلاں پر یہ ظلم ہوا اور یہاں آنے کے بعد کرز بن جابر فہری نے حملہ کر کے بیت المال کے اونٹ چھین لیے اور اب معلوم ہوا ہے کہ وہ ہم پر حملہ کرنے کے لیے آرہے ہیں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟“

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سنتے ہی فوراً کھڑے ہو گئے اور نہایت خوبصورتی کے ساتھ اظہارِ جانثاری فرمایا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور نہایت خوبصورتی کے ساتھ اظہارِ جانثاری فرمایا۔ ان کے بعد حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا ”یا رسول اللہ! ہم موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح نہیں کہ آپ سے یہ کہیں کہ آپ جائیں اور آپ کا

رب جائے اور جا کے لڑو، حضرت! ہم آپ کے دائیں، بائیں، آگے، پیچھے دشمن کے ساتھ لڑیں گے۔ آنحضرت ﷺ بڑے خوش ہوئے اور آپ ﷺ کا چہرہ مبارک فرط مسرت سے چمک اٹھا۔

سردار انصار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے اشارے کو سمجھ گئے اور فوراً عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! شاید آپ کا روئے سخن انصار کی طرف ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ”حضرت! آپ ﷺ ہمیں اگر برک الغماد جانے کا حکم دیں گے تو ضرور ہم آپ کے ساتھ جائیں گے قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق دے کر بھیجا ہے اگر آپ ﷺ ہمیں سمندر میں کود پڑنے کا حکم دیں گے تو ہم اسی وقت سمندر میں کود پڑیں گے اور ہم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہیں رہے گا، ہماری طرف سے آپ مطمئن رہیں۔“

اور واقعی ایسا ہی ہوا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قربانی کی جہان میں مثال نہیں ملتی۔ احد کے معرکہ میں آنحضرت ﷺ ایک جگہ تنہا کھڑے تھے۔ عقبہ بن ابی وقاص اس وقت کا فر تھا اس نے آپ ﷺ کو پتھر مارا سامنے کے جو دانت ہیں ان میں سے آپ ﷺ کا دایاں دانت مبارک شہید ہو گیا۔ خون کے فوارے چھوٹ گئے۔ عبداللہ بن قمریہ کافر نے تلوار ماری خود کٹا اس سے آپ ﷺ کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا۔ حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا دیکھ رہی تھیں انہوں نے جب دیکھا کہ ابن قمریہ دوبارہ وار کرنا چاہتا ہے آگے بڑھیں اور اس کا وار اپنے کندھے پر برداشت کیا اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا ”جو میرا دفاع کرے گا اس کو جنت ملے گی۔“

مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ ”انصار مدینہ کے سات بچے جن کی عمریں پندرہ، سولہ اور سترہ سال تھیں۔ میدان میں آئے اور اپنی جانیں قربان کر کے پیغمبر ﷺ کی جان بچائی۔ تو خیر! موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا کہ ہم ہرگز نہیں داخل ہوں گے ارض مقدس میں کبھی بھی جب تک عمالقہ قوم وہاں موجود ہے۔ آپ جائیں اور آپ کا رب جائے دونوں جا کے لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔“

قوم کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کی مایوسی

﴿قَالَ رَبِّ﴾ فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے اے میرے رب! ﴿إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي﴾ بے شک میں نہیں مالک مگر اپنی جان کا اور اپنے بھائی کا۔ میں اور میرا بھائی ہم دونوں تیار ہیں آپ جو حکم فرمائیں۔ یہ دونوں پیغمبر تھے اور دوسرے بزرگوں کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ ان کو ابھی نبوت نہیں ملی تھی۔ فرمایا اب میرا نباہ قوم کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔

قوم پر عتاب

﴿قَالُوا قَبْلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاقِقِينَ﴾ پس تو تفریق کر دے ہمارے اور فاسق قوم کے درمیان ﴿قَالَ فَإِنَّهَا مَعَكُمْ﴾ فرمایا پروردگار نے پس تحقیق وہ ارض مقدسہ حرام کر دی گئی ان پر ﴿أَمْ أَبْعَدُكُمْ سَنَةً﴾ چالیس سال۔ یہ بوڑھے مرے

گے نئی نسل پیدا ہوگی اور آزاد آب و ہوا میں پرورش پائیں گے ان میں لڑنے کی جرأت ہوگی موجودہ لوگوں میں لڑنے کی جرأت نہیں ہے۔

لہذا سزا کے طور پر ﴿يَتَّبِعُونَ فِي الْأَرْضِ﴾ حیران پھرتے رہیں گے زمین میں۔ یعنی وادی سینا میں۔ ﴿فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَٰئِقِينَ﴾ پس تو نہ افسوس کرنا فرمانی کرنے والی قوم پر۔ آپ نے فریضہ ادا کر دیا ہے آپ اپنا کام کریں، یہ اپنا کریں۔



﴿وَإِثْلَ عَلَيْهِمْ﴾ اور (اے پیغمبر ﷺ) پڑھ تو ان کے سامنے ﴿نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ﴾ آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کی خبر ﴿بِالْحَقِّ﴾ جو بالکل سچی ہے ﴿إِذْ قَرَّبْنَا﴾ جب دونوں نے قربانی دی ﴿قُرْبَانًا﴾ قربانی کرنا ﴿فَتَقَبَّلَ﴾ پس قبول کر لی گئی ﴿مِنْ أَحَدِهِمَا﴾ ان میں سے ایک کی ﴿وَلَمْ يَتَقَبَّلْ﴾ اور نہ قبول کی گئی ﴿مِنَ الْآخَرَ﴾ دوسرے سے ﴿قَالَ لَا قُتِلْتُمْ﴾ اس نے کہا البتہ ضرور میں تجھے قتل کروں گا ﴿قَالَ﴾ کہا پہلے نے ﴿إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ﴾ پختہ بات ہے قبول کرتا ہے اللہ تعالیٰ ﴿مِنَ الْمُتَّقِينَ﴾ پرہیزگاروں سے ﴿لَكِنَّ بَسَطَ إِلَى يَدِكَ﴾ البتہ اگر بڑھایا تم نے میری طرف اپنا ہاتھ ﴿لَتَفْتُنَنِي﴾ تاکہ تو مجھے قتل کرے ﴿مَا أَنَا بِبَٰسِطٍ﴾ میں نہیں بڑھاؤں گا ﴿يَدِي إِلَىٰكَ﴾ اپنا ہاتھ تیری طرف ﴿لَا قُتِلْتُ﴾ تاکہ میں تجھے قتل کر دوں ﴿إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ﴾ بے شک میں ڈرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے ﴿سَرَّ الْعَالَمِينَ﴾ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ﴿إِنِّي أُرِيدُ﴾ بے شک میں چاہتا ہوں ﴿أَنْ تَمُوتَ﴾ یہ کہ لوٹے تو ﴿بِإِسْنِي﴾ میرا گناہ لے کر ﴿وَأَثْمِكَ﴾ اور اپنا گناہ لے کر ﴿فَتَكُونُ مِنَ الْأَصْحَابِ النَّٰمِرِ﴾ پس ہو جائے تو دوزخ والوں میں سے ﴿وَذٰلِكَ جَزَاؤُ الظَّٰلِمِيْنَ﴾ اور یہ بدلہ ہے ظالموں کا ﴿فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ﴾ پس آمادہ کیا اس کو اس کے نفس نے ﴿قَتْلَ أَخِيهِ﴾ اپنے بھائی کے قتل کرنے پر ﴿فَقَتَلَهُ﴾ پس اس نے اس کو قتل کر دیا ﴿فَأَصْحَابُ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ پس ہو گیا وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ﴿فَبَعَثَ اللَّهُ﴾ پس بھیجا اللہ تعالیٰ نے ﴿عُرَابًا﴾ ایک کو ﴿يَتَّبِعُ فِي الْأَرْضِ﴾ پس وہ کریدتا تھا زمین کو ﴿لِيُؤْيِيَهُ﴾ تاکہ اس کو دکھائے ﴿كَيْفَ يُؤْيِيهِ﴾ سُوْدَةَ أَخِيهِ ﴿كَيْسَ﴾ چھپائے وہ اپنے بھائی کی لاش کو ﴿قَالَ﴾ کہا اس نے ﴿يُؤْيِيَنِي﴾ ہائے افسوس مجھ پر ﴿أَعَجَزْتُ﴾ کیا میں عاجز ہو گیا ﴿أَنْ أَكُوْنَ وَمِثْلَ هٰذَا الْعُرَابِ﴾ اس سے کہ میں ہو جاتا اس کوے کی طرح ﴿فَأَوْرَثِي سُوْدَةَ أَخِي﴾ پس میں اپنے بھائی کی لاش کو چھپا لیتا ﴿فَأَصْحَابُ مِنَ الدَّٰوِئِنَ﴾ پس ہو گیا وہ چھپتانے والوں میں سے۔

خالی نسبت کام نہیں آتی ؟

اللہ تبارک و تعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت کے لیے قرآن پاک میں بہت سارے واقعات اور قصے بیان فرمائے ہیں۔ ہر قصے میں عبرت اور نصیحت ہے۔ ان آیات میں جو واقعہ بیان ہوا اس میں یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ بڑے سے بڑے نیک آدمی کے ساتھ بھی نسبت ہو اور اپنے اندر کچھ نہ ہو تو خالی نسبت کچھ کام نہیں آتی۔ دیکھو آدم علیہ السلام پیغمبر ہیں۔ اور پیغمبر کی بڑی شان ہے۔ ان کے صلیبی بیٹے نے ان کی نافرمانی کی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اس وقت کی شریعت کی نافرمانی کی، دوزخی ہو گیا۔ پیغمبر کے ساتھ نسبت کام نہ آئی۔ ہاں! نسبت کے ساتھ ساتھ ایمان اور عمل صالح بھی ہو تو سونے پر سہاگا ہے، نُورٌ عَلٰی نُورٍ ہے۔

واقعہ اس طرح پیش آیا کہ حضرت حوا علیہا السلام کے ہاں ایک وقت میں لڑکا لڑکی جڑواں پیدا ہوتے تھے۔ یعنی جب بھی پیدا ہوتے لڑکا لڑکی اکٹھے پیدا ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے نسل کی افزائش کے لیے قانون بنایا تھا۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت تھی اور اس وقت ضرورت بھی تھی کہ پہلی پیدائش کی لڑکی کا نکاح دوسری پیدائش کے لڑکے کے ساتھ اور دوسری پیدائش کی لڑکی کا نکاح پہلی پیدائش کے لڑکے کے ساتھ جائز تھا۔ اور جو جڑواں پیدا ہوئے ان کا آپس میں نکاح ناجائز تھا۔ اب یہ حکم منسوخ ہے۔

ہابیل کا واقعہ قتل ؟

آدم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام ہابیل تھا اور دوسرے بیٹے کا نام قابیل تھا۔ قابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام تھا اِقْلِیْمَہ یہ خوب صورت تھی اور ہابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام تھا یَلُو وایہ خوب صورت نہیں تھی۔ رب تعالیٰ کی قدرت ہے ماں باپ ایک ہیں ایک کی شکل اور ہے، دوسرے کی شکل اور ہے، اس کی قدرت میں کسی کو کوئی دخل نہیں ہے۔

دونوں جوڑے جوان ہوئے حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ اب تمہاری شادی کا انتظام کرنا ہے۔ اور شادی اس طرح ہوگی کہ قابیل کی بہن کا ہابیل کے ساتھ نکاح ہوگا اور ہابیل کی بہن کا قابیل کے ساتھ نکاح ہوگا۔ قابیل ضد کر گیا کہنے لگا میں تو اس کے ساتھ نکاح کروں گا جو میرے ساتھ پیدا ہوئی۔ حضرت آدم علیہ السلام حیران ہو گئے کہ میں باپ ہوں، وقت کا پیغمبر ہوں اور اسے شرعی حکم تباہ ہے اور یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہے اسے خود بھی سمجھایا اور حضرت حوا علیہا السلام نے بھی سمجھایا مگر جو آدمی ضد پر اتر آئے اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ آخر کار آدم علیہ السلام نے یہ تدبیر پیش کی کہ دونوں بھائی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے قربانی پیش کر دو اس طرح کہ قربانی کو میدان میں رکھ دو آسمان سے آگ آئے گی وہ جس کی قربانی کو جلادے وہ کامیاب اور جس کی قربانی کو نہ جلانے وہ ناکام۔ یعنی اقلیمہ کے ساتھ نکاح اس کا ہوگا جس کی قربانی کو آگ جلادے گی۔ چنانچہ ہابیل علیہ السلام نے موٹا تازہ دنبہ قربان کر کے میدان میں رکھ دیا اور قابیل نے وہ ٹے جو گندم باجر وغیرہ کاٹنے وقت پیچھے گر جاتے ہیں اور مالک دوسرے لوگوں کو اٹھانے کی اجازت دے دیتے ہیں اور بعضے مالک خود بھی اٹھا لیتے ہیں وہ گرے پڑے خوشے اس نے اکٹھے کیے اور قربانی کے لیے لا کر میدان میں رکھ دیئے۔

شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے

حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام اور دیگر حضرات منتظر تھے کہ دیکھو کس کی قربانی قبول ہوتی ہے۔ آگ آئی اس نے دبے کو جلا دیا اور سٹے خوشے اسی طرح پڑے رہے۔ حالانکہ خوشوں کو آگ جلدی لگتی ہے۔ اتنی واضح علامت دیکھنے کے باوجود قابیل نہ مانا النانہا بئیل رضی اللہ عنہما کو کہنے لگا میں تجھے ضرور قتل کروں گا کہ تیری قربانی قبول ہوئی ہے میری کیوں نہیں ہوئی؟ اس کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَإِذْ أُنزِلَ عَلَيْهِنَّ﴾ اور اے پیغمبر سننا! پڑھ تو ان کے سامنے ﴿تَبَايَعْتُمْ بِالْحَقِّ﴾ آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کی خبر جو بالکل سچی ہے ﴿إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا﴾ جب دونوں نے قربانی دی قربانی کرنا ﴿فَتَقَبَّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا﴾ پس قبول کر لی گئی ان میں سے ایک کی ﴿وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ﴾ اور نہ قبول کی گئی دوسرے سے ﴿قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ﴾ اس نے کہا البتہ ضرور میں تجھے قتل کروں گا۔ ہابیل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بھائی اس میں میرا کیا قصور ہے؟ آگ تیرے سامنے آئی ہے اس نے تیری قربانی کو چھیڑا تک نہیں ہے۔ اور میری قربانی کو جلا دیا اس میں میرا کیا قصور ہے؟

﴿قَالَ﴾ کہا پہلے نے ﴿إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ﴾ پختہ بات ہے قبول کرتا ہے اللہ تعالیٰ پر ہیزگاروں سے ﴿لَوْ كُنْ بِسَطِّ إِلَىٰ يَدِكَ﴾ البتہ اگر بڑھایا تم نے میری طرف اپنا ہاتھ ﴿لَتَقْتُلُنِي﴾ تاکہ تو مجھے قتل کرے ﴿مَا أَنَا بِبَاطِلٍ يُدْعَىٰ إِلَيْكَ﴾ میں نہیں بڑھاؤں گا اپنا ہاتھ تیری طرف ﴿لَأَقْتُلَنَّكَ﴾ تاکہ میں تجھے قتل کر دوں ﴿إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ﴾ بے شک میں ڈرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ﴿إِنِّي أُرِيدُ﴾ بے شک میں چاہتا ہوں ﴿أَنْ تَكُونَ آيَاتِي وَآيَاتِكَ﴾ یہ کہ لوٹے تو میرا گناہ لے کر اور اپنا گناہ لے کر ﴿فَتَكُونُونَ مِنَ الْأَصْحَابِ الْكَاذِبِ﴾ پس ہو جائے تو دوزخ والوں میں سے ﴿وَذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ﴾ اور یہ بدلہ ہے ظالموں کا۔ شرافت کا تقاضا تو یہ تھا کہ نشانی دیکھنے کے بعد قابیل مان جا تا کہ رب تعالیٰ کی طرف سے ہے اس میں کسی کا کوئی دخل نہیں ہے۔ مگر وہ بھرا گیا پھر جب ہابیل رضی اللہ عنہ نے اپنی عاجزی کا اظہار کیا تھا نرم ہو جاتا اور ہاتھ نہ اٹھاتا۔ مگر اس پر کسی بات کا کوئی اثر نہ ہوا نہ والدین کے سمجھانے کا نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قربانی کی قبولیت کا۔

﴿فَلَعَنَّاكَ لَنَفْسِكَ﴾ پس آمادہ کیا اس کو اس کے نفس نے ﴿فَقَتَلَ أَخِيهِ﴾ اپنے بھائی کے قتل کرنے پر ﴿فَقَتَلَهُ﴾ پس اس نے اس کو قتل کر دیا ﴿فَأَصْحَابُ مِنَ الْخَيْرِينَ﴾ پس ہو گیا وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے۔ دنیا میں نقصان اٹھایا کہ اپنے بھائی کو قتل کر دیا بھائی بازو ہوتا ہے۔ اور آخرت میں تو نقصان ہی نقصان ہے۔ کیونکہ شرک کے بعد بڑے گناہوں میں سے قتل ناحق ہے۔ پھر مومن اور مطیع بھائی کا قتل گناہ میں اور اضافہ کرتا ہے۔ چونکہ اس سے پہلے کسی انسان کی موت واقع نہیں ہوئی تھی اس لیے قابیل کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ بھائی کی بے جان لاش کو کیسے ٹھکانے لگائے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس کی پریشانی کو دور کرنے کے لیے اس کی راہنمائی فرمائی۔

زیر زمین دفن کا آغاز

﴿قَبَعَ اللَّهُ عُرَابًا﴾ پس بھیجا اللہ تعالیٰ نے ایک کو اور ﴿يُنْبِثُ فِي الْأَرْضِ﴾ پس وہ کریدتا تھا زمین کو۔ دو کوے لڑے ایک نے دوسرے کو مار ڈالا پھر اس نے قاتیل کے سامنے زمین کو بچوں کے ساتھ کرید اور مردہ کو اس میں رکھا پھر اس پر مٹی ڈال کر اس کو چھپا دیا۔ ایسا کیوں کیا۔

﴿لِيُرِيَهُ﴾ تاکہ اس (قاتیل) کو دکھائے ﴿كَيْفَ يُؤَاهِرُ سُوءَ آخِرِهِ﴾ کیسے چھپائے وہ اپنے بھائی کی لاش کو ﴿قَالَ﴾ کہا اس (قاتیل) نے ﴿يُؤَيِّلَنِي﴾ ہائے افسوس مجھ پر ﴿أَعَجَزْتُ﴾ کیا میں عاجز ہو گیا ﴿أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَذَا الْعُرَابِ﴾ اس سے کہ میں ہو جاتا اس کوے کی طرح کہ اس کوے جتنی سمجھ مجھ میں ہوتی۔

قاتیل مسلمان تھا یا کافر

﴿فَأُوَاهِرُ سُوءَ آخِرِي﴾ پس میں اپنے بھائی کی لاش کو چھپا لیتا۔ بھائی! جس نے ماں باپ کا حکم نہ مانا پھر وہ کوے ہی سے سبق حاصل کرے گا اور کیا کرے گا؟ اب سوال یہ ہے کہ قاتیل مسلمان تھا یا کافر تو اس کے متعلق مفسرین کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہے۔ ایک گروہ کا نظریہ، یہ ہے کہ وہ کافر تھا۔ اس لیے کہ اس نے رب تعالیٰ کا حکم نہ مانا، پیغمبر کا حکم نہ مانا، باپ کا حکم نہ مانا، وقت کی شریعت کو تسلیم نہ کیا، وہ مسلمان کیسے رہا۔ دوسرے گروہ کا نظریہ ہے کہ اس نے یہ سب کچھ جذبات میں آکر کیا۔ گنہگار تھا کافر نہیں تھا۔ جتنی دیر رب تعالیٰ کو منظور ہوگا دوزخ میں رہے گا پھر دوزخ سے نکال لے گا۔ مگر پہلے گروہ کی بات زیادہ معقول اور مضبوط معلوم ہوتی ہے کہ باپ پیغمبر ہے، باپ کا نافرمان، پیغمبر کا نافرمان، وقت کی شریعت کا نافرمان، مسلمان کیسے رہا؟

نسبت کب کام آئے گی؟

﴿فَأَصْحَابُ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ پس ہو گیا وہ پچھتانے والوں میں سے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ واقعہ ہمارے سامنے بیان فرما کر یہ بات سمجھائی ہے کہ خالی نسبت کچھ کام نہیں آئے گی نسبت کے ساتھ ساتھ اپنے اندر بھی کچھ ہو، تب نسبت کا فائدہ ہوگا۔



﴿مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ﴾ اسی وجہ سے ﴿كَتَبْنَا﴾ ہم نے لکھ دیا ﴿عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ﴾ بنی اسرائیل پر ﴿أَنْذَرْنَا﴾ بے شک شان یہ ہے کہ ﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ﴾ جس نے قتل کیا کسی نفس کو بغیر کسی جان کے قتل کرنے کے ﴿أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ﴾ یا بغیر زمین میں فساد کرنے کے ﴿فَكَأَنَّمَا﴾ پس گویا کہ ﴿قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا﴾ اس نے قتل کر دیا سب لوگوں کو ﴿وَمَنْ أَحْيَاهَا﴾ اور جس نے زندہ رکھا ایک جان کو ﴿فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا﴾ پس گویا کہ اس نے زندہ رکھا سب لوگوں کو ﴿وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ﴾ اور البتہ تحقیق آئے ان کے پاس ﴿مُرْسَلًا﴾ ہمارے پیغمبر ﴿بِالْبَيِّنَاتِ﴾

واضح دلیلیں لے کر ﴿ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ﴾ پھر بے شک بہت سے ان میں سے ﴿بَعْدَ ذَلِكَ﴾ اس کے بعد ﴿فِي الْأَرْضِ﴾ زمین میں ﴿لَمَسْرِ فُونَ﴾ البتہ اسراف کرنے والے تھے ﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ﴾ بختہ بات ہے سزا ان لوگوں کی ﴿يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑتے ہیں ﴿وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ﴾ اور کوشش کرتے ہیں زمین میں ﴿فَسَادًا﴾ فساد کی ﴿أَنْ يُقْتَلُوا﴾ یہ کہ ان کو قتل کیا جائے ﴿أَوْ يُصَلَّبُوا﴾ یا انہیں سولی پر لٹکایا جائے ﴿أَوْ تُقَطَّعَ﴾ یا کاٹ دیے جائیں ﴿أَيُّهُمْ وَآرَجُلُهُمْ﴾ ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ﴿مِنْ خِلَافٍ﴾ اُلٹے ﴿أَوْ يُنْفَخُوا مِنَ الْأَرْضِ﴾ یا ان کو دور کر دیا جائے زمین سے ﴿ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا﴾ یہ ان کے لیے رسوائی ہے دنیا میں ﴿وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ﴾ اور ان کے لیے آخرت میں ﴿عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ عذاب ہوگا بڑا ﴿إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا﴾ مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی ﴿مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ﴾ اس سے پہلے کہ تم ان پر قدرت پاؤ ﴿فَاعْلَمُوا﴾ پس تم جان لو ﴿أَنَّ اللَّهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿عَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ بخشنے والا مہربان ہے۔

ربط آیات

اس سے پہلی آیات میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا ذکر فرما کر یہ بات سمجھائی کہ نافرمان بیٹے کی نسبت کچھ کام نہ آئی اور وہ دوزخ میں گیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَنْ أَجَلَ ذَلِكَ﴾ اسی وجہ سے۔ کہ خالی نسبت کام نہیں آتی ﴿كَتَبْنَا عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ﴾ ہم نے لکھ دیا بنی اسرائیل پر ﴿أَنْ تَقْتُلُوا نَفْسًا يَحْيِي نَفْسًا﴾ بے شک شان یہ ہے کہ جس نے قتل کیا کسی نفس کو بغیر کسی جان کے قتل کرنے کے۔ کہ اس نے کسی کو بلا وجہ قتل کر دیا۔ ﴿أَوْ فَسَادًا فِي الْأَرْضِ﴾ یا بغیر زمین میں فساد کرنے کے۔ کہ اس نے زنا نہیں کیا، چوری نہیں کی، ڈاکا نہیں ڈالا یا ایسا کوئی برا کام نہیں کیا کہ جس سے زمین میں فساد برپا ہو۔ ایسے شخص کو قتل کر دے۔

ایک انسان کا قتل تمام انسانیت کا قتل ہے

﴿فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا﴾ پس گویا کہ اس نے قتل کر دیا سب لوگوں کو۔ کیونکہ اس سے قتل کی ریت اور عادت پڑ جائے گی کہ فلاں نے قتل کیا ہے میں بھی قتل کروں۔

آج کل قتل عام کی وجہ

آج کل قتل عام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قتل کی شرعی سزا نافذ نہیں ہے۔ اس لیے لوگ قتل پر جرمی (بے باک ہو گئے) ہیں۔ ان کو معلوم ہے کہ ہمیں کوئی پکڑنے والا نہیں ہے۔ کیونکہ فلاں صاحب ہمارے پشت پناہ ہیں اور اگر پکڑے بھی گئے تو

رشوت اور سفارش کے ذریعہ رہا ہو جائیں گے۔ اور اگر شرعی سزا نافذ ہو اور قاتل کا قصاص میں سرعام سر قلم کر دیا جائے دو چار پر عمل ہوگا تو قتل کا نام بھی کوئی نہیں لے گا۔ لیکن یہاں چونکہ رہائی کی امیدیں بڑی ہیں اس لیے گناہ ہو رہے ہیں۔

فرمایا ﴿وَمَنْ أَحْيَاهَا﴾ اور جس نے زندہ رکھا ایک جان کو ﴿فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا﴾ پس گویا کہ اس نے زندہ رکھا سب لوگوں کو۔ کہ اس نے صبر سے کام لیا کسی کو قتل نہ کیا تو لوگ اس سے سبق حاصل کریں گے کہ وہ بھی کسی کو قتل نہیں کریں گے۔

پھر فرمایا ﴿وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ﴾ اور البتہ تحقیق آئے ان کے پاس ہمارے پیغمبر واضح دلیلیں لے کر۔ بنی اسرائیل کے پاس ہمارے پیغمبر واضح دلیلیں لے کر آئے۔ بنی اسرائیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تقریباً چار ہزار پیغمبر تشریف لائے ہیں یہ کوئی تھوڑی تعداد نہیں ہے بڑی تعداد ہے۔

﴿ثُمَّ إِنَّ مَنِيئَهُمْ أَنَّمْ﴾ پھر بے شک بہت سے ان میں سے ﴿بَعْدَ ذَلِكَ﴾ اس کے بعد ﴿فِي الْأَرْضِ﴾ زمین میں ﴿لِنَسْرِ قَوْمًا﴾ البتہ اسراف کرنے والے تھے۔ باوجود اس کے کہ پیغمبروں کے آنے کے بعد ان پر حقیقت واضح ہو گئی۔ جائز ناجائز سے ان کو آگاہ کر دیا مگر انھوں نے زیادتیاں کیں، شرارتیں کیں۔ آگے اللہ تعالیٰ ڈاکوؤں کی سزا بیان فرماتے ہیں۔

ڈاکوؤں کی سزا

﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرُسُلَهُ﴾ پختہ بات ہے سزا ان لوگوں کی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تو حکم دیا ہے کہ چوری نہ کرو، ڈاکا نہ ڈالو، قتل نہ کرو، یہ اس کے حکموں کی مخالفت کرتے ہیں۔ ﴿وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا﴾ اور کوشش کرتے ہیں زمین میں فساد کی۔ ان کی سزا یہ ہے۔

شان نزول

پہلے ان آیات کا شان نزول سمجھ لیں۔ دو قبیلے تھے ایک کا نام تھا عکل اور دوسرے کا نام عُرَيْقَةَ تھا۔ ان دونوں قبیلوں کے آٹھ آدمی مدینہ طیبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے ہم مسلمان ہونا چاہتے ہیں۔ فرمایا ٹھیک ہے کلمہ پڑھو اور مسلمان ہو جاؤ۔ ان کی بڑی خاطر تواضع ہوتی رہی۔ چونکہ دیہاتی لوگ تھے، شہری غذا اور آب و ہوا موافق نہ آئی بیمار ہو گئے۔ کہنے لگے حضرت! ہم دودھ پینے والے لوگ تھے یہاں ہمیں سبزیاں کھانی پڑتی ہیں۔ ہمارے پیٹ خراب ہو گئے ہیں ہم تکلیف میں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ فلاں جگہ ہمارے بیت المال کے اونٹ ہیں وہاں چلے جاؤ جگہ بھی کشادہ ہے وہاں رہو اور دودھ خوب پیو۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ آدمی بھیجا کہ ان کو وہاں پہنچاؤ اور بیت المال کے ذمہ دار ان سے کہو کہ یہ سرکاری مہمان ہیں ان کی خدمت کرو، دودھ پلاؤ۔

چنانچہ وہاں انھوں نے خوب دودھ پیا اور مولے تازے ہو گئے تو منصوبہ بنایا کہ دو ملازم ہیں ایک سودا سلف لینے شہر جاتا رہتا ہے دوسرا پیچھے اکیلا ہوتا ہے اس کو قتل کر کے اونٹ لے کر بھاگ جائیں۔ بیت المال مدینہ طیبہ سے کافی فاصلے پر تھا۔

موتح کی تلاش میں رہے۔ چنانچہ ایک ساتھی سودا سلف لینے کے لیے مدینہ طیبہ گیا۔ دوسرے ساتھی کو اکیلا پا کر انھوں نے بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا۔ وہ اس طرح کہ اس کے ہاتھ پاؤں باندھنے کے بعد اس کی آنکھوں میں گرم سلاخیں پھیر کر وہ ضائع کر دیں وہ پانی مانگتا تھا پانی بھی نہیں دیتے تھے اس طرح اس نے تڑپ تڑپ کر جان دے دی اور یہ اونٹ لے کر چل پڑے۔ جب یہ خبر مدینہ طیبہ (زادھا اللہ شرفاً و کرامۃً) پہنچی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بڑی تیزی کے ساتھ ان کا تعاقب کیا اور انہیں گرفتار کر کے لے آئے۔ اچھا زمانہ تھا بڑے بڑے بھی برائی کو تسلیم کرتے تھے آج تو لوگ برائی کر کے مانتے بھی نہیں ہیں۔ جب ان سے پوچھا گیا تو انھوں نے سارا واقعہ صحیح صحیح سنا دیا کہ ہم نے اس کو اس طرح قتل کیا کہ اس کی آنکھوں میں گرم سلاخیاں پھیرتے رہے اور مانگنے پر پانی بھی نہیں دیا اور اس نے تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔ پھر ہم اونٹ لے کر بھاگ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ کھلے میدان میں سولی گاڑو اور ان کو رسیوں سے باندھ کر میٹھوں کے ساتھ ان کے بدن کو خوب کس دو اور تین دن مسلسل ان کے بدن میں نیزے مارتے رہو تا کہ یہ تڑپ تڑپ کر مریں اور یک دم جان نہ نکلے۔ چنانچہ ان کے ساتھ ایسا ہی کیا گیا۔ یہ منظر عام لوگوں نے دیکھا۔ یقین جانو اگر آج بھی شرعی سزا نافذ کی جائے اور دو چار آدمیوں پر جاری کر دی جائے تو ڈاکے، قتل کا تصور بھی نہ رہے۔ یہ ہے ان آیات کا شان نزول اور ان میں ڈاکوؤں کی سزایان کی گئی ہے، ڈاکے کی چونکہ مختلف نوعیتیں ہوتی ہیں۔ لہذا ہر نوعیت کی الگ سزایان فرمائی ہے۔

سزائے متعلق تفصیلی حکم

①..... یہ کہ ڈاکہ ڈالا مگر مال نہیں لے جا سکے بندے قتل کیے ہیں تو اس صورت میں سزا ہوگی ﴿أَنْ يُقْتَلُوا﴾ یہ کہ ان کو قتل کیا جائے۔

②..... یہ کہ آدمی بھی قتل کیا اور مال بھی لے گئے تو سزا ہوگی ﴿أَوْ يُصَلَّبُوا﴾ یا انہیں سولی پر لٹکا یا جائے۔ چونکہ اس واردات میں ذیل جرم ہوا ہے لہذا پہلے انہیں زندہ سولی پر لٹکا یا جائے پھر نیزے مار مار کر ان کو قتل کر دیا جائے۔

③..... یہ کہ ڈاکو مال حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں مگر کوئی جان ضائع نہیں ہوئی تو اس کی سزا ہے ﴿أَوْ تُنْقَطَعُ أَيْدِيهِمْ وَ أَرْجُلُهُمْ مِّنْ خَلْفٍ﴾ یا کات دیئے جائیں ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ہائے۔

﴿مِّنْ خَلْفٍ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اگر دایاں ہاتھ کاٹا ہے تو بائیں پاؤں کٹے گا۔ اور اگر بائیں ہاتھ کاٹا ہے تو پاؤں دایاں کٹے گا۔

④..... یہ کہ ڈاکہ تو ڈالا مگر ڈاکو اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے نہ مال ہاتھ آیا اور نہ کوئی جان ضائع ہوئی۔ تو اس صورت میں سزا ہے ﴿أَوْ يُنْفَخُونَ مِنَ الْأَرْضِ﴾ یا ان کو دور کر دیا جائے زمین سے۔

امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک زمین سے دور کر دینے کا مطلب ہے کہ مجرم کو علاقہ بدر کر دیا جائے اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ

فرماتے ہیں کہ زمین سے دور کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو جیل میں بند کر دو کیونکہ جس کو اپنے علاقے اور ملک میں شرم نہیں آتی یہ جہاں جائے گا وہاں بھی ڈاکے ڈالے گا۔ لہذا اس کو جیل میں بند کر دو کہ وہیں اس کی زندگی ختم ہو جائے۔

﴿ذٰلِكَ لَنْتُمْ حٰزِيْنَ فِي الدُّنْيَا﴾ یہ ان کے لیے رسوائی ہے دنیا میں ﴿وَلَنْتُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ اور ان کے لیے آخرت میں عذاب ہوگا بڑا۔

شرعی حدود کا فائدہ

دیکھنا لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی سزائیں بڑی سخت ہیں۔ بھائی! ٹھیک ہے سزائیں سخت ہیں۔ جرم بھی تو سخت ہیں۔ امن بھی انہی سزاؤں سے قائم ہوتا ہے۔ شرعی سزاؤں کے مخالف لوگ جو امن امن کا راگ الاپتے ہیں وہ بتائیں کہ امن کہاں ہے؟ کس کا گھر محفوظ ہے؟ کس کا مال محفوظ ہے؟ کسی کی جان محفوظ ہے؟ کسی کی عزت محفوظ ہے، محض دعویٰ کرنے کا کیا فائدہ؟

تاب کے لیے شرعی قانون

﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا﴾ مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی ﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ﴾ اس سے پہلے کہ تم ان پر قدرت پاؤ۔ یعنی انہوں نے ڈاکا ڈالا مگر گرفتار ہونے سے پہلے پہلے توبہ کر لی تو رب تعالیٰ کا حق معاف ہو جائے گا اس کو سزا نہیں دی جائے گی۔ البتہ بندے کا حق معاف نہیں ہوگا جو کچھ چھینا ہے وہ واپس کرنا پڑے گا۔ آج صورت حال یہ ہے کہ اول تو مال ملتا ہی نہیں اور اگر مل بھی جائے تو طاقتوروں کو مل جاتا ہے، کمزوروں کو نہیں ملتا، درمیان ہی میں خورد برد ہو جاتا ہے۔ اگر شرعی قانون نافذ ہو تو جتنا مال گیا ہے اتنا ہی واپس آئے گا۔ کچھ بھی ضائع نہیں ہوگا۔

فرمایا ﴿فَاعْلَمُوْا﴾ پس تم جان لو ﴿اَنَّ اللّٰهَ عَفُوٌّ رَّحِيْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ رب تعالیٰ کا حق معاف ہو جائے گا اور بندے کا حق بہر صورت دینا پڑے گا۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اللہ تعالیٰ سے ڈرو ﴿وَابْتَغُوا الْوَسِيْلَةَ﴾ اور تلاش کرو اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ ﴿وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهِ﴾ اور جہاد کرو اس کے راستے میں ﴿لَقَدْ كُنْتُمْ تَفٰلِحُوْنَ﴾ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ بے شک وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿لَوْ اَنَّ لَهُمْ﴾ اگر بیشک ان کے لیے ہو ﴿مَا فِي الْاَرْضِ﴾ جو کچھ زمین میں ہے ﴿جَمِيْعًا﴾ سارا ﴿وَمِثْلَهُ مَعَهُ﴾ اور اس جیسا اور بھی ہو اس کے ساتھ ﴿لَيَفْتَدُوْا بِهِ﴾ تاکہ وہ فدیہ دیں اس کا ﴿مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت کے دن کے عذاب سے ﴿مَا تَقْبَلُ مِنْهُمْ﴾ نہیں قبول کیا جائے گا ان سے ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ اور ان کے لیے عذاب ہے دردناک

﴿يُرِيدُونَ﴾ ارادہ کریں گے ﴿أَنْ يَخْرُجُوا مِنَ الثَّامِرِ﴾ اس کا کہ نکلیں وہ آگ سے ﴿وَمَا هُمْ بِخُرُجِينَ مِنْهَا﴾ اور نہیں ہوں گے وہ دوزخ سے نکلنے والے ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ﴾ اور ان کے لیے عذاب ہوگا دائمی ﴿وَالسَّارِقُ﴾ چور مرد ﴿وَالسَّارِقَةُ﴾ اور چور عورت ﴿فَاقْطِعُوا أَيْدِيَهُمَا﴾ پس کاٹو تم ان دونوں کے ہاتھ ﴿جَزَاءً﴾ سزا ہے ﴿بِمَا كَسَبَا﴾ اس کی جو انھوں نے حرکت کی ﴿كَلَّا لَإِنَّ اللَّهَ﴾ عبرت ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے ﴿فَمَنْ تَابَ﴾ پس جس نے توبہ کر لی ﴿مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ﴾ اپنے ظلم کرنے کے بعد ﴿وَأَصْلَحَ﴾ اور اس نے اصلاح کر لی ﴿فَإِنَّ اللَّهَ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ ﴿يَتُوبُ عَلَيْهِ﴾ اس کی توبہ قبول کرے گا ﴿إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

تقویٰ کا مفہوم

اللہ تبارک و تعالیٰ کا حکم ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿اتَّقُوا اللَّهَ﴾ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ رب تعالیٰ سے ڈرنے کا کیا معنی ہے وہ تو بڑی رحیم و کریم ذات ہے رؤف و رحمن ذات ہے۔ تو مفسرین کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی مخالفت، اس کی پکڑ اور اس کے عذاب سے ڈرو کیوں کہ جب تم نافرمانی کرو گے تو اس کی پکڑ اور عذاب آئے گا۔ لہذا اس کی مخالفت اور نافرمانی سے بچو۔

وسیلہ کا حکم

﴿وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ اور تلاش کرو اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرو نماز کے ساتھ، روزے کے ساتھ، جہاد کے ساتھ، قرآن پاک کی تلاوت کے ساتھ، صدقہ، خیرات کے ساتھ۔ غرضیکہ جو بھی نیکی کے کام ہیں ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرو چونکہ نیک لوگوں کے ساتھ محبت بھی اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے۔ اس لیے یہاں یہ بحث بھی چلتی ہے کہ آیا کسی بزرگ کے وسیلے اور واسطے سے دعا کرنی جائز ہے یا نہیں؟

وسیلہ کے جواز کی صورت

مثلاً: کوئی شخص یوں کہے کہ اے پروردگار! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے میرا یہ کام کر دے یا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے طفیل سے میرا یہ کام کر دے یا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی حرمت سے میرا کام کر دے۔ یا یوں کہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے میرا کام کر دے یا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی جاہ سے میرا کام کر دے۔ یا یوں کہے اے پروردگار! حضرت علی رضی اللہ عنہ ججویری رحمۃ اللہ علیہ کے صدقے سے میرا کام کر دے لفظ وسیلہ کی تخصیص نہیں ہے وسیلہ، واسطہ، طفیل، جاہ،

صدقہ، حرمت سب کا ایک ہی معنی ہے تو اس مسئلہ میں تفصیل ہے کہ آیا جس بزرگ کا واسطہ دے کر سوال کر رہا ہے۔ اس کے متعلق اس کا کیا نظریہ ہے اگر ان کو حاضر و ناظر، عالم الغیب، مختار کل سمجھ کر ان کا واسطہ دے رہا ہے کہ وہ بزرگ میرا کام اللہ تعالیٰ سے کرادیں گے چاہے اللہ تعالیٰ راضی ہو یا نہ ہو۔ تو یہ خالص کفر اور شرک ہے اور مشرکین مکہ والا عقیدہ ہے۔ اس کی اسلام میں قطعاً اجازت نہیں ہے۔ اور اگر نبی، ولی، شہید کو حاضر و ناظر، عالم الغیب، مختار کل، متصرف فی الامور نہیں سمجھتا اور نہ یہ نظریہ رکھتا ہے کہ ہر حال میں وہ میرا کام کرادیں گے بلکہ اس نظریہ کے تحت واسطہ دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر پر میرا ایمان ہے اور ان کے ساتھ میری محبت ہے اور اولیاء اللہ کے ساتھ میری محبت ہے اور ان کے ساتھ محبت ایمان اور عمل صالح ہے۔ لہذا اس عمل صالح کی وجہ سے سوال کرتا ہوں تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ یہ توسل بالعمل الصالح ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں ہے۔ اور اگر اس تفصیل کو سامنے نہیں رکھتا مطلقاً لفظ وسیلے واسطے کا بولتا ہے تو پھر مکروہ ہے۔ کیونکہ ایسا لفظ بولنا کہ جس کا دوسرا معنی بھی بن سکتا ہو مکروہ ہے جب تک مراد کی تعیین نہ کی جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا آتَيْنَا وَقَوْلُوا انَّا نُنزِّلُهَا - تَرَاغِبًا﴾ نہ کہ ﴿انُنزِّلْنَا﴾ کہو۔ کیونکہ یہودی اس سے غلط مطلب لیتے ہیں۔

جہاد کا مفہوم

﴿وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ﴾ اور جہاد کرو اس کے راستے میں۔ جہاد میں ہر قسم کا جہاد ہے یعنی مالی، جانی، قلمی، زبانی حدیث پاک میں آتا ہے: ((جَاهِدُوا بِالْمُسْبِرِ كَيْفَ بَالِئْسَ جِهَادُكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ)) مشرکوں کے ساتھ جہاد کر دو زبانوں سے، جانوں سے اور مالوں سے۔ حق بات کرنا زبان کا جہاد ہے اسی لیے حدیث پاک میں آتا ہے ((أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةٌ حَقٌّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ)) بہترین جہاد ظالم جابر بادشاہ کے سامنے حق بات کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مال خرچ کرنا، مالی جہاد ہے اپنی جان کو لے کر اللہ تعالیٰ کے راستے میں نکلنا بدنی جہاد ہے۔ فرمایا ﴿لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ﴾ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

عذابِ الہی سے کوئی مفر نہیں

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ بے شک وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿لَوْ أَنَّ لَهُمْ﴾ اگر بے شک ان کے لیے ہو ﴿مَقَاتِلَ الْأَرْضِ﴾ جو کچھ زمین میں ہے ﴿جَبِينًا﴾ سارا ﴿وَمِثْلَهُ مَعَهُ﴾ اور اس جیسا اور بھی ہو اس کے ساتھ ﴿لَيُفْتَدُوا بِهَا﴾ تاکہ وہ فدیہ دیں اس کا ﴿وَمِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ قیامت کے دن کے عذاب سے ﴿مَا تَقْبَلُونَ مِنْهُمْ﴾ نہیں قبول کیا جائے گا ان سے۔ اور تیسرے پارے کے آخری رکوع میں ہے ﴿مِنَ الْأَرْضِ دُهَابًا﴾ سونے سے بھری ہوئی زمین۔ یہاں اجمال ہے کہ جو کچھ زمین میں ہے وہ سارا سونا ہی سونا ہو یعنی مشرق سے لے کر مغرب تک شمال سے لے کر جنوب تک اور زمین کے فرش سے لے کر آسمان کی چھت تک سونا ہی سونا ہو اور اس کے ساتھ اتنا اور ہو۔ اور یہ سارا مال قیامت کے دن عذاب کے بدلے میں دینا چاہیں کہ یہ دے

کر عذاب سے بچ جائیں تو قبول نہیں کیا جائے گا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ وہاں سونا ہوگا کس کے پاس مرنے کے بعد تو کسی کے پاس ایک ماشہ بھی ہو تو اتار لیتے ہیں اور اگر فرض کرو ہو بھی قبول نہیں کیا جائے گا عذاب سے چھٹکارا نہیں ہوگا۔

دیکھو! سودا بڑا مہنگا بھی ہے اور سستا بھی ہے۔ آخرت کے اعتبار سے تو بڑا مہنگا ہے اور دنیا کے اعتبار سے بڑا سستا ہے کہ انسان زبان سے کلمہ پڑھے دل سے تصدیق کرے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے اور احکام شرع پر طاقت کے مطابق عمل کرے آخرت کے عذاب سے بچ جائے گا اور آخرت کے اعتبار سے بڑا مہنگا ہے کہ زبان سے کلمہ نہ پڑھے دل سے تصدیق نہ کرے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرائے احکامات الہیہ کو توڑے اور اسی حال میں مر جائے تو پھر عذاب سے چھٹکارا نہیں ہے۔ چاہے زمین کے برابر اور اس کے مثل اور بھی سونا بد لے میں دے دے تو قبول نہیں کیا جائے گا۔

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ اور ان کے لیے عذاب ہے دردناک ﴿يُرِيدُونَ﴾ ارادہ کریں گے ﴿أَنْ يُخْرِجُوا مِنَ النَّارِ﴾ اس کا کہ نکلیں وہ آگ سے ﴿وَمَا هُمْ بِمُخْرِجِينَ مِنْهَا﴾ اور نہیں ہوں گے وہ دوزخ سے نکلنے والے ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِمٌ﴾ اور ان کے لئے عذاب ہوگا دائمی۔ اس سے پہلے ڈاکوؤں کی سزا بیان ہوئی تھی۔ اب چوروں کی سزا کا بیان ہے۔

چور کی سزا

ارشادِ باری ہے ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ﴾ اور چور مرد اور چور عورت ﴿فَأَقْصَوْا أَيْدِيَهُمْ﴾ پس کاٹو تم ان دونوں کے ہاتھ۔

چوری کی مقدار

اس مسئلہ میں فقہاء کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہے کہ کتنی مالیت پر ہاتھ کاٹا جائے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ احادیث میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک ڈھال کی چوری پر ہاتھ کاٹا گیا اس وقت ڈھال کی قیمت تین درہم یا پانچ درہم ہوتی تھی۔ بعض روایات میں دس درہم کا ذکر بھی آتا ہے۔

ائمہ کرام کے اقوال

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی تحقیق یہ ہے کہ دس درہم کی مالیت کی چوری ہو تو چور کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا ایک درہم ساڑھے تین ماشے چاندی کا ہوتا ہے۔ دوبارہ چوری کرے گا تو بائیں پاؤں کاٹا جائے گا اگر تیسری مرتبہ چوری کرے گا تو طرم کونیل میں ڈال دیا جائے گا۔ تا وقتیکہ یہ یقین ہو جائے کہ اس نے اس فعل سے توبہ کر لی ہے۔

امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر پہلی مرتبہ چوری کی ہے تو اس کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا دوسری مرتبہ چوری کی ہے تو بائیں پاؤں کاٹا جائے گا تیسری مرتبہ کی ہے تو اس کا بائیں ہاتھ کاٹا جائے گا اور اگر چوتھی مرتبہ کرے گا تو اس کا دایاں پاؤں کاٹا

جائے گا یقین جانو دو چار چوروں کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں تو ملک سے چوری کا نام و نشان ختم ہو جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ بے شک سزا سخت ہے اور بے دین انگریزی ذہن رکھنے والے مغربی طرز کے لوگ شرعی سزاؤں کو جابرانہ و حشیانہ اور ظالمانہ کہتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ چور اور ڈاکو نے کون سا نیک کام کیا ہے؟ بے شک سزائیں سخت ہیں مگر ان کے لیے جو چوری ذمہ کریں گے۔ دوسروں کے لیے تو یہ سزائیں نہیں ہیں۔ سزا جرم کے مطابق ہوتی ہے۔

شرعی حد میں سفارش کا واقعہ

آنحضرت ﷺ کے زمانے میں قبیلہ بنو مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی قبیلہ بنو مخزوم قریش کی ایک شاخ ہے۔ ابو جہل جس کا نام عمرو بن ہشام تھا اسی قبیلہ سے تھا۔ تو بنو مخزوم بڑے پریشان ہوئے کہ ابھی تو اس کی شادی بھی نہیں ہوئی ہاتھ کاٹا گیا تو اس کو کون قبول کرے گا انہوں نے سفارشی تلاش کیا جو آنحضرت ﷺ سے سفارش کرے کہ ہاتھ کاٹنے کی بجائے کوئی اور سزا دی جائے۔ اور تو کسی نے حامی نہ بھری حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو بڑی محبت تھی اور انہی دنوں میں ان کے والد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ شام کے علاقہ موتہ میں شہید ہوئے تھے اور ان کے ساتھ بھی آنحضرت ﷺ کو بڑا پیار تھا تو حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو سفارشی بنا کر بھیجا گیا۔

یہ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچے خدمت کے ساتھ ساتھ باتوں باتوں میں کہنے لگے حضرت! سنا ہے کوئی چوری ہوئی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! ہوئی ہے۔ حضرت! کس نے کی ہے؟ فرمایا قبیلہ بنو مخزوم کی ایک عورت نے کی ہے۔ حضرت اب کیا بنے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ کہنے لگے حضرت! اگر اس کو کوڑے مارے جائیں یا قید کر دیا جائے تو کیسا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ((أَتَشْفَعُ فِي حَدِّ مِنِّي مُحَمَّدٍ اللَّهُ)) اے اسامہ! تو اللہ تعالیٰ کی حدود ٹالنے میں سفارش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم ہے اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔ یہ ہے مساوات کہ قانون سب کے لیے برابر ہو یہ نہیں کہ بڑے کے لیے اور قانون اور چھوٹے کے لیے اور قانون۔ اور اس کا نام مساوات نہیں ہے کہ مکان سب کے ایک جیسے ہوں مال سب کے پاس برابر ہو، صحت سب کی ایک جیسی ہو، بیوی سب کی ایک جیسی ہو، اولاد سب کی ایک جیسی ہو، یا جس طرح رونی کپڑا مکان کی برابری کا نعرہ لگایا جاتا ہے۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

فرمایا یہ جو سزا ہے ﴿بِجَزَاءِ مِمَّا كَسَبُوا﴾ سزا ہے اس کی جو انہوں نے حرکت کی ﴿تَكَالُفِ مِنَ اللَّهِ﴾ عبرت ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے۔ کہ اس کے احکامات حکمت کے عین مطابق ہیں۔ ﴿لَمَن تَابَ﴾ پس جس نے توبہ کر لی ﴿وَمَن تَابَ عَلَيْهِ﴾ اپنے ظلم کرنے کے بعد ﴿وَأَصْلَحَ﴾ اور اس نے اصلاح کر لی ﴿فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرے گا۔ توبہ سے رب تعالیٰ کا حق معاف ہو جائے گا بندے کا حق معاف نہیں ہوگا۔ بندے کا حق ادا کرنے سے یا معاف کرانے سے معاف ہوتا ہے۔ محض زبانی توبہ کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ کہ

لوگوں کے حق دبائے رکھے اور زبان سے کہے میری توبہ، میری توبہ یہ محض دھوکہ ہے۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ عَفُوٌّ رَحِيمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ اس کی مہربانی کا نتیجہ ہے کہ اس نے مہربانی فرمائی ہے۔



﴿أَلَمْ تَعْلَمْ﴾ کیا تو اے مخاطب نہیں جانتا ﴿أَنَّ اللَّهَ﴾ کہ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَهُ﴾ اس کے لیے ہے ﴿مُلْكُ السَّمٰوٰتِ﴾ آسمانوں کا ملک ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین کا ﴿يُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ﴾ سزا دیتا ہے جس کو چاہے ﴿وَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ﴾ اور بخشتا ہے جس کو چاہے ﴿وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُوْلُ﴾ اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ﴿لَا يَحْزُنْكَ﴾ نہ غم میں ڈالیں آپ کو ﴿الَّذِيْنَ﴾ وہ لوگ ﴿يُسٰرِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ﴾ جو دوڑتے ہیں کفر کی طرف ﴿مِنَ الَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں میں سے ﴿قَالُوْا اٰمَنَّا﴾ جنہوں نے کہا ہم ایمان لائے ﴿بِاٰقْوٰهِمُ﴾ اپنے مونہوں سے صرف ﴿وَلَمْ تُوْثِقُوْا اٰمَانًا﴾ اور نہیں ایمان لائے دل ان کے ﴿وَمِنَ الَّذِيْنَ فَاذُوْا﴾ اور ان لوگوں میں سے جو یہودی ہیں ﴿سَعُوْنَ بِالْكَذِبِ﴾ سنتے ہیں وہ جھوٹ کو ﴿سَعُوْنَ لِقَوِّمِ الْاٰخِرِيْنَ﴾ سنتے ہیں وہ دوسری قوم کے لیے ﴿لَمْ يَأْتُوْكَ﴾ وہ قوم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس نہیں آئی ﴿يَحْتَرِفُوْنَ الْكَلِمَ﴾ بدل دیتے ہیں کلموں کو ﴿مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ﴾ اپنی جگہ پر بیٹھنے کے بعد ﴿يَقُوْلُوْنَ﴾ کہتے ہیں ﴿اِنْ اُوْتِيْنٰمْ هٰذَا﴾ اگر تمہیں دی گئی یہ چیز ﴿فَاخْذُوْهَا﴾ پس اس کو لے لینا ﴿وَإِنْ لَمْ تُوْتُوْهُ﴾ اور اگر تمہیں وہ چیز نہ دی جائے ﴿فَاخْذُوْهَا﴾ تو بچنا اس سے ﴿وَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ﴾ اور وہ شخص کہ ارادہ کرے اللہ تعالیٰ ﴿فَمَنْتَهُ﴾ اس کو فتنے میں ڈالنے کا ﴿فَلَنْ تَسْلِكَ لَهٗ﴾ پس ہرگز آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے مالک نہیں ہیں ﴿مِنَ اللَّهِ شَيْئًا﴾ اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی چیز کے ﴿اَوْ لِيْكَ الَّذِيْنَ﴾ وہ، وہ لوگ ہیں ﴿لَمْ يُرِدِ اللَّهُ﴾ اللہ تعالیٰ نے ارادہ نہیں فرمایا ﴿أَنْ يُّظٰهَرَ قَلُوْبُهُمْ﴾ یہ کہ ان کے دلوں کو پاک کرے ﴿لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ﴾ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے ﴿وَاللَّهُمَّ فِي الْاٰخِرَةِ﴾ اور ان کے لیے آخرت میں ﴿عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ عذاب ہے بڑا۔

حزنا میں خیانت کا واقعہ

اس سے پہلی آیات میں چوری اور ڈکیتی کی سزا کا بیان تھا آئندہ آیات میں ضمنی طور پر زنا کی سزا کا ذکر ہے۔ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ خیبر کے علاقہ میں یہود کے ایک اونچے خاندان کے شادی شدہ شخص نے شادی شدہ عورت کے ساتھ زنا کا ارتکاب کیا۔ جرم سامنے آنے پر اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ خیبر کے علاقہ میں سو فیصد آبادی یہودیوں کی تھی اور بڑا زرخیز

علاقہ تھا ہر قسم کا اناج، پھل، سبزیاں پیدا ہوتی تھیں۔ اور جتنی قسم کی بھجور خیر کے علاقہ میں ہوتی تھی اور کسی علاقہ میں نہیں ہوتی تھی۔ چھوٹے طبقے کے لوگوں نے احتجاج کیا کہ اگر ہم میں سے کسی سے خیانت ہو جائے تو فوراً سزا دیتے ہو۔ ان کو کیوں نہیں دی جاتی اس لیے کہ یہ اونچے طبقے کے ہیں۔ عوامی آواز اگر اٹھ جائے تو اثر رکھتی ہے۔ جب احتجاج زیادہ ہوا تو دونوں خاندانوں کو لگ کر ہوئی کہ عوامی آواز کو دباننا بہت مشکل ہے لہذا غور و فکر کرو کہ اس کا کیا ہونا چاہیے۔

چنانچہ انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ عوامی رد عمل کو روکنے کے لیے کچھ کرنا پڑے گا۔ لہذا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے فیصلہ کرا لیتے ہیں کیونکہ ان کی شریعت ہماری شریعت سے نرم ہے اور یہ بات تم جانتے ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر ہیں اور وہی پیغمبر ہیں جنہوں نے سب سے آخر میں مبعوث ہونا تھا اور جن کی ہم بشارتیں بیان کرتے تھے اور اپنے علماء سے سنتے تھے باقی اس بات کا عوام کے سامنے ذکر نہ کرنا۔ تو چونکہ ان کی شریعت نرم ہے اور ہماری شریعت میں احکام بڑے سخت ہیں لہذا ان سے فیصلہ کرا لیتے ہیں۔ اس طرح احتجاج ختم ہو جائے گا۔ ان کی شریعت میں احکام سخت تھے۔ مثلاً: پانی نہ ہونے کی صورت میں ان کو تیمم کی اجازت نہیں تھی بیمار ہو پھر تیمم کی اجازت نہیں تھی ہمیں اجازت ہے۔ ان کو مسجد کے علاوہ کسی جگہ نماز پڑھنے کی اجازت نہیں تھی۔ ہمیں اجازت ہے کہ جب نماز کا وقت ہو جائے ہر پاک جگہ پر نماز ادا کر سکتے ہیں۔ ان کو مالِ غنیمت کھانے کی اجازت نہیں تھی۔ ہمیں اجازت ہے ان پر زکوٰۃ، مال کا چوتھائی حصہ فرض تھی اور ہمارے اوپر چالیسواں حصہ ہے۔ ان کے کپڑوں پر نجاست لگ جاتی، خون لگ جاتا، زخم کی پیپ لگ جاتی تو اس جگہ سے کپڑا قینچی سے کاٹنا پڑتا تھا۔ چاہے کپڑا کتنا قیمتی کیوں نہ ہوتا۔ مثلاً: کبیل پر گندگی لگ جائے تو اس کو کاٹنا کتنا دشوار ہے مگر ان کو حکم تھا۔ تو کہنے لگے ہماری شریعت بڑی سخت ہے ان کی شریعت نرم ہے۔ لہذا ان سے فیصلہ کرا لیتے ہیں لیکن ساتھ یہ بھی مشورہ میں طے ہوا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی کوئی سخت حکم دیں تو قبول نہ کرنا۔ ہاں! اگر کوئی نرم سا فیصلہ فرمادیں کہ مثلاً: چند کوزوں کا حکم دیں یا جرمانہ کر دیں یا کچھ دنوں کی قید کا حکم دیں تو تسلیم کر لیتا۔ چنانچہ یہودیوں کا یہ وفد جس میں مرد بھی تھے عورتیں بھی تھیں، ان کے علماء بھی تھے۔ علماء میں عبد اللہ بن صور یا جو ان کا سب سے بڑا عالم تھا اور ایک آنکھ سے کاٹا تھا، وہ بھی شامل تھا۔ یہ فدک کا رہائشی تھا جو خیر سے تین میل کے فاصلے پر ہے۔

تورات کے احکام اور شریعت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) ۱۰

مدینہ منورہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے۔ مدینہ منورہ میں جو منافق تھے ان کے ساتھ ان کی رشتہ دار یاں تھیں۔ چنانچہ ان کے گھروں میں ٹھہرے کیونکہ منافق پہلے یہودی تھے۔ ان کو انھوں نے بتایا کہ اس مقصد کے لیے آئے ہیں۔ مدینہ طیبہ میں عام لوگوں کو بھی اطلاع ہو گئی۔ صبح کو جب انھوں نے اپنا مسئلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا تو بڑا عظیم مجمع تھا۔ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بھی پہلے یہودی تھے بلکہ یہودیوں کے بڑے عالم تھے۔ وہ بھی تشریف لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم فیصلہ کرانے کے لیے میرے پاس آئے ہو تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب توراہ ہے اس کے مطابق فیصلہ کیوں نہیں کیا؟

کہنے لگے تورات تو ہے مگر اس میں اس مسئلے کا کوئی واضح حکم نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تورات لاؤ، تورات لائی گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا جہاں اس جرم کا ذکر ہے وہاں سے پڑھو۔

عبداللہ بن صور یا کی خیانت

عبداللہ بن صور یا نے پڑھنی شروع کی مگر اس میں خیانت کی۔ یعنی درمیان کی وہ آیات جن میں زنا کا حکم تھا کھا گیا حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بول پڑے کہ حضرت یہ خیانت کر رہا ہے رجم کی آیتیں چھوڑ گیا ہے کیونکہ تورات میں بھی شادی شدہ زانی مرد، عورت کی سزا رجم ہی تھی۔ چنانچہ ان دونوں کو مدینہ طیبہ میں رجم کیا گیا۔

پہلے یہ بات سمجھائی کہ آسمانوں اور زمینوں پر اللہ تعالیٰ کی شاہی ہے وہ اپنے ملک میں جس طرح کا قانون نافذ کرے، کر سکتا ہے۔ تم کون ہو اعتراض کرنے والے کہ یہ سنگین سزائیں ہیں۔

خلاصہ تفسیر

فرمایا ﴿أَلَمْ تَعْلَمُوا﴾ کیا تو اے مخاطب نہیں جانتا ﴿أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہے آسمانوں کا ملک اور زمین کا۔ اپنے ملک میں جیسا چاہے قانون نافذ کر سکتا ہے۔ آج دنیا کے حکمران کہتے ہیں کہ اگر ہمارے احکام کی خلاف ورزی کرو گے تو اس کی یہ سزا ہوگی وہ سزا ہوگی اگر یہ اپنے قانون کی خلاف ورزی پر سزا دے سکتے ہیں تو رب کائنات اپنے احکام کی خلاف ورزی پر کیوں سزا نہیں دے سکتا؟

﴿يُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ﴾ سزا دیتا ہے جس کو چاہے ﴿وَيُعْفِرُ لِمَن يَشَاءُ﴾ اور بخشتا ہے جس کو چاہے۔ جو اس کے حکموں کی خلاف ورزی کرے گا اس کو سزا دے گا اور جو تعمیل کرے گا اس کو بخشے گا۔ ﴿وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ آگے اس واقعہ کا ذکر ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے رسول (ﷺ) ﴿لَا يَعْزُبُ عَنْكَ﴾ نہ غم میں ڈالیں آپ ﷺ کو ﴿الَّذِينَ يُسَاهَرُونَ فِي الْكُفْرِ﴾ وہ لوگ جو کفر میں ایک دوسرے سے آگے بڑھتے ہیں۔ یہ ان منافقوں کا ذکر ہے جن کے پاس یہودی آکر ٹھہرے تھے۔ ﴿وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا﴾ ان لوگوں میں سے جنہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے ہیں ﴿بِأَقْوَامِهِمْ﴾ صرف اپنے منہوں سے۔ یعنی ان کا یہ صرف زبانی دعویٰ تھا کہ ہم ایمان لائے ہیں۔ ﴿وَلَمْ تُؤْمِنُوا بِهِمْ﴾ اور نہیں ایمان لائے دل ان کے۔ ان منافقوں کی وجہ سے تم ٹمکن نہ ہو۔

﴿وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا﴾ اور ان لوگوں میں سے جو یہودی ہیں۔ ان سے بھی پریشان نہ ہوں چاہے وہ مقامی یہودی ہیں یا جنیبر سے آئے ہیں۔ ﴿سَتَعُونَ لِلْكَذِبِ﴾ سنتے ہیں وہ جھوٹ کو۔ یعنی وہ جھوٹ سننے کے عادی ہیں۔ ﴿سَتَعُونَ لِقَوْمِ الْأَمْرِيِّ﴾ سنتے ہیں وہ دوسری قوم کے لیے ﴿لَمْ يَأْتُواكُم﴾ وہ قوم آپ ﷺ کے پاس نہیں آئی۔ وہ لوگ خیبر میں ہیں جنہوں نے

ان کو بھیجا ہے۔

﴿يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ﴾ بدل دیتے ہیں کلموں کو اپنی جگہ پر بیٹھنے کے بعد۔ یعنی رب تعالیٰ کے حکموں کو بدلتے ہیں حالانکہ وہ اپنی جگہ بالکل واضح صاف اور قائم ہیں۔ ﴿يَقُولُونَ﴾ کہتے ہیں ﴿إِنْ أُوْتِيتُمْ هَذَا﴾ اگر تمہیں دی گئی یہ چیز۔ یہ حکم دیں کہ ان کو قید کر دو یا کوڑوں یا جرمانے کی سزا دے دیں۔ تو ﴿فَعَذُّوهُمْ﴾ بس اس کو لے لینا ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ تُؤْتُوهُ﴾ اور اگر تمہیں وہ چیز نہ دی جائے۔ یعنی اس طرح کا نرم حکم نہ ملے۔

﴿فَاخَذُوا﴾ تو بچنا اس سے، نہ ماننا، اس کو تسلیم نہ کرنا۔ آنے والے دند کو یہ سبق پڑھا کر بھیجا گیا تھا کہ رجم کا حکم دیں تو تسلیم نہ کرنا کیونکہ یہ توہمہ ری کتاب توراہ میں بھی موجود ہے۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَنْ يُؤَدِّ اللَّهُ فَتْنَتَهُ﴾ اور وہ شخص کہ ارادہ کرے اللہ تعالیٰ اس کو فتنے میں ڈالنے کا۔ اور رب تعالیٰ فتنے میں اسی کو ڈالتا ہے جو اس کی نافرمانی کرتا ہے۔ تو اگر اللہ تعالیٰ فتنے میں ڈالنے کا ارادہ کرے۔

﴿فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا﴾ پس ہرگز آپ علیہ السلام اس کے مالک نہیں ہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی چیز کے۔ جو آدمی اپنی مرضی سے کفر میں ڈوبا ہوا ہو تو رب تعالیٰ اس کو جبراً تو ہدایت نہیں دیتا بلکہ اسے فتنے میں مبتلا رکھتا ہے۔ ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ﴾ وہ، وہ لوگ ہیں ﴿لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَظْهَرْ قُلُوبَهُمْ﴾ اللہ تعالیٰ نے ارادہ نہیں فرمایا یہ کہ ان کے دلوں کو پاک کرے۔ کیونکہ وہ خود پاک ہونا نہیں چاہتے۔ رب تعالیٰ کا اصول یہ ہے ﴿وَيَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُبِينٍ﴾ اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے۔ جبراً کسی کو ہدایت نہیں دیتا۔ ﴿فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ﴾ [الف: ۵، پارہ: ۲۸] پس جب ان لوگوں نے کج روی کی اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے یعنی جب کوئی غلط راستے پر چلتا ہے تو رب تعالیٰ اس کو ادھر ہی چلا دیتا ہے۔

عبداللہ بن صور یا کاجانجام

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے۔ وہ اس طرح کہ اتنے بڑے مجمع میں جس میں یہودی بھی تھے عیسائی بھی تھے۔ مسلمان بھی تھے اور کافر بھی تھے ان کا سب سے بڑا عالم عبداللہ بن صور یا رسوا ہو گیا۔ جب اس نے تورات پڑھنی شروع کی اور درمیان سے آیتیں چھوڑ گیا اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا کہ یہ رجم کے حکم والی آیتیں کھا گیا ہے اور انھوں نے وہ آیتیں پڑھ کر سنا دیں اور یہودیوں سے پوچھا کہ بتاؤ بھائی! یہ آیتیں توراہ میں ہیں یا نہیں؟ سب نے کہا ہاں ہیں۔ پھر ابن صور یا سے پوچھا کہ یہ آیتیں ہیں یا نہیں؟ کہنے لگا ہیں۔ تو سب کے سامنے شرمندہ ہوا۔ اس سے بڑھ کر ذلت اور رسوائی کیا ہوگی۔

﴿وَلَقَدْ كَفَرَ لِيَ الْاِخْتِرَافُ عَنَّا عَظِيمٌ﴾ اور ان کے لیے آخرت میں عذاب ہے بڑا۔ کیونکہ رب تعالیٰ کے حکموں کو ماننے کے

لیے تیار نہیں ہیں۔ جو ان کے پاس توراہ میں موجود ہیں۔ آگے مزید تفصیل آئے گی ان شاء اللہ العزیز۔



﴿سَعُونَ﴾ وہ بہت سننے والے ہیں ﴿يَلْكَبُ﴾ جھوٹ کو ﴿أَكْلُونَ لِسْتِحْتِ﴾ اور کھاتے ہیں حرام ﴿فَإِنْ جَاءُوكَ﴾ پس اگر وہ آپ کے پاس آئیں ﴿فَاحْكُم بَيْنَهُمْ﴾ پس آپ فیصلہ کریں ان کے درمیان ﴿أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ یا ان سے اعراض کریں ﴿وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ اور اگر ان سے اعراض کریں گے ﴿فَلَنْ يَصُورَكَ شَيْئًا﴾ تو ہرگز وہ آپ سے کچھ بھی نہیں پہنچا سکیں گے کچھ بھی ﴿وَإِنْ حَكَمْتَ﴾ اور اگر آپ فیصلہ کریں ﴿فَاحْكُم بَيْنَهُمْ﴾ پس آپ فیصلہ کریں ان کے درمیان ﴿بِالْقِسْطِ﴾ انصاف کے مطابق ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے انصاف کرنے والوں سے ﴿وَ كَيْفَ يُحْكِمُوكَ﴾ اور کیسے یہ لوگ آپ کو ثالث تسلیم کرتے ہیں ﴿وَ عِنْدَهُمُ التَّوْرَةُ﴾ اور حالانکہ ان کے پاس توراہ ہے ﴿فَإِنَّمَا حُكِمَ اللَّهُ﴾ اس میں اللہ تعالیٰ کا حکم موجود ہے ﴿ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ﴾ پھر وہ روگردانی کرتے ہیں ﴿مَنْ يَعِدْ ذَلِكَ﴾ اس کے بعد ﴿وَمَا أَوْلِيكَ بِالْمُؤْمِنِينَ﴾ اور نہیں ہیں وہ لوگ توراہ پر ایمان لانے والے۔

گناہ کا اقرار بھی ایک خوبی ہے

اس سے پہلے تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا ہے کہ خیر کے علاقے میں ایک اونچے خاندان کے شادی شدہ مرد نے دوسرے اونچے درجے کے خاندان کی شادی شدہ عورت کے ساتھ زنا کا ارتکاب کیا بڑوں نے ان کے جرم پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی مگر عوامی احتجاج کے سامنے مجبور ہو کر یہ فیصلہ کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے فیصلہ کرا لیتے ہیں۔ کیونکہ ان کی شریعت نرم ہے۔ اور یہ کہہ کر بھیجا کہ اگر وہ سخت حکم دیں تو تسلیم نہ کرنا اور نرم سا حکم دیں تو تسلیم کر لینا۔ مدینہ منورہ پہنچ کر انہوں نے مقدمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ملزمان سے دریافت فرمایا تو انہوں نے اپنے جرم کا اقرار کیا۔ اچھا زمانہ تھا لوگ برائی کر کے اقرار بھی کرتے تھے آج کے زمانے میں جرم کا اقرار کرنے والا کون ہے۔ میں کہتا ہوں بڑے سے بڑا مسلمان بھی جرم کا اقرار کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ خصوصاً وہ جرم جس کی وجہ سے اس پر زد پڑتی ہو بلکہ دس وکیل کرتا ہے۔ اس کو نفاذ ثابت کرنے کے لیے اور ہزار دلیلیں پیش کرتا ہے کہ میرے اوپر جھوٹا الزام ہے لیکن اس زمانے میں لوگ جرم کا اقرار کرتے تھے۔

بچی کے قتل کا واقعہ

چنانچہ ایک واقعہ اس طرح پیش آیا کہ مدینہ طیبہ میں ایک انصاری اپنی بیوی اور آٹھ سالہ بچی کے ہمراہ اپنے باغ میں

کام کر رہے تھے کہ سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے اس نے اپنی بیوی کو کہا کہ تم ماں بیٹی جاؤ اور کھانے کا انتظام کرو۔ تاکہ میرے آنے سے پہلے کھانا تیار ہو۔ ماں بیٹی جب گھر پہنچیں تو دیکھا کہ پانی نہیں ہے قریب کنواں تھا جس سے عام لوگ پانی بھرتے تھے اس نے بیٹی کو برتن دیا کہ کنویں پر جا تجھے بھی کوئی پانی بھر دے گا۔ پانی لاؤ تاکہ روٹی کا انتظام کریں۔ سونے اتفاق کہ اس وقت کنویں پر ایک یہودی کے سوا کوئی آدمی نہیں تھا بچی کے گلے میں ایک قیمتی موتیوں کا ہار تھا۔ یہودی کی نیت بری ہو گئی۔ اس نے ہار چھیننے کی کوشش کی بچی نے مزاحمت کی۔ مگر وہ نوجوان تھا یہ بچی تھی کیا تقابل تھا؟ اس نے ہار چھین لیا بچی نے کہا کہ میں تجھے جانتی ہوں اور تیرے نام سے داقف ہوں میں اپنے ابو کو بتاؤں گی کہ فلاں یہودی نے میرا ہار چھینا ہے۔ تو یہودی نے اپنا جرم چھپانے کے لیے بچی کو پکڑا ایک پتھر پر سر رکھ کر اوپر سے دوسرا پتھر مارا اور یہ سمجھ کر کہ مر گئی ہے وہاں سے بھاگ گیا۔

ادھر ماں کو فکر ہوئی کہ کافی دیر ہو گئی ہے بچی ابھی تک پانی لے کر نہیں آئی۔ اس نے پڑوسن کو بلا یا کہ بچی کو پانی لینے کے لیے بھیجا تھا واپس نہیں آئی میں اس کی خبر لینے کے لیے جاتی ہوں میرے گھر کا خیال رکھنا۔ جب وہاں پہنچی تو دیکھا کہ بچی تڑپ رہی ہے۔ شور مچانے پر لوگ اکٹھے ہو گئے۔ بچی سے پوچھتے، فلاں نے مارا ہے؟ فلاں نے مارا ہے؟ وہ سر ہلا دیتی جب اس یہودی کا نام آیا تو اس نے سر ہلا کر کہا ہاں! اس نے مارا ہے۔

بچی تو تڑپ تڑپ کر فوت ہو گئی اس یہودی کو بلا کر پوچھا کہ اس بچی کو تو نے مارا ہے تو اس نے اپنے جرم کا اقرار کیا کہ ہاں یہ غلطی مجھ سے ہوئی ہے۔ اگر انکار کر جاتا تو کون سے وہاں گواہ موجود تھے کیونکہ اچھا زمانہ تھا لوگ جرم کا اقرار کر لیتے تھے۔ چنانچہ اس کو اسی طرح سر چکل کر مار دیا گیا۔

سگساری کا فیصلہ

تو خیر! بات یہ ہو رہی تھی کہ خیر دالے یہودی جوڑے نے اپنے جرم کا اقرار کیا کہ ہم سے یہ غلطی ہوئی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے توراہ کے مطابق ان کو سگسار کرنے کا حکم فرمایا۔ اور ان کو مدینہ طیبہ میں سگسار کیا گیا۔ باقی تفصیل پچھلے سبق میں گزر چکی ہے۔ آگے بھی انہی لوگوں کا ذکر ہے۔

سحت کی تفسیر

فرمایا ﴿سَعْتُونَ لِلْكَذِبِ﴾ وہ بہت سننے والے ہیں جھوٹ کو۔ یعنی یہ لوگ جھوٹ سننے کے عادی ہیں جھوٹی باتوں سے ان کو تسلی اور اطمینان رہتا ہے اور راضی رہتے ہیں۔ ﴿أَكَلُونَ لِلسُّخْتِ﴾ اور کھاتے ہیں حرام۔ ایک ہوتی ہے رشوت اور ایک ہے سحت۔ رشوت عام کاموں میں چلتی ہے کہ کوئی کام اڑا ہوا ہے نہیں ہو رہا رشوت دے کر نکلو الیا اور قاضی اور حج کو غلط فیصلہ کرانے کے لیے جو پیسے دے جاتے ہیں اسے عربی میں سحت کہتے ہیں۔ مثلاً: کوئی حج ہے، قاضی ہے، وہ مجرم سے براہ راست پیسے لینا

ہے یا کسی ایجنٹ کے ذریعہ لیتا ہے تو یہ رقم سحت ہے، حرام ہے اور یہودیوں کے بڑے اس چیز کے عادی تھے۔ بس مجرم نے تھوڑا سا اشارہ کر دیا کہ ہم آپ کی خدمت کر دیں گے بس فیصلہ اس کے حق میں ہو جاتا تھا رشوت کی طرح سحت بھی حرام ہے۔

رشوت خور کی کمائی

حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((الزَّائِعِي وَالْمُرْتَشِي بِلَا هُمَا فِي النَّارِ)) ”رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں جہنمی ہیں“ اور ایک حدیث میں ہے: ((الزَّائِعِي وَالْمُرْتَشِي وَالزَّائِئِشِ بَيْنَهُمْ))، اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو رشوت دینے والے پر اور رشوت لینے والے پر اور ان کے درمیان دلالی کرنے والے پر۔ مسئلہ یاد رکھنا! جو لوگ رشوت دے کر ملازمتیں حاصل کرتے یا رشوت دے کر دوسرے ممالک میں جاتے ہیں ان کی تمام کمائی حرام کی ہے۔ حج کرے گا حرام، زکوٰۃ دے گا حرام۔ کیونکہ سب حرام ہے۔ ہاں! ایک صورت میں رشوت دینے کی گنجائش نکل سکتی ہے ممکن ہے اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دے وہ یہ کہ اگر اپنا حق رشوت کے بغیر نہیں ملتا تو رشوت دے کر اپنا حق لے لے۔ مثلاً: ایک آدمی کے مکان یا زمین پر کسی ظالم نے قبضہ کیا ہوا ہے۔ اور رشوت کے بغیر اپنا مکان یا زمین وغیرہ حاصل نہیں کر سکتا تو اپنا حق حاصل کرنے کے لیے باہر مجبوری رشوت دینے کی گنجائش ہے۔ دوسرے کا حق مارنے کے لیے رشوت دینا حرام ہے۔

فرمایا ﴿وَإِنْ جَاءَ عَذُوكَ﴾ پس اگر وہ آپ کے پاس آئیں ﴿فَاخْلُكُمُ بَيْنَهُمْ﴾ پس آپ فیصلہ کریں ان کے درمیان ﴿أَوْ اَعْوِضْ عَنْهُمْ﴾ یا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے اعراض کریں کہ فیصلہ نہ کریں تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ وہ آپ کا کلمہ تو نہیں پڑھتے لیکن اگلے رکوع میں آئے گا کہ بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا تھا اب حکم یہ ہے کہ غیر مسلم بھی آئے گا تو اس کا فیصلہ کرنا پڑے گا۔

﴿وَإِنْ تَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ اور اگر ان سے اعراض کریں گے ﴿فَلَنْ يَضُرُّوكَ شَيْئًا﴾ تو ہرگز وہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے کچھ بھی۔ وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ ﴿وَإِنْ حَكَمْتَ﴾ اور اگر آپ فیصلہ کریں ﴿فَاخْلُكُمُ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ﴾ پس آپ فیصلہ کریں ان کے درمیان انصاف کے مطابق کہ اس جرم کی سزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے رجم ہے کہ مجرم کو میدان میں کھڑا کریں اور سارے لوگ پتھر ماریں کہ وہ مر جائے۔ اب ذرا غور کرو کہ اللہ تعالیٰ تو رجم کو انصاف فرمائیں اور ہمارے لیڈر کہیں کہ یہ سزائیں جاہرانہ ظالمانہ اور وحشیانہ ہیں اور مسئلہ یاد رکھنا! اسلامی سزاؤں کو جاہرانہ ظالمانہ اور وحشیانہ کہنے والے قطعاً مسلمان نہیں ہیں ان کو جو مسلمان سمجھے گا وہ بھی کافر ہو جائے گا کیونکہ قطعی کفر کو کفر نہ کہنا بھی کفر ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے انصاف کرنے والوں سے۔ آنحضرت ﷺ نے انصاف کے مطابق فیصلہ فرمایا۔ بخاری شریف کی روایت کے مطابق دونوں کو مدینہ طیبہ میں رجم کیا گیا اور ان کی میتیں واپس بھیجی گئیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَكَيْفَ يُعْذِرُكَ﴾ اور کیسے یہ لوگ آپ کو ثالث تسلیم کرتے ہیں ﴿وَعِنْدَهُمُ التَّوْبَةُ﴾ اور

حالانکہ ان کے پاس تورات ہے۔ اس میں زنا کے متعلق اللہ کا حکم موجود ہے کہ شادی شدہ زانی کی سزا رجم ہے مگر یہ لوگ مخالفی کا شکار تھے کہ آخری پیغمبر کی شریعت میں بہت سارے احکامات نرم ہیں اس جرم کا بھی کوئی نرم سا حکم ہوگا اگر ان کو معلوم ہوتا کہ اسلام میں بھی اس جرم کی یہی سزا ہے تو آپ کے پاس کبھی نہ آتے۔ تو فرمایا ﴿فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ﴾ اس میں اللہ تعالیٰ کا حکم موجود ہے۔

﴿ثُمَّ يَتَوَكَّلُونَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ﴾ پھر وہ روگردانی کرتے ہیں اس کے بعد۔ یعنی اقرار تو کرتے ہیں تورات کے ماننے کا مگر اس کے احکامات پر عمل کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اگر مانتے تو یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی وہیں اپنی کتاب توراہ کے مطابق فیصلہ کرا لیتے۔ ﴿وَمَا أَدَّبْنَا لِلْمُؤْمِنِينَ﴾ اور نہیں ہیں وہ لوگ توراہ پر ایمان لانے والے۔ یہ سہولتیں تلاش کرتے ہیں کہ ہمیں کوئی نرم سا حکم مل جائے۔



﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ﴾ بے شک ہم نے نازل کی توراہ ﴿فِيهَا هُدًى وَنُورٌ﴾ جس میں ہدایت تھی اور روشنی ﴿يُحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ﴾ فیصلہ کرتے تھے اس کے مطابق نبی ﴿الَّذِينَ أَسْلَمُوا﴾ جو فرماں بردار تھے ﴿لِلَّذِينَ هَادُوا﴾ ان لوگوں کے لیے جو یہودی تھے ﴿وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ﴾ اور پیر بھی اس کے مطابق فیصلہ کرتے رہے ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا﴾ اور عالم بھی ﴿بِمَا أُنزِلُوا﴾ اس لیے کہ ان کو نگران بنایا گیا تھا ﴿مِنْ كِتَابِ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی کتاب پر ﴿وَكَانُوا عَلَيْهِ شَاهِدِينَ﴾ اور وہ اس پر گواہ تھے ﴿فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ﴾ پس نہ ڈرو تم لوگوں سے ﴿وَإِخْشَاؤُنِي﴾ اور مجھ سے ڈرو ﴿وَلَا تَسْتَوُوا﴾ اور نہ خریدو ﴿بِأَيْتِي﴾ میری آیتوں کے بدلے ﴿ثُمَّ قَلِيلًا﴾ قیمت تھوڑی ﴿وَمَنْ لَمْ يُحْكَمْ﴾ اور جو فیصلہ نہ کرے ﴿بِمَا أُنزِلَ اللَّهُ﴾ اس چیز کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے ﴿فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ پس وہی لوگ کافر ہیں۔

پچھلے سبق میں آپ یہ پڑھ چکے ہیں کہ خیر کے یہودی زنا کا مقدمہ لے کر آپ کے پاس آئے کہ کوئی نرم سا فیصلہ فرمادیں۔ حالانکہ اس جرم کی سزا اسلام میں بھی وہی تھی جو تورات میں تھی اس لیے فرمایا کہ ﴿وَكَيفَ يُحْكُمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَةُ﴾ یہ آپ کو ثالث کیسے تسلیم کرتے ہیں حالانکہ ان کے پاس تورات موجود ہے۔ اس رکوع میں توراہ کی جامعیت اور مقام کو بیان کیا گیا ہے کہ تورات کوئی معمولی کتاب نہیں ہے اپنے زمانے میں بڑی اہم اور جامع کتاب تھی۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جتنی کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے ہیں۔ ان میں پہلا درجہ قرآن کریم کا ہے۔ جو اسی شکل میں موجود ہے جس شکل میں لوح محفوظ میں موجود تھا اس کے زبر زبر میں بھی کی بیشی نہیں ہوئی۔ امت مسلمہ نے جانوں کے نذرانے پیش کیے مگر قرآن کریم میں تحریف نہیں ہونے دی چونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود رب تعالیٰ نے لیا ہے۔ ارشادِ باری ہے: ﴿إِنَّا نَحْنُ نُزِّلْنَا الْقُرْآنَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ [الجم: ۹، پارہ: ۱۳] بے شک ہم ہی نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے نگران و محافظ

ہیں۔ اس کے لفظوں کی حفاظت ہوئی ہے، رسم الخط کی حفاظت ہوئی ہے، ترجمے کی حفاظت ہوئی ہے، مفہوم اور تفسیر کی حفاظت ہوئی ہے۔ قرآن کریم کے علاوہ کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جو اپنی اصلی شکل میں موجود ہو۔

تورات کا مقام و مرتبہ

قرآن کریم کے بعد آسمانی کتابوں میں توراہ کا درجہ بہت بلند ہے۔ ہزاروں سال اس کے مطابق فیصلے ہوتے رہے رب تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ﴾ بے شک ہم نے نازل کی تورات ﴿فِيهَا هُدًى وَنُورٌ﴾ جس میں ہدایت تھی اور روشنی۔ رب تعالیٰ کے احکام و ہدایت پر مشتمل تھی۔ اور اس میں روشنی کی باتیں تھیں۔

﴿يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ﴾ فیصلہ کرتے تھے اس کے مطابق نبی ﴿الَّذِينَ أَسْلَمُوا﴾ جو فرماں بردار تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر تھے۔

جھوٹے مدعیان نبوت

یہ ﴿أَسْلَمُوا﴾ اس لیے فرمایا کہ اس زمانے میں بھی کئی جھوٹے پیغمبر کھڑے ہو گئے تھے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں کئی آدمیوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مسیلہ کذاب اور اسود عنسی نے نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا اور مسیلہ کذاب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آدمی بھیجے کہ تم ہمارے ساتھ صلح کر لو اس طرح کہ شہری حلقے کے پیغمبر تم اور یہاں حلقے کے ہم رہیں یعنی نبوت کو شہری اور دیہاتی حلقے میں تقسیم کر لیں۔ مسیلہ کذاب یرامہ میں قتل ہوا اور اسود عنسی بھی قتل ہوا ان کے بعد طلحہ بن خویلد نے نبوت کا دعویٰ کیا مگر جنگ میں شکست کھا کر بھاگ گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مسلمان ہوا۔

سجاح نامی ایک عورت نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا اور جنگ میں شکست کھا کر روپوش ہو گئی بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں مسلمان ہوئی۔ اب تک جھوٹے نبی چلے آ رہے ہیں مرزا غلام احمد قادیانی کو انگریزوں نے جہاد منسوخ کرنے کے لیے نبی بنایا تھا چنانچہ اس نے جہاد کی منسوخی کا اعلان کیا اور ”ضمیمہ تحفہ گولڈویہ“ میں کہا:۔

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال

دین میں حرام ہے اب جنگ اور قتال

تاکہ انگریز کے خلاف کوئی جہاد کے لیے کھڑا نہ ہو اور اس کے بعد کئی لوگوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا ہے۔ لیکن تورات کے مطابق جن پیغمبروں نے فیصلے کیے وہ سچے پیغمبر تھے۔

﴿لَا نَبِيَّ بَعْدَ ذَٰلِكَ﴾ ان لوگوں کے لیے جو یہودی تھے۔ کیونکہ تورات یہودیوں کے لیے نازل ہوئی تھی عیسیٰ علیہ السلام تک ہزاروں پیغمبر تشریف لائے ہیں اور تمام نے تورات کے مطابق ہی فیصلے کیے ہیں۔ ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا﴾ اور پیر کامل مشائخ رب والے

بھی تورات کے مطابق فیصلے کرتے رہے ﴿وَإِذَا حُجِبْنَا﴾ اور علماء بھی تورات کے مطابق فیصلے کرتے رہے۔ پیغمبر، پیر کامل، علماء چار ہزار سال تک تورات کے مطابق فیصلے کرتے رہے کیونکہ قرآن کریم تورات کے چار ہزار سال بعد نازل ہوا ہے۔ یہ تمام تورات کے مطابق کیوں فیصلے کرتے رہے۔

فرمایا ﴿بِمَا نَسْتَحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ﴾ اس لیے کہ ان کو نگران بنایا گیا تھا اللہ تعالیٰ کی کتاب پر کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی حفاظت کرنی ہے اور واقعی انھوں نے اپنے دور میں تورات کی حفاظت کی لیکن اس وقت قرآن کریم کے سوا کوئی آسمانی کتاب تورات انجیل، زبور اپنی اصلی شکل میں نہیں مل سکتی۔

عیسائیوں کی پانچ انجیل

اس وقت پانچ انجیلیں موجود ہیں: ① انجیل متی ② انجیل مرقس ③ انجیل یوحنا ④ انجیل لوقا اور ⑤ انجیل برنباں۔ عیسائی پہلی چار انجیلوں کو مانتے ہیں اور برنباں کو نہیں مانتے حالانکہ ان چاروں کو مرتب کرنے والے تابعی ہیں اور انجیل برنباں کو مرتب کرنے والا صحابی ہے۔ برنباں حضرت عیسیٰ ﷺ کا صحابی ہے۔

صحابی اسے کہتے ہیں جس نے ایمان کی حالت میں پیغمبر کو دیکھا ہو چاہے ظاہری آنکھوں سے یا باطنی آنکھوں سے اور تابعی اسے کہتے ہیں جس نے صحابی کو دیکھا ہو ایمان کی حالت میں۔ لیکن بڑی عجیب اور الٹی منطق ہے کہ صحابی کی مرتب کی ہوئی انجیل کو عیسائی ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے انجیل برنباں میں دو جگہوں پر آنحضرت ﷺ کا نام مبارک محمد آیا ہے۔ اس کا اردو نسخہ میرے پاس موجود ہے۔

حضرت عیسیٰ ﷺ نے فرمایا ”میرے بعد لوگ میرے بارے میں بہت غلو کریں گے مجھے رب بنائیں گے رب کا بیٹا بنائیں گے یہاں تک کہ محمد رسول اللہ میری صفائی بیان کریں گے کہ عیسیٰ ﷺ نہ رب تھے نہ رب تعالیٰ کے بیٹے تھے۔“ اگر عیسائی انجیل برنباں کو مان لیں تو یہ الفاظ بھی تسلیم کرنا پڑیں گے اور اگر یہ الفاظ تسلیم کر لیں تو عیسائیت ختم ہوتی ہے۔

اس لیے وہ کہتے ہیں کہ یہ کتاب ہماری نہیں ہے۔ اس وقت امریکہ یہ چاہتا ہے کہ پاکستان میں میری رائے چلے اور ایران چاہتا ہے کہ میری رائے چلے۔ اگر ہمارے حکمرانوں نے عقل سے کام نہ لیا تو ملک میں بڑی تباہی ہوگی۔ الحمد للہ! ملک میں صحیح العقیدہ مسلمان موجود ہیں جو ایمان اسلام کے لیے جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے تیار ہیں اسی لیے ان کی من مانیوں پوری نہیں ہو رہیں۔

﴿وَكَانُوا عَلَيْكُمْ شُهَدَاءَ﴾ اور وہ اس پر گواہ تھے کہ تورات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ ﴿فَلَا تَحْسَبُوا النَّاسَ﴾ پس (اے یہود یو!) تم اپنی پبلک سے نہ ڈرو کہ اگر کتاب اللہ پر عمل کیا تو لوگ کیا کہیں گے۔ ﴿وَإِحْسُون﴾ اور مجھ سے ڈرو ﴿وَلَا تَسْتَكْبَرُوا﴾ پالیتی تمنا قلیلا اور نہ خریدو یعنی نہ لو میری آیتوں کے بدلے قیمت تھوڑی۔

ثمن قلیل کی تشریح

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ زیادہ رقم مل جائے تو لے لو ترمذی شریف میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اگر اس کی قیمت اللہ تعالیٰ کے ہاں چھڑکے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کا فر کو ایک گھونٹ پانی کا بھی نہ دیتا۔ ہمارا ایمان ہے کہ قرآن کریم کی چھوٹی سے چھوٹی آیت ہے "ق"۔ دنیا کے سارے خزانے اس کے مقابلہ میں بیچ ہیں۔ اسی طرح آسمانی کتابوں کی صحیح آیتوں کے مقابلہ میں دنیا و مافیہا کے خزانوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

فرمایا ﴿وَمَنْ لَّمْ يَخُفْ بِهَا أَنْزَلَ اللَّهُ﴾ اور جو فیصلہ نہ کرے اس چیز کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے۔ جیسا کہ آپ پچھلے سبق میں پڑھ چکے ہیں کہ یہودیوں کے حج اور قاضی رقم لے کر غلط فیصلے کرتے تھے اور آج کل ہماری عدالتوں کا بھی یہی حال ہے، الا ماشاء اللہ۔ فرمایا جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے۔

﴿فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ﴾ پس وہی لوگ کافر ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ فیصلہ کرنے والے تین قسم کے ہیں ایک جنت میں جائے گا اور دوزخ میں جائیں گے۔ فرمایا جو حق کو جانتا ہے اور اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے وہ جنت میں جائے گا اور فرمایا جو حق کو نہیں جانتا اور فیصلہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے خلاف کرتا ہے دوزخ میں جائے گا اور جو حق کو جانتے ہوئے بھی فیصلہ اس کے خلاف کرتا ہے وہ بھی دوزخ میں جائے گا تو جو رب تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔ اور ان کو جو کافر نہ کہے وہ بھی کافر ہے۔ کیونکہ کفر کو کفر نہ کہنا بھی کفر ہے۔ اس کی مزید تفصیل آگے آ رہی ہے۔



﴿وَكُتِبَ عَلَيْهِمُ﴾ اور ہم نے لکھا تھا بنی اسرائیل پر ﴿فِيهَا﴾ توراہ میں ﴿أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾ کہ بے شک جان جان کے بدلے ﴿وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ﴾ اور آنکھ، آنکھ کے بدلے ﴿وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ﴾ اور ناک، ناک کے بدلے ﴿وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ﴾ اور کان، کان کے بدلے ﴿وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ﴾ اور دانت، دانت کے بدلے ﴿وَالْجُودَ حَقِّصَاصٍ﴾ اور زخموں کا بدلہ ہے ﴿فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ﴾ پس جس شخص نے صدقہ کیا اس کا ﴿فَهُوَ كَفَّارًا لَّهُ﴾ پس وہ اس کا کفارہ ہوگا ﴿وَمَنْ لَّمْ يَخُفْ﴾ اور جس نے فیصلہ نہ کیا ﴿بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ﴾ اس چیز کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے ﴿فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ پس وہ لوگ ظالم ہیں۔

تورات کے احکام

تورات کے متعلق بیان چلا آ رہا ہے کہ وہ بڑی اہم کتاب تھی اور بڑی جامع کتاب تھی اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر مشائخ

اور علماء ہزار ہا سال تک اس کے مطابق فیصلے کرتے رہے ہیں۔ اب اس کے احکام بیان فرماتے ہیں اور ہماری شریعت کے بھی یہی احکام ہیں۔

انصاف کا شرعی طریقہ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا﴾ اور ہم نے لکھا تھا بنی اسرائیل پر توراہ میں۔ یعنی ہم نے ان پر یہ احکام فرض فرمائے تھے کہ ﴿أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾ کہ بے شک جان کے بدلے جان ہے۔ یعنی اگر کوئی کسی کو قتل کرے گا تو اس کے بدلے میں اس کو قتل کیا جائے گا البتہ ہماری شریعت میں اتنی اجازت ہے کہ اگر وارث قصاص نہ لیں بلکہ دیت یعنی مال بدلہ میں لیں تو لے سکتے ہیں اور اگر بالکل معاف کر دیں نہ قصاص لیں نہ دیت لیں تو اس کی بھی اجازت ہے۔ لیکن وارثوں کے سوا کسی کو معاف کرنے کا حق نہیں ہے۔ مگر ہمارے سروں پر آج تک انگریز کا قانون مسلط چلا آ رہا ہے کہ صدر مملکت اگر رحم کی اپیل سن کر معاف کرنا چاہیں تو سزائے موت کو ختم کر سکتے ہیں مگر شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ بے شک صدر کا عہدہ بڑا ہے مگر یہ اس کا حق نہیں ہے یہ صرف وارثوں کا حق ہے چاہے امیر ہوں یا غریب ہوں۔

﴿وَالْعَيْنُ بِالْعَيْنِ﴾ اور آنکھ بدلے آنکھ کے ہے۔ اگر کوئی کسی کی آنکھ ضائع کر دے گا تو قصاص میں اس کی آنکھ نکال دی جائے گی۔ ﴿وَالْأَنْفُ بِالْأَنْفِ﴾ اور ناک، ناک کے بدلے ہے اگر کسی نے کسی کی ناک کاٹ دی تو قصاص میں اس کی ناک کاٹ دی جائے گی۔

﴿وَالْأُذُنُ بِالْأُذُنِ﴾ اور کان، کان کے بدلے۔ اگر کسی نے کسی کا کان کاٹ دیا تو بدلے میں اس کا کان کاٹا جائے گا۔ ﴿وَالشَّرُّ بِالشَّرِّ﴾ اور دانت، دانت کے بدلے۔ یعنی اگر کوئی شخص کسی کا دانت توڑے گا تو قصاص میں اس کا دانت توڑ دیا جائے گا۔ یقین جانو! اگر یہ احکام نافذ ہو جائیں تو جرائم کا نام و نشان نہ رہے۔

آگے فرمایا ﴿وَالجُرُودُ حَرِّمَاتٌ﴾ اور زخموں کا بدلہ ہے۔ جس قسم کا زخم کسی کو لگا یا گیا ہے اسی قسم کا زخم بدلے میں لگایا جائے گا اگر یہ احکام ملک میں نافذ ہو جائیں تو کسی کو جنایت کی جرأت نہیں ہوگی۔ اور شریعت میں انصاف انتہائی سستا ہے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ جہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہے وہاں قاضی اور جج مقرر ہوگا جو قتل کے فیصلے کرنے کا بھی مجاز ہوگا اور جہاں ڈیڑھ ہزار کی آبادی ہوگی وہاں جمعہ ہوگا لہذا تحصیل اور ضلع کی کچھ یوں میں پھرنے اور چکر لگانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ پھر وکیل اور عرضی نویس کی بھی ضرورت نہیں ہے اور نہ درخواست پر عدالتی ٹکٹ لگانے کی ضرورت ہے۔ بس سادے کاغذ پر خود درخواست لکھ کر جج کے سامنے پیش ہو جائے اور اگر درخواست نہیں لکھ سکتا تو جج اور قاضی کے سامنے زبانی بیان دے کہ میرے ساتھ یہ زیادتی ہوئی ہے اس کا ازالہ کیا جائے۔

مثلاً: اگر کوئی قتل ہو گیا ہے تو اس کا وارث باپ ہے یا بیٹا ہے یا بھائی ہے یا جو بھی ہے وہ جج اور قاضی کے پاس جا کر

دعوئی دائرہ کرے گا اور گواہ پیش کرے گا۔ اگر قاتل قابو آ گیا تو قصاص کا حکم ہوگا اور قاتل اور مقتول کی میتیں اکٹھی اٹھائی جائیں گی اور آج صورت حال یہ ہے کہ کورٹ فیس کی نکلنوں کے بغیر درخواست نہیں دے سکتا اور وکیل کے بغیر جج صاحب کے سامنے پیش نہیں ہو سکتا کھال تو آدمی کی یہیں اتر گئی۔ مقدمہ کیا لڑے گا۔ پھر پیشی پر پیشی ہے۔ سماعت ہی شروع نہیں ہوتی۔ دس، دس سال تک پیشیاں بھگتتا رہتا ہے انصاف ملنا تو دور کی بات ہے۔ مقتول کے وارث اور قاتل ساری زندگی دشمنی پالتے رہتے ہیں جب سزا ہی نہیں ہوگی جرائم کس طرح ختم ہو سکتے ہیں۔ انصاف صرف اسلام نے دیا ہے کہ ایک آدمی کی اگر کسی نے انگلی کاٹ دی ہے تو اس کے بدلے میں دس اونٹ دینے پڑیں گے پھر اس جرم کی کوئی ہمت نہ کرنے گا۔

طالبان کی مثالی حکومت

اس وقت اگر اسلام کے مطابق فیصلے ہو رہے ہیں تو وہ صرف طالبان حکومت میں ہو رہے ہیں۔ سعودیہ میں بھی بعض اسلامی قوانین نافذ ہیں مگر مکمل اسلامی قانون وہاں بھی نافذ نہیں ہے۔ اور حق کہنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔

امام مسجد نبوی (حدیثی) کا خطبہ جمعہ

مسجد نبوی کے امام اور خطیب عبدالرحمن حدیثی صاحب نے جمعہ کے خطبہ میں کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ((أَخْرَجُوا الْيَهُودَ وَ النَّصَارَى مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ)) ”یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔“ اور ہماری حکومت نے ان کو بلا کر یہاں بٹھایا ہوا ہے۔ لہذا میں حکومت کے اس اقدام کی سختی کے ساتھ تردید کرتا ہوں اور یہ کہتا ہوں کہ ان کو یہاں سے نکالو اور انہوں نے ایرانی شیعوں کی بھی مذمت کی اور ان کی تردید اس لیے کی کہ ایران کا سابق صدر رفسنجانی متبرک مقامات کی زیارت کے لیے جانا چاہتا تھا حکومت نے حدیثی صاحب کی ڈیوٹی لگا دی کہ تم ان کے ساتھ جاؤ۔ جہاں جہاں جانا چاہیں تم ان کے ساتھ رہو۔ جمعہ کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد حدیثی صاحب نے کہا کہ آؤ روضہ اقدس پر سلام پیش کرنے کے لیے چلیں۔ روضہ اقدس پر گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پیش کر کے واپس پھرنے لگا تو حدیثی صاحب نے کہا کہ شیخین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر بھی سلام پیش کرو۔ تو رفسنجانی نے کہا اللہ ۱۰ یَلْعَنُہُمَا ان دونوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ (نعوذ باللہ)۔ اس کی اس خباثت کی وجہ سے امام حدیثی صاحب بگڑ گئے اور ان کی خوب تردید کی اور رگڑا لگایا یہ ساری تفصیل اخبار ضرب مومن میں شائع ہوئی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ آپ ضرب مومن پڑھتے نہیں ہیں۔ (اصل کیسٹ بھی دستیاب ہے)۔

قصاص سے متعلق امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مسلک

یہ مسئلہ آپ نے سمجھ لیا کہ کان کے بدلے کان، ناک کے بدلے ناک، دانت کے بدلے دانت کا ناجائز ہے۔ بعض کم فہم لوگوں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا ہے کہ امام صاحب بعض چیزوں میں قصاص کے قائل نہیں ہیں۔ بلکہ دیت کے

قائل ہیں۔ تو بات اچھی طرح سمجھ لیں اور ذہن نشین کر لیں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اصل تو قصاص ہی ہے مگر وہ اعضاء کہ جن میں قصاص ممکن نہیں ہے وہاں دیت ہوگی۔ بات کو ذرا ٹھنڈے دل سے سمجھنا بات تو شرم کی ہے مگر دین ہے سمجھانے کے لیے کرنا پڑتی ہے امام صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی عورت کسی مرد کا عضو متاسل خبیث سمیت کاٹ دے تو دیت آئے گی قصاص نہیں ہوگا کیونکہ اس کے بدلے میں عورت کی کون سی جگہ کاٹی جائے گی۔ اسی طرح اگر کوئی عورت مرد کی ڈاڑھی مونڈ دے تو عورت کی ڈاڑھی نہیں ہے قصاص کس طرح لیا جائے گا لہذا اس میں دیت واجب ہوگی۔

اور یاد رکھنا! ڈاڑھی کی دیت پورے سوانٹ ہیں۔ اسی طرح اگر کسی مرد نے کسی عورت کا سر مونڈ دیا اور مونڈنے والا گنجا ہو تو قصاص کس طرح لیا جائے گا؟ لہذا دیت ہوگی یا کوئی کسی عورت کے پستان کاٹ دیتا ہے تو مرد کی کون سی جگہ کاٹی جائے گی تو یہاں بھی دیت ہوگی امید ہے بات سمجھ آگئی ہوگی۔ کہ بعض ایسی چیزیں ہیں کہ وہاں قصاص ہونے نہیں سکتا۔

لہذا امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ عین اسلام کی روح کے مطابق فرمایا ﴿فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ﴾ پس جس شخص نے صدقہ کیا اس کا پس وہ اس کا کفارہ ہوگا۔ مثلاً: اگر کسی نے کسی کی ناک کاٹ دی اور وہ کہے کہ میں تجھے معاف کرتا ہوں تو یہ معاف کرنا اس کے سابق گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔

﴿وَمَنْ لَّمْ يَخُفْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ اور جس نے فیصلہ نہ کیا اس چیز کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے پس یہی لوگ ظالم ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ظالم فرما رہے ہیں۔ جو رب تعالیٰ کے قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتے۔ اور یہ کہتے ہیں کہ شرعی قوانین ظالمانہ، وحشیانہ اور جابرانہ ہیں۔ یہاں گنگا اٹھی چلتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے۔ قرآن کریم کو سمجھو یہ بڑی ہدایت والی کتاب ہے۔



﴿وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِمْ﴾ اور ہم نے ان کے پیچھے بھیجا ان کے قدموں پر ﴿بِعِيسَىٰ ابْنِ مَرْيَمَ﴾ عیسیٰ بن مریم (عليه السلام) کو ﴿مُصَدِّقًا﴾ تصدیق کرنے والا تھا ﴿لَمَّا بَيَّنَّ يَدَيَّهُ﴾ اس چیز کی جو اس کے سامنے تھی ﴿مِنَ السَّمَاءِ﴾ توراہ ﴿وَأَنبِئُهُ الْبُحْرَيْنِ﴾ اور ہم نے دی ان کو انجیل ﴿فِيهِ هُدًى وَنُورٌ﴾ اس میں ہدایت تھی اور روشنی تھی ﴿وَمُصَدِّقًا﴾ اور انجیل بھی تصدیق کرنے والی تھی ﴿لَمَّا بَيَّنَّ يَدَيَّهُ﴾ اس چیز کی جو اس کے سامنے تھی ﴿مِنَ السَّمَاءِ﴾ توراہ ﴿وَهُدًى﴾ اور ہدایت تھی ﴿وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ﴾ اور نصیحت تھی پرہیزگاروں کے لیے ﴿وَلِيَحْكُمَ أَهْلَ الْاِنجِيلِ﴾ اور چاہیے کہ فیصلہ کریں انجیل والے ﴿بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ﴾ اس کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے اس میں ﴿وَمَنْ لَّمْ يَخُفْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ﴾ اور جس نے فیصلہ نہ کیا اس کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے ﴿فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ﴾ پس وہی لوگ فاسق ہیں ﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتٰبَ﴾ اور ہم نے نازل کی آپ کی

طرف کتاب ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ ﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ﴾ تصدیق کرنے والی ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے ہیں ﴿وَمُهَيَّبُنَا عَلَيْهِ﴾ اور یہ نگران ہے ان کتابوں کی ﴿فَاخْتَمْنَا بِهِنَّ﴾ پس آپ فیصلہ کریں ان کے درمیان ﴿بِمَا أَنْزَلْنَا اللَّهُ﴾ اس کے مطابق جو رب تعالیٰ نے نازل فرمائی ﴿وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ﴾ اور آپ بیروی نہ کریں ان کی خواہشات کی ﴿عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ﴾ اعراض کرتے ہوئے اس کی جو آچکا ہے آپ کے پاس حق ﴿لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً﴾ تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے بنائی شریعت ﴿وَمِنْهَا جَا﴾ اور ایک راستہ ﴿وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا ﴿لَجَعَلَكُمْ﴾ تو بناتا تمہیں ﴿أُمَّةً وَاحِدَةً﴾ ایک امت ﴿وَلَكِنْ لِيَبْلُوَكُمْ﴾ اور لیکن وہ تمہیں آزما رہا ہے ﴿فِي مَا أَنْزَلْنَا﴾ ان قوتوں میں جو رب تعالیٰ نے تمہیں دی ہیں ﴿فَأَسْتَفِهُوا الْخَيْرَاتِ﴾ پس سبقت کرو نیکیوں میں ﴿إِنِّي اللَّهُ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف ہی تم سب نے لوٹنا ہے ﴿فَيَنْبِتُكُمْ﴾ پس وہ تمہیں بتائے گا ﴿بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ﴾ وہ چیزیں جن میں تم اختلاف کرتے رہے۔

اس سے پہلے بیان ہوا تھا کہ توراہ بڑی جامع اور اہم کتاب تھی اور اس کے مطابق ہزاروں سال تک پیغمبر، مشائخ اور علماء فیصلے کرتے رہے۔ ﴿وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِمْ﴾ اور ہم نے ان کے پیچھے بھیجا ان کے قدموں پر ﴿بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ﴾ عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کو ﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ﴾ جو تصدیق کرنے والا تھا اس چیز کی جو اس کے سامنے تھی توراہ۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام توراہ کی تصدیق کرنے والے تھے جو ان سے پہلے نازل ہوئی تھی۔

انجیل تورات کا ترجمہ ہے ﴿﴾

﴿وَإِنِّي أَنزَلْتُ الْإِنْجِيلَ﴾ اور ہم نے دی ان کو انجیل ﴿فِيهِ هُدًى وَنُورٌ﴾ اس میں ہدایت تھی اور روشنی تھی ﴿وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ﴾ اور انجیل بھی تصدیق کرنے والی تھی اس چیز کی جو اس سے پہلے تھی یعنی توراہ۔ توراہ اور انجیل کو اس طرح سمجھو جس طرح اخبار اور ضمیر ہوتا ہے۔ اخبار میں تو تفصیلی خبریں ہوتی ہیں اور ضمیر میں ایک آدھ خبر ہوتی ہے۔ تو انجیل دراصل توراہ کا ترجمہ تھی۔

﴿وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ﴾ اور وہ انجیل ہدایت تھی اور نصیحت تھی پرہیزگاروں کے لیے ﴿وَلِيَحْلُمَ أَهْلَ الْإِنْجِيلِ بِمَا أَنْزَلْنَا اللَّهُ فِيهِ﴾ اور چاہیے کہ فیصلہ کریں انجیل والے اس کے مطابق۔ رب اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے اس میں۔ یعنی انجیل میں جو احکام نازل فرمائے ہیں اس کے مطابق فیصلہ کریں۔ اور اگر انجیل کے مطابق فیصلہ کریں گے تو آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا پڑے گا باوجود اس کے کہ انجیل میں تحریف ہو چکی ہے۔ اور اصل انجیل نایاب ہے پھر بھی یہ آیت انجیل یوحنا میں موجود ہے۔

ایک دلچسپ واقعہ

حضرت عیسیٰ ﷺ نے اپنے حواریوں کو خوش خبری سناتے ہوئے فرمایا ”میں جانا چاہتا ہوں تاکہ دنیا کا سردار آئے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں ہے“۔ یعنی میں جا رہا ہوں کیونکہ دنیا کا سردار آنے والا ہے اور جو خوبیاں اور کمال ان کو حاصل ہیں وہ مجھے حاصل نہیں ہیں۔ یہ حوالہ میں نے اپنی کتاب ”عیسائیت کا پس منظر“ میں درج کیا اور لکھا کہ انجیل کے ماننے والوں پر ضروری ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔

اس پر ایک واقعہ پیش آیا۔ وہ اس طرح کہ سردیوں کا موسم تھا کسی نے دستک دی میں نے بچے کو کہا کہ معلوم کرو کون ہے؟ بچے نے آکر بتایا کہ پیٹ کوٹ والے دو آدمی کھڑے ہیں۔ میں چونکہ مصروف تھا، بچے کو کہا کہ ان کو پیشک میں بٹھاؤ اور اہلیہ کو کہا کہ چائے تیار کرو۔ چائے تیار ہوگئی تو میں نے ان سے ملاقات کی اور پوچھا کہ تمہارا کیا تعارف ہے؟ کہاں سے تشریف لائے ہو؟ اور کیسے آئے ہو؟ ایک نے اپنا تعارف کرایا کہ میرا نام پطرس گل ہے۔ اور انا رکی لاہور کے گرجا گھر کا انچارج ہوں۔ دوسرا بھی پادری تھا مگر میں اس کا نام بھول گیا ہوں کہنے لگے کہ ہم نے تمہاری کتاب ”عیسائیت کا پس منظر“ پڑھی ہے اس میں آپ نے انجیل یوحنا کا حوالہ دیا کہ حضرت عیسیٰ ﷺ نے فرمایا کہ میں جانا چاہتا ہوں کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔ اس حوالے کا مصداق تم نے اپنے پیغمبر کو قرار دیا ہے۔ حالانکہ تمہارا پیغمبر اس کا مصداق نہیں بنتا میں نے کہا کہ یہ حوالہ ہمارے پیغمبر پر کیوں صادق نہیں آتا؟ کہنے لگے۔ اس سے مراد شیطان ہے۔ میں نے کہا پادری صاحب بڑی عجیب بات ہے جو تم نے کہی ہے اچھا یہ بتاؤ کہ شیطان کس نعمت کا نام ہے کہ عیسیٰ ﷺ اپنے ساتھیوں کو اس کی خوش خبری دے رہے ہیں؟ اور کیا تم شیطان کو دنیا کا سردار مانتے ہو؟ اور کیا عیسیٰ ﷺ سے پہلے شیطان نہیں تھا کہ وہ اب اس کے آنے کی خوشخبری سن رہے ہیں؟۔ آدم ﷺ کے جنت سے نکلنے کا سبب کون بنا تھا؟ پھر انجیل متی میں ہے کہ میں اس کی جوتیاں اٹھانے کے قابل نہیں ہوں۔ تو کیا حضرت عیسیٰ ﷺ شیطان کی جوتیاں اٹھانے کے قابل نہیں ہیں، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔ حضرت عیسیٰ ﷺ تو شیطان کو جوتیاں مارنے والے ہیں پھر وہ چلے گئے۔ اندازہ لگاؤ! لوگ ایسی تاویلیں بھی کرتے ہیں۔ خاموش کوئی نہیں رہتا۔ تو خیر! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انجیل والوں کو چاہیے کہ وہ انجیل کے مطابق فیصلہ کریں۔ اور دنیا کے سردار کی نبوت کو تسلیم کریں کیونکہ حضرت عیسیٰ ﷺ تو صرف بنی اسرائیل کے لیے پیغمبر تھے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل کائنات کے لیے پیغمبر بن کے آئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَنْ لَّمْ يَخُفْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ﴾ اور جس نے فیصلہ نہ کیا اس کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے، فرمایا ﴿فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ﴾ پس وہی لوگ فاسق ہیں ﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ﴾ اور ہم نے نازل کی آپنی طرف کتاب حق کے ساتھ ﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ﴾ تصدیق کرنے والی ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے ہیں۔ توراہ، انجیل، زبور جو اصل ہیں قرآن پاک ان کی تصدیق کرتا ہے۔

﴿وَمَهَيَّمْنَا عَلَيْهِ﴾ اور قرآن پاک پہلی کتابوں کا نگران اور محافظ ہے۔ قرآن کریم نے ان کے مضامین کی حفاظت فرمائی ہے اگر قرآن کریم ہمارے پاس نہ ہوتا تو ہمیں نہ توحید سمجھ آ سکتی تھی، نہ پیغمبروں کا منصب سمجھ آ سکتا تھا۔

مخرف تورات میں توہین آمیز مضامین

آج کی توراہ میں تو لکھا ہوا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے ذریعے پر شراب پی اور ننگے ہو گئے، معاذ اللہ تعالیٰ۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے کہ وہ سفر پر جا رہے تھے کہ ایک مولے تازے آدمی نے آکر ان سے لڑنا شروع کر دیا۔ انھوں نے کہا کہ تو کون ہے؟ بلا وجہ میرے ساتھ ہاتھ پائی شروع کر دی ہے؟ لیکن وہ باز نہ آیا۔ ساری رات لڑائی ہوتی رہی بالآخر صبح کے وقت یعقوب علیہ السلام نے اس کو رات ماری اور گرا دیا پھر پوچھا تا تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں تیرا رب ہوں، لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ یہ رب ہے جو بندوں سے کشتی کرتا ہے اور پھر گر جاتا ہے یہ رب تعالیٰ کی توہین نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

اور یہ بھی لکھا ہے (بحوالہ کتاب پیدائش باب: ۱۹-۳۸۴۳۰) کہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹیوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہماری خواہش پوری کرنے والا مرد تو ہے کوئی نہیں لہذا والد صاحب کو شراب پلا کر ایک ایک رات خواہش پوری کریں۔ چنانچہ ایک رات شراب پلا کر ایک بیٹی ان کے ساتھ سوئی، دوسری رات دوسری ان کے ساتھ سوئی اور پھر ان سے بچے بھی پیدا ہوئے۔ ایک کا نام بن عمی رکھا اور دوسرے کا نام مٹوآب رکھا۔ ذرا سوچو! ہے کوئی یہ بات کرنے والی۔

اور یہ لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھربت پرستی ہوتی تھی اور یہود نے اپنی بہو کے ساتھ بدکاری کی یہودا حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے بیٹے کا نام ہے۔ اگر قرآن کریم نہ ہوتا تو ہر چیز خلط ملط ہو جاتی اور کچھ بھی سمجھ نہ آتا۔ قرآن کریم پہلی کتابوں کے اصل مضامین کا محافظ ہے۔

فرمایا ﴿فَاخْتَلَمْتُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلْنَا﴾ پس آپ فیصلہ کریں ان کے درمیان اس کے مطابق جو رب تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَهُمْ﴾ اور آپ پیروی نہ کریں ان کی خواہشات کی ﴿عَمَّا جَاءَتْ مِنَ الْحَقِّ﴾ اعراض کرتے ہوئے اس کی جو آچکا ہے آپ کے پاس حق۔ یعنی آپ کے پاس حق آچکا اس کے مطابق فیصلہ کریں اور ان کی بات پر کان نہ دھریں۔

﴿لَئِنْ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شُرَعًا وَمِنْهَا جَا﴾ تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے بنائی شریعت اور ایک راستہ ﴿وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا ﴿بَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً﴾ تو بنا تا تمہیں ایک امت۔ اللہ تعالیٰ سب کو جبراً مومن بنانے پر بھی قادر ہے اور سب کو جبراً کافر بنانے پر بھی قادر ہے۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔

مگر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَكِنْ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَيْتُمُوهَا﴾ اور لیکن وہ تمہیں آزماتا ہے ان قوتوں اور اسباب میں جو رب تعالیٰ نے تمہیں دیئے ہیں۔ رب تعالیٰ نے تمہیں قوت، طاقت اور سمجھ عطا فرمائی۔ اور حق و باطل اور جائز و ناجائز سے بھی

آگاہ فرمایا اور ہر چیز کا نتیجہ بھی بتایا ہے۔ اب تمہارا امتحان ہے کہ قوت، طاقت اور سمجھ کو کہاں استعمال کرتے ہو اس کے مطابق حساب اور فیصلہ ہو جائے گا کفر اور اسلام پر وہ مجبور نہیں کرتا۔ ﴿فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِرْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ﴾ [الکہف: ۲۹] ”پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر رہے۔“ رب تعالیٰ نے نیکی، بدی کا اختیار دیا ہے اور دیکھتا ہے کہ کون اس کے احکام پر عمل کرتا ہے اور کون بے راہ روی اختیار کرتا ہے۔

قوتِ اختیاری کی آزمائش

﴿فَأَسْبِقُوا الْغَنَاتِ﴾ پس تم سبقت کر دنیویوں میں۔ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو ﴿إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف ہی تم سب نے لوٹنا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی عدالت قائم ہوگی سب نے وہاں پیش ہو کر جواب دینا ہے اور اللہ تعالیٰ سب سے حساب لے گا۔

﴿فَوَيْلٌ لَّكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ﴾ پس وہ تمہیں بتائے گا وہ چیزیں جن میں تم اختلاف کرتے رہے ہو۔ بتانے اور خبر دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ نیکی، بدی کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ بدی کی سزا ملے گی اور نیکی کا پھل سامنے آئے گا۔



﴿وَإِنْ أَحْكَمْتُمْ بَيْنَهُمْ﴾ اور یہ کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فیصلہ کریں ان کے درمیان ﴿بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ﴾ اس چیز کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے ﴿وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ﴾ اور نہ پیروی کریں ان کی خواہشات کی ﴿وَاحْذَرُهُمْ﴾ اور ان سے بچتے رہیں ﴿أَنْ يُفْتِنُوكَ﴾ کہ وہ آپ کو فتنے میں ڈال دیں ﴿عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ﴾ بعض ان چیزوں کے بارے میں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہیں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف ﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا﴾ پس اگر وہ پھر جائیں ﴿فَاعْلَمْ﴾ پس آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) جان لیں ﴿أَنَّكُمْ يُرِيدُ اللَّهُ﴾ پختہ بات ہے ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ ﴿أَنْ يُصِيبَهُمْ﴾ یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو مصیبت میں مبتلا کرے ﴿بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ﴾ ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے ﴿وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ﴾ اور بے شک بہت سے لوگوں میں سے ﴿لَفَاسِقُونَ﴾ البتہ نافرمان ہیں ﴿أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْتَغُونَ﴾ کیا پس یہ جاہلیت کا حکم تلاش کرتے ہیں ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا﴾ اور کون ہے اللہ تعالیٰ سے زیادہ اچھا فیصلہ کرنے والا ﴿لِقَوْمٍ يُوقَتُونَ﴾ اس قوم کے لیے جو یقین رکھتی ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ﴾ نہ بناؤ تم یہودیوں کو ﴿وَالنَّصَارَى﴾ اور نصرانیوں کو ﴿أَوْلِيَاءَ﴾ دوست ﴿بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ بعض ان کے دوست ہیں بعض کے ﴿وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ﴾ اور جس نے ان کے ساتھ دوستی کی تم میں سے ﴿فَوَاتَهُ مِنْهُمْ﴾ پس بے شک وہ انہی میں سے ہوگا ﴿إِنَّ اللَّهَ﴾

بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ نہیں ہدایت دیتا ظالم قوم کو۔

بات پہلے سے یہ چلی آرہی ہے کہ یہودیوں کے شادی شدہ مرد، عورت نے بدکاری کی اور وہ مقدمہ لے کر آپ ﷺ کے پاس آئے کہ کوئی نرم سی سزا ہو جائے جرمانہ ہو جائے، کوڑے لگ جائیں یا قید کی سزا ہو جائے۔ لیکن ان کی یہ تدبیر ان کے کام نہ آئی اور آپ ﷺ نے اسلام اور توراہ کے مطابق رحم کا حکم جاری فرمایا۔ وہ چاہتے تھے کہ ہماری خواہش کے مطابق فیصلہ ہو جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کی خواہشات کی پیروی نہیں کرنی۔

ارشادِ بانی ہے ﴿وَإِنِ احْتَكَمْتُمْ بَيْنَهُمْ﴾ اور یہ کہ آپ (ﷺ) فیصلہ کریں ان کے درمیان ﴿بِمَا أَنْزَلْنَا﴾ اس چیز کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے۔ وہ یہ کہ اگر شادی شدہ مرد عورت زنا کا ارتکاب کریں اور اس پر گواہ موجود ہوں یا وہ خود اقرار کریں اپنے گناہ کا تو ان کو رحم کیا جائے گا۔ ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا لَهُمْ آهَهُمْ﴾ اور نہ پیروی کریں ان کی خواہشات کی کہ وہ چاہتے ہیں کہ کوئی نرم سا حکم مل جائے اور رحم سے بچ جائیں۔ ایسا بالکل نہیں کرنا۔ ﴿وَإِخْتَارْتُمْ﴾ اور ان سے بچتے رہیں۔

﴿أَنْ يُفْتَنُوا﴾ کہ وہ آپ کو فتنے میں ڈال دیں ﴿عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ﴾ بعض ان چیزوں کے بارے میں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہیں آپ (ﷺ) کی طرف۔ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بعض احکام کو ٹال کر تمہیں فتنہ میں مبتلا کر دیں لہذا آپ ﷺ ان کو صاف صاف کہہ دیں کہ جو تم چاہتے ہو وہ ہم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ بلکہ قرآن کریم اور توراہ کے مطابق ہم رحم ہی کریں گے۔

﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا﴾ پس اگر وہ پھر جائیں کہ حق سے اعراض کریں ﴿فَاعْلَمُوا﴾ پس آپ (ﷺ) جان لیں ﴿أَنَّكُمْ تُبْذَرُونَ﴾ اللہ پختہ بات ہے ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ ﴿أَنْ يُبَيِّنَهُمْ﴾ یہ کہ ان کو مصیبت میں مبتلا کرے ﴿بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ﴾ ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے۔ چنانچہ جب الزام ثابت ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے ان کو رحم کرنے کا حکم دیا۔ مجمع میں یہودی بھی تھے، عیسائی بھی تھے، منافق بھی تھے اور مسلمان بھی تھے سب کی موجودگی میں آنحضرت ﷺ کی سرپرستی میں ان کو رحم کیا گیا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب لوگ پتھر مارتے تھے یہودی اس عورت پر گر پڑتا تھا کہ اس کو پتھر نہ لگیں۔ بہر حال دونوں کو رحم کر دیا گیا اور ان کی میتیں ان کے وارثوں کے حوالے کر دی گئیں۔ رحم کا حکم توراہ میں تھا اور قرآن کریم میں بھی رحم کا حکم ہے۔ وہ آیت کریمہ اگرچہ تلاوۃ منسوخ ہے مگر حکم باقی ہے۔

الشَّيْخُ وَالشَّيْخُوخَةُ (الآیۃ) تلاوت منسوخ مگر حکم باقی ہے

آیت کریمہ یہ ہے: الشَّيْخُ وَالشَّيْخُوخَةُ إِذَا زَنِيَا فَاذْجُرُوهُمَا إِلَى الْبَيْتَةِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ رحم کا حکم یہودیوں کے لیے تھا اور آپ ﷺ نے یہودیوں کو ہی رحم فرمایا تھا تو یہ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ایک صحابی کے متعلق رحم کا حکم دیا اور ان کو رحم کیا گیا۔

حضرت ماعز بن سلمیؓ کا واقعہ

واقعہ اس طرح ہوا کہ ”آنحضرت ﷺ تشریف فرما تھے کہ حضرت ماعز بن سلمیؓ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ حضرت! مجھ سے بدکاری سرزد ہو گئی ہے اور میں ہوں بھی شادی شدہ۔ آپ ﷺ نے چہرہ اقدس دوسری طرف پھیر لیا۔ پھر وہ ادھر سے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے کہ حضرت! مجھ سے غلطی ہو گئی ہے آپ ﷺ نے چہرہ اقدس تیسری طرف پھیر لیا وہ ادھر سامنے آ کر کھڑے ہو گئے اور اپنے جرم کا اقرار کیا۔ آپ ﷺ نے چہرہ اقدس چوتھی طرف پھیر لیا۔ وہ ادھر ہی سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ اور کہا کہ حضرت! مجھ سے غلطی ہو گئی ہے مجھے پاک کرو تا کہ میری آخرت خراب نہ ہو۔ آپ ﷺ نے اس کے حملہ داروں سے دریافت فرمایا کہ یہ پاگل تو نہیں ہے؟ کہنے لگے حضرت نہیں! یہ تو بڑا سمجھ دار آدمی ہے۔ پھر دریافت فرمایا کہ یہ نشہ تو نہیں کرتا؟ معلوم ہوا کہ نہیں وہ نشہ بھی نہیں کرتا اس کے بعد آپ ﷺ نے ان کے متعلق رجم کا حکم فرمایا اور ان کو رجم کیا گیا۔ حضرت ماعز بن سلمیؓ تو مسلمان تھے، صبیبی تھے، یہودی نہیں تھے۔“

ایک عورت کے رجم کا عجیب و غریب واقعہ

اس طرح ایک عورت کا واقعہ بھی آتا ہے بخاری اور مسلم کی روایت ہے ایک عورت آپ ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی ”حضرت! مجھ سے یہ گناہ ہوا ہے، لہذا مجھے پاک کرو، آپ ﷺ نے اس کے متعلق بھی دریافت فرمایا کہ یہ پاگل تو نہیں ہے یا نشہ تو نہیں کرتی؟ معلوم ہوا کہ نہ پاگل ہے نہ نشہ کرتی ہے۔ آپ ﷺ نے اس کو فرمایا کہ ابھی تم جاؤ، سوچیں گے۔ ار نے کہا کہ تم مجھے ٹالنا چاہتے ہو مجھے پاک کرو۔ میرے پیٹ میں بچہ بھی حرام کا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ غلطی تیری ہے بچہ کی تو نہیں ہے؟ لہذا بچہ کی ولادت کے بعد آنا۔ چنانچہ وہ عورت چلی گئی اور بچے کی پیدائش کے بعد پھر آ گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو دودھ پلانے والی کوئی ہے؟ کہنے لگی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ اس کو دو سال دودھ پلاؤ جب یہ روٹی کھانے لگ جائے پھر آنا۔ دو سال بعد وہ عورت بچے کو اٹھائے ہوئے پھر آ گئی اور بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا بھی تھا۔ آنحضرت ﷺ کے سامنے بچے کو کہا کہ روٹی کھاؤ۔ اس نے روٹی کھانا شروع کی، کہنے لگی حضرت! یہ روٹی کھانے کے قابل ہو گیا ہے۔ اب تو مجھے پاک کر دیں۔ اندازہ لگاؤ کہ اتنا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود اس کا نظریہ نہیں بدلا اس کو بھی رجم کیا گیا۔“ تو یہ کہنا کہ رجم کا حکم یہودیوں کے لیے تھا بالکل غلط بات ہے۔ مسلمانوں کے لیے بھی یہی حکم ہے۔

﴿وَلَنْ كَيْفًا مِنَ النَّاسِ لَفُتُونُ﴾ اور بے شک بہت سے لوگوں میں سے البتہ نافرمان ہیں ﴿أَقْحَمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْعُونَ﴾ کیا پس یہ جاہلیت کا حکم تلاش کرتے ہیں۔ کہ ادھر ادھر پھر رہے ہیں کہ ان کی مرضی کے مطابق فیصلہ ہو جائے۔ ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا﴾ اور کون ہے اللہ تعالیٰ سے زیادہ اچھا فیصلہ کرنے والا؟ اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تو راہ میں بھی رجم ہے۔ اور اس شریعت میں بھی اس جرم کی سزا رجم ہے۔ اور رب تعالیٰ کا حکم ہے ﴿لَقَوْلِهِمْ يُؤْتُونَ﴾ اس قوم کے لیے جو یقین رکھتی ہے۔ اور

جورب تعالیٰ پر ایمان اور یقین نہیں رکھتے ان کی بات جدا ہے۔ جب یہود نصاریٰ توراہ وانجیل پر عمل کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ کیونکہ توراہ وانجیل میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت موجود ہے۔ مگر انہوں نے اس کو تسلیم نہیں کیا تو پھر مسلمانو! تمہارے لیے رب تعالیٰ کا حکم یہ ہے۔

یہود و نصاریٰ سے موالات کی ممانعت

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ﴾ نہ بناؤ تم یہودیوں کو اور نصاریوں کو دوست ﴿بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ بعض ان کے دوست ہیں بعض کے۔ یعنی وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم بالکل واضح اور صاف ہے کہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی جائز نہیں ہے۔ مسجد نبوی زادھا اللہ شرفا و کرامتہ کے امام اور خطیب علامہ حذیفی نے خطبہ جمعہ میں یہی آیت کریمہ تلاوت کی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے اور تم نے ان کے ساتھ یارانے لگائے ہوئے ہیں اور ان کی فوجیں سرزمین عرب میں داخل کی ہوئی ہیں۔ میں شاہ فہد اور اس کے تمام ارکان حکومت کو کہتا ہوں کہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی نہ رکھو اور ان کی فوجوں کو یہاں سے نکالو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مسلم شریف اور ترمذی شریف میں موجود ہے ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((أَخْرِجُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ)) یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دو اور فرمایا کہ اگر میں آئندہ سال تک زندہ رہا تو خود ان کو نکال دوں گا۔ لَا أَتْرُكُ فِيهَا إِلَّا مُسْلِمًا مسلمانوں کے علاوہ کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔“ (یہ اعلان آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ھ میں فرمایا)۔

علامہ حذیفی نے فرمایا کہ قرآن کریم کا بھی حکم ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی حکم ہے اور تم اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہو اور مکہ و مدینہ اسلام کا مرکز ہے۔ پھر تمہارا ایسا کرنا بڑا ظلم ہے۔ اگرچہ حکومت مضبوط ہے مگر انہوں نے آخرت کو سامنے رکھتے ہوئے کہ کل پروردگار کو کیا جواب دوں گا حق بیان کر دیا اور حق بیان کرنے کی پاداش میں ان کو امامت اور خطابت سے معزول کر دیا گیا۔ اس وقت معصوم نہیں کہ قید ہیں یا آزاد کر دیا گیا ہے۔ (اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امامت اور خطابت کے منصب پر فائز ہیں یعنی ان کو بحال کر دیا گیا ہے۔ مرتب: نواز بلوچ)۔

امریکہ کی چال بازی

حق کہنے کی پاداش میں کئی سو علماء اس وقت بھی سعودیہ کی جیلوں میں بند ہیں۔ اور امریکہ کی فوجیں اسی طرح موجود ہیں اور ظلم کی بات یہ ہے کہ امریکی فوج کے تمام تر اخراجات، قیام و طعام، جس میں شراب اور خنزیر بھی شامل ہیں اور علاج معالجہ بھی سعودی حکومت کے ذمہ ہیں۔ سعودیہ کے ذہن میں انہوں نے یہ بات بٹھائی ہے کہ تجھے عراق کھا جائے گا ہم تیری حفاظت کے لیے آرہے ہیں۔ بے شک عراق کے پاس دولت بہت ہے مگر فوجی طاقت تو اتنی نہیں ہے کہ وہ تنہا سعودیہ کو کھا جائے گا اور سعودیہ کے تیل پر مکمل طور پر امریکہ قابض ہے۔ اور عراق اپنا تیل اس وقت تک نہیں بیچ سکتا جب تک امریکہ سے اجازت نہ لے۔

ارے تم چچا لگتے ہو کہ وہ تم سے اجازت لے۔ ملک ان کا، تیل ان کا، مزدوران کے۔ بیچیں نہ بیچیں تمہاری اجازت کا اس کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ بہر حال یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی جائز نہیں ہے۔

﴿وَمَنْ يَكُوْلُهُمْ فَمِنْكُمْ﴾ اور جس نے ان کے ساتھ دوستی کی تم میں سے ﴿فَإِنَّهُمْ مِنْكُمْ﴾ پس بے شک وہ انہی میں سے ہوگا۔ یعنی وہ پختہ مسلمان نہیں ہو سکتا بے شک نام اس کا مسلمانوں والا ہو۔ لیکن ہوگا وہ یہودی اور عیسائی ہی۔ کیونکہ رب تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرنے والا کس طرح مسلمان ہو سکتا ہے آج مسلمانوں کے جتنے ملک ہیں سوائے طالبان کے اکثر امریکہ کے پٹھو اور اس کے حاشیہ بردار ہیں۔ کیا سعودیہ، کیا شام یا مصر، کیا لیبیا اور کیا دوسرے جو کچھ وہ کہتا ہے کرتے ہیں۔ اور جو ان کے خلاف آواز بلند کرتا ہے وہ تحریب کا رہے، دہشت گرد ہے۔ طالبان امریکی خواہش کے مطابق جب روس کے ساتھ لڑ رہے تھے تو مجاہد تھے اب امریکی غرض ختم ہو گئی ہے تو دہشت گرد بن گئے ہیں یہ کتنی زیادتی اور ظلم کی بات ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا ظالم قوم کو۔ لہذا تم ظلم نہ کرنا اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی نہ لگانا۔



﴿فَتَرَى الَّذِينَ﴾ پس تو (اے مخاطب) دیکھے گا ان لوگوں کو ﴿فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ جن کے دلوں میں منافقت کی بیماری ہے ﴿يُسَارِعُونَ فِيهَا﴾ دوڑتے ہیں ان کے اندر جانے کے لیے ﴿يَقُولُونَ﴾ کہتے ہیں ﴿نَحْنُ﴾ ہم ڈرتے ہیں ﴿أَنْ تُصِيبَنَا آهْرَةٌ﴾ یہ کہ ہمیں کوئی بچے گردش ﴿فَعَسَى اللَّهُ﴾ پس قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ﴿أَنْ يَأْتِيَ بِالْقَتْلِ﴾ یہ کہ لائے فتح ﴿أَوْ آمْرٍ مِنْ عِنْدِهِ﴾ یا اور کوئی معاملہ اپنی طرف سے ﴿فَيُضِيبُوا﴾ پس ہو جائیں وہ منافق ﴿عَلَى مَا أَسْرَدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ﴾ اس چیز پر جو انہوں نے اپنے دلوں میں مخفی رکھی ﴿ثُمَّ يَمِينٌ﴾ شرمندہ ﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اور کہتے ہیں وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿أَهْلُؤَلَاءِ﴾ کیا یہ لوگ ہیں ﴿الَّذِينَ آمَنُوا﴾ باللہ ﴿جنہوں نے قسمیں کھائیں اللہ تعالیٰ کا نام لے کر﴾ ﴿جَهْدًا أَيْمَانِهِمْ﴾ مضبوط قسمیں ﴿إِنَّهُمْ لَمَعَنٌ﴾ کہ وہ البتہ تمہارے ساتھ ہیں ﴿حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ﴾ ضائع ہو گئے اعمال ان کے ﴿فَأَصْبَحُوا خَسِرِينَ﴾ پس ہو گئے وہ نقصان اٹھانے والے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے ایمان والو! ﴿مَنْ يَوَدَّ أَنْ يُجَاهِدْ﴾ جو مرتد ہو گیا تم میں سے ﴿عَنْ دِينِهِ﴾ اپنے دین سے ﴿فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ﴾ پس عنقریب اللہ تعالیٰ لائے گا ﴿بِقُوْرٍ﴾ ایسی قوم ﴿يُجَاهِدُ﴾ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ محبت کرے گا ﴿وَيُجِزِيهِمْ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کریں گے ﴿أَذَلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾ نرم ہوں گے ایمان والوں پر ﴿أَعْرَافًا عَلَى الْكٰفِرِينَ﴾ زبردست ہوں گے کافروں کے لیے ﴿يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ﴾

اللہ ﴿جہاد کریں گے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں﴾ وَلَا يَخَافُؤْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ﴿اور نہ خوف کریں گے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا﴾ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ ﴿یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے﴾ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ﴿دیتا ہے جس کو چاہتا ہے﴾ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿اور اللہ تعالیٰ وسعت والا جاننے والا ہے۔

منافقین کا رویہ

گزشتہ آیات میں ایمان والوں کو خطاب تھا کہ یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور جو ان کے ساتھ دوستی لگائے گا اس کا شمار انہی میں سے ہوگا۔ اور آج کی آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَتَرَى الَّذِينَ﴾ پس (اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ دیکھیں گے ان لوگوں کو ﴿فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ جن کے دلوں میں منافقت کی بیماری ہے ﴿يُسَارِعُونَ فِيهِمْ﴾ دوڑتے ہیں ان کے اندر جا کے ملنے کے لیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو منافق تھے وہ کلمہ بھی پڑھتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس میں باقاعدہ حاضری بھی دیتے تھے اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ ان کی دوستی بھی تھی اور کہتے کیا ہیں۔

فرمایا ﴿يَقُولُونَ نَحْنُ﴾ کہتے ہیں ہم ڈرتے ہیں ﴿أَنْ تُصِيبَنَا آهْرَةٌ﴾ یہ کہ ہمیں پہنچے کوئی گردش۔ یعنی ہم یہودیوں کے ساتھ دوستی اور ملاپ اس لیے رکھتے ہیں کہ اگر قحط پڑ گیا یا کوئی مجبوری بن گئی یا قرض لینے کی ضرورت پیش آگئی تو ان سے اپنی ضرورت پوری کریں گے۔ یہود و نصاریٰ سے تعلق قائم رکھنے کا جواز پیش کیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنَّكَ﴾ پس قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ لائے فتح۔ ان کی امداد کے بغیر۔ ﴿أَوْ أَمْرٌ مِّنْ غَيْرِكَ﴾ یا اور کوئی معاملہ اپنی طرف سے پیدا فرمادے کہ تم ان کے محتاج ہی نہ رہو۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ کے احکام بڑے صاف اور واضح ہیں۔ اور یہ حکم بھی رب تعالیٰ نے صاف اور صریح الفاظ میں بیان فرمادیا ہے کہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی مت لگاؤ اور ان کے ساتھ تعلق جوڑنے میں کسی بہانے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ وہ تمہارے کبھی خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔ اور دنیا کے حالات و واقعات اللہ تعالیٰ کے احکام پر شاہد عادل ہیں۔

پاکستان کا جنگی معاہدہ

چنانچہ پاکستان بننے کے بعد حکومت پاکستان نے امریکہ کے ساتھ جنگی معاہدہ کیا کہ اگر تم پر کسی نے حملہ کیا تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔ اور اگر ہم پر کسی نے حملہ کیا تو تم ہماری مدد کرو گے اگر ہماری کسی سے جنگ ہوگی تو تم ہمارے ساتھ شریک ہو گے۔ اور مدد کرو گے۔ اور اگر تمہاری کسی کے ساتھ جنگ ہوگی تو ہم تمہارے ساتھ شریک ہوں گے اور مدد کریں گے اس وقت یہ سب چھوٹی سی ہوتی تھی جو کافی بوڑھے حضرات تشریف فرما ہیں ان کو یاد ہوگا کہ میں نے خطبہ جمعہ کے دوران میں اس معاہدہ کی

تردید کی اور کہا کہ امریکہ کے ساتھ حکومت نے جو معاہدہ کیا ہے غلطی کی ہے۔ کیونکہ کبھی بھی مسلمانوں کو کافر سے فائدہ نہیں ہوا اور یہ قرآن و سنت کے خلاف ہے لہذا کافروں سے کسی قسم کی توقع رکھنا عبث اور غلط ہے۔

دورانِ کلام نوجوان کی تلخ کلامی

دورانِ تقریر میں گکھڑ کا ایک نوجوان کھڑا ہو گیا جو خاصا گرم اور تیز تھا میں اس کا نام نہیں لیتا غیبت ہو جائے گی۔ کہنے لگا تم مولویوں کے ذہن ہی فضول ہوتے ہیں یہ کوئی مولویوں کا آپس میں معاہدہ تو نہیں ہے۔ اور نہ ہی عام دو پارٹیوں کا معاہدہ ہے یہ تو دو حکومتوں کا معاہدہ ہے۔ میں نے کہا برخوردار! میں نے جو کچھ کہا ہے قرآن و سنت کی روشنی میں کہا ہے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی ذات کوئی نہیں ہے۔ لیکن وہ خاصا گرم تھا میرے اوپر اس نے حملہ آور ہونے کی بھی کوشش کی اور جمعہ بھی نہ پڑھا اور بڑا اتا ہوا چھا گیا کہ میں تمہارے ساتھ نمٹ لوں گا۔ اللہ تعالیٰ غریقِ رحمت فرمائے حاجی ملک محمد اقبال صاحب کو۔ وہ مسلسل کئی دنوں تک مجھے گھر سے ساتھ لے کر آتے تھے اور پھر واپس گھر چھوڑ کر آتے تھے کہ کہیں وہ نوجوان غلط قدم نہ اٹھائے کیونکہ وہ دھمکی دے کر گیا تھا۔

امریکہ کی دھوکا دہی

اس کے بعد ۱۹۶۵ء کی جنگ ہوئی معاہدہ ہونے کے باوجود امریکہ نے ہمارا ساتھ نہ دیا بلکہ اے ۱۹ء کی جنگ خود امریکہ نے ہم پر مسلط کرائی اور ہمیں ٹینکوں اور جہازوں کے سپر پارٹس تک نہ دیئے۔ کیا فائدہ کافروں کے ساتھ معاہدوں کا؟ رب تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا ہے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ کافروں سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا اللہ تعالیٰ خود ہی مسلمانوں کی نصرت فرمائیں۔

اور مسلمانوں کی کامیابیوں کو دیکھ کر ﴿فَيُضِيبُ حُواغِلًا مَّا آسَرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ نُذِيًّا وَمِنْ﴾ پس ہو جائیں وہ منافق اس چیز پر جو انہوں نے اپنے دلوں میں مخفی رکھی ہوئی ہے شرمندہ کہ انہوں نے تمہارا کسی قسم کا کوئی ساتھ نہیں دیا اور اس پر تاریخ شاہد ہے کہ کافروں پر جب بھی اعتماد کیا ہے وہ اعتماد پر پورے نہیں اترے۔ بلکہ الٹا انہوں نے نقصان پہنچایا ہے۔ منافقین، یہود مدینہ کو بڑا مضبوط سمجھتے تھے اور اسی وجہ سے اندرونی طور پر ان کے ساتھ تعلق رکھتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے یہود مدینہ کو مغلوب کر دیا کچھ مارے گئے اور کچھ کو جلا وطن کر دیا گیا۔ اور منافقین کی امیدیں ختم ہو گئیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اور کہتے ہیں وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿أَهْلُوا لَاءِ الَّذِينَ أَسْمُوا بِاللَّهِ﴾ کیا یہ لوگ ہیں جنہوں نے قسمیں کھائیں اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ﴿جَهْدًا آيَاتِهِمْ﴾ مضبوط قسمیں ﴿إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ﴾ کہ وہ البتہ تمہارے ساتھ ہیں۔ کہ ہم بھی مومن ہیں۔ یہود کے ساتھ تعلق تو صرف اس لیے رکھا ہوا ہے کہ کوئی ضرورت پیش آجائے تو وہ کام آجائیں۔

﴿حَوَّطْتُ أَعْمَالَهُمْ﴾ ضائع ہو گئے اعمال ان کے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں ان کو یہود کے ساتھ تعلقات کام نہ آئے اور آخرت میں بھی ان کے اعمال کام نہیں آئیں گے اور دوزخ کے نچلے طبقے میں سزا پائیں گے۔ ﴿فَأَصْحَابُ الْحَيْرَاتِ﴾ پس ہو گئے وہ نقصان اٹھانے والے۔

ہمارے حکمرانوں کی بے غیرتی

اللہ تعالیٰ کے واضح اور صاف حکم کے باوجود ہمارے حکمران ان کے تابع ہیں اس حد تک کہ بجلی اور سوئی گیس کاریٹ اور دیگر اہم مالی معاملات ان کی راہنمائی میں طے پاتے ہیں۔ گویا کہ ہم ہر چیز میں ان کے محتاج ہیں۔ اور عراق کا یہ حال ہے کہ وہ اپنا تیل اپنی مرضی سے نہیں بیچ سکتا۔ اقتصادی پابندیاں لگائی ہوئی ہیں بچے بھوکوں مر رہے ہیں ان کو دوایاں قیمتاً بھی دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ جب تک مسلمانوں میں غیرت نہیں بیدار ہوگی کام نہیں بنے گا۔ اور سعودیہ حکومت نے امریکہ صاحب کو اپنے سر پر بٹھایا ہوا ہے۔ اس وقت عرب ممالک میں اس کے سولہ ہوائی اڈے ہیں۔ اور سعودیہ کے اپنے سات، آٹھ بھی نہیں ہوں گے۔

مومنین کی صفات کا تذکرہ

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے ایمان والو! ﴿مَنْ يَتَذَكَّرْ مِنْكُمْ عَنِ دِينِهِ﴾ جو مرتد ہو گیا تم میں سے اپنے دین سے۔ وہ رب تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ ﴿فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ﴾ پس عنقریب اللہ تعالیٰ لائے گا ایسی قوم ﴿يُحِبُّهُمْ﴾ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ محبت کرے گا ﴿وَيُحِبُّوهُ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کریں گے ﴿أَذِلَّةٌ عَلَى النَّاسِ وَمُنِذِرٌ﴾ نرم ہوں گے ایمان والوں پر ﴿أَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ زبردست ہوں گے کافروں کے لیے۔ چاہے تھوڑے ہی کیوں نہ ہوں اور اگر منافقت اختیار کرو گے اور کافروں کا سہارا تلاش کرو گے اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی رکھو گے تو اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ البتہ تمہارا اپنا نقصان ہوگا سری کفریہ طاقتیں مل کر چاہیں کہ اسلام ختم ہو جائے نہیں ختم ہو سکتا کیونکہ رب تعالیٰ کا وعدہ ہے ﴿وَاللَّهُ مُتِمِّمٌ لِّنُورِهِمْ وَتَوْكَدُوهُ الْكُفْرُؤُنَ﴾ [الف: ۸] اور اللہ تعالیٰ اپنے نور اسلام کو، نور توحید کو چمکائے گا۔ چاہے کافر چلتے رہیں۔

کفار پر غلبہ

الحمد للہ! باوجود اس کے کہ امریکہ، برطانیہ اسلام کو مٹانے کے لئے پورا زور لگا رہے ہیں پھر بھی امریکہ، برطانیہ اور دوسرے کافر ملکوں میں خاصی تعداد میں لوگ مسلمان ہو رہے ہیں۔ اور اگر ہم اپنی کمزوریاں دور کر لیں ایمان اعتقاد اور اعمال قرآن و سنت کے مطابق بنالیں اور ظاہری شکل و صورت بھی خدا، رسول کے تابع کر دیں تو اسلام اور زیادہ پھیل سکتا ہے، یہ ہمارا ایمان ہے۔

مسلمانوں کی روز افزوں ترقی

ابوداؤد شریف کی روایت ہے کہ بارہ ہزار مسلمان قلت کی وجہ سے شکست نہیں کھائیں گے کوئی اور سب درمیان میں آجائے تو الگ بات ہے فرمایا ﴿يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ جہاد کریں گے اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿وَلَا يَخَافُونَ كَوْمَةً لَّآئِمٍ﴾ اور نہ خوف کریں گے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا۔

مجاہد کسی ملامت کا خوف نہیں رکھتا

یعنی وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے نہ کسی باطل پرست کی طعن و تشنیع ان پر اثر انداز ہوتی ہے۔ جس طرح آج کل مجاہدین باطل کے خلاف برسر پیکار ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ جب روس کے خلاف لڑ رہے تھے تو مجاہد تھے کیونکہ اس میں امریکہ کے مقاصد شامل تھے۔ اب روس ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے۔ تو اب وہ مجاہد دہشت گرد بن گئے ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ رب تعالیٰ امریکہ کے بھی ضرور ٹکڑے کرے گا جو حکومت پاکستان کو کہہ کر مجاہدین پر ظلم کر رہا ہے اور ان پر پابندیاں عائد کر رکھی ہیں۔ میں ایمان کی روشنی میں کہتا ہوں کہ مجاہدین پر نہ یہ حکومت پابندی لگا سکتی ہے نہ امریکہ لگا سکتا ہے۔ ان کی پابندیوں کا ان پر کوئی اثر نہیں ہو گا وہ جہاد کرتے رہیں گے وہ کسی کی ملامت سے نہیں ڈریں گے چاہے امریکہ ہو یا اس کے پٹھوں۔ ﴿ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے دیتا ہے جس کو چاہتا ہے ﴿وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ وسعت والا جاننے والا ہے۔ اس سے زیادہ جاننے والا اور کوئی نہیں ہے۔



﴿إِنَّمَا﴾ پختہ بات ہے ﴿وَلِيُكَلِّمَ اللَّهُ﴾ دوست تمہارا اللہ تعالیٰ ہے ﴿وَمَا سَأَلْتَهُ﴾ اور اس کا رسول ہے ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا﴾ اور وہ لوگ تمہارے دوست ہیں جو ایمان لائے ﴿الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ﴾ مومن وہ ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں ﴿وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ﴾ اور وہ زکوٰۃ دیتے ہیں ﴿وَالَّذِينَ كَفُّوا﴾ اور وہ عاجزی کرتے ہیں ﴿وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ اور جو دوستی کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا﴾ اور ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے ﴿فَإِنَّ جِزْبَ اللَّهِ لَهُمُ الْغُلْبُونَ﴾ پس بے شک گروہ اللہ تعالیٰ کا وہی غالب آئے گا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ﴾ نہ بناؤ ان لوگوں کو ﴿اتَّخَذُوا دِينَهُمْ حُرُوفًا﴾ جنہوں نے بنایا ہے تمہارے دین کو تمسخر ﴿وَالَّذِينَ﴾ اور کھیل ﴿قَرَنَ الَّذِينَ﴾ ان لوگوں میں سے ﴿أَوْ تَوَاتَرَ الْكُتُبِ﴾ جن کو دی گئی کتاب ﴿مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ تم سے پہلے ﴿وَالَّذِينَ﴾ اور کافروں کو دوست ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے ﴿إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ اگر تم مومن ہو ﴿وَإِذَا نَادَيْتُمْ﴾ اور جب تم اذان

دیتے ہو، اِلَى الصَّلَاةِ ﴿ نماز کے لیے ﴿ اِتَّخَذُوا هَاهُنَا ﴾ بناتے ہیں اس کو مسخرہ ﴿ وَ لِعِبَادِ ﴾ اور کھیل ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴾ یہ اس لیے کہ بے شک وہ ایسی قوم ہے جو عقل نہیں رکھتی، سمجھتی نہیں ہے۔

رابط آیات ۱۰

پچھلے رکوع کی ابتدا میں اس کا ذکر تھا کہ یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ تو پھر کن کو دوست بنائیں؟

مومن کا حقیقی دوست کون؟ ۱۱

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ ﴾ پختہ بات ہے دوست تمہارا، تمہارا آقا، تمہارا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا رسول مہدیؑ ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ راضی ہے۔ اور ان کی نصرت کا وعدہ فرما چکا ہے ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ اور وہ لوگ تمہارے دوست ہیں جو ایمان لائے۔ یعنی تمہاری دوستی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مہدیؑ اور ایمان والوں کے ساتھ ہونی چاہیے مومنوں کی کیا پہچان ہے۔ کیونکہ منہ سے بہت سارے لوگ اپنے آپ کو مومن کہتے ہیں۔ رب تعالیٰ مومنوں کے اوصاف بیان فرماتے ہیں کہ جن میں یہ صفتیں ہوں وہ مومن ہیں۔

مومنین کی صفات کا ذکر ۱۲

① ﴿ الَّذِيْنَ يُقِيمُوْنَ الصَّلَاةَ ﴾ مومن وہ ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں۔ جو شخص نماز کی پابندی نہیں کرتا اور اپنے آپ کو مومن سمجھتا ہے، غلط نہیں کا شکار ہے۔

تارکِ صلوٰۃ کا حکم ۱۳

حدیث پاک میں آتا ہے۔ ((مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ مُتَعَدِّدًا فَقَدْ كَفَرَ)) جس نے دیدہ و دانستہ ایک نماز چھوڑ دی اس نے کھلا کفر کیا۔ امام احمد بن حنبلؒ نے اس حدیث کے ظاہری الفاظ کے مطابق فتویٰ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جس نے ایک نماز چھوڑ دی وہ کافر ہو گیا، مرتد ہو گیا۔ اس کی سزا قتل ہے۔ ایمان والوں کی دوسری صفت:

ادائیگی زکوٰۃ کی حکمت اور فلسفہ ۱۴

① ﴿ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوٰتَ ﴾ اور وہ زکوٰۃ دیتے ہیں۔ نماز بدنی عبادت ہے اور زکوٰۃ مالی عبادت اور اس کا تعلق ہر امیر غریب کے ساتھ ہے کچھ زکوٰۃ دینے والے ہیں اور کچھ لوگ زکوٰۃ لینے والے ہیں۔ اور یہ بخل اور حرص کی بیماری کا علاج ہے کہ اس سے انسان کے ذہن سے بخل اور حرص کا مادہ خارج ہوتا ہے اور غربا، مساکین کی حاجات پوری ہوتی ہیں۔ تیسری صفت:

② ﴿ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴾ اور وہ عاجزی کرتے ہیں۔

”مصدق رکوع“ میں مفسرین کے اقوال

صاحب روح المعانی علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں رکوع سے مراد نماز والا رکوع نہیں ہے بلکہ اس سے عاجزی اور انکساری مراد ہے کہ مومن وہ ہیں جو عاجزی اور انکساری کرنے والے ہیں۔ بعض مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ:

”رکوع سے مراد نماز والا رکوع ہی ہے۔ اور اس کا یہاں خصوصی طور پر اس لیے ذکر کیا ہے تاکہ یہودیوں کے ساتھ امتیاز ہو جائے کیونکہ ان کی نماز میں رکوع نہیں تھا تو پھر معنی ہوگا کہ مومن وہ ہیں جو رکوع کرنے والے ہیں۔“

﴿وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ اور جو دوستی کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا﴾ اور ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے ہیں جن کی صفات بیان ہوئی ہیں۔ ﴿فَإِنَّ جِزْبَ اللَّهِ لَهُمُ الْغُلْبُونَ﴾ پس بے شک گروہ اللہ تعالیٰ کا وہی غالب آئے گا۔ یہی گروہ غالب آئے گا دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ حق والے تھوڑے ہونے کے باوجود غالب ہوتے رہے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا وعدہ ہے:

﴿وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ [آل عمران: ۱۳۹] ”اور تم ہی غالب ہو اگر ہو تم مومن۔“ مطلب یہ ہے جب تم مومن ہو گے تو تمہارا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہوگا وہ تمہاری کامیابی کے اسباب پیدا فرمائے گا بلکہ وہ اسباب کا بھی محتاج نہیں ہے۔ بغیر اسباب کے بھی مدد فرمائے گا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم نہیں ہوگا۔ تو نصرت نہیں آئے گی اس کو تم اس طرح سمجھو کہ یہ لاؤڈ سپیکر چل رہا ہے۔ پتکھے چل رہے ہیں، بتیاں روشن ہیں، کیونکہ ان کا مرکز کے ساتھ کنکشن ہے جوڑ ہے، اگر یہ کنکشن کاٹ دیا جائے تمام چیزیں بند ہو جائیں گی۔ اسی طرح جب رب تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہوگا تو وہ قادرِ مطلق ہے، فرشتوں کے ذریعہ بھی مدد کر سکتا ہے فرشتوں کے بغیر بھی مدد کر سکتا ہے۔ اس کے لئے کوئی کام مشکل نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق جوڑنے والی سب سے بڑی چیز نماز ہے۔ پھر وہ بھی جماعت کی پابندی کے ساتھ ادا ہو پھر اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی سے منع فرماتے ہیں۔

غلبہ مومنین کے لیے شرط کفار سے قلبی دوستی سے ممانعت

ارشادِ ربانی ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُذُؤًا وَ لَيْسَ﴾ نہ بناؤ ان لوگوں کو جنہوں نے بنایا ہے تمہارے دین کو تمسخر اور کھیل ﴿مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ﴾ ان لوگوں میں سے جن کو دی گئی کتاب ﴿مِن قَبْلِكُمْ﴾ تم سے پہلے ﴿وَالكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ﴾ اور دوسرے کافروں کو دوست۔

ربط رکوع

پہلے رکوع میں جو حکم بیان ہوا تھا اس سے یہ شبہ پیدا ہوتا تھا کہ یہود و نصاریٰ سے دوستی نہیں کرنی اور ان کے علاوہ

دوسرے کافروں سے دوستی کر لیں تو کوئی ڈر نہیں ہے۔ یہاں وضاحت فرمادی کہ نہ یہود و نصاریٰ سے دوستی جائز ہے اور نہ دوسرے کافروں سے دوستی جائز ہے۔ اور وجہ بھی بیان فرمادی کہ انہوں نے تمہارے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے۔ دیکھو! تمہارے باپ کا کوئی مذاق اڑائے یا ماں کا مذاق اڑائے تو کتنا غصہ آتا ہے اور دین تو ماں، باپ سے بھی زیادہ قیمتی سرمایہ ہے اس کا کوئی مذاق اڑائے تو زیادہ غصہ آنا چاہیے۔ مگر آئے گا سے جو مومن ہوگا۔

فلم ”حج“ اور احتجاج

۱۹۳۵ء کی بات ہے میں گوجرانوالا میں پڑھتا تھا۔ انگریز کی حکومت کا زمانہ تھا۔ گوجرانوالا میں ایک ہندو کاسینما تھا انہوں نے اعلان کیا کہ ہم حج کی فلم دکھائیں گے تمام مسالک کے علماء اکٹھے ہوئے دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث، مشاورت کی اور جلسہ عام رکھا اور اس میں احتجاج کیا کہ حج ہماری عبادت ہے اس کو کھیل تماشے کے طور پر پیش کرنے کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ لہذا اس فلم کو بند کیا جائے۔ جلسے کے بعد احتجاجی جلوس بھی نکالا میں خود اس جلوس میں شریک تھا۔ انگریز نے احتجاج کو تسلیم کیا اور فلم بند کرادی اور حج فلم پر پابندی لگادی۔ اس کے بعد پاکستان بن گیا اور خانہ خدا کے نام سے فلم تیار کی گئی۔ اور لوگوں کو دکھائی گئی۔

الحمد للہ! میں نے آج تک سینما نہیں دیکھا۔ لوگ بتاتے رہتے ہیں کہ وہاں یہ کچھ ہوتا ہے۔ انہی دنوں میں شیخوپورہ میں بہت بڑا جلسہ تھا حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ جو چوٹی کے مقرر تھے ان کا خصوصی خطاب تھا اور میری صدارت تھی۔ مجھے چونکہ ساتھیوں نے صدر بنایا تھا میرے پاس رقعے آنے شروع ہو گئے ان میں سے ایک رقعہ کے اوپر لکھا ہوا تھا کہ انگریزی دور میں علماء حج فلم پر احتجاج کرتے تھے اور آج حج فلم دکھائی جا رہی ہے۔ علماء خاموش کیوں ہیں؟

مولانا جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے تقریر کے دوران ہی وہ رقعہ میرے ہاتھ سے لے لیا۔ مولانا بڑے ذہین اور حاضر جواب تھے۔ فرمایا کہ بھائی کسی صاحب نے یہ رقعہ لکھا ہے کہ انگریز کے زمانہ میں علماء نے حج فلم پر احتجاج کیا تھا اور انگریز نے پابندی لگادی تھی اب پاکستان میں ”خانہ خدا“ فلم چل رہی ہے علماء احتجاج کیوں نہیں کرتے؟ خاموش کیوں ہیں؟ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ”علماء خاموش نہیں ہیں اب بھی اس کی تردید کرتے ہیں لیکن بات یہ ہے کہ مائیں دو قسم کی ہوتی ہیں حقیقی اور سوتیلی۔ حقیقی ماں اپنے بچے کو بے تحاشا مارتی ہے اس کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔ اور سوتیلی ماں بچے کو مارتے ہوئے گھبراتی اور ڈرتی ہے کہ لوگ کہیں گے کہ سوتیلی ہے اس لیے مار رہی ہے۔“

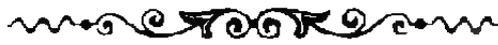
فلم ”حج“ اور مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کا موقف

مثال دے کر مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلے ہماری بے بے (ماں) برطانیہ تھی وہ سوتیلی ماں تھی اور اب ہم حقیقی بے بے کے دس پڑ گئے ہیں۔ یعنی حکومت پاکستان پر احتجاج کا کوئی اثر نہیں ہے۔ اور یاد رکھنا! خالی تردیدوں اور احتجاجوں سے بھی کچھ

نہیں بنا۔ بات اس وقت بنے گی جب طالبان کی طرح حکومت کا ڈنڈا ہاتھ آئے گا۔ برائی اس وقت ختم ہوگی جب افغانستان جیسے حالات پیدا ہوں گے وہاں جا کے دیکھو نہ گانا، نہ بینڈ، نہ باجانہ اور کوئی برائی، ڈاڑھی منڈا تک تمہیں کوئی نظر نہیں آئے گا۔ انہوں نے معاشرے میں قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کو نافذ کر دیا ہے۔ اور آپس میں اتفاق و اتحاد کے ساتھ حکومت چلا رہے ہیں۔ اور یہاں فتنہ فساد اور اسپلی مچھلی بازار بنی ہوئی ہے۔ کیونکہ یہاں ممبران اسپلی قانون بناتے ہیں اور ہر ممبر اپنے مفاد کو سامنے رکھ کر رائے دیتا ہے۔ کوئی اپنی جاگیر کو سامنے رکھتا ہے کوئی مل اور کارخانے کو سامنے رکھتا ہے کوئی کاروبار کو سامنے رکھ کر رائے دیتا ہے کہ میرے کاروبار پر زونہ پڑے اور طالبان کے پاس بنا بنایا قانون ”ہدایہ“ کی شکل میں موجود ہے۔ سارے خفی مسلک کے لوگ ہیں ان کو نہ اسپلی بنانے کی ضرورت ہے اور نہ قانون سازی کے لیے لڑنے کی ضرورت ہے۔

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے ﴿إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ اگر تم مومن ہو ﴿وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ﴾ اور جب تم اذان دیتے ہو، نماز کے لیے بلا تے ہو۔ ﴿اتَّخِذُوا هَٰؤُلَاءِ أَوْلِيَاءَ﴾ بناتے ہیں اس کو مسخرہ در کھیل، اذان کا مذاق اڑاتے ہیں اس طرح کہ جس طرح مؤذن کانوں میں انگلیاں ڈالتا ہے۔ اسی طرح کانوں میں انگلیاں ڈتے آواز نکالتے، دائیں، بائیں چہرہ پھیرتے اور اذان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اسی طرح نماز کا بھی مذاق اڑاتے کہ کبھی کھڑے ہو جاتے پھر اوندھے ہوتے، یعنی نماز کے افعال کی نقل اتارتے اور کہتے یہ مسلمانی ہے۔ لہذا اے مسلمانو! تمہاری غیرت کا تقاضا ہے کہ ان کو دوست نہ بناؤ۔ اور یہ لوگ دین کا مذاق کیوں اڑاتے ہیں۔

فرمایا ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَتَّقُونَ﴾ یہ اس لیے کہ بے شک وہ ایسی قوم ہے جو عقل نہیں رکھتی، سمجھتی نہیں ہے۔ بے وقوف لوگ ہیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اصول بتائے ہیں کہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی نہیں کرنی اور جو لوگ دین کا مذاق اڑائیں ان کے ساتھ بھی دوستی نہیں ہونی چاہیے۔



﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ﴾ اے پیغمبر (ﷺ) آپ کہہ دیں اے اہل کتاب! ﴿هَلْ تَنْقُضُونَ مِيثَاقَ﴾ نہیں انکار کرتے تم ہم سے ﴿إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِاللَّهِ﴾ مگر اس بات سے کہ ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر ﴿وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا﴾ اور اس چیز پر جو ہماری طرف نازل کی گئی ﴿وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلُ﴾ اور اس چیز پر جو اتاری گئی پہلے ﴿وَأَنْ أَكْثَرُكُمْ فَسِقُونَ﴾ اور بے شک تمہاری اکثریت نافرمان ہے ﴿قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ﴾ آپ (ﷺ) فرمادیں کیا میں تمہیں خبر دوں ﴿بِشَيْءٍ مِنْ ذٰلِكَ﴾ اس سے بری چیز کی ﴿مَنْسُوبَةٌ عِنْدَ اللَّهِ﴾ باعتبار جزا کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿مَنْ لَعَنَهُ﴾ اللہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ﴿وَغَضِبَ عَلَيْهِ﴾ اور ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا ﴿وَجَعَلَ﴾ اور بنا لیا ﴿مِنْهُمْ﴾ ان میں سے ﴿الْقِرَدَةَ وَالخٰنَازِيرَ﴾ بندر اور خنزیر ﴿وَعَبَدَ الطَّاغُوتِ﴾ اور

انہوں نے عبادت کی طاغوت کی ﴿أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا﴾ وہی لوگ بُرے ہیں باعتبار درجے کے ﴿وَأَصْلُ عَنِ سَوَاءٍ السَّبِيلِ﴾ اور زیادہ بُرے ہوئے ہیں سیدھے راستے سے ﴿وَإِذَا جَاءُوكُمْ﴾ اور جب وہ آتے ہیں تمہارے پاس ﴿قَالُوا آمَنَّا﴾ کہتے ہیں ہم ایمان لائے ﴿وَقَدْ دَخَلُوا بِالْكُفْرِ﴾ حالانکہ تحقیق وہ داخل ہوئے ہیں (آپ ﷺ کی مجلس میں) کفر کے ساتھ ﴿وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ﴾ اور تحقیق وہ نکلے ہیں کفر کے ساتھ ﴿وَاللَّهُ أَعْلَمُ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ﴿بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ﴾ اس چیز کو جو وہ چھپاتے ہیں۔

ربط آیات

اس سے پہلی آیات میں اس چیز کا بیان تھا کہ یہود و نصاریٰ اور دوسرے کافروں کو دوست نہ بناؤ کیونکہ وہ تمہارے دین کے مخالف ہیں اور مسلمان کی قیمتی متاع دین، ایمان ہی ہے اور یہ ارکان اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں مثلاً: نماز کا، اذان کا مذاق کرتے ہیں نقالی کر کے۔

تمسخر کی صورت کا بیان

جس طرح مؤذن کانوں میں انگلیاں ڈال کر کلمات اذان بلند آواز سے کہتا ہے اور حَتَّىٰ عَلَى الصَّلَاةِ اور حَتَّىٰ عَلَى الْفَلَاحِ پر چہرہ دائیں بائیں پھیرتا ہے اس کی نقل اتار کے مذاق اڑاتے ہیں۔ اور مسئلہ یہ ہے کہ مؤذن جب اذان دے تو کانوں میں انگلیاں ڈالے تاکہ اس کو اپنی آواز بری نہ لگے۔ چاہے جتنی زور سے آواز نکالے۔

حدیث پاک میں اسی طرح آیا ہے اور کانوں میں انگلیاں ڈالنا نہ فرض ہے، نہ واجب ہے، نہ سنت مؤکدہ بلکہ مستحب ہے۔ تو اگر کوئی شخص اذان دیتے ہوئے کانوں میں انگلیاں نہ بھی ڈالے تو اذان پھر بھی ہو جائے گی اور یہ کہ مؤذن بلند جگہ پر کھڑا ہو کر اذان دے تاکہ دور تک آواز جائے۔ اور حَتَّىٰ عَلَى الصَّلَاةِ کہتے وقت چہرہ دائیں طرف پھیرے اور حَتَّىٰ عَلَى الْفَلَاحِ کہتے وقت چہرہ بائیں طرف پھیرے تاکہ دائیں بائیں طرف کے لوگ بھی سن لیں۔

اور یہ بھی حکم ہے کہ مؤذن جب اذان کہے تو اس کا جواب دو۔ وہ اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو وہ ((أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ)) کہے تو تم بھی ((أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ)) کہو، وہ ((أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ)) کہے تو تم بھی ((أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ)) کہو اور جب مؤذن ((حَتَّىٰ عَلَى الصَّلَاةِ)) کہے تو تم ((لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ)) کہو۔ جب اذان ہو جائے تو درود شریف پڑھنا ہے اور اس کے بعد یہ دعا پڑھنی ہے: ((اللَّهُمَّ رَبِّ هَذِهِ الدَّعْوَةُ الثَّامَّةُ وَالصَّلَاةُ الْقَائِمَةُ ابْنَ مُحَمَّدٍ الْوَسِيْلَةَ وَالْقَضِيْبَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا ابْنِ الْبَيْتِ وَعَدَّتْهُ)). آنحضرت ﷺ نے فرمایا ((حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) میں اس کے لیے قیامت والے دن ضرور سفارش کروں گا۔ اور مغرب کی اذان کے بعد درود شریف

پڑھنے کے بعد اس دعا کے ساتھ ایک اور چھوٹی سی دعا پڑھنی ہے: ((اللَّهُمَّ إِنَّ هَذَا إِقْبَالٌ لَيْلِكَ وَإِدْبَارٌ نَهَارِكَ وَ
أَصْوَاتٌ دُعَايِكَ فَاعْفُزْنِي))۔ اس کا بڑا اجر ہے مگر بہت سارے لوگ اس سے غافل ہیں۔

غرض تمسخر

یہ مذاق کیوں اڑاتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ يَا هَلْ الْكِتَابُ﴾ اے پیغمبر (علیہ السلام) آپ کہہ دیں اے
اہل کتاب! ﴿هَلْ تُنْفِقُونَ مِمَّا آتَاكُمْ اللَّهُ﴾ نہیں انکار کرتے تم ہم سے مگر اس بات سے کہ ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر۔

نَقْمٌ كِى نَعْوَى مُتَحِقِّينَ

نَقْمٌ، يَنْقِمُهُ، يَضْرِبُ، يَضْرِبُ سے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس کا ترجمہ کرتے ہیں هَلْ تُنْفِقُونَ مِمَّا نَحْنُ انکار کرتے
تم ہم سے۔ اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نَقْمٌ، يَنْقِمُهُ، کے معنی انتقام کے نہ سمجھ لینا۔

تمسخر کا انجام کار

﴿وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا﴾ اور اس چیز پر جو ہماری طرف نازل کی گئی۔ قرآن اور احادیث پر ہم ایمان لائے ہیں احادیث
بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں۔ ﴿وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلُ﴾ اور اس چیز پر (بھی ہم ایمان لائے) جو اتاری گئی (ہم
سے) پہلے۔ توراہ پر، انجیل پر، زبور پر اور دوسرے آسمانی صحیفے جو نازل ہوئے ہم سب پر ایمان رکھتے ہیں۔

﴿وَأَنْ أَكْثَرُكُمْ فَاسِقُونَ﴾ اور بے شک تمہاری اکثریت نافرمان ہے۔ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن تھے کہ ان
کی والدہ پر بہتان باندھتے تھے اور انہیں شریف آدمی ماننے کے لیے تیار نہیں تھے اور عیسائی ضد میں آ کر ان کی شریعت کو برا
کہتے تھے۔ مگر الحمد للہ! ہم صاف دل ہیں کہ اپنی کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور پہلی تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں پر ایمان
رکھتے ہیں۔ اور تمام پیغمبروں اور کتابوں کو واجب التعظیم سمجھتے ہیں۔ چنانچہ قومی اسمبلی نے قانون پاس کیا کہ توہین رسالت کے
مرتب کی سزا موت ہے۔ رسالت کا لفظ عام ہے تمام پیغمبروں کو شامل ہے۔ جس پیغمبر کی بھی کوئی توہین کرے گا اس کو سزائے
موت ہوگی۔ لیکن امریکہ بہادر اس بات پر مبصر ہے کہ اس قانون کو ختم کرو اور اپنے پیغمبر کی توہین کرنے کا ہمیں حق دو۔

بھائی! ہم تو تمام پیغمبروں کو قابل احترام و تعظیم سمجھتے ہیں۔ اور سب کے لیے یکساں قانون ہے۔ ہاں! اگر قانون یہ
ہوتا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والے کی سزا موت ہے تو پھر تمہیں اعتراض کرنے اور کچھ کہنے کا حق
ہونگے تھا۔ لہذا اب ان کا اعتراض کرنا بالکل غلط ہے۔ کیونکہ قانون تمام پیغمبروں کی عصمت اور عظمت کی حفاظت کے لیے ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمادیں کیا میں تمہیں خبر دوں ﴿بَشِيرٍ مِّنْ ذَلِكَ
مُتُوبَةً عِنْدَ اللَّهِ﴾ اس سے بڑی چیز کی باعتبار جزا کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ اس سے جو تم ہماری نماز اور اذان کی نقل اتارتے

اور مذاق کرتے ہو، وہ کیا ہے؟ ﴿مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ﴾ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے۔ جیسے عیسائی کہ یہ ملعون ہیں ﴿وَعُضِبَ عَلَيْهِ﴾ اور ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا۔ جیسے یہودی کہ وہ ﴿غَيْرِ الْمُعْتُوبِ عَلَيْهِمْ﴾ ہیں۔
﴿وَجَعَلَ مِنْهُمْ الْقِرَدَةَ وَالْخَازِرَ﴾ اور بنائے اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بندر اور خنزیر۔

ایلہ شہر کی تحقیق

بحیرہ قلزم کے کنارے ایلہ نامی شہر تھا آج کل اس کا نام ایلات ہے اور یہودیوں کی بندرگاہ ہے۔ یہ شہر ہزار ہا سال سے چلا آرہا ہے۔ وہاں کے لوگوں کی بودوباش مچھلی کے شکار پر تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ان پر پابندی لگی کہ ہفتے والے دن تم شکار نہیں کر سکتے کیونکہ یہ عبادت کا دن ہے۔ اس دن عبادت کے سوا کسی کام کی اجازت نہیں تھی۔ جس طرح ہماری شریعت میں جمعہ کی اذان سے لے کر اختتام نماز تک ہر وہ کام جس کا تعلق جمعہ کے ساتھ نہیں ہے مکروہ تحریمی یعنی حرام ہے۔ اذان سے مراد پہلی اذان ہے۔ تمام فقہی کتابوں میں موجود ہے الْمُعْتَبَرُ هُوَ الْأَذَانُ الْأَوَّلُ پہلی اذان ہی معتبر ہے۔ تو پہلی اذان جمعہ سے لے کر اختتام صلاۃ تک بیچنا حرام، خریدنا حرام، لکھنا حرام، پڑھنا حرام، ہاں خطیب جمعہ کی تقریر کے لیے مطالعہ کر سکتا ہے کیونکہ اس کا تعلق جمعہ کے ساتھ ہے۔

نماز جمعہ میں اذان و افعال کی حیثیت

اللہ تعالیٰ کا واضح اور صاف حکم ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے ایمان والو! ﴿إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ﴾ جب اذان دی جائے نماز کے لیے جمعہ کے دن ﴿فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ﴾ دوڑو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے ﴿وَذَرُوا النَّبِيَةَ﴾ اور خریدو فروخت کو چھوڑ دو۔ ہاں غسل کر سکتا ہے، مسواک کر سکتا ہے، کپڑے بدل سکتا ہے، خوشبو لگا سکتا ہے۔ کیونکہ ان چیزوں کا تعلق جمعہ کے ساتھ ہے۔ اور جس فعل کا تعلق جمعہ کے ساتھ نہیں ہے وہ جائز نہیں ہے۔ چاہے نکاح ہی کیوں نہ ہو۔

اذان اول کے بعد نکاح کا حکم

چنانچہ قاضی ابوبکر ابن العربی رضی اللہ عنہما اپنی کتاب ”احکام القرآن“ میں اور مولانا محمد اشرف علی تھانوی رضی اللہ عنہما اپنی کتاب ”احکام القرآن“ میں لکھتے ہیں ”کہ جمعہ کی پہلی اذان کے بعد اگر کسی نے نکاح پڑھایا تو نکاح نہیں ہوگا دوبارہ پڑھایا جائے“ حالانکہ نکاح کے متعلق آیا ہے کہ ”نکاح آدھا دین ہے“ لیکن چونکہ اس کا تعلق جمعہ کے ساتھ نہیں ہے اس لیے وہ بھی جائز نہیں ہے۔ ہاں جمعہ کی نماز کے بعد اپنا کام کر سکتے ہو اجازت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ﴾ پس جب نماز ہو جائے تو پھیل جاؤ زمین میں اور اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو۔ تو ہمارے لیے تو صرف پہلی اذان سے لے کر اختتام نماز جمعہ تک ممانعت ہے۔

یہود کے فریقے اور انجامِ کار

مگر یہودیوں کے لیے ہفتے کے چوبیس گھنٹے ممانعت تھی۔ سوائے عبادت کے اور کوئی کام جائز نہیں تھا۔ لیکن ان کے تین گروہ بن گئے۔

①..... مچھلیاں پکڑنے والا۔

②..... منع کرنے والا۔

③..... اور تیسرا انہوں نے کچھ دن تو ان کو منع کیا مگر جب وہ باز نہ آئے تو وعظ کرنا چھوڑ دیا۔

ایک گروہ آخر تک ان کو منع کرتا رہا۔ خدا کی شان کہ مچھلیاں ہفتے والے دن اور تیرتی ہوئی نظر آتیں اور آگے پیچھے نظر نہیں آتی تھیں۔ تو جن لوگوں نے شکار کیا ان میں سے جو بوڑھے تھے ان کو اللہ تعالیٰ نے خنزیر کی شکل میں بدل دیا اور جو جوان تھے ان کو بندر کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ اور وہ ایک دوسرے کو پہچانتے تھے اور روتے تھے۔ مگر وہ تین دن کے بعد ہلاک کر دئے گئے۔ ان کی آگے نسل نہیں چلی۔ آج کل جو بندر اور خنزیر ہیں یہ حیوانوں کی نسل ہے۔

یہ ہماری اذان اور نماز کی نقل اتارتے ہیں انہیں ہمارا رکوع اور سجدہ اچھا نہیں لگتا، ہم ان ساری حالتوں میں انسان ہی رہتے ہیں۔ اپنے بڑوں کا حال دیکھو! جو بندر اور خنزیر بنا دیئے گئے۔ تو انسان کی شکل بری ہے یا جانور کی اور پھر جانوروں میں بندر اور خنزیر کی۔

﴿وَعِبَادَ الطَّاغُوتِ﴾ اور انھوں نے عبادت کی طاغوت کی۔ شیطان کی، جنوں کی، جادو گروں کی۔ ﴿أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ﴾ وہی لوگ بُرے ہیں باعتبار درجے کے اور زیادہ بیکے ہوئے ہیں ﴿عَنِ سَوَاءِ السَّبِيلِ﴾ سیدھے راستے سے ﴿وَإِذَا جَاءَهُمْ﴾ اور جب وہ آتے ہیں تمہارے پاس ﴿قَالُوا آمَنَّا﴾ کہتے ہیں ہم ایمان لائے ﴿وَقَدْ دَخَلُوا بِالْكَفْرِ﴾ حالانکہ تحقیق وہ داخل ہوئے ہیں (آپ ﷺ کی مجلس میں) کفر کے ساتھ۔ ﴿وَهُمْ قَدْ خَرَّ جُؤَاهِبُهُ﴾ اور تحقیق وہ نکلے ہیں کفر کے ساتھ۔ انسان اپنی قیمتی چیز کی حفاظت کرتا ہے جب کہیں جاتا ہے ساتھ لے کر جاتا ہے، آتا ہے تو ساتھ لے کر آتا ہے، ان کی قیمتی چیز کفر ہے۔ ساتھ لے کر آتے ہیں اور ساتھ لے کر جاتے ہیں۔ اس کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

﴿وَاللَّهُ أَعْلَمُ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ﴿بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ﴾ اس چیز کو جو وہ چھپاتے ہیں، دل میں رکھتے ہیں۔ اس ذات سے کوئی شے مخفی نہیں ہے۔



﴿وَتَرَى﴾ اور اے مخاطب! تو دیکھے گا ﴿كَيْفَ آمَنُوهُمْ﴾ ان میں سے بہتوں کو ﴿يَسْأِرُونَ فِي الْإِسْلَامِ﴾ روڑتے ہیں گناہ میں ﴿وَالْعُدْوَانَ﴾ اور زیادتی میں ﴿وَأَكْثَرُهُمُ الشُّعْتَاءُ﴾ اور حرام کھانے میں ﴿لَيْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾

البتہ برا ہے وہ جو کچھ کرتے ہیں ﴿لَوْلَا يَنْهَاهُمْ﴾ کیوں نہیں منع کرتے ان کو ﴿الزَّالِمُونَ وَالْأَخْبَارُ﴾ پیر اور مولوی ﴿عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمُ﴾ ان کی گناہ کی بات سے ﴿وَأَكْلِهِمُ الشَّحْتُ﴾ اور ان کے حرام کھانے سے ﴿لَيْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ﴾ البتہ برا ہے وہ جو (مولوی اور پیر) کرتے ہیں ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ﴾ اور کہا یہودیوں نے ﴿يَدُ اللَّهِ مَغْلُوبَةٌ﴾ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ باندھ دیئے گئے ہیں ﴿عَلَّتْ أَيْدِيهِمْ﴾ ان کے ہاتھ باندھ دیئے جائیں ﴿وَلَعْنُوا﴾ اور ان پر لعنت کی جائے ﴿بِمَا قَالُوا﴾ اس وجہ سے جو انھوں نے کہا ہے ﴿بَلْ يَدَاكَ مَبْسُوطَتَانِ﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں ﴿يَنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ﴾ خرچ کرتا ہے جس طرح چاہے ﴿وَلَيَزِيدَنَّ﴾ اور البتہ ضرور زیادہ کرے گا ﴿كثِيرًا مِّنْهُمْ﴾ ان میں سے بہتوں کے لیے ﴿مَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ﴾ جو نازل کیا گیا آپ (ﷺ) کی طرف ﴿مِنْ رَبِّكَ﴾ تیرے رب کی طرف سے (زیادہ کرے گا) ﴿ظَعْمَانًا وَكُفْرًا﴾ سرکشی کو اور کفر کو ﴿وَالْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ﴾ اور ہم نے ڈال دی ان کے درمیان دشمنی ﴿وَالْبَغْضَاءَ﴾ اور بغض اور کینہ ﴿إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ قیامت کے دن تک ﴿كُلَّمَا﴾ جب کبھی بھی ﴿أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ﴾ جلا لیں گے وہ آگ لڑائی کے لیے ﴿أَطْفَأَهَا اللَّهُ﴾ بجھا دے گا اس کو اللہ تعالیٰ ﴿وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا﴾ اور کوشش کریں گے یہ زمین میں فساد کی ﴿وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُنْكَرِينَ﴾ اور اللہ تعالیٰ محبت نہیں کرتا فساد کرنے والوں کے ساتھ۔

ربط آیت ۱

بات پہلے سے یہودیوں کی جلی آرہی ہے۔ لیکن جن کاموں کو لوگ کرتے رہے ہیں کسی قوم کی تخصیص نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَتَرَى كَثِيرًا مِّنْهُمْ﴾ اور اے مخاطب! تو دیکھے گا ان میں سے بہتوں کو ﴿يُسَاهِرُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ دوڑتے ہیں گناہ میں اور زیادتی میں۔

اِثْمٌ اَوْرَعْدَاوَانِ كَامَصْدَقِ ۱

مشاہدے کی بات ہے کہ لوگ گناہ کے کام کو دوڑ کے کرتے ہیں "اِثْمٌ" اس گناہ کو کہتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کا حق ضائع کیا جائے اور نافرمانی کی جائے اور "عَدْوَانٌ" کہتے ہیں بندوں کے حق ضائع کرنے کو۔ چوری کرنا، ڈکیتی کرنا، کسی کا مال غصب کر لینا، غیبت کرنا، بلا وجہ کسی کو مارنا، گالی دینا، بہتان تراشی کرنا، طعنہ دینا یہ تمام چیزیں "عَدْوَانٌ" کی مد میں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حقوق اللہ کو بھی توڑتے ہیں اور حقوق العباد کو بھی توڑتے ہیں۔ نہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی پروا کرتے ہیں اور نہ بندوں کے حقوق کی پروا کرتے ہیں۔

سُخْتٌ اور رشوت کی تفصیل

﴿وَأَكْلِهِمُ السُّخْتِ﴾ اور حرام کھانے میں جلدی کرتے ہیں۔ ایک ہوتی ہے رشوت اور ایک ہے سحت۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ سحت کہتے ہیں پیسے لے کر اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف فیصلہ کرنا۔ مثلاً: چور، ڈکیت کے متعلق فیصلہ کرنا کہ یہ چور، ڈکیت نہیں ہیں۔ یا رقم لے کر قاتل کو بری کر دینا اس رقم کو سحت کہتے ہیں۔ اس زمانے میں بھی جج اور قاضی اس طرح کرتے تھے اور آج بھی کوئی کمی نہیں ہے۔

اور رشوت اس رقم کو کہتے ہیں کہ کسی کا کام رقم لے کر کیا جائے۔ یعنی رشوت عام ہے۔ اور سُخْتٌ خاص ہے۔ یعنی رشوت عام کاموں میں ہے اور سُخْتٌ غلط فیصلہ کرنے میں ہے۔ اور رشوت بھی کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو رشوت دینے والے پر، رشوت لینے والے پر اور ان دونوں کے درمیان دلالی کرنے والے پر۔“ یہ سب کے سب ملعون ہیں۔

﴿كَيْسٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ البتہ بُرا ہے وہ جو کچھ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق ضائع کرتے ہیں، بندوں کے حقوق ضائع کرتے ہیں، حرام کھاتے ہیں۔

حقیقی پیر اور مشائخ کی ذمہ داری

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّيُّونَ وَالْأَخْبَارُ﴾ کیوں نہیں منع کرتے ان کو پیر اور مولوی ﴿عَنْ تَوْلَاهُمُ الْإِلَٰهَ﴾ ان کی گناہ کی بات سے ﴿وَأَكْلِهِمُ السُّخْتِ﴾ اور ان کے حرام کھانے سے۔ مولوی اور پیر کیوں نہیں روکتے۔ دیکھنا! علماء سوء اور ٹھگ پیر اس زمانے میں بھی تھے اور آج بھی کوئی کمی نہیں ہے۔ ٹھگ پیر اس زمانے میں بھی لوگوں کو لوٹتے تھے اور آج بھی چھ ماہی وصول کرتے ہیں اس کے سوا ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ حالانکہ اصل پیر کا کام ہے لوگوں کی اصلاح کرنا، نیکی کی تلقین کرنا، برائی سے منع کرنا، اور یہ کام وہی کر سکتا ہے جس کو خود نیکی، بدی کا علم ہو۔ لہذا جاہل آدمی کو پیر نہیں بننا چاہیے، بلکہ بن بھی نہیں سکتا۔ جاہل کسی کی کیا اصلاح کرے گا وہ تو خود قابل اصلاح ہے۔ پیر و مرشد وہ ہوتا ہے جو علوم شریعت سے اچھی طرح واقف ہو اور اخلاق کے اعتبار سے ایسا ہو کہ اس پر کوئی حرف نہ آئے، ایسا پیر دوسروں کی اخلاقی اور روحانی تربیت کر سکے گا اور جس کے اپنے اخلاق اور اعمال درست نہیں ہیں وہ دوسروں کی کیا تربیت کرے گا۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

خفتہ، خفتہ را مے کسند بیدار

سویا ہوا سو۔ دئے کو کب جگائے گا۔ سوئے ہوئے کو تو وہ جگائے گا جو خود جاگتا ہو۔ لہذا جاہل پیر لوگوں کی کیا اصلاح کرے گا؟ علماء اور مشائخ کی ذمہ داری ہے اور فرض ہے کہ لوگوں کو گناہ اور حرام خوری سے منع کریں۔ حدیث پاک میں آتا ہے

کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيَعْبُدْهُ بِبَيْدِهِ جَوْتَمٍ مِّنْ سَعْدِ أَرْضِ بَرَاءِ كُوَيْكِيهِ وَهُوَ اس كُو ہاتھ سے روکے اور ظاہر بات ہے کہ ہاتھ سے وہ روکے گا جس کے پاس طاقت ہوگی۔ جیسے حاکم وقت ہے یا علاقے کا چودھری اور سردار ہے اور علاقے میں اس کا اثر و رسوخ ہے تو برائی کو ہاتھ سے روکے اور اگر طاقت نہیں ہے تو زبان سے برائی کو روکے لوگوں کو سمجھائے کہ بھائی! جو کام تم کر رہے ہو جائز نہیں ہے شریعت نے منع کیا ہے یا جو بھی اصلاح کا طریقہ مناسب ہو وہ اختیار کرے اور اگر زبان سے بھی روکنے کی طاقت نہیں ہے تو قَلْبُہ پھر اس کو اپنے دل میں برا سمجھے اور اگر دل میں بھی اس کو برا نہیں سمجھتا تو فرمایا اس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔

بیان ربط آیات و مضمون

﴿لَيْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ﴾ البتہ بُرا ہے وہ جو (مولوی اور پیر) کرتے ہیں۔ یعنی ان کا منع نہ کرنا برا کام ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر حق کو جاننے والے بہت سارے ہیں تو حق کو بیان کرنا ان کے لیے فرض کفایہ ہے اگر ان میں سے ایک بھی بیان کر دے گا تو سب کے ذمہ سے فرض اتر جائے گا اور اگر بیان کرنے والا ایک ہی ہے تو اس پر بیان کرنا فرض عین ہے اگر وہ بیان نہیں کرے گا تو گنہگار ہوگا۔

یہودی گستاخی کا بیان

پہلے ذکر تھا کہ یہودی اذان، نماز کا تمسخر کر کے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور ایمان والوں کو ایذا پہنچاتے ہیں اب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی بے ادبی اور گستاخی کا ذکر ہے قرآن کریم میں آتا ہے ﴿وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ اور اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دو۔ یہودیوں نے کہا (معاذ اللہ تعالیٰ) اللہ تعالیٰ محتاج ہو گیا ہے کہ قرض مانگتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کو قرض دینے کا مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ کی رضا کے لیے تم جو صدقہ خیرات کرو تمہیں اس کا ضرور بدلہ ملے گا۔ جس طرح کسی کو قرض دیا جائے تو رقم مقرض کے ذمہ ہوتی ہے اور اس نے ضرور واپس کرنی ہوتی ہے۔ اسی طرح جو رقم تم اللہ تعالیٰ کے حکم سے خرچ کرو گے گویا تم نے اللہ تعالیٰ کو قرض دیا ہے اس کا تمہیں ضرور بدلہ ملے گا۔

لیکن یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کی گستاخی کی اور یہ بھی کہا ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ نَدَا اللَّهُ مَعْلُوكَةً﴾ اور کہا یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ باندھ دیئے گئے ہیں کہ اپنے بندوں پر خرچ کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ النابندوں سے قرض مانگنا شروع کر دیا ہے۔ فرمایا ﴿عَلَّتْ آيُودِيَهُمْ﴾ ان کے ہاتھ باندھ دیئے جائیں۔ کیونکہ یہ تمام برائیوں میں مبتلا ہیں اور بخیل ہیں۔

﴿وَلَعْنُوا إِنَّمَا قَالُوا﴾ اور ان پر لعنت کی جائے اس وجہ سے جو انہوں نے کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ تو بند نہیں ہوئے ﴿بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں ﴿يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ﴾ خرچ کرتا ہے جس طرح چاہتا ہے۔ بات سمجھتا یہاں پر اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھوں کا ذکر ہے۔ اور دوسرے مقام پر ایک ہاتھ کا ذکر ہے۔ ﴿تَبَارَكَ الَّذِي مَبْدَا الْمُلْكَ﴾

”برکت والی ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں شاہی ہے۔“ اتنی بات تو واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہیں۔ لہذا بحیثیت مسلمان ہونے کے ہم نے تسلیم کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہیں باقی رہی ان کی کیفیت تو ہمیں معلوم نہیں ہے کہ کس طرح کے ہاتھ ہیں۔ مثلاً: ہمارے ہاتھ ہیں کہ ہتھلی ہے، انگلیاں ہیں، انگوٹھا ہے، انگوٹھے میں دو جوڑے ہیں، انگلیوں میں تین تین جوڑے ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں کو ہم حاشا وکلا کسی کے ساتھ تشبیہ نہیں دے سکتے۔ ہاں! یہ کہیں گے کہ اس کی شان کے جو لائق ہیں اس طرح کے ہاتھ ہیں۔ اور وہ خرچ کرتا ہے جس طرح چاہتا ہے۔

آگے فرمایا ﴿وَلِكَيْ يَذَنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ﴾ اور البتہ ضرور زیادہ کرے گا ان میں سے بہتوں کے لیے ﴿مَّا أَنْزَلَ إِلَيْكَ﴾ جو نازل کیا گیا آپ (ﷺ) کی طرف ﴿مِنْ رَبِّكَ﴾ تیرے رب کی طرف سے (زیادہ کرے گا) کیا زیادہ کرے گا؟ ﴿ظُلُمَاتًا كُفْرًا﴾ (زیادہ کرے گا) سرکشی اور کفر کو۔ اب رہی یہ بات کہ قرآن کریم تو رحمت مخلص ہے۔ اس سے سرکشی اور کفر کس طرح زیادہ ہوتا ہے۔ تو یہ بات شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے اچھے انداز میں سمجھائی ہے وہ فرماتے ہیں:۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست

در باغ لاله روید و در شور بوم خس

”بارش باغ میں گل لالہ آگاتی ہے اور خراب زمین میں کانٹے دار گھاس۔“

بارش کے تو سارے قطرے ایک طرح کے ہوتے ہیں اچھی زمین پر گریں گے تو اچھی چیزیں پیدا ہوں گی اور نکمی اور کلر والی زمین پر گریں گے تو نکمی چیزیں پیدا ہوں گی۔ بارش وہی ہے باغ پر برسے گی تو خوشبو پھیلے گی اور روڑی (غلاظت) پر برسے گی تو بدبو پھیلے گی، جیسی جگہ ویسا نتیجہ۔ اسی طرح قرآن پاک جب نازل ہوا تو اچھے لوگ ایمان لائے اور یقین کیا اور جو جو قرآن نازل ہوتا گیا ان کا ایمان بڑھتا گیا۔ ﴿زَادَتْهُمْ رَإْيَمَا نَا﴾ ان کے ایمان کو بڑھا دیا اور جو برسے لوگ ہیں ان کی سرکشی اور کفر میں اضافہ ہوا۔

﴿وَالْقَيْنَابِئِنَّهُمْ الْعَدَاوَةَ وَالْبُغْضَاءَ﴾ اور ہم نے ڈال دی ان (یہود و نصاریٰ) کے درمیان دشمنی، بغض اور کینہ ﴿إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ قیامت کے دن تک۔ چنانچہ یہود و نصاریٰ کی بے شمار آپس میں لڑائیاں ہوئی ہیں۔ اور اب بھی ایک دوسرے کے خلاف بغض اور کینہ لیے بیٹھے ہیں۔ اور یہ لوگ اندرونی طور پر ہمیشہ دست و گریباں رہیں گے۔ کاش! کہ مسلمان صحیح معنی میں مسلمان بن جائیں۔ اور ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت پیدا ہو جائے۔ اور بغض و کینہ ختم ہو جائے تو اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں۔ مگر کافروں نے ان کا ایسا ذہن بنا دیا ہے کہ وہ آپس میں مل کر نہیں بیٹھ سکتے۔ شام، لبنان کے ساتھ نہیں مل سکتا۔ اردن کے ساتھ نہیں مل سکتا، کویت کے ساتھ نہیں مل سکتا، اور عراق سعودیہ کے ساتھ ملنے کو تیار نہیں ہے۔ ایک دوسرے کے دلوں میں اتنی نفرت پیدا کر دی گئی ہے کہ آپس میں تو نہیں ملیں گے، یہودیوں کی گود میں جا بیٹھیں گے اور اس وقت سارے امریکہ کی گود میں بیٹھے ہوئے ہیں۔

﴿كَلِمَاتٌ آوَقَدُ وَإِنَّا لِلْحَزْبِ﴾ جب کبھی بھی جلائیں گے وہ آگ لڑائی کے لیے ﴿أَطَقَا اللَّهُ﴾ بھادے گا اس کو اللہ تعالیٰ۔ انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ بے شمار لڑائیاں کیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر مرتبہ ناکام فرمایا ﴿وَيَسْعُونَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا﴾ اور کوشش کریں گے یہ زمین میں فساد کی۔ اس وقت دنیا میں سب سے بڑا غنڈہ اور دہشت گرد امریکہ ہے۔ جو بظاہر امن کا ٹھیکے دار بنا ہوا ہے اور حقیقت میں فساد کا علم بردار ہے۔ اب اس نے شام کو دہشت گرد قرار دیا ہے، کیوں؟ اس لیے کہ جولان کی پہاڑیاں شامیوں کی تھیں۔ یہودیوں نے ان سے چھین کر اپنی بستیاں آباد کی ہیں۔ امریکہ شام کو کہتا ہے کہ تو ان کی ملکیت سے دست بردار ہو جا اور شام اپنی ملکیت سے دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں ہے۔ لہذا وہ دہشت گرد ہے۔ کہ اس کا حکم نہیں تسلیم کیا۔ بڑی عجیب قسم کی منطق ہے۔

بھائی! ایک آدمی اپنی چیز کے متعلق کہتا ہے کہ یہ میری ہے اور میں اس کی ملکیت سے دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں ہوں تو اسے کہتے ہیں کہ تو دہشت گرد ہے۔ یہ فساد نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

﴿وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ﴾ اور اللہ تعالیٰ محبت نہیں کرتا فساد کرنے والوں کے ساتھ۔ حدیث پاک میں آتا ہے فتنہ سویا ہوا ہے جو اس کو جگاتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ لہذا فتنے کی کوئی بات کرنا یا فتنے کا کوئی کام کرنا سخت گناہ ہے اور اسلام کی روح کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔



﴿وَلَوْ أَنَّ﴾ اور اگر بے شک ﴿أَهْلَ الْكِتَابِ﴾ اہل کتاب ﴿آمَنُوا﴾ ایمان لے آئیں ﴿وَأَتَقُوا﴾ اور رب تعالیٰ کی مخالفت سے ڈریں ﴿لَكُنَّا نَاعْتَمِدُهُمُ﴾ البتہ ہم منادیں ان سے ﴿سَيِّئَاتِهِمْ﴾ ان کی خطائیں ﴿وَلَا دَخَلْتُهُمْ﴾ اور البتہ ہم ان کو داخل کریں گے ﴿جَنَّةِ النَّعِيمِ﴾ نعمتوں کے باغات میں ﴿وَلَوْ أَنَّ﴾ اور اگر بے شک وہ ﴿آتَاوُا التَّوْرَةَ﴾ قائم کریں توراہ کو ﴿وَالْإِنْجِيلَ﴾ اور انجیل کو ﴿وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ﴾ اور جو کچھ نازل کیا گیا ان کی طرف ﴿مِّنْ رَبِّهِمْ﴾ ان کے رب کی طرف سے ﴿لَا كَلُومًا﴾ البتہ کھائیں وہ ﴿مِنْ قَوْعِهِمْ﴾ اپنے اوپر سے ﴿وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ﴾ اور اپنے پاؤں کے نیچے سے ﴿مِنْهُمْ أُمَّةٌ﴾ ان میں سے ایک گروہ ہے ﴿مُقْتَصِدَةٌ﴾ درمیانی چال چلنے والا ﴿وَكَثِيرَةٌ مِنْهُمْ﴾ اور بہت سارے ان میں سے ﴿سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ﴾ بُرے ہیں وہ کام جو وہ کرتے ہیں ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ﴾ اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! ﴿بَلِّغْ بِمَنَاجِدِ﴾ ﴿مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ﴾ جو چیز آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف نازل کی گئی ہے ﴿مِنْ رَبِّكَ﴾ آپ کے رب کی طرف سے ﴿وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ﴾ اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا ﴿فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ﴾ تو آپ نے نہ پہنچایا رب تعالیٰ کا پیغام ﴿وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ﴾ اور اللہ تعالیٰ آپ کو بچائے

گا ﴿وَمِنَ النَّاسِ﴾ لوگوں سے ﴿إِنَّ اللَّهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾ ہدایت نہیں دیتا کافر قوم کو۔

بیان ربط آیات

پہلے سے اہل کتاب کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ﴾ اور اگر بے شک اہل کتاب ﴿آمَنُوا﴾ ایمان لے آئیں حضرت محمد ﷺ پر کیونکہ آپ ﷺ کی بعثت عام ہے پہلے پیغمبروں کی طرح مخصوص نہیں ہے۔ آپ سے پہلے جتنے پیغمبر تشریف لائے ہیں ان کی بعثت مخصوص قوموں کی طرف ہوتی تھی۔ لیکن آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام قوموں کے لیے قیامت تک پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ [الاعراف: ۱۵۸] ”آپ کہہ دیں اے انسانو! میں تم سب کے لیے اللہ تعالیٰ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔“ اور سورۃ فرقان میں ہے ﴿تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا﴾ ”بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل فرمایا تاکہ ہو جہاں والوں کے لیے ڈرانے والا۔“ تو عالمین میں انسان، جنات سب آگئے۔ یعنی آپ ﷺ انسانوں اور جنوں سب کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہیں اور حدیث پاک میں آتا ہے ﴿بُعِثْتُ إِلَى الْأَسْوَدِ وَالْأَحْمَرِ وَإِلَى الْحِجْرِ وَالْإِنْسِ﴾ ”مجھے کالے، سرخ، انسان، جنات سب کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہے۔“ لہذا اب قیامت تک کے تمام انسانوں اور جنات کو آپ ﷺ پر ایمان لانے کا مکلف ٹھہرایا گیا ہے۔ کہ وہ آپ ﷺ پر ایمان لائیں تو فرمایا کہ اگر اہل کتاب ایمان لائیں۔

﴿وَاتَّقُوا﴾ اور رب تعالیٰ کی مخالفت سے ڈریں اور اس کے پیغمبر کی مخالفت نہ کریں تو ہم یہ کریں گے کہ ﴿لَنَكْفُرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ﴾ البتہ ہم منادیں ان سے ان کی خطائیں اور گناہ۔ ایمان اعظم الکفرات ہے ﴿إِلَّا سَلَامًا يَهْدِيهِمْ مَا كَانَ قَبْلَهُ﴾ ”اسلام، ایمان اپنے سے پہلے سارے گناہ منادیتا ہے۔“ کفر، شرک تک گناہوں کے مٹانے کے ساتھ یہ بھی کریں گے۔

﴿وَلَا دُخْلَهُمْ جَنَّتِ التَّوْبَةِ﴾ اور البتہ ہم ان کو داخل کریں گے نعمتوں کے باغات میں ﴿أَقَامُوا التَّوْبَةَ وَالْإِنجِيلَ﴾ اور اگر بے شک وہ قائم کریں توراہ اور انجیل کو ﴿وَمَا أَنْزَلْنَا إِلَيْهِمُ مِنَ التَّوْبَةِ﴾ اور جو کچھ نازل کیا گیا ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے ﴿لَا تَكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِمْ﴾ البتہ کھائیں وہ اپنے اوپر سے ﴿وَمِنْ ثَمَرِهِمْ﴾ اور اپنے پاؤں کے نیچے سے۔

اوپر سے کھانے کا مطلب یہ ہے کہ پھل وافر مقدار میں کھائیں کیونکہ پھل فروٹ کے درخت انسان کے سروں سے اوپر ہوتے ہیں اور پاؤں کے نیچے سے کھانے کا مطلب یہ ہے کہ زمین سے اناج سبزیاں مختلف قسم کی اگتی ہیں وہ بھی کھائیں اور توراہ اور انجیل کو قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائیں کیونکہ پادری صاحبان کے اقرار کے باوجود کہ توراہ اور انجیل میں تحریف ہوئی ہے پھر بھی آنحضرت ﷺ کی نبوت اور صداقت کے اشارات اور

بشارتیں موجود ہیں میں نے اپنی کتاب ”عیسائیت کا پس منظر“ میں عیسائیوں کے حوالے پیش کیے ہیں کہ ان کی کتابوں میں تحریف ہوئی ہے پھر بھی انجیل یوحنا میں یہ آیت آج بھی موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھی حواریوں سے فرمایا: ”تم سن چکے ہو کہ میں نے تم سے کہا کہ جاتا ہوں اور تمہارے پاس پھر آتا ہوں۔ پھر فرمایا اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں“۔ (یعنی جو خوبیاں اور کمالات اللہ تعالیٰ نے دنیا کے سردار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائے ہیں وہ عیسیٰ علیہ السلام میں نہیں ہیں)۔

بے شک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بڑے معجزے عطا فرمائے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بہت بلند اور زیادہ ہیں اور دنیا کے سردار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تمام دنیا اور تمام قوموں کے لیے ہے۔ تو اب معلیٰ یہ بنے گا کہ اہل کتاب اگر توراہ اور انجیل کو قائم کریں کہ آخری پیغمبر پر ایمان لائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو بشارتیں توراہ اور انجیل میں ہیں ان پر عمل کریں تو پھل بھی وافر مقدار میں کھائیں گے اور اناج بھی وافر مقدار میں کھائیں گے۔

﴿وَمِنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ﴾ ان میں سے ایک گروہ ہے درمیانی چال چلنے والا، اعتدال پسند۔ یہ وہ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے۔ جیسے: حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت ثعلبہ، حضرت اسد، حضرت اسید، حضرت بنیامین صلی اللہ علیہ وسلم یہ تمام پہلے یہودی تھے پھر مسلمان ہو گئے تھے۔ اسی طرح حضرت عدی بن حاتم، حضرت تمیم داری صلی اللہ علیہ وسلم پہلے عیسائی تھے پھر مسلمان ہو گئے۔ اور بھی بہت سارے یہودی اور عیسائی جو اعتدال پسند تھے مسلمان ہوئے اور ہوتے رہیں گے۔

﴿وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ﴾ اور بہت سارے ان میں سے برے ہیں وہ کام جو وہ کرتے ہیں۔ یعنی اکثریت ان کی برے کام کرتی ہے۔ وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اولاد کی طرح پہچانتے ہوئے (جیسا کہ قرآن کریم میں آتا ہے ﴿يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبْنَاءَهُمْ﴾ [البقرہ: ۱۲۶]) یہ آخری پیغمبر کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں مگر پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔ اور تاریخ بتلاتی ہے کہ یہودیوں کے مدینہ طیبہ میں آنے کا سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تھی کہ ان کو جب علم ہوا کہ پیغمبر آخر الزمان نے مکہ مکرمہ میں مبعوث ہونا ہے اور ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آنا ہے تو ان کے بڑوں نے مدینہ طیبہ میں آکر ڈیرے جمائے کہ پیغمبر آخر الزمان جب تشریف لائیں گے تو ہم ان کا استقبال کریں گے اور ان پر ایمان لائیں گے۔

مگر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو منکر ہو گئے بہت تھوڑے ایمان لائے بھلا اس ضد کا بھی دنیا میں کوئی علاج ہے؟ اکثریت ہمیشہ گمراہ رہی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر آج تک اور آج سے لے کر قیامت تک اکثریت گمراہ ہی رہے گی سوائے اس خطے کے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کنٹرول ہوگا نازل ہونے کے بعد وہاں مسلمانوں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوگا اور جن علاقوں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کنٹرول نہیں ہوگا وہاں بدستور کافر رہیں گے جیسے چین، روس، جاپان ہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثریت کے بے عمل ہونے سے متاثر نہ ہوں آپ کا کام ہے تبلیغ کرنا، آپ تبلیغ کرتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ بَلِّغُوا مَا أَنزَلْنَا إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ كُلًّا مِمَّنَّ لَا يَأْتِيكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكُمُ ۚ إِنَّكَ لَا تَسْمَعُ لِمَنْ يَهْتَكُمُ الْكَيْدُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا ﴿فَمَا بَلَّغْتَ مِسَالِكَهُ﴾ تو آپ نے نہ پہنچایا رب تعالیٰ کا پیغام۔ یعنی بالفرض اگر آپ نے رب تعالیٰ کا پیغام نہیں پہنچایا اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو رب تعالیٰ کی طرف سے جو احکام ملتے ہیں وہ مخلوق تک پہنچا دیتا ہے اور کسی قسم کی کمی بیشی نہیں کرتا۔ آنحضرت ﷺ نے بھی تبلیغ کا حق ادا کیا اور دوسرے پیغمبروں نے بھی تبلیغ احکام میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہیں کی۔

مودودی صاحب کی غلطی کا جائزہ

مودودی صاحب نے اپنی تفسیر میں بہت سی غلط باتیں لکھی ہیں ہماری ان کے ساتھ کوئی ذاتی عداوت نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے مسلمہ عقائد کے خلاف باتیں لکھی ہیں۔ علمائے کرام کے اعتراضات کے بعد انہوں نے الفاظ کا ہیر پھیر کیا ہے مگر اعتراض بدستور باقی ہے۔ چنانچہ مودودی صاحب اپنی تفسیر کے پہلے ایڈیشن میں حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق لکھتے ہیں کہ: ”ان سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہو گئی تھیں“۔ معاذ اللہ تعالیٰ۔ بھائی! اللہ تعالیٰ کے پیغمبر سے تو ایک کوتاہی بھی نہیں ہوتی چہ جائیکہ کوتاہیاں ہو جائیں۔ لہذا یاد رکھنا! کسی پیغمبر نے کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہیں کی۔

تو فرمایا آپ ﷺ تبلیغ کریں۔ ﴿وَاللَّهُ يَخَصِّمُكَ مِنَ الْثَانِينَ﴾ اور اللہ تعالیٰ آپ کو بچائے گا لوگوں سے۔ اور ان کے شر سے۔ ترمذی شریف اور مسند احمد کی روایت میں آتا ہے کہ اس آیت کریمہ کے نازل ہونے سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سفر، حضر میں آنحضرت ﷺ کے تحفظ کے لیے پہرہ دیا کرتے تھے کہ کوئی بدقماش یہودی مشرک اور منافق آپ کے اور آپ ﷺ کے حجرات کے قریب نہ آنے پائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے سادہ ہونے کے باوجود بڑے ذہین لوگ تھے جس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی آپ ﷺ سفر پر تھے اور آپ ﷺ کے خیمے کے باہر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم پہرہ دے رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری جان کی حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے اب پہرے کی ضرورت نہیں ہے۔ لہذا تم جا سکتے ہو۔ اس کے بعد کبھی کسی نے کوئی پہرہ نہیں دیا۔

فرمایا ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا کافر قوم کو۔ یعنی جبراً اللہ تعالیٰ کسی کو ہدایت نہیں دیتا نہ کسی کو کافر بناتا ہے۔ باوجود اس پر قادر ہونے کے اس نے قانون بنایا ہے۔ ﴿فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِرْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَنْهَ﴾ [الکہف: ۲۹] پس جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے۔“



﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ﴾ آپ (ﷺ) فرمادیں اے اہل کتاب! ﴿لَسْتُمْ عَلٰی شَيْءٍ﴾ نہیں ہو تم کسی چیز پر ﴿حَتّٰی تُعِينُوا الشُّرَكَاءَ وَالرَّاجِلِينَ﴾ یہاں تک کہ تم قائم کرو توراہ کو اور انجیل کو ﴿وَمَا أَنزَلْنَا إِلَيْكُمُ﴾ اور اس چیز کو جو نازل

کی گئی تمہاری طرف ﴿مِنْ شَأْنِكُمْ﴾ تمہارے رب کی طرف سے ﴿وَلِكَيْزِيدَنَّ﴾ اور البتہ ضرور زیادہ کرے گی ﴿كَيْدِيْرًا مِنْهُمْ﴾ ان میں سے اکثریت کے لیے ﴿مَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ﴾ وہ چیز جو نازل کی گئی آپ ﷺ کی طرف ﴿مِنْ شَأْنِكَ﴾ آپ (ﷺ) کے رب کی طرف سے (زیادہ کرے گی) ﴿طَغْيَانًا وَكُفْرًا﴾ سرکشی اور کفر کو ﴿فَلَا تَأْسُ﴾ پس نہ افسوس کریں ﴿عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾ کافر قوم پر ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَالَّذِينَ هَادُوا﴾ اور وہ لوگ جو یہودی ہوئے ﴿وَالضَّالُّونَ﴾ اور صابی ﴿وَالنَّاصِرِيْنَ﴾ اور نصرانی ﴿مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ﴾ جو شخص ان میں سے ایمان لائے گا اللہ تعالیٰ پر ﴿وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ اور آخرت کے دن پر ﴿وَعَمَلٍ صَالِحٍ﴾ اور عمل کرے گا اچھے ﴿فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ﴾ پس نہ ہوگا ان پر خوف ﴿وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿لَقَدْ أَخَذْنَا﴾ البتہ تحقیق لیا ہم نے ﴿مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ﴾ وعدہ بنی اسرائیل سے ﴿وَأَنرَسَلْنَا إِلَيْهِمُ مُوسَى﴾ اور بھیجے ہم نے ان کی طرف کئی رسول ﴿فَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ﴾ جب بھی لایا ان کے پاس کوئی رسول ﴿بِنَاتِلَتَهُمْ أَنفُسُهُمْ﴾ وہ چیز جس کو ان کے نفس نہیں چاہتے تھے ﴿فَرِيْقًا كَذِبًا﴾ پیغمبروں کے ایک گروہ کو انہوں نے جھٹلایا ﴿وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُونَ﴾ اور پیغمبروں کے ایک گروہ کو قتل کرتے رہے ﴿وَحَسِبُوا﴾ اور انہوں نے گمان کیا ﴿أَلَا تَلَوْنَ فِتْنَةً﴾ کہ نہیں ہوگا کوئی فتنہ اور آزمائش ﴿فَعَمُوا﴾ پس وہ اندھے ہو گئے ﴿وَصَوَّوْا﴾ اور بہرے ہو گئے ﴿ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ پھر اللہ تعالیٰ ان پر متوجہ ہوا ﴿ثُمَّ عَمُوا﴾ پھر اندھے ہو گئے ﴿وَصَوَّوْا﴾ اور بہرے ہو گئے ﴿كَذِبًا مِنْهُمْ﴾ ان میں سے بہت سارے ﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ﴾ اور اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے جو عمل وہ کر رہے ہیں۔

اہل کتاب اسے کہتے ہیں جو قرآن پاک سے پہلی کتابوں میں سے کسی کتاب کو ماننے کا دعویٰ کرے۔ مثلاً: یہودی توراہ کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں، عیسائی انجیل کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں، یہ اہل کتاب ہیں۔ اس بات میں بعض علماء کا اختلاف ہے کہ جو لوگ قرآن کریم کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر معیار پر پورے نہیں اترتے جیسے قادیانی اور باطل فرتے کیا ان کو اہل کتاب کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟ کچھ علماء کہتے ہیں کہ یہ چونکہ قرآن کریم کے ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں لہذا یہ اہل کتاب ہیں مگر یہ ان کی غلطی نہیں ہے۔

محققین فرماتے ہیں کہ یہ ہرگز اہل کتاب میں سے نہیں ہیں۔ کیونکہ اہل کتاب اسے کہتے ہیں جو قرآن کریم سے پہلی کتابوں میں سے کسی کتاب کے ماننے کا دعویٰ کرے۔ لہذا قادیانی اور دیگر باطل فرتے اہل کتاب کا مصداق نہیں ہیں۔

کافر، ملحد اور زندیق کی تحقیق

ایک ہوتا ہے کافر اور ایک ملحد اور زندیق ہوتا ہے۔ کافر اسے کہتے ہیں جو کھلے طور پر انکار کرے کہ میں قرآن کریم کو نہیں مانتا۔ پیغمبر کو نہیں مانتا یا اللہ تعالیٰ کے کسی محکم حکم کا انکار کرے۔ اور ملحد اور زندیق اسے کہتے ہیں جو مانعے کا دعویٰ کرے مگر تعبیر اور مطلب اپنی مرضی سے کرے۔ جیسے قادیانی ختم نبوت کے انکار کی وجہ سے کافر ہیں۔ اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعبیر اور تفسیر اپنی مرضی سے کرنے کی وجہ سے ملحد اور زندیق بھی ہیں۔ کیونکہ وہ قرآن کریم کی آیت کریمہ و خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے لفظوں کے منکر نہیں ہیں۔ لیکن اس کی وہ تفسیر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی کہ ((أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَلَا رَسُولٌ بَعْدِي)) "کہ میں آخری نبی ہوں میرے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ کوئی رسول آئے گا۔" اور جو تفسیر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے فرمائی، تابعین نے فرمائی، تبع تابعین نے فرمائی، ائمہ مجتہدین، فقہائے کرام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، مفسرین کرام اور محدثین عظام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری پیغمبر ہیں۔ آپ کے بعد نہ کوئی تشریحی پیغمبر ہو سکتا ہے نہ غیر تشریحی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے گا دائرہ اسلام سے خارج ہوگا۔

اور قادیانی خاتم کا معنی کرتے ہیں مہر لگانے والا اور خاتم النبیین کا معنی کرتے ہیں نبیوں پر مہر لگانے والا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جتنے پیغمبر آئیں گے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر کی تصدیق سے آئیں گے۔ حالانکہ یہ معنی خود مرزا غلام احمد قادیانی جس کے باپ کا نام غلام مرتضیٰ اور والدہ کا نام چراغ بی بی عرف "گھسیٹی" تھا کے مسلمات کے خلاف ہے۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب "تریاق القلوب" میں لکھتے ہیں اس طرح پر میری پیدائش ہوئی یعنی کہ میں لکھ چکا ہوں میرے ساتھ ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام جنت تھا (یہ اس کے ساتھ دوزخ تھا) اور پہلے وہ لڑکی پیٹ میں سے نکلی تھی اور بعد اس کے میں نکلا تھا۔ اور میرے بعد میرے والدین کے گھر میں اور کوئی لڑکا یا لڑکی نہیں ہوئی۔ اور میں ان کے لیے خاتم الاولاد تھا۔ اور اگر مہر لگانے والا ترجمہ ہو تو پھر معنی یہ بنے گا کہ اب اس کے بعد میرے والدین کے ہاں جتنی اولاد ہوگی وہ میری مہر سے ہوگی۔

تو اہل کتاب وہ ہیں جو قرآن کریم سے پہلے والی کتابوں کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمادیں اے اہل کتاب! ﴿لَسْتُمْ عَلٰی شَيْءٍ﴾ نہیں ہو تم کسی چیز پر۔ یعنی تم حق پر نہیں ہو۔ ﴿عَسَىٰ تَعْبَهُوا الشُّرَكَاءَ وَالْإِنجِيلَ﴾ یہاں تک کہ تم قائم کرو توراہ کو اور انجیل کو ﴿وَمَا أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ قُرْآنًا بِكَلِمَةٍ﴾ اور اس چیز کو (قائم کرو) جو نازل کی گئی ہے تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے۔ ان کو قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ۔ کیونکہ توراہ اور انجیل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بشارتیں موجود ہیں۔ اور اگر تم آخری پیغمبر کی بعثت اور نبوت کو تسلیم نہیں کرتے اور ان پر ایمان نہیں لاتے تو تم نے توراہ اور انجیل کو بھی تسلیم نہیں کیا۔

﴿وَلَوْ زِدْنَا مُؤْمِنِينَ كَثِيرًا مِّنْهُمْ﴾ اور البتہ ضرور زیادہ کرے گی ان میں سے اکثریت کے لیے ﴿مَا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ مِنَ الشَّيْءِ﴾ وہ چیز جو نازل کی گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رب کی طرف سے کیا زیادہ کرے گی؟ ﴿ظُلْمًا نَّاءُ كُفْرًا﴾ سرکشی

اور کفر کو۔ اب سوال یہ ہے کہ قرآن کریم تو ہدایت و رحمت ہے یہ سرکشی اور کفر کو کیوں بڑھائے گا؟ اس کا جواب میں نے پہلے بھی شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے دیا تھا جو کہ بہت بڑے بزرگ تھے۔ ان کی کتابیں کریم، گلستان، بوستان آج تک مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں۔ ان کی کتابوں میں فارسی ادب کے علاوہ توحید و سنت، اخلاقیات اور تصوف کے بڑے اسباق ہیں۔ (مثال گزشتہ اسباق میں دیکھ لی جائے)۔

فرمایا ﴿فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾ پس نہ افسوس کریں کافر قوم پر۔ آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فلاح کا مدار ایمان اور اعمال صالحہ ہیں۔ فرمایا ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے۔ یعنی جنہوں نے ایمان کا دعویٰ کیا ہے۔ (اور بعض مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ جو لوگ پہلے پیغمبروں پر ایمان لائے ہیں)۔ ﴿وَالَّذِينَ هَادُوا﴾ اور وہ لوگ جو یہودی ہوئے۔

”یہودی“ کہنے کی وجوہ

ان کو یہودی کہنے کی وجہ:

- ①..... یہ ہے کہ جب ان کے بڑوں سے غلطی ہوتی تھی تو توبہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا ”إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ“ بے شک ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں۔ تو اس ”هُدْنَا“ کے لفظ کی وجہ سے ان کو یہودی کہا جاتا ہے۔
- ②..... تفسیر خازن وغیرہ میں یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے بیٹے کا نام تھا یہودا۔ اس کی طرف نسبت کی وجہ سے ان کو یہودی کہا جاتا ہے۔
- ③..... یہ بیان فرماتے ہیں کہ ”تَهَوَّدَ“ کے معنی ہیں ”حرکت کرنا، ہلنا“ یہ جب تورات پڑھتے تھے تو حرکت کرتے تھے، ہلتے تھے۔ جس طرح حافظ، قاری جب قرآن کریم پڑھتے ہیں تو ہلتے اور جھومتے ہیں۔ یہ چونکہ توراہ پڑھتے ہوئے ہلتے ہیں اس وجہ سے ان کو یہود کہا جاتا ہے۔

”صابی، نصرانی“ کہنے کی وجوہ

﴿وَالضُّوٰن﴾ اور صابی۔ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کو نبی مانتے تھے اور زبور پر ایمان رکھتے تھے۔ فی الجملہ نماز روزے کے بھی قائل تھے۔ آخرت کے بھی قائل تھے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ ساتھ چاند اور سورج کی پوجا کرتے تھے اور ستاروں میں خدائی کرشمے مانتے تھے۔ ان کے متعلق اختلاف ہے کہ یہ اہل کتاب میں سے ہیں یا نہیں؟ مگر صحیح بات یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے ہیں کیونکہ زبور کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ﴿وَالنَّصَارَى﴾ اور نصرانی۔ ان کو نصرانی کہنے کی وجوہ:

- ①..... فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جس محلے میں پیدا ہوئے تھے اس کا نام تھا ”ناصرہ“ اس کی طرف نسبت کی وجہ سے نصرانی کہا جاتا ہے۔ اور نسبت کی وجہ سے تاریخ کی کتابوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام مسیح ناصرہ آتا ہے۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکی، مدنی اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور مدینہ منورہ میں ہجرت فرمائی۔

۲)..... اور ان کو نصاریٰ کہنے کی دوسری وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب یہودیوں سے خطرہ محسوس کیا تو اپنے ساتھیوں کو فرمایا ﴿مَنْ أَنْصَارِيَّ إِلَى اللَّهِ﴾ "اللہ تعالیٰ کی طرف جاتے ہوئے میری مدد کون کرے گا؟" ﴿قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ﴾ [الف: ۱۴] حواریوں نے کہا اللہ تعالیٰ کے دین کی ہم مدد کریں گے۔ اس لیے ان کو نصاریٰ کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام فرقوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

﴿مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ جو شخص ان میں سے ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ﴿وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ اور عمل کرے گا اچھے نہ ہوگا ان پر خوف اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ نہ ان پر آئندہ کے لیے کوئی خوف ہوگا اور نہ گزشتہ پر کوئی غم ہوگا۔

﴿لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ﴾ البتہ تحقیق لیا ہم نے وعدہ بنی اسرائیل سے ﴿وَأَمْرًا سَلْمًا إِلَيْهِمْ مُرْسَلًا﴾ اور بھیجے ہم نے ان کی طرف کئی رسول ﴿كُلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ﴾ جب بھی لایا ان کے پاس کوئی رسول ﴿يَسْأَلُهُمْ آمَنُكُمْ هُمْ﴾ وہ چیز جس کو ان کے نفس نہیں چاہتے تھے ﴿فَقَرَّبْنَا كِلَابًا﴾ پیغمبروں کے ایک گروہ کو انھوں نے جھٹلایا ﴿وَقَرَّبْنَا يُقْتَلُونَ﴾ اور پیغمبروں کے ایک گروہ کو قتل کرتے رہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کو شہید کیا، حضرت شعبا علیہ السلام کو شہید کیا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کیا۔ اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ اس وقت کے حاکم نے اپنی حقیقی بھانجی کے ساتھ نکاح کر لیا جبکہ ہماری شریعت کی طرح ان کی شریعت میں بھی بھانجی کے ساتھ نکاح حرام تھا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو جب اس کی خبر ملی تو انھوں نے سوچا کہ اگر خاموش رہتا ہوں تو گنہگار ہوں گا۔ چنانچہ مسئلہ سمجھانے کے لیے حاکم کے پاس تشریف لے گئے اور اس کو مسئلہ سمجھایا کہ تو نے جو کچھ کیا ہے صحیح نہیں کیا اور یہ اذروے شریعت حرام ہے۔ حاکم کو غصہ آ گیا اور کہنے لگا کہ تو مجھے مسئلہ سمجھاتا ہے؟ اور قتل کر دیا۔

﴿وَحَسِبُوا﴾ اور انھوں نے یہ گمان کیا ﴿أَلَا تَكُونُونَ فِتْنَةً﴾ کہ نہیں ہوگا کوئی فتنہ اور آزمائش۔ اور پھر اس گمان میں ﴿لَقَسُوا﴾ پس وہ اندھے ہو گئے ﴿وَصَبُّوا﴾ اور بہرے ہو گئے۔ آنکھیں ان کی حق کو دیکھنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اور ان کے کان حق کو سننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ پھر اس کے بعد پے در پے اللہ تعالیٰ کے پیغمبران کے پاس تشریف لاتے رہے اور ان کو حق کا راستہ دکھانے کی کوشش کرتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دور آیا۔

﴿لَمَّا تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ﴾ پھر اللہ تعالیٰ ان پر متوجہ ہوا۔ ان کو توبہ کا موقع دیا ﴿لَمَّا عَمُوا﴾ پھر وہ اندھے ہو گئے ﴿وَصَبُّوا﴾ اور بہرے ہو گئے ﴿كَيْفَ وَنَهُم﴾ ان میں سے بہت سارے پہلے لوگوں کی روش پر چل نکلے۔

﴿وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِّمَا يَعْمَلُونَ﴾ اور اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے جو عمل وہ کر رہے ہیں۔ اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں ہے وقت آنے پر سب کچھ بتا دے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو؟



﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ﴾ البتہ تحقیق کافر ہیں وہ لوگ ﴿قَالُوا﴾ جنہوں نے کہا ﴿إِنَّ اللَّهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ وہ مسیح بن مریم ہے ﴿وَقَالَ الْمَسِيحُ﴾ اور فرمایا مسیح (ﷺ) نے ﴿يَبْنِي أَسْرَآءِيلَ﴾ اے بنی اسرائیل ﴿اعْبُدُوا اللَّهَ﴾ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی ﴿سَرِّبِي وَرَبِّكُمْ﴾ جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے ﴿إِنَّهُ﴾ بے شک وہ ﴿مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ﴾ جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا ﴿لَقَدْ حَزَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ﴾ پس تحقیق اللہ تعالیٰ نے اس پر حرام کر دی جنت ﴿وَمَا وَهَّ اللَّهُ النَّارَ﴾ اور ٹھکانا اس کا دوزخ ہے ﴿وَمَا لِلظَّالِمِينَ﴾ اور نہیں ہے ظالموں کے لیے ﴿مِنْ أَنْصَابٍ﴾ کوئی مددگار ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ﴾ البتہ تحقیق کافر ہیں وہ لوگ ﴿قَالُوا﴾ جنہوں نے کہا ﴿إِنَّ اللَّهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ﴾ تینوں میں تیسرا ہے ﴿وَمَا مِنْ إِلَهٍ﴾ اور حالانکہ نہیں کوئی الہ ﴿إِلَّا اللَّهُ وَاحِدٌ﴾ مگر ایک ہی الہ ﴿وَإِنْ لَمْ يَبْتَهُوا﴾ اور اگر وہ باز نہ آئے ﴿عَبَا يَعْقُلُونَ﴾ ان باتوں سے جو وہ کہتے ہیں ﴿لَيْسَنَّ الَّذِينَ﴾ البتہ ضرور پہنچے گا ان لوگوں کو ﴿كُفْرًا وَامْنَهُمْ﴾ جو ان میں کافر ہیں ﴿عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ دردناک عذاب ﴿أَفَلَا يَتُوبُونَ﴾ کیا پس وہ نہیں توبہ کرتے ﴿إِلَى اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف ﴿وَيَسْتَغْفِرُونَ﴾ اور کیوں نہیں اس سے معافی مانگتے ﴿وَاللَّهُ عَفُوفٌ رَحِيمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

عیسائیوں کے گروہوں کا بیان اور نظریات

اب اللہ تعالیٰ عیسائیوں کے باطل عقیدے کا ذکر فرماتے ہیں۔ عیسائیوں کے تین گروہ تھے۔

① نسطوریہ ② یعقوبیہ اور ③ ملکانیہ۔

① نسطوریہ فرقے کا عقیدہ تھا کہ عیسیٰ (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ ان کے عقیدے کا ذکر دسویں پارے میں آتا ہے ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ عِزَّىٰ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ﴾ [توبہ: ۳۰] ”اور کہا یہودیوں نے عزیر (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ عیسیٰ (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔“ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرنا اللہ تعالیٰ کو گالی دینا ہے۔

بخاری شریف میں حدیث قدسی ہے۔ (حدیث قدسی اسے کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کر کے بات کریں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں)۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ((يَسْبِغِي ابْنُ آدَمَ وَلَهُ يَكُن لَّه ذَلِك)) ”آدم کی اولاد مجھے گالیاں دیتی ہے حالانکہ ان کو گالیاں دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔“ کیونکہ رب تعالیٰ کی صفت ہے۔ ﴿مَا تَتَّخِذُ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا﴾ [سورۃ الجن: ۳] ”پس اللہ تعالیٰ کی بیوی ہے نہ اولاد ہے۔“ اس کی صفت ہے ﴿لَمْ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَمَّا جَاءَکُمْ الرَّسُوْلُ فَاٰمَنُوْا بِرَبِّکُمْ ۗ سَوَّءَ الَّذِیْ کَانَ لَکُمْ بَدِیْنًا ۚ ﴿۳﴾ ”نہ کسی کا باپ ہے نہ کسی کا بیٹا ہے نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ اس کو کسی نے جنا ہے۔“
 رب تعالیٰ کی ذات ان تمام چیزوں سے پاک ہے۔ جس طرح عیسائی حضرت عیسیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے تھے اسی طرح عرب اور دوسرے ملکوں کے جاہل لوگ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ قرآن کریم میں آتا ہے ﴿وَيَجْعَلُوْنَ بَنُوْهُ الْمَلَٰٓئِیْقَۃَ﴾ [۵: ۷۵] ”اور وہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بناتے ہیں۔“

②..... یعقوبیہ فرقے والے اگرچہ عیسیٰ ﷺ اور اللہ تعالیٰ کو الگ ذات مانتے تھے لیکن ساتھ ساتھ یہ نظریہ رکھتے تھے کہ عیسیٰ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بڑی عبادت کی اتنی عبادت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اندر حلول کر گیا ہے، داخل ہو گیا ہے۔ ان کو حلوٰیہ اور اتحادیہ بھی کہتے ہیں۔ البتہ اتحادیہ اس میں مزید اضافہ بھی کرتے ہیں کہ عیسیٰ ﷺ سے جتنے افعال اور معجزات صادر ہوتے ہیں بظاہر تو حضرت عیسیٰ ﷺ سے صادر ہو رہے تھے لیکن حقیقتاً اللہ تعالیٰ سے صادر ہو رہے تھے۔ جو اندر حلول کیے ہوئے ہے۔

اس کی وہ مثال یہ پیش کرتے ہیں کہ ایک ہے آگ اور ایک ہے لوہا آگ کی تاثیر ہے جلانا اور لوہے کی تاثیر ہے کاٹنا لیکن جب لوہے کو آگ میں ڈالا جائے تو گرم ہو کر وہ بھی جلانے لگ جاتا ہے کہ آگ کے ساتھ متحد ہو کر دونوں ایک ہو گئے۔ اسی طرح عیسیٰ ﷺ نے جب بکثرت عبادت کی تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ متحد ہو گئے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے پہلے ان پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے پھر ان کا عقیدہ بیان فرمایا ہے۔

ارشادِ بانی ہے ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْا ۙ اَلْبَتَّۃُ تَحْقِیْقًا كَافِرِیْنَ وَہِ لُوْگ جَضُوْنَ نَے كہا ﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ وہ مسیح بن مریم ہے۔ رب تعالیٰ ان کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں ﴿وَقَالَ الْمَسِيْحُ﴾ اور فرمایا مسیح (ﷺ) نے ﴿لَیْسَ بِنَبِیٍّۙ اِسْرَآءِیْلَ﴾ اے بنی اسرائیل ﴿اَعْبُدُوْا اللّٰهَ رَبَّیْ وَرَبَّكُمُ﴾ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ مجھ سے جو معجزات ظاہر ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے صادر ہوتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے اندر حلول کر گیا ہے۔

معجزہ اور کرامت پر تحقیق

معجزے کی تعریف یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اور نبی کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے وہ نبی کا فعل نہیں ہوتا اور نہ ہی نبی کا اس میں ذاتی طور پر کوئی دخل ہوتا ہے۔ اور معجزے کی طرح کرامت بھی حق ہے اور کرامت کی تعریف یہ ہے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اور ولی کے ہاتھ پر صادر ہوتی ہے۔ اور ولی کا ذاتی طور پر اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ دیکھو! حضرت موسیٰ ﷺ جب مدین سے واپس مصر تشریف لارہے تھے۔ جب طور کے مقام پر پہنچے۔ تو قرآن پاک میں آتا ہے۔

﴿قَالَ لَا فِیْہِ اَمْلٰکُوْا﴾ ”اپنے گھروالوں سے کہنے لگے کہ تم (یہاں) ٹھہرو ﴿اِلٰی اِنْتِ نٰرَا﴾ مجھے آگ نظر آئی

ہے۔ ﴿لَعَلَّآ اَتَيْتَكُمْ مِنْهَا بِحَبْرٍ﴾ شاید میں وہاں (راستے) کا کچھ پتلا لاؤں ﴿اَوْ جَدْوًا مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَلُونَ﴾ یا آگ کا انگارے آؤں تاکہ تم تاپو (آگ سے گرمائش حاصل کرو) ﴿فَلَمَّا اَشْهَأَ نُودَىٰ مِنْ شَاطِئِ النَّوَادِ اِلَیْمِیْنَ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبْرَکَةِ﴾ جب اس کے پاس پہنچے آواز آئی میدان کے دائیں کنارے سے مبارک جگہ میں ﴿مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یُّؤْتِیَ اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ [پارہ: ۲۰، القصص: ۲۹-۳۰] ایک درخت میں سے میں اللہ ہوں پالنے والا سارے جہانوں کا۔

اور سورہ طہ [پارہ: ۱۶، آیت ۲۰ تا ۲۱] میں آتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَمَا تِلْكَ بِیْمَیْنِکَ یٰمُوسٰی﴾ ”اے موسیٰ! تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿ہی عَصٰی اَتَوَكَّلُ عَلَیْهَا وَاَهْلُ بِہَا عَلٰی غَیْبِیْ وَلِی فیہَا صٰرِبٌ اٰخَرٰی قَالُ الْہٰی یٰمُوسٰی﴾ ﴿فَالْقَهْرُ اَقْدٰرًا مِّنْ حَیْثُ تَسْتَعِیْ﴾ یہ میری لاشی ہے میں اس پر سہارا لیتا ہوں۔ اور اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے لیے اور بھی کئی فائدے ہیں۔ فرمایا اے موسیٰ! (علیہ السلام) اس کو پھینک دو پس انھوں نے اس کو پھینک دیا پس وہ اچانک سانپ بن کر دوڑنے لگا۔

سورہ قصص میں آتا ہے ﴿فَلَمَّا رَاہَا تَهْتَزُّ کَاَنہَا جَاثٌ وَّہِی مُدْبِرٌ اَوَّلَمْ یُعَقِّبُ﴾ [آیت نمبر: ۳۱] ”پس جب دیکھا اس کو بھن ہلاتے جیسا پتلا سانپ پھر امنہ موڑ کر اور نہ دیکھا پیچھے پھر کر۔“ پہلے لاشی پتلا سانپ بن جاتی اور بڑھتے بڑھتے اژدہا کی شکل اختیار کر لیتی تھی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ﴿لُعْبَابٌ مُّبِیْنٌ﴾ [اعراف: ۱۰، شعرا: ۳۲] (بڑا اژدہا) کے الفاظ آئے ہیں یا طور پر پتلا سانپ اور فرعون کے سامنے بڑا اژدہا ہو کر وہ لاشی نمودار ہوئی ہو کچھ بھی ہو۔ مطلب بالکل صاف اور واضح ہے۔ آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اگر معجزہ نبی کا فعل ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کبھی خوف کے مارے نہ بھاگتے کیونکہ اگر خود ہی انہوں نے لاشی کا سانپ بنایا ہوتا تو اپنے فعل اور اس کے نتیجے سے بخوبی واقف ہوتے اور ڈرنے اور بھاگنے کی ہرگز ضرورت نہ پیش آتی۔ مگر موسیٰ علیہ السلام اپنی زندگی کے اس پہلے موقع پر سانپ سے خوف زدہ ہو کر بھاگ نکلے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ﴿قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَتُعِدُّکَ مٰیۡمَنَہَا الْاُولٰٓئِکَ﴾ [طہ: ۲۱] ”پکڑ لے اس کو اور مت ڈر ہم ابھی اس کو پھیر دیں گے پہلی حالت پر۔“

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کام صرف یہی تھا کہ اس اژدہا کو اپنے ہاتھ سے پکڑ لیتے اور اس کو پہلی حالت پر لاشی بنا دینا یہ اللہ تعالیٰ کا کام تھا۔ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کچھ بھی دخل نہ تھا۔ امید ہے کہ آپ حضرات سمجھ گئے ہوں گے کہ معجزہ اور کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے نبی، ولی کا اس میں کچھ دخل نہیں ہوتا۔

یہاں ایک اور مسئلہ بھی سمجھ لیں کہ دشمن سے خوف اور ڈر ایک طبعی چیز ہے اس سے ایمان پر کسی قسم کی کوئی زد نہیں پڑتی۔ کیونکہ پیغمبر سے بڑا اور مضبوط ایمان کس کا ہو سکتا ہے۔ نبوت موسیٰ علیہ السلام کو مل چکی تھی یہ تو بطور معجزہ کے مل رہا تھا۔

تو عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے بنی اسرائیل! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے ﴿اِنَّکُمْ مِّنْ یُّشْرِکِ بِاللّٰهِ﴾ بے شک جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا ﴿لَقَدْ حَزَمَ اللّٰهُ عَلَیْہِ الْجِنَّۃَ﴾ پس تحقیق اللہ تعالیٰ نے اس پر حرام کر دی جنت ﴿وَمَا وَاوۡءُ الْقٰنِیۡنِ﴾ اور ٹھکانا اس کا دوزخ ہے۔ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہے گا۔ ﴿وَمَا لِلظٰلِمِیۡنِ مِنْ

انصاف اور نہیں ہے ظالموں کے لیے کوئی مددگار۔

④ تیسرا فرقہ جس کا نام ملائیکہ (مخوشیہ) اور تفسیر خازن وغیرہ میں اس کا نام ملائیکہ بھی آیا ہے۔ لیکن اصل ہمزے کے ساتھ ہے، ملائیکہ۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ خدائی کے تین ارکان ہیں یعنی اقاہیم ثلاثہ کے قائل ہیں کہ تین ارکان سے خدا بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ایک۔ دوسرے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور تیسرے رکن میں اختلاف کرتے ہیں۔

ڈاکٹر نیل انگریز پادری تھا اس نے قرآن پاک کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا ہے اور تفسیر بھی لکھی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ”ایک گروہ کہتا ہے کہ تیسرا رکن حضرت مریم ہیں اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ تیسرا رکن حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔

ساتویں پارے میں آتا ہے ﴿وَإِذْ قَالَ اللَّهُ﴾ اور جب فرمائے گا اللہ تعالیٰ (عیسائیوں کو شرمندہ کرنے کے لیے قیامت والے دن) ﴿لِيُعْطِيَ ابْنَ مَرْيَمَ ءَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اسْتَخْلُفُونِي فَاذْهَبِي إِلَى الْهَيْدِ مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ تعالیٰ کے سوا؟ ﴿قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقِّ﴾ نہیں لائق میرے لیے کہ میں کہوں ایسی بات جس کا مجھے حق نہیں پہنچتا۔ میں یہ بات کس طرح کہہ سکتا تھا۔

تو ملائیکہ فرقے کا نظریہ یہ ہے کہ اقاہیم ثلاثہ خدائی نظام چلاتے ہیں۔ بھائی! بڑی عجیب بات ہے کہ تم حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت بھی تسلیم کرتے ہو سن عیسوی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے شروع ہوا ہے۔ یہ ۱۹۹۸ء ہے (بوقت درس) تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا ہوئے ۱۹۹۸ء سال ہو گئے ہیں اور حضرت مریم علیہ السلام ان سے سولہ سترہ سال پہلے پیدا ہوئی ہوں گی اور زمین آسمان چاند، سورج، ستارے تو پہلے کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ ان کی پیدائش سے ہزاروں سال پہلے سے یہ محکم نظام چلا آ رہا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ان کی پیدائش سے پہلے خدائی ارکان جب مکمل نہیں ہوئے تھے تو یہ نظام کس طرح چلتا آ رہا تھا؟ اور اگر ان کی پیدائش سے پہلے کامل تھا اور یقیناً کامل تھا تو ان کو پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ میں کون سا نقص آ گیا ہے کہ وہ اب ان کا محتاج ہو گیا ہے۔ اور اگر ان کے سوا اللہ تعالیٰ کو ناقص مانتے ہو، معاذ اللہ تعالیٰ، تو ناقص خدا نے زمین بھی پیدا فرمادی، آسمان بھی بنا دیئے، زمین پر پہاڑ بھی رکھ دیئے، چاند، سورج، ستارے بھی پیدا فرمادیئے، اور تھا وہ ناقص، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ، بڑا عجیب گورکھ دھندا ہے۔ یہ دنیا کی بڑی عظیم قوم کہلاتی ہے۔ میں کہتا ہوں دین کے معاملہ میں ان سے بڑا بے وقوف کوئی نہیں ہے۔

پھر جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جب تم تین خداؤں کے قائل ہو تو، تو حید تو نہ رہی تو کہتے ہیں التَّوْحِيدُ فِي التَّثْلِيثِ وَالتَّثْلِيثُ فِي التَّوْحِيدِ ”ایک تین اور تین ایک۔“ ان سے سوال کرو کہ ایک چار اور چار ایک ہوتے ہیں تو کہیں گے نہیں۔ یا کہو کہ ایک پانچ اور پانچ ایک تو کہیں گے نہیں۔

بھائی! جب ایک چار اور چار ایک نہیں ہو سکتے، ایک پانچ اور پانچ ایک نہیں ہو سکتے، ایک دو اور دو ایک نہیں ہو سکتے تو

ایک تین اور تین ایک کس طرح ہو گئے؟ بڑی عجیب منطق ہے۔ اس فرتے کا ذکر ہے۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا﴾ البتہ تحقیق کافر ہیں وہ لوگ جنہوں نے کہا ﴿إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تینوں میں تیسرا ہے۔ خدائی کے دو رکن اور ہیں اور تیسرا اللہ تعالیٰ ہے۔ ﴿وَمَا مِنْ إِلَهٍ﴾ اور حالانکہ نہیں کوئی الہ ﴿إِلَّا إِلَهُ وَاحِدٌ﴾ مگر ایک ہی الہ ہے۔ نہ جبرائیل علیہ السلام اس کی خدائی میں شریک ہیں نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نہ ان کی والدہ یہ سب ان کی خانہ زاد اور جاہلانہ باتیں ہیں۔

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ يَتَّبِعُونَ عِبَادًا يَتَّقُونَ﴾ اور اگر وہ باز نہ آئے ان باتوں سے جو وہ کہتے ہیں ﴿كَيْبَسَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ﴾ البتہ ضرور۔ پچھنے گا ان لوگوں کو جو ان میں کافر ہیں ﴿عَذَابَ آلَيْنِ﴾ دردناک عذاب ہو سکتا ہے دنیا میں آجائے اور اگر دنیا کے عذاب سے بچ گئے تو آخرت میں دوزخ سے نہیں بچ سکتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تو نبہ کا دروازہ کھلا ہے اب وقت ہے توبہ کر لو۔

درمنثور وغیرہ میں حدیث ہے اور تاریخ کی کتابوں میں بھی آتا ہے کہ مغرب کی طرف ایک دروازہ ہے اس کی ایک جانب سے دوسری جانب تک ستر سال کی مسافت ہے۔ یہ اتنا بڑا دروازہ توبہ کا دروازہ ہے۔ یہ اس وقت تک کھلا رہے گا جب تک سورج مغرب سے طلوع نہیں ہوگا اور جس دن سورج مغرب سے طلوع ہوگا اس دن بند کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد نہ کسی کا ایمان لانا قبول ہوگا اور نہ توبہ قبول ہوگی۔ جس طرح نزع کے عالم میں ایمان اور توبہ قبول نہیں ہوتی۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ إِلَى اللَّهِ﴾ کیا پس وہ نہیں توبہ کرتے اللہ تعالیٰ کی طرف، رجوع نہیں کرتے۔ ﴿وَيَسْتَغْفِرُونَ﴾ اور کیوں نہیں اس سے معافی مانگتے۔ کہ اے پروردگار! ہم نے غلط معبود بنا رکھے ہیں ہمیں معاف فرما دے ان کو ہم چھوڑتے ہیں۔ گزشتہ کی تجھ سے معافی مانگتے ہیں۔ ﴿وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔



﴿مَا أَلْسِنَاهُمْ مَرْيَمَ﴾ نہیں ہیں سچ بیٹے مریم کے (علیہا السلام) ﴿إِلَّا مَا سَأَلُ﴾ مگر رسول ﴿قَدْ خَلَتْ﴾ تحقیق گزر چکے ہیں ﴿مِنْ قَبْلِ الرُّسُلِ﴾ اس سے پہلے کئی رسول ﴿وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ﴾ اور ماں ان کی بہت سچی تھی ﴿كَانَا يَا كَلْبَانَ الطَّعَامِ﴾ وہ دونوں کھانا کھاتے تھے ﴿أَنْظُرْ﴾ دیکھ تو ﴿كَيْفَ بُيِّنَ لَكُمْ الْآيَاتِ﴾ کیسے ہم بیان کرتے ہیں ان کے لیے نشانیاں ﴿ثُمَّ أَنْظُرْ آيَاتِ يَوْمَ تَكُونُونَ﴾ پھر دیکھ کہاں اُلٹے پھرے جاتے ہیں ﴿قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں کیا عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ سے ورے ورے ﴿مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ﴾ اس مخلوق کی جو نہیں مالک تمہارے لیے ﴿صُرًّا وَلَا نَفْعًا﴾ نقصان کی اور نہ نفع کی ﴿وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ اور اللہ تعالیٰ وہی سننے والا، جاننے والا ہے ﴿قُلْ يَا هَلْ الْكُتُبِ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں اے اہل کتاب! ﴿لَا تَغْلُوا قِيَّ وَيُنِلكُمْ عَذَابَ الْحَقِّ﴾ نہ غلو کرو ناحق اپنے دین میں ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ﴾ اور نہ پیروی کرو اس قوم کی

خواہشات کی ﴿قَدْ ضَلُّوا﴾ جو گمراہ ہو گئی ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿وَأَضَلُّوا كَثِيرًا﴾ اور انہوں نے گمراہ کیا بہتوں کو ﴿وَضَلُّوا﴾ اور گمراہ ہو گئی وہ قوم ﴿عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ﴾ سیدھے راستے سے۔

رابط مضمون کا بیان

اس سے پہلی آیات میں عیسائیوں کے دو گروہوں کا ذکر تھا یعقوبیہ جن کا نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام میں حلول کر گئے ہیں اور مکاشیہ کا ذکر تھا جو اتانیم تلاش کے قائل ہیں۔ اور نسطوریہ فرقے کا ذکر دسویں پارے میں آتا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی تردید فرماتے ہیں کہ نہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے تھے نہ اللہ تعالیٰ نے ان میں حلول کیا تھا، نہ خدائی کا تیسرا رکن تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کی نفی

ارشادِ ربانی ہے ﴿مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ﴾ نہیں ہیں مسیح بیٹے مریم (علیہ السلام) کے مگر رسول ﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ تحقیق گزر چکے ہیں اس سے پہلے کئی رسول۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد صرف ایک پیغمبر تشریف لائے ہیں جن کا نام نامی اسم گرامی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خوشخبری خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں اور ساتھیوں کو دی۔ چنانچہ (آیت نمبر: ۶) سورہ "صف" میں آتا ہے ﴿وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ﴾ "اور میں خوش خبری دینے والا ہوں ایک رسول کی ﴿يَأْتِيهِمْ بَعْدِي﴾ جو آنے والا ہے میرے بعد ﴿اسْمُهُ أَحْمَدُ﴾ نام اس کا احمد ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔"

بخاری شریف میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَنَا أَحْمَدُ وَأَنَا مُحَمَّدٌ "میرے مشہور ناموں میں ایک محمد ہے اور ایک احمد ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔" لفظ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن پاک میں چار مقامات پر آیا ہے اور احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک مقام پر ہے۔ تو احمد اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی نام ہیں اور قادیانیوں کا دجل دیکھو مرزا بشیر الدین محمود اپنی کتاب "اسح الموعود" میں لکھتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جس احمد کی بشارت دی تھی وہ میرے والد صاحب غلام احمد ہیں۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔

اب سوال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جس احمد کی بشارت دی تھی وہ ان دجالوں کے نزدیک غلام احمد بن گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہاں گئے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آنا تو صرف ایک نے تھا۔ اس زمانے میں باطل فرقے اپنی تبلیغ میں بہت تیز ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے محفوظ رکھے۔ ساتھیو! اپنے ایمان کی حفاظت کرو۔ تو فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کئی رسول گزر چکے ہیں۔

بشریت پر دلیل

﴿وَأَمَّةٌ صَدِيقَةٌ﴾ اور ماں ان کی بہت سچی تھی ﴿كَانَ يَأْكُلُ الْكَلَامَ﴾ وہ دونوں (حضرت عیسیٰ اور ان کی

والدہ ﷺ) کھانا کھاتے تھے۔ دیکھو! یہ جملہ بڑا مختصر ہے کہ ﴿كَانَ يَأْكُلُ مِنَ الطَّعَامِ﴾ وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ مگر اس کی تفصیل بہت زیادہ ہے کیونکہ کھانا کھانے والا زمین کا بھی محتاج ہے۔ زمین سے پیداوار ہوگی تو کھائے گا پھر اہل کا محتاج نیل اور ٹریکٹر کا محتاج کہ جن کے ذریعے فصل بوئے گا۔ پھر آب و ہوا کا محتاج کہ اس کے بغیر فصل اگتی نہیں۔ پھر سورج اور چاند کا محتاج کیونکہ سورج کی گرمی اور چاند کی روشنی کا بھی فصلوں کے ساتھ تعلق ہے۔ ستاروں کا بھی فصلوں سے تعلق ہے۔ اور موسم کا محتاج ہے۔ ان سب چیزوں کے بعد وقت کا محتاج ہے کیونکہ فصل کے پکنے کے لیے وقت بھی درکار ہے۔ پھر کاٹنے کے لئے درانتی اور مشین کا محتاج، پھر گاہنے کا محتاج، تاکہ دانے اور توڑی (بھوسا) الگ الگ ہو جائیں۔ پھر پیسنے کے لیے چکی کا محتاج، گوندھنے کے لیے گنالی اور پرات کا محتاج، پھر روٹی پکانے کے لیے آگ اور توڑے کا محتاج اتنی چیزوں کا محتاج رب کس طرح بن گیا۔ رب تو ”صمد“ ہے جو کسی کا محتاج نہیں ہے۔ پھر کھانا کھانے والا قضائے حاجت کا محتاج ہے کیونکہ فضلات خارج ہوئے بغیر انسان رہ نہیں سکتا۔

ایک لطیفہ

ایک دن مجھے انجیل پڑھتے ہوئے ہنسی آگئی۔ انجیل ”متی“ میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ ﷺ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ سفر پر تھے کہ بھوک لگ گئی ساتھیوں سے فرمایا کہ اگر کسی کے پاس کھانے کی کوئی چیز تھیلے میں ہے تو تلاش کرو مجھے بڑی بھوک لگی ہے۔ ساتھیوں نے تھیلے دیکھے، کھانے کی کوئی چیز نہ ملی۔ حضرت عیسیٰ ﷺ کو انجیر کا درخت نظر آیا تو دوڑ کے اس کے پاس پہنچے کہ اس کا پھل اتار کر کھاتا ہوں۔ قریب پہنچے تو خیال آیا کہ انجیر کا تو موسم ہی نہیں ہے۔ ہنسی اس لیے آئی کہ ایسے بھولے کے سپرد خدا کی جائے کہ جس کو موسم کا بھی علم نہیں ہے۔ یہ نظام کائنات کیا چلائے گا۔

بھائی! کبھی اللہ تعالیٰ کو بھی بھوک لگی ہے یا بھول چوک ہوئی ہے، حاشا دکلا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے پاک ہے۔ حضرت عیسیٰ ﷺ صرف رسول ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت نہیں ہے۔

نفع و نقصان کا مالک

فرمایا ﴿اَنْظُرْ﴾ دیکھ تو ﴿كَيْفَ نُبَيِّنُ لَكُمْ الْآيَاتِ﴾ کیسے ہم بیان کرتے ہیں ان کے لئے نشانیاں ﴿كَمْ اَنْظُرْ اَنْى يُؤْتُونَ﴾ پھر دیکھ کہاں اٹھے پھرے جاتے ہیں۔ واضح باتیں ہونے کے باوجود ﴿قُلْ اَتَسْتَعْتُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کو کہہ دیں کیا عبرت کرتے ہو اللہ تعالیٰ سے ورے ورے ایسی مخلوق کی ﴿عَالَا يَنْبَلِكُمْ صَرًا وَلَا تَنْفَعَا﴾ جو نہیں مالک تمہارے لیے نقصان اور نفع کی۔ حضرت عیسیٰ ﷺ کے پاس نہ نفع تھا نہ نقصان تھا، نفع نقصان کا مالک تو صرف رب تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ﴿قُلْ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا﴾ [پارہ: ۹، الامراف: ۱۸۸] میں اپنے نفع نقصان کا مالک نہیں ہوں۔ اور دوسرے مقام پر ہے اپنے امتیوں کو کہہ دیں ﴿اِنِّى لَا اَمْلِكُ لَكُمْ صَرًّا وَلَا

رہا کہ [۲۱:۱۱] نہیں ہوں میں مالک تمہارے لیے نقصان اور بھلائی کا۔ جب پیغمبر نفع نقصان کے مالک نہیں ہیں خصوصاً اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں سب سے اعلیٰ اور افضل ہستی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کسی کے نفع نقصان کے مالک نہیں ہیں۔ تو دوسروں کی کیا حیثیت ہے کہ وہ نفع نقصان کے مالک ہوں؟ نفع نقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

انجیل ”متی، مرقس اور لوقا، یوحنا“ میں ہے کہ حضرت عیسیٰ ﷺ کو جب سولی پر لٹکانے لگے (یہ عیسائیوں کے اس گروہ کے مطابق ہے جن کا نظریہ ہے کہ حضرت عیسیٰ ﷺ کو سولی پر لٹکایا گیا)۔ کیونکہ بہت سارے عیسائیوں کا نظریہ ہمارے عقیدے کے مطابق ہے کہ ﴿وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ﴾ [المائدہ: ۱۵۷-۱۵۸] ”اور نہ انہوں نے ان کو قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا اور لیکن یہ معاملہ ان کے لیے مشتبہ کر دیا گیا۔“ مزید فرمایا ﴿وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا﴾ ”اور نہیں قتل کیا انہوں نے عیسیٰ ﷺ کو یقیناً ﴿بَلَىٰ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اٹھالیا اس کو اپنی طرف۔“ تو یہ انجیل کی آیتیں عیسائیوں کے اس گروہ کے نظریہ کے مطابق ہیں جو کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ ﷺ کو سولی پر چڑھایا گیا۔

عیسیٰ ﷺ منجی یا محتاج نجات؟

حضرت عیسیٰ ﷺ کو جب سولی پر چڑھانے لگے تو حضرت عیسیٰ ﷺ نے کہا: اِنِّي اِيْتِي لِيَمَّا سَبَقْتُنِي ”اے رب، اے میرے رب تو نے مجھے ان کے قابو میں کیوں دیا ہے مجھے ان سے چھڑا۔“ مگر عیسائیوں کے نظریہ کے مطابق ان کو سولی پر چڑھادیا گیا۔ آج عیسائی جگہ جگہ یہ کہتے پھرتے ہیں ”يَسُوعُ مَنَّجِي، يَسُوعُ مُتَّجِي“۔ بھائی! جو اپنے آپ کو نہیں بچا سکتا وہ تمہارا ”منجی“ کس طرح ہو گیا؟

﴿وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ اور اللہ تعالیٰ وہی سنے والا جاننے والا ہے۔ ﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ﴾ آپ (مسلمین) کہہ دیں اے اہل کتاب! ﴿لَا تَتْلُوا آيَاتِ دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ﴾ نہ غلو کرو ناحق اپنے دین میں۔ عیسیٰ ﷺ کو خدا کا بیٹا نہ بناؤ۔ خدائی میں شریک سمجھو نہ خدائی کا درجہ دو کہ اللہ تعالیٰ ان میں داخل ہو گیا ہے۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور رسول ہیں۔ ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا آهْوَاءَ قَوْمٍ﴾ اور نہ پیروی کرو اس قوم کی خواہشات کی ﴿قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ﴾ جو گمراہ ہو گئی اس سے پہلے۔ نہ صرف گمراہ ہوئے بلکہ ﴿وَأَضَلُّوا كَثِيرًا﴾ اور انہوں نے گمراہ کیا بہتوں کو۔

فرق باطلہ کی سرگرمیاں

ہر دور میں باطل فرقوں کی کوشش رہی ہے کہ وہ سب کو گمراہ کر کے اپنے جیسا بنالیں۔ آج بھی وہ جس قدر نشر و اشاعت اور تبلیغ کر رہے ہیں اس کے مقابلے میں حق والوں کی تبلیغ اور نشر و اشاعت صفر ہے۔ بے شک تقابل کر کے دیکھ لیں۔ اللہ تعالیٰ کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے مولا نامہ الیاس رضی اللہ عنہ کی قبر پر جنھوں نے تبلیغ کا کام جاری فرمایا تھا کہ آج ان کی جماعت دنیا میں تبلیغ کر رہی ہے جن کی بدولت تبلیغ کا سلسلہ جاری ہے۔

﴿وَصَلُّوا عَنْ سِوَا السَّبِيلِ﴾ اور گمراہ ہو گئی وہ قوم سیدھے راستے سے۔ جو اپنی خواہشات پر چلتی ہے لہذا تم ان کے راستے پر نہ چلنا۔ گمراہوں سے بچنا اللہ تعالیٰ ہدایت کی توفیق عطا فرمائے اور سیدھے راستے پر قائم رکھے۔ [امین]



﴿لَعْنَةُ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ لعنت کی گئی ان لوگوں پر جو کافر تھے ﴿وَمَنْ بَنَىٰ بُيُوتًا لِغَيْرِ اللَّهِ﴾ بنی اسرائیل میں سے ﴿عَلَىٰ لِسَانِ كَاوُدَ﴾ داؤد علیہ السلام کی زبان پر ﴿وَعِيسَىٰ ابْنِ مَرْيَمَ﴾ اور عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی زبان پر ﴿ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا﴾ یہ لعنت اس لیے ہوئی کہ انھوں نے نافرمانی کی ﴿وَكَانُوا يَعْتَدُونَ﴾ اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے ﴿كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ﴾ نہیں روکتے تھے ایک دوسرے کو ﴿عَنْ مَنكُرِهِ﴾ برائی سے ﴿فَعَلُوا﴾ جو وہ کرتے تھے ﴿لَيْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ البتہ بُری تھی وہ کارروائی جو وہ کرتے تھے ﴿تَزَيَّجُونَهُمْ﴾ دیکھیں آپ ان میں سے بہت ساروں کو ﴿يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ﴾ دوست بناتے ہیں ان لوگوں کو ﴿كَفَرُوا﴾ جو کافر ہیں ﴿لَيْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ البتہ بُری ہے وہ چیز جو ان کے لیے آگے بھیجی ہے ان کے نفسوں نے (وہ یہ ہے) ﴿أَنْ سَخَطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ﴾ کہ ان پر اللہ تعالیٰ ناراض ہے ﴿وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ﴾ اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہیں گے ﴿وَكَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ اور اگر وہ ایمان لاتے اللہ تعالیٰ پر ﴿وَالنَّبِيِّ﴾ اور اپنے نبی پر ﴿وَمَا أَنْزَلَ إِلَيْهِ﴾ اور اس چیز پر جو اس کی طرف نازل کی گئی ﴿مَا تَخَلَّوْهُمْ أَوْلِيَاءُ﴾ نہ بناتے ان کو دوست ﴿وَلَكِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ﴾ اور لیکن اکثریت ان میں سے نافرمانوں کی ہے ﴿لَتَجِدَنَّ﴾ البتہ ضرور پائیں گے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ﴿أَشَدَّ نَاسٍ عَدَاوَةً﴾ لوگوں میں سے زیادہ سخت دشمنی میں ﴿لِلَّذِينَ آمَنُوا﴾ ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ﴿الْيَهُودَ﴾ یہود کو ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا﴾ اور ان لوگوں کو جنہوں نے شرک کیا ﴿وَلَتَجِدَنَّ﴾ اور البتہ آپ ضرور پائیں گے ﴿أَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً﴾ ان میں سے زیادہ قریب دوستی میں ﴿لِلَّذِينَ آمَنُوا﴾ ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ﴿الَّذِينَ﴾ وہ لوگ ہیں ﴿قَالُوا﴾ جنہوں نے کہا ﴿إِنَّا نَصْرِي﴾ بے شک ہم نصرانی ہیں ﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ﴾ یہ اس لیے کہ بیشک ان میں سے ﴿قَسِيئِينَ﴾ عالم ہیں ﴿وَمُرْهَبَاتٍ﴾ اور پادری اور درویش ہیں ﴿وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ﴾ اور بے شک وہ تکبر نہیں کرتے۔

ہفتہ کے دن شکار کی ممانعت

بنی اسرائیل کا ایک طبقہ بحیرہ قلزم کے کنارے ایلیہ شہر میں آباد تھا آج کل اس کا نام ایلات ہے جو اسرائیل کی بندرگاہ ہے ان کا گزر اوقات مچھلیوں کے شکار پر تھا خود بھی کھاتے اور دوردراز کے علاقوں میں بھی بھیجتے تھے ان کی تجارت کا یہی ذریعہ تھا

بڑے مالدار لوگ تھے۔ ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تھا اور زبور ان پر نازل فرمائی تھی ہفتے کا دن ان کے واسطے عبادت کے لیے مختص تھا کہ باقی دنوں میں تم دن رات شکار کر سکتے ہو لیکن ہفتے کے دن کے چوبیس گھنٹے تمہارے لیے شکار ممنوع ہے۔ لیکن ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل نہ کیا اور حیلے بہانے سے شکار کرتے رہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے احکام کو ٹالا ہے تم پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اس لعنت کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے بڑوں کو خنزیر اور نوجوانوں کو بندر کی شکل میں تبدیل کر دیا جیسا کہ آپ اسی پارے میں پڑھ چکے ہیں۔ ان آیات میں اسی کا ذکر ہے۔

نافرمانی کا انجام

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَعْنَةُ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ لعنت کی گئی ان لوگوں پر جو کافر تھے ﴿مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ﴾ بنی اسرائیل میں سے ﴿عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ﴾ داؤد علیہ السلام کی زبان پر ﴿وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ﴾ اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی زبان پر۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ان کو حکم دیا تھا کہ وہ ہفتے والے دن مچھلی کا شکار نہ کریں۔ مگر یہ لوگ باز نہ آئے اور حیلے بہانے سے شکار کرتے رہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے بار بار منع کرنے کے باوجود جب وہ باز نہ آئے تو حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو ٹالا ہے لہذا تم پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ اس کے بعد انہیں بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ کر دیا گیا۔ دوبارہ ان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے لعنت کی گئی اس واقعہ کا ذکر اس سورۃ کے آخر میں آئے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اور مائدہ کا نزول

وہ اس طرح کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ کیا تیرا رب اس بات پر قادر ہے کہ وہ ہم پر آسمان کی طرف سے دسترخوان نازل فرمائے اور کپے پکائے کھانے اس میں ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر تم مومن ہو رب تعالیٰ پر ایمان بھی رکھتے ہو کہ وہ قادر مطلق ہے۔ پھر کہتے ہو کہ کیا وہ ایسا کر سکتا ہے۔ وہ قادر مطلق ہے سب کچھ کر سکتا ہے۔ کہنے لگے پھر رب تعالیٰ سے کہو کہ ہم پر دسترخوان نازل کرے۔ اور اس میں گوشت بھی ہو پیڑ بھی ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی ﴿اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ﴾ اے اللہ تعالیٰ ہمارے پروردگار! نازل فرما ہم پر ایک بھرا ہوا دسترخوان آسمان کی طرف سے۔ ان کا مطالبہ مان لیا گیا۔ دو شرطوں کے ساتھ۔

- ① ایک یہ کہ اس دسترخوان سے غریب کھائیں مال دار نہ کھائیں۔
- ② دوسرا یہ کہ جتنا کھا سکتے ہیں کھائیں، ذخیرہ نہ کریں، بچا کر نہ رکھیں۔

سبب لعنت

دوسرے وقت پر پھر آجائے گا۔ لیکن انھوں نے دونوں شرطوں کی پابندی نہ کی۔ غریب امیر سب نے کھایا اور رکابیاں (پلیٹیں) ساتھ لے کر آتے ان میں بھر بھر کر ساتھ لے جاتے۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی ان پر لعنت کی گئی۔

فرمایا ﴿ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَاذْكَالَآءِ يَتَّبِعُونَ﴾ یہ لعنت اس لیے ہوئی کہ انھوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے۔ اور ان کا حال یہ تھا ﴿كَانُوا لَا يَتَّهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ﴾ نہیں روکتے تھے ایک دوسرے کو برائی سے۔ ﴿فَعَلُوا﴾ جو وہ کرتے تھے ﴿لَيْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ البتہ بڑی تھی وہ کارروائی جو وہ کرتے تھے۔

نبی عن المنکر کا طریقہ ہائے کار

آنحضرت ﷺ نے اس کو بیان کرنے کے بعد اپنی امت کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيَغَيِّرْهُ بِيَدِهِ ”تم میں سے جو شخص برائی کو دیکھے تو اسے ہاتھ سے روکے اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت حاصل ہو فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ پس اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہیں ہے تو زبان سے روکے فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ اور اگر زبان سے بھی روکنے کی طاقت اور ہمت نہیں تو پھر اس فعل کو دل سے برا سمجھے۔“ اور اگر دل سے بھی برا نہیں سمجھتا تو اس کے دل میں برائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔ بے شک وہ ایمان کا دعویٰ کرتا پھرے۔

الحمد للہ! جو وہ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے یہ امت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کو سرانجام دے رہی ہے۔ اور ان شاء اللہ قیامت تک یہ فریضہ سرانجام دیتی رہے گی۔

﴿تَزِيءُ رِيءَاقِنُهُمْ﴾ دیکھیں آپ ان میں سے بہتوں کو ﴿يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ دوست بناتے ہیں ان لوگوں کو جو کافر ہیں۔ یہودی کافروں مشرکوں کے ساتھ دوستی رکھتے تھے اور منافقین بھی کافروں کے ساتھ دوستی رکھتے تھے۔

یہودی سرگرمیاں اور اظہارِ تاسف

﴿لَيْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنفُسُهُمْ﴾ البتہ بری ہے وہ چیز جو ان کے لیے آگے بھیجی ہے ان کے نفسوں نے وہ کیا ہے ﴿أَنْ سَخَطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ﴾ یہ کہ ان پر اللہ تعالیٰ ناراض ہے۔ یہ رب تعالیٰ کی ناراضگی تو دنیا میں ہے ﴿وَلِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُونَ﴾ اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔

کفار سے رفاقت کی ممانعت

کچھ یہودی برائے نام مسلمان ہوئے تھے اور ایمان کا دعویٰ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ اور اگر وہ ایمان لاتے اللہ تعالیٰ پر ﴿وَالنَّبِيِّ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے نبی (ﷺ) پر ﴿وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ﴾ اور اس چیز پر جو

اس کی طرف نازل کی گئی ﴿مَا تَخْلُدُ لَهُمْ أُولِيَآءَ﴾ نہ بناتے کافروں کو اپنا دوست۔ اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ نبی سے مراد ان کے اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں تو پھر مفہوم یہ ہے کہ یہ اگر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتے تو بھی کافروں کو دوست نہ بناتے۔ بلکہ آخری پیغمبر پر ایمان لاتے اور ان کو دوست بناتے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت سنائی ہے اور جو کچھ ان پر نازل کیا گیا ہے تو راقہ میں اس پر ایمان لاتے تو بھی کافروں کے ساتھ دوستی نہ رکھتے۔ کیونکہ توراہ میں کافروں کے ساتھ دوستی رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔ کہ کافروں کو دوست نہ بناؤ۔ ﴿وَلٰكِن كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ اور لیکن اکثریت ان میں سے نافرمانوں کی ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَتَجِدَنَّ اَشْدٰٓءَ الْاٰكِسِ عَدَاوَةً﴾ البتہ ضرور پائیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سے زیادہ سخت دشمنی میں ﴿لَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ﴿الْبِهْوَدِ﴾ یہود کو۔ یعنی مسلمانوں کا شدید ترین دشمن یہودی ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ بھلا اس میں کیا شک ہو سکتا ہے۔

آج سے چند سال پہلے کی بات ہے کہ فلسطین کے مہاجرین کے دو کیمپوں ”صابرہ اور شطیلہ“ پر یہودیوں نے حملہ کر کے تقریباً تیس ہزار فلسطینیوں کو شہید کیا جن میں مرد عورتیں بچے بوڑھے شامل تھے اور آج تک باز نہیں آرہے۔ یہودی دنیا کی بڑی ذہین اور ضدی قوم ہے۔ اور بڑے منصوبے کے تحت دنیا پر چھائی ہوئی ہے کم تعداد میں ہونے کے باوجود امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی، ہالینڈ، روس وغیرہ کی تجارتی منڈیوں پر ان کا قبضہ ہے۔ اور اسلحہ کے اعتبار سے دنیا کی تیسری قوت ہے۔ ان کی نسبت سے عیسائی کمزور ہیں۔ تعداد میں زیادہ ہیں۔ یہودیوں کی تعداد اسی لاکھ بھی نہیں ہے اور اسرائیل کا کل رقبہ ہمارے دو ضلعوں کے برابر ہے لیکن منصوبہ بندی اور اسلحہ کے بل بوتے پر مسلمانوں کو ذبح کر رہا ہے۔ اور اسرائیل کے آس پاس رہنے والے مسلمانوں کی تعداد بارہ کروڑ سے زیادہ ہے۔ مگر منصوبہ بندی نہ ہونے کی وجہ سے بے بس ہیں۔ کیونکہ ان کے پاس اسلحہ نہیں ہے۔ عراق نے تھوڑا سا سراٹھایا تو امریکہ بد معاش نے اس کو پھیل کر رکھ دیا ہے۔ اور اس کو اپنا تیل بیچنے کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ امریکہ سے اجازت لے کر تیل بیچتے ہیں اور اتنا ہی بیچتے ہیں جتنے کی وہ اجازت دیتا ہے۔

بھلا تو چچا لگتا ہے پابندی لگانے کا۔ ملک ان کا، تیل ان کا، جتنا چاہیں اور جس طرح چاہیں بیچیں، مگر نہیں کیونکہ وہ بد معاش ہے۔ بلکہ رقم کے ساتھ دوائی دینے کے لیے تیار نہیں ہے۔ باہر سے خوراک تک نہیں منگوانے دیتا۔ لیکن مسلمان ملکوں پر افسوس ہے کہ تمام کے تمام، بح سعودیہ، لبنان، اردن، شام اور مصر کے سب کے سب بہرے، گونگے اور اندھے بنے ہوئے ہیں اس کے حق میں آواز تک بلند کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اور ان ملکوں میں جو حق کی آواز بلند کرتا ہے اس کو پابند سلاسل کر دیا جاتا ہے۔

خصوصاً سعودیہ میں حالانکہ وہ مرکز اسلام ہے۔ الٹا امریکہ کی فوج کو مرز میں عرب میں لا کر بٹھایا ہوا ہے۔ اور ان کے تمام جائز و ناجائز اخراجات بھی برداشت کر رہے ہیں۔ بھائی! انسان کو اتنی ذلت بھی برداشت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ امریکہ نے

ان کے دماغ میں یہ وہم بھر دیا ہے کہ تمہیں عراق کھا جائے گا۔ اور میں تمہارا دفاع کروں گا۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے پہلے یہ وصیت فرمائی تھی **أَخْرِجُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ**۔ ”یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دینا۔“ بہر حال یہودی مسلمانوں کے بدترین دشمن ہیں۔

یہود کے بعد ”مشرک“ دشمن اسلام ہیں ﴿﴾

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا﴾ اور ان لوگوں کو جنہوں نے شرک کیا۔ مسلمانوں کی دشمنی میں سخت پاؤں گے۔ یہود کے بعد مشرک بھی مسلمانوں کے بدترین دشمن ہیں۔ چاہے مکے کے ہوں یا انڈیا کے ہوں۔ انڈیا کے مشرکوں کا تعصب دیکھو، باہری مسجد کو شہید کر کے وہاں مندر بنانا چاہتے ہیں اس کے علاوہ اور کئی مسجدوں کو شہید کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہاں ہمارے بڑوں کے مندر تھے۔

آگے فرمایا ﴿وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرًا﴾ اور البتہ آپ ضرور پائیں گے ان میں سے زیادہ قریب دوستی میں ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا﴾ ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا﴾ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا ﴿إِنَّا نَصْرِي﴾ بے شک ہم نصرانی ہیں۔ یاد رکھنا! یہ آیات عام نصاریٰ کے متعلق نہیں ہیں۔ بلکہ حبشہ کے ملک سے نصاریٰ کا ستر آدمیوں پر مشتمل ایک قافلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور وہ سارے مسلمان ہو گئے تھے۔ آگے آئے گا کہ انہوں نے جب قرآن سنا تو رونے لگ گئے تھے یہ ان کے متعلق ہیں۔ یہ بھی مسلمان ہو گئے تھے اور حبشہ کا بادشاہ جو کہ عیسائی تھا وہ بھی مسلمان ہو گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ذَلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ﴾ یہ اس لیے کہ بیشک ان میں سے ﴿قَبِيلِينَ﴾ عالم ہیں ﴿وَمُرْهَبَانًا﴾ اور پادری اور رویش ہیں ﴿وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ﴾ اور بے شک وہ تکبر نہیں کرتے۔ دوبارہ ذہن نشین کر لیں کہ ان آیات کا مصداق آج کے نصاریٰ کو نہ بنانا۔ باقی مزید تشریح اور وضاحت آگے آرہی ہے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)



﴿إِذَا سَمِعُوا﴾ اور جب انہوں نے سنا ﴿مَا أُنزِلَ﴾ اس چیز کو جو نازل کی گئی ﴿إِلَى الرَّسُولِ﴾ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ﴿تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) دیکھتے ہیں ان کی آنکھوں کو ﴿تَفِيضٌ مِنَ الدَّمْعِ﴾ کہ وہ آنسو بہا رہی ہیں ﴿وَمَنَاعَرِفُوا مِنَ الْحَقِّ﴾ اس لیے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے ﴿يَقُولُونَ﴾ اور وہ کہتے ہیں ﴿رَبَّنَا آمَنَّا﴾ اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے ﴿فَاكْتَسَبْنَا مَعَ الشَّجِينِ﴾ پس تو لکھ دے ہمیں حق کے گواہوں میں سے ﴿وَمَا لَنَا﴾ اور ہمیں کیا ہے ﴿لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ﴾ کہ ہم ایمان نہ لائیں اللہ تعالیٰ پر ﴿وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ﴾ اور اس چیز پر جو ہمارے پاس آئی ہے حق سے ﴿وَنظْمٌ﴾ اور ہم امید رکھتے ہیں ﴿أَنْ يُّنْزِلَ عَلَيْنَا﴾ کہ ہمیں داخل کرے گا ﴿رَبَّنَا﴾ ہمارا رب ﴿مَعَ الْقَوِيَّةِ الصَّالِحِينَ﴾ نیک قوم کے ساتھ ﴿فَاثَابَهُمُ اللَّهُ﴾ پس بدلہ دیا ان کو اللہ تعالیٰ نے ﴿بِمَا قَالُوا﴾ اس کا جو انہوں نے کہا ﴿جَنَّتْ﴾ باغوں کا ﴿تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں ﴿خُلْدٍ يَنْفِيهَا﴾ ہمیشہ ان میں رہیں گے ﴿وَذَلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ﴾ اور یہی ہے بدلہ نیکی کرنے والوں کا ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا﴾ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ﴿وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا﴾ اور انہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ﴿أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾ وہی لوگ جہنم والے ہیں ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَحْزَنُوا﴾ حزن نہ کرو اور نہ تم تجاوز کرو ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ محبت نہیں کرتا تجاوز کرنے والوں سے ﴿وَكُلُوا﴾ اور کھاؤ ﴿وَسَارُوا﴾ اس چیز سے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں رزق دیا ہے ﴿حَلَالًا طَيِّبًا﴾ حلال پاکیزہ ﴿وَأَثِقُوا اللَّهَ﴾ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے ﴿الَّذِي﴾ وہ ذات ﴿أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ﴾ کہ جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

مسلمانوں پر ظلم و ستم کا دوراؤل اور ہجرت حبشہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب نبوت عطا کی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ شروع کی اور لوگ مسلمان ہونا شروع ہوئے تو کافروں نے ان پر ظلم کے پہاڑ ڈھائے اور کمزور اور غلام صحابہ کرامؓ پر طرح طرح کے ظلم کیے۔ حضرت یاسر، حضرت سید، حضرت حارث بن ابی ہالہؓ کو شہید کروایا۔ بعض کوشنوں سے رسیاں باندھ کر گلیوں میں کھینا گیا۔ بعض کو انکاروں پر لٹایا گیا۔ بعض کی جھاتیوں پر چڑھ کر کھڑے ہو جاتے اور کہتے کہ کلمہ چھوڑ دو مگر وہ راسخ العقیدہ مسلمان تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو استقامت عطا فرمائی اور وہ ایمان پر قائم رہے۔ کافروں کے مظالم جب حد سے بڑھ گئے تو مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ

جشہ کی طرف ہجرت کر جائیں کہ شاہ جشہ جن کا نام اصمہ اور نجاشی لقب تھا بہت اچھا آدمی ہے۔ اور وہاں کے لوگ بھی بہت اچھے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی معلوم ہوا کہ نجاشی اور اس کی رعایا اچھے لوگ ہیں۔ حالات کا جائزہ لینے کے لیے کہ واقعی اچھے لوگ ہیں کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جشہ تشریف لے گئے۔ معلوم ہوا کہ واقعی اچھے لوگ ہیں اور عیسائی مذہب رکھتے ہیں۔

مشرکین مکہ کا تعاقب کرنا

چنانچہ مظلوم مسلمانوں کا قافلہ جو چوہتر/ ۷۳ افراد پر مشتمل تھا مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے جشہ پہنچ گیا۔ اس قافلے میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی تھیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کی اہلیہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ بھی اس قافلہ میں شامل تھے۔ جب مشرکین کو علم ہوا کہ یہ شکار ہمارے ہاتھوں سے نکل گیا ہے تو انھوں نے تعاقب کرنے کا پروگرام بنایا۔ اور ایک وفد جس میں عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص شامل تھے اور یہ دونوں حضرات گفتگو کے بڑے ماہر اور دوسروں کو قائل کرنے میں بڑا تجربہ رکھتے تھے۔ بعد میں دونوں رضی اللہ عنہم ہو گئے اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فاتح مصر بنے۔

نجاشی اور فریقین کا مکالمہ

چنانچہ یہ لوگ شاہ نجاشی کے پاس پہنچے تو اس کو کہا کہ ہمارے کچھ غلام بھاگ کر تمہارے پاس آئے ہیں۔ ان کو ہمارے حوالے کرو۔ نجاشی نے ان کی گفتگو سننے کے بعد کہا کہ میں صرف تمہاری بات پر یقین کر کے فیصلہ نہیں کر سکتا۔ جب تک ان حضرات سے پوچھ گچھ نہ کر لوں کہ ان کا موقف کیا ہے؟ کیونکہ اگر محض دعوے پر فیصلہ کر دیا جائے فریق ثانی کی گفتگو سے بغیر تو دنیا تباہ ہو جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب تک فریقین کی بات نہ سن لو کوئی فیصلہ نہ کرو۔ مشرک کہنے لگے کہ ہم بالکل سچے ہیں کہ یہ ہمارے غلام ہیں اور بھاگ کر آئے ہیں۔ نجاشی نے کہا کہ میں ان کا موقف سے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور نجاشی

چنانچہ ان حضرات کو بلایا گیا اور ان سے کہا کہ یہ لوگ مکہ مکرمہ سے آئے ہیں اور یہ ان کا موقف ہے کہ تم ان کے غلام ہو اور وہاں سے بھاگ کر یہاں آئے ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو متکلم بنایا کہ تمہیں گفتگو کرنا ہے۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم کس طرح ان کے غلام ہیں؟ یہ بھی قریشی ہیں اور میں بھی قریشی ہوں۔ بلکہ میں نسب میں ان سے اونچا ہوں۔ ہاں! ہمارے ساتھ کچھ غلام بھی ہیں۔ مگر ان کا ان کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ جب اس طرح بات نہ بنی تو مرد بن العاص نے گفتگو کا رخ بدلا اور کہا کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخالف ہیں؟

عیسائی پادریوں کی حلت و حرمت میں ہرزہ سرانی

نجاشی نے کہا کہ تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہو۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کے بارے میں ہمارا نظریہ وہی ہے جو ہمیں ہمارے پیغمبر نے سکھایا ہے۔ وہ یہ ﴿ہے اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ﴾ ”نہیں ہیں عیسیٰ (علیہ السلام) مگر ایک بندہ جس پر ہم نے انعام کیا ﴿وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِّبَنِي اِسْرَائِيْلَ﴾ [زخرف : ۵۹] اور بنایا ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لیے نمونہ۔ ”مشرک کہنے لگے دیکھو جی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بندہ کہہ کر ان کی توہین کر دی ہے۔ حضرت نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا کہ اس نے اس کی نوک کے برابر بھی توہین نہیں کی وہ واقعی بندے تھے۔ مشرکین کا یہ وفد (بے نیل و مرام) واپس آ گیا اور مسلمان وہیں رہے۔ مسلمانوں کے اخلاق سے متاثر ہو کر حبشہ کے کئی عیسائی مسلمان ہو گئے اور شاہ حبشہ نجاشی بھی مسلمان ہو گیا۔ اوپر بھی انہی کا ذکر تھا اور درج ذیل آیات میں بھی انہی کا ذکر ہے۔

فرمایا ﴿اِذَا سَمِعْتُمْ اَنَّكُمْ﴾ اور جب انہوں نے سنا ﴿مَا اَنْزَلَ اِلَى الرَّسُوْلِ﴾ اس چیز کو جو نازل کی گئی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔ ﴿تَرٰى اَعْيُنَكُمْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) دیکھتے ہیں ان کی آنکھوں کو ﴿تَفِيْضٌ مِّنَ الذَّمِّ﴾ کہ وہ آنسو بہا رہی ہیں۔ (کیوں آنسو بہا رہی ہیں؟) ﴿وَمِنَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ﴾ اس لیے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے ﴿يَقُوْلُوْنَ﴾ اور وہ کہتے ہیں ﴿رَبَّنَا اٰمَنَّا﴾ اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے ﴿فَاَكْتُمْنَا عَمَّ الشُّهَدٰىنِ﴾ پس تو لکھ دے ہمیں حق کے گواہوں میں سے۔ ہم حق کی گواہی دیتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں اور قرآن کریم تیری سچی کتاب ہے اور دین اسلام سچا مذہب ہے۔ پھر کہا انہوں نے ﴿وَمَالِنَا﴾ اور ہمیں کیا ہے؟ ﴿لَا نُوْمِنُ بِاللّٰهِ﴾ کہ ہم ایمان نہ لائیں اللہ تعالیٰ پر ﴿وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ﴾ اور اس چیز پر جو ہمارے پاس آئی ہے حق سے ﴿وَنظَنُّكَ﴾ اور ہم امید رکھتے ہیں ﴿اَنْ يُّنْزِلَنَا رَبَّنَا﴾ کہ ہمیں داخل کرے گا ہمارا رب ﴿مَعَ الْقَوْمِ الرَّاشِدِيْنَ﴾ نیک قوم کے ساتھ (جنت میں)۔ ان آیات کے مصداق وہ عیسائی ہیں جو حبشہ سے آ کر مسلمان ہوئے تھے سارے عیسائی ان آیتوں کے مصداق نہیں ہیں۔ انگریز کے دور میں بعض مولوی اور پیر جو انگریز کے پٹھو اور وظیفہ خوار تھے۔ ان آیات کو انگریزوں سے چسپاں کرتے تھے کہ یہ ہمارے دوست ہیں۔ علمائے حق ان کو جواب دیتے تھے کہ بھائی اگلی آیات بھی تو پڑھو کہ انہوں نے کہا ﴿رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاَكْتُمْنَا عَمَّ الشُّهَدٰىنِ﴾ ”اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے پس تو لکھ دے ہمیں حق کے گواہوں میں سے۔“ تو کیا انگریز ایمان لایا ہے اور قرآن کو سننے کے بعد اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں تو انگریز ان آیتوں کا مصداق کس طرح بن گیا؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاَقَابْتُمْ اللّٰهَ﴾ پس بدلہ دیا ان کو اللہ تعالیٰ نے ﴿بِمَا قَالُوْا﴾ اس کا جو انہوں نے کہا ﴿جَنَّتِ النَّجْرٰى مِّنْ عَمْرٍوَا لَآئِهْمُ﴾ بانگوں کا جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں ﴿خُلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ ہمیشہ ان میں رہیں گے ﴿وَذٰلِكَ جَزَاؤُ الْمُتَعَسِبِيْنَ﴾ اور یہی ہے بدلہ نیک کرنے والوں کا (اور برخلاف اس کے) ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ﴿وَكَلِمٰتٍ اٰلِيْتِنَا﴾ اور انہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ﴿اُوْتِيْكَ اَصْحٰبُ الْجَعْنِمِ﴾ وہی لوگ جہنم والے ہیں۔ بھینٹے مارنے وان آگ کو کہتے ہیں۔ مراد دوزخ ہے کہ یہ لوگ دوزخ میں ہوں گے۔ عیسائیوں میں معتدل بھی تھے اور غالی بھی تھے۔ جو غالی تھے انہوں نے بعض حلال چیزوں کو اپنے لیے حرام کر لیا تھا۔ مثلاً ان کے پادریوں نے کہا کہ گوشت، انڈا، مچھلی ہمارے لیے

حرام ہے۔ کیوں کہ ان کے کھانے سے جسم میں خواہشات پیدا ہوتی ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے درست سمت کی طرف راہنمائی فرمائی ہے کہ مسلمانو! تم اس طرح نہ کرنا۔

ارشادِ ربانی ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَحْزَمُوا ظِلْمًا مَّا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ﴾ نہ حرام ٹھہراؤ وہ پاکیزہ چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال قرار دی ہیں ﴿وَلَا تَعْتَدُوا﴾ اور نہ تم تجاوز کرو۔ کہ حلال کو حرام بناؤ اور حرام کو حلال قرار دو۔ پاکیزہ چیزیں اللہ تعالیٰ کا انعام ہیں ان کو کھاؤ، پیو۔

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ محبت نہیں کرتا تجاوز کرنے والوں سے۔ لہذا گوشت کھاؤ، دودھ پیو، انڈے کھاؤ اور عیسائیوں سے مش بہت اختیار نہ کرنا۔

فرمایا ﴿وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ﴾ اور کھاؤ اس چیز سے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں رزق عطا فرمایا ہے۔ مگر کھانے کے لیے دو شرطیں ہیں۔ ﴿حَلَالًا طَيِّبًا﴾ حلال پاکیزہ۔ یہ پہلی شرط ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو حلال فرمایا ہے اور کھانے کی اجازت دی ہے اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ طیب ہو۔ طیب اسے کہتے ہیں کہ اس میں دوسرے کا حق شامل نہ ہو۔ مثلاً: مرغ حلال ہے مگر کسی سے چھین کر یا چوری کر کے لائے تو طیب نہیں ہے۔ اسی طرح گندم، چاول وغیرہ حلال ہیں۔ مگر چوری ڈکیتی کے ہوں گے تو طیب نہیں ہوں گے یا یہ چیزیں دھوکا دہی سے حاصل کی جائیں یا کسی بھی ناجائز طریقے سے حاصل کی جائیں تو طیب نہیں ہوں گی۔ لہذا ان کا کھانا حلال نہ ہوگا۔

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے ﴿الذی بچ﴾ وہ ذات ﴿أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ﴾ کہ جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔ لہذا اس کے احکام کی بھی تعمیل کرو۔



﴿لَا يَأْخُذُكُمْ اللَّهُ﴾ نہیں پکڑے گا تمہیں اللہ تعالیٰ ﴿بِالَّذِي كَفَرْتُمْ﴾ بے ہودہ قسموں کے بارے میں ﴿وَلَكِنْ يَأْخُذُكُمْ﴾ اور لیکن پکڑے گا تمہیں ﴿بِمَا كَفَرْتُمْ﴾ ان قسموں کے بارے میں ﴿عَقْدْتُمْ الْاِيْمَانَ﴾ کہ تم نے گمراہی لگائی ہے قسموں پر ﴿فَكَفَّارَتُهُ﴾ پس اس کا کفارہ ﴿اِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ﴾ کھانا کھلانا ہے دس مسکینوں کو ﴿مِنْ اَوْسَطِ مَا تَطْعَمُونَ اٰهْلِيكُمْ﴾ درمیانے درجے کا جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو ﴿اَوْ كِسْفٌ مِّنْ يَّادِ مَسْكِينٍ﴾ کپڑا پہنانا ﴿اَوْ خَرِيرٌ رَّقِيْبَةٍ﴾ یا گردن یعنی غلام آزاد کرنا ہے ﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ﴾ پس جو شخص ان میں سے کوئی چیز نہ پائے ﴿فَصِيَامٌ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ﴾ تو تین دن کے روزے ہیں ﴿ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اِيْمَانِكُمْ﴾ یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا ﴿اِذَا حَفَلْتُمْ﴾ جب تم قسم اٹھا بیٹھو ﴿وَاحْفَظُوا اِيْمَانَكُمْ﴾ اور محفوظ رکھو اپنی قسموں کو ﴿كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيَاتِهِ﴾ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ تاکہ تم شکر ادا کرو۔

قسم (قسم) حلف کے متعلق شرعی اصول

انسان چھوٹا ہو یا بڑا اس کو زندگی میں ضرورت کے تحت بسا اوقات قسم بھی اٹھانا پڑتی ہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو تین مرتبہ قسمیں اٹھائی ہیں چنانچہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خانگی حالات کی درستی کے لیے قسم اٹھائی کہ میں شہد نہیں کھاؤں گا وجہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ایک بیوی کے پاس بیٹھ کر شہد کھاتے تھے جو دوسری بیویوں کو ناگوار گزرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کے توڑنے کا حکم فرمایا۔

حلف کی اقسام اور احکام

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّمَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ﴾ "اے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کیوں حرام قرار دیتے ہیں اس چیز کو جو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال ٹھہرائی ہے۔ ﴿تَتَّبِعْنَ مَرْضَاتِ أَزْوَاجِك﴾ کیا آپ اپنی بیویوں کی خوش نودی چاہتے ہیں ﴿وَاللَّهُ عَفْوٌ ذَرِيعٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ ﴿قَدْ قَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے تمہارے لیے توڑ دینا تمہاری قسموں کا۔"

بہر حال زندگی میں قسم کی ضرورت پیش آتی ہے۔ قسم کے متعلق شرعی اصول یہ ہے کہ قسم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی اٹھانا جائز ہے۔ مثلاً: قسم اٹھانے کے لیے یوں کہے کہ "مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات کی قسم ہے"۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے علاوہ کسی اور کی قسم اٹھانا جائز نہیں ہے۔ مثلاً: کوئی کہتا ہے کہ مجھے رسول کی قسم ہے یا مجھے کعبہ کی قسم ہے۔ یا کہے مجھے پیر کی قسم ہے یا میں دودھ اور بیٹے کی قسم اٹھاتا ہوں یہ سب قسمیں حرام ہیں اور ان کا کفارہ بھی نہیں ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے: ((مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ أَشْرَكَ بِاللَّهِ)) "جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی اس نے شرک کیا۔" بلکہ ایک حدیث میں آتا ہے: ((مَنْ قَالَ بِأَلَايَةِ وَالْعُزَىٰ فَلْيَقُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ)) "جس شخص نے کہا مجھے لات و عزیٰ کی قسم ہے وہ فوراً کلمہ پڑھے کہ غیر اللہ کی قسم اٹھانے سے اسلام سے خارج ہو گیا۔"

اب سوال یہ ہے کہ آدمی قرآن کریم کی قسم اٹھا سکتا ہے یا نہیں؟ مثلاً: کوئی آدمی کہے کہ مجھے قرآن کریم کی قسم ہے تو آیا یہ قسم ہوگی یا نہیں؟ تو فقہائے کرام رحمہم اللہ کا اس میں اختلاف ہے مگر محققین حضرات فرماتے ہیں کہ قرآن کریم چونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ لہذا اگر کسی شخص نے قرآن کریم کی قسم اٹھائی تو وہ قسم ہو جائے گی۔ پھر قسم کی تین قسمیں ہیں:

① لغو ② غموس اور ③ مُعَقَّدَةٌ

① "لغو" وہ قسم ہے جو غیر اختیاری طور پر بغیر ارادے کے منہ سے نکل جائے جس طرح عام آدمیوں کی عادت ہے۔ بات، بات پر قسم اٹھاتے رہتے ہیں۔ قسم لغوی ایک اور صورت بھی بیان فرماتے ہیں کہ گزشتہ کسی معاملہ پر قسم اٹھانے کے وہ کام کیا ہو اور کہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہے میں نے وہ کام نہیں کیا یا نہ کیا ہو اور کہے کہ میں نے کیا ہے۔ لیکن قسم اٹھاتے وقت

یاد نہیں ہے تو یہ بھی لغو ہے۔ یمین لغو کی دونوں قسموں کا کفارہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ﴾ نہیں پکڑے گا تمہیں اللہ تعالیٰ ﴿بِاللَّغْوِ آيَاتِكُمْ﴾ بے ہودہ قسموں کے بارے میں۔

④..... اور دوسری قسم ہے ”غُمُوس“ کہ گزشتہ کسی چیز کے بارے میں دیدہ دانستہ قسم اٹھاتا ہے کہ میں نے وہ کام نہیں کیا حالانکہ کیا ہے۔ یا کہتا ہے کہ میں نے وہ کام کیا ہے حالانکہ نہیں کیا۔ اس میں کفارہ نہیں ہے۔ مگر قسم اٹھانے والا گتہ کار ہوتا ہے۔ آخرت میں مواخذہ ہوگا کہ رب تعالیٰ اس کو دوزخ کی آگ میں غوطہ دے گا۔ کیونکہ غمُوس کے معنی غوطے کے ہیں۔ رہی یہ بات کہ کتنی دفعہ غوطہ دے گا؟ تو وہ رب تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنے غوطے دے گا۔

⑤... تیسری قسم ہے ”مُنْعَقِدَةٌ“ وہ یہ ہے کہ مستقبل میں کسی چیز کے متعلق قسم اٹھائے کہ میں وہ کام کروں گا یا نہیں کروں گا۔ مثلاً: یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہے میں فلاں کام کروں گا۔ یا یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہے میں فلاں کام نہیں کروں گا۔ پھر کسی کام کے کرنے کے متعلق قسم اٹھائی اور نہیں کر سکا یا نہ کرنے کے متعلق قسم اٹھائی اور کر لیا تو اس کا کفارہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ﴾ اور لیکن پکڑے گا تمہیں ﴿بِمَا عَقَدْتُمْ مِنَ الْآيَاتِ﴾ ان قسموں کے بارے میں کہ تم نے گرہ لگائی ہے قسموں پر۔ کہ تم نے قصداً وہ قسم اٹھائی ہے کہ یہ کام کروں گا یا نہیں کروں گا پھر نہ کر سکا یا کر لیا۔ ﴿فَكَفَّارَتُهُ﴾ پس اس کا کفارہ ﴿إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ﴾ کھانا کھلانا ہے دس مسکینوں کو۔

مسکین کی تعریف

مسکین اسے کہتے ہیں کہ جس کے پاس نصاب کے برابر رقم نہ ہو۔ یا سامان تجارت نہ ہو کہ جس کی مالیت نصاب کے برابر ہو۔ یا گھر میں ضرورت سے زیادہ اتنا سامان نہ ہو کہ جس کی مالیت نصاب کے برابر ہو۔ ضرورت سے زیادہ سامان وہ ہے جو کبھی کبھار استعمال میں آتا ہے مہمانوں کے آنے پر۔

مسکین کے لیے شرائط

مثلاً: پانگ ہیں، بسترے ہیں، برتن ہیں جو عموماً استعمال میں نہیں آتے صرف دوست احباب، مہمانوں کے آنے پر استعمال ہوتے ہیں۔ یہ ضرورت سے زیادہ سامان شمار ہوتا ہے۔ یہ اتنی مالیت کا نہ ہو جو نصاب کو پہنچ جائے تو ایسا شخص مسکین ہے۔ نصاب ساڑھے باون تولے چاندی ہے جس کی مالیت آج کل تقریباً ساڑھے پانچ ہزار ہے۔ (بوقت درس۔ اب موجودہ مالیت کا اعتبار ہوگا۔) اور جس شخص کے پاس ضرورت سے زیادہ ساڑھے پانچ ہزار روپے ہیں یا ساڑھے باون تولے چاندی ہے یا کچھ سونا اور کچھ چاندی ہے کہ ان کی مالیت ساڑھے پانچ ہزار بن جاتی ہے۔ یا سامان تجارت ہے یہ گھر میں ضرورت سے زیادہ سامان ہے کہ اس کی مالیت ساڑھے پانچ ہزار بنتی ہے تو ایسا شخص ”مسکین“ نہیں ہے۔ وہ زکوٰۃ، عشر، فطرانہ، قربانی کی کھال، نذر منت، قسم کے کفارے کی رقم نہیں لے سکتا۔ بلکہ اس پر قربانی کرنا اور فطرانہ دینا واجب ہے، چاہے مرد ہے یا عورت ہے؟ بعض لوگ

بیوہ خورتوں کو محض بیوہ سمجھ کر زکوٰۃ، عشر، فطرانہ اور چرمہائے قربانی کی رقم دے دیتے ہیں حالانکہ بعض بیواؤں کے پاس اتنا مال اور سامان ہوتا ہے کہ جس کی مالیت ساڑھے باون تولے چاندی سے زائد ہوتی ہے۔ ایسی بیوہ کو جس نے زکوٰۃ، عشر، فطرانہ کی رقم یا چرمہائے قربانی کی رقم دی تو فرض ادا نہ ہوگا بلکہ ذمہ میں اسی طرح واجب رہے گا تو ایک شرط تو یہ ہے کہ وہ مسکین ہو۔

اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ ”مسکین“ مسلمان ہو کافر نہ ہو کیونکہ کافر کو کفارے کی رقم نہیں لگتی۔ نہ زکوٰۃ و عشر وغیرہ کی رقم لگتی ہے۔ اور کافروہ ہے جسے شریعت کافر کہے صرف عوام کی اصطلاح والا کافر نہیں ہے۔ شریعت کی زبان میں مرزائی کافر ہے، مشرک کافر ہے، شیعہ کافر ہے۔ منکر حدیث کافر ہے، بہائی کافر ہے، بابی کافر ہے، ذکری کافر ہے اور کئی فرقے ہیں جو کافر ہیں۔

اور تیسری شرط یہ ہے کہ مسکین سادات میں سے نہ ہو۔ پانچ بزرگوں کی اولاد کو شریعت ”سید“ کہتی ہے وہ پانچ بزرگ یہ ہیں: (۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ (۲) حضرت عباس (۳) حضرت جعفر طیار (۴) حضرت عقیل (۵) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حارث۔

حضرت حارث خود تو مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر ان کی اولاد مسلمان تھی۔ ان کی اولاد کو زکوٰۃ، عشر، فطرانہ، چرمہائے قربانی، نذر منت اور قسم کے کفارہ کی رقم نہیں لگتی۔ اور جن دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے ان میں سے کوئی بوڑھا نہ ہو کہ کھاپی نہ سکے نہ بچہ ہو اور دو وقت کا کھانا کھلانا ہے صبح شام یا آج صبح اور کل صبح یا آج شام اور کل شام۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ کھانا کیسا ہو تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مِنْ أَدْسِطًا مَا تَطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ﴾ درمیانے درجے کا جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو۔ نہ اچار، چٹنی اور لسی کے ساتھ اور نہ اعلیٰ قسم کا کھانا مرغ پلاؤ وغیرہ۔ ﴿أَوْ يَسْؤُوهُمْ﴾ یا دس مسکینوں کو کپڑا پہنانا ہے۔ لباس دینا ہے کہ جس میں نماز درست ہو جائے گریہ شلوار یا تہہ بند اور ٹوپی البتہ جو اس میں شامل نہیں ہے۔ ﴿أَوْ تُعْرِضُوهُمْ﴾ یا گردن یعنی غلام آزاد کرنا ہے۔ نزول قرآن کریم کے وقت غلام اور لونڈیاں موجود تھیں۔ لونڈی بھی آزاد کر سکتا ہے اور غلام بھی۔ جو شخص ان تین چیزوں میں سے کسی ایک پر قادر ہے وہ روزے نہیں رکھ سکتا۔ اور جو قادر نہیں ہے اس کے لیے فرمایا ﴿فَمَنْ لَمْ يَجِدْ﴾ بس جو شخص ان میں سے کوئی چیز نہ پائے ﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ آتَاوْهُ﴾ تو تین دن کے روزے ہیں۔ اور یہ روزے مسلسل رکھتے ہیں۔ ایسا نہیں کر سکتا کہ ایک آج رکھ لے اور دوسرا دو دن کے بعد اور تیسرا چار دن کے بعد۔ بلکہ لگاتار رکھتے ہیں اور اگر روزے رکھنے کے دوران مسکینوں کو کھانا کھلانے یا لباس پہنانے کی قدرت حاصل ہوگئی۔ مثلاً: ایک روزہ یا دو روزے رکھے تھے کہ وراثت میں رقم مل گئی یا کسی نے ہدیے کے طور پر رقم دے دی کہ یہ مسکینوں کو کھانا کھلانے پر قادر ہو گیا تو صاحب روح العالی علامہ آلوسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ تیسرا روزہ نہیں رکھ سکتا۔ اب دس مسکینوں کو کھانا کھلانا پڑے گا۔ کیونکہ ابھی وقت باقی ہے اور وہ کھانا کھلانے پر قادر ہو گیا ہے اور ایک یا دو روزے جو اس نے رکھے ہیں ان کا اسے الگ ثواب ملے گا۔

دو قسمیں جن کا توڑنا واجب ہے

﴿ذٰلِكَ كَفٰرَةٌ اٰیٰتِنَا لَكُمْ﴾ یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا ﴿اِذَا حَلَقْتُمْ﴾ جب تم قسمیں اٹھا بیٹھو۔ ﴿وَاحْفَظُوْا اٰیٰتِنَا لَكُمْ﴾ اور محفوظ رکھو اپنی قسموں کو۔ اگر قسمیں ایسی ہیں کہ ان کا توڑ دینا ضروری نہیں ہے کیونکہ قسم اگر ناجائز کام کے لیے اٹھائی ہے تو اس کا توڑ دینا ضروری ہے۔ مثلاً: کوئی شخص قسم اٹھائے کہ میں والدہ یا والد کے ساتھ نہیں بولوں گا یا بھائی کے ساتھ نہیں بولوں گا یا کسی عزیز رشتہ دار کے متعلق کہتا ہے کہ میں اس کے ساتھ نہیں بولوں گا تو ایسی قسم کا توڑنا واجب ہے کیونکہ قطع رحمی حرام ہے۔ یا کوئی شخص قسم اٹھائے کہ میں جو اکیلوں گا یا شراب پیوں گا اور بہانے بنائے کہ میں مجبور ہوں ان کاموں کے کرنے پر کیونکہ قسم اٹھا بیٹھا ہوں تو بہانہ غلط ہے۔ کیونکہ ایسی قسم کا توڑنا واجب ہے اور کفارہ دینا پڑے گا۔

﴿كَذٰلِكَ يَبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهِۦ﴾ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ تاکہ تم شکر ادا کرو۔ زندگی کے ہر شعبے کے لیے شریعت نے احکام بیان فرمائے ہیں تاکہ تم مہذب بنو۔



﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿اٰتِنَا﴾ پختہ بات ہے ﴿الْحَمْرُ﴾ شراب ﴿وَالْبَيْرُ﴾ اور جوا ﴿وَالْاَنْصَابُ﴾ اور بت ﴿وَالْاَزْلَامُ﴾ اور تقسیم کے تیر ﴿مِرْجَسٌ﴾ گندگی ہے ﴿وَمِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ﴾ شیطان کے کام ہیں ﴿فَاجْتَنِبُوْهُ﴾ پس بچو تم اس سے ﴿لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُوْنَ﴾ تاکہ تم فلاح پاؤ ﴿اِنَّ اِيۡتٰى بِرِيۡدِ الشَّيْطٰنِ﴾ پختہ بات ہے ارادہ کرتا ہے شیطان ﴿اَنْ يُۡوَفِّرَ بَيْنَكُمْ﴾ اس بات کا کہ ڈالے تمہارے درمیان ﴿الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ﴾ دشمنی اور بغض (اور کینہ) ﴿فِي الْحَمْرِ وَالْبَيْرِ﴾ شراب اور جوئے کی وجہ سے ﴿وَيُضِلُّكُمْ﴾ اور تاکہ تمہیں روکے ﴿عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ﴿وَعَنِ الصَّلٰوةِ﴾ اور نماز سے ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنتَهَوْنَ﴾ پس کیا تم باز آؤ گے ﴿وَاطِيعُوْا اللّٰهَ﴾ اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی ﴿وَاطِيعُوْا الرَّسُوْلَ﴾ اور اطاعت کرو رسول کی ﴿وَاحْذَرُوْا﴾ اور بچو تم ان کی مخالفت سے ﴿فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ﴾ پس اگر تم اعراض کرو گے ﴿فَاعَلِمُوْا﴾ پس تم جان لو ﴿اِنَّ اٰتِنَا﴾ پختہ بات ہے ﴿عَلِ رَسُوْلِنَا الْبَلٰغِ الْمُبِيۡنِ﴾ ہمارے رسول کے ذمہ ہے پہنچا دینا کھول کر ﴿لَيْسَ عَلٰی الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ نہیں ہے ان لوگوں پر جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور عمل کیے اچھے ﴿جَنَاحٌ﴾ کوئی گناہ ﴿وَفِيۡمَا﴾ اس چیز میں ﴿طَعِبُوْا﴾ جو انہوں نے کھایا ﴿اِذَا مَا اتَّقَوْا وَاٰمَنُوْا﴾ جب کہ وہ ڈرتے رہیں اور ایمان پز قائم رہیں ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور نیک عمل کرتے رہیں ﴿لَكُمْ اتَّقُوا﴾ پھر وہ تقویٰ اختیار کریں ﴿وَاٰمَنُوْا﴾ اور ایمان پز قائم رہیں ﴿لَكُمْ اتَّقُوا﴾ پھر وہ پرہیزگاری اختیار کریں ﴿وَاَحْسَبُوْا﴾ اور نیکی کریں ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيۡنَ﴾ اور

اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے نیکی کرنے والوں کے ساتھ۔

بیان ربط آیات و مضمون

اس سے پہلی آیت کریمہ میں قسم کے احکام تھے۔ اور آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے شراب اور جو ابیان کیا ہے اور دیگر احکام بیان فرمائے ہیں۔ دنیا کے ہر ملک میں آج بھی شراب بنانے والے اور پینے والے موجود ہیں اور نزول قرآن کے وقت بھی بنانے اور پینے والے موجود تھے۔ بلکہ بہت رواج تھا مگر جن حضرات کا مزاج فطرت سلیمہ پر تھا انہوں نے اس زمانے میں بھی نہیں پی۔ جس کو دور جاہلیت کہا جاتا ہے۔

شراب کی حلت کا زمانہ اور برگزیدہ شخصیات کی پرہیزگاری

آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک پر نبوت سے پہلے بھی شراب کا ایک قطرہ تک نہیں آیا۔ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عثمان غنی نے زمانہ کفر میں بھی کبھی شراب نہیں پی تھی باوجود مال دار اور غنی ہونے کے۔ ان کے علاوہ اور بہت سارے بزرگ تھے جنہوں نے شراب کبھی نہیں پی تھی۔ ابتدائے اسلام میں شراب حرام نہیں تھی بعد میں اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام قرار دے دیا۔

شراب کی حرمت کا نزول

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ﴾ پختہ بات ہے شراب۔ جو چیزیں قطعی طور پر حرام ہیں ان میں سے ایک شراب ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص شراب بنانے کے ارادے سے پھلوں کا جوس نکالتا ہے اس پر لعنت ہے جو شراب بناتا ہے اس پر لعنت جو اٹھا کر لے جاتا ہے اس پر لعنت ہے جو پیتا ہے اس پر لعنت۔ جو خریدتا ہے اس پر لعنت جو پیتا ہے اس پر لعنت جو پلاتا ہے اس پر لعنت۔ گویا کہ اول سے لے کر آخر تک شراب کی مد میں جتنے شریک ہیں سب کے سب ملعون ہیں۔ شراب کو حلال سمجھنے والا کافر ہے اور حرام سمجھ کر پینے والا گنہگار ہے۔ اور یہ گناہ کبیرہ ہے۔

فرمایا ﴿ذَاتِ الْبُيُوتِ﴾ اور جو۔ بڑے گناہوں میں سے ایک جو ابھی ہے جس کی بہت ساری قسمیں ہیں۔ جن کو جواری ہی جانتے ہیں ہم اس سیدھے سادھے مفہوم کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ بہر حال جو شکل بھی ہو حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو محفوظ فرمائے۔

انصاب کی تشریح

﴿ذَوِ الْأَنْصَابِ﴾ اور بت۔ انصاب نصاب کی جمع ہے جس کا معنی ہے "بت"۔ اس زمانے میں بھی لوگ جان دار

چیزوں کے بت بناتے اور بیچتے تھے اور آج بھی کوئی کمی نہیں ہے۔ ہاتھی کا بت، گھوڑے کا بت، خرگوش وغیرہ کا بت، بلکہ بعض بے باک قسم کی عورتیں اپنے بچوں کے قیصوں پر کڑھائی کرتی ہیں اور اس میں کبوتر اور سور وغیرہ کی تصویر بناتی ہیں۔ یہ سب حرام ہیں۔ اور جس گھر میں جان دار کی تصویر سامنے نظر آئے اس گھر میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے جن کی ڈیوٹی ہوتی ہے کہ گھروں میں آتے ہیں اور رحمت کی دعائیں کرتے ہیں۔ لیکن خدا کی پناہ! آج تو ہمارے گھر شوقیہ طور پر بت خانے بنے ہوئے ہیں کسی نے اپنی تصویر، کسی نے باپ کی، کسی نے دادا کی اور کسی نے سیاسی لیڈر کی تصویر لٹکائی ہوئی ہے۔ سارا ماحول ہی گندا ہو گیا ہے۔ اخبارات دیکھو تو وہ تصویروں سے بھرے ہوئے ہیں۔ جو چیز خریدو اس پر تصویر ہے۔ صابن، ماچس تک تصویر سے خالی نہیں ہیں۔ افسوس کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان قوم کو جس چیز سے منع فرمایا ہے یہ اسی کو اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اور باطل قوموں نے سارا ماحول ہی بدل دیا ہے اور مسلمان اسلامی احکام سے دور ہو گئے ہیں۔ دنیا میں اس وقت تقریباً چون [۵۴] اسلامی ملک ہیں۔ بشمول سعودیہ کے کسی بھی ملک میں مکمل اسلامی قانون نافذ نہیں ہے۔ سوائے طالبان کے علاقہ کے کہ وہاں اول سے لے کر آخر تک اسلامی قانون نافذ ہے۔ اور اس کی برکت سے وہاں امن و سکون ہے۔ اگر کوئی جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کو شریعت کے مطابق سزا دی جاتی ہے۔ قاتل کو قصاص میں قتل کیا جاتا ہے چور کے ہاتھ کاٹے جاتے ہیں۔ شادی شدہ زانی کو رجم کیا جاتا ہے۔ اور ناجائز قسم کے گانے وغیرہ ممنوع ہیں اللہ تعالیٰ کرے کہ ہمارا ملک پاکستان بھی اس جیسا ملک بن جائے۔

آزادہ کی تفسیر و توضیح

﴿وَإِذَا زُلْزِلَتْ﴾ اور تقسیم کے تیر۔ آزادہ جمع ہے زُلْزِلَتْ۔ زلم کے معنی ہیں لاٹھی، یہ بانڈ وغیرہ اسی مد میں آتے ہیں۔ یہ اسلام کی روح کے خلاف ہیں۔ زلم کی صورت یہ ہوتی تھی کہ کعبۃ اللہ میں ایک تھیلا رکھا ہوا تھا اس میں تیر تھے۔ کسی تیر پر لکھا ہوا تھا جس کا معنی ہے ”نہیں“۔ اور کسی پر نَعْتٌ لکھا ہوا تھا۔ جس کا معنی ہے ”ہاں“ اور کچھ تیر خالی ہوتے تھے جن پر کچھ نہیں لکھا ہوا تھا لوگ اس طرح کرتے تھے کہ انھوں نے جیب کوئی کام کرنا ہوتا تھا مثلاً: کہیں رشتہ کرنا ہے، سفر پر جانا ہے یا کوئی کاروبار شروع کرنا ہے۔ غرضیکہ کوئی بھی اہم کام کرنا ہوتا تو جا کر تیر نکلاتے۔ اس ارادے سے کہ میں یہ کام کروں یا نہ کروں۔ اگر وہ تیر نکلتا جس پر لکھا ہوتا نَعْتٌ تو وہ کام کرتا یہ سمجھتے ہوئے کہ بات سچی ہے اور اگر وہ تیر نکلتا جس پر لکھا ہوتا لَا تو وہ کام نہ کرتا یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ کام نہیں ہو سکتا۔ اگر سادہ تیر نکلتا تو دوسری تیسری بار نکالنے کا موقع دیا جاتا بالآخر کوئی تو نَعْتٌ یا لَا والا نکل ہی آتا۔ اور ایک صورت یہ بھی تھی کہ دس آدمی مل کر ایک اونٹ خریدتے سارے برابر، برابر رقم دیتے پھر کہتے کہ ہم تیروں سے پوچھتے ہیں کہ یہ اونٹ کس کی قسمت کا ہے؟

مثلاً: زید کی نیت کر کے ایک بچے کو کہتے کہ تیر نکال اگر نعم والا نکل آتا تو سارا اونٹ زید کا ہو جاتا باقی سارے محروم ہو جاتے اور اگر لَا والا نکل آتا تو یہ محروم ہو جاتا۔ پھر دوسرے کے نام کا تیر نکالتے۔

بھائی! سوال یہ ہے کہ ان چیزوں کے ساتھ تمہارے کاموں کا کیا تعلق ہے؟ اور فال نکالنے کا یہ طریقہ بھی ان میں رائج تھا کہ جب کوئی کسی کام کے لیے باہر جانے کا ارادہ کرتا گھر کے قریب کوئی درخت ہوتا اس پر پتھر مارتا۔ عموماً درختوں پر پرندے بیٹھے ہوتے ہیں۔ اگر وہ دائیں جانب اڑتے تو کہتا کہ میرا کام ہو جائے گا اگر وہ بائیں جانب اڑتے تو کہتا کہ میرا کام نہیں ہوگا اس کو "تَطَيُّرٌ" کہتے ہیں۔ یعنی پرند کے ذریعے فال نکالنا۔ بھائی! پرندوں کے اڑنے کے ساتھ تمہارے کام کا کیا تعلق ہے؟ جس طرح آج کل بعض جاہل کہتے ہیں کہ کو ابولا ہے کوئی مہمان آرہا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿بِجَسِّ﴾ گندگی ہے۔ یہ سب چیزیں حرام ہیں۔ ﴿بِقَبْلِ الشَّيْطَانِ﴾ شیطان کے کام سے ہیں ﴿بِمَا جَنَّبَكُمُ﴾ پس بچو تم اس سے ﴿لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ تاکہ تم فلاح پاؤ ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ﴾ بختہ بات ہے ارادہ کرتا ہے شیطان ﴿أَنْ يُؤْتِيَ بَيْنَكُمْ﴾ اس بات کا کہ ڈالے تمہارے درمیان ﴿الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ﴾ دشمنی اور بغض (اور کینہ) ﴿فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْمِرِ﴾ شراب اور جوئے کی وجہ سے۔

شراب سے منع کی حکمت ؟

شراب پینے کی وجہ سے ہوش و حواس گم ہو جاتے ہیں کسی کو گالی دے گا، کسی کے ساتھ لڑے گا اور یہ لڑائی بڑی لڑائی کی بنیاد بن جائے گی اور جو ہارنے والا جیتنے والے کی جان کے درپے ہو جاتا ہے۔ اور دشمنی چل پڑتی ہے۔

﴿وَيَضَعُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ﴾ اور تاکہ تمہیں رو کے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے۔ ظاہر بات ہے کہ شراب پینے کے بعد جب ہوش و حواس ہی قائم نہیں رہے تو اس نے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرنا ہے؟ اور جو شخص جوئے میں مشغول ہے اس کی توجہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف کب ہو سکتی ہے؟

﴿وَعَنِ الصَّلَاةِ﴾ اور نماز سے ﴿فَهَلْ أُنْتُمْ مُتَّقُونَ﴾ پس کیا تم باز آؤ گے۔ ان چیزوں کو چھوڑ دو گے، باز آ جاؤ گے؟ احادیث میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیت سنی تو کہا إِنَّهَ يَنْتَهِئُنَا يَا رَبُّ! اے ہمارے پروردگار! ہم باز آ گئے۔ ﴿فَهَلْ أُنْتُمْ مُتَّقُونَ﴾ میں دھمکی تھی کہ باز آتے ہو یا ہم کوئی اور تدبیر کریں۔ تو فرمایا کہ إِنَّهَ يَنْتَهِئُنَا يَا رَبُّ! اے ہمارے پروردگار! ہم باز آ گئے ان تمام چیزوں سے۔

﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ﴾ اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی ﴿وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ اور اطاعت کرو رسول اللہ ﷺ کی ﴿وَإِذَا خَرَبْتُمْ﴾ اور بچو تم ان (اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ) کی مخالفت سے ﴿فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ﴾ پس اگر تم اطاعت سے اعراض کرو گے ﴿فَاعْلَمُوا﴾ پس تم جان لو ﴿أَنَّكُمْ﴾ بختہ بات ہے ﴿فَلَسَوْنَا أُنَبِّئُكُمُ الْبُئِينِ﴾ ہمارے رسول کے ذمہ ہے پہنچا دینا کھول کر۔ منواتا اور تسلیم کرانا اس کے فریضہ میں شامل نہیں ہے۔ پیغمبر ﷺ کے ذمہ ہے کہ بات کو کھول کر بیان کر دے تاکہ سننے والے سن لیں اور سمجھنے والے سمجھ جائیں۔

شراب جب حرام ہوئی تو بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ خیال آیا کہ ہم جو پہلے پیتے رہے ہیں اس کا کیا بنے گا؟ یا ہمارے رشتہ دار عزیز جو پیتے رہے ہیں اور اب فوت ہو چکے ہیں ان کا کیا بنے گا؟ تو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿لَیْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ نہیں ہے ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور عمل کیے اچھے ﴿جَنَامٌ﴾ کوئی گناہ ﴿فَیْسَا﴾ اس چیز میں ﴿طَعْمًا﴾ جو انھوں نے کھایا۔ ہماری نبی سے پہلے۔ لیکن آئندہ کے لیے شرط یہ ہے کہ ﴿اِذَا مَا اتَّقَوْا وَاٰمَنُوْا﴾ جب کہ وہ ڈرتے رہیں اور ایمان پر قائم رہیں ﴿وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ اور نیک عمل کرتے رہیں ﴿ثُمَّ اتَّقَوْا﴾ پھر وہ تقویٰ اختیار کریں ﴿وَاٰمَنُوْا﴾ اور ایمان پر قائم رہیں ﴿ثُمَّ اتَّقَوْا وَاٰمَنُوْا﴾ پھر وہ پرہیزگاری اختیار کریں اور نیکی کریں۔

بار بار تقویٰ اور پرہیزگاری کا حکم اس لیے دیا ہے کہ شراب ایسی چیز ہے کہ چھٹی نہیں ہے منہ سے یہ ظالم لگی ہوئی۔ ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے نیکی کرنے والوں کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ سب کو گناہوں سے محفوظ رکھے اور نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)



﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لَیْسَ لَکُمْ اَللّٰهُ﴾ البتہ ضرور امتحان لے گا تمہارا اللہ تعالیٰ ﴿بَشْرًا﴾ کسی چیز کے ساتھ ﴿وَمِنَ الصَّیْدِ﴾ شکار میں سے ﴿تَتَّالٰہُ﴾ پہنچیں گے اس شکار کو ﴿اَیْدِیْکُمْ﴾ تمہارے ہاتھ ﴿وَبِمَا حُلْمْتُمْ﴾ اور تمہارے نیزے ﴿لَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ﴾ تاکہ ظاہر کر دے اللہ تعالیٰ ﴿مَنْ یَّخَافُہُ﴾ اس شخص کو جو ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ سے ﴿بِالْغَیْبِ﴾ بغیر دیکھے ﴿فَمَنْ اَعْتَدٰی﴾ پس وہ شخص جس نے تجاوز کیا ﴿بَعْدَ ذٰلِکَ﴾ اس کے بعد ﴿فَلَہٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ پس اس کے لیے ہے دردناک عذاب ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ﴾ نہ مارو تم شکار کو ﴿وَاَنْتُمْ حُرْمٌ﴾ اس حال میں کہ احرام میں ہو ﴿وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْکُمْ﴾ اور جو قتل کرے گا تم میں سے اس شکار کو ﴿مَتَعَبًا﴾ جان بوجھ کر ﴿فَجَزَآءٌ﴾ پس بدلہ ہے ﴿مِثْلُ مَا قَتَلَ﴾ اس کے مثل جو اس نے قتل کیا ہے ﴿مِنَ النَّعْمِ﴾ موشیوں میں سے ﴿یَخْلُمُہٗ﴾ فیصلہ کریں گے اس کے متعلق ﴿ذُوْا عَدٰلٍ مِنْکُمْ﴾ دو انصاف والے تم میں سے ﴿ہٰذِیْنِ﴾ وہ قربانی ہوگی ﴿بَلِیَغِ الْکُفْبَةِ﴾ کعبہ تک پہنچنے والی ﴿اَوْ کَفَّارۃً﴾ یا کفارہ ہے ﴿طَعَامٌ مَّسْکُوْنٌ﴾ مسکینوں کی خوراک ﴿اَوْ عَدْلٌ ذٰلِکَ﴾ یا اس کے برابر میں ﴿وَمَا مَّا﴾ روزے ﴿لَیْدُوْقِ﴾ تاکہ چکھے وہ شخص ﴿وَبَالَ اَمْرًا﴾ اپنے کام کا دباں ﴿عَقَابُ اللّٰهِ عَمَّا سَلَفَ﴾ معاف کر دیا اللہ تعالیٰ نے جو گزر چکا ﴿وَمَنْ عَادَ﴾ اور جو شخص (پھر) کرے گا ﴿فَیَسْتَقِمْ اللّٰهُ مِنْہُ﴾ تو اس سے اللہ تعالیٰ انتقام لے گا ﴿وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے ﴿ذُوْا اِنْتِقَامٍ﴾ انتقام لینے والا ہے۔

رابط آیات و مضمون

اس سے پہلی آیات میں محرمات ابدیہ کا ذکر تھا یعنی وہ چیزیں جو ہمیشہ کے لیے حرام ہیں۔ جیسے شراب وغیرہ اور آج کی آیات میں محرمات وقتیہ کا بیان ہے یعنی جو کچھ وقت کے لیے حرام ہیں ہمیشہ کے لیے حرام نہیں ہیں۔ مثلاً: جب کوئی آدمی حج اور عمرے کا احرام باندھ لے گا تو اس کے لیے سلاہوا کپڑا پہننا جائز نہیں ہے، کرتا، شلوار وغیرہ۔ سر نہیں ڈھانپ سکتا، نہ ٹوپی سے، نہ رومال سے، نہ پگڑی سے، نماز بھی ننگے سر پڑھے گا، سر کے بال نہیں کٹوا سکتا نہ منڈوا سکتا ہے، نہ مونچھیں کٹوا سکتا ہے، نہ ناخن تراش سکتا ہے، نہ خوشبو لگا سکتا، نہ شکار کر سکتا ہے، نہ شکار والے جانور کو ذبح کر سکتا ہے ہاں! گھریلو جانوروں مرغی، بطخ، گائے، بکری وغیرہ کو ذبح کر سکتا ہے وہ جانور جس کا شکار کیا جاتا ہے اس کو ذبح نہیں کر سکتا۔ محرم آدمی احرام کی حالت میں شکاری جانور کو بسم اللہ اکبر پڑھ کر بھی ذبح کرے تو وہ حرام ہے، حلال نہیں ہوگا۔ جس طرح کوئی شخص کتے اور خنزیر کو بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے تو وہ حلال نہیں ہو سکتے۔ اور محرم جب تک احرام کی حالت میں ہوگا اس پر ان سب چیزوں کی پابندی ہے۔ البتہ مچھلی اور مڈی کا شکار کر سکتا ہے۔ کیونکہ ان کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

محرم (آدمی) کے شکار کا حکم

آنحضرت ﷺ نے فرمایا دو چیزیں ہمارے لیے بغیر ذبح کے حلال کی گئی ہیں۔ الحوت و الجراد ایک مچھلی اور دوسری مڈی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب مدینہ منورہ سے حج، عمرہ کے لیے تشریف لے جاتے تھے تو ذوالحلیفہ سے احرام باندھتے تھے۔ آج کل ذوالحلیفہ کے نام سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ اس کو آج کل بیئر علی کہتے ہیں۔ یہ مدینہ منورہ کے لیے میقات ہے۔ اور یہ مدینہ منورہ سے چھ میل کے فاصلے پر ہے اور یہاں سے مکہ مکرمہ تین سو میل کی مسافت پر ہے۔ اور مکہ مکرمہ کے ارد گرد جتنے بھی میقات ہیں۔ ان میں سے یہ سب سے سب میقات ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب ذوالحلیفہ سے احرام باندھ کر چلتے تو راستے میں ان کو شکار کے جانور بہت ملتے تھے۔ نیل گائے، ہرن، شتر مرغ، خرگوش، کبوتر وغیرہ اتنے قریب آ کر بیٹھ جاتے کہ ان کو ہاتھ سے پکڑ سکتے اور نیزے سے شکار کر سکتے تھے۔ مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کی طرف دیکھ کر ہنستے کہ اگر ہمیں شکار کرنے کی اجازت ہوتی تو ان کے ساتھ دو دو ہاتھ کرتے لیکن ہم پابند ہیں کچھ کر نہیں سکتے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لَيْسَ لَكُمُ اللَّهُ﴾ البتہ ضرور تمہان لے گا تمہارا اللہ تعالیٰ ﴿بِشْنِ وَ قِنِّ الصَّيْبِ﴾ کسی چیز کے ساتھ شکار میں سے ﴿تَتَأَلَّهَ آيِدِيكُمْ﴾ پہنچیں گے اس شکار کو تمہارے ہاتھ ﴿وَمَا حَلَمُمْ﴾ اور نیزے۔ اگر ہاتھ سے پکڑنا چاہو تو پکڑ سکو گے اور نیزوں سے مارنا چاہو تو مار سکو گے۔ ﴿لَيْسَ لَكُمُ اللَّهُ مِنْ يَدَائِهِم بِالْعَيْبِ﴾ تاکہ ظاہر کر دے اللہ تعالیٰ اس شخص کو جو ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ سے بغیر دیکھے۔ اللہ تعالیٰ کو ہر شے کا علم تو پہلے ہی سے ہے۔ ﴿لَيْسَ لَكُمُ﴾ کا ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما لِيُظْهِرَ کرتے ہیں۔ تاکہ ظاہر کر دے اللہ تعالیٰ اس کو جو بن

کھے اس سے ڈرتا ہے۔ ہم نے آج تک اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا مگر ہر مومن کا ایمان اور یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ موجود ہے۔ اور عرش پر بھی مستوی ہے جو اس کی شان کے لائق ہے۔ سورۃ حدید میں ذکر ہے فرمایا ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ ”تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔“ ذات کے اعتبار سے، قدرت کے اعتبار سے، علم کے اعتبار سے اور اتنا قریب ہے کہ فرمایا:

﴿وَمَنْ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَهْدِ﴾ [پارہ: ۲۶، ق: ۱۶] ”اور ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔“ ﴿حَبْلِ الْوَهْدِ﴾ اس رگ جان کو کہتے ہیں جو دل سے دماغ تک جاتی ہے اگر یہ کٹ جائے تو آدمی مر جاتا ہے اس لیے اس کو رگ جان اور شاہ رگ کہتے ہیں۔ تو جو ذات اتنی قریب ہے اس کے احکام کی پابندی کرنی چاہیے۔ اور ہر وقت اس سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ ﴿فَمَنْ اعْتَدَىٰ﴾ پس وہ شخص جس نے تجاوز کیا ﴿بَعْدَ ذَلِكَ﴾ ہمارے منع کرنے کے بعد کہ احرام کی حالت میں شکار نہیں کرنا پھر اس نے شکار کیا ﴿فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ﴾ نہ مارو تم شکار کو اس حال میں کہ احرام میں ہو۔

محرم سے جنایت اور جزا میں ائمہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف

﴿وَمَنْ قَتَلَ مِمَّنْ مَّتَعَيْدًا﴾ اور جو قتل کرے تم میں سے اس شکار کو جان بوجھ کر مُتَعَيْدًا کی قید اتفاتی ہے اگر بھول کر بھی قتل کرے گا کہ اس کو یاد نہیں تھا کہ میں احرام میں ہوں پھر بھی کفارہ آئے گا اور اس پر تمام مفسرین کرام رضی اللہ عنہم نے اجماع نقل کیا ہے کہ خطا سے بھی قتل کیا تو کفارہ دینا پڑے گا لیکن اتنا فرق ہوگا کہ اگر دیدہ دانستہ قتل کرے گا تو نفل کا کفارہ الگ ہوگا اور شکار کا الگ ہوگا اور بھول کر کیا ہے تو صرف شکار کا کفارہ ہوگا۔ آگے کفارے کا بیان ہے۔

﴿فَبَهْرًا﴾ اور قتل مِمَّنْ مَّتَعَيْدًا سے اس کے مثل جو اس نے قتل کیا ہے مویشیوں میں سے۔ یعنی جس قسم کا جانور شکار کیا ہے اسی قسم کا جانور خرید کر اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قربان کرے۔ مثلاً: اگر کسی شخص نے احرام کی حالت میں شتر مرغ کا شکار کیا تو اسے اونٹ دینا پڑے گا، بھرن شکار کیا تو بکری دینی پڑے گی، اگر خرگوش کا شکار کیا تو بکری کا بچہ دینا پڑے گا کیونکہ یہ جانور آپس میں ملتے جلتے ہیں اور جس جانور کی مثل صوری نہ ہو اس کی قیمت دینی پڑے گی۔ جیسے چڑیا یا کبوتر ہے۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے کبوتر کا شکار کیا تو اسے بکری دینی پڑے گی۔

اب سوال یہ ہے کہ کبوتر اور بکری میں کیا نسبت ہے؟ فرماتے ہیں کہ باقی جانور جب پانی پیتے ہیں تو پانی کو اپنے اندر کھینچتے ہیں مگر بکری اور کبوتر منہ میں پانی ڈال کر منہ کو اوپر اٹھا کر پانی اندر داخل کرتے ہیں تو پانی پینے میں ان کی آپس میں مشابہت ہے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ کوئی مشابہت نہیں ہے۔ تشبیہ یہ ہے کہ ایک جانور کی دوسرے جانور کے ساتھ شکل و صورت ملتی جلتی ہو۔ جیسے: شتر مرغ اور اونٹ یا خرگوش اور بکری کے بچے کی شکل ملتی جلتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ

شکار شدہ جانور کی مثل اور قیمت کا تعین کون کرے گا؟

تو اس کے متعلق فرمایا ﴿يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ﴾ فیصلہ کریں گے اس کے متعلق دو انصاف والے تم میں سے۔ اس کے متعلق دو انصاف والے تم میں سے محرم نے جس علاقے میں شکار کیا ہے اس علاقہ میں مثلاً: کبوتر یا فاختہ کی کیا قیمت ہے؟ دو عادل آدمی فیصلہ کریں گے کہ اس کی اتنی قیمت ہے یا اس کے مثل فلاں جانور ہے۔ پھر اس کا کیا کریں گے؟

”ہدی“ کی تحقیق

فرمایا ﴿هَذَا بِلَدِّ الْكَعْبَةِ﴾ وہ قربانی ہوگی کعبہ تک پہنچنے والی۔ ”ہدی“ اس قربانی کو کہتے ہیں جو حرم کعبہ میں کی جائے اور حرم سے باہر جو قربانی ہوتی ہے اس کو عربی زبان میں اُضْحِيَّةٌ ہمزے کے فتح کے ساتھ یا ضمہ کے ساتھ اُضْحِيَّةٌ کہتے ہیں۔ کعبہ سے مراد حرم ہے۔ حرم کے علاقہ میں جہاں بھی چاہے اسے ذبح کر سکتا ہے۔

﴿اَوْ كَفَّارًا مِّمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ یا کفارہ ہے مسکینوں کی خوراک۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ مثلاً: محرم نے کبوتر کا شکار کیا ہے اور وہاں کے دو انصاف والوں نے فیصلہ کیا کہ اس علاقہ میں کبوتر کی قیمت پچاس روپے ہے تو پچاس روپے کی گندم خریدیں گے اور فی مسکین نصف صاع دیں گے جو تقریباً پونے دو سیر بنتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ جتنی بھی رقم ہوگی نصف صاع کے اعتبار سے رقم یا گندم مسکینوں پر تقسیم کر دیں گے۔

﴿اَوْ عَدْلٌ ذٰلِكَ مِثْلًا مِّمَّا﴾ یا اس کے برابر ہیں روزے۔ یعنی نصف صاع کے بدلے ایک روزہ ہے تو جتنے نصف صاع ہوں گے اتنے روزے رکھے گا اور اگر تقسیم کرتے کرتے صاع کا چوتھا حصہ بچ گیا ہے تو یا تو اس کے بدلے پورا روزہ رکھے یا اس کو صدقہ کر دے۔ یہ نہیں کہہ سکتا کہ نصف صاع کا ایک روزہ تھا تو چوتھائی کے بدلے آدھا روزہ رکھ لوں۔ کیونکہ روزے کے حصے نہیں ہو سکتے۔ رب تعالیٰ نے یہ حکم کیوں دیا ہے؟

فرمایا ﴿لِيَذُوقَ وَاٰلَآءَ مَا كَسَبَ﴾ تاکہ چکھے وہ شخص اپنے کام کا وبال۔ جب اس پر پابندی تھی تو اس نے احرام کی حالت میں ایسا کیوں کیا ہے؟ ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ﴾ معاف کر دیا اللہ تعالیٰ نے جو گزر چکا۔ یعنی منع کرنے سے پہلے اگر کسی نے احرام کی حالت میں شکار کیا تھا یا اور کوئی کمی کوتاہی کی تھی تو وہ رب تعالیٰ نے معاف کر دی ہے۔

﴿وَمَنْ قَادَ﴾ اور جو شخص (پھر) کرے گا ﴿فَيَسْتَقِمْ اللّٰهُ وَنُورُهُ﴾ تو اس سے اللہ تعالیٰ انتقام لے گا۔ ﴿وَاللّٰهُ عَزِيزٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے ﴿ذُو انْتِقَامٍ﴾ انتقام لینے والا ہے۔ ان آیات میں ان چیزوں کا ذکر تھا جو محرم کے لیے عارضی طور پر حرام ہیں اور پہلے بھی گزر چکا ہے ﴿وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا﴾ اور جس وقت تم احرام سے نکل جاؤ شکار کر لو۔



﴿أَجَلٌ لَّكُمْ﴾ حلال کیا گیا تمہارے لیے ﴿صَيْدُ الْبَحْرِ﴾ سمندر کا شکار ﴿وَوَطَعَامُهُ﴾ اور اس کا کھانا ﴿مَتَاعًا﴾
 تُم ﴿فَاكِدْهُ﴾ تمہارے لیے ﴿وَوَاللَّيْتَاتِ﴾ اور مسافروں کے قافلے کے لیے ﴿وَوَحُومٌ عَلَيْكُمْ﴾ اور حرام کب
 گیا تم پر ﴿صَيْدُ الْبَحْرِ﴾ خشکی کا شکار ﴿مَا دُمْتُمْ حُرُمًا﴾ جب تک تم احرام کی حالت میں ہو ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ اور
 ڈرو اللہ تعالیٰ سے ﴿الَّذِي﴾ وہ ذات ہے ﴿إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ﴾ جس کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے ﴿جَعَلَ اللَّهُ﴾
 الْعُقَبَةَ ﴿بنایا اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو﴾ الْبَيْتِ الْعَرَامِ ﴿جو عزت والا گھر ہے﴾ قِيَامًا لِّلنَّاسِ ﴿لوگوں کے قیام کا ذریعہ﴾
 وَالشَّهْرَ الْحَرَامِ ﴿اور عزت والا مہینہ﴾ وَالْهَدْيِ ﴿اور مکہ مکرمہ لے جا کر ذبح کرنے والے جانور﴾ وَالْقَلَائِدَ ﴿اور جن کے گلوں میں پٹے ڈالے ہوئے ہیں﴾ ذَلِكَ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ﴿یہ تاکہ تم جان لو﴾ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ ﴿بے شک اللہ تعالیٰ﴾
 جانتا ہے ﴿مَا فِي السَّمٰوٰتِ﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے ﴿وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ اور جو کچھ زمین میں ہے ﴿وَأَنَّ اللَّهَ﴾ اور
 بے شک اللہ تعالیٰ ﴿يَكْتُبُ شَيْءٌ عَلَيْكُمْ﴾ ہر چیز کو جانتا ہے ﴿إِعْلَمُوا﴾ جان لو تم ﴿أَنَّ اللَّهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ
 ﴿شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ سخت سزا دینے والا ہے ﴿وَأَنَّ اللَّهَ عَفُوٌّ رَّحِيمٌ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان
 ہے ﴿مَا عَلَى الرَّسُولِ﴾ نہیں ہے رسول کے ذمے ﴿إِلَّا الْبَلَاغُ﴾ مگر بات پہنچا دینا ﴿وَاللَّهُ يَعْلَمُ﴾ اور اللہ تعالیٰ
 جانتا ہے ﴿مَا تُبْدُونَ﴾ جو تم ظاہر کرتے ہو ﴿وَمَا تُكْتُمُونَ﴾ اور جو تم چھپاتے ہو ﴿قُلْ﴾ آپ (سَلِّمُوا إِلَيْهِمْ) کہہ
 دیں ﴿لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ﴾ نہیں ہے برابر خبیث چیز اور پاکیزہ ﴿وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ﴾ اور
 اگر چہ آپ کو تعجب میں ڈالے خبیث چیز کی کثرت ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے ﴿يَأْتِي الْإِلَهَابِ﴾ اے
 عظمندو! ﴿لَعَلَّكُمْ تَقْلِحُونَ﴾ تاکہ تم فلاح پاؤ۔

رہط آیت و مضمون

اس سے پہلی آیتوں میں اجمالی طور پر یہ مسئلہ بیان ہوا تھا کہ احرام کی حالت میں شکار کرنا ممنوع ہے۔ اور آج کی آیت
 کریمہ میں اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

حرم کے فعل صید پر تفصیل تفکرو

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿أَجَلٌ لَّكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ﴾ حلال کیا گیا تمہارے لیے سمندر کا شکار۔ سمندر کے شکار سے مراد
 پہلی ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے: أَجَلْتُ لَنَا الْمَيْتَتَيْنِ: الْحُوْتُ وَالْجَزَادُ دُو جِزِينَ اللّٰهُ تَعَالَى نَعْمَ لِيْ ذَرَّ

کیے بغیر حلال فرمائی ہیں ایک مچھلی اور دوسری ٹڈی جس کو ٹڈی دل بھی کہتے ہیں۔ احرام کی حالت میں محرم شکار کو ذبح کرنے کا اہل نہیں ہوتا اگر شکاری جانور ذبح کرے گا تو وہ حلال نہیں ہوگا بے شک تکبیر پڑھ کر ذبح کرے اور مچھلی کو چونکہ ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے مچھلی کا شکار کر سکتا ہے۔ اور کڑی بھی پکڑ سکتا ہے۔

غیر مسلم کے ذبیحہ کا حکم؟

یہی وجہ ہے کہ غیر مسلم کی شکار کی ہوئی مچھلی مسلمان خرید سکتا ہے، کھا سکتا ہے کیونکہ غیر مسلم نے اس کو ذبح نہیں کیا ورنہ غیر مسلم کی ذبح کی ہوئی چیز کو مسلمان خرید نہیں سکتا۔ البتہ یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ ان شرائط کے ساتھ جن کا بیان پہلے ہو چکا ہے جائز ہے۔

طعام کی توضیح؟

فرمایا ﴿وَلَطَمَةٌ﴾ اور اس کا کھانا (بھی حلال ہے)۔ مفسرین کرام رضی اللہ عنہم طعام کی تفسیر یہ فرماتے ہیں کہ مَا يُلْقَى السَّاحِلِ اِی السَّاحِلِ جس کو سمندر کنارے کی طرف پھینکے۔ سمندر میں مدوجزر ہوتا رہتا ہے یعنی کبھی بڑھتا ہے کبھی گھٹتا ہے، پانی کی موج جب باہر ہو کر واپس جاتی ہے تو بسا اوقات مچھلیاں باہر رہ جاتی ہیں یہ ہیں سمندر کا کھانا، یہ حلال ہیں۔

﴿مَتَاعًا لَّكُمْ﴾ فائدہ ہے تمہارے لیے ﴿وَاللَّيْتَاتِ﴾ اور مسافروں کے قافلے کے لیے۔ اس زمانے میں مسافر لوگ تلی ہوئی مچھلیاں ساتھ رکھتے تھے اور کئی کئی دن کھاتے تھے۔ ﴿وَحُزْمَةٌ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ﴾ اور حرام کیا گیا تم پر خشکی کا شکار ﴿مَا دُمْتُمْ حُرْمًا﴾ جب تک تم احرام کی حالت میں ہو۔ ﴿مُحْرَمًا وَخَوَافًا﴾ حالت میں شکار کی جنس سے کسی چیز کو ذبح نہیں کر سکتا۔ اگر ذبح کرے گا بھی تو وہ چیز حلال نہیں ہوگی۔ البتہ گھریلو جانوروں کو ذبح کر سکتا ہے جیسے مرغی، بلی، بکری، دنبہ وغیرہ۔

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے ﴿الَّذِينَ اَلَيْهِ تَخْشَوْنَ﴾ وہ ذات ہے جس کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے میدانِ محشر میں پھر ہر قول اور فعل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ ﴿جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ﴾ بنایا اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو ﴿الْبَيْتِ الْحَرَامِ﴾ جو عزت والا گھر ہے۔

حطیم کعبۃ اللہ میں سے؟

کعبہ کا لغوی معنی ہے چوکوتا اور بلند۔ ابتداً کعبہ چوکوتا اور بلند تھا۔ ہر طرف سے چوالیس چوالیس فٹ تھا اور پچاس فٹ بلند تھا۔ لیکن حجر اور حطیم کی طرف سے تینتیس فٹ رہ گیا ہے۔ اور حطیم کعبۃ اللہ کا حصہ اور اس میں داخل ہے۔ اگر کوئی شخص بند دروازے والے حصے میں داخل نہیں ہو سکتا تو وہ حجر اور حطیم میں نماز پڑھ لے تو اس نے کعبۃ اللہ کے اندر ہی نماز پڑھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں کہ اس نے غریبوں کے لیے وہ جگہ باہر نکال دی ہے۔

قیاماً للنباس کی تشریح

﴿قیاماً للنباس﴾ لوگوں کے قیام کا ذریعہ ہے۔ ﴿قیاماً للنباس﴾ کا یہ معنی بھی کرتے ہیں کہ لوگ جب نماز پڑھتے ہیں تو کعبۃ اللہ کی طرف چہرہ کرتے ہیں چاہے مشرق کے رہنے والے ہوں یا مغرب کے شمال کے رہنے والے ہوں یا جنوب کے۔ اور یہ معنی بھی ہے کہ جب تک دنیا میں کعبہ ہے دنیا قائم ہے اور جب کعبہ نہیں رہے گا دنیا کو ختم کر دیا جائے گا۔ تو کعبہ لوگوں کے قائم رہنے کا ذریعہ ہے۔ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ قرب قیامت میں حبشہ کا، کافر اور ظالم بادشاہ چھوٹے قد اور نیومی پنڈلیوں والا کعبۃ اللہ کو گرانے کے لیے فوجیں لے کر آئے گا کچھ فوجیں تو بیداء کے مقام پر جو مدینہ منورہ سے مکہ کی طرف پینتیس [۳۵] کلومیٹر کے فاصلے پر ہے زمین میں دھنس جائیں گی اور باقی فوج کو لے کر وہ مکہ مکرمہ پہنچے گا اور کعبۃ اللہ کو گرانے کا حکم دے گا ادھر اللہ تعالیٰ اسرافیل علیہ السلام کو حکم دیں گے کہ صور پھونک دو پس اب دنیا کو ختم کرنا ہے۔ تو اس طرح کعبۃ اللہ جہان کے باقی رہنے کا ذریعہ ہے۔

اشہر حرم اور حکم

﴿وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ﴾ اور عزت والا مہینہ۔ چار مہینے عزت والے تھے، ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب۔ یہ اشہر حرم کہلاتے تھے۔ ان مہینوں میں جنگ و جدال ممنوع تھا۔ البتہ مومنوں کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کافر تم پر ان مہینوں میں حملہ کریں تو تم جواب دے سکتے ہو ورنہ ان کے احترام کا سب کو حکم تھا۔ مگر جب سورۃ توبہ نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

﴿وَالْهَدْيَ﴾ اور مکہ مکرمہ لے جا کر ذبح کرنے والے جانور۔ ”ہدئی“ اس جانور کو کہتے ہیں جو مکہ مکرمہ لے جا کر حرم کعبہ میں قربان کیا جائے اور یہاں جو قربانی ہوتی ہے اس کو عربی میں اضحیہ کہتے ہیں۔

قلادہ کی غرض و حکمت

﴿وَالْقَلَائِدَ﴾ اور جن کے گلوں میں پٹے ڈالے ہوئے ہیں۔ ”قَلَائِدًا“ جمع ہے قَلَادَةٌ کی، جس کا معنی ہے ہار۔ حاجی اپنے ساتھ جو بڑے جانور لے جائیں۔ مثلاً: اونٹ، بیل یا بھینسا ان کے گلے میں پٹا ڈال دیں یا پرانی جوتی ان کے گلے میں لٹکادیں تاکہ لوگوں کو علم ہو کہ یہ ہڈی کا جانور ہے۔ تاکہ حاجی اگر تضائے حاجت یا کسی ضرورت کے لیے جائے تو ان کو کوئی تنگ نہ کرے اور نہ کوئی چھیڑے گلے میں ہار ہونے کی وجہ سے علم ہو جائے گا کہ یہ حاجی کا جانور ہے۔ رب تعالیٰ کی رضا کے لیے چلاواتا ہے۔

﴿ذَٰلِكَ لِمَنْ أَمَرَ بِالْعَدْلِ﴾ (اپسی بات ہے) تاکہ تم جان لو ﴿وَأَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے ﴿مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ﴿وَأَنَّ اللَّهَ وَكَانَ شَهِيدًا عَلِيمًا﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔ کس چیز کو؟..... قول و فعل کو، ظاہر و باطن کو۔

﴿إِنَّمَا أَجْرُ الْبَشَرِ لَمَّا يَدْعُونَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرے گا اسے بخش دے گا۔
 ﴿مَاعَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ﴾ نہیں ہے رسول کے ذمے مگر بات پہنچا دینا۔ تسلیم کرانا پیغمبر کے فریضہ میں داخل نہیں ہے۔ ﴿وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ﴾ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو ﴿وَمَا تَكْتُمُونَ﴾ اور جو تم چھپاتے ہو۔
 ﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿لَا يَسْتَوِي الْعَوِيبُ وَالْقَائِمُ﴾ نہیں ہے برابر ادنیٰ اور عمدہ چیز۔ خبیث سے مراد حرام بھی ہے اور طیب سے مراد حلال تو پھر معنی بنے گا کہ حرام اور حلال برابر نہیں ہیں۔

کثرتۃ العویب کی توضیح

﴿وَلَوْ أَعْرَجْنَا كَثْرَةَ الْعَوِيبِ﴾ اگر چہ اے مخاطب! تجھے تعجب میں ڈالے خبیث چیز کی کثرت۔ یعنی ایسا دور آئے گا کہ حرام زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ حلال نہیں ہو جائے گا۔ حرام، حرام ہی ہے۔ اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایسا دور آئے گا کہ سود لوگوں کی ناک میں سانس کے ساتھ داخل ہوگا۔ دیکھو! آج کے دور میں کوئی شاذ و نادر ہی ایسا کاروبار ہوگا کہ جس کا تعلق بینک کے ساتھ نہ ہو اور بینک کا تو سارا نظام ہی سود پر ہے۔ حالانکہ سود کے بغیر نظام چلانا ممکن ہے۔ چل سکتا ہے اس وقت کمیونسٹوں کے تین چار ملک ایسے ہیں جہاں سود کے بغیر نظام چل رہا ہے۔ مگر مسلمان سکوں میں نہیں کیونکہ ان کے ذہنوں پر انگریز سوار ہے۔ اور جب بھی سودی نظام کے ختم کرنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ تو کوئی نہ کوئی شوشہ چھوڑ دیتے ہیں۔
 فرمایا ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ پس ڈرو تم اللہ تعالیٰ سے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے عقلمندو! اور رب تعالیٰ کے احکام پر عمل کرو ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ تاکہ تم فلاح پاؤ۔ کامیابی اسی میں ہے کہ تم رب تعالیٰ کے احکام کو تسلیم کرو اور ان پر عمل کرو۔



﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ﴾ نہ سوال کرو ایسی چیزوں کے بارے میں ﴿إِنْ سَأَلْتُمْ﴾ کہ اگر وہ ظاہر کر دی جائیں تمہارے سامنے ﴿تَسْأَلْتُمْ﴾ تو تمہیں وہ بری لگیں ﴿وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا﴾ اور اگر تم سوال کرو گے ان کے بارے میں ﴿حِينَ يُنزَّلُ الْقُرْآنُ﴾ جس وقت نازل کیا جا رہا ہے قرآن ﴿تَسْأَلْتُمْ﴾ وہ تمہارے سامنے ظاہر کر دی جائیں گی ﴿عَفَا اللَّهُ عَنْهَا﴾ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا جو اس سے پہلے ہو چکا ﴿وَاللَّهُ عَفُوٌّ ذَلِيلٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا تحمل کرنے والا ہے ﴿قَدْ سَأَلَهَا﴾ تحقیق ان چیزوں کے متعلق سوال کیا ﴿قَوْمٌ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ تم سے پہلی قوموں نے ﴿لَمْ أَصْبَحُوا بِهَا كَافِرِينَ﴾ پھر ہو گئے وہ ان کے منکر ﴿مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ﴾ نہیں بنایا اللہ تعالیٰ نے کوئی بحیرہ ﴿وَلَا سَابِقَةَ﴾ اور نہ کوئی سابقہ ﴿وَلَا وَصِيْلَةَ﴾ اور نہ کوئی

وسیلہ ﴿وَلَا حَافِرٍ﴾ اور نہ کوئی حام ﴿وَلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور لیکن وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿يَفْتَرُوْنَ﴾ وہ افترا باندھتے ہیں ﴿عَلَى اللّٰهِ الْكٰذِبُ﴾ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا ﴿وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ اور ان میں سے اکثر سمجھ نہیں رکھتے ﴿وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے ﴿تَعَالَوْا اِلٰى مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے ﴿وَ اِلَى الرَّسُوْلِ﴾ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف ﴿قَالُوْا حٰبِسْنَا﴾ وہ کہتے ہیں کافی ہے ہمیں ﴿مَّا وَاٰ جَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَاءَنَا﴾ وہ چیز جس پر ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو ﴿اَوْ لَوْ كَانِ اٰبَاؤُهُمْ﴾ کیا اگرچہ ہوں ان کے باپ دادا ﴿لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا﴾ نہ جانتے ہوں کسی چیز کو ﴿وَلَا يَهْتَدُوْنَ﴾ اور نہ ہدایت یافتہ ہوں۔

رہا آیات

اس سے پہلی آیات میں حرام چیزوں سے منع کیا گیا اور آج کی آیات میں بے جا اور فضول سوالوں سے منع کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں احادیث میں بہت سارے واقعات آئے ہیں ان میں سے چند واقعات ذکر کرتا ہوں۔

آیت سے متصل واقعات

ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وعظ فرما رہے تھے ایک شخص نے کھڑے ہو کر سوال کیا۔ مَنْ اَبِي؟ مجھے یہ بتائیں کہ میرا باپ کون ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع پانے پر فرمایا: اَبُوكَ حُذَافَةُ تِمْرَا بَاطِ حُذَافَةَ ہے۔

علم غیب کی نفی پر دلیل

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخرت کے حالات و معاملات بیان فرما رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا۔ اَتَيْنَ نَاقِيَةَ؟ میری اونٹنی کہاں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَا اَخْبَرْتَنِيْ اَتَيْنَ نَاقِيَةَكَ۔ مجھے معلوم نہیں ہے تیری اونٹنی کہاں ہے۔ یہ آدمی منافق تھا۔ بڑ بڑاتا ہوا باہر نکلا اور کہنے لگا: يُخْبِرُنَا بِغَيْرِ السَّمَاءِ وَلَا يَكْدِرُنِيْ اَتَيْنَ نَاقِيَةَ؟ ہمیں آسمان کی خبریں دیتا ہے اور یہ معلوم نہیں ہے کہ میری اونٹنی کہاں ہے؟ جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس آدمی کو بلاؤ، بلایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے اپنی اونٹنی کے متعلق سوال کیا تھا مجھے اس رب کی قسم ہے جس کے قبضے میں میری جان ہے اس وقت مجھے معلوم نہیں تھا۔ جَاءَنِيْ جِبْرِيْلٌ مِّرَّةً مِّنْ جِبْرَائِيْلٍ مِّنْ رَبِّيْ۔ فَأَخْبَرْتَنِيْ بِسُؤَالِيْ نَاقِيَةَ؟ کہ تیری اونٹنی فلاں علاقے میں درختوں میں پھنسی ہوئی ہے کہ اس کا پنا (تلاوہ) درخت کی ٹہنی کے ساتھ لٹک گیا تھا۔

اور یہ واقعہ بھی حدیث میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وعظ فرما رہے تھے کہ ایک آدمی نے آکر کہا کہ صَافِيٌّ بَطْنِيْ نَاقِيَةَ؟ یہ

بتاؤ کہ میری اونٹنی کے پیٹ میں کیا ہے؟ آپ ﷺ نے تو جواب نہ دیا مگر آپ ﷺ کے ایک جذباتی صحابی حضرت سلمہ بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تو نے اپنی اونٹنی کے ساتھ برائی کی ہے اور اس کے پیٹ میں تیرا نطفہ ہے۔

بعض لوگ اس روایت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کے غلام بھی جانتے تھے کہ پیٹ میں کیا ہے۔ آپ ﷺ کیوں نہیں جانتے تھے ان لوگوں کا یہ استدلال درست نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے جو کچھ فرمایا تھا یہ جواب نہیں تھا اس لیے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا لَقَدْ فُحِشْتَ يَا سَلْمَةُ! اے سلمہ! تو نے فحش گوئی کی ہے۔ یعنی آپ ﷺ نے ان کو تنبیہ فرمائی کہ ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا اور حقیقت بھی یہی تھی کہ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے جواب نہیں دیا تھا بلکہ ناراضی کا اظہار فرمایا تھا کہ تم ایسے سوال کیوں کرتے ہو اس کو تم اس طرح سمجھو کہ کوئی آدمی کسی سے پوچھے کہ تو نے رات کو کیا کھایا تھا؟ اور وہ جواب میں کہے کہ تیرا سر کھا یا تھا۔

تو بھائی! یہ جواب تو نہیں ہے بلکہ ناراضی کا اظہار ہے کہ میں نے جو کھا یا ہے کھا یا تجھے اس سے کیا غرض۔ لہذا اس روایت سے پیٹ کے علم پر استدلال کرنا غلط ہے۔ ایک آدمی آیا اور کہنے لگا حضرت! میں نے فصل کاشت کی ہے۔ مجھے بتائیں کہ بارش کب ہوگی اور میری بیوی امید سے ہے بتائیں لڑکا ہوگا یا لڑکی؟ میں جس علاقے میں پیدا ہوا ہوں وہ تو مجھے معلوم ہے آپ ﷺ مجھے یہ بتائیں کہ میں مروں گا کہاں؟ اور یہ بھی بتائیں کہ کل میں نے کون سا کام کرنا ہے؟ اور قیامت کے متعلق پوچھا کہ کب ہوگی؟ اس سلسلے میں سورہ لقمان کی آخری آیت نازل ہوئی۔

پانچ چیزوں کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

- ① ﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس ہے قیامت کا علم۔
- ② ﴿وَيُنزِلُ الغَيْثَ﴾ اور وہی بارش نازل کرتا ہے۔
- ③ ﴿وَيَنْفِخُ مَا فِي الْأَرْحَامِ﴾ اور وہی جانتا ہے جو کچھ بیٹوں میں ہے۔
- ④ ﴿وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا﴾ اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کام کرے گا؟
- ⑤ ﴿وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَتَىٰ آسَافُ تَمُوتُ﴾ اور کوئی تنفس نہیں جانتا کہ کس زمین پر اس کو موت آئے گی۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا خبردار ہے۔

غیر ضروری سوالات سے ممانعت اور باعث حجاب

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءٍ﴾ نہ سوال کرو ایسی چیزوں کے بارے میں ﴿إِنْ يَهْدِ لَكُمْ تَسْوَأًا﴾ کہ اگر وہ ظاہر کر دی جائیں تمہارے سامنے تو تمہیں وہ بری لگیں ﴿وَأِنْ سَأَلْتُمُوهُ﴾

﴿فَمَا﴾ اور اگر تم سوال کرو گے ان کے بارے میں ﴿حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ﴾ جس وقت نازل کیا جا رہا ہے قرآن ﴿تُبَيِّنْ لَكُمْ﴾ وہ تمہارے سامنے ظاہر کر دی جائیں گی ﴿عَفَا اللَّهُ عَنْهَا﴾ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا جو اس سے پہلے ہو چکا۔ آئندہ ایسے لایعنی سوال نہ کرنا۔ ﴿وَاللَّهُ عَفُوٌّ ذَلِيلٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا تحمل کرنے والا ہے ﴿قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ تحقیق ان چیزوں کے متعلق سوال کیا تم سے پہلی قوموں نے ﴿فَلَمْ أَصْبِحُوا بِهَا كَافِرِينَ﴾ پھر ہو گئے وہ ان کے منکر۔ یعنی انہوں نے بے قدری کی۔

چنانچہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے ان سے سوال کیا کہ اگر تو اللہ تعالیٰ کا نبی ہے تو ہم جس چٹان پر ہاتھ رکھیں اس سے اونٹنی نکال دے۔ ہم تجھے نبی تسلیم کر لیں گے حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: نشانیاں اور معجزے اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ میری تائید کے لیے ایسا کر دے تو کیا تم ایمان لے آؤ گے؟ قوم نے کہا ہاں ہم آپ علیہ السلام کو پیغمبر مان لیں گے۔ چنانچہ اس معجزے کے اظہار کے لیے وقت مقرر ہوا کہ فلاں وقت تم آجانا اور جس چٹان پر تمہارا جی چاہے ہاتھ رکھ دینا اللہ تعالیٰ اسی پتھر سے اونٹنی نکال دیں گے۔ چنانچہ اس وقت مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، جوان اچھلتے کودتے ہوئے آئے کہ آج چٹان سے اونٹنی نکلی ہے۔ لہذا جس چٹان پر انہوں نے ہاتھ رکھا اللہ تعالیٰ نے اسی چٹان سے اونٹنی پیدا فرمادی لیکن ایمان کوئی بھی نہ لایا لہذا ان ظالموں نے اس کی کونچیں کاٹ کر اس کو ہلاک کر دیا جس پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا اور ساری قوم تباہ ہو گئی۔

حلال چیزوں کو حرام مت کرو ﴿

ساتویں پارے کی ابتدا میں آپ نے پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ایمان والو! ﴿لَا تَحْزَنْ مِمَّا حَبِطَتِ مِمَّا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ﴾ جو پاکیزہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال فرمائی ہیں ان کو حرام نہ کرو۔ اب اگلی آیت کریمہ میں ان محرمات کا ذکر ہے جو بندوں نے از خود اپنے اوپر حرام کر لی تھیں۔

بجیرہ ﴿

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ﴾ نہیں بنایا اللہ تعالیٰ نے کوئی بجیرہ۔ بخاری شریف میں رئیس التابیین حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہما بجیرہ کی تعریف کرتے ہیں کہ بجیرہ اس مادہ جانور کو کہتے ہیں کہ مشرکین جس کا دودھ بتوں کے نام پر وقف کر دیتے تھے کہ اس کا دودھ کوئی شخص استعمال نہیں کر سکتا تھا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تو ایسا کوئی حکم نہیں دیا۔

سائبہ ﴿

﴿وَلَا سَابِئَةٍ﴾ اور نہ (اللہ تعالیٰ نے) کوئی سائبہ (بنایا)۔ ”سائبہ“ اس جانور کو کہتے ہیں جو غیر اللہ کے نام پر چھوڑ دیا جائے نہ اس کا دودھ استعمال کیا جائے نہ اس پر سواری کی جائے۔ جیسے مختلف شہروں میں آپ نے موٹی موٹی گاؤں دیکھی ہوں گی وہ جاہل لوگوں نے اپنے پیروں کے نام پر وقف کی ہوتی ہیں۔ ان کا کوئی مالک نہیں ہوتا۔ لوگ ان کی بڑی عزت اور قدر

کرتے ہیں۔ اگر کسی کی ریڑھی یا دکان سے کوئی چیز کھائیں تو بڑے پیار سے کہتے ہیں ”بے بے جی (امی جی) پیچھے ہٹ جاؤ۔“

وصیلہ

﴿وَلَا ذُؤَيْبِلَةَ﴾ اور (اللہ تعالیٰ نے) نہ کوئی وصیلہ (بنایا ہے)۔ بلکہ مشرکین کی اپنی اختراع ہے۔ وصیلہ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو مسلسل مادہ بچے جنتی ہے اور درمیان میں کوئی نر بچہ نہ جنتی ہو۔ اس کو بھی لات، منات یا کسی اور بڑے بت کے نام پر وقف کر دیتے تھے۔ اور پھر نہ اس کا دودھ پیتے اور نہ اس سے کوئی اور کام لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا۔ یہ ان کی خود ساختہ باتیں ہیں۔

حام

﴿وَلَا حَاوِ﴾ اور نہ (اللہ تعالیٰ نے) کوئی حام (بنایا ہے)۔ ”حام“ اس نر کو کہتے ہیں جس نے چند مرتبہ جفتی کر لی ہو۔ مثلاً: اونٹ ہے اس نے دس اونٹنیوں کے ساتھ جفتی کر لی یا بیل ہے اس نے دس گائیوں کے ساتھ جفتی کر لی، بکرا ہے اس نے دس بکریوں کے ساتھ جفتی کر لی تو ایسے نر کو حام بنا دیتے تھے یعنی اس سے کسی قسم کا کوئی کام نہ لیتے تھے۔ بس وہ غیر اللہ کے لیے وقف ہو جاتا اس کو وہ تقرب سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا۔

﴿وَلَكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ اور لیکن وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿يَقْتُلُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ﴾ وہ افترا باندھتے ہیں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا ﴿وَأَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ﴾ اور ان میں سے اکثر سمجھ نہیں رکھتے ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے ﴿قَالُوا﴾ ای ما أنزل الله ﴿آذ﴾ اس چیز کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے ﴿وَأَيُّ الرَّسُولِ﴾ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف ﴿قَالُوا حَسْبُنَا﴾ وہ کہتے ہیں کافی ہے ہمیں ﴿مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا﴾ وہ چیز جس پر ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو ﴿أَوْ لَوْ كَانَ﴾ ابائنا ﴿لَمْ﴾ کیا اگرچہ ہوں ان کے باپ دادا ﴿لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَحْتَسِبُونَ﴾ نہ جانتے ہوں کسی چیز کو اور نہ ہدایت یافتہ ہوں۔

مسئلہ تقلید

بعض کم فہم لوگ اس آیت کریمہ سے تقلید کے ناجائز ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔ اس لیے مسئلہ اچھی طرح سمجھ لیں۔ تقلید کی دو قسمیں ہیں۔ ایک جائز ہے جبکہ دوسری حرام ہے۔ بعض لوگ دونوں کو آپس میں گڈ بڈ کر دیتے ہیں۔ آئیے دیکھتے ہیں کہ جائز کون سی ہے اور ناجائز کون سی ہے؟

جائز اور ناجائز تقلید

①..... قرآن و سنت کے مقابلے میں کسی کی بات ماننا، خلفائے راشدین کے مقابلہ میں کسی شخص کے قول و فعل پر عمل کرنا۔ صحابہ کرام جنہم کے مقابلے میں کسی کی بات ماننا اور اس کی تقلید کرنا یہ تقلید حرام اور ناجائز ہے۔ اور اسلام میں اس تقلید کا کوئی

بھی قائل نہیں ہے۔ نہ حنفی، نہ مالکی، نہ شافعی، نہ حنبلی۔

④..... اور اگر کوئی مسئلہ صراحۃً قرآن کریم سے نہیں ملتا اور حدیث پاک میں بھی اس کی صراحت نہیں ہے۔ اور خلفائے راشدین نے بھی اس کے متعلق کچھ نہیں فرمایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی اس کا کوئی حکم نہیں ملتا تو ایسے مسئلے میں مجتہد کی تقلید جائز ہے۔ یعنی مجتہد اجتہاد کر کے اس کا حکم بتائے تو اس حکم کو ماننا جائز ہے۔ اور اس اجتہاد کا ذکر خود حدیث پاک میں موجود ہے۔

حدیث مبارک سے اجتہاد کا ثبوت

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا چاہا تو فرمایا: ☆..... ”جب تیرے سامنے کوئی جھگڑا آئے گا تو اس کا کیسے فیصلہ کرے گا؟“ انھوں نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔

☆..... ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تجھے نہ ملے تو پھر کیا کرے گا؟“ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فیصلہ کروں گا۔

☆..... ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب اللہ میں تجھے نہ مل سکے تو پھر کیا کرے گا؟“ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: ”اَجْتَهِدُ بِرَأْيِي“ پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کروں گا۔

اجتہاد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے جس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کو اس چیز کی توفیق عطا فرمائی جس پر اللہ تعالیٰ کا رسول راضی ہے۔ یہ ابوداؤد شریف کی روایت ہے۔ اس حدیث سے صراحت کے ساتھ یہ بات ثابت ہوئی کہ جو مسئلہ قرآن و حدیث میں نہ مل سکے اس میں مجتہد کا قیاس کرنا اور اپنی رائے سے اس کو حل کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا سبب ہے۔

مجتہدین کی اتباع

اور اہل اسلام ایسے ہی مسائل میں ائمہ کرام رضی اللہ عنہم کی تقلید کے قائل ہیں۔ یعنی ائمہ کرام رضی اللہ عنہم کی تقلید ان مسائل میں ہے جو مخصوص نہیں ہیں۔ اور ان کے ماننے کا حکم خود قرآن کریم میں موجود ہے۔ فرمایا: ﴿وَأَتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ﴾ [سورہ لقمان، آیت نمبر ۱۵] جو لوگ میری طرف انابت اور رجوع کرتے ہیں تو ان کے راستے کی اتباع کر۔ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جو ہندگان خدا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں ان کی اتباع نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ ضروری اور واجب ہے۔ کیونکہ امر کا میثاق ہے اور میثاق امر و وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

اور سورہ نحل میں فرمایا ﴿فَسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ ”پس اہل علم سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے۔“ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کم علم اور ناسمجھ کو چاہیے کہ عالم اور سمجھ دار سے پوچھے۔ اور اس پر عمل کرے۔ لہذا اس تقلید کو شرک کہنا سوہ فہم کا نتیجہ ہے۔

اندھی تقلید کی مذمت

ہاں! خدا رسول کے مقابلے میں باپ، دادا کی اتباع کی جائے جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ذکر ہے کہ جب ان کو کہا جاتا ہے کہ آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے۔ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تو کہتے ہیں ”کافی ہے ہمیں وہ چیز جس پر پایا ہم نے اپنے باپ، دادا کو“۔ تو اس تقلید کے شرک اور حرام ہونے میں کیا شک ہے۔

کیا امام کا درجہ پیغمبر کے برابر ہے؟

باقی کم فہم لوگ ایک بات اور بھی کہتے ہیں۔ وہ بھی سمجھ لیں کہ مقلدوں نے اپنے اماموں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گدی پر بٹھایا ہوا ہے یہ بات بالکل غلط ہے۔ اور یہ لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں۔ اس لیے کہ پیغمبر معصوم عن الخطا ہوتا ہے۔ اور مجتہد اور امام کو کوئی بھی معصوم نہیں سمجھتا۔ مجتہد کی بات صحیح بھی ہوتی ہے اور اس سے غلطی بھی ہو جاتی ہے۔ اور پیغمبر سے غلطی نہیں ہوتی تو امام پیغمبر کی گدی پر کس طرح بیٹھ سکتا ہے یا ان کو پیغمبر کی گدی پر کون بٹھا سکتا ہے؟ کتنی غلط بات ہے جو وہ ہمارے ذمہ لگاتے ہیں۔ پھر ہمارا نظریہ ہے کہ امام کی بات اگر خدا اور رسول کے خلاف ہو تو اس کو چھوڑ دو اس پر عمل نہ کرو تو یہ ہم پر محض الزام لگاتے ہیں۔ (واللہ الموفق)



﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ﴾ تمہارے ذمے اپنی جانیں ہیں ﴿لَا يَهْرُؤُكُمْ﴾ تمہیں نہیں نقصان پہنچائے گا ﴿مَنْ ضَلَّ﴾ جو گمراہ ہوا ﴿إِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ جبکہ تم ہدایت پر ہو ﴿إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا﴾ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے تم سب کا لوٹنا ﴿فَيُنَبِّئُكُمْ﴾ پس وہ تمہیں خبر دے گا ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ جو کام تم کرتے تھے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿شَهَادَاتُ بَيْنِكُمْ﴾ گواہی تمہارے درمیان ﴿إِذَا حَضَرَ﴾ جس وقت کہ آجائے ﴿أَحَدُكُمْ الْمَوْتُ﴾ تم میں سے کسی ایک پر موت ﴿جِدْنَ الْوَصِيَّةَ﴾ وصیت کے وقت ﴿الَّذِينَ﴾ دو گواہ ہوں ﴿دَوَاعِلُ مِنْكُمْ﴾ انصاف والے تم میں سے ﴿أَوْ آخَرُونَ مِنْكُمْ﴾ یا دو اور ہوں تمہارے سوا دوسروں سے ﴿إِنْ أَنْتُمْ﴾ اگر تم ﴿حَضَرْتُمْ فِي الْأَرْضِ﴾ سفر کرو زمین میں

﴿فَأَصَابَكُمْ﴾ پس پہنچے تمہیں ﴿مُصِيبَةُ الْمَوْتِ﴾ موت کی مصیبت ﴿تَخْسِئُوهُمَا﴾ ان دونوں گواہوں کو روکو تم ﴿مِنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ﴾ نماز کے بعد ﴿فَيُقْسِمْنَ بِاللَّهِ﴾ پس وہ قسم اٹھائیں اللہ تعالیٰ کی ﴿إِنْ أَمْرُنَا لَكُمَّ﴾ اگر تمہیں شک ہو (قسم اس طرح اٹھائیں) ﴿لَا نَشْتَرِي بِهِ ثَمَنًا﴾ کہ ہم اس قسم کے بدلے کوئی قیمت نہیں خریدتے ﴿وَلَوْ كَانُوا أَقْرَبِي﴾ اگر چہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو ﴿وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللَّهِ﴾ اور ہم نہیں چھپاتے اللہ تعالیٰ کی گواہی کو ﴿إِنَّا إِذَا﴾ بے شک ہم اس وقت ﴿لَوْنِ الْأَشْمِئِنَ﴾ البتہ گناہ گاروں میں سے ہوں گے ﴿فَإِنْ عَثِرَ﴾ پس اگر اطلاع ہو جائے ﴿عَلَىٰ أَثْمَانًا﴾ اس بات پر کہ وہ دونوں گواہ ﴿اسْتَحَقَّ إِثْمًا﴾ مستحق ہیں گناہ کے ﴿فَاخْرَجَ﴾ پس دوسرے دو ﴿يَقُولُ مَن﴾ کھڑے ہوں ﴿مَقَامَهُمَا﴾ ان کی جگہ پر ﴿مِنَ الَّذِينَ﴾ ان لوگوں میں سے ﴿اسْتَعْتَقَ عَلَيْهِمْ﴾ جن کا حق دیا ہے ﴿الْأَوَّلِينَ﴾ جو میت کے بہت قریب ہوں ﴿فَيُقْسِمْنَ بِاللَّهِ﴾ پس وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھائیں ﴿لَشَهَادَتُنَا﴾ البتہ ہماری گواہی ﴿أَحَقُّ﴾ زیادہ تحقیقی ہے ﴿مِنْ شَهَادَتِهِمَا﴾ ان پہلے دونوں کی گواہی سے ﴿وَمَا عَتَدْنَا﴾ اور ہم نے تجاوز نہیں کیا ﴿إِنَّا إِذَا لَوْنِ الظَّالِمِينَ﴾ بے شک اس وقت ہم ظالموں میں سے ہوں گے ﴿ذَلِكَ أَذَى﴾ یہ بات زیادہ قریب ہے ﴿أَنْ يَأْتُوا بِاللَّشَّادَةِ﴾ یہ کہ لائیں وہ لوگ گواہی ﴿عَلَىٰ وَجْهِنَا﴾ اپنے طریقے پر ﴿أَوْ يَخَافُوا﴾ یا وہ خوف کھائیں ﴿أَنْ تُرَدَّ آيَاتُنَا﴾ کہ رد کردی جائیں گی تمہیں ﴿بَعْدَ آيَاتِنَاهُمْ﴾ ان کی قسموں کے بعد ﴿وَأَتَّقُوا اللَّهَ﴾ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے ﴿وَأَسْمِعُوا﴾ اور سنو ﴿وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا نافرمان قوم کو۔

ربط آیت ۶

اس سے پہلی آیت کریمہ میں تھا کہ ان لوگوں کو جب خدا اور رسول کی طرف دعوت دی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہمیں اپنے باپ دادا کا دین کافی ہے۔ آج کی آیات میں فرمایا کہ تم ان کی باتوں پر افسوس نہ کرو۔ بلکہ اپنا فریضہ ادا کرتے رہو۔

مسلمانوں کو تسلی ۶

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تمہارے ذمے اپنی جانیں ہیں۔ تم اپنی جانوں کی فکر کرو۔ ﴿لَا يَضُرُّكُمْ مَن هَلَكَ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ تمہیں نہیں نقصان پہنچائے گا جو گمراہ ہو جبکہ تم ہدایت پر ہو۔ کسی کی گمراہی کا وبال تم پر نہیں آئے گا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر..... ہدایت کا معیار

ایک آدمی نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس آیت کریمہ سے تو میں یہ سمجھا ہوں کہ آدمی خود ہدایت پر قائم رہے اور اعمال صالحہ ادا کرتا رہے۔ دوسروں کی اصلاح کی کوشش کرنا ضروری نہیں ہے۔ یعنی امر بالمعروف نہی عن المنکر کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب تم ہدایت پر ہو۔ تو جو آدمی امر بالمعروف نہی عن المنکر نہیں کرتا وہ کب ہدایت پر ہے؟

﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَأَنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے ﴿فَيُنزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً فَتَجَارِدُ فِيهِ السُّيُوفُ وَالرِّجَالُ وَمِمَّا كَفَرْتُمْ جَبَلٌ فَتَذَرُوهٗمُ وَالْمَدَائِنَ حَمُولًا ۗ وَرَبُّكُمُ اللَّهُ ذُو الْعَرْشِ الْعَلِيِّ ۗ﴾ پس وہ تمہیں خبر دے گا ان کاموں کی جو تم کرتے تھے۔ آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے سب کچھ سامنے آ جائے گا اور موت کا کسی کو علم نہیں ہے۔ اور معاملہ تمہارا اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے۔

شان نزول

اگلی آیات کا شان نزول اگرچہ ایک واقعہ ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ایک ضابطہ اور قانون بیان فرمایا ہے۔ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تین آدمی تجارتی سفر پر روانہ ہوئے ایک حضرت بدیل بن ورقانہ بن ہاشم رضی اللہ عنہ دوسرے تمیم داری اور تیسرے عدی بن ہاشم رضی اللہ عنہ دونوں اس وقت عیسائی تھے مگر بعد میں دونوں مسلمان ہو گئے تھے اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ روزانہ تہجد میں قرآن کریم ختم کرتے تھے۔

بہر حال یہ تینوں حضرات شام میں تجارت کے لیے سفر پر روانہ ہوئے۔ سفر ان کا بہت خوش گوار رہا کیونکہ باپ دادا سے ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ جب شام کے علاقہ میں پہنچے اللہ تعالیٰ کی حکمت کہ حضرت بدیل بن ورقانہ رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے اور بیماری ایسی تھی کہ سمجھ گئے کہ میں اس سے جان بر نہیں ہو سکتا۔ جب انہیں زندگی کی امید نہ رہی تو اپنے سارے سامان کی فہرست تیار کی کیونکہ پڑھے لکھے آدمی تھے اور وہ فہرست سامان میں چھپا کر رکھ دی اور اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا کہ مجھے اب زندگی کی کوئی امید نہیں ہے اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے اور بیوی ہے یہ میرا سامان ان تک پہنچا دینا۔ یہ وصیت فرمائی اور فوت ہو گئے۔ ساتھیوں نے ان کو دفن کر دیا اور یہ معلوم نہیں ہے کہ ان کا جنازہ پڑھا گیا یا نہیں؟ کیونکہ دونوں ساتھی تو عیسائی تھے مگر مسلمان جب ایمان کی حالت میں مرے اس کا جنازہ ہو یا نہ ہو اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اس کے شامل حال ہوتی ہیں۔ جنازہ ہو جائے تو نود علی نود اور اگر کسی وجہ سے جنازہ نہ بھی ہو سکے یا جنازہ میں تھوڑے آدمی شریک ہوں تو مومن بہر حال مومن ہے۔

امام غنمی رضی اللہ عنہ کا جنازہ

چنانچہ امام غنمی رضی اللہ عنہ بڑے بلند پائے کے امام اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے اساتذہ میں سے تھے اور حق گو تھے اس وقت کی حکومت کے خلاف انہوں نے آواز بلند کی کہ فلاں فلاں کام تمہارے شریعت کے خلاف ہیں۔ تنقید کو حاکموں نے برداشت نہ

کیا۔ کیونکہ اقتدار کا نشہ بہت برا ہوتا ہے اور حکم جاری کیا کہ یہ جہاں ملیں ان کو قتل کر دو جب حضرت کو معلوم ہوا تو روپوش ہو گئے مگر کچھ دنوں کے بعد فوت ہو گئے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ان کا جنازہ صرف سات آدمیوں نے پڑھا۔

تو بہر حال ان کے دونوں ہم سفر جب واپس پہنچے تو ان کے اہل خانہ کو موت کی اطلاع دی اور ان کا سامان گھر والوں کے حوالے کیا۔ مگر چاندی کا ایک کٹورا جس پر سونے کا پانی چڑھا ہوا تھا اور خاصا وزنی اور قیمتی تھا، چھپایا اور بازار فروخت کر کے اس کی رقم دونوں نے آپس میں تقسیم کر لی۔ موت کا صدمہ چونکہ تمام صدموں میں بھاری ہوتا ہے۔ اہل خانہ نے اس صدمہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے سامان کو نہ کھولا نہ دیکھا کچھ دن گزرنے کے بعد سامان کھولا تو اس میں سے سامان کی فہرست بھی برآمد ہوئی۔ فہرست کے مطابق بقیہ سامان تو مکمل تھا مگر چاندی کا پیالہ ان کو نہ ملا۔ اس پر انھوں نے ان کے دونوں ساتھیوں کو بلا کر پچھا کہ بدیل بنی شیخو جب فوت ہوئے ہیں کیا تم اس وقت ان کے پاس موجود تھے؟ انھوں نے کہا: ہاں! ہم دونوں ان کے پاس موجود تھے۔

اچھا تو کیا انھوں نے اس وقت کوئی صدقہ خیرات کیا تھا؟ کہا نہیں۔ علاج معالجے پر رقم خرچ کی ہو؟ کہا نہیں۔ تمہیں کوئی وصیت کی ہو جس پر تم نے عمل کیا ہو؟ کہنے لگے نہیں۔ تب اہل خانہ نے کہا کہ دیکھو! اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی سامان کی فہرست ہے اور فہرست کے مطابق ایک کٹورا چاندی کا ہونا چاہیے۔ جس پر سونے کا پانی چڑھا ہوا ہے مگر وہ سامان میں موجود نہیں ہے۔ جب انھوں نے علاج پر بھی خرچ نہیں کیا، صدقہ، خیرات بھی نہیں کیا اور کسی قسم کی وصیت بھی نہیں کی تو وہ پیالہ کدھر غائب ہو گیا ہے؟ کہنے لگے اس بات کا ہمیں تو علم نہیں ہے اس نے جتنا سامان ہمارے حوالے کیا تھا وہ ہم نے تمہیں پہنچا دیا ہے۔ اہل خانہ خاموش ہو گئے بات رفع دفع ہو گئی مگر کچھ دنوں کے بعد حضرت بدیل بن قاسم شیخو کے عزیزوں میں شادی تھی زیور بنوانے کے لیے سنار کے پاس گئے کہ ہمیں اتنی مقدار یعنی زیور کی ضرورت ہے کہ اتفاقاً چاندی کے ایک پیالے پر نگاہ پڑی جو سنار کے پاس دکان میں پڑا تھا۔ دریافت کیا کہ یہ پیالہ کہاں سے آیا ہے؟ اس نے بتایا کہ نسیم داری اور عدی بن بڈ سے میں نے خریدا ہے۔ بات کھل گئی کہ یہ وہی پیالہ ہے جس کے متعلق ہمیں شک تھا کہ انہوں نے خیانت کی ہے۔

چنانچہ اہل خانہ نے اپنا مقدمہ آپ کی عدالت میں پیش کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میت کے جو قریبی وارث ہیں کیا وہ قسم اٹھانے کے لیے تیار ہیں کہ ان دونوں نے خیانت کی ہے؟ اور یہ پیالہ واقعی ہمارا ہے؟ اہل خانہ نے کہا حضرت! ہمیں یقین ہے کہ یہ پیالہ ہمارا ہے اور ہم قسم اٹھانے کے لیے تیار ہیں کہ انھوں نے خیانت کی ہے۔ چنانچہ عصر کی نماز کے بعد قسم لی گئی اور وہ پیالہ ان کے حوالے کر دیا گیا۔

وصیت کے احکام ۱۱

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿شَٰهَادَةُ بَيْنَكُمْ﴾ گواہی

تمہارے درمیان ﴿إِذَا خَصَمْتُ أَحَدًا كُمْ الْمَوْتُ﴾ جس وقت کہ آجائے تم میں سے کسی ایک پر موت ﴿حِينَ الْوَصِيَّةِ﴾ وصیت کے وقت ﴿الَّذِينَ ذُو أَعْدَالٍ مِّنْكُمْ﴾ دو گواہ ہوں انصاف والے تم میں سے۔ یعنی مومن ہوں اس بات پر کہ یہ میرا سامان ہے اور یہ میری وصیت ہے میرے اہل خانہ کو پہنچا دینا۔

﴿أَوْ آخَرُونَ مِنْ عُيُوْبِكُمْ﴾ یا دو اور ہوں تمہارے سوا دوسروں سے۔ یعنی غیر مسلم جس طرح اس موقع پر غیر مسلم تھے یہ گواہ کب بنانے ہیں؟ ﴿إِنْ أَنْتُمْ صَرَفْتُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ اگر تم سفر کرو زمین میں ﴿فَأَصَابَتْكُم مَّصِيْبَةُ الْمَوْتِ﴾ پس پہنچے تمہیں موت کی جیسے پیش ﴿تَخْسُؤُنَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ﴾ ان دونوں گواہوں کو روکو تم نماز کے بعد۔

صلوٰۃ وسطیٰ کے ترک پر وعید

کے نا اسیانہ اور ابا یوسف سے ہے کہ نماز سے مراد عصر کی نماز ہے۔ جسے صلوٰۃ وسطیٰ کہا جاتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس کی عصر کی نماز فوت ہوگی ﴿فَكَفَّرْنَا بِهَا وَبَرَّوْا أَهْلَهُ وَمَالَهُ﴾ پس گویا کہ اس کے گھر کا سامان تباہ ہو گیا ہے اور گھر کے سارے افراد مرتد ہو گئے ہیں۔ نماز عصر کے فوت ہونے کا اتنا بڑا نقصان ہے اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ دو نمازیں منافقوں پر بہت بھاری ہیں ایک عشاء کی اور دوسری فجر کی۔ پس جس آدمی کو ان نمازوں کا وزن محسوس ہو اور پڑھنے سے کترائے تو سمجھ لو منافق ہے۔

بعض ائمہ نے کہا ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ کے ترک سے عذاب ہے اور اس کی عاقبت بد ہے۔

یہ ہے ﴿فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَلْمِزُونَ﴾ پس وہ دونوں قسم اٹھائیں اللہ تعالیٰ کی قسم کی ضرورت کب پڑے گی؟ فرمایا ﴿إِنْ أَمَرْتُمْ﴾ ایگزٹیشن ہو (قسم ان الفاظ کے ساتھ اٹھائیں) ﴿لَا يَسْتَوِي بَيْنَهُمَا﴾ کہ ہم اس قسم کے بدلے کوئی قیمت نہیں بخیر یا بدستور ﴿وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ﴾ اور اگرچہ تمہاری رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ نہ کھل کی رعایت کریں گے اور نہ کسی کی مخالفت کریں گے ﴿وَهُوَ لَا يُلَاقِيكُمْ فِي الْقَدَةِ﴾ اور تم نہیں چھو سکتے اللہ تعالیٰ کی گواہی کو ﴿إِنَّمَا إِلَهُ الْإِنْسَانِ﴾ بے شک ہم اس وقت اگر ہم گواہی چھپائیں تو البتہ گناہگاروں میں سے ہوں گے ﴿فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَلْمِزُونَ﴾ اگر اہل باطن کو چھپا دیا جائے ﴿عَلَىٰ أَقْفَابِهِمْ﴾ بعض بات پر کہ وہ دونوں گواہ تین ہیں گناہ ختم کر لیں انہوں نے خیانت کیا ہے آپ آمین اللہ اعلم بالصواب

بعض ائمہ نے کہا ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ کے ترک سے عذاب ہے اور اس کی عاقبت بد ہے۔ ﴿أَوْ آخَرُونَ﴾ پس دوسرے دو ﴿يَعْتَمِدُونَ مَقَامَهُمَا﴾ کھڑے ہوں ان (دونوں) کی جگہ پر ﴿مَنْ أَلْفَنَّا شَيْئًا﴾ علیہم الاؤلین ﴿ان لوگوں میں سے جن کا حق دیا ہے لیکن وہ دو گواہ میت کے لئے بہت قریبی ہوں ﴿فَيُقْسِمُونَ بِاللَّهِ﴾ پس وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھائیں ﴿لَشَهَادَتُنَا أَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا﴾ البتہ ہماری گواہی زیادہ تحقیقی ہے ان پہلے گواہوں کی گواہی سے ﴿وَلَوْ مَا عَجَبْنَاهُمْ﴾ لہذا ہم نے تعجب و ناہن کیا ﴿إِنَّمَا إِلَهُ الْإِنْسَانِ﴾ بے شک اس وقت (اگر ہم تجاؤر کریں تو) ہم ظالموں میں

سے ہوں گے۔

اسلام میں کسی کی حق تلفی نہیں ہے

اب رہی یہ بات کہ یہ حق میت کے قریبی وارثوں کو کیوں دیا ہے؟ کہ وہ گواہی دے سکتے ہیں کہ فلاں نے ہمارا حق مارا ہے تو فرمایا ﴿ذَلِكَ أَدْنَى﴾ یہ بات زیادہ قریب ہے ﴿أَنْ يَأْتُوا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَا﴾ یہ کہ لائیں وہ لوگ گواہی اپنے طریقے پر۔ کیونکہ ان کو معلوم ہوگا کہ اگر ہم نے گواہی میں گڑ بڑ کی تو دوسرے گواہ ہمارے مقابلہ میں کھڑے کر دیں گے۔ ﴿أَوْ يَخَالِفُوا﴾ اٹھانے کا حق ہے۔ اگر ہم کوئی ہیرا پھیری کریں گے۔ تو پھر دوسروں کو قسم اٹھانے کا حق ملے گا۔ پھر ہمیں مال بھی دینا پڑے گا اور بدنام بھی ہوں گے۔

تقویٰ کا انعدام، قیامت کی ایک علامت ہے

آگے فرمایا سب سے بڑی چیز ہے ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے۔ اللہ تعالیٰ سے جو ڈرتا ہے اس کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے کہ وہ صحیح بات کرے۔ باقی قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ لوگوں کے دلوں میں خدا خونی نہیں رہے گی اور دلوں میں بغض، کینہ اور عداوت آجائے گی اور دل اس طرح سخت ہوں گے جس طرح بھیڑیوں کے ہوتے ہیں۔ یعنی شکلیں انسانوں والی ہوں اور دل بھیڑیوں کے ہوں گے۔ یہ مسلم شریف کی روایت ہے۔ نہ قتل کا خوف ہوگا، نہ لوٹنے سے ڈریں گے، نہ عزت پر حملہ کرنے سے باز آئیں گے۔

﴿وَاسْمَعُوا﴾ اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو سنو، سمجھو اور ان پر عمل کرو۔ ﴿وَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الضَّالِّينَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا نا فرمان قوم کو۔ ہدایت انہیں ہی دیتا ہے جو ہدایت چاہتے ہیں۔



﴿يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ﴾ جس دن اللہ تعالیٰ اکٹھا کرے گا پیغمبروں کو ﴿فَيَقُولُ﴾ پس فرمائے گا ﴿مَاذَا أُجِبْتُمْ﴾ تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا ﴿قَالُوا﴾ وہ کہیں گے ﴿لَا عِلْمَ لَنَا﴾ ہمیں کچھ علم نہیں ہے ﴿إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ﴾ بے شک تو ہی ہے پوشیدہ باتوں کو جاننے والا ﴿إِذْ قَالَ اللَّهُ﴾ جب فرمائے گا اللہ تعالیٰ ﴿يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ﴾ اے عیسیٰ بیٹے مریم کے (ﷺ) ﴿إِذْ كُنْتُمْ نَفْسًا﴾ یاد کر میری نعمتیں ﴿عَلَيْكَ وَعَلَىٰ الْوَالِدَاتِ﴾ جو میں نے تم پر کیں اور تیری والدہ پر کیں ﴿إِذْ آتَيْنَاكَ﴾ جب میں نے تیری تائید کی ﴿بِرُوحِ الْقُدُسِ﴾ پاک روح کے ساتھ ﴿مُحْكِمَ النَّاسِ﴾ کلام کرتا تھا تو لوگوں کے ساتھ ﴿فِي الْهَيْدِ وَكُهَلًا﴾ گہوارے میں اور ادھیڑ عمر میں

﴿وَإِذْ عَلَّمْنَا الْكُتُبَ﴾ اور جب تعلیم دی میں نے تجھے کتاب کی ﴿وَالْحِكْمَةَ﴾ اور حکمت کی ﴿وَالتَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ﴾ اور توراہ اور انجیل کی ﴿وَإِذْ نَحْنُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ اور جب تم بناتے تھے مٹی سے ﴿كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ﴾ پرندے کی شکل ﴿بِإِذْنِي﴾ میرے حکم سے ﴿فَتَنقُصُ مِنْهَا﴾ پھر اس میں تم پھونکتے تھے ﴿فَتَكُونُ كَالرِّبَابِ﴾ پس وہ ہو جاتا تھا پرندہ میرے حکم سے ﴿وَتُبْرَىٰ﴾ الایکٹہ ﴿اور تندرست کرتا تھا تو مادر زاد اندھے کو ﴿وَالْأَبْرَصَ﴾ اور برص والے کو ﴿بِإِذْنِي﴾ میرے حکم سے ﴿وَإِذْ تُخْرِجُ النَّوْثَىٰ﴾ اور جب تم نکالتے (زندہ کرتے تھے) مردوں کو ﴿بِإِذْنِي﴾ میرے حکم سے ﴿وَإِذْ كَلَّمْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَنْكَ﴾ اور جب روکا میں نے بنی اسرائیل کو تم سے ﴿إِذْ جُنْتُمْ بِالْبَيْتِ﴾ جب تم لاتے ان کے پاس واضح دلیلیں ﴿فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ پس کہا ان لوگوں نے جو کافر تھے ﴿مِنْهُمْ﴾ ان میں سے ﴿إِنْ هَذَا إِلَّا بَحْرُ مُيُونِ﴾ نہیں ہے یہ مگر کھلا جادو۔

روزِ محشر انبیاء علیہم السلام سے سوال

میدانِ محشر میں اللہ تبارک و تعالیٰ تمام مخلوق کو اکٹھا فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی عدالت قائم ہوگی اس دن اللہ تعالیٰ تمام پیغمبروں سے سوال کریں گے میں نے تمہیں اپنی اپنی امتوں کی طرف مبعوث کیا تھا کہ میرے احکام ان تک پہنچاؤ تو لوگوں نے تمہیں کیا جواب دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يَوْمَ يَجْعَلُ اللَّهُ الرُّسُلَ﴾ جس دن اللہ تعالیٰ اکٹھا کرے گا پیغمبروں کو ﴿فَيَقُولُ﴾ پس فرمائے گا ﴿مَاذَا أُجِبْتُمْ﴾ تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا۔ حالانکہ رب تعالیٰ تو تمام چیزوں کو جانتا ہے اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ مگر پیغمبروں کی زبانی سنا چاہے گا۔

انبیاء علیہم السلام کے اظہارِ علمی کی وجہ

﴿قَالُوا﴾ وہ (پیغمبر) کہیں گے ﴿لَا عَلِمَ لَنَا﴾ ہمیں کچھ علم نہیں ہے ﴿إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ﴾ اے پروردگار! بے شک تو ہی پوشیدہ باتوں کو جاننے والا ہے۔ دیکھنا! اس آیت کریمہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دریافت کرنے پر انبیاء کرام علیہم السلام مطلقاً علمی کا اظہار فرمائیں گے جبکہ دوسرے مقام پر قرآن کریم میں موجود ہے۔ وہ اپنی اپنی امتوں کے حق میں گواہی دیں گے تو اس آیت کریمہ کی تین تفسیریں نقل کی گئی ہیں۔

روزِ محشر صالحین کی حالت

ایک یہ کہ جب رب تعالیٰ فرمائیں گے ﴿مَاذَا أُجِبْتُمْ﴾ تمہیں کیا جواب دیا گیا؟ تو قیامت کی ہولناکیوں کی وجہ سے ہوش قائم نہیں ہوں گے، بھول جائیں گے کہ ہمیں امتوں نے کیا جواب دیا تھا۔ مگر محققین حضرات اس تفسیر کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ کیونکہ قرآن کریم میں رب تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَا يَحْرُغُهُمُ الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾ [الانبیاء: ۱۰۳] ”ان کو ہم میں نہیں ڈالے

گی بڑی گھبراہٹ۔ "یعنی اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر اس دن کی گھبراہٹ کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ تو پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ پیغمبروں کے ہوش و حواس قائم نہ رہیں۔ اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ پیغمبروں پر ایسا خوف طاری ہو کہ وہ پہلی پچھلی تمام باتیں بھول جائیں۔ لہذا یہ تفسیر کہ قیامت کی ہولناکیوں کی وجہ سے ان کے ہوش قائم نہیں رہیں گے قابل التفات نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول

اس آیت کریمہ کی دوسری تفسیر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ پیغمبروں سے فرمائیں گے ﴿مَاذَا آجِبْتُمْ﴾ تمہیں کیا جواب دیا گیا تو پیغمبر جواب دیں گے اے پروردگار! تیرے تفصیلی اور محیط علم کے مقابلہ میں ہمارا محدود علم نہ ہونے کے برابر ہے۔ ﴿إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ﴾ بے شک تو ہی پوشیدہ باتوں کو جاننے والا ہے۔ اور صحیح تفسیر یہی ہے۔

ابن جریج تابعی رضی اللہ عنہ کی تفسیر

اور تیسری تفسیر ابن جریج رضی اللہ عنہ جو کہ تابعی ہیں ان سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ پیغمبروں کے کچھ امتی تو ان کے قریب رہتے تھے اور کچھ دور دراز کے علاقوں میں اسی طرح کچھ تو ان کے زمانے میں موجود تھے اور کچھ ان کے دنیا سے چلے جانے کے بعد مثلاً: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی صرف وہی تو نہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں موجودگی میں تھے بلکہ قیامت تک آنے والے سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں۔ تو پیغمبر کہیں گے اے پروردگار! ہم ان کو تو جانتے ہیں جو ہمارے سامنے اور قریب تھے کہ انھوں نے ہمیں یہ جواب دیا اور ان کو نہیں جانتے جو دور دراز علاقوں میں رہنے والے تھے۔ یا جو ہمارے دنیا سے چلے آنے کے بعد آئے کہ انھوں نے کیا کہا اور کیا کیا کرتے رہے۔

اگلے رکوع میں آ رہا ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ عیسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کریں گے کہ کیا تم نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو معبود بناؤ؟ یہاں سے اس سوال کی تمہید ہے۔

حضرت عیسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان

فرمایا ﴿إِذْ قَالَ اللَّهُ﴾ جب فرمائے گا اللہ تعالیٰ ﴿يَعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ﴾ اے عیسیٰ بیٹے مریم کے ﴿عَلَّمْنَاكَ﴾ یاد کر میری نعمتیں ﴿عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِكَ﴾ جو میں نے تجھ پر کہیں (کہ تجھے بغیر باپ کے پیدا کیا) اور تیری والدہ پر کہیں (کہ بغیر خاندان کے بچہ دیا) اور دوسری نعمتیں الگ ہیں کہ ﴿إِذْ أَنْذَرْنَاكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ﴾ جب میں نے تیری تائید کی پاک روح کے ساتھ۔

روح القدس کون؟

پاک روح سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں چونکہ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سخت مخالف تھے اور ہر وقت قتل کے درپے رہتے تھے۔ اس لیے اکثر جگہوں پر جہاں خطرہ ہوتا اللہ تعالیٰ جبرائیل علیہ السلام کو آپ علیہ السلام کی نگرانی اور حفاظت کے لیے بھیجتے تھے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا امتیاز؟

﴿يَحْكُمُ النَّاسَ فِي الْهَيَاةِ وَكَمَا﴾ کلام کرتا تھا تو لوگوں کے ساتھ گوارے میں اور ادھیڑ عمر میں۔ ”مہد“ کا معنی پتنگھوڑا بھی ہے اور گود بھی۔ یعنی آپ ماں کی گود یا پتنگھوڑے میں لوگوں کے ساتھ گفتگو کرتے تھے اور تیس اور چالیس سال کے درمیان والے زمانے کو ”کہوت“ کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ اگر آدمی بیمار نہ ہو تو اس کی بدنی قوتیں عروج پر ہوتی ہیں۔ اور چالیس سال کے بعد آہستہ آہستہ کمی واقع ہونے لگتی ہے۔ بعضوں کے جلدی بال سفید ہو جاتے ہیں اور نگاہ کمزور ہو جاتی ہے۔ اور بعضوں کے تاخیر سے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دونوں زمانوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔ وہ بچپن اور ادھیڑ عمر میں ایک جیسی گفتگو کرتے تھے حالانکہ بچہ گود یا پتنگھوڑے میں گفتگو نہیں کر سکتا مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ خصوصیت عطا فرمائی تھی کہ وہ بچپن میں بھی بڑی مقبول تقریر کرتے تھے۔ چنانچہ ان کی بچپن کی تقریر سورہ مریم میں موجود ہے: ﴿قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ﴾ ”فرمایا عیسیٰ علیہ السلام نے میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں مجھے کتاب دی گئی ہے اور میں نبی بنایا گیا ہوں۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا ایک پہلو؟

﴿وَإِذْ عَلَّمْنَاكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ اور جب تعلیم دی میں نے تجھے کتاب کی اور حکمت کی ﴿وَالشُّرَاهِ وَالْإِنْجِيلَ﴾ اور توراہ اور انجیل کی تعلیم دی۔

کتاب اور حکمت سے مراد؟

①..... بعض مفسرین کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ کتاب سے مراد لکھنا ہے کہ میں نے تجھے لکھنا سکھا یا پہلے انبیاء کرام رضی اللہ عنہم لکھنا بھی جانتے تھے اور پڑھنا بھی جانتے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم التَّوْحِيدِ الْاَلْحَقِ ہیں۔ نہ لکھنا جانتے تھے، نہ پڑھنا جانتے تھے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَلْمِزُوهُ مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخْطَفُ بِمَقَالِكُمْ اِذَا لَمْ يَنْتَابِ الْمُبْتَلُونَ﴾ [العنکبوت: ۲۸] ”اور آپ اس سے پہلے تو کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اسے اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے اگر آپ پہلے سے پڑھے لکھے ہوتے تو یہ باطل پرست لوگ شک کرتے اور حکمت سے مراد انائی کی باتیں ہیں۔“

- ① اور دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ کتاب سے مراد دوسری کتب سماویہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعلیم بھی دینی عیسیٰ علیہ السلام کو۔
- ② اور تیسری تفسیر یہ نقل کرتے ہیں کہ کتاب سے مراد قرآن کریم ہے اور حکمت سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔
- کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر زندہ ہیں اور قیامت سے پہلے نازل ہوں گے اور چالیس سال زمین پر حکومت کریں گے۔ اور قرآن و سنت کے مطابق فیصلے کریں گے۔ اگر قرآن و سنت کا علم نہیں ہوگا تو فیصلے کس طرح کریں گے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چند معجزات

- ① ﴿وَاذْخُرْنَا مِنَ الظَّنِّ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ﴾ اور جب تم بناتے تھے مٹی سے پرندے کی شکل ﴿يَا ذُنِّي﴾ میرے حکم سے ﴿فَنَسْفَعُ بِهَا﴾ پھر اس میں تم پھونکتے تھے ﴿فَتَكُونُ طَيْرًا يَأْذُنِي﴾ پس وہ ہو جاتا تھا پرندہ میرے حکم سے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ عطا فرمایا تھا کہ وہ مٹی کا پرندہ بنا کر اس میں پھونک مارتے وہ جانور بن کر اڑ جاتا تھا کون سے پرندے کی شکل بنائی تھی؟ فرماتے ہیں کہ چمگادڑ کی شکل جس کو ”چام چٹی، چچوری“ اور فارسی میں ”شپرہ چشم“ کہتے ہیں۔
- ② ﴿وَتَنْبِئُ الْأَكْمَةَ وَالْأَبْرَصَ﴾ اور تندرست کرتا تھا تو مادر زاد اندھے کو اور برص والے کو ﴿يَا ذُنِّي﴾ میرے حکم سے۔ برص کے دو معنی کرتے ہیں ایک پھل بہری اور دوسرا کوڑھ۔ سوداوی مزاج آدمیوں کے خون میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے جس سے اس کے ہاتھ پاؤں گر جاتے ہیں اس کو کوڑھ کہتے ہیں اور اس مرض والے کے قریب کوئی نہیں جاتا کیونکہ یہ متعدی اور لاعلاج بیماری ہوتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ کوڑھ والے سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنکھوں پر ہاتھ پھیرتے تھے اللہ تعالیٰ مادر زاد اندھے کو بینا فرمادیتے تھے۔ کوڑھ والے کے جسم پر ہاتھ پھیرتے تھے اللہ تعالیٰ اس کو تندرست کر دیتا تھا۔ ایمان کی شرط کے ساتھ کہ مثلاً مادر زاد اندھا آپا آپ اس کو فرماتے تھے کہ اگر تو میرے اوپر ایمان لے آئے تو میں تیری آنکھوں پر ہاتھ پھیروں گا اللہ تعالیٰ تجھے بینا کر دے گا۔ تفسیروں میں لکھا ہے کہ: ”حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ایک دن میں چچاس ہزار آدمی تندرست ہوئے۔“

چار مردوں کو زندہ کرنے کا بطور خاص ذکر

﴿وَاذْخُرْنَا مِنَ الْمَوْتِ يَا ذُنِّي﴾ اور جب تم نکالتے (زندہ کرتے تھے) مردوں کو میرے حکم سے۔ چار مردوں کو زندہ کرنے کا ذکر خاص طور پر تفسیروں میں آتا ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہے:

- ① . ایک آذر نامی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوست تھا اس کی قبر پر کھڑے ہو کر فرمایا ﴿يَا ذُنِّي اللَّهُ﴾ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کھڑا ہو جا۔ قبر پھٹی اور وہ زندہ ہو کر باہر آ گیا۔

② دوسرا ابن العجوز ایک بوڑھی عورت تھی اس کا ایک ہی بیٹا تھا وہ فوت ہو گیا ماں بڑی پریشان تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کی

قبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا قُمْ بِأَذْنِ اللَّهِ اللَّهُ تَعَالَى كَعَمٍ سَے زندہ ہو جا۔ قبر پھٹی اور وہ زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔
 ۴..... تیسری چوگی پر ملازمت کرنے والے کی ایک لڑکی تھی وہ فوت ہو گئی جس سے وہ بڑا پریشان تھا۔ اس کی قبر پر کھڑے ہو کر
 فرمایا: قُمْ بِأَذْنِ اللَّهِ وَہ زندہ ہو گئی۔

۵..... اور چوتھا حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا سام اس کی قبر پر کھڑے ہو کر فرمایا قُمْ بِأَذْنِ اللَّهِ وَہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہو گیا۔
 یہ تمام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بچایا؟

فرمایا ﴿وَإِذْ كَفَفْتُمْ بَيْنَ إِسْرَائِيلَ وَكَنْعَانَ﴾ اور جب روکامیں نے بنی اسرائیل کو تم سے۔ وہ تجھے قتل کرنا چاہتے تھے مگر
 میں نے ان کے ہاتھ آپ تک نہیں پہنچنے دیئے۔ ﴿وَإِذْ جُمِعْتُمْ بِالْبَيْتِ﴾ جب تم لائے ان کے پاس واضح دلیلیں ﴿فَقَالَ الَّذِينَ
 كَفَرُوا مِنْهُمْ﴾ پس کہا ان لوگوں نے جو کافر تھے ان میں سے ﴿إِنْ هَذَا إِلَّا خَرَقُ مَبِينٍ﴾ نہیں ہے یہ مگر کھلا جادو۔
 جن معجزات کا ذکر ابھی تم نے سنا ہے ان کے متعلق انھوں نے کہا کہ یہ کھلا جادو ہے۔ اور ان کو تسلیم نہ کیا۔ اور یہ محض انھوں
 نے ضد کی وجہ سے کیا۔ ورنہ دلی طور پر وہ سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ یہ حقیقت ہیں۔ اللہ تعالیٰ ضد سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔



﴿وَإِذْ أَوْحَيْتُ﴾ اور جب میں نے وحی کی ﴿إِلَى الْخَوَارِجِينَ﴾ حواریوں کی طرف ﴿أَنْ آمِنُوا بِي﴾ کہ ایمان لاؤ
 مجھ پر ﴿وَبِرَسُولِي﴾ اور میرے رسول پر ﴿قَالُوا آمَنَّا﴾ کہا انھوں نے ہم ایمان لائے ﴿وَأَشْهَدُ﴾ اور اے اللہ
 تو گواہ رہ ﴿بِأَنَّكَ مُسَلِّمُونَ﴾ بے شک ہم مسلمان ہیں ﴿إِذْ قَالَ الْخَوَارِجِيُّونَ﴾ جب کہا حواریوں نے ﴿يَعِيسَى
 ابْنُ مَرْيَمَ﴾ اے عیسیٰ بن مریم ﴿هَلْ يَنْتَظِرُونَكَ مِنَ السَّمَاءِ﴾ کیا تیرا رب طاقت رکھتا ہے ﴿أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْنَا﴾ اس بات
 کی کہ وہ نازل کرے ہم پر ﴿مَا يَدْعُونَ السَّمَاءَ﴾ دسترخوان آسمان کی طرف سے ﴿قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ﴾ فرمایا ڈرو
 اللہ تعالیٰ سے ﴿إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ اگر ہو تم ایمان والے ﴿قَالُوا﴾ کہا انھوں نے ﴿نُرِيدُ أَنْ نَأْكُلَ مِنْهَا﴾ ہم
 چاہتے ہیں کہ کھائیں اس دسترخوان سے ﴿وَتُظْمِئْنَ قُلُوبُنَا﴾ اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں ﴿وَتَعْلَمَ﴾ اور ہم
 جان لیں ﴿أَنْ قَدْ صَدَّقْتَنَا﴾ کہ تم نے سچ کہا ہے ﴿وَنَكُونُ عَلَيْهِمُ مِنَ الشَّاهِدِينَ﴾ اور ہو جائیں ہم اس دسترخوان
 پر گواہی دینے والوں میں سے ﴿قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ﴾ فرمایا عیسیٰ بن مریم (ﷺ) نے ﴿اللَّهُمَّ رَبَّنَا﴾ اے اللہ
 جو ہمارا رب ہے تو ﴿انزِلْ عَلَيْنَا﴾ اتار دے ہم پر ﴿مَا يَدْعُونَ السَّمَاءَ﴾ دسترخوان آسمان کی طرف سے
 ﴿تَلْنُونَ لَنَا﴾ کہ ہو ہمارے لیے ﴿عَيْدًا﴾ خوشی کا ذریعہ ﴿لَاؤُنَا﴾ ہمارے پہلوں کے لیے ﴿وَآخِرُنَا﴾ اور

ہمارے پچھلوں کے لیے ﴿وَايَةٌ مِنْكَ﴾ اور نشانی ہو تیری طرف سے ﴿وَأَمَّا قُنَّا﴾ اور تو ہمیں رزق دے ﴿وَ أَنْتَ خَيْرُ الرَّزُقِينَ﴾ اور تو بہتر روزی دینے والا ہے ﴿قَالَ اللَّهُ﴾ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿إِنِّي مُتَوَلِّيٰهَا عَلَيْكُمْ﴾ میں اتارنے والا ہوں اس دسترخوان کو تم پر ﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ﴾ پس جو شخص ناشکری کرے گا اس کے بعد ﴿قَوَائِي﴾ اَعْدِيْبُهُ عَدَابًا﴾ پس میں اس کو سزا دوں گا ایسی سزا ﴿لَا اَعْدِيْبَةُ﴾ کہ نہیں سزا دوں گا میں ایسی ﴿اَحْدَاوِيْنَ الْعَلَمِيْنَ﴾ جہان والوں میں سے کسی ایک کو۔

لفظ ”حواری“ کی تحقیق

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جو مخلص ساتھی تھے ان کو حواری کہتے ہیں ان کو حواری کہنے کی ایک وجہ تو یہ بیان فرماتے ہیں کہ حواری حور سے مشتق ہے۔ اور حور کے معنی ہیں سفید چونکہ ان کے رنگ سفید تھے جس طرح سفید قام قومیں ہیں اس لیے ان کو حواری کہتے تھے۔ دوسری وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ دھوبی تھے کپڑوں کو دھو کر سفید کرتے تھے اس لیے ان کو حواری کہتے تھے اور تیسری وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ دل کے بڑے صاف تھے جو دل میں ہوتا تھا وہ زبان پر ہوتا تھا اور جو زبان پر ہوتا تھا وہ عمل میں نظر آتا تھا تو دل کے صاف ہونے کی وجہ سے ان کو حواری کہتے تھے۔

حواریوں سے خطاب

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْعَوَامِرِيِّنَ﴾ اور جب میں نے وحی کی حواریوں کی طرف۔ ان کو وحی کرنے کا ایک مطلب تو یہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعے ان کو پیغام دیا اور وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے ان پر وحی نازل ہوتی تھی کہ ان کو میرا پیغام پہنچا دے۔ اور وحی کا معنی الہام بھی ہوتا ہے۔ دل میں بات ڈالنا مگر غیر نبی کا الہام قطعی نہیں ہوتا تو مطلب یہ بنے گا کہ میں نے ان کے دل میں بات ڈالی۔

حواریوں سے مطالبہ

﴿أَنْ أَوْثِقُوا بِرَبِّكُمْ﴾ کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے رسول عیسیٰ علیہ السلام پر چونکہ وہ لوگ بڑے مخلص تھے۔ ﴿قَالُوا﴾ کہا انہوں نے ہم ایمان لائے ﴿قَالُوا آمَنَّا﴾ کہا انہوں نے ہم ایمان لائے ﴿وَأَشْهَدُ﴾ اور اے اللہ تو گواہ رہ ﴿بِأَنَّكَ مُسْلِمُونَ﴾ بے شک ہم مسلمان ہیں۔ وہ حواری بڑے مخلص اور سادے لوگ تھے۔ ﴿إِذْ قَالَ الْعَوَامِرِيُّونَ﴾ جب کہا حواریوں نے ﴿يٰعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ﴾ اے عیسیٰ بیٹے مریم کے ﴿هَلْ يَسْتَطِيعُ رَهْبُكَ﴾ کیا تیرا رب طاقت رکھتا ہے ﴿أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَائِدًا مِنَ السَّمَاءِ﴾ اس بات کی کہ وہ نازل کرے ہم پر دسترخوان آسمان کی طرف سے۔ یہ مطالبہ حواریوں نے اس لیے کیا کہ وہ بڑے غریب تھے کسی وقت کھانا میسر ہوتا تھا کسی وقت نہیں اور بسا اوقات دو، دو، تین، تین دن بھی فاقے میں گزر جاتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تذکیر

﴿قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ڈرو اللہ تعالیٰ سے۔ کہ ایک طرف تو کہتے ہو تیرا رب اور دوسری طرف کہتے ہو کہ وہ آسمان سے دسترخوان اتارنے پر قادر ہے کہ نہیں؟ بھائی! رب ہے اور آسمانوں، زمینوں کا خالق ہے۔ جس نے پہاڑوں کو پیدا کیا، چاند، سورج، ستاروں کو پیدا کیا اس کے لیے آسمان سے دسترخوان اتارنا کون سا مشکل کام ہے۔ اس کی قدرت میں شک کرتے ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ ﴿إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ اگر ہو تم ایمان والے۔ کہ جب تم اس رب تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو جو ساری مخلوق کا خالق اور قادر مطلق ہے تو اس کے لیے دسترخوان کا اتارنا کون سا مشکل ہے؟

حواریوں کا اطمینان قلب

﴿قَالُوا﴾ کہا انہوں نے۔ ہمیں اپنے رب کی صفات میں تو کوئی شبہ نہیں ہے۔ ﴿كُنْتُمْ أَنْ تَأْكُلَ مِنْهَا﴾ ہم چاہتے ہیں کہ کھائیں اس دسترخوان سے ﴿وَتَنْظُمِينَ قُلُوبَنَا﴾ اور کھانا کھانے کے بعد ہمارے دل مطمئن ہو جائیں۔ اب بھوک کی وجہ سے ہمارے ہوش و حواس اڑے ہوئے ہیں کھانا کھانے کے بعد اطمینان قلب نصیب ہوگا۔

﴿وَتَعْلَمَ أَنْ قَدْ صَدَّقْتَنَا﴾ اور ہم جان لیں کہ تم نے سچ کہا ہے۔ کہ رب تعالیٰ کا تمہارے ساتھ وعدہ ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً تمہاری مدد کرتا رہے گا۔ باقی رب تعالیٰ کی قدرت میں ہمیں کوئی شک نہیں ہے ہم صرف یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہم جیسے گنہگار اس قابل ہیں کہ ہمارے لیے آسمان سے دسترخوان نازل ہو۔ اور ہم آسمانی دسترخوان سے کھانا کھائیں۔

﴿وَنُكِّنُونَ عَلَيْهَا مِنَ السَّمَاءِ طَائِفًا﴾ اور ہو جائیں ہم اس دسترخوان پر گواہی دینے والوں میں سے۔ کہ واقعی آسمان سے دسترخوان نازل ہوا تھا اس پر کھانے لگے ہوئے تھے اور ہم نے کھائے تھے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یقین ہو گیا کہ حواری رب تعالیٰ کی قدرت کے منکر نہیں، صرف تعبیر کرنے میں غلطی ہوئی دل کے بڑے صاف ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا

تو ﴿قَالَ وَيَسَى ابْنِ مَرْيَمَ﴾ فرمایا عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) نے ﴿اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدًا مِنَ السَّمَاءِ﴾ اے اللہ جو ہمارا رب ہے تو اتار دے ہم پر دسترخوان آسمان کی طرف سے ﴿تَكُونُ لَنَا عِيدًا﴾ کہ ہو ہمارے لیے خوشی کا ذریعہ ﴿لَا دُنَا دَاخِرًا﴾ ہمارے پہلوں کے لیے اور ہمارے پچھلوں کے لیے۔ پہلوں کے لیے خوشی کا ذریعہ کس طرح ہوگا؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ وادی تیبہ میں

وہ اس طرح کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر جب وادی تیبہ (اس کی تعریف پیچھے گزر چکی ہے) میں پہنچے۔ اس میدان میں ان کو عمال قوم کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم ملا۔ مگر انہوں نے یہ کہہ کر جواب دے دیا کہ ﴿لَا ذَهَبَ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَكَانُوا لَا

إِنَّا هُمْنَا لَعَدُوْنَ ﴿﴾ ”پس اے موسیٰ (علیہ السلام) آپ اور آپ کا رب جا کر لڑیں ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آگے جانا چالیس سال کے لیے بند کر دیا۔“ یہ لاکھوں کی تعداد میں تھے جن میں مرد، عورتیں، جوان، بچے، بوڑھے شامل تھے۔ پانی اور خوراک ایسی چیز ہے کہ جاندار مخلوق کا اس کے بغیر گزارا نہیں ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آسمان سے ”منّ“ یعنی کھیر اور ”سلویٰ“ یعنی بئیر نازل فرمائے۔ ایک پلیٹ میں کھیر ہوتی تھی اور ایک پلیٹ میں بئیر ہوتے تھے جو یہ بغیر محنت، مشقت کے کھاتے تھے۔ اور پانی کا بھی انتظام فرمایا کہ پتھر سے بارہ چشمے جاری فرمائے یہ الگ بات ہے کہ انھوں نے کہا کہ ہم ایک طرح کے کھانے پر صبر نہیں کر سکتے۔ ہمارے لیے پیاز، تھوم، دال، گندم وغیرہ کی فصلیں پیدا فرمائے۔ تو پہلووں سے مراد موسیٰ (علیہ السلام) کے دور کے لوگ ہیں۔ جن پر اللہ تعالیٰ نے من اور سلویٰ نازل فرمایا۔ اور پچھلوں سے بھی مراد یہی لوگ ہیں جن پر دسترخوان نازل ہوا۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَهُوَ الْغَنِيُّ الرَّحْمَنُ ﴿﴾

تو مطلب یہ بنے گا کہ ہمارے پہلوں کے لیے بھی خوشی تھی اور ہمارے لیے بھی خوشی کا ذریعہ بنے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ پہلوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس وقت موجود تھے کہ آسمان سے دسترخوان نازل ہوگا ہم اس سے کھائیں گے اور ہمارے لیے خوشی کا ذریعہ ہوگا۔ اور پچھلوں سے مراد بعد میں آنے والے ہیں کہ ان کے لیے خوشی کا ذریعہ ہوگا کہ وہ کہیں گے کہ ہمارے بڑوں پر آسمان سے دسترخوان نازل ہوتا تھا اور وہ کھانے کھاتے تھے۔ جس طرح ہم اپنے بڑوں کے کارنامے ذکر کر کے خوش ہوتے ہیں کہ بدر میں اس طرح ہوا۔ فلاں مقام پر اس طرح نصرت آئی۔ فلاں مقام پر اس طرح کامیابی حاصل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ ہی رزاق ہیں ﴿﴾

﴿ذُو اٰیۃٍ مِّنۡكَ﴾ اور نشانی ہو تیری طرف سے اے پروردگار ﴿وَ اِنۡرٰدُ قٰتِلًا﴾ اور تو ہمیں رزق عطا فرما۔ ﴿وَ اَنْتَ خٰلِقُ الزَّوٰجِیۡنَ﴾ اور تو بہتر روزی دینے والا ہے۔ رزق کھاتے تو تمام لوگ کما کر ہیں مگر رزق کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے سوا رزق کا خالق کوئی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عنایت اور ایک تمبیہ ﴿﴾

﴿قَالَ اللّٰهُ﴾ فرمایا اللہ تبارک و تعالیٰ نے ﴿اِنِّیۡ مُتَوَلِّیۡنَہُمَا عَلٰیۡکُمْ﴾ میں اتارنے والا ہوں اس دسترخوان کو تم پر۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ﴿لٰکِنۡ یَّظُنُّۡرَ بَعۡدَۡ مِثۡلِکُمْ﴾ پس جو شخص ناشکری کرے گا اس کے بعد ﴿قَوٰیۡۡ اَعۡلٰیۡۡہُۡ عٰذَآۡہَا﴾ پس میں اس کو سزا دوں گا ایسی سزا ﴿اَعۡلٰیۡۡہُۡۡ اَحۡدَآۡقِۡنَ الْعٰلَمِیۡنَ﴾ کہ نہیں سزا دوں گا میں ایسی جہان والوں سے کسی ایک کو۔

دسترخوان کا نزول اور احکام

ترمذی شریف میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسمان سے دسترخوان نازل ہوا اس میں گوشت اور روٹیاں تھیں۔ بعض تفسیروں میں مچھلی کا بھی ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی ہوائی مچھلیاں بھی نازل فرمائیں۔ مچھلی بھی گوشت ہے۔

ناشکری کی سزا

رب تعالیٰ کی طرف سے یہ پابندی تھی کہ وقت پر جو کھانا نازل ہو مثلاً: صبح یا شام کے وقت تو تم خوب سیر ہو کر کھاؤ مگر ذخیرہ نہیں کرنا اور یہ تفسیر بھی ہے کہ حکم تھا کہ محتاج اور معذور کھائیں، مالدار اور صاحب حیثیت نہ کھائیں، لیکن انہوں نے قانون کی پابندی نہ کی تھالیاں پلیٹیں ساتھ لے آتے اور ان میں ذخیرہ کر لیتے اور مال داروں نے بھی ساتھ کھانا شروع کر دیا۔ اس طرح یہ لوگ شرائط کی پابندی نہ کر سکے پھر نتیجہ وہی نکلا جس کی خبر پہلے دی جا چکی تھی کہ اگر ناشکری کرو گے تو میں سخت سزا دوں گا۔

بنی اسرائیل کی سزا کا زمانہ

ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بندر اور خنزیر بنا دیا۔ بوڑھے جن کی تعداد تقریباً تین سو تھی ان کو خنزیر کی شکل میں اور نوجوانوں کو بندر کی شکل میں تبدیل کیا۔ بنی اسرائیل کو حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں بندر اور خنزیر کی شکل میں تبدیل کیا گیا جو بحر قلزم کے کنارے شہر ایلبہ جس کو آج کل ایلات کہتے ہیں اور یہ یہودیوں کی بندرگاہ ہے۔ یہاں آباد تھے۔ وہ الگ واقعہ ہے اور یہ الگ واقعہ ہے۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور کا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پانچ سو چھہتر [۵۷۶] سال بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے۔

گانا سننے کی سزا

بخاری شریف اور ترمذی شریف کی روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے قریب اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کی عقلیں بندر اور خنزیر کی شکل میں تبدیل کرے گا۔ مسند احمد کی روایت میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ حضرت اودہ کلمہ نہیں پڑھتے ہوں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((يُصَلُّونَ وَيَصُومُونَ وَيُحُجُّونَ)) "نمازیں بھی پڑھتے ہوں گے روزے بھی رکھتے ہوں گے اور حج بھی کریں گے۔" حضرت! پھر ایسا کیوں ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گانے سننے کے شوقین ہوں گے۔ رات کو گانے سننے سننے سوئیں گے صبح کو انہیں گے تو بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ ہو چکے ہوں گے۔ مگر انہوں نے لوگوں نے گانوں کو گناہ نہیں سمجھا۔ اور یاد رکھنا! جب گناہ کو بار بار کیا جائے تو اس کی اہمیت کم ہو جاتی ہے۔

خلاف شرع مجالس میں شرکت سے ممانعت

اسی لیے حکم ہے کہ خلاف شرع مجلسوں میں نہ جاؤ کہ بار بار جانے سے گناہ کا احساس کم ہو جائے گا اور تم اس میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے عذاب سے بچائے اور محفوظ رکھے۔ آمین



﴿وَإِذْ قَالَ اللَّهُ﴾ اور جب فرمائے گا اللہ تعالیٰ ﴿يٰٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ﴾ اے عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) ﴿أَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ﴾ کیا تم نے کہا تھا لوگوں کو ﴿اتَّخِذُونِي﴾ بناؤ مجھے ﴿وَأُمَّي﴾ اور میری والدہ کو ﴿الْهَيْئِينَ مِنَ دُونِ اللَّهِ﴾ دو الہ اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿قَالَ سُبْحٰنَكَ﴾ کہیں گے عیسیٰ ﷺ پاک ہے تیری ذات ﴿مَا يَكُونُ لِي﴾ نہیں تھا میرے لائق ﴿أَنْ أَقُولَ﴾ یہ کہ میں کہوں ﴿مَا لَيْسَ لِي بِحَقِّ﴾ جس کا مجھے حق نہیں پہنچتا ﴿إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ﴾ اگر میں نے یہ بات کہی ہو ﴿فَقَدْ عَلِمْتَهُ﴾ پس تحقیق تو جانتا ہے ﴿تَعَلَّمْ مَا فِي نَفْسِي﴾ تو جانتا ہے جو میرے نفس میں ہے ﴿وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ﴾ اور میں نہیں جانتا جو تیرے نفس میں ہے ﴿إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ﴾ بے شک تو ہی ہے غیبوں کو جاننے والا ﴿مَا قُلْتُ لَهُمْ﴾ میں نے نہیں کہا ان لوگوں کو ﴿إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ﴾ مگر وہ کچھ جس کا تو نے مجھے حکم دیا ﴿أَنْ أَعْبُدُوا﴾ کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی ﴿اللَّهُ تَرَبِّئُ رَبَّنَا﴾ جو میرا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے ﴿وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا﴾ اور میں ان پر گواہ تھا ﴿مَا دُمْتُ فِيهِمْ﴾ جب تک میں ان کے اندر تھا ﴿فَلَمَّا تَوَلَّيْتَنِي﴾ پس جب تو نے مجھے اٹھا لیا ﴿كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ﴾ تو تو ہی نگران تھا ان پر ﴿وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ اور تو ہر چیز پر گواہ ہے ﴿إِنْ تُعَذِّبُهُمْ﴾ اگر تو ان کو سزا دے ﴿فَأِنَّهُمْ عِبَادُكَ﴾ پس بے شک وہ تیرے بندے ہیں ﴿وَ إِنْ تُعْفُو لَهُمْ﴾ اور اگر تو ان کو بخش دے ﴿فَأِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ پس بیشک تو غالب ہے حکمت والا ﴿قَالَ اللَّهُ﴾ فرمائے گا اللہ تعالیٰ ﴿هَذَا نَبِيُّمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ﴾ یہ دن ہے کہ نفع دے گا سچوں کو ان کا سچ کہنا ﴿لَهُمْ جَنَّاتٌ﴾ ان کے لیے باغات ہیں ﴿تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ بہتی ہوں گی ان باغوں کے نیچے نہریں ﴿خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا﴾ رہا کریں گے ان باغوں میں ہمیشہ ﴿رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ﴾ راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان سے ﴿وَرَضُوا عَنْهُ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے ﴿ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ یہی ہے کامیابی بڑی ﴿بِئِنَّهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے آسمانوں کا ملک اور زمین کا ﴿وَ مَا فِيهِنَّ﴾ اور جو کچھ زمینوں آسمانوں میں ہے ﴿وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

عیسائیوں کے تین فرقے

یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ عیسائیوں کے تین فرقے ہیں۔ نسطوریہ، یعقوبیہ اور ملائییہ۔ ان میں سے اکثر عیسائی ملائییہ فرقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ عیسائیوں کو شرمندہ کرنے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کریں گے۔

نصاری کی فضیلت کے لیے سوالات

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَإِذْ قَالَ اللَّهُ﴾ اور جب فرمائے گا اللہ تعالیٰ ﴿يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ﴾ اے عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) ﴿عَرَأَيْتَ كَلَّمَتِ النَّاسَ لِنَاسٍ آتُخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ کیا تم نے کہا تھا لوگوں کو کہ بناؤ مجھے اور میری والدہ کو دوالہ اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے۔ اللہ تعالیٰ کے تو سب کچھ علم میں ہے یہ سوال محض عیسائیوں کو شرمندہ کرنے کے لیے ہوگا کہ عیسائیوں کا دعویٰ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ خدائی کے رکن ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب

﴿قَالَ سُبْحٰنَكَ﴾ کہیں گے عیسیٰ علیہ السلام پاک ہے تیری ذات ﴿مَا يَكُونُ لِي﴾ نہیں تھا میرے لائق ﴿أَنْ أَقُولَ﴾ یہ کہ میں کہوں ﴿مَا لَيْسَ لِي بِهِ حَقٌّ﴾ جس کا مجھے حق نہیں پہنچتا۔ نہ میں خدائی کا حق دار، نہ میری والدہ، خدا خدا ہے اس کی صفات اس کے ساتھ مختص ہیں۔ مخلوق میں نہ کوئی اس کی ذات میں شریک ہے، نہ صفات میں شریک ہے۔ ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾ اس کی شان ہے۔

غیب کا علم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہے

﴿إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ﴾ اگر میں نے یہ بات کہی ہو ﴿فَعَلِمْتُمْ﴾ پس تحقیق تو جانتا ہے۔ کیونکہ ﴿تَعْلَمُونَ مَا فِي نَفْسِي﴾ تو جانتا ہے جو میرے نفس میں ہے ﴿وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ﴾ اور میں نہیں جانتا جو تیرے نفس میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر نفس کے لفظ کا بھی اطلاق ہوا ہے۔ اگلی سورت میں آئے گا: ﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ [الانعام: ۵۳] اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر رحمت لکھی ہے۔ اور تیسرے پارے میں ہے: ﴿وَيُحَدِّثُ كُمْ اللَّهُ نَفْسَهُ﴾ [آل عمران: ۳۰] اور ڈراتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے اور شخص کا لفظ بھی اللہ تعالیٰ کی ذات پر بولا گیا ہے۔

چنانچہ بخاری میں روایت ہے: ((لَا تَخْفِضْ أَغْيَبُ مِنَ اللَّهِ)) "کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت مند نہیں ہے۔" تو عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے۔ اے پروردگار! میرے نفس میں جو کچھ ہے اس کو تو جانتا ہے اور جو تیرے نفس میں ہے میں نہیں جانتا کیونکہ ﴿إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ﴾ بے شک تو ہی ہے غیبوں کو جاننے والا۔

شُرک صرف بتوں کی پوجا کا نام نہیں ہے

یاد رکھنا! یہ کسی ولی کا بیان نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے معصوم پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بیان ہے کہ اے پروردگار! شعبوں کا جاننے والا صرف تو ہی ہے۔ ان آیات سے ثابت ہوا کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ شرک تو صرف بتوں کی پوجا کا نام ہے اور پیغمبروں، فرشتوں اور اولیاء اللہ کو رب تعالیٰ کے اوصاف میں شریک کرنا، شرک نہیں ہے۔ وہ لوگ کھلے مغالطے کا شکار اور غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ کیونکہ شرک اگر بتوں کی پوجا کا نام ہے جس طرح غلط کارمولوی کہتے ہیں تو حضرت عیسیٰ بت تو نہیں تھے نہ ان کی والدہ بت تھیں۔ معاذ اللہ تعالیٰ۔ اور لوگوں نے ان کو الہ بنایا۔ لہذا رب تعالیٰ ان سے پوچھیں گے کہ کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو الہ بنانا اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے؟ اور وہ کہیں گے کہ اے پروردگار! تیری ذات پاک ہے۔ میرے لائق نہیں تھا کہ میں ایسی بات کرتا جس کا مجھے حق نہیں تھا۔ تو شرک صرف بتوں کی پوجا کا نام نہیں ہے۔ بلکہ پیغمبروں، فرشتوں اور اولیاء اللہ کی پوجا کرنے والے بھی مشرک ہیں۔

مجسموں کی حیثیت ہے

میں نے اپنی کتاب ”گلدستہ توحید“ میں اس مسئلے کی بڑی وضاحت کی ہے۔ اس کا مطالعہ کر لینا۔ پھر بڑی عجیب بات ہے کہ ایک من کی لکڑی یا پتھر حاجت روا اور مجبور نہ ہو سکے لیکن جب اس کو چھیل یا تراش کر دس سیر کا کر دیا جائے تو وہ سب کچھ کر سکے۔ بات یہ ہے کہ ان گھڑے پتھر اور لکڑی میں اس ہستی کی سی آنکھیں ناک اور کان نہیں ہوتے جس کے ساتھ اس کو محبت اور عقیدت ہے۔ مگر جب پتھر اور لکڑی اس کی شکل پر بن گئی تو صاحب مجسمہ کے نام پر وہ قبلہ و عقبہ اور توجہ کا مرکز ہو گئی۔ لیکن اصل عقیدت اور محبت لکڑی اور پتھر سے نہیں بلکہ محبوب انسان وغیرہ سے ہے۔ جس کی شکل پر اس پتھر اور لکڑی کو تراشا گیا ہے۔

مثلاً: بدھ، کرشن، رام چندر سیتا وغیرہ کے جو مجسمے ہیں تو ان کی پوجا محض لکڑی یا پتھر کے خوب صورت ہونے کی وجہ سے نہیں کی جاتی بلکہ اس شخص کی وجہ سے کی جاتی ہے جس کی شکل پر اس کو بنایا گیا ہے۔ تو دراصل عبادت اس پیغمبر اور ولی کی ہوئی جس کی صورت پر ان کو تراشا جاتا تھا۔

کاغذی تصویر کا حکم ہے

مثلاً: لوگ کاغذ پر بنی ہوئی تصویروں کو جیب میں رکھتے ہیں فریم کرا کے بیٹھک میں سجاتے ہیں۔ تو اس کاغذ کا تو احترام نہیں کرتے؟ کاغذ تو اور بھی قیمتی سے قیمتی ہیں۔ اصل احترام تو اس کا ہو رہا ہے جس کی تصویر اس کاغذ پر ہے۔ اور تصویر والے سے محبت ہو رہی ہے۔ حاشا وکلا! کبھی کسی قوم نے محض پتھر اور لکڑی کی پوجا نہیں کی۔ اس طرح اس درخت کی پوجا کی ہے جس کے نیچے کوئی بزرگ بیٹھا ہے۔ اور اس جگہ کی پوجا کی ہے جہاں کسی بزرگ نے کچھ دیر کے لئے آرام کیا ہے۔ اور اگر کسی دریا کے کنارے لوگ جمع ہوئے ہیں تو اس لئے کہ وہاں ان کے بزرگ نے اشنان یعنی غسل کیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل

اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں جب دیکھا کہ لوگ اس درخت کے نیچے آ کر بیٹھتے ہیں جس کے نیچے بیٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے مقام پر بیعت رضوان لی تھی اور محض اس لیے بیٹھتے ہیں کہ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے تھے، برکت والی جگہ ہے۔ چونکہ وہ بڑی بصیرت رکھتے تھے انھوں نے سوچا یہ تو پختہ ذہن کے لوگ ہیں۔ محض برکت حاصل کرنے کے لیے بیٹھتے ہیں۔ اور جب نئی نسلیں آئیں گی تو وہ پوجا شروع کر دیں گی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوجی بھیجے کہ اس درخت کو جڑ سے اکھاڑ کر اس کا نام و نشان تک مٹا دو۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اور نجف علی خان رافضی

یہ بات شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے ”ازالۃ الخفاء“ میں نقل فرمائی ہے۔ یہ ایسی عمدہ کتاب ہے کہ شاہ صاحب نے جب ”ازالۃ الخفاء، قرۃ العینین، حدیثین اور تفہیمات الہیہ“ لکھیں تو روافض کو بڑی تکلیف ہوئی۔ نجف علی خان رافضی جو دہلی کا حکمران تھا اس نے شاہ صاحب کے پونچوں سے ہاتھ کٹوا دیئے تھے کہ ان ہاتھوں سے تو نے یہ کتابیں لکھی ہیں۔ یہ بڑا ظالم فرقہ ہے۔

لہذا یہ نظریہ بالکل غلط ہے کہ صرف پتھروں کی پوجا شرک ہے۔ بلکہ پیغمبروں، فرشتوں اور اولیاء اللہ کی پوجا بھی شرک ہے۔ حضرت عیسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر ہیں اور ان کی والدہ ”ولیدہ کاملہ“ ہے۔ ان سے پوچھا جائے گا کہ تم نے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو معبود بنا لیتا؟

حضرت عیسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب وضاحت کے ساتھ

حضرت عیسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں گے ﴿مَا قُلْتُ لَهُمْ﴾ میں نے نہیں کہا ان لوگوں کو ﴿إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ﴾ مگر وہ کچھ جس کا تو نے مجھے حکم دیا ﴿أَنْ أَعْبُدَ وَاللَّهَ تَعَالَىٰ وَتَعْبُدُونَهُ﴾ کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی جو میرا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ میں نے ان کو غیر اللہ کی عبادت کرنے کا قطعاً حکم نہیں دیا۔ ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا﴾ اور میں ان پر گواہ تھا ﴿مَا دُمْتُ فِيهِمْ﴾ جب تک میں ان کے اندر تھا ﴿فَلَمَّا تَوَلَّيْتَنِي﴾ پس جب تو نے مجھے اٹھالیا ﴿كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ﴾ تو، تو ہی نگران تھا ان پر ﴿وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ اور تو ہر چیز پر گواہ ہے۔

تَوَلَّيْتَنِي کی دل نشین تشریح

قارئین کو یاد ہوگا کہ تیسرے پارے میں، میں نے عرض کیا تھا کہ ﴿لِيُعَذِّبَنِي أَنْتَ وَمَا تُعَذِّبُ إِلَّا﴾ میں جو ﴿مُسْؤِفَتِكَ﴾ کا جملہ ہے۔ قادیانی اور دیگر باطل فرقے اس کا ترجمہ ”میں نے تجھے موت دے دی ہے“ کر کے یہ استدلال

کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں۔ حالانکہ توفی کا معنی موت دینا نہیں ہے بلکہ توفی کا معنی پورا پورا لیتا ہے۔ یہ لوگ مغالطے کا شکار ہیں۔ انھوں نے توفی کا مجرد مادہ وفات سمجھا ہے جب کہ اس کا مجرد مادہ وفاقا ہے۔ جس کا معنی ہے پورا کرنا۔ چنانچہ مقولہ ہے: **أَلْكَرُمِيَاذَا وَعَدَّ وَفَا** ”شریف آدمی جب وعدہ کرتا ہے تو پورا کرتا ہے۔“ قرآن پاک میں آتا ہے: **﴿قِيَوْمَ يُؤْتِيهِمُ أَجْرَهُم مِّمَّنْ﴾** ”وہ ان کو پورا پورا اجر دے گا۔“ اور دوسرے مقام پر ہے: **﴿وَوُفِّيَتْ أُولَٰئِكَ مَا كَانُوا يَٰقِيْنَ﴾** ”تو ان کے مقدمات کا معنی ہے کہ یہ تیرے قتل کے درپے ہیں اور میں نے تجھے پورا پورا یعنی روح مع الجسد اپنی طرف اٹھالیا۔ اور توفی بھی وفا سے ہے تو **﴿فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي﴾** کا معنی ہو گا پس جب تو نے مجھے پورا پورا یعنی روح مع الجسد اٹھالیا تو، تو ہی ان پر نگران تھا اور تو ہی ہر چیز پر گواہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فر کو بخشنے پر قادر ہے یا نہیں؟

﴿إِنْ تُعَذِّبْهُمْ﴾ اگر تو ان کو سزا دے **﴿فَالَهُمْ عَذَابٌ﴾** پس بے شک وہ تیرے بندے ہیں **﴿وَإِنْ تَعْفُوْهُمْ﴾** اور اگر تو ان کو بخش دے **﴿فَأِنَّكَ أُنْتَهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾** پس بے شک تو غالب ہے حکمت والا۔ ایک مسئلہ امت میں اختلافی چلا آ رہا ہے وہ بھی سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کا فر کو بخشنا چاہے تو بخشنے پر قادر ہے یا نہیں؟ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے بخشے گا نہیں۔ اختلاف اس میں ہے کہ بخشنے پر قادر ہے یا نہیں؟ مثلاً: ابو جہل، ابولہب وغیرہ ان کو اس نے نہ بخشا ہے نہ بخشے گا مگر بخشنے پر قادر ہے یا نہیں؟ اہل حق کا نظریہ ہے کہ بخش سکتا ہے اگرچہ بخشے گا نہیں۔ ظالموں نے اور کر سکنے میں بڑا فرق ہے۔ اگر وہ بخش دے تو اس کو کون پوچھ سکتا ہے؟ اور عیسیٰ علیہ السلام کا مندرجہ بالا بیان اہل حق کی تصدیق کرتا ہے۔

اور معتزلہ، اہل بدعت، خارجی اور رافضیوں کا نظریہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ بخشنے پر قادر ہی نہیں ہے۔ اسی طرح کسی نیک سے نیک آدمی کو دوزخ میں ڈالے گا تو نہیں لیکن آیا ڈال سکتا ہے یا نہیں؟ اہل حق کہتے ہیں کہ ڈال سکتا ہے اور رافضی، خارجی، اہل بدعت اور معتزلہ کہتے ہیں کہ نہیں ڈال سکتا۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ السلام کا خوبصورت جواب

حضرت مجدد الف ثانی شاہ احمد سرہندی علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ حضرت! یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نیک بندے کو دوزخ میں ڈال سکتا ہے یا نہیں؟ فرمایا:

ہمہ را دوزخ فرستاد جائے اعتراض نیست

”تو ایک کی بات کرتا ہے اگر وہ تمام کو دوزخ میں ڈال دے کون پوچھ سکتا ہے؟“

فصلے کا دن

﴿قَالَ اللَّهُ﴾ فرمائے گا اللہ تعالیٰ ﴿هَذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ﴾ یہ دن ہے کہ نفع دے گا سچوں کو ان کا سچ کہنا۔ قیامت والے دن دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ حق اور باطل نکھر کر الگ ہو جائیں گے۔ حق والوں کے لیے کیا ہوگا؟

اہل حق کا اعزاز

فرمایا ﴿لَنْ يَنْفَعَكُمْ بَغْيُكُمْ﴾ ان کے لیے باغات ہیں بہتی ہوں گی ان باغوں کے نیچے نہریں ﴿خَلِيدَاتٍ فِيهَا آبِدًا﴾ رہا کریں گے ان باغوں میں ہمیشہ ﴿رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾ راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان سے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے بڑی سند ہے۔ ﴿ذَلِكَ الْقَوْلُ الْعَظِيمُ﴾ یہی ہے کامیابی بڑی۔ نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اختیارات حاصل ہیں اور نہ حضرت مریم علیہا السلام کو، نہ مخلوق میں سے کسی اور کو۔

محنت اہل صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے

بلکہ ﴿لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے آسمانوں کا ملک اور زمین کا ﴿وَمَا فِيهِنَّ﴾ اور جو کچھ زمینوں آسمانوں میں ہے۔ سب کا وہی مالک، وہی متصرف، اسی کا تمام پر کنٹرول ہے۔

میرا اور میرے اسلاف کا عقیدہ

میرا اور میرے تمام بزرگوں کا ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اور مقام تمام مخلوقات سے زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی عظمت اور فضیلت سے نوازا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑے بڑے معجزات سے نوازا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات

چاند دو ٹکڑے ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے درخت چل کر آئے، پتھروں نے کلام کیا، انگلیوں کے پوروں سے پانی کے چشمے جاری ہوئے اور بہت سارے معجزات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر ظاہر ہوئے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے پیارے اور محبوب ہیں۔ بایں ہمہ آپ نہ خدا ہیں نہ خدائی اختیارات آپ کے پاس ہیں۔

نفع و نقصان کا مالک بھی پروردگار ہے

قرآن پاک میں تصریح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا: ﴿قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشًّا﴾ [جن: ۲۱] "میں تمہارے ضرر اور بھلائی کا مالک نہیں ہوں۔" اور سورہ اعراف آیت نمبر ۱۸۸ میں ہے: ﴿قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي بَلَاءًا وَلَا ضَرًّا﴾ "میں اپنے نفع اور نقصان کا بھی مالک نہیں ہوں۔" نفع و نقصان کا مالک صرف رب العالمین ہے۔ دکھ سکھ، راحت آرام

صرف اسی کے اختیار میں ہے۔

خلاصہ بحث

معجزات کی وجہ سے کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جاتا ہے شک عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے عظیم پیغمبر ہیں۔ اور ان سے بھی بڑے بڑے معجزات ظاہر ہوئے ہیں مادرزاد اندھوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ٹھیک کیا۔ مردے انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ کیے، مٹی کے پرندے بنا کر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا میں اڑا دیئے، برص والے کے جسم پر ہاتھ پھیرا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ٹھیک ہو گیا۔

یہ سارے معجزات اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر ظاہر فرمائے۔ مالک اور متصرف صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ ﴿وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کی قدرت اور اختیار سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔

آج بتاریخ ۷ محرم الحرام ۱۴۲۶ھ بمطابق ۷ فروری ۲۰۰۵ء بروز جمعرات

سورہ مائدہ مکمل ہوئی۔

والحمد لله تعالى على ذلك

(مولانا) محمد نواز بلوچ

مہتمم: مدرسہ ریحان المدارس، جناح روڈ، گوجرانوالا



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

روزانہ درس قرآن پاک

تفسیر

سُورَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ

پارہ ← وَإِذَا سَمِعُوا ، وَلَوْ أَنَّنَا

⑧

④

فہرست عنوانات



ذخیرۃ الجہان فی فہم القرآن

(حصہ ششم)

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۶۳	آنحضرت ﷺ کا جبرئیل علیہ السلام کو اصلی حالت میں دیکھنا	۳۶۳	اہل علم سے گزارش
۳۶۳	جبرئیل علیہ السلام کا انسانی شکل میں آپ ﷺ کے پاس آنا	۳۶۷	"انعام" کی تحقیق اور وجہ تسمیہ
۳۶۳	فرشتہ کو دیکھنے کی دوسری صورت	۳۶۸	"ظلمت" کی تحقیق
۳۶۶	ربط آیات	۳۶۸	ایرانی اور ان کا خدائی اعتقاد
۳۶۶	سیاحت ارض بوجہ عبرت	۳۶۸	انسانی تخلیق کا مادہ
۳۶۷	رحمت الہی کا ہر چیز پر حاوی ہونا	۳۶۸	ہر چیز کی میعاد مقرر ہونا
۳۶۷	قیامت میں حشر کا تذکرہ	۳۶۹	"آیت" کی تفسیر
۳۶۷	ہر چیز کا اللہ تعالیٰ کے تصرف میں ہونا	۳۶۹	شق القمر کا نظارہ کرنا اور پھر بھی اسلام نہ لانا
۳۶۸	کفار کا ایک اشکال	۳۶۹	حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول
۳۶۸	جواب	۳۷۰	قرآن میں شق القمر پر مستقل سورت کا ہونا
۳۶۹	ربط آیات	۳۷۰	مجزے اور کرامت کی حقیقت
	فائدہ اور نقصان صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے	۳۷۱	ربط
۳۸۰	حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو آنحضرت ﷺ کی وصیت	۳۷۱	"قرن" کی تعریف
		۳۷۲	بارش ایک نعمت
		۳۷۲	کفار کا غیر معقول اعتراض
		۳۷۲	جواب
		۳۷۳	فرشتے کو دیکھنے کا مطالبہ اور اس کا جواب

- ۳۸۹..... مشرکین کا ایک اور اعتراض
- ۳۹۰..... جواب
- دلوں پر پردے اور کانوں میں ڈاٹھیں لگانے کا
- ۳۹۰..... مطلب
- ۳۹۱..... ایمان یا کفر کا انتخاب آدمی کے اختیار میں
- ۳۹۱..... قرآن کے بارے میں مشرکین کے خیالات
- ۳۹۱..... مشرکین کا دوسرا کام
- ۳۹۲..... مشرکین کا انجام بد
- ۳۹۳..... مشرکین کا عذاب پر حسرت و یاس
- ۳۹۳..... مشرکین کا وقت بعثت شرمندگی
- ۳۹۳..... مشکل وقت میں یادِ خدا
- ۳۹۳..... مشرکین کا ایک اور شوشہ
- ۳۹۳..... مشرکین کا رب تعالیٰ کے سامنے کھڑا کیا جانا
- ۳۹۵..... مرنے کے ساتھ ہی قیامت کا شروع ہو جانا
- ۳۹۵..... قیامت کا ہول ناک منظر
- ۳۹۵..... ”افراط و تفریط“ کی تحقیق
- ۳۹۶..... خیانت کا بدترین انجام
- ۳۹۶..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کا حدیث پر اشکال کا جواب
- ۳۹۶..... احوال برزخ کو عقل سے نہیں پرکھا جاسکتا
- ۳۹۷..... ”لہو و لعب“ کی تحقیق
- ۳۹۷..... اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ کو تسلی دینا
- ۳۹۸..... حضور ﷺ کو قریبی عزیزوں کو ڈرانے کا حکم
- ۳۹۸..... کفار کا آپ ﷺ کے بارے میں ”صادق اور امین“ کی گواہی دینا
- ۳۹۸..... بدترین دشمن ابو جہل کا بھی معترف ہونا
- ۳۸۰..... شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہما اور ان کی دو کتب کا تذکرہ
- انسان کا اللہ تعالیٰ سے نہ مانگنا غضب کو دعوت
- ۳۸۱..... دینے کے مترادف
- ۳۸۱..... اللہ تعالیٰ کی مہلت اور رضا شاہ پہلوی
- ۳۸۲..... کفار کا ایک اور اعتراض
- ۳۸۲..... جواب
- ۳۸۲..... سوال
- ۳۸۲..... جواب
- ۳۸۲..... آپ کے بچپن اور جوانی میں مکہ مکرمہ کا ماحول
- ۳۸۳..... ابتدائے نزول قرآن کے وقت عرب کا ماحول
- اہل کتاب کا آپ ﷺ کو اپنے بچوں سے زیادہ
- ۳۸۳..... پہچانا
- ۳۸۳..... حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہما کا آپ ﷺ کو
- کھجور پیش کرنا اور اسلام قبول کرنا
- ۳۸۶..... سب سے بڑا ظالم
- ۳۸۶..... اہل کتاب کے اللہ تعالیٰ کے بارے میں اعتقادات
- ۳۸۶..... ظالم کو مہلت اور اس کا انجام
- ۳۸۷..... ”محشر“ کی تحقیق و تفسیر
- ۳۸۷..... نفع اور نقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ
- ۳۸۷..... مراتب درجات
- ۳۸۸..... مشرکین کا ایک فارمولا
- ۳۸۸..... فارمولے کا جواب
- ۳۸۸..... ”نقنہ“ کی تحقیق
- ۳۸۸..... مشرکین کا میدانِ محشر میں جھوٹ بولنا
- ۳۸۹..... مشرکین کا اعتراض کی نیت سے قرآن سننا

۴۹۹..... اللہ رب العزت کا آپ ﷺ کو تسلی دینا	۵۱۳..... ہدایت کا صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہونا
۵۰۰..... آیات کا شان نزول	۵۱۳..... ”خوف“ اور ”حزن“ میں فرق
۵۰۰..... ائمہ کی فہم و فراست	۵۱۳..... دنیا کے ہوتے ہوئے بھی فقر و فاقہ کو ترجیح دینا
۵۰۱..... کیا انبیاء علیہم السلام مختار کل ہوتے ہیں؟	۵۱۳..... آپ ﷺ کے مہمان کا عجیب واقعہ
۵۰۱..... بالجبر کسی کو مسلمان کرنا حکمت الہی کے خلاف ہے	۵۱۵..... ایک سائل کا آپ ﷺ کے ساتھ عجیب سلوک
۵۰۲..... ضابطہ خداوندی	۵۱۵..... علام الغیوب صرف اور صرف ذات باری تعالیٰ کا ہونا
۵۰۲..... ہر حال میں بعثت کا ہونا	۵۱۵..... اخبار و قصص کا آپ ﷺ کو بتایا جانا
۵۰۳..... ایک گناہ گار مسلمان کا واقعہ	۵۱۵..... علم غیب کا معنی
۵۰۴..... معتزلہ اور عذاب قبر	۵۱۶..... تبلیغ دین کے لیے جانے والے وفد کا قصہ
۵۰۴..... ”دآبۃ“ کی تفسیر	۵۱۶..... کھانے کا آپ ﷺ کے ساتھ کلام کرنا
۵۰۵..... ہدایت کا رجوع کرنے والے کو ملنا	۵۱۷..... ”آپ ﷺ کا سایہ مبارک“ دلائل کی روشنی میں
۵۰۶..... مذمت شرک اور اس کی اقسام	۵۱۷..... دنیا میں آپ ﷺ کو جنت و دوزخ کا نظارہ ہونا
۵۰۷..... اللہ رب العزت کا آپ ﷺ کو تسلی دینا	۵۱۷..... لوازمات بشریہ کا آپ ﷺ کے بشر ہونے پر دلالت کرنا
۵۰۷..... ”ہائمناء، صوّآء“ علامہ اطہری رضی اللہ عنہ کی تحقیق	۵۱۹..... ربط آیات
۵۰۷..... آنحضرت ﷺ کا فرمان مبارک	۵۱۹..... قرآن سمجھنے اور سمجھانے کی فضیلت
۵۰۸..... نیک بخت کون؟	۵۲۰..... کفار قریش کو دعوت دینے کا خصوصی انداز
۵۰۸..... شیطان کا بڑے اعمال کو مزین کر کے پیش کرنا	۵۲۰..... سرداران قریش کا تکبر و غرور
۵۰۹..... فراخی سبب امتحان	۵۲۰..... اللہ تعالیٰ کا مسلمان غرباء کی حوصلہ افزائی کرنا
۵۰۹..... بعد از تباہی ”الْحَمْدُ لِلّٰہِ“ کہنے کا مطلب	۵۲۱..... غرباء کو مجلس سے نہ اٹھانے میں حکمت
۵۰۹..... زبان نبوت سے مشرکین کو خطاب	۵۲۱..... غیر مسلموں میں انتہاء درجے کی تفریق پسندی
۵۱۰..... مومن لہا مشرکین کا حال	۵۲۱..... کفار کا اعتراض
۵۱۱..... ربط	۵۲۱..... جواب
۵۱۲..... پیغمبروں کا عذاب کی صورت میں محفوظ رہنا	۵۲۲..... ذات باری تعالیٰ کا غرباء کی دل جوئی کرنا
۵۱۲..... پیغمبر کی عدم موجودگی میں سب پر عذاب کا نازل ہونا	۵۲۳..... کون سی توبہ قابل قبول ہے؟
۵۱۳..... شاہ جہاں کا خانہ کعبہ کو گرانے کے لیے لشکر کشی کرنا	

- ۵۳۱..... مختلف قوموں پر عذاب کا تذکرہ
- ۵۳۲..... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عذاب سے پناہ مانگنا
- ۵۳۲..... پیغمبر کے ذمے صرف پہنچانا ہی ہے یا منوانا بھی؟
- ۵۳۳..... سُورۃ قرآن کی وجہ تسمیہ
- ۵۳۳..... سورۃ بقرہ کی وجہ تسمیہ
- ۵۳۳..... حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کا واقعہ
- ۵۳۳..... سورۃ النساء کی وجہ تسمیہ
- ۵۳۳..... سورۃ مائدہ کی وجہ تسمیہ
- ۵۳۳..... ”انعام“ کی تحقیق اور وجہ تسمیہ
- ۵۳۳..... سورۃ عنکبوت کی وجہ تسمیہ
- ۵۳۳..... مشرکین کا سُورۃ قرآن کا مذاق اڑانا
- ۵۳۳..... ”مخاطب“ کی تعریف
- ۵۳۵..... مسئلہ
- ۵۳۵..... دین کی کسی بات کا مذاق اڑانا کفر ہے
- مونچھ منڈوانے پر مذاق اور امام ابو یوسف رضی اللہ عنہما
- ۵۳۵..... کا فیصلہ
- ۵۳۵..... مونچھوں کے متعلق ائمہ کے اقوال
- ۵۳۵..... ایک اور استہزاء کرنے والے کے خلاف مقدمہ
- ۵۳۶..... ”لعب اور لہو“ کی تفاسیر
- ۵۳۷..... جہنمیوں کی شراب
- ۵۳۸..... آیات کا شان نزول
- ۵۳۸..... مشرکین کا ایک اور وفد دربار رسالت میں
- ۵۳۸..... مطالبات مشرکین کا جواب
- ۵۳۹..... امام ہرخی رضی اللہ عنہ، ان کی کتاب اور اہل سنت کا نظریہ
- ۵۳۰..... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول
- ۵۲۲..... ”جہالت“ کی تحقیق
- ۵۲۳..... ربط
- کفار کے وفد کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنا اور
- ۵۲۳..... سوال کرنا
- اللہ رب العزت کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے
- ۵۲۴..... جواب
- ۵۲۵..... کفار کا دوسرا سوال
- ۵۲۵..... جواب
- ”مَفَاتِيحُ“ کی تحقیق
- ۵۲۵..... بغیر اذنِ الہی کے ایک پتے کا بھی حرکت نہ کر سکتا
- ۵۲۶..... کتاب مبین سے مراد
- ۵۲۶..... ”تینذ“ اللہ تعالیٰ کی نعمت
- ۵۲۶..... شیطان کی انسان کے ساتھ کارروائی
- ۵۲۷..... ”خبر“ دینے کا مطلب
- ۵۲۸..... مسئلہ توحید و شرک
- ۵۲۸..... ”حَقَقَةٌ“ کی تحقیق
- ۵۲۹..... دل میں خوشبو یا بدبو کا پیدا ہونا
- حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق
- ۵۲۹..... ”نگران“ کا مفہوم
- ۵۲۹..... آسمان کا فرشتوں سے بھرا ہوا ہونا
- ۵۳۰..... ارواح کا علیین یا سجدین میں جانا
- ۵۳۰..... ذکرِ خفی کی فضیلت
- ۵۳۰..... ائمہ اربعہ کا بیان
- مشرکین کا انتہائی پریشانی کے وقت صرف اللہ تعالیٰ
- ۵۳۱..... کو ہی پکارنا

۵۵۰.....	آنحضرت ﷺ کا شافی جواب	۵۴۱.....	شاہی صرف اللہ تعالیٰ کی
۵۵۰.....	دوسرا جواب	۵۴۲.....	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شاہکار شخصیت
۵۵۱.....	رہب آیات	۵۴۲.....	”صابی“ تعریف و تحقیق
	ابراہیم علیہ السلام کا قوم کو سمجھانے کے لیے مخصوص انداز	۵۴۲.....	سیاروں، ستاروں میں تاثیر کا ہونا
۵۵۱.....	اختیار کرنا	۵۴۳.....	”آرز“ ہی ابراہیم علیہ السلام کا باپ تھا
۵۵۲.....	کتب عقائد میں مندرج مراتب درجات	۵۴۳.....	”دھنم“ کی تحقیق و تفسیر
۵۵۲.....	نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کا درمیانی وقفہ	۵۴۳.....	ہندوؤں کا پتھروں کو تراشا اور بت بنانا
۵۵۲.....	ایک اشکال اور اس کا جواب	۵۴۴.....	ابراہیم علیہ السلام نے کون سا ستارہ دیکھا
	تعداد انبیاء علیہم السلام کے متعلق روایات اور	۵۴۴.....	”هَذَا رَبِّي“ کا مفہوم
۵۵۲.....	حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ کا قول	۵۴۴.....	جہلاء کا آیاتِ بینہ کے مقابلے میں کہانیاں بنانا
۵۵۳.....	پنج نمبروں کی تعداد بیان کرنے کا طریقہ	۵۴۵.....	”قَطْرٌ“ کی تحقیق
	تذکرہ اسماء انبیاء علیہم السلام و ملائکہ قرآن کریم میں	۵۴۵.....	”حَنِيفًا“ کی تفسیر
۵۵۳.....	کہاں، کتنا	۵۴۵.....	مودودی صاحب کی کج فہمی
۵۵۳.....	قرآن میں کفار کے نام	۵۴۶.....	رہب آیات
	حضرت مریم علیہا السلام کا اسم گرامی قرآن میں کہاں اور	۵۴۶.....	عقائد کی وجہ سے قوم ابراہیم علیہ السلام کا لڑائی جھگڑا
۵۵۳.....	کتنی مرتبہ آیا ہے	۵۴۷.....	”هَلْدِي“ کی تحقیق
۵۵۳.....	تذکرہ اسم صحابی رضی اللہ عنہم	۵۴۷.....	حضرت شیخ رضی اللہ عنہ کے علاقے کا واقعہ
۵۵۴.....	ہدایت کس کو ملتی ہے؟	۵۴۷.....	چڑھاوے کے متعلق فقہی مسئلہ
۵۵۴.....	اللہ تعالیٰ کا کسی پر جبر نہیں	۵۴۸.....	مشرکین کا ابراہیم علیہ السلام کو ڈرانا
۵۵۴.....	شرک کی قباحت کا بیان	۵۴۸.....	مشرک رب تعالیٰ کا منکر نہیں ہوتا
۵۵۶.....	رہب آیات / درس		مشرکین کا اور خداؤں کے علاوہ رب تعالیٰ کو غنی
۵۵۶.....	پنج نمبر پیکر خلوص والہیت	۵۴۹.....	سمجھنا
۵۵۶.....	ولید بن مغیرہ کا آپ ﷺ سے مباحثہ	۵۴۹.....	مشرکین کے خود ساختہ دلائل
۵۵۷.....	ابورافع یہودی کا قصہ اور آیات کا شان نزول		صحابہ رضی اللہ عنہم کا تفہیم آیت کے لیے آپ ﷺ
۵۵۷.....	اللہ تعالیٰ کی بے قدری کرنے کا مطلب	۵۴۹.....	سے استفہار

- ۵۶۶..... ”ستارے“ راہِ راست کی علامت
- ۵۶۶..... ”مُسْتَقْرًا، مُسْتَوْدِعًا“ کی تحقیق و تفسیر
- ۵۶۷..... پانی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت
- ۵۶۷..... کھجوروں اور انگوروں کا ذکر بکثرت کرنے کی وجہ
- ۵۶۷..... خاصیات زیتون و دہلی گھی
- ۵۶۷..... پھلوں کی اقسام و نقشہ جات کا قدرتِ الہی کی گواہی دینا
- ۵۶۹..... ربط آیات
- ۵۶۹..... جنات کو شریک بنانے کا مطلب
- ۵۶۹..... کفار کا ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بنانا
- ۵۷۰..... بغیر نمونے کے زمین و آسمان کو بنانا
- ۵۷۰..... اولاد بغیر بیوی کے نہیں ہو سکتی
- ۵۷۰..... نصاریٰ کا مریم علیہا السلام کو درپردہ اللہ تعالیٰ کی بیوی کہنا
- ۵۷۰..... عبادت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے
- ۵۷۰..... دیکھنے اور احاطہ کرنے میں فرق
- ۵۷۱..... ”معتزلہ“ تعارف / عقائد
- ۵۷۱..... روزِ قیامت دیدارِ الہی کا ضرور ہونا
- ۵۷۱..... ”بصائر“ کی تحقیق
- ۵۷۱..... دلائل عقلیہ و نقلیہ کے ہوتے ہوئے بھی نہ ماننا
- ۵۷۲..... مظاہرِ قدرت کا مقصود صرف سمجھانا
- ۵۷۳..... ربط رکوعات
- ۵۷۳..... معبود، حاجت روا، فریادرس صرف اللہ تعالیٰ
- ۵۷۳..... مشرکین کے غلط جملوں کا جواب دینے کی ممانعت
- ۵۷۳..... ”اعراض“ کا مطلب
- ۵۷۴..... انسان، ملائکہ فرق / مقصد تخلیق
- ۵۵۸..... ”قَدَّاطِئِس“ کی تحقیق
- ۵۵۸..... ”مکہ“ کا معنی اور ”ام القریٰ“ کا مطلب
- ۵۵۹..... دنیا میں بدترین ظالم
- ۵۶۰..... افتراء باندھنے کا مطلب
- ۵۶۰..... ظلم کی ایک قسم
- ۵۶۰..... اللہ تعالیٰ کا ابن آدم سے گلہ کرنا
- ۵۶۰..... دوسرا بڑا ظالم
- ۵۶۰..... دورِ نبوت کے کذاب
- ۵۶۰..... عصرِ حاضر کے کذاب اور مرزا قادیانی لعین
- ۵۶۱..... قادیانی کا چندہ لیتا اور دھوکہ دہی کرنا
- ۵۶۱..... تیسرا بڑا ظالم
- ۵۶۱..... قرآن کا چیلنج
- ۵۶۲..... تخریجِ اروج نیک و بد
- ۵۶۲..... ”لہٰذا ہی“ کی تحقیق
- ۵۶۲..... قیامت والے دن لباس پہنائے جانے کی ترتیب
- ۵۶۳..... اللہ تعالیٰ کا آگ کو حکم بروودت
- ۵۶۳..... پد برابر اہم علیہ السلام کا خدا کے بارے میں حسن ظن
- ۵۶۳..... رب العزت کے سامنے انسان کا اکیلے پیش ہونا
- ۵۶۳..... ربط آیات
- ۵۶۵..... ”حَبّ“ کی تحقیق
- ۵۶۵..... ”نَوٰی“ کی تحقیق
- ۵۶۵..... زندہ کو مردہ سے نکالنے کا مطلب
- ۵۶۵..... مردہ کو زندہ سے نکالنے کا مطلب
- ۵۶۵..... صبح کو نکالنا اور رات کو آرام کی چیز بنانا
- ۵۶۶..... سورج اور چاند کو اندازے سے مقرر کرنا

فہم حق کے لیے منصف مزاج اہل کتاب سے	۵۷۴	مقصد بعثت	۵۷۴
۵۸۱..... رابطے کا مشورہ	۵۷۴	مشرکین کے خود ساختہ خداؤں کو برا بھلا کہنے کی	۵۷۴
۵۸۲..... دیگر اہل راہ نصیحت خود را نصیحت	۵۷۴	ممانعت	۵۷۴
۵۸۲..... نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن	۵۷۴	شرک کی تردید فرض ہے	۵۷۴
عصر حاضر میں دنیا اور ہندوستان میں مسلمانوں کی	۵۷۵	کافر کو دیکھ کر کافر کافر کے نعرے لگانا درست نہیں	۵۷۵
تعداد	۵۷۵	اپنے والدین کو گالی دینے کا مطلب	۵۷۵
۵۸۲..... ربط آیات	۵۷۵	اعمال مزین کرنے کا مطلب	۵۷۵
۵۸۳..... کفار کی دوسری خود ساختہ پیش کش	۵۷۵	”مرجوع“ کی تحقیق	۵۷۵
۵۸۳..... پیش کش کا جواب	۵۷۶	معجزات کا صادر ہونا رب العزت کی طرف سے ہے	۵۷۶
۵۸۳..... انبیاء علیہم السلام اور ان کے تبعین کی تعداد	۵۷۶	رؤیت شق القمر اور کفار کا بدستور انکار	۵۷۶
۵۸۵..... کفار اور مشرکین کا شوشہ	۵۷۷	کھجور کے سمجھے کو دیکھ کر ایمان لے آتا	۵۷۷
۵۸۵..... تکبیر کے متعلق مسئلہ	۵۷۸	ربط	۵۷۸
۵۸۵..... نماز کے متعلق اہم ترین مسئلہ	۵۷۹	کفار کی ضد اور ہٹ دھرمی کا بیان	۵۷۹
۵۸۵..... کفار کے شوشے کا جواب	۵۷۹	”قُبُل“ کی تحقیق	۵۷۹
۵۸۶..... مجبور کی تعریف و حکم	۵۷۹	ابو جہل کی شرارت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ	۵۷۹
۵۸۶..... مشرکین کی جہالت	۵۸۰	ہرنہی کی اُمت میں اس کے دشمنوں کا ہونا	۵۸۰
۵۸۶..... مولانا عبدالحق مدنی رحمہ اللہ کا قول	۵۸۰	”زُخْرُف“ کا لفظی معنی	۵۸۰
۵۸۶..... جاہل را سکوت بہتر است	۵۸۰	جن والہ کو اختیار دیتے ہوئے پیغمبروں کے ذریعے	۵۸۰
۵۸۷..... شیاطین کا اپنے دوستوں کی طرف القاء کرنا	۵۸۰	کتابیں نازل کرنا	۵۸۰
۵۸۷..... ناجائز بات کا ماننا شرک میں داخل ہے	۵۸۰	کفار کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو	۵۸۰
۵۸۸..... ربط آیات	۵۸۰	نصیحت	۵۸۰
۵۸۸..... جاہل اور عالم برابر نہیں ہو سکتے	۵۸۰	صنادید قریش کا مطالبہ اور حکم الہی	۵۸۰
۵۸۸..... گاندھی اور عدل شیخین عثمان کی گواہی	۵۸۱	مشرکین کی سازش ناکامی سے دوچار	۵۸۱
۵۸۹..... مجرم بنانے کی وجہ	۵۸۱	طالبان کی اسلامی حکومت اور کفریہ طاقتوں کا	۵۸۱
۵۸۹..... ”مکار“ کی مکاری اسی کے خلاف	۵۸۱	بلا جواز دباؤ	۵۸۱

۵۸۹.....	مشرکین کی بے جا ضد.....
۵۹۰.....	اپنی کوشش اور محنت سے کوئی نبی نہیں بن سکتا.....
۵۹۰.....	پرسقادیانی لعین کے مغلظات.....
۵۹۰.....	آپ ﷺ کے درجہ علیا تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی.....
۵۹۰.....	مرزا قادیانی لعین کی الٹی منطق.....
۵۹۱.....	مرزا قادیانی مجسم دھوکہ و فریب.....
۵۹۱.....	”مکار“ کے لیے سخت ترین عذاب کی وعید.....
۵۹۱.....	ہدایت کس کو ملتی ہے.....
۵۹۱.....	گمراہ کن کو کیا جاتا ہے.....
۵۹۱.....	گمراہوں کے لیے ”ضیق صدر“.....
۵۹۲.....	ماقبل سے ربط.....
۵۹۳.....	صراطِ مستقیم کون سا ہے.....
۵۹۳.....	نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے انعامات.....
۵۹۳.....	جنتیوں کے انعامات، پہلا انعام.....
۵۹۳.....	دوسرا انعام.....
۵۹۳.....	تیسرا انعام.....
۵۹۳.....	قیامت کا عجیب خوفناک منظر.....
۵۹۳.....	”طائف“ مسکن جنات.....
۵۹۳.....	جنات کا انسانوں کو تنگ کرنا.....
۵۹۳.....	انسان کی جنات سے عاجزی اور جنات کی سرکشی.....
۵۹۵.....	روزخبروں کو سردی کا عذاب بھی دیا جاتا ہے.....
۵۹۵.....	ٹھہرین کا اعتراض.....
۵۹۵.....	جواب.....
۵۹۵.....	طبقات جہنم.....
۵۹۵.....	سائنس دان اور قیامت کی نشانیاں.....
۵۹۶.....	ناری مخلوق بھی جہنم میں جلے گی.....
۵۹۶.....	ظالم کو ظالم کا دوست بنانے کا مطلب.....
۵۹۷.....	ماقبل سے ربط.....
۵۹۷.....	انس و جن کے متعلق انبیاء و رسل علیہم السلام کا استفہار.....
۵۹۷.....	نظریہ اہل حق برائے انبیاء و رسل علیہم السلام.....
۵۹۸.....	آنحضرت ﷺ عالمی پیغمبر/ نبی.....
۵۹۸.....	اپنے نفسوں کے خلاف انس و جن کا جواب.....
۵۹۸.....	انسان اپنے دوست کے دین پر.....
۵۹۸.....	غافلین کو ہلاک کرنا سنت اللہ نہیں.....
۵۹۹.....	نبی اسی قوم میں سے اللہ پاک بھیجتے تھے.....
۵۹۹.....	پیغمبروں کی تبلیغ کا زمانہ/ عرصہ.....
۵۹۹.....	درجات بمطابق اعمال.....
۵۹۹.....	بروز قیامت کردہ خیر و شر انسان دیکھ لے گا.....
۶۰۰.....	خیر و شر کا فائدہ و نقصان انسان ہی کو ہوگا.....
۶۰۰.....	رب نہایت مہربان بے پروا ہے.....
۶۰۰.....	جاپان کا زلزلہ اور حکومت کے تاثرات.....
۶۰۰.....	قابل تفہیم مسئلہ.....
۶۰۱.....	پیغمبروں کی تعلیمی سلسلے میں کامیابی.....
۶۰۱.....	لوگوں کی عجیب غلط فہمی.....
۶۰۱.....	”دہریہ“ فرقہ اللہ تعالیٰ کے وجود کا منکر.....
۶۰۲.....	وجود باری تعالیٰ کے بارے میں مشرکین سے مکالمہ.....
۶۰۲.....	کفار کا رب العزت کے احکامات کو نہ ماننا.....
۶۰۲.....	کفار، مشرکین کا اللہ رب العزت کے نام کا حصہ نکالنا.....
۶۰۳.....	مشرکین کا رب العزت کو غنی سمجھنا.....

- ۶۱۰..... حضرت خضر علیہ السلام کا ایک بچے کو قتل کرنا
- ۶۱۰..... اشیاء اکل و شرب کا اپنی طرف سے حرام کرنا
- ۶۱۱..... ما قبل سے ربط
- ۶۱۱..... ”معدنات“ کی تشریح
- کون سی تیل کو اوپر چڑھایا جاتا ہے اور کونسی نیچے رکھی جاتی ہے..... ۶۱۱
- ۶۱۲..... ”بھور“ کا ذکر کرنے کی وجہ
- ۶۱۲..... ”زیتون“ اور اس کے خواص
- ۶۱۲..... ”انار“ کا ذکر کرنے کی وجہ
- ۶۱۲..... انبیاء علیہم السلام کو اکل حلال اور اعمال صالحہ کا حکم
- ۶۱۳..... اہم ترین مسئلہ
- مالک و مضارع کے مابین عشر کی تقسیم کا طریقہ/تفصیل..... ۶۱۳
- ۶۱۳..... جزل ضیاء الحق اور عشر و زکوٰۃ کی تقسیم
- صحیح العقیدہ مسلمان کا شیعہ بن جانا اور اس کا نقصان..... ۶۱۳
- ۶۱۳..... شیعہ کے خود ساختہ اقوال برائے عشر و زکوٰۃ
- ۶۱۳..... امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مسلک اور اہم مسئلہ
- ۶۱۳..... ”اسراف“ کی ممانعت
- ۶۱۳..... بیرونی شیطان سے رک جانے کا حکم
- ۶۱۵..... ما قبل سے ربط
- ۶۱۵..... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کچا پیاز اور لہسن نہ کھانا
- ۶۱۶..... لہسن، پیاز کھا کر فوراً مسجد میں آنے کی ممانعت
- آدی کا مسجد میں انتظارِ صلوة میں بیٹھنا اور فرشتے کا اس کے لیے دعا کرنا..... ۶۱۶
- ۶۰۳..... یہی شرک ہوتا ہے
- ۶۰۳..... رسوم و رواج سے بچنے کی خصوصی تاکید
- ۶۰۴..... اسلام بدقالی کا قائل نہیں
- ۶۰۴..... مشرکین عصر حاضر کی ناگفتہ بہ صورت حال
- ۶۰۵..... ولی کامل حضرت علیؑ، ہجویری رضی اللہ عنہ کا تعارف
- ۶۰۵..... بیگم جنرل اسلم بیگ اور بدعتی ٹولہ
- ۶۰۵..... ”گلدستہ توحید“ کا تعارف
- مشرکین کا معبودانِ باطلہ کے نام پر اپنے بچوں کو زبح کرنا..... ۶۰۵
- اشیاء کی حلت و حرمت کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے..... ۶۰۷
- ۶۰۷..... حضرت شاہ ولی اللہ رضی اللہ عنہ کا قول
- حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے کونڈوں کا حرام ہونا..... ۶۰۷
- حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نام پر عورتوں کو اکٹھا کر کے گمراہ کرنا..... ۶۰۸
- ۶۰۸..... جانوروں پر اپنی طرف سے حلال و حرام کا حکم لگانا
- مشرکین کا جانوروں کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لینا..... ۶۰۸
- ۶۰۸..... فقہ کا اہم ترین مسئلہ
- ۶۰۹..... مشرکین کا اللہ تعالیٰ پر افترا باندھنا
- ۶۰۹..... مردوں، عورتوں کے لیے علیحدہ علیحدہ تحریم و تحلیل
- ۶۰۹..... اللہ تعالیٰ کی تفریق کا ہی مقبول و مستحسن ہونا
- ۶۰۹..... ناحق قتل اولاد کرنے والوں کا خسارے میں ہونا
- عام انسان اور پیغمبر کا خواب برابر نہیں..... ۶۱۰

یہود پر ناخن والے جانوروں کا حرام ہونا، بشمول	اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو بشمول انبیاء
۶۲۳..... چربی کے	۶۱۶.....
۶۲۳..... ”حَوَاطِیَا“ کی تحقیق	۶۱۶..... آٹھ قسم کے حلال جانوروں کی توضیح
۶۲۳..... یہود کو سرکشی کا بدلہ اور اس کا مطلب	۶۱۶..... ”هَتَّان“ کی تعریف
۶۲۳..... دیر گیر سخت گیرد	۶۱۷..... مشرکین کی خود ساختہ طہت و حرمت کا عملی محاسبہ
۶۲۳..... ماقبل سے ربط	۶۱۷..... ”بقرة“ کی تفسیر حکیم الامت حضرت تھانوی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
۶۲۳..... کیا پدی، کیا پدی کا شوربہ	۶۱۷..... اور اہل بدعت
۶۲۵..... مشرقی پنجاب کے مظالم اور بدعتی مولوی کی تقریر	بھینس اور بھینسا کے متعلق فقہائے کرام <small>رحمۃ اللہ علیہم</small>
۶۲۵..... تردید باطل کار فرض کفایہ	۶۱۷..... کا قول
۶۲۵..... اہل بدعت کے خلاف حضرت شیخ <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی تقریر	۶۱۸..... نصاب زکوٰۃ کی تفسیر
۶۲۵..... اور ایک بابا	۶۱۸..... لسان نبوت سے خود حلال و حرام کی تردید
۶۲۵..... مشرکین کی ایک مضحکہ خیز دلیل	۶۱۸..... ”ظالموں“ کو ہدایت کا نہ ملنا
۶۲۶..... مشرکین کی دلیل کا جواب	۶۱۹..... ربط رکوعات
۶۲۶..... ”ظانغوت“ کی تحقیق	۶۲۰..... امام غزالی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا قول
۶۲۶..... بعثت انبیاء <small>صلی اللہ علیہم و آلہم و سلم</small> اور نزول کتب، لوگوں کے گمراہ	۶۲۰..... مردار کا چمڑہ استعمال کرنے کی اجازت
۶۲۶..... ہونے کی نشانی	۶۲۰..... خرگوش کے خون کے ساتھ علاج کرنے کی ممانعت
۶۲۷..... منع کرنے کی دوسری صورت	۶۲۰..... خنزیر کا نجس لعین ہونا
۶۲۷..... ایمان و کفر کا اختیار انسان کے پاس	۶۲۰..... حضرت شیخ الحدیث <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی لندن واپسی کی
۶۲۷..... مشرکین سے گواہوں کی طلبی	۶۲۱..... روسیاد/انگریز کا اخلاق
۶۲۷..... کاذبین کی خواہشات کی پیروی سے ممانعت	۶۲۱..... ابونجس سے واپسی کی روسیاد/مسلمان کا اخلاق
۶۲۹..... ماقبل سے ربط	۶۲۱..... ”غیر اللہ“ کی نذر و نیاز کا مردود ہونا
۶۲۹..... حرام اشیاء کی تفصیل	۶۲۲..... شاہ عبدالعزیز <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا قول
۶۲۹..... ①..... شرک کرنا	۶۲۲..... ”ایصال ثواب“ کا حکم
۶۲۹..... ②..... والدین کی نافرمانی	۶۲۲..... ”گمیا رہویں“ کا حکم
۶۲۹..... ③..... قتل اولاد	۶۲۲..... جان بچانے کے لیے بقدر ضرورت حرام کھانا پینا

۶۳۶..... اصولی تلاش	④..... فحاشی و عریانی کا حرام ہونا اور ”فواحش“
۶۳۶..... قرآن کا کتاب برکت ہونا	کی تحقیق..... ۶۳۹
۶۳۶..... نیست ممکن جز بقرآن زیستن	شہزادہ عبداللہ بن عبدالعزیز کی رقص و سرود پر
۶۳۶..... مقصد و حکمت نزول قرآن	عجربانہ خاموشی..... ۶۳۰
۶۳۷..... سرزمین عرب میں بالترتیب پانچ گروہ	⑤..... قتل نفس بغیر حق
۶۳۷..... تورات و انجیل کی نزولی زبان کا جنہم ہونا	قتل حق کی پہلی صورت..... ۶۳۰
۶۳۷..... یہود و نصاریٰ میں نیک سیرت لوگوں کا مسلمان ہونا	قتل حق کی دوسری صورت..... ۶۳۰
۶۳۷..... قرآن کا تمام عالم کے لیے ہدایت و رحمت ہونا	قتل حق کی تیسری صورت..... ۶۳۰
۶۳۸..... اعراض، مخالفت پر سزا کا ملنا امر قطری	⑥..... مال یتیم کھانا..... ۶۳۱
۶۳۹..... ماقبل سے ربط	اہم ترین مسئلہ..... ۶۳۱
دلائل عقلیہ و نقلیہ کی موجودگی میں نہ سمجھنا،	محدثین، فقہاء <small>رضی اللہ عنہم</small> کا اتفاق اور رسوم کی تردید..... ۶۳۱
چہ معنی دارد؟..... ۶۳۹	رسوم پر مال یتیم کا کھانا..... ۶۳۱
”یا ایہ ربّک“ کی تفاسیر..... ۶۳۹	فوتگی والے گھر پر ویسوں کا کھانا پکانا..... ۶۳۲
رب تعالیٰ کا دیکھنا، سنا، کلام کرنا اور اعضا وغیرہ	مال یتیم کھانے پر وعید..... ۶۳۲
کا مطلب..... ۶۳۹	④..... میزان کا درست نہ رکھنا حرام..... ۶۳۲
علامات قیامت..... ۶۴۰	⑤..... انصاف کی بات نہ کرنا حرام..... ۶۳۲
①..... زمین میں سے جانور کا نکلنا..... ۶۴۰	⑥..... وعدے کو پورا نہ کرنا حرام..... ۶۳۳
②..... سورج کا مغرب کی طرف سے طلوع ہونا..... ۶۴۰	ماقبل سے ربط / صراط مستقیم کی مزید تفسیر..... ۶۳۴
علامات قیامت کے پورا ہونے کے بعد توبہ کا قبول	پہلی کتابوں میں تورات کا مرکزی کتاب ہونا..... ۶۳۴
نہ ہونا..... ۶۴۱	”تہائم“ کی تفسیر..... ۶۳۴
حافظ ابن حجر عسقلانی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا قول..... ۶۴۱	جسم اور روح میں روح کو فوقیت..... ۶۳۴
علاوہ ازیں علامات قیامت..... ۶۴۱	انسان کا انسان نہ بننا ایک المیہ..... ۶۳۵
خسف جزیرہ عرب کے متعلق حضرت شیخ <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی	قرآن کریم کا اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہونا..... ۶۳۵
رائے..... ۶۴۱	قرآن کی موجودگی میں قیامت نہیں آسکتی..... ۶۳۵
”شیدعاً“ کی تحقیق..... ۶۴۲	مسلمان کی موجودگی میں بھی قیامت نہیں آسکتی..... ۶۳۵

- ۶۳۷..... ایک دینی غلط فہمی اور اس کا ازالہ
- ۶۳۷..... ”قربانی“ اور اس کے متعلقات
- ۶۳۷..... خودکشی حرام ہونے کی وجہ
- ۶۳۸..... خودکشی کے بارے میں حدیث کا مفہوم
- ۶۳۸..... ممانعت شرک
- ۶۳۸..... ”أَوْلِ الْمَسْلُوبِينَ“ کا مطلب
- ۶۳۸..... کفار کا آپ ﷺ کو خود ساختہ کاموں پر آمادہ کرنا
- ۶۳۹..... اللہ رب العالمین کی طرف سے جواب
- ۶۳۹..... ایک اشکال
- ۶۳۹..... اشکال کا جواب
- ۶۳۹..... نیکی کا ثواب نیکی پہنچانے والے کو بھی برابر ملتا ہے
- ۶۵۰..... ایصالِ ثواب کے متعلق اہم مسئلہ
- ۶۵۰..... علامہ شامی اور حضرت گنگوہی کے اقوال
- ۶۵۰..... حج بدل والے کو پورا ثواب ملتا ہے
- ۶۵۰..... اللہ ہی ہے جس نے انسان کو زمین کا خلیفہ بنایا
- ۶۵۱..... مراتب انسانی
- ۶۵۱..... وجہ تفاوت
- ۶۵۲..... برائے ضروری یا دواشت
- ۶۳۲..... اسلام میں سب سے پہلا باطل فرقہ ”شیعہ“
- ۶۳۲..... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دورانہدیشی
- ۶۳۲..... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نرم مزاجی
- ۶۳۳..... اسود تجیبی لعین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قاتل
- ۶۳۳..... تقیہ کا مطلب
- ۶۳۳..... کافر کو کافر سمجھنا لیکن لڑائی سے گریز کرنا
- ۶۳۳..... قانون قدرت ایک نیکی کا بدلہ دس گنا
- ۶۳۳..... نبی سبیل اللہ کی مد میں نیکی کا بدلہ سات سو گنا تک
- ۶۳۴..... برائی کے بدلے میں ایک برائی کا ہی ملنا
- ۶۳۵..... ماقبل سے ربط اور آپ ﷺ کو خطاب
- ۶۳۵..... حضرت ابراہیم علیہ السلام کی استقامت
- ۶۳۶..... تردید دعویٰ شرک
- ۶۳۶..... یہود و نصاریٰ کے دعوؤں کی بھی تردید
- ۶۳۶..... ہر طرح کی عبادت و قربانی رب تعالیٰ کے لیے
- مصافحہ بالمیدین اور معانقہ کس طرح اور کب کیا جائے؟
- ۶۳۶.....
- ۶۳۷..... باہر مجبوری جھکنا مستثنیٰ ہے
- ۶۳۷..... نماز جنازہ میں رکوع و سجود کی ممانعت کی وجہ



اہل علم سے گزارش

بندۂ ناچیز امام المحدثین مجدد وقت شیخ الاسلام حضرت العلام مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ کا شاگرد بھی ہے اور مرید بھی۔

اور محترم لقمان اللہ میر صاحب حضرت اقدس کے مخلص مرید اور خاص خدام میں سے ہیں۔ ہم وقتاً فوقتاً حضرت اقدس کی ملاقات کے لیے جایا کرتے۔ خصوصاً جب حضرت شیخ اقدس کو زیادہ تکلیف ہوتی تو علاج معالجہ کے سلسلے کے لیے اکثر جانا ہوتا۔ جانے سے پہلے ٹیلیفون پر رابطہ کر کے اکٹھے ہو جاتے۔ ایک دفعہ جاتے ہوئے میر صاحب نے کہا کہ حضرت نے ویسے تو کافی کتابیں لکھی ہیں اور ہر باطل کا رد کیا ہے مگر قرآن پاک کی تفسیر نہیں لکھی تو کیا حضرت اقدس جو صبح بعد نماز فجر درس قرآن ارشاد فرماتے ہیں وہ کسی نے محفوظ نہیں کیا کہ اسے کیسٹ سے کتابی شکل سے منظر عام پر لایا جائے تاکہ عوام الناس اس سے مستفید ہوں۔ اور اس سلسلے میں جتنے بھی اخراجات ہوں گے وہ میں برداشت کروں گا اور میرا مقصد صرف رضائے الہی ہے، شاید یہ میرے اور میرے خاندان کی نجات کا سبب بن جائے۔ یہ فضیلت اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر فرمائی تھی۔

اس سے تقریباً ایک سال قبل میر صاحب کی اہلیہ کو خواب آیا تھا کہ ہم حضرت شیخ اقدس کے گھر گئے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ حضرت کیلوں کے چھلکے لے کر باہر آ رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا حضرت مجھے دے دیں میں باہر پھینک دیتی ہوں۔ حضرت نے وہ مجھے دے دیے اور میں نے باہر پھینک دیے۔

چوں کہ حضرت خواب کی تعبیر کے بھی امام ہیں۔ میں نے مذکورہ بالا خواب حضرت سے بیان کیا اور تعبیر پوچھنے پر حضرت نے فرمایا کہ میرا یہ جو علمی فیض ہے اس سے تم بھی فائدہ حاصل کرو گے۔ چنانچہ وہ خواب کی تعبیر تفسیر قرآن "ذخیرۃ الجنان" کی شکل میں سامنے آئی۔

میر صاحب کے سوال کے جواب میں میں نے کہا اس سلسلے میں مجھے کچھ معلوم نہیں حضرت اقدس سے پوچھ لیتے ہیں۔ چنانچہ جب گلگھر حضرت کے پاس پہنچ کر بات ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ درس دو تین مرتبہ ریکارڈ ہو چکا ہے اور محمد سرور منہاس کے پاس موجود ہے ان سے رابطہ کر لیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ گلگھڑ والوں کے اصرار پر میں یہ درس قرآن پنجابی زبان میں دیتا رہا ہوں اس کو اردو زبان میں منتقل کرنا انتہائی مشکل اور اہم مسئلہ ہے۔

اس سے دو دن پہلے میرے پاس میرا ایک شاگرد آیا تھا اس نے مجھے کہا کہ میں ملازمت کرتا ہوں تنخواہ سے اخراجات

پورے نہیں ہو پاتے، دوران گفتگو اس نے یہ بھی کہا کہ میں نے ایم۔ اے پنجابی بھی کیا ہے۔ اس کی یہ بات مجھے اس وقت یاد آگئی۔ میں نے حضرت سے عرض کی کہ میرا ایک شاگرد ہے اس نے پنجابی میں ایم۔ اے کیا ہے اور کام کی تلاش میں ہے، میں اس سے بات کرتا ہوں۔

حضرت نے فرمایا اگر ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔ ہم حضرت کے پاس سے اٹھ کر محمد سرور منہاس صاحب کے پاس گئے اور ان کے سامنے اپنی خواہش رکھی انھوں نے کیٹیش دینے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ کچھ کیٹیشیں ریکارڈ کرانے کے بعد اپنے شاگرد ایم۔ اے پنجابی کو بلا یا اور اس کے سامنے یہ کام رکھا اس نے کہا کہ میں یہ کام کر دوں گا، میں نے اسے تجرباتی طور پر ایک عدد کیسٹ دی کہ یہ لکھ کر لاؤ پھر بات کریں گے۔ دینی علوم سے ناواقفی اس کے لیے سہ راہ بن گئی۔ وہ قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور عربی عبارت سمجھنے سے قاصر تھا۔ تو میں نے فیصلہ کیا کہ یہ کام خود ہی کرنے کا ہے میں نے خود ایک کیسٹ سنی اور اردو میں منتقل کر کے حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کی۔ حضرت نے اس میں مختلف مقامات میں سے پڑھ کر اظہارِ اطمینان فرمایا۔ اس اجازت پر پوری تن دہی سے متوکل علی اللہ ہو کر کام شروع کر دیا۔

میں بنیادی طور پر دنیاوی تعلیم کے لحاظ سے صرف پرائمری پاس ہوں، باقی سارا فیض علمائے ربانیین سے دورانِ تعلیم حاصل ہوا۔ اور میں اصل رہائشی بھی جھنگ کا ہوں وہاں کی پنجابی اور لاہور، گوجرانوالا کی پنجابی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ لہذا جہاں دشواری ہوتی وہاں حضرت مولانا سعید احمد صاحب جلاپوری شہید سے رجوع کرتا یا زیادہ ہی الجھن پیدا ہو جاتی تو براہ راست حضرت شیخ سے رابطہ کر کے تشریح کر لیتا لیکن حضرت کی وفات اور مولانا جلاپوری کی شہادت کے بعد اب کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آتا جس کی طرف رجوع کروں۔ اب اگر کہیں محاورہ یا مشکل الفاظ پیش آئیں تو پروفیسر ڈاکٹر اعجاز بوندھو صاحب سے رابطہ کر کے تسلی کر لیتا ہوں۔

اہل علم حضرات سے التماس ہے کہ اس بات کو بھی مد نظر رکھیں کہ یہ چونکہ عمومی درس ہوتا تھا اور یادداشت کی بنیاد پر مختلف روایات کا ذکر کیا جاتا تھا اس لیے ضروری نہیں ہے کہ جو روایت جس کتاب کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے وہ پوری روایت اسی کتاب میں موجود ہو۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ روایت کا ایک حصہ ایک کتاب میں ہوتا ہے جس کا حوالہ دیا گیا ہے مگر باقی تفصیلات دوسری کتاب کی روایت بلکہ مختلف روایات میں ہوتی ہیں۔ جیسا کہ حدیث نبوی کے اساتذہ اور طلبہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اس لیے ان دروس میں بیان کی جانے والی روایات کا حوالہ تلاش کرتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھا جائے۔

علاوہ ازیں کیسٹ سے تحریر کرنے سے لے کر مسودہ کے زیور طبعیت سے آراستہ ہونے تک کے تمام مراحل میں اس مسودہ کو انتہائی ذمہ داری کے ساتھ میں بذات خود اور دیگر تعاون کرنے والے احباب مطالعہ اور پروف ریڈنگ کے دوران غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہیں اور حتی المقدور اغلاط کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کیونکہ اس کاغذ کی نشاندہی کے بعد میں

ایک مرتبہ دوبارہ مسودہ کو چیک کرتا ہوں تب جا کر انتہائی عرق ریزی کے بعد مسودہ اشاعت کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ لیکن بائیں ہمہ ہم سارے انسان ہیں اور انسان نسیان اور خطا سے مرکب ہے غلطیاں ممکن ہیں۔ لہذا اہل علم سے گزارش ہے کہ تمام خامیوں اور کمزوریوں کی نسبت صرف میری طرف ہی کی جائے اور ان غلطیوں سے مطلع اور آگاہ کیا جائے تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح ہو سکے۔

العارض

محمد نواز بلوچ

فارغ التحصیل مدرسہ نصرۃ العلوم وفاضل وفاق المدارس العربیہ، ملتان



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ

وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ

عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ

إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ

اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى

آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى

إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ

إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ

آيَاتُهَا ۱۶۵ ﴿٦﴾ سُورَةُ الْاِنْعَامِ مَكِّيَّةٌ ﴿٥٥﴾ رُكُوعَاتُهَا ۲۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

﴿اَلْعِنْدَ بِلٰهِ﴾ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں ﴿اَلذِّیْ﴾ وہ ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ﴾ جس نے پیدا کیے آسمان ﴿وَ
اَلْاَرْضِ﴾ اور زمین ﴿وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ﴾ اور بنائے اس نے اندھیرے ﴿وَالنُّوْرَ﴾ اور روشنی ﴿ثُمَّ اَلذِّیْنَ﴾ پھر وہ
لوگ ﴿كَفَرُوْا﴾ جو کافر ہیں ﴿یَدْعُوْنَهُمْ یُعٰدِلُوْنَ﴾ اپنے رب کے ساتھ دوسروں کو برابر کرتے ہیں ﴿هُوَ اَلذِّیْ
وہ، وہ ذات ہے ﴿خَلَقَكُمْ﴾ جس نے تمہیں پیدا کیا ﴿مِنْ طِیْنٍ﴾ گارے سے ﴿ثُمَّ قَضٰی اَجَلًا﴾ پھر اس نے
مقرر کی ایک میعاد ﴿وَ اَجَلٌ﴾ اور ایک اور میعاد ہے ﴿مُسْتَقِیْ عِنْدَہٗ﴾ مقرر ہے اس کے ہاں ﴿ثُمَّ اَنْتُمْ
تَسْتُرُوْنَ﴾ پھر تم اس کی قدرت میں شک کرتے ہو ﴿وَهُوَ اللّٰہُ﴾ اور وہی اللہ تعالیٰ ہے ﴿فِی السَّمٰوٰتِ﴾ آسمانوں
میں ﴿وَ فِی الْاَرْضِ﴾ اور زمین میں ﴿یَعْلَمُ سِرَّكُمْ﴾ جانتا ہے تمہاری چھپی ہوئی باتوں کو ﴿وَ جَهَرَكُمْ﴾ اور
ظاہری باتوں کو ﴿وَ یَعْلَمُ﴾ اور جانتا ہے ﴿مَا تَكْسِبُوْنَ﴾ جو تم کھاتے ہو ﴿وَ مَا تَاْتِیْہُمْ﴾ اور نہیں آتی ان کے پاس
﴿مِنْ اٰیٰتِہٖ﴾ کوئی نشانی ﴿مِنْ اٰیٰتِہُمْ﴾ ان کے رب کی نشانیوں میں ہے ﴿اِلَّا کَاٰتِیٰتِہُمْ مَّرْضِیْنَ﴾ مگر
ہوتے ہیں اس سے اعراض کرنے والے ﴿فَقَدْ کَذَّبُوْا﴾ پس تحقیق انہوں نے جھٹلایا ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کو ﴿لِنَا
جَاۤءَهُمْ﴾ جب حق ان کے پاس آیا ﴿فَسَوْفَ یَاْتِیْہُمْ﴾ پس عن قریب آئے گی ان کے پاس ﴿اَلْبُۤوَا﴾ حقیقت
﴿مَا﴾ اس چیز کی ﴿کَاٰتِیٰتِہُمْ یَسْتَنْزِعُوْنَ﴾ تھے جس کے ساتھ وہ ٹھٹھا کرتے۔

”انعام“ کی تحقیق اور وجہ تسمیہ

اس سورۃ کا نام ”انعام“ ہے۔ ”انعام“ نعم کی جمع ہے اور نَعَم کے معنی ہیں مویشی۔ چونکہ اس سورۃ میں ان
جانوروں کی حلت کا بیان ہے جن کو مشرکوں نے حرام ٹھہرایا تھا اس لیے اس سورۃ کا نام انعام ہے۔ یہ سورۃ مکہ مکرمہ میں نازل
ہوئی ہے اور اس سے پہلے چون [۵۴] سورۃ نازل ہو چکی تھی۔ اس کے بیس [۲۰] رکوع اور ایک سو پینسٹھ [۱۶۵] آیات
ہیں۔ اس سے پہلے جتنی سورۃیں گزری ہیں ان میں زیادہ تر یہود و نصاریٰ کی تردید تھی اگرچہ دوسرے مسائل بھی بیان ہوئے ہیں
اور اس سورۃ میں ہر طرح کے شرک کی تردید ہے اور اس کی ابتداء ہی اللہ تعالیٰ کی توحید کے ساتھ ہوئی ہے۔ فرمایا ﴿اَلْعِنْدَ بِلٰہِ﴾
سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں ﴿اَلذِّیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ﴾ وہ جس نے پیدا کیا آسمانوں ﴿وَ الْاَرْضِ﴾ اور زمین کو۔ تمام کائنات کا
خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

”ظلمت“ کی تحقیق

﴿وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ﴾ اور بنائے اس نے اندھیرے ﴿وَالنُّورِ﴾ اور روشنی۔ ”ظلمت“ ظلمت کی جمع ہے اور ظلمت کا معنی ہے اندھیرا۔ اور نور کا معنی ہے روشنی۔ تو اندھیرے بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے اور روشنی بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی۔

ایرانی اور ان کا خدائی اعتقاد

ایران کے مجوسی جو آگ پرست تھے وہ یہ باطل نظریہ رکھتے تھے کہ خدا دو ہیں۔ ایک کا نام یزدان ہے جو خیر کا خالق ہے، اچھی چیزوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ اور یزدان کو نور بھی کہتے تھے اور دوسرا ”اھرمین“ ہے۔ یہ خالق شر ہے، بری چیزوں کو پیدا کرنے والا ہے اور ”اھرمین“ کو ظلمت بھی کہتے تھے یعنی اہرن کا دوسرا نام ظلمت ہے۔ جس طرح ہم کہتے ہیں کہ ایک ذات رحمن ہے اور دوسرا شیطان ہے۔ مگر ہم شیطان کو کسی چیز کا خالق نہیں مانتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ باغی اور سرکش ہے وہ کسی سے جبراً کوئی چیز نہ کروا سکتا ہے نہ منوا سکتا ہے۔ ترغیب دیتا ہے اور انخوا کرتا ہے۔ نفس امارہ اس کا مرید ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس نظریے کی تردید فرمائی ہے کہ خیر اور شر کے خالق الگ الگ نہیں ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ اندھیروں کو اور روشنی کو بنانے والا ہے۔ زمین، آسمان اور ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

﴿لَمْ يَلِدْ﴾ پھر وہ لوگ ﴿كَفَرُوا﴾ جو کافر ہیں ﴿يَدْعُونَ﴾ اپنے رب کے ساتھ دوسروں کو برابر کرتے ہیں۔ یہ بھی نہیں کہتے کہ آسمانوں کو، روشنی اور اندھیروں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی نے پیدا کیا ہے، بلکہ ہر چیز کا خالق رب تعالیٰ کو مانتے ہیں۔ پھر اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرانے کا کیا معنی ہے؟

انسانی تخلیق کا مادہ

﴿مِمَّا الذَّنْبِيُّ﴾ وہ، وہ ذات ہے ﴿خَلَقَكُمْ﴾ جس نے تمہیں پیدا کیا ﴿مِنْ طِينٍ﴾ گارے سے، مٹی خشک ہو تو ”تراب“ کہتے ہیں اور گارے کو طین کہتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ساری زمین کے چہرے سے مٹی اکٹھی فرمائی۔ پھر اس کو دست قدرت سے گوندھ کر گارا بنا کر رکھ چھوڑا۔ یہاں تک کہ ”مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ“ وہ ٹھیکری کی طرح بننے لگی۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ آدم ﷺ کو پیدا فرمایا۔ تو ابتدا تمہاری تخلیق گارے سے ہے۔

ہر چیز کی میعاد کا مقرر ہونا

﴿كُلُّ نَفْسٍ أَجَلًا﴾ پھر اس نے مقرر کی ایک میعاد۔ ہر آدمی کی موت کا وقت مقرر ہے جس سے وہ نہ آگے جاسکتا ہے نہ پیچھے۔ ﴿وَأَجَلٌ مُّسَدَّدٌ﴾ اور ایک اور میعاد مقرر ہے ﴿عِنْدَنَا﴾ اس کے ہاں قیامت کے برپا ہونے کی۔ جس طرح شخصی طور پر

ہر ایک کی موت کا وقت مقرر ہے۔ اسی طرح سارے جہاں کی موت کا وقت بھی مقرر ہے۔ جس کو قیامت کہتے ہیں۔ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ ﴿ثُمَّ أَنْتُمْ تُنذَرُونَ﴾ پھر تم اس کی قدرت میں شک کرتے ہو۔ جس نے تمہیں گارے اور مٹی سے پیدا فرمایا، انسان بنایا، کیسی شکل و صورت عطا فرمائی، سمع و بصر عطا کی پھر تم اس کی قدرت میں شک کرتے ہو۔ ﴿وَهُوَ اللَّهُ﴾ اور وہی اللہ تعالیٰ ہے ﴿فِي السَّمَوَاتِ﴾ آسمانوں میں ﴿وَفِي الْأَرْضِ﴾ اور زمین میں۔ اس کے سوا آسمانوں اور زمینوں میں نہ تو کسی کا اقتدار ہے اور نہ کسی کو اختیار ہے۔

﴿يَعْلَمُ سِرَّكُمْ﴾ جانتا ہے تمہاری چھپی ہوئی باتوں کو ﴿وَجَهْدَكُمْ﴾ اور ظاہر باتوں کو بھی۔ مخفی سے مخفی تر چیز کو بھی جانتا ہے۔ اور تمہارے دلوں میں جو خیالات پیدا ہوتے ہیں وہ بھی اس کے علم میں ہیں۔ وہ ﴿عَلَيْكُمْ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ ہے۔ ﴿وَيَعْلَمُ﴾ اور جانتا ہے ﴿مَا تَكْسِبُونَ﴾ جو تم کماتے ہو۔ نیکی یا بدی سے رات کو یا دن کو اکٹھے یا تنہائی میں سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ مگر یہ ایسے ضدی ہیں ﴿وَمَا تَأْتِيهِمْ﴾ اور نہیں آتی ان کے پاس ﴿قِنِ آيَةٌ﴾ کوئی نشانی ﴿قِنِ آيَاتِ رَبِّهِمْ﴾ ان کے رب کی نشانیوں میں سے ﴿إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ﴾ مگر ہوتے ہیں اس سے اعراض کرنے والے۔

”آیت“ کی تفسیر

اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن کریم کی آیت ہے۔ تو معنی ہوگا کہ قرآن کریم کی جو آیت بھی نازل ہوتی ہے اس سے اعراض کرتے ہیں مانتے نہیں انکار کر دیتے ہیں۔ اور آیت کے معنی معجزے اور نشانی کے بھی ہیں۔ تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ ان کے پاس جب بھی کوئی معجزہ اور نشانی آتی ہے تو رد کر دیتے ہیں مانتے نہیں۔ آنحضرت ﷺ کے ہاتھ مبارک پر اللہ تعالیٰ نے بہت سارے معجزے نازل فرمائے جن کو کافروں نے آنکھوں سے دیکھا مگر ایمان نہیں لائے۔

شق القمر کا نظارہ کرنا اور پھر بھی اسلام نہ لانا

دیکھو! چاند کا دو ٹکڑے ہونا کوئی معمولی معجزہ تھا؟ چودھویں کی رات تھی شریہ قسم کے لوگ اکٹھے ہوئے اور آپس میں مشورہ کیا کہ آج اس کو ستائیں۔ آپ ﷺ کے پاس آگئے۔ کہنے لگے اے محمد (ﷺ)! تو کہتا ہے کہ میں رب تعالیٰ کا نبی ہوں۔ آج ہمیں کوئی کرشمہ دکھاتا کہ ہم مان جائیں۔ کسی نے کوئی مطالبہ کیا کسی نے کوئی مطالبہ کیا۔ ایک نے کہا کہ یہ چاند دو ٹکڑے ہو جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ معجزہ رب تعالیٰ کے اختیار اور قدرت میں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے چاند کے دو ٹکڑے کر دے تو کیا تم مان جاؤ گے؟ کہنے لگے ہاں مان جائیں گے۔ پس آپ ﷺ نے اشارہ ہی کرنا تھا کہ رب تعالیٰ نے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا۔ ایک ٹکڑا جبل ابونعیم پر چلا گیا۔ چوٹی سی پہاڑی ہے بیت اللہ کے دروازے کے سامنے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے رب تعالیٰ نے یہ پہاڑی دنیا پر نصب فرمائی تھی اور اس پہاڑی پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حج کا اعلان فرمایا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا ﴿وَ اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ﴾ اور لوگوں میں حج کا اعلان فرمادیں۔“

اور چاند کا دوسرا ٹکڑا ”قیقعان“ پہاڑ پر چلا گیا۔ یہ کعبۃ اللہ سے مغرب کی جانب ایک بلند پہاڑ ہے۔ سب نے آنکھوں سے دیکھا کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا ہے اور ایک دوسرے سے پوچھتے تھے کہ تجھے بھی دو ٹکڑے نظر آرہے ہیں؟ وہ کہتا ہاں! وہاں سے ہٹ کر دوسری جگہ گئے۔ وہاں سے بھی دو ٹکڑے نظر آتے تھے۔ اس سے بڑھ کر کیا معجزہ ہو سکتا ہے۔ چودھویں رات کا چاند سر پر کھڑا ہے۔ بادل اور دھند بھی نہیں ہے اور بھی کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

قرآن میں شق القمر پر مستقل سورت کا ہونا

قرآن کریم میں مستقل سورت ہے سورۃ القمر۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ اُنشِقَ الْقَمَرُ﴾ ”قیامت قریب آچکی ہے اور چاند شق ہو گیا ہے ﴿وَ اِنْ يَرَوْا آيَةً﴾ اور اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں ﴿يَعْرِضُوا﴾ تو منہ پھیر لیتے ہیں ﴿وَ يَقُولُوا﴾ اور کہتے ہیں ﴿سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾ یہ ہمیشہ کا جادو ہے۔“ اور ﴿مُسْتَمِرٌّ﴾ کا مجرد مادہ ہے مِرَّةٌ اور مِرَّةٌ کا معنی ہے قوت والی۔ تو اس لحاظ سے معنی ہوگا کہ وہ کہتے ہیں بڑا مضبوط جادو ہے۔ یقین جانو! ان میں سے ایک آدمی بھی ایمان نہ لایا۔ اب اس ضد کا بھی دنیا میں کوئی علاج ہے؟ کہ منہ مانگا معجزہ دیکھنے کے باوجود کوئی مسلمان نہ ہوا۔

معجزے اور کرامت کی حقیقت

معجزے کی حقیقت بھی سمجھ لیں۔ معجزہ حق ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے۔ معجزے کے ظاہر کرنے کی قدرت اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو نہیں عطا فرمائی۔

کرامت بھی اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتی ہے ولی کی اس میں ذاتی قدرت نہیں ہوتی۔ یعنی معجزے میں نبی کا دخل نہیں اور کرامت میں ولی کا دخل نہیں ہے۔ فرمایا ﴿فَقَدْ كَذَّبُوا﴾ پس تحقیق انہوں نے جھٹلایا ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کو ﴿لِنَايَا آلِهِمْ﴾ جب حق ان کے پاس آیا ﴿كَسُوفَ يَأْتِيهِمْ﴾ پس عن قریب آئے گی ان کے پاس ﴿اَلُنُبَا﴾ حقیقت ﴿مَا﴾ اس چیز کی ﴿كَالْوَاهِي يَنْتَهِي زُنُونٌ﴾ تھے جس کے ساتھ وہ ٹھٹھا کرتے۔ ﴿اَلُنُبَا﴾ ”نُبَا“ کی جمع ہے۔ اور نُبَا کے معنی ہیں خبر۔ تو مفہوم یہ بنے گا جس عذاب کی خبر کا یہ مذاق اڑاتے ہیں اس کی حقیقت ان کے سامنے آجائے گی کیوں کہ جب ان کو دھمکی دی جاتی کہ تم رب تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو ورنہ عذاب آئے گا تو یہ مذاق اڑاتے اور کہتے کہ دیر کس چیز کی ہے؟ ﴿فَاَتَيْنَاهَا نِعْدَانًا اِنْ كُنْتُمْ مِنَ الصَّادِقِينَ﴾ [الاعراف: ۷۰] ”پس لاؤ تم وہ عذاب جس سے ہمیں ڈراتے ہو اگر ہو تم سچے۔“ لہذا اللہ تعالیٰ اس کی

حقیقت عن قریب ان کے سامنے لائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں ہے اللہ تعالیٰ سب کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔



﴿الْمَیْرَآةَ﴾ کیا نہیں دیکھا ان لوگوں نے ﴿كَمْ أَهْلَكْنَا﴾ کتنی ہی ہم نے ہلاک کر دیں ﴿مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ان سے پہلے ﴿مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ جماعتیں ﴿مَنْكُتُهُمْ فِي الْأَرْضِ﴾ ان کو ہم نے قدرت دی تھی زمین میں ﴿مَا لَمْ يُمَكِّنْ لَكُمْ﴾ وہ جو نہیں قدرت دی ہم نے تمہیں زمین میں ﴿وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ﴾ اور چھوڑا ہم نے آسمان ﴿عَلَيْهِمْ﴾ ان پر ﴿فَقَدَرْنَا﴾ لگا تار بارش برسانے والا ﴿وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ﴾ اور بنائی ہم نے نہریں ﴿تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمْ﴾ جو ان کے نیچے جاری تھیں ﴿فَأَهْلَكْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ﴾ پس ہم نے ان کو ہلاک کیا ان کے گناہوں کی وجہ سے ﴿وَأَنْشَأْنَا﴾ اور پیدا کیں ہم نے ﴿مِنْ بَعْدِهِمْ﴾ ان کے بعد ﴿قَوْمًا آخَرِينَ﴾ دوسری جماعتیں ﴿وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا﴾ اور اگر ہم نازل کریں آپ پر کتاب ﴿فِي قَوْمٍ ظَالِمٍ﴾ کاغذوں میں لکھی ہوئی ﴿فَلَسَوْا﴾ پس وہ اس کو چھولیں ﴿بِأَيْدِيهِمْ﴾ اپنے ہاتھوں سے ﴿تَقَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ البتہ کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ﴿إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ﴾ نہیں ہے یہ مگر جادو کھلا ﴿وَقَالُوا﴾ اور کہا انہوں نے ﴿لَوْلَا أَنْزَلَ عَلَيْنَا﴾ کیوں نہیں اتارا گیا اس پر ﴿مَلَكٌ﴾ فرشتہ ﴿وَلَوْ أَنْزَلْنَا مَلَكَ﴾ اور اگر ہم نازل کریں فرشتہ ﴿تَقْضَى الْأَمْرُ﴾ البتہ طے کر دیا جائے معاملہ ﴿ثُمَّ لَا يُنْظَرُونَ﴾ پھر ان کو مہلت نہ دی جائے ﴿وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكَ﴾ اور اگر ہم بنائیں اس کو فرشتہ ﴿لَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا﴾ البتہ بنائیں اس کو مرد ﴿وَلَلْبَسْنَا عَلَيْهِمْ﴾ اور البتہ ہم خلط ملط کر دیں ان پر ﴿مَا يَلْبَسُونَ﴾ اس چیز کو جس کے اشتباہ میں وہ پڑے ہوئے ہیں ﴿وَلَقَدْ اسْتَهْزَأُوا﴾ اور البتہ تحقیق مذاق کیا گیا ﴿بِرَسُولٍ قَبْلِكَ﴾ کتنے رسولوں کے ساتھ آپ ﷺ سے پہلے ﴿فَعَاقَ بِالْزَيْنِ﴾ جنہوں نے مذاق کیا تھا ان میں سے ﴿سَخِرُوا مِنْهُمْ﴾ پس گھیر لیا ان لوگوں کو ﴿مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ﴾ اس چیز نے جس کے ساتھ وہ مذاق کرتے تھے۔

رابطہ

اللہ تعالیٰ نے کافروں، مشرکوں اور نافرمانوں کو سمجھانے کے لیے مختلف طریقے استعمال فرمائے ہیں۔ کبھی تو نعمتوں کا ذکر کر کے سمجھایا کہ میری ان نعمتوں کی قدر کرو اور نافرمانی نہ کرو اور کبھی عذاب سے ڈرایا اور فرمایا کہ ان قوموں کی طرف دیکھو کہ جنہوں نے نافرمانی کی ان کا کیا انجام ہوا۔ تو پہلے کچھ نعمتوں کا ذکر تھا اس آیت کریمہ میں عذاب کا ذکر ہے۔ آگے پھر نعمت کا ذکر ہے۔

”قرن“ کی تعریف ؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَلَمْ يَدْعُوا﴾ کیا نہیں دیکھا ان لوگوں نے ﴿كَمْ اَهْلَكْنَا﴾ کتنی ہی ہم نے ہلاک کر دیں ﴿وَمِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ان سے پہلے ﴿مِنْ قَوْمٍ﴾ جماعتیں۔ ایک دور میں جو لوگ رہتے ہیں وہ قرن ہے۔ جب تک یہ لوگ ہیں یہ ایک ہی قرن ہوگا۔ یہ چلے جائیں گے دوسرے آجائیں گے تو دوسرا قرن شروع ہو جائے گا۔ مثلاً: اس دور میں ہم رہتے ہیں تو ہمارا یہ دور ایک قرن ہے۔ بعد دوسرے لوگوں کا دور شروع ہو جائے گا تو وہ دوسرا قرن ہوگا۔ مراد جماعتیں ہیں۔ کہ ہم نے کتنی جماعتیں ہلاک کیں ان سے پہلے۔ ﴿مَكَثْتُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ ان کو ہم نے قدرت دی تھی زمین میں ﴿مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَكُمْ﴾ وہ جو نہیں قدرت دی ہم نے تمہیں زمین میں۔ انہوں نے زمین میں بڑی کاشتکاری کی، بڑے بڑے ڈیم اور حوض بنائے، بڑی بڑی بلڈنگز بنائیں، نشانات کھڑے کیے اور بہت کچھ کیا کہ اتنی وسعت اور طاقت تمہیں حاصل نہیں ہے۔

بارش ایک نعمت ؟

﴿وَاَنْزَلْنَا السَّمَاءَ﴾ اور چھوڑا ہم نے آسمان ﴿عَلَيْهِمْ﴾ ان پر ﴿مِنْ مَّاءٍ﴾ لگا تار بارش برسائے والا۔ یعنی ان پر آسمان سے لگا تار بارش برسائی۔ بارش بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اگر ایک حد تک ہو۔ اس سے درخت، گھاس اور کھیت وابستہ ہیں۔ بلکہ اس دور میں بھی بعض علاقے ایسے ہیں کہ وہ پینے کے لیے پانی بھی بارش کا استعمال کرتے ہیں بارش ہو تو ان کو پانی میسر ہوتا ہے اور اگر بارش نہ ہو تو پینے کے لیے بھی پانی نہیں ملتا۔

﴿وَجَعَلْنَا الْاَنْهَارَ﴾ اور بناائیں ہم نے نہریں ﴿تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمْ﴾ جو ان کی زمینوں کے نیچے جاری تھیں ﴿فَاَهْلَكْنَاهُمْ﴾ پس ہم نے ان کو ہلاک کیا۔ کیوں ہلاک کیا؟ فرمایا ﴿بِذُنُوبِهِمْ﴾ ان کے گناہوں کی وجہ سے کہ ان قوموں اور جماعتوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، گناہ کیے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تباہ کر دیا۔ ﴿وَاَنْشَاْنَا﴾ اور پیدا کیں ہم نے ﴿مِنْ بَعْدِهِمْ﴾ ان کے بعد ﴿قَوْمًا اٰخَرِيْنَ﴾ دوسری جماعتیں۔ اے سرزمین عرب کے رہنے والو! جو نزول قرآن کے وقت موجود ہو اور اس کے بعد قیامت تک آنے والو! گزشتہ قوموں کے حالات دیکھ لو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو گناہوں کی وجہ سے تباہ و برباد کر دیا اگر تم ان کے نقش قدم پر چلو گے تو جو انجام ان کا ہو تمہارا بھی وہی ہوگا۔

کفار کا غیر معقول اعتراض ؟

آگے کافروں کے ایک شوشے کا ذکر ہے۔ کہنے لگے ہم اس شرط پر ایمان لانے کے لیے تیار ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرشتہ لکھی لکھائی کتاب ہمارے سامنے لائے، ہمارے دیکھتے ہوئے تمہارے حوالے کرے اور ہم اسے ہاتھ لگا کر دیکھیں۔

جواب ؟

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا﴾ اور اگر ہم نازل کریں آپ پر کتاب ﴿فِي قَوْمٍ﴾

کاغذوں میں لکھی ہوئی ﴿فَلتَسْوُوا﴾ پس وہ اس کو چھولیں ﴿بِأَنبِیُوتِهِمْ﴾ اپنے ہاتھوں سے۔ جس طرح ہمارے ہاتھ قرآن پاک پر لگتے ہیں۔ ﴿لَقَالِ الذِّینَ کَفَرُوا﴾ البتہ کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ﴿اِنَّ هٰذَا اِلَّا بَحْرٌ مُّبِینٌ﴾ نہیں ہے یہ مگر جادو کھا۔ اب اس ضد کا دنیا میں کوئی علاج ہے؟

اس طرح کے انہوں نے اور بھی کئی سوال کیے جن کا ذکر پندرہویں پارے میں ہے۔ ﴿وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ﴾ اور کہا انہوں نے ہم ہرگز نہیں ایمان لائیں گے آپ پر ﴿حَتّٰی تَفْعَزَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ نَضِیْبُوْغَا﴾ یہاں تک کہ آپ جاری کر دیں ہمارے لیے زمین سے چشمہ ﴿اَوْ تَكُوْنُ لَكَ جَنَّةٌ﴾ یا ہو آپ کے لیے ایک باغ ﴿مِنْ فِضْلِ وَءَعْبٍ﴾ کھجوروں اور انگوروں کا ﴿فَنُقْفِزَ الْاَنْهَارَ خَلَلَهَا تَفْحِزُوا﴾ پھر آپ چلائیں نہروں کو ان کے درمیان چلانا ﴿اَوْ تَسْقِطَ السَّمَاۗءُ﴾ یا گرادیں آسمان ﴿کَمَا زَعَمَتْ عَلَیْنَا کُفَّا﴾ جیسا کہ آپ خیال کرتے ہیں ہم پر کوئی ٹکڑا ﴿اَوْ تَاْتِیْ بِاللّٰهِ وَالسَّکِیۡتِ قَبِیۡلًا﴾ یا لائیں آپ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو سامنے اور اللہ تعالیٰ کہے یہ میرا پیغمبر ہے ﴿اَوْ یُکُوْنُ لَكَ بَیۡتٌ﴾ یا ہو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے کوئی گھر ﴿مِنْ زُخْرَفٍ﴾ سونے کا ﴿اَوْ تُوْفٰی فِی السَّمٰوٰتِ﴾ یا چڑھ جائیں آپ آسمان پر ﴿وَلَنْ نُؤْمِنَ لِوَعْدِکَ﴾ اور ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اوپر چڑھنے سے جب چڑھے تو خالی ہاتھ ہو اور جب آئے ﴿حَتّٰی تُنَزَّلَ عَلَیْنَا کِتٰبًا نُّقْرُؤُکَ﴾ حتیٰ کہ اتار دیں ہمارے اوپر ایک کتاب جس کو ہم پڑھیں۔ یہ سب کچھ ہونے کے باوجود بھی انہوں نے کہا کہ ہم ایمان نہیں لائیں گے۔ اب بتاؤ اس ضد کا دنیا میں کیا علاج ہے؟

فرشتے کو دیکھنے کا مطالبہ اور اس کا جواب ۶

اور سنئے! آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مخالفین نے کہا کہ یہ کیا بات ہوئی کہ آپ کہتے ہیں کہ میرے پاس فرشتہ آیا ہے اور یہ حکم دے گیا ہے وہ فرشتہ ہمیں کیوں نظر نہیں آتا ہمیں بھی نظر آنا چاہیے۔ ہم بھی اس کو دیکھیں کہ فرشتہ آیا ہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ گفتگو کر رہا ہے۔

فرمایا ﴿وَقَالُوا﴾ اور کہا انہوں نے ﴿لَوْلَا اُنزِلَ عَلَیۡہِ﴾ کیوں نہیں اتارا گیا اس پر ﴿مَلٰئِکَ﴾ فرشتہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَوْلَا اُنزِلْنَا مَلَکًا﴾ اور اگر ہم نازل کریں فرشتہ یعنی فرشتہ اپنی اصل شکل میں آئے تو ان میں اس کو دیکھنے کی طاقت ہی نہیں ہے۔ ﴿تَقْوِیَ الْاَمْرِ﴾ البتہ طے کر دیا جائے معاملہ یعنی اگر فرشتہ ان کے سامنے آجائے تو اسے دیکھنے کی طاقت نہ پا کر فوراً ہلاک ہو جائیں گے ان کا معاملہ ہی صاف ہو جائے گا ﴿لَئِن یُنظَرُوْنَ﴾ پھر ان کو مہلت نہ دی جائے گی، فوراً جان نکل جائے گی۔

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جبرئیل علیہ السلام کو اصل حالت میں دیکھنا ۶

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اصل شکل میں دو مرتبہ دیکھا ہے۔ پہلی دفعہ غار حرا میں اور دوسری مرتبہ

جب وہ چلا گیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ جبرئیل علیہ السلام تھے جَاءَ كُمْ يُعَلِّمُكُمُ دِينَكُمْ تمہیں تمہارا دین سکھانے کے لیے آئے تھے۔ بہر حال جبرئیل علیہ السلام مختلف آدمیوں کی شکل میں تشریف لاتے تھے۔ تو فرشتے کو اصلی شکل میں دیکھنے کی تو یہ طاقت نہیں رکھتے۔

فرشتہ کو دیکھنے کی دوسری صورت ۱۱

دوسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ انسانی شکل میں آئے تو یہ کہیں گے یہ تو انسان ہے اور ہم نے انسان تو بڑے دیکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا﴾ اور اگر ہم بنا کیں اس کو فرشتہ ﴿لَجَعَلْنَاهُ مَرَجُلًا﴾ البتہ بنا کیں اس کو مرد۔ یعنی اگر فرشتے کو رسول بنا کر بھیجیں تو مرد شکل میں بھیجیں گے۔ ﴿وَلَلْبَشَرِئَا عَلَيْنَهُمْ﴾ اور ہم ان پر خلط ملط کر دیں ﴿مَا يَلْبَسُونَ﴾ اس چیز کو جس کے اشتباہ میں وہ پڑے ہوئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر فرشتے کو انسانی شکل میں بھیجیں گے تو یہ کہیں گے کہ یہ تو انسان ہے ہم تو فرشتہ مانگتے ہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو تسلی دی ہے کہ اگر یہ لوگ آج آپ ﷺ کے ساتھ ٹھٹھا اور مذاق کرتے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے آپ ﷺ سے پہلے جتنے پیغمبر آئے ہیں ان کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا ہے۔

فرمایا ﴿وَلَقَدْ اسْتَنْزَيْتُمْ﴾ اور البتہ تحقیق مذاق کیا گیا ﴿بِؤْسُلٍ مِّن تَبَلِك﴾ کتنے رسولوں کے ساتھ آپ ﷺ سے پہلے ﴿وَعَاقِبَ الْبَأْسِ﴾ پس گھیر لیا ان لوگوں کو ﴿سَخِرُوا مِنْهُمْ﴾ جنہوں نے مذاق کیا تھا ان میں سے ﴿مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ﴾ اس چیز نے جس کے ساتھ وہ مذاق کرتے تھے۔ یعنی کہتے تھے ﴿فَأَتَيْنَاهَا تَعْدُنًا إِن كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ [الاعراف: ۷۰] لے آؤ وہ عذاب جس سے تو ہمیں ڈراتا ہے اگر ہے تو بچوں میں سے۔ تو فرمایا پہلے پیغمبروں کے ساتھ بھی مذاق ہوتا رہا ہے۔ بس تمہارا کام ہے صبر کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں جو مقدر ہے وہ ہو کر رہے گا۔



﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿سِيرُوا فِي الْأَرْضِ﴾ سیر کر زمین میں ﴿ثُمَّ انظُرُوا﴾ پھر دیکھو تم ﴿كَيْفَ كَانَ﴾ کیسا ہوا ﴿عَاقِبَةُ الْمُكذِبِينَ﴾ انجام ان لوگوں کا جنہوں نے حق کو جھٹلایا ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿لَعَنَ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضِ﴾ کس کے لیے ہے جو کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں ﴿قُلْ لِلّٰهِ﴾ آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے ﴿كُتِبَ عَلٰٓنَفْسِهِ الرَّحْمَةُ﴾ لکھی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر رحمت ﴿لِيَجْمَعَكُمْ﴾ البتہ وہ ضرور تمہیں جمع کرے گا ﴿إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت کے دن ﴿لَا تَمَيَّبُ فِيهِ﴾ جس میں کوئی شک نہیں ہے ﴿الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ﴾ وہ لوگ جنہوں نے نقصان میں ڈالا اپنی جانوں کو ﴿فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ پس وہی ایمان نہیں لاتے ﴿وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا﴾ اور اگر ہم بنا کیں اس کو فرشتہ ﴿لَجَعَلْنَاهُ مَرَجُلًا﴾ البتہ بنا کیں اس کو مرد۔ یعنی اگر فرشتے کو رسول بنا کر بھیجیں تو مرد شکل میں بھیجیں گے۔ ﴿وَلَلْبَشَرِئَا عَلَيْنَهُمْ﴾ اور ہم ان پر خلط ملط کر دیں ﴿مَا يَلْبَسُونَ﴾ اس چیز کو جس کے اشتباہ میں وہ پڑے ہوئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر فرشتے کو انسانی شکل میں بھیجیں گے تو یہ کہیں گے کہ یہ تو انسان ہے ہم تو فرشتہ مانگتے ہیں۔

لَهُ ﴿ اور اس کے لیے ہے ﴿ مَا سَكَنَ فِي الْبَيْلِ ﴾ جو ٹھہرا ہوا ہے رات میں ﴿ وَالنَّهَارِ ﴾ اور دن میں ﴿ وَهُوَ السَّيِّئُ الْعَلِيمُ ﴾ اور وہی سننے والا، جاننے والا ہے ﴿ قُلْ أَعْيَبَ اللَّهُ ﴾ آپ کہہ دیں کیا اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿ أَلتَّخَذُوا لِيَاءِ ﴾ بناؤں میں کارساز ﴿ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا ﴿ وَهُوَ يُطْعِمُ ﴾ اور وہ کھلاتا ہے ﴿ وَلَا يَطْعَمُ ﴾ اور اس کو کھلایا نہیں جاتا ﴿ قُلْ اِنِّيْ اُمِرْتُ ﴾ آپ کہہ دیں بے شک مجھے حکم دیا گیا ہے ﴿ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ ﴾ کہ میں ہو جاؤں پہلا وہ جو فرمانبرداری کرنے والا ہے ﴿ وَلَا تَكُوْنُوْنَ مِنَ الشُّرِكِيْنَ ﴾ اور ہرگز نہ ہو شرک کرنے والوں میں سے ﴿ قُلْ اِنِّيْ اَخَافُ ﴾ آپ کہہ دیں میں خوف کھاتا ہوں ﴿ اِنْ عَصَيْتُمْ اٰتِيْ ﴾ اگر میں نے نافرمانی کی اپنے پروردگار کی ﴿ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴾ بڑے دن کے عذاب سے ﴿ مَنْ يُصْرَفْ عَنْهُ ﴾ جس شخص سے پھیر دیا گیا اس عذاب کو ﴿ يَوْمَئِذٍ ﴾ اُس دن ﴿ فَقَدْ رَاحَهُ ﴾ پس تحقیق اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم کیا پس تحقیق اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم کیا ﴿ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴾ اور یہی ہے کامیابی کھلی۔

رَبط آیات

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ﴿ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا اَخْلَقْنٰهُمْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَبْلِ ﴾ ”کیا نہیں دیکھا ان لوگوں نے کتنی ہی ہم نے ہلاک کر دیں ان سے پہلے جماعتیں ﴿ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْاَرْضِ مَالًا نَسَكْنُ لَكُمْ ﴾ ان کو ہم نے قدرت دی تھی زمین میں وہ جو نہیں قدرت دی ہم نے تمہیں زمین میں۔“ مگر جب انہوں نے نافرمانی کی تو ان کو ہم نے ہلاک کر دیا اور وہ اسباب ان کو نہ بچا سکے اب اگر تم ان کی روش اختیار کرو گے تو جو انجام ان کا ہوا تمہارا بھی وہی ہوگا۔

سياحت ارض بوجہ عبرت

اگر ان کو ہماری بات سمجھ نہیں آتی تو ﴿ قُلْ ﴾ آپ کہہ دیں ﴿ سَيَّرُوْا فِي الْاَرْضِ ﴾ سیر کر زمین میں۔ یہ چلنا پھرنا کس نقطہ نظر سے ہے؟ فرمایا ﴿ لَمْ اَنْظُرُوْا ﴾ پھر دیکھو تم ﴿ كَيْفَ كَانَتْ ﴾ کیسا ہوا ﴿ عَاقِبَةُ السَّكُوْنِ بَيْنَ ﴾ انجام ان لوگوں کا جنہوں نے حق کو جھٹلایا۔ توحید کا انکار کیا، پیغمبروں اور کتابوں کی تکذیب کی۔ ان نافرمان قوموں کے انجام اور حشر کو دیکھنے کے لیے زمین میں چلو پھرو۔

﴿ قُلْ ﴾ آپ کہہ دیں ﴿ لَيَنْ مَّآ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ کس کے لیے ہے وہ مخلوق جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ آسمانوں میں فرشتے ہیں، چاند، سورج، ستاروں کے علاوہ بھی بے شمار مخلوق ہے۔ اور زمین میں انسان ہیں، حیوان ہیں، جنات ہیں، پہاڑ اور دریا ہیں، کیڑے مکوڑے اور پرندوں کے علاوہ بے شمار مخلوقات ہیں ان سے پوچھو یہ کس کی ہیں ان کو کس نے پیدا کیا ہے؟ ان کا روزی رساں کون ہے؟ فرمایا یہ بڑے ضدی ہیں۔ آپ ﷺ کے پوچھنے سے بتائیں گے نہیں۔

رحمت الہی کا ہر چیز پر حاوی ہونا ﴿﴾

لہذا ﴿قُلْ لِلّٰہِ﴾ آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے ﴿کَتَبَ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ﴾ لکھی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر رحمت۔ یہ اس کی رحمت کا نتیجہ ہے کہ ہم آپ سب زندہ ہیں ورنہ ہمارے اخلاق اعمال اتنے بُرے اور نافرمانیاں اس قدر ہیں کہ ایک لمحہ بھی زندہ رہنے کے قابل نہیں ہیں۔ دنیا میں وہ مجرم قومیں بھی موجود ہیں جو رب تعالیٰ کے وجود کا ہی اقرار نہیں کرتیں یہ سب رب تعالیٰ کی رحمت کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں روایت آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عرش کے ایک کنارے پر لکھا ہوا ہے رَحْمَتِیْ سَبَقَتْ عَلٰی غَضَبِیْ ”میری رحمت میرے غصے اور عذاب سے بہت آگے ہے یعنی غالب ہے۔“

قیامت میں حشر کا تذکرہ ﴿﴾

آگے اللہ تعالیٰ نے قیامت کا ذکر فرمایا ہے کہ یاد رکھو ﴿لَیَجْمَعَنَّکُمْ﴾ البتہ وہ ضرور تمہیں جمع کرے گا ﴿اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ﴾ قیامت کے دن ﴿لَا تَمٰیبُ فِیْہِ﴾ جس میں شک نہیں ہے۔

اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک عقیدہ قیامت کا بھی ہے کہ قیامت ضرور برپا ہوگی یہ زندگی ختم ہو جائے گی اور اگلے جہاں کی ابدی زندگی شروع ہوگی۔ ﴿اَلَّذِیْنَ حَسِبُوْۤا اَنْفُسَہُمْ﴾ وہ لوگ جنہوں نے نقصان میں ڈالا اپنی جانوں کو ﴿قَدْ هُمُ لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ پس وہی ایمان نہیں لاتے اللہ تعالیٰ کی توحید پر، پیغمبروں کی رسالت پر، قیامت کے حق ہونے پر اور اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ احکام پر۔ اور خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کی توفیق عطا فرمائی ہے اور ایمان کی دولت سے نوازا ہے۔ ورنہ یہ دولت قیمتا نہیں مل سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر یہ بات سمجھائی ہے کہ قیامت کے دن اگر یہ ساری زمین سونے کی بھری ہوئی کسی کے پاس ہو اور اتنی زمین اور ہو اور وہ بھی سونے سے بھری ہوئی ہو۔ اور وہ شخص چاہے کہ یہ دے کر ایمان حاصل کرے تو نہیں حاصل کر سکتا۔

اور آج ایمان مفت میں ملتا ہے۔ صرف بندہ نیت اور ارادہ کرے اور چاہت کرے تو ایمان کے نصیب ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ اور ایمان کوئی اتنی وزنی اور بھاری چیز بھی نہیں ہے کہ آدمی اٹھانہ سکے اگر بھاری ہوتا تو اللہ تعالیٰ کبھی اپنے بندوں کو مکلف نہ بناتے۔

ہر چیز کا اللہ تعالیٰ کے تصرف میں ہونا ﴿﴾

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَاۤءَ﴾ اور اسی کے لیے ہے ﴿مَمٰسَکِنَ لِی الْاَیْلِ﴾ جو ظہر ہوا ہے رات میں ﴿وَالنَّہَارِ﴾ اور دن میں۔ اللہ تعالیٰ کی کچھ مخلوق ایسی ہے جو رات کو سکون کرتی ہے اور دن کو چلتی پھرتی ہے جیسے چیزیاں، کبوتر اور دیگر پرندے۔ اور کچھ مخلوق ایسی ہے جو دن کو سکون کرتی ہے اور رات کو چلتی پھرتی ہے۔ جیسے درندے اور دیگر جنگلی جانور۔ بہر حال جو دن کو چلتے پھرتے ہیں ان پر بھی اللہ تعالیٰ کا کنٹرول ہے اور جو رات کو چلتے پھرتے ہیں ان پر بھی اللہ تعالیٰ کا کنٹرول ہے ﴿وَهُوَ السَّمِیْعُ﴾

العَلِيمُ ﴿ اور وہی سننے والا جاننے والا ہے۔ ہر ایک کی قریب اور دور سے سنا اسی کا کام ہے اور ہر چیز کے ظاہر باطن کو جاننا بھی اسی کا کام ہے ﴿يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ﴾ وہ جانتا ہے تمہارے پوشیدہ کو اور ظاہر کو ﴿وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ﴾ اور جانتا ہے جو تم کمائی کرتے ہو۔ یہ صرف رب تعالیٰ ہی کی شان ہے۔

کفار کا ایک اشکال

آگے ایک اور شوشے کا جواب ہے۔ وہ اس طرح ہوا کہ مکہ مکرمہ کے مختلف خاندانوں اور برادریوں کے سرداروں نے مشورہ کیا، منصوبہ بنایا اور ایک ذرمولہ لے کر آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ مکہ مکرمہ کے سردار آپ ﷺ کے پاس ایک آرزو لے کر آئے ہیں۔ وہ یہ کہ ہم چاہتے ہیں یہ لوگ جس طرح آپ ﷺ کے آنے سے پہلے پیار محبت کے ساتھ رہ رہے تھے۔ ایک مذہب اور ایک عقیدہ تھا آپس میں کوئی اختلاف نہیں تھا، لڑائی نہیں تھی اور تمہارے دعوائے نبوت اور پروگرام پیش کرنے کے بعد گھر گھر میں لڑائی شروع ہو گئی ہے۔ باپ بیٹے کا مخالف ہے، بھائی بھائی کا مخالف ہے، میاں بیوی میں اختلاف ہے، گلیوں بازاروں میں جھگڑے ہیں اور ان تمام حالات کے ذمہ دار آپ ﷺ ہیں۔ کیوں کہ بات آپ ﷺ نے شروع کی ہے۔ ہم آپ کے پاس آئے ہیں کہ کسی طرح یہ جھگڑے ختم ہو جائیں۔ اور وہ اس طرح ختم ہو سکتے ہیں کہ آپ ﷺ ہمارے خداؤں کی پوجا کریں اور ہم آپ کے خدا کی پوجا کرتے ہیں۔ اکٹھے رہیں اور لڑیں نہیں۔

جواب

رب تعالیٰ نے اس کا جواب دیا اور فرمایا ﴿قُلْ أَغْنَىٰ اللَّهُ﴾ آپ کہہ دیں کیا اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿أَتَّخِذُ وَلِيًّا﴾ بناؤں میں کارساز یا معبود۔ یہ فارمولہ لے کر آئے ہو اس رب کے سوا کسی اور کی عبادت کروں جو ﴿فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا بغیر نمونے کے کہ ان کے پیدا کرنے سے پہلے ان کا کوئی نمونہ ڈیزائن نہیں تھا کہ جس کی طرف دیکھ کر ان کو پیدا فرمایا۔ اس نے اپنی قدرت کاملہ سے جس طرح چاہا ان کو پیدا فرمایا۔ تو کیا اس رب کو چھوڑ کر میں غیروں کی پوجا کروں؟

﴿وَهُوَ يَطْعَمُ﴾ اور وہ کھلاتا ہے ﴿وَلَا يَطْعَمُ﴾ اور اس کو کھلایا نہیں جاتا۔ ﴿هُوَ الَّذِي يُزِيلُ دُورَ النَّوَارِ وَالْمَتَفُونَ﴾ [الذاریات: ۵۸] وہی روزی دینے والا ہے مضبوط طاقت والا ہے۔ اس کو چھوڑ کر تمہاری بات مان لوں۔ ﴿قُلْ اِنِّيْ اُمِرْتُ﴾ آپ کہہ دیں بے شک مجھے حکم دیا گیا ہے ﴿اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ﴾ کہ میں ہو جاؤں پہلا وہ جو فرماں برداری کرنے والا ہے۔ وہی اترنے سے پہلے بھی آپ ﷺ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والے ہیں۔ کیوں کہ جو خود نہیں مانے گا تو دوسروں سے کیا منوائے گا؟

اور ان کو آپ ﷺ یہ بھی سنا کر کہہ دیں کہ مجھے حکم دیا گیا ہے ﴿وَلَا تَتْلُوْنَ مِنْهُنَّ مِنْ الشُّرُكِيِّنَ﴾ اور ہرگز نہ ہو شرک کرنے والوں میں سے۔ شرک کے قریب بھی نہیں جانا یہ کان کھول کر سن لیں کہ خدا کے پیغمبر کو شرک کی دعوت دیتے ہیں۔ اس

نے تمہاری کوئی بات نہیں مانتی۔ ﴿قُلْ إِنِّي أَخَافُ﴾ آپ کہہ دیں میں خوف کھاتا ہوں ﴿إِنْ عَصَيْتُمْ رَبِّي﴾ اگر میں نے نافرمانی کی اپنے پروردگار کی ﴿عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾ بڑے دن کے عذاب سے۔ میں اپنے پروردگار کی ہرگز نافرمانی نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے بغیر نہ کسی کو معبود سمجھتا ہے، نہ سجدہ کرنا ہے، نہ پکارتا ہے اور نہ ہی کوئی اس کے سوا مشکل کشا اور حاجت روا ہے، نہ کوئی دست گیر ہے اور نہ کوئی فریاد رس ہے لہذا مجھ سے اس قسم کی کوئی توقع نہ رکھنا اور خوش قسمت وہی ہے۔

﴿مَنْ يُضَاهِمْ غَنَةً﴾ جس شخص سے پھیر دیا گیا اس عذاب کو ﴿يَوْمَ يَهَيِّئُ﴾ اس دن ﴿فَلَقَدْ رَاحِمَةٌ﴾ پس تحقیق اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم کیا ﴿وَذَلِكَ الْقَوْلُ الْمُبِينُ﴾ اور یہی ہے کامیابی کھلی۔ اور سب سے بڑی کہ قیامت والے دن آدمی عذاب سے بچ جائے اور رب تعالیٰ کی رحمت کا مستحق ہو جائے۔



﴿وَإِنْ يَتَسَنَّكَ اللَّهُ﴾ اور اگر پہنچائے تجھے اے انسان اللہ تعالیٰ ﴿بِضْرَةٍ﴾ کوئی تکلیف ﴿فَلَا كَاشِفَ لَهَا﴾ پس نہیں کوئی دور کر سکتا اس تکلیف کو ﴿إِلَّا هُوَ﴾ مگر صرف وہی ﴿وَإِنْ يَتَسَنَّكَ بِخَيْرٍ﴾ اور اگر پہنچائے تجھے اللہ تعالیٰ کوئی بھلائی ﴿فَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ پس وہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ﴾ اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر ﴿وَهُوَ الْحَكِيمُ الْحَمِيدُ﴾ اور وہ حکمت والا خبردار ہے ﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿أَمْ أَمْرٌ شَدِيدٌ أَكْبَرُ شَهَادَةً﴾ کون سی چیز بڑی ہے گواہی کے اعتبار سے ﴿قُلْ اللَّهُ﴾ آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ ﴿شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ﴾ گواہ ہے میرے اور تمہارے درمیان ﴿وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَذَا الْقُرْآنُ﴾ اور وحی کی گئی میری طرف اس قرآن کریم کی ﴿لَا تَدْرَأُكُمْ بِهِ﴾ تاکہ میں ڈراؤں تمہیں اس کے ذریعے ﴿وَمَنْ يَدْعُ﴾ اور جس تک یہ پہنچے ﴿أَبْنَانَكُمْ لِتَشْهَدُونَ﴾ کیا بے شک البتہ تم گواہی دیتے ہو ﴿أَنْ مَعَ اللَّهِ الْوَالِهَةُ الْأُخْرَى﴾ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور الہ ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿لَا أَشْهَدُ﴾ میں گواہی نہیں دیتا ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿إِنَّمَا هُوَ إِلَهٌ وَاحِدٌ﴾ پختہ بات ہے وہ ایک ہی معبود ہے ﴿وَأَنْتَنِي﴾ اور بے شک میں ﴿بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ﴾ میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جن کو تم رب تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو ﴿الَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابُ﴾ وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی ﴿يَعْرِفُونَهُ﴾ پہچانتے ہیں اس کو ﴿كَمَا يَعْرِفُونَ آبْنَاءَهُمْ﴾ جس طرح پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو ﴿الَّذِينَ حَصَمُوا ذَاتَ انْفُسِهِمْ﴾ وہ لوگ جنہوں نے نقصان میں ڈالا اپنی جانوں کو ﴿فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ پس وہ ایمان نہیں لاتے۔

رہط آیات ۶

اس سے پہلے سبق میں بیان ہوا تھا کہ مکہ مکرمہ کے مختلف قبائل کے سردار آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس تشریف لائے اور حکم

ختم کرنے کا ایک فارمولا پیش کیا کہ آپ ﷺ ہمارے معبودوں کو مشکل کشا سمجھتے ہوئے ان کی پوجا کریں اور ہم تمہارے معبود کی پوجا کرتے ہیں تاکہ دن رات کی لڑائی ختم ہو جائے۔

فائدہ اور نقصان صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے ﴿﴾

آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے فارمولا پیش کرنے والوں کو خصوصاً اور دیگر تمام انسانوں کو عموماً سمجھایا ہے کہ کان کھول کر سن لو ﴿وَإِنْ يَسْتَسْئَلِ اللَّهُ بِضُرِّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ﴾ اور اگر پہنچائے تجھے اے انسان اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پس نہیں کوئی زور کر سکتا اس تکلیف کو مگر صرف وہی۔ یہ جو تم نے لات، منات، عزی اور دیگر تین سوساٹھ بت کعبۃ اللہ میں رکھے ہوئے ہیں اور ان کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے ہو اور نعرے مارتے ہو یا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَا مَعْشَرَ الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْعُوا لِلدُّعَاءِ مَا كَانُوا يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ان میں سے کوئی بھی تمہاری مشکل کشائی نہیں کر سکتا نہ کوئی تمہارا دکھ درد دور کر سکتا ہے۔ مشکل کشا، حاجت روا، دکھ درد، دور کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

﴿وَإِنْ يَسْتَسْئَلِ بِخَيْرٍ﴾ اور اگر پہنچائے تجھے اللہ تعالیٰ کوئی بھلائی ﴿فَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ پس وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور گیارہویں پارہ سورۃ یونس میں ہے ﴿وَإِنْ يُرِيدْ كَيْدٌ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ تم سے بھلائی کرنی چاہے ﴿فَلَا تَمَازِلْ قُلُوبُهُمْ﴾ تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو آنحضرت ﷺ کی وصیت ﴿﴾

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما چھوٹے بچے تھے۔ آنحضرت ﷺ گدھے پر سوار ہو کر کسی قریبی جگہ پر تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کو اپنے پیچھے بٹھالیا اور فرمایا يَا غُلَامُ احْفَظِ اللَّهَ اَعَزِّيزًا، اے برخوردار، اے بچہ! اللہ تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت کرنا رب تعالیٰ تمہاری حفاظت کریں گے۔ پھر فرمایا سنو! اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے کوئی دکھ لکھا ہے تو ساری مخلوق مل کر تجھے اس سے بچا نہیں سکتی اور اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیرے لیے راحت اور آرام لکھا ہوا ہے تو ساری مخلوق مل کر تجھ سے وہ روک نہیں سکتی۔ برخوردار! إِذَا سَأَلْتِ اللَّهَ فَسَأَلِ اللَّهَ جَبْ مَأْتِنَا تَوَالِدِ اللَّهُ تَعَالَىٰ سَعَةً إِذَا اسْتَعْتَبْتِ فَاسْتَعِينِ يَا اللَّهُ جب مدد طلب کرنا ہو تو اللہ تعالیٰ سے طلب کرنا۔ یہ حدیث ترمذی شریف، ابوداؤد شریف اور دیگر حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ اور ان کی دو کتب کا تذکرہ ﴿﴾

شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی دو کتابیں مشہور ہیں ’غنیۃ الطالبین اور فتوح الغیب‘ دونوں عربی میں تھیں اور دونوں کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے۔ فتوح الغیب کا اردو ترجمہ کیا ہے مولانا حکیم محمد صادق صاحب مرحوم نے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا

فرمائے۔ اس کا ضرور مطالعہ کرو۔ فتوح الغیب میں شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ یہ حدیث بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فَيَنْبَغِي لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يَجْعَلَ هَذَا الْحَدِيثَ يَسْعَاذَةً وَدِيَارَةً "ہر مومن کو چاہیے کہ وہ اس حدیث کو اپنے ظاہر اور باطن کا لباس بنائے۔" جس طرح لباس ہر وقت انسان کے جسم پر ہوتا ہے اسی طرح اس حدیث کو ہر وقت یاد رکھے اور بھولے نہ۔

پھر فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اوروں سے وہی مانگتا ہے جس کا ایمان کمزور ہوتا ہے اور رب تعالیٰ پر اس کا تھیں اور اعتماد نہیں ہوتا۔ ورنہ قادر مطلق ذات کے ہوتے ہوئے اوروں کے سامنے کیوں ہاتھ پھیلاتا ہے۔

انسان کا اللہ تعالیٰ سے نہ مانگنا غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے

نسائی شریف میں حدیث آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ لَمْ يَسْتَمِلِ اللَّهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ "جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتا اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے۔" بڑی موٹی سی بات ہے آسانی سے سمجھ آ سکتی ہے کہ ہم یہ گوارہ نہیں کرتے کہ ہماری بیوی، بچی یا بہو محلے کے کسی آدمی کو کہے کہ مجھے شلواری قمیص خرید دو، مجھے کنگھی پراندہ خرید دو۔ چاہے وہ آدمی جس کو کہہ رہی ہے کتنا ہی پارسائیک ہو مگر ہم یہ گوارہ نہیں کرتے کہ ہمارا بچہ یا بچی محلے کے کسی آدمی کو یہ کہے اور کسی سے مانگے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم سے ہی مانگے اور ہم ہی لا کر دیں گے چاہے چوری کر کے لائیں۔ بے شک یہ بڑا فعل ہے۔

تو اللہ تعالیٰ جو قادر مطلق ہے وہ کب برداشت کرتا ہے کہ میرا بندہ مجھے چھوڑ کر کسی اور کے آگے ہاتھ پھیلائے اور میرے علاوہ کسی اور سے مانگے۔ یاد رکھنا! مانگنا صرف اللہ تعالیٰ سے ہے۔ کیونکہ نفع نقصان کا مالک صرف وہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نفع کا اختیار ہے اور نہ کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے۔ ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ﴾ اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر۔ وہ اپنے بندوں سے جس طرح چاہے کام لے سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مہلت اور رضا شاہ پہلوی ہے

اور اگر کوئی اکڑ جائے تو اس کو دبا بھی سکتا ہے۔ دیکھو! دنیا میں لوگ اپنی کرسیوں اور عہدوں کو بچانے کے لیے کیا کچھ کرتے ہیں۔ مگر یہ اس وقت تک ہوتا ہے جب تک اللہ تعالیٰ مہلت دے اور جب اللہ تعالیٰ چھیننا چاہتا ہے تو اس کو کوئی نہیں روک سکتا۔ بھلا یہ بات بھی کوئی سوچ سکتا تھا کہ رضا شاہ پہلوی ایران کو چھوڑ دے گا جب کہ صدیوں سے شاہی پشت در پشت ان کے خاندان میں چلی آ رہی تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جب اس کو ذلیل کرنا چاہا اور وہ ایران سے نکلا تو اس کا جہاز مختلف ملکوں میں گیا۔ اترنے کی اجازت مانگی مگر انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ہم تیری قدر کرتے ہیں لیکن بین الاقوامی حالات سے مجبور ہیں اترنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ بالآخر مصر نے دل مضبوط کیا اور کہا کہ جو ہوگا دیکھا جائے گا اتر آؤ۔

چنانچہ کچھ عرصہ مصر میں رہا پھر دنیا سے رخصت ہو گیا۔ ایک وقت تھا کہ شہنشاہ ایران کہلاتا تھا اور ایک وہ وقت تھا کہ اس کو قبول کرنے کے لیے کوئی تیار نہیں تھا۔ رضا شاہ پہلوی اس علاقہ میں امریکی مفادات کا چوکیدار تھا مگر امریکہ بہت خبیث

شے ہے۔ جب تک اس کے لیے کام کرتے رہو تو خوش رہتا ہے اور اپنے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کرتا۔ مگر یاد رکھنا! جس طرح روس تباہ ہوا ہے یہ بھی اسی طرح تباہ ہوگا۔ زوال سب کے لیے ہے بقا صرف اللہ تعالیٰ کے لیے۔ جب اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کرنا چاہے گا اس کے تمام منصوبے اور فارمولے دھرے رہ جائیں گے اور ہوگا وہی جو رب تعالیٰ چاہے گا۔ ﴿وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ﴾ اور وہ حکمت والا خبردار ہے۔

کفار کا ایک اور اعتراض ﴿﴾

کافروں نے ایک اور شوشہ چھوڑا۔ کہنے لگے کہ آپ ﷺ نبی ہونے کے دعوے دار ہیں اور دعوائے نبوت کے لیے گواہ ضروری ہیں۔ لہذا تم نبوت کے دعویٰ پر گواہ پیش کرو مگر اپنے ساتھیوں کے علاوہ۔ کیوں کہ یہ تو تیرے چیلے ہیں ان کے علاوہ عرب سے کوئی گواہ پیش کرو۔ اور ظاہر بات تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ تو سارے عرب میں مشرک ہی مشرک تھے۔ آپ ﷺ کے نبی ہونے کی گواہی کس نے دینی تھی اور وہ لوگ بھی یہی چاہتے تھے یہ لاجواب ہو جائے اور ہم کہیں کہ یہ اپنے دعویٰ پر گواہ نہیں پیش کر سکا اس لیے ہم اس کو نبی ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

جواب ﴿﴾

تو اللہ تعالیٰ نے خود اس کا جواب دیا اور فرمایا ﴿قُلْ﴾ آپ ﷺ کہہ دیں ﴿أَمْ أَشْهِدُكُمْ﴾ کون سی چیز بڑی ہے گواہی کے اعتبار سے ﴿قُلْ إِنَّ اللَّهَ﴾ آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ ﴿شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ﴾ گواہ ہے میرے اور تمہارے درمیان۔

سوال ﴿﴾

اب سوال یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے گواہی کس طرح دی؟

جواب ﴿﴾

چاند کو دو ٹکڑے کر کے رب تعالیٰ نے گواہی دی اور مکہ مکرمہ میں ایک پتھر تھا آپ ﷺ جب اس کے پاس سے گزرتے تو وہ آپ کو سلام کرتا تھا اور اس کا یہ سلام کرنا سننے والے سنتے تھے۔ تو اس پتھر کو گویائی کی طاقت کس نے عطا فرمائی؟ آپ ﷺ نے درختوں کو اشارہ کیا وہ چل کر آپ کے پاس آگئے۔ درختوں کو کس نے چلایا؟ وہ جس کے اشارہ پر چلا رہا ہے وہ اس کا نبی اور رسول ہے اور یہ اس کی گواہی ہے۔

آپ ﷺ کے بچپن اور جوانی میں مکہ مکرمہ کا ماحول ﴿﴾

پھر عموما جس بچے کے سر پر ماں باپ دادا، دادی کا سایہ نہ ہو وہ آوارہ ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ کے والد گرامی پیدا

سنے سے پہلے فوت ہو گئے۔ چھ سال کی عمر مبارک میں والدہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ آٹھ سال کی عمر میں دادا بھی دنیا سے رخصت ہو گئے۔ چالیس سال کا زمانہ تیبی اور جوانی کا مکہ مکرمہ کے ایسے ماحول میں گزرا کہ جہاں شراب عام تھی، زنا عام تھا اور مجلسیں بڑی تھیں۔ مگر آپ ﷺ کی پاک دامنی سب پر عیاں تھی۔ شراب کا ایک قطرہ کبھی آپ ﷺ کے منہ مبارک کے قریب تک نہیں آیا۔ اور ایسے ماحول کے ہوتے ہوئے آپ ﷺ جس گلی سے گزرتے تھے مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، لونڈیاں، غلام، تنگ اشارہ کر کے کہتے تھے کہ اس نوجوان سے زیادہ نیک کوئی نہیں ہے۔ کبھی غلط بات زبان سے نہیں نکالی۔ اتنی بات تو لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ ایسے ماحول میں آپ ﷺ کو پاک دامن رکھنا رب تعالیٰ کی گواہی ہے۔

①۔ دوسری گواہی فرمایا ﴿وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَذَا الْقُرْآنُ﴾ اور وحی کی گئی میری طرف اس قرآن کریم کی۔ یہ قرآن پاک میری نبوت کی گواہی ہے۔

ابتدائے نزول قرآن کے وقت عرب کا ماحول

یہ قرآن پاک ایسی فصیح اور بلیغ کتاب ہے کہ اس کا آج تک کوئی مقابلہ نہیں کر سکا اور ایسے زمانہ میں نازل ہوا کہ اس وقت فصاحت اور بلاغت اپنے عروج پر تھی۔ مرد تو مرد پندرہ سولہ سال کی بکریاں چرانے والی، ان پڑھ لڑکیاں ایسے شعر بناتی تھیں کہ آج کا ایم اے پاس، بڑے سے بڑا ماہر بھی ان جیسے اشعار نہیں بنا سکتا۔ ان کے قصیدے آج بھی دیوانِ حسانہ میں موجود ہیں پڑھ کر حیرانگی ہوتی ہے۔

دیکھو الحمد للہ! میں نے سولہ سال پڑھا ہے اور پچپن سال پڑھایا ہے۔ اگرچہ میں اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتا مگر علمائے کرام مجھ پر اعتماد کرتے ہیں کہ اس کا مطالعہ بڑا وسیع ہے اور پاکستان میں علم عربیت کا سب سے بڑا ماہر عالم ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ اتنی مہارت ہوتے ہوئے بھی میں ان بچیوں جیسے شعر نہیں بنا سکتا۔ ان کو سلیقہ تھا وہ فصیح و بلیغ لوگ تھے۔

مکہ مکرمہ فصاحت و بلاغت کا مرکز تھا۔ مقابلے ہوتے تھے کہ اگر تمہارے اندر ہمت ہے تو اس جیسی کوئی ایک سورت بنا کر ماؤ۔ اور اگر تم تمام کے تمام مل کر بھی ایک چھوٹی سی سورۃ لانے سے عاجز ہو جاؤ تو سمجھ جاؤ کہ یہ انسان کا کلام نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس نے میری طرف وحی کیا ہے، میرے اوپر نازل ہوا ہے۔ میں اس کا رسول اور نبی ہوں اور یہ قرآن کریم میری نبوت کی گواہی ہے۔ اور کیوں نازل کیا گیا ہے؟

﴿لَا تُؤْتُوا عَصَاكُمْ إِيَّاهُ﴾ تاکہ میں ذراؤں تمہیں اس کے ذریعے رب تعالیٰ کے عذاب سے ﴿وَمَنْ يَدْعُكُمُ إِلَى الْعِبَادَةِ مَعِيَ﴾ اور جس تک یہ پہنچے ان کو بھی ذراؤں۔ جس طرح ہم تک پہنچا ہے ﴿أَنْتُمْ لَنْ تَنفَعُوهُمْ﴾ کیا بے شک البتہ تم گواہی دیتے ہو ﴿أَنْتُمْ لَنْ تَنفَعُوهُمْ﴾ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اللہ ہی ہے۔ ان مشرکوں کا کوئی اعتبار نہیں ﴿قُلْ﴾ آپ (ﷺ) کہہ دیں ﴿لَا أَشْهَدُ﴾ میں گواہی نہیں دیتا ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿إِنَّمَا هُوَ إِلَهٌ وَاحِدٌ﴾ چنتے بات ہے وہ ایک ہی معبود ہے۔ بے شک تمہارے کلیجے جلتے

رہیں اے مشرک! ﴿وَأَنفِی بَیِّنَاتٍ لِّمَن شَاءَ لَعَلَّہُمْ یَرْجِعُونَ﴾ اور بے شک میں بے زار ہوں ان چیزوں سے جن کو تم رب تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو۔

تو پہلی گواہی رب تعالیٰ کی، دوسری گواہی قرآن کریم کی اور تیسری گواہی منصف مزاج اہل کتاب کی۔ کیونکہ شان والے پیغمبر کو سارے اہل کتاب جانتے اور پہچانتے تھے مگر ان میں سے جو ضدی تھے وہ مانتے نہیں تھے۔ اور ضد کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔ لہذا ان میں جو دیانت دار ہیں وہ ضرور گواہی دیں گے کہ یہ وہی نبی ہے جس نے آنا تھا۔

اہل کتاب کا آپ ﷺ کو اپنے بچوں سے زیادہ پہچانا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿الَّذِیْنَ آمَنُوا مِن بَنِیِّسْرِئِیْمَہِ﴾ وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی، توراہ، زبور، انجیل۔ ﴿یَعْرِفُونَہُ﴾ پہچانتے ہیں اس پیغمبر کو ﴿کَمَا یَعْرِفُونَ آبَاءَہُمْ﴾ جس طرح پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ یہودی تھے ان کی پھوپھی اور ان کے والد اپنے دور میں توراہ کے بڑے ماہر عالم تھے اور یہ خود بھی بڑے فاضل تھے۔ ان کی پھوپھی ان کو بتایا کرتی تھی ایک نبی آنے والا ہے اور اس کی یہ، یہ علامتیں ہوں گی، وہ مکہ مکرمہ میں مبعوث ہوگا اور ہجرت کر کے یثرب آئے گا۔ جب وہ یہاں آئے گا دو پہر کا وقت ہوگا اور گرمی کا موسم ہوگا وہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ سفید لباس میں ہوں گے اور فلاں جانب سے نمودار ہوں گے۔

آنحضرت ﷺ جب مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے عین دو پہر کا وقت تھا آپ ﷺ کا اور آپ کے ساتھیوں کا لباس سفید تھا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کھجور پر چڑھے ہوئے کھجوریں اتار رہے تھے اور ان کی پھوپھی نیچے بیٹھی ہوئی تھی انہوں نے آواز دی پھوپھی! جن کے متعلق تو کہا کرتی تھی وہ تشریف لے آئے ہیں اور تمام نشانیاں بتائیں۔ پھوپھی نے کہا بے شک وہی ہیں مگر کسی سے بات نہ کرنا۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا آپ ﷺ کو کھجور پیش کرنا اور اسلام قبول کرنا

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کھجور کے سچے لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ آپ ﷺ فرما رہے تھے اے لوگو! رب تعالیٰ سے ڈرو، بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، آپس میں سلام کو عام کرو ﴿وَلِیُنۡزِلَ عَلَیْکُم مِّنۡ سَمٰوٰتِہِمْ مَّوٰءِدۡمَہِمْ مِّنۡ تَحۡتِہِمْ وَیَسۡخَبُوا۟ مِنۡ حِطّٰیۡہِمْ﴾ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا۔

اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے ہی منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں اپنی اولادوں کے متعلق تو شبہ ہو سکتا ہے کہ ہماری بیویوں نے خیانت کی ہو لیکن رب تعالیٰ کی قسم! آپ ﷺ کے متعلق کوئی شبہ نہیں بلکہ یہ وہی پیغمبر ہیں جنہوں نے آنا تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿الَّذِیْنَ حَبِطَتۡ اَعۡیُنُہُمۡ﴾ وہ لوگ جنہوں نے نقصان میں ڈالا اپنی جانوں کو ﴿لَعَلَّہُمْ لَا

بُؤْمُونٌ ﴿ پس وہی ایمان نہیں لاتے۔ اب اگر وہ ایمان نہیں لاتے تو ان کی مرضی ہے میں اپنی طرف سے حقیقت کو دلائل کے ساتھ واضح کر چکا ہوں اللہ تعالیٰ سب کو توحید پر قائم رکھے اور شرک سے بچائے۔



﴿وَمَنْ أَظْلَمُ﴾ اور کون زیادہ ظالم ہے ﴿وَمَنْ أَفْضَرُ﴾ اس شخص سے جس نے افتراء باندھا ﴿عَلَى اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ پر ﴿كُذِّبًا﴾ جھوٹ کا ﴿أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ﴾ یا اس نے جھٹلا دیا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو ﴿إِنَّهُ لَا يُلْقِيهِ الظَّالِمُونَ﴾ بے شک شان یہ ہے کہ نہیں فلاح پائیں گے ظالم ﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَبِينًا﴾ اور جس دن ہم جمع کریں گے سب کو ﴿ذُمَّ تَقْوَلُ﴾ پھر کہیں گے ﴿لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا﴾ ان لوگوں کو جنہوں نے شرک کیا ﴿أَيْنَ شُرَكَاءُكُمْ﴾ کہاں ہیں تمہارے شریک ﴿الَّذِينَ كُنْتُمْ تَرْعَمُونَ﴾ جن کے بارے میں تم گمان کرتے تھے ﴿ذُمَّ لَمْ تَكُنْ فِئْتَكُمْ﴾ پھر نہیں ہوگا ان کا عذر اور فریب ﴿إِلَّا أَنْ قَالُوا﴾ مگر یہ کہ وہ کہیں گے ﴿وَاللَّهُ سَاطِعًا﴾ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی جو ہمارا رب ہے ﴿مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ﴾ ہم نہیں تھے شرک کرنے والے ﴿أَنْظُرْ﴾ دیکھ ﴿كَيْفَ كَذَّبُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ﴾ کیسا جھوٹ بولا ہے انہوں نے اپنی جانوں پر ﴿وَصَلَّ عَنْهُمْ﴾ اور گم ہو گئی ان سے ﴿مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ﴾ جس کو وہ افتراء باندھتے تھے ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ﴾ اور بعض ان میں سے ہیں جو کان رکھتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ﴿وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً﴾ اور ڈال دیے ہیں ہم نے ان کے دلوں پر پردے ﴿أَنْ يَفْقَهُوهُ﴾ اس بات سے کہ وہ اس کو سمجھیں ﴿وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا﴾ اور ان کے کانوں میں ڈاٹ ہیں ﴿وَإِنْ يَرَوْا كَلِمًا اتُّبَّأً﴾ اور اگر وہ دیکھیں ہر قسم کی نشانی ﴿لَا يُؤْمِنُ بِهَا﴾ نہیں ایمان لائیں گے اس پر ﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمْ﴾ یہاں تک کہ وہ جب آپ کے پاس آتے ہیں ﴿يُجَادِلُونَكَ﴾ تو جھگڑا کرتے ہیں آپ کے ساتھ ﴿يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ کہتے ہیں وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ﴾ نہیں ہے یہ قرآن کریم ﴿إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ﴾ مگر کہانیاں پہلے لوگوں کی ﴿وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ﴾ اور وہ اس سے روکتے ہیں ﴿وَيَنْهَوْنَ عَنْهُ﴾ اور خود بھی دور ہوتے ہیں ﴿وَإِنْ يَهْدِكُونَ﴾ اور نہیں وہ ہلاک کرتے ﴿إِلَّا أَنفُسَهُمْ﴾ مگر اپنی جانوں کو ﴿وَمَا يَشْعُرُونَ﴾ اور نہیں سمجھتے وہ ﴿وَلَوْ تَرَىٰ﴾ اور اگر دیکھیں آپ ﴿إِذْ وَقَفُوا عَلَىٰ النَّارِ﴾ جب کھڑے کیے جائیں گے آگ پر ﴿لَقَالُوا﴾ پس کہیں گے ﴿يَلَيْسَتَا نَارًا﴾ ہائے افسوس ہم پر ہم لوٹائے جائیں ﴿وَلَا تَكُذِّبُ بِآيَاتِ رَبِّتَا﴾ اور نہ ہم جھٹلائیں اپنے رب کی آیتوں کو ﴿وَتَكُونُ مِنَ الْمُنْذَرِينَ﴾ اور ہو جائیں ہم ایمان لانے والوں میں سے۔

سب سے بڑا ظالم ؟

دنیا میں ظلم بھی بڑے بڑے ہوئے اور ظالم بھی بڑے بڑے ہیں لیکن رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ﴾ اور کون زیادہ ظالم ہے ﴿وَمَنْ أَفْضَرُ﴾ اس شخص سے جس نے افتراء باندھا ﴿عَلَى اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ پر ﴿كُذِّبًا﴾ جھوٹ کا۔ یعنی اس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا افتراء باندھا۔ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا افتراء کس طرح باندھا؟ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا۔ حالاں کہ ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرنا بڑا ظلم ہے۔

اہل کتاب کے اللہ تعالیٰ کے بارے میں اعتقادات ؟

جب کہ یہود نے کہا ﴿عَزَّوَجَلَّ ابْنُ اللَّهِ﴾ عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا ﴿الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ﴾ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ جب لوگوں کا تھوڑا سا ذہن بنا کہ رب تعالیٰ کے بیٹے ہو سکتے ہیں تو پھر خود دعویٰ کر دیا ﴿نَحْنُ ابْنُ اللَّهِ﴾ [المائدہ: ۱۸] ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں ﴿وَيَجْعَلُونَ بَيْنَهُ وَالْمَلَأَ﴾ [النحل: ۵۷] اور کچھ (جاہلوں) نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بنا دیا۔ ﴿سُبْحٰنَهُ وَتَعَالٰی عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ پاک ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اور بلند ہے ان سے جن کو اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں۔ تو رب تعالیٰ کی طرف شریک کی نسبت کرنا بیٹے جی کی نسبت کرنا، یہ تمام رب تعالیٰ کی طرف افتراء ہے۔ اور جو ایسا کرتا ہے اس سے بڑا کوئی ظالم نہیں ہے۔

﴿أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ﴾ یا اس سے بڑا کون ظالم ہے کہ اس نے جھٹلادیا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو۔ اور کافروں میں یہ دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں۔ رب تعالیٰ کے شریک بھی بناتے ہیں اور اس کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں، بیٹے بیٹیاں بناتے ہیں اور رب تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں۔ یوں سمجھو کہ ظلم کے ٹھیکے دار ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہمارا فیصلہ بھی سن لو ﴿وَإِنَّهُ لَا يُغْنِيكُمُ الظُّلْمُونَ﴾ بے شک شان یہ ہے کہ نہیں فلاح پائیں گے ظالم۔

ظالم کو مہلت اور اس کا انجام ؟

حدیث پاک میں آتا ہے کہ رب تعالیٰ ظالم کو کچھ مہلت دیتا ہے (یہ اس کی حکمت ہے جتنی مہلت دے) لیکن جب پکڑتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں ہے۔ اور یہ بات بھی کتابوں میں موجود ہے کہ ظلم کا بدلہ دنیا میں بھی ضرور ملتا ہے چاہے جیسا کیسا ظلم ہو۔ کسی کی رقم ہڑپ کر گیا۔ اس نے مطالبہ کیا تو اس کو گالیاں دیں یا جس طرح کا بھی کسی کا حق کھایا ہے یا کسی کو مارا پیٹا ہے کوئی بھی ظلم زیادتی کی ہے اس کا بدلہ دنیا میں ضرور ملے گا۔ بالفرض و الحال دنیا میں بیچ بھی گیا تو قبر اور آخرت میں تو چھٹکارا نہیں ہے۔ جائے گا کہاں؟

مشرکین کا ایک فارمولا ہے

ان شاء اللہ العزیز آٹھویں پارے میں پڑھو گے کہ مشرکوں نے آپ ﷺ کے سامنے کئی فارمولے پیش کیے کہ اس طرح کر لو اور اس طرح کر لو۔ یہ بھی انھوں نے کہا کہ تم کہتے ہو ہم سچے ہیں، ہم کہتے ہیں ہم سچے ہیں۔ اس طرح کرتے ہیں کہ مردم شماری کرا لیتے ہیں وہ تنگ ہو جائے معلوم ہو جائے گا کہ تمہارے ساتھی زیادہ ہیں یا ہمارے؟

فارمولے کا جواب ہے

اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا ﴿وَإِنْ تُلَاقُوا كَثْرَةً مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَأُذِنُوا لَهُمْ عَلَيْهِمْ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُمْ تَارِكِينَ﴾ [الانعام: ۱۱۶] اور اگر آپ اطاعت کریں گے ان لوگوں کی جو اکثر ہیں زمین میں تو بہکا دیں گے آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے۔ اکثریت تو ہے ہی مگر اہوں کی لہذا یہ نہ دیکھو زیادہ کون ہیں اور تھوڑے کون ہیں۔ بلکہ یہ دیکھو کہ حق پر کون ہیں۔ تو رب تعالیٰ قیامت والے دن مشرکوں سے فرمائیں گے کہاں ہیں تمہارے شریک جن کے بارے میں تم گمان کرتے تھے کہ ان کو اختیارات حاصل ہیں۔

”قتنہ“ کی تحقیق ہے

﴿لَمْ يَكُنْ لَكُمْ فِتْنَةٌ﴾ پھر نہیں ہوگا ان کا عذر اور فریب۔ ”قتنہ“ کا معنی فریب بھی ہے اور معذرت بھی۔ بعض مفسرین کرام ﷺ اس کا معنی معذرت کا کرتے ہیں اور بعض فریب کا کرتے ہیں۔ پھر نہیں ہوگا ان کا عذر اور فریب ﴿إِلَّا أَنْ قَالُوا﴾ مگر یہ کہ وہ کہیں گے ﴿وَاللَّهُ رَبُّنَا﴾ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی جو ہمارا رب ہے ﴿مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ﴾ ہم نہیں تھے شرک کرنے والے۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ دنیا میں مشرک سے بڑا کوئی بے حیا نہیں ہے۔ حالاں کہ دنیا میں بڑے بڑے بے حیا ہیں۔

مشرکین کا میدان محشر میں جھوٹ بولنا ہے

کیوں کہ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَبِينًا﴾ اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے ﴿لَكُمْ نَقُولُ﴾ لَئِنِ الْبَشَرِ الْاَشْرَكُوۡا ﴿ پھر کہیں گے ان لوگوں کو جنھوں نے شرک کیا کہ وہ تمہارے شریک کہاں ہیں؟ تو وہ مشرک کہیں گے ﴿وَاللَّهُ رَبُّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ﴾ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی جو ہمارا رب ہے نہیں تھے ہم شرک کرنے والے۔ میدان محشر ہوگا اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت ہوگی اور رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم مشرکوں کو کہیں گے وہ تمہارے شریک کہاں ہیں؟ اور مشرک قسم اٹھا کر کہیں گے کہ ہم نے شرک کیا ہی نہیں ہے؟ او ظالمو! رب تعالیٰ تمہیں مشرک فرما رہے ہیں اور تم کہہ رہے ہو کہ ہم نے شرک کیا ہی نہیں ہے اور وہ بھی قسم اٹھا کر۔ تو تم سے بڑا بھی کوئی بے حیا ہے؟ تو جو مشرک رب تعالیٰ کے سامنے شرک کو نہیں مانے گا وہ ہمارے تمہارے سامنے کب مانے گا؟ چنانچہ آج بھی تم کسی مشرک سے پوچھو جو شرک میں ڈوبا ہوا ہو، قبروں کا پجاری، خانقاہوں پر چکر لگانے

والا، غیر اللہ سے مدد مانگنے والا، مسجدوں میں کہنے والے۔

امداد کن، امداد کن، از بند غم آزاد کن
وردین و دنیا شاد کن یا شیخ عبدالقادر
ذی تصرف بھی ہے ماذون بھی مختار بھی ہے
کارِ عالم کا مدبر بھی ہے عبدالقادر

کہ تم شرک کرتے ہو؟ تو وہ اپنے آپ کو مشرک تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوگا بلکہ کہے گا کہ ہم کب شرک کرتے ہیں ہم تو بزرگوں سے پیار اور محبت کرتے ہیں۔ تو مشرک اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت میں قسم اٹھا کر شرک سے انکار کریں گے۔

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ﴿أَنْتُمْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَيٰ أَنْفُسِكُمْ﴾ کیسا جھوٹ بولا ہے انہوں نے اپنی جانوں پر ﴿وَوَصَلٰ عَنْهُمْ﴾ اور تم ہو گئی ان سے ﴿مَّا كَانُوا يَفْتَوُونَ﴾ وہ چیز جس کو وہ افترا باندھتے تھے۔ نہ لات ٹانگ اڑائے گا، نہ منات، نہ عزلی، نہ ہبل، کوئی بھی نزدیک نہیں آئے گا۔ حالاں کہ دنیا میں ان کو نذرانے دیے، چڑھاوے چڑھائے، طواف کیے، چراغ جلائے، بہت کچھ کیا مگر کوئی بھی سامنے نہیں آئے گا۔

مشرکین کا اعتراض کی نیت سے قرآن سننا

﴿وَمِنْهُمْ مَّن يَنْتَحِمُ إِلَيْكَ﴾ اور بعض ان میں سے ہیں جو کان رکھتے ہیں آپ ﷺ کی طرف۔ عربی لوگ تھے، قرآن کریم بھی عربی زبان میں، آنحضرت ﷺ تلاوت فرماتے تو سنتے اور سمجھتے تھے۔ البتہ بعض مرتبہ سمجھانے کی ضرورت بھی پیش آتی تھی اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَيَعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ وہ ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ تو آپ ﷺ مجمل کی تفسیر بھی کرتے تھے بعض مشرک آپ ﷺ کی مجلس میں اذل تا آخر بیٹھتے آپ ﷺ کا بیان سنتے تھے مگر مانتے نہیں تھے کیونکہ سمجھنے کی غرض سے نہیں سنتے تھے بلکہ اس لیے سنتے تھے کہ ہمیں کوئی اعتراض کی چیز مل جائے۔

مشرکین کا ایک اور اعتراض

چنانچہ چھٹے پارے میں آپ حضرات نے یہ پڑھا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے یہ آیت کریمہ پڑھی ﴿حَتَّىٰ تَمُوتَ عَلَيْهِمُ الْيَبْتَةُ وَالذَّمُّ﴾ کہ تم پر مردار اور خون حرام کر دیا گیا ہے۔ یعنی وہ جانور جس کو تم ذبح نہ کر سکو اور وہ مرجائے تو تم پر حرام ہے تو ان کا ناخن اڑ گیا کہ بات کرنے کا موقع مل گیا اور اس کی بڑی تشبیہ کی کہ ہم محمد ﷺ کا درس سن کے آئے ہیں اس نے کہا ہے کہ جس کو رب مارے وہ حرام ہے اور جس کی جان تم خود نکالو، ذبح کرو وہ حلال ہے۔ دیکھو! گیت تو رب کے گاتے ہیں کہ ہم رب تعالیٰ کے بندے ہیں اور اس کے مارے ہوئے کو حرام کہتے ہیں۔ تو یہ شوٹ انہوں نے چھوڑا۔

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ جو خود بہ خود مرتا ہے اس کو رب مارتا ہے اور جس کو ہم ذبح کرتے ہیں اس کو بھی رب ہی مارتا ہے۔ مگر جس جانور کو ذبح کیا جاتا ہے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر تو وہ رب تعالیٰ کے نام کی برکت سے حلاں اور پاک ہو جاتا ہے۔ اور جو جانور پرندہ خود بہ خود مر گیا وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت سے محروم ہو کر حرام ہو گیا۔ اتنی بات ان کو سمجھ نہیں آتی تھی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً﴾ اور ڈال دیے ہیں ہم نے ان کے دلوں پر پردے۔ اَکِنَّةٌ، کِتَانٌ کی جمع ہے۔ کِتَانٌ پردے کو کہتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ﴿أَنْ يَفْقَهُوهُ﴾ اس بات سے کہ وہ اس قرآن کو سمجھیں ﴿وَقِيَّ إِذْ أَنْهَمُ وَقَرَأُ﴾ اور ان کے کانوں میں ڈاٹ چڑھا دیے ﴿وَإِنْ يَرَوْا كَلِمَةَ آيَةٍ﴾ اور اگر وہ دیکھیں ہر قسم کی نشانی ﴿لَا يَذُكُرُوهَا﴾ نہیں ایمان لائیں گے اس پر۔ یعنی ہر قسم کی نشانی، معجزہ دیکھیں، قرآن کریم کی آیت سنیں، ایمان نہیں لائیں گے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر غلاف چڑھا دیے ہیں اور کانوں میں ڈاٹیں چڑھا دی ہیں۔

دلوں پر پردے اور کانوں میں ڈاٹیں لگانے کا مطلب

سطحی قسم کے لوگ جن کو صحیح معنی میں قرآن کریم کی سمجھ نہیں ہے وہ ایسی آیتوں سے مغالطے میں پڑ جاتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے ہدایت کے تمام راستے بند کر دیے ہیں تو اب اگر وہ ایمان نہیں لائیں تو اس میں ان کا کیا قصور ہے؟ لہذا بات اچھی طرح سمجھ لیں۔ اور پہلے بھی سمجھا چکا ہوں۔ چونکہ سوواں پارہ سورہ تم سجدہ کی آیت نمبر ۵ نکالو ﴿وَقَالُوا﴾ اور کہا ان کافروں نے ﴿قُلُوبُنَا أَكِنَّةٌ وَمِنَّا نَعْمُونَ﴾ ہمارے دل پردوں میں ہیں اس چیز سے جس چیز کی طرف آپ بلاتے ہیں ﴿وَقِيَّ إِذْ أَنْهَمُ﴾ اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے ﴿وَمِن بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ﴾ اور ہمارے درمیان اور آپ کے درمیان پردہ ہے۔ ہم تجھے اس آنکھ سے دیکھنے کے لیے تیار نہیں ہیں جس سے ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ دیکھتے ہیں۔ ﴿فَاعْتَلْنَا عَلَىٰ طِينًا لِنُؤْنِسَ﴾ پس آپ اپنا کام کرتے جائیں بے شک ہم اپنا کام کر رہے ہیں۔

دیکھو! ان کافروں نے اپنے ارادے اور اختیار سے اپنے دلوں پر غلاف چڑھا لیے اور کانوں میں ڈاٹ دے لیے اور آنکھوں پر پردے باندھ لیے، ہدایت کے تمام راستے خود بند کر لیے۔ اور اللہ تعالیٰ کا قانون ہے ﴿تُولِيَهُم مَّا تَوَشَّى﴾ [النساء: ۱۱۵] جس طرف کوئی جانا چاہتا ہے ہم اس کو اس طرف پھیر دیتے ہیں۔

تو جب انھوں نے اپنے لیے یہ پسند کیا اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو کہا تو اپنا کام کر ہم اپنا کام کریں گے ہم تیری بات سننے کے لیے تیار نہیں، تجھے دیکھنے کے لیے تیار نہیں، تیری بات ہمارے دلوں تک نہیں پہنچ سکتی تو پھر اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے دلوں پر غلاف چڑھا دیے، کانوں میں ڈاٹیں اور آنکھوں پر پردے ڈال دیے۔ ایسا نہیں ہے کہ پہلے قدم پر ہی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر غلاف چڑھا دیے، کانوں میں ڈاٹیں اور آنکھوں پر پردے ڈال دیے کہ کوئی اعتراض کر سکے کہ جب رب تعالیٰ ہی نے

پردے ڈال دیے ہیں تو اب بندہ کیا کر سکتا ہے؟ رب تعالیٰ نے تو اختیار دیا ہے۔

ایمان یا کفر کا انتخاب آدمی کے اختیار میں ۷

فرمایا ﴿وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ﴾ [پارہ: ۳۰] ہم نے دونوں راستوں کی راہنمائی کی ہے ﴿فَسِنَّةٌ فَلْيُؤْمِنْ وَامِنْ سِنَّةٌ فَلَئِنْ كَفَرَ﴾ [الکہف: ۲۹] ”پس جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے۔“ پھر کفر اور ایمان میں سے جس چیز کو اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اس کی توفیق دے دے گا۔ جبراً اور قہراً اللہ تعالیٰ کسی کو نہ گمراہ کرتا ہے اور نہ ہدایت دیتا ہے۔ جب کوئی ارادہ اور نیت کرتا ہے تو اس کے مطابق توفیق ملتی ہے۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾ [الزمر: ۱۱] ”اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ قوم اپنی حالت خود نہ بدلے۔“ علامہ اقبال مرحوم نے کہا ہے:۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی

نہ ہو جس کو خیال اپنی حالت بدلنے کا

رب تعالیٰ نے ان پر جبر نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اس کو پسند کیا اللہ تعالیٰ نے بھی غلاف چڑھا دیے ہیں، ڈائیں اور پردے ڈال دیے ہیں لہذا اب یہ جتنی نشانیاں دیکھ لیں ایمان نہیں لائیں گے۔

قرآن کے بارے میں مشرکین کے خیالات ۸

﴿حَتَّىٰ جَاءَ أَعْمُوكَ﴾ یہاں تک کہ وہ جب آپ کے پاس آتے ہیں ﴿يُحَادِثُونَكَ﴾ تو جھگڑا کرتے ہیں آپ کے ساتھ، کیا کہتے ہیں؟ ﴿يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ کہتے ہیں وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿إِنْ هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ﴾ مگر کہانیاں پہلے لوگوں کی۔ آسَاطِيرُ جمع ہے اَسْطُورَةٌ کی اور اَسْطُورَةٌ کے معنی ہیں کہانی، قصہ، ناول۔ کہتے تھے کہ یہ قرآن پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ بے شک قرآن کریم میں پہلے لوگوں کے قصے اور واقعات بھی ہیں حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ ہے، حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ ہے، ہود علیہ السلام، صالح علیہ السلام، لوط علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور دیگر پیغمبروں کے واقعات ہیں۔ اسی طرح قرآن پاک میں فرعون اور دیگر مجرموں کے واقعات بھی ہیں مگر یہ محض قصے نہیں ہیں بلکہ ان میں نصح اور عبرتیں ہیں۔ کافر اور کیا کام کرتے تھے؟

مشرکین کا دوسرا کام ۹

فرمایا ﴿وَهُمْ يُهْمُونَ عِثَّةً﴾ اور وہ اس سے روکتے ہیں ﴿وَهُمْ يَنْتَوْنَ عِثَّةً﴾ اور خود بھی دور ہوتے ہیں ”ناجی“ کے معنی میں دور ہونا۔ خود بھی قرآن سے دور ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی منع کرتے ہیں۔

چوبیسویں پارے میں آتا ہے ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ اور کہا کافروں نے ﴿لَا تَسْمَعُوا هَذَا الْقُرْآنَ﴾ اس قرآن کو نہ

سنو ﴿وَالْعَاقِبَةُ﴾ اور جب یہ قرآن پڑھیں تو شور مچاؤ ﴿لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ﴾ [نہ سجده: ۲۶]۔ "تا کہ تم غالب آ جاؤ۔"
 ﴿وَأَنْ يُّقَالُوا إِلَّا الْإِنْسَانُ﴾ اور نہیں وہ ہلاک کرتے مگر اپنی جانوں کو۔ کیوں کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں اس کا وبال تو
 ان کی جانوں پر پڑے گا ﴿وَمَا يَشْعُرُونَ﴾ اور وہ سمجھتے نہیں۔ ان کو شعور ہی نہیں ہے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں اس کا انجام کیا ہے؟
مشرکین کا انجام بد

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں آج تو یہ باتیں کرتے ہیں اور حرکتیں کرتے ہیں ﴿وَلَوْ تَرَىٰ﴾ اور اگر دیکھیں آپ ﴿إِذْ وَقَفُوا
 عَلَى الْآثَامِ﴾ جب کھڑے کیے جائیں گے آگ پر۔ پہلے دوزخ کے کنارے کھڑا کر کے ان کو دوزخ کا منظر دکھایا جائے گا پھر
 فرشتے دھکا مار کر دوزخ میں پھینک دیں گے۔ تو جس وقت ان کو دوزخ کے کنارے کھڑا کیا جائے گا ﴿فَقَالُوا﴾ پس وہ کہیں گے
 ﴿يٰئِسْنَا لِلْأُولٰٓئِیۡنَ﴾ ہائے افسوس ہم پر ہم لوٹائے جائیں ﴿وَلَا نَكْتُمُ الْبَابَ﴾ اور نہ جھٹلائیں ہم اپنے رب کی آیتوں کو
 ﴿وَنَكُونُ مِنَ الْخٰٓسِرِیۡنَ﴾ اور ہو جائیں ہم ایمان لانے والوں میں سے۔ مگر

اب پچھتائے کیا ہوتے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

دوبارہ دنیا میں کسی نے نہیں آنا جو کچھ کرنا ہے اب کر لو۔ اللہ تعالیٰ سب کو توفیق عطا فرمائے۔



﴿بَلْ بَدَا لَهُمْ﴾ بلکہ ظاہر ہوگی ان کے لیے ﴿مَا كَانُوا يَحْفَظُونَ مِنْ قَبْلُ﴾ وہ چیز جس کو وہ چھپاتے تھے اس سے
 پہلے ﴿وَلَوْ تَرَىٰ﴾ اور اگر بالفرض ان کو دنیا کی طرف لوٹا دیا جائے ﴿لَعَادُوا﴾ البتہ لوٹیں گے ﴿لِمَا هُمْ وَاَعْنٰهُ﴾
 اس چیز کی طرف جس سے ان کو منع کیا گیا ﴿وَاللَّهُمَّ لَكِنَّا نَكْتُمُ الْبَابَ﴾ اور بے شک البتہ وہ جھوٹے ہیں ﴿وَقَالُوا﴾ اور کہا
 انہوں نے ﴿إِن هٰٓئِلَآءِ اِلَّا حَيٰٓاتُنَا الدُّنْيَا﴾ نہیں ہے یہ ہماری زندگی مگر دنیا کی زندگی ﴿وَمَا نَحْنُ بِبٰٓئِعُوۡنَہَا﴾ اور ہم
 نہیں اٹھائے جائیں گے ﴿وَلَوْ تَرَىٰ﴾ اور اگر دیکھے تو ﴿إِذْ وَقَفُوا﴾ جن کھڑے کیے جائیں گے ﴿عَلٰی سٰٓئِرٰہُمْ﴾
 اپنے پروردگار کے سامنے ﴿قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ﴾ فرمائے گا رب تعالیٰ کیا نہیں ہے یہ قیامت حق ﴿قَالُوۡا بَلٰی وَاٰبٰٓءُنَا
 سٰٓئِرٰہُمْ﴾ کہیں گے کیوں نہیں حق اور قسم ہے ہمارے رب کے حق کی ﴿قَالَ﴾ فرمائے گا ﴿فَلَوْ نُوۡا الْعٰذَابَ﴾ رب
 تعالیٰ پس چکو تم عذاب ﴿لِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوۡنَ﴾ اس لیے کہ تم کفر کرتے تھے ﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِیۡنَ﴾ تحقیق گھائے
 میں پڑے وہ لوگ ﴿لَا یُؤٰۤیِلٰہُمْ اِلَّا اللّٰهُ﴾ جنہوں نے جھٹلایا اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو ﴿حَتّٰی اِذَا جَآءَ تٰہُمُ السَّاعَةُ﴾
 یہاں تک کہ جب آئے گی ان کے پاس قیامت ﴿بَعۡثَہٗ﴾ اچانک ﴿قَالُوا﴾ کہیں گے ﴿یٰحَسْرَتُنَا﴾ ہائے
 افسوس ہم پر ﴿عَلٰی مَا كُنَّا لِنَعۡمِلَہَا﴾ اس چیز پر جو ہم نے کوتاہی کی قیامت کے بارے میں ﴿وَفُہمۡ یَحۡمِلُوۡنَ

اَوْذَانَهُمْ ﴿ اور وہ اٹھائیں گے اپنے بوجھ ﴿ عَلٰی ظُهُورِهِمْ ﴾ اپنی پشتوں پر ﴿ اَلَا سَاءَ مَا يَزْمُرُونَ ﴾ خبردار برا ہو گا وہ بوجھ جس کو وہ اٹھائیں گے ﴿ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ﴾ اور نہیں ہے دنیا کی زندگی ﴿ اِلَّا لَعِبٌ وَّاَلْوَهٌ ﴾ مگر کھیل اور تماشہ ﴿ وَلَلْآٰمِرُ الْآٰخِرَةُ ﴾ اور گھر آخرت کا ﴿ خَيْرٌ ﴾ بہتر ہے ﴿ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ﴾ ان لوگوں کے لیے جو رب تعالیٰ سے ڈرتے ہیں ﴿ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ کیا پس تم سمجھتے نہیں ﴿ قَدْ عَلِمْتُمْ ﴾ تحقیق ہم جانتے ہیں ﴿ اِنَّهُ لِيَحْزُنَكَ الْذِيْنَ ﴾ بے شک شان یہ ہے البتہ پریشان کرتی ہے آپ کو وہ چیز ﴿ يَقُولُوْنَ ﴾ جو وہ کہتے ہیں ﴿ قَوْلَهُمْ لَا يَكْفُرُوْنَ لَكَ ﴾ پس بے شک وہ نہیں جھٹلاتے آپ کو ﴿ وَلٰكِنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴾ اور لیکن ظالم ﴿ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴾ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں ﴿ وَ لَقَدْ كَذَّبْتَ مُرْسَلٌ ﴾ اور البتہ تحقیق جھٹلائے گئے کئی رسول ﴿ مِنْ قَبْلِكَ ﴾ آپ سے پہلے ﴿ فَصَدُّوْا ﴾ پس انھوں نے صبر کیا ﴿ عَلٰی مَا كَذَّبُوْا ﴾ اُس کارروائی پر جس میں اُن کی تکذیب کی گئی ﴿ وَاُوذُوْا ﴾ اور ان کو تکلیف پہنچائی گئی ﴿ حَتّٰى اَنْتُمْ تَصْرُخُوْنَ ﴾ یہاں تک کہ آگئی ان کے پاس ہماری مدد ﴿ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ﴾ اور کوئی نہیں بدل سکتا اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو ﴿ وَ لَقَدْ جَاءَكَ ﴾ اور البتہ تحقیق آئے آپ کے پاس ﴿ مِنْ نَّبِيّٰى الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے کچھ حالات۔

مشرکین کا عذاب پر حسرت و یاس

کل کے سبق میں آپ نے پڑھا اور سنا ﴿ وَ تَوَلّٰى ﴾ اور اگر دیکھیں آپ ﴿ اِذْ وُقِفْنَا عَلٰى النَّارِ ﴾ جب کھڑے کیے جائیں گے آگ پر ﴿ فَعَالُوْا ﴾ پس کہیں گے ﴿ يٰلَيْتُنَا نُرَدُّ ﴾ ہائے افسوس ہم پر ہم لوٹائے جائیں ﴿ وَلَا نَكْلَبُ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا ﴾ اور نہ جھٹلائیں ہم اپنے رب کی آیتوں کو ﴿ وَ نَكُوْنُ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ اور ہو جائیں ہم ایمان لانے والوں میں سے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں نہ تو یہ مومن بنیں گے اور نہ ہی ان کو واپس لوٹایا جائے گا ﴿ بَلْ بَدَا لَهُمْ ﴾ بلکہ ظاہر ہوگی ان کے لیے ﴿ مَا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ﴾ وہ چیز جس کو وہ چھپاتے تھے اس سے پہلے۔

مشرکین کا وقت بعثت شرمندگی

اس سے پہلے پارے میں آتا ہے کہ ابتداء جب ان کو قبروں سے اٹھایا جائے گا تو خاشعۃ ابصار ہُم ان کی نگاہیں پست ہوں گی شرمندگی کی وجہ سے اور پست نگاہوں سے دیکھیں گے کہ دنیا میں ایمان والے جو ہمیں ایمان کی دعوت دیتے تھے وہ ہمیں دیکھ رہے ہیں یا نہیں؟ فطری بات ہے کہ حکمت خورده اپنے حریف سے شرمندہ ہوتا ہے وَاَسْرُوْا التَّدَامَةَ اور وہ اپنی شرمندگی کو چھپائیں گے شروع شروع میں تاکہ ہمارے دشمن پر ہماری کمزوری ظاہر نہ ہو۔ لیکن وہ اس ندامت کو کب تک

چھپائیں گے بالآخر ظاہر ہو جائے گی۔ واویلا کریں گے اور شور مچائیں گے کہ ایک دفعہ ہمیں واپس بھیج دیا جائے تو ہم مومن ہوں گے اور رب تعالیٰ کی آیتوں کو نہیں جھٹلائیں گے۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَوْ نَشَاءُ لَمُوتُوا﴾ اور اگر بالفرض ان کو دنیا کی طرف لوٹا دیا جائے ﴿لَعَادُوا﴾ البتہ لوٹیں گے ﴿لَبِئْسَ مَا وَعَدْتُهُ﴾ اس چیز کی طرف جس سے ان کو منع کیا گیا وہی کچھ کریں گے جو کچھ پہلے کرتے رہے ہیں اور روکنے کے باوجود باز نہیں آتے تھے ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا﴾ اور بے شک البتہ وہ جھوٹے ہیں۔ اس بات میں کہ ہمیں دنیا میں لوٹا دیا جائے تو ہم ایمان لائیں گے یہ اتنے سخت دل ہیں کہ اگر ان کو دنیا کی طرف لوٹا بھی دیا جائے تو ایمان نہیں لائیں گے دور جانے کی ضرورت نہیں دنیا میں ہی دیکھ لیں۔

مشکل وقت میں یاِخدا بِ

ماشا (ہم لوگ) جب بیمار ہوتے ہیں اور بیماری لمبی ہو جاتی ہے اور زندگی سے ناامید ہو جاتے ہیں تو رب تعالیٰ سے دعائیں کرتے ہیں کہ پروردگار! صحت عطا فرما دے نمازیں پڑھیں گے، روزے رکھیں گے، نیکی کے کام کریں گے، برائی کے قریب نہیں جائیں گے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ صحت عطا کر دیتے ہیں تو دماغ بگڑ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا کوئی وعدہ بھی یاد نہیں رہتا۔ نہ نماز، نہ روزہ، نہ کوئی اور نیکی۔ اسی بندے نے اگلے جہاں جانا ہے اس لیے فرمایا کہ یہ جھوٹ بول رہے ہیں کہ ہم مومن ہو جائیں گے۔

مشرکین کا ایک اور شوشہ بِ

انہوں نے ایک اور شوشہ چھوڑا ﴿وَقَالُوا﴾ اور کہا انہوں نے ﴿إِن هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا﴾ نہیں ہے یہ ہماری زندگی مگر دنیا کی زندگی ﴿وَمَا نَحْنُ بِبَعُوثُونَ﴾ اور ہم قبروں سے نہیں اٹھائے جائیں گے۔ بڑی سختی کے ساتھ قیامت کا انکار کرتے تھے کہتے تھے ﴿مَهَيَاتَ مَهَيَاتَ لِمَا تَعْدُونَ﴾ [المونون: ۳۶] ”بعید ہے بعید ہے وہ چیز کہ جس کا تمہارے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے“ کہ مر کر دوبارہ زندہ ہو گے۔ اور یہ بھی کہتے تھے ﴿مَنْ يُؤْتِ الْعِظَامَ وَهِيَ عِظَامُهُ﴾ [سورۃ یسین] ”ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟“ اور سورۃ واقعہ میں ہے کہ کہتے تھے ﴿إِنَّا مِتْنَا وَإِنَّا عِظَامًا﴾ کیا جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے اور ہڈیاں ﴿عَرَانَا لَتَبْعُوَنَّا﴾ کیا البتہ ہم پھر اٹھائے جائیں گے۔ اور سورۃ ق میں یہ جملہ بھی ہے ﴿ذَلِكَ سَجْمٌ بَعِيدٌ﴾ یہ دوبارہ لوٹنا دور کی بات ہے۔

مشرکین کا رب تعالیٰ کے سامنے کھڑا کیا جانا بِ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ دُفِنُوا﴾ اور اگر دیکھتے تو جب کھڑے کیے جائیں گے ﴿عَلَىٰ سُرَّتِهِمْ﴾ پروردگار کے سامنے جی عدالت میں ﴿قَالَ أَلَيْسَ لِهَذَا بِالْحَقِّ﴾ فرمائے گا رب تعالیٰ کیا نہیں ہے یہ قیامت حق، یہ اٹھنا حق ہے کہ نہیں؟

دوبارہ زندگی ملی ہے کہ نہیں؟ تم تو کہتے تھے کہ ہمیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا ﴿قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا﴾ کہیں گے کیوں نہیں حق اور قسم ہے ہمارے رب کی حق ہے۔ دنیا میں تو بڑے زوردار الفاظ کے ساتھ انکار کرتے تھے ﴿قَالَ﴾ رب تعالیٰ فرمائیں گے کہ جب یہ حق ہے تو ﴿فَذُوُوا الْعَذَابِ﴾ فرمائے گا رب تعالیٰ پس چکھو تم عذاب ﴿بَلَا لَكُمْ تَكْفُرُونَ﴾ اس لیے کہ تم کفر کرتے تھے۔ اگر دنیا میں ایمان لے آتے اور آخرت کی تیاری کرتے تو آج عذاب سے بچ سکتے تھے۔ مگر اب نہیں ﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ﴾ تحقیق گھائے میں پڑے وہ لوگ ﴿كَذَّبُوا بِإِيقَآءِ اللّٰهِ﴾ جنہوں نے جھٹلایا اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو یعنی قیامت کو جھٹلایا۔

مرنے کے ساتھ ہی قیامت کا شروع ہو جانا ﴿﴾

ساتھیو! قیامت ضرور آئے گی اس کو سامنے رکھ کر زندگی گزارو اور آنکھیں بند ہونے کے ساتھ ہی قیامت کی ابتدا ہو جاتی ہے ﴿مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ﴾ جو مر اس کی قیامت قائم ہوگی فرشتے بھی نظر آئیں گے جنت دوزخ بھی نظر آئے گی اور اگلے جہاں کی تمام چیزیں نظر آئیں گی۔ اور جب بڑی قیامت قائم ہوگی اس وقت کیا کیفیت ہوگی؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿حَافِي اِذَا جَاءَتْهُمْ السَّاعَةُ بَغْتَةً﴾ یہاں تک کہ جب آئے گی ان کے پاس قیامت اچانک۔

قیامت کا ہول ناک منظر ﴿﴾

احادیث میں آتا ہے کہ لوگ اپنے اپنے دنیا کے کاموں میں مصروف ہوں گے کہ اچانک قیامت قائم ہو جائے گی۔ مثلاً: ایک آدمی کپڑا خریدنے کے لیے دکان پر جائے گا، دکان دار اس کو تھان کھول کر دکھائے گا یہ پسند کرے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ گاہک پیسے نہیں دے سکے گا اور وہ کپڑا نہیں لپیٹ سکے گا۔ فرمایا ایک آدمی دودھ، دودھ کر لائے گا گھردالوں کے حوالے کرے گا ان کو پینا نصیب نہیں ہوگا کہ بگل، بجا دیا جائے گا۔ لقمہ منہ میں ڈالے گا نکل نہیں سکے گا کہ قیامت برپا ہو جائے گی۔ پینے کے لیے پانی منہ میں ڈالے گا حلق سے نیچے نہیں اتار سکے گا قیامت قائم ہو جائے گی۔ گھر میں داخل ہونے کے لیے ایک پاؤں دروازے کے اندر رکھے گا دوسرا پاؤں اندر نہیں رکھ سکے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ یہ اجتماعی قیامت کی بات ہے کہ شر تاغرباً شمالاً جنوباً کوئی اللہ تعالیٰ کی مخلوق نہیں بچے گی۔ سب پر قیامت قائم ہو جائے گی یہاں تک کہ صور پھونکنے والا فرشتہ بھی مرجائے گا ﴿وَيَبْقَىٰ وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ ”اور تیرے رب کی ذات باقی رہے گی جو ذوالجلال والاکرام ہے۔“ جب قیامت قائم ہو جائے گی تو ﴿قَالُوا﴾ کہیں گے ﴿يَحْسُرَتُنَا﴾ ہائے افسوس ہم پر ﴿عَلٰٓمَآةً ظَنَّا لِنٰهَا﴾ اس چیز پر جو ہم نے کوتاہی کی قیامت کے بارے میں۔

”افراط و تفریط“ کی تحقیق ﴿﴾

عربی زبان کے دو مشہور الفاظ ہیں افراط اور تفریط۔ افراط باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے زیادتی اور تفریط باب

تفعل سے ہے اس کا معنی ہے کوتاہی تو معنی بنے گا افسوس ہمارے اوپر اس چیز پر جو ہم نے قیامت کے بارے میں کوتاہی کی۔ اس کا انجام سامنے ہے۔ ﴿وَهُمْ يَخْلَوْنَ آذُنًا سَمًّا﴾ اور وہ اٹھائیں گے اپنے بوجھ ﴿عَلَىٰ ظُهُورِهِمْ﴾ اپنی پشتوں پر۔

خیانت کا بدترین انجام

حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ”محصّلین زکوٰۃ“ کو فرمایا جو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجے جاتے تھے کہ یاد رکھنا! تم میں سے جس نے خیانت کی تو اس کا بوجھ قیامت والے دن اٹھائے گا اگر بکری چرائی تو وہ اس کے کندھے پر ہوگی اور اونٹ چرایا تو وہ اس کی پیٹھ پر ہوگا، گائے، بیل، چرایا تو وہ اس کی پیٹھ پر ہوں گے اور ہر جانور اپنی اپنی آواز نکال رہا ہوگا اور یہ اس کو میدانِ محشر میں اٹھائے پھرے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا حدیث پر اشکال کا جواب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک مسخرے آدمی نے کہا کہ حضرت! تم یہ حدیث سناتے ہو کہ جس آدمی نے جو چیز چرائی وہ اس کی پیٹھ پر ہوگی۔ اگر ایک آدمی پانچ اونٹ چراتا ہے تو پانچ اونٹ اس مختصری پیٹھ پر کس طرح آئیں گے؟ یا سو بکریاں چراتا ہے تو وہ اس کی پیٹھ پر کس طرح آئیں گی؟ یا لوگ دوسروں کی زمین غصب کر لیتے ہیں تو مربع دو مربع زمین اس کی پیٹھ پر کس طرح آئے گی؟ یا کوئی ظالم کسی کا مکان یا کوٹھی غصب کر لیتا ہے تو وہ ان کو پیٹھ پر کس طرح اٹھائے گا؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ احادیث کا انکار نہ کر اور کان کھول کر سن لے یہ حدیث تو نے سنی ہے؟ کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مجرم کو اتنا چوڑا کر دیا جائے گا کہ تین دن تک تیز رفتار گھوڑا دوڑایا جائے تو دائیں کندھے سے بائیں کندھے تک نہ پہنچ سکے گا کہنے لگا سنی ہے۔ فرمایا پھر تو خود سمجھ لے کہ جب اتنا چوڑا کر دیا جائے گا تو کتنی چیزیں اس پر آجائیں گی۔ اور یہ بھی سنا ہے کہ بعض مجرم اتنے بڑے بنا دیے جائیں گے کہ ان کے بیٹھنے کی جگہ اتنی ہوگی کہ جتنی جگہ پر اُحد پہاڑ پھیلا ہوا ہے اور یہ بھی سنا ہے یا نہیں کہ بعض مجرموں کی ڈاڑھیں اتنی بڑی ہوں گی کہ اُحد پہاڑ کے برابر ایک دانت ہوگا۔ فرمایا یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کا فرمان ہو یا آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہو آنکھیں بند کر کے تسلیم کر لو عقل پر نہ تولو۔

احوالِ برزخ کو عقل سے نہیں پرکھا جاسکتا

متعدد بار عرض کر چکا ہوں کہ ہم اگر ان چیزوں کو عقل سے سمجھنا چاہیں تو نہیں سمجھ سکتے۔ ہماری عقلیں کمزور ہیں۔ بھلا عقل یہ بات مان سکتی ہے کہ دودھ کی نہریں بارہ مہینے چلتی رہیں اور دودھ خراب نہ ہو یہاں تو دودھ دو تین گھنٹے باہر رکھ دو تو خراب ہو جاتا ہے۔ اور وہاں درخت اتنے بڑے ہوں گے کہ تیز رفتار گھوڑا سو سال تک دوڑتا رہے تو اس کے سائے کو طے نہیں کر سکے گا۔ عقل یہ بات کس طرح تسلیم کر سکتی ہے کہ دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے اہتر گنا تیز بھی ہو اور اس میں سانپ بچھو بھی ہوں،

آدی بھی رہیں، سزا بھگتیں، چیخیں ماریں اور مر میں بھی نہیں۔ ہماری سمجھ میں تو نہیں آسکتا۔

لہذا آنحضرت ﷺ کے فرمان کو آنکھیں بند کر کے تسلیم کرو تو جس نے جو بھی اور جس طرح کی بھی خیانت کی ہوگی قیامت والے دن پیٹھ پر اٹھا کے آئے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿أَلَا سَاءَ مَا يَزْمُرُونَ﴾ خبردار برا ہو گا وہ بوجھ جس کو وہ اٹھائیں گے ﴿وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا﴾ اور نہیں ہے دنیا کی زندگی ﴿إِلَّا لَعِبٌ وَنَهْوٌ﴾ مگر کھیل اور تماشا۔

”لہو و لعب“ کی تحقیق

لہو بے مقصد چیز کو کہتے ہیں اور لعب اسے کہتے ہیں جو انسان کو مشغول کر دے۔ مثلاً: بچے تماشا کرتے ہیں کہ کوئی بادشاہ بن جاتا ہے، کوئی وزیر بن جاتا ہے، کوئی چور بن جاتا ہے، کوئی تھانے دار اور کوئی بیچ بن جاتا ہے۔ پس یہ تھوڑی دیر کے لیے مشغول ہوتا ہے اور حاصل کچھ نہیں ہوتا۔ اسی طرح دنیا کی زندگی بھی کھیل تماشا ہے اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔

کفار تو یہ کہتے تھے کہ دنیا کی زندگی کے سوا کوئی زندگی ہی نہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ فانی زندگی حیاتِ اخروی کے مقابلہ میں محض بیچ اور بے حقیقت ہے۔ یہاں کی زندگی کے صرف ان ہی لمحات کو زندگی کہا جاسکتا ہے جو آخرت کی درستگی میں خرچ کیے جائیں۔ بقیہ تمام اوقات جو آخرت کی فکر و تیاری سے خالی ہوں ایک عاقبت اندیش کے نزدیک لہو و لعب سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ پرہیزگار اور سمجھ دار لوگ جانتے ہیں کہ اصل گھر آخرت کا گھر اور ان کی حقیقی زندگی آخرت کی زندگی ہے۔

فرمایا ﴿وَلَكِنَّهَا إِلَّا خَيْرٌ﴾ اور گھر آخرت کا ﴿خَيْرٌ﴾ بہتر ہے ﴿لَلَّذِينَ يَشْقُونَ﴾ ان لوگوں کے لیے جو رب تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، متقی پرہیزگار ﴿أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ کیا تم اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے۔ حقیقت اور کھیل میں تم فرق نہیں سمجھتے۔ باقی رہنے والی اور فنا ہونے والی زندگیوں میں بڑا فرق ہے۔ عارضی چیز اور ہوتی ہے دائمی اور ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ کو تسلی دینا

آگے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہیں۔ فرمایا ﴿قَدْ نَعْلَمُ﴾ تحقیق ہم جانتے ہیں ﴿إِنَّكَ لَيَحْزُنُكَ الَّذِينَ﴾ شک شان یہ ہے البتہ پریشان کرتی ہے آپ کو وہ چیز ﴿يَعْقُلُونَ﴾ جو وہ کہتے ہیں کہ توحید کا انکار کرتے ہیں، رسالت کا انکار کرتے ہیں ﴿فَأَنهَمْ لَا يَكْفُرُونَ﴾ پس بے شک وہ نہیں جھٹلاتے آپ کو ﴿وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ﴾ اور لیکن ظالم ﴿بِأَيْتِ اللَّهِ يُجْعَلُونَ﴾ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

آپ ﷺ کو تو سارے ہی امین اور صادق کہتے ہیں۔ آپ ﷺ کے وہ دشمن جو سارا دن اٹھیاں لے کر آپ ﷺ کے پیچھے پھرتے تھے وہ بھی امانتیں آپ ﷺ کے پاس رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہماری امانتیں اسی کے گھر محفوظ رہ سکتی ہیں۔ ہجرت والی رات بھی آپ کے گھر لوگوں کی امانتیں موجود تھیں تو وہ لوگ آپ ﷺ کی ذات کے قائل تھے وہ

آپ ﷺ کو نہیں جھٹلاتے تھے۔

حضور ﷺ کو قریبی عزیزوں کو ڈرانے کا حکم

نبوت کے پانچویں سال جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ﴿وَ أَنْذَرْنَا عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ [الشعراء: ۲۱۴] اور آپ (ﷺ) اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جاؤ۔ تو آنحضرت ﷺ نے صفا پہاڑی کی چٹان پر کھڑے ہو کر سفید چادر ہلائی۔ کیوں کہ اس زمانے میں یہ خطرے کا الارم ہوتا تھا۔ تیزی سے لوگ جمع ہو گئے جن میں عورتیں، مرد، بچے، بوڑھے، جوان سب شامل تھے۔ تیزی کے ساتھ جمع ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان دنوں مکہ مکرمہ میں ایک افواہ گردش کر رہی تھی کہ سراقہ بن مالک کنعانی جو ایک قبیلے کا سردار تھا اور مکہ والوں سے اس کی مخالفت تھی، وہ حملہ کرنے والا ہے۔

کفار کا آپ ﷺ کے بارے میں ”صادق اور امین“ کی گواہی دینا

بہر حال جب لوگ جمع ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں یہ کہوں کہ پہاڑ کے دامن میں فوج ہے اور تم پر حملہ کرنا چاہتی ہے تو کیا میری بات مان لو گے سب نے کہا مَا جَزَبْنَاكَ إِلَّا صَادِقًا ہم نے آج تک آپ سے سچ ہی سنا ہے۔ اور یہ الفاظ بھی آتے ہیں مَا جَزَبْنَا عَلَيْكَ كَذِبًا قَطُّ ہم نے آپ (ﷺ) کی زبان سے جھوٹ کبھی نہیں سنا۔ اگر ہمیں لشکر نظر نہ آیا تو ہم کہیں گے ہماری نگاہیں خطا کر گئی ہیں آپ کی زبان سچی ہے۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب آپ کی عمر مبارک پینتالیس سال تھی چالیس ساں نبوت سے پہلے کے اور پانچ سال نبوت کے بعد کے کہ آپ کو صادق اور امین ہی مانتے تھے تو رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ تیری ذات کو نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں۔

بدترین دشمن ابو جہل کا بھی معترف ہونا

متدرک حاکم حدیث کی کتاب ہے اور مسند احمد بھی حدیث کی کتاب ہے۔ ان دونوں کتابوں میں یہ روایت موجود ہے کہ ابو جہل جو آپ ﷺ کا سب سے بڑا دشمن تھا اس نے کہا: يَا مُحَمَّدُ (ﷺ)! لَا نُكْذِبُكَ وَ لَكِنْ نُكْذِبُ الَّذِي جِئْتَ بِهِ "اے محمد! (ﷺ) ہم تجھے جھوٹا نہیں کہتے لیکن آپ جو کچھ لے کر آئے ہیں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اس کو جھٹلاتے ہیں۔ یہ جو آپ کہہ رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے، کوئی معبود نہیں ہے، یہ جھوٹ ہے (معاذ اللہ تعالیٰ)۔

چنانچہ قرآن کریم میں آتا ہے ﴿إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ﴾ [الصافات: ۳۵، پارہ: ۲۳] "بے شک یہ لوگ کہ جب ان کے سامنے کہا جاتا ہے ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ تو تکبر کرتے ہیں ٹھکراتے ہیں، یہ بھی کہتے تھے ﴿جَعَلَ الْإِلَهَ الْهَاتَا وَاحِدًا﴾ [س: ۵، پارہ: ۲۳] "کیا کر دیا ہے اس نے تمام معبودوں کو ایک معبود۔" اس نے سارے مشکل کشا حاجت روا فریاد رس ختم کر دیئے ہیں ﴿إِنَّ هَذَا الشَّنُوءُ عَجَابٌ﴾ "یہ ایک عجیب چیز ہے۔" کہ اکیلا خدا تمام کام کرتا ہے۔ تو یہ مسئلہ

ذخیر سے قیامت سے اور رسالت کے مسئلہ سے بدکتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے قائل تھے۔

اللہ رب العزت کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کے جھٹلانے سے آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوں ﴿وَلَقَدْ كَذَّبْتَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ اور البتہ تحقیق جھٹلانے گئے کئی رسول آپ سے پہلے ﴿فَصَبِّرْ ذَا عِلْمًا كَذَّبُوا﴾ پس انہوں نے صبر کیا اس کا ردوائی پر جس میں ان کی تکذیب کی گئی۔ صرف ان کی تکذیب ہی نہیں کی گئی بلکہ ﴿وَأُوذُوا﴾ اور ان کو تکلیف پہنچائی گئی ﴿وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ بِغَيْرِ حَقِّ﴾ اور انہوں نے نبیوں کو ناحق قتل کیا۔ زکریا علیہ السلام، یحییٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام، کو ظالموں نے شہید کر دیا۔

﴿حَقِّي أَتْلُكُمْ نَصْرَنَا﴾ یہاں تک کہ آگئی ان کے پاس ہماری مدد ﴿وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ﴾ اور کوئی نہیں بدل سکتا اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو وہی ہوگا جو رب تعالیٰ کو منظور ہوگا ﴿وَلَقَدْ جَاءَكَ﴾ اور البتہ تحقیق آئے ہیں آپ کے پاس ﴿مِنْ نَّبِيَّيَ الْمُرْسَلِينَ﴾ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے کچھ حالات کہ ان کو بھی لوگوں نے جھٹلایا اور اذیت دی لہذا ان کی باتوں پر صبر کرو، برداشت کرو کہ دنیا میں یہ ہوتا رہا ہے وہ اپنا کام کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا کام کریں۔



﴿وَإِنْ كَانَ كِبُرٌ عَلَيْكَ﴾ اور اگر ہے شاق آپ پر ﴿إِعْرَاضُهُمْ﴾ ان لوگوں کا اعراض کرنا ﴿فَإِنْ اسْتَطَعْتَ﴾ پس اگر آپ طاقت رکھتے ہیں ﴿أَنْ تَبْتَغِيَ﴾ کہ تلاش کر لیں ﴿نَفَقَاتِ الْأَرْضِ﴾ سرنگ زمین میں ﴿أَوْ سُلَّمَاتِ السَّمَاءِ﴾ یا سیرھی آسمان میں ﴿فَتَأْتِيَهُمْ بَأْيَةٌ﴾ پس لا کر دیں ان کو کوئی نشانی ﴿وَتَوْشَاءُ اللَّهُ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے ﴿لَجَعَلَهُمْ عَلَى الْهُدَى﴾ البتہ جمع کر دے ان کو ہدایت پر ﴿فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْخٰلِفِينَ﴾ پس ہرگز نہ ہوں آپ نادانوں میں سے ﴿إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ﴾ پختہ بات ہے قبول کرتے ہیں وہ لوگ ﴿يَسْمَعُونَ﴾ جو سنتے ہیں ﴿وَالْمَوْتَىٰ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ﴾ اور مردوں کو اللہ تعالیٰ اٹھائے گا ﴿ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ﴾ پھر اسی کی طرف وہ لوٹائے جائیں گے ﴿وَقَالُوا﴾ اور کہا ان لوگوں نے ﴿لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ﴾ کیوں نہیں اتاری گئی اس پر کوئی نشانی ﴿فَمِنْ شَرِّهِ﴾ اس کے رب کی طرف سے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ قادر ہے ﴿عَلَىٰ أَنْ يُنَزِّلَ آيَةً﴾ اس بات پر کہ اتار دے کوئی نشانی ﴿وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ﴾ اور لیکن اکثر ان میں سے ﴿لَا يَعْلَمُونَ﴾ نہیں جانتے ﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ﴾ اور نہیں کوئی چلنے والا جانور ﴿فِي الْأَرْضِ﴾ زمین میں ﴿وَلَا ظَلَمٍ﴾ اور نہ کوئی پرندہ ﴿يَعْبُدُ﴾ پجارتیہ ﴿جَوْازِتًا﴾ اپنے دونوں پردوں کے ساتھ ﴿إِلَّا أُمَّةً أُمَّا لَكُمْ﴾ مگر وہ بھی امتیں ہیں تمہارے جیسے ﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ﴾ ہم نے نہیں کسی کی کتاب کے بیان کرنے میں کسی شے کی ﴿ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ﴾ پھر اپنے

رب کی طرف ﴿يُحْشِرُونَ﴾ وہ جمع کیے جائیں گے ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا﴾ اور وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ﴿صُمٌّ﴾ وہ بہرے ہیں ﴿وَبُكْمٌ﴾ اور گونگے ہیں ﴿فِي الظُّلُمَاتِ﴾ اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں ﴿مَنْ يَشَاءُ اللَّهُ﴾ جس کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے ﴿يُضِلَّهُ﴾ گمراہ کر دیتا ہے ﴿وَمَنْ يَشَاءُ﴾ اور جس کو چاہتا ہے ﴿يَجْعَلْهُ﴾ ڈال دیتا ہے ﴿عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ سیدھی راہ پر۔

آیات کا شان نزول ؟

مشرکین مکہ کا ایک بہت بڑا وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جو کہ ان کے سرداروں اور بااثر افراد پر مشتمل تھا ان کو دیکھ کر اور بھی کافی لوگ جمع ہو گئے کہ سردارانِ قریش جمع ہوئے ہیں اس کی کیا وجہ ہے یہ کیا پوچھتے ہیں؟ اور وہ کیا جواب دیتے ہیں؟ مشرکین نے بہت سی باتیں کہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ کہنے لگے آپ کہتے ہیں میرا تعلق رب تعالیٰ کے ساتھ ہے اور میں اس کا پیغمبر ہوں اور قرآن بھی آپ کے اوپر نازل ہوتا ہے۔ لہذا اگر آپ صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دیں تو ہم مختلف قبیلوں کے سردار آپ کے پاس بیٹھے ہیں ہم سب آپ کا کلمہ پڑھ لیں گے اور جب ہم مسلمان ہو جائیں گے تو ہماری اولاد اور ہمارے نوکر چا کر بھی سارے مسلمان ہو جائیں گے۔

آنحضرت ﷺ کے دل میں طبعی طور پر یہ خیال آیا کہ رب تعالیٰ کے لیے تو یہ کام کوئی مشکل نہیں ہے۔ وہ چاہے تو دنیا کے تمام پہاڑوں کو سونا بنا دے۔ ہالیہ کو بنا دے، نانگا پر بت کو بنا دے، جو دی پہاڑ کو سونا بنا دے، وہ قادرِ مطلق ہے جو چاہے کر سکتا ہے۔ ان کا یہ مطالبہ پورا ہو جائے تو یہ بھی مسلمان ہو جائیں گے اور ان کی نسلیں بھی مومن ہوں گی اور اگر ان کا یہ مطالبہ پورا نہ ہوا تو یہ مزید ضد پر اتر آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ فرماشی معجزہ صادر کرنا منظور نہ کیا۔ وہ حکیم ہے، خبیر ہے، علیم ہے۔ وہ بہتر جانتا ہے۔ اس کے کاموں کی حکمتوں کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔ البتہ جن کو رب تعالیٰ نے تھوڑی بہت حکمت عطا فرمائی ہے وہ اپنی سمجھ کے مطابق بعض حکمتیں بیان فرماتے ہیں۔

ائمہ کی فہم و فراست ؟

چنانچہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے کافی بزرگ گزرے ہیں جن کی فہم و فراست ہم سے بہت زیادہ تھی۔ انہوں نے اور ان کے پیروکاروں نے مشرکین مکہ کے اس مطالبہ کو پورا نہ کرنے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کا مطالبہ پورا کر دیتے اور صفا کی چٹانیں سونے کی بن جائیں تو قریب والے لوگ جو وہاں موجود تھے یا اس کے آس پاس کے لوگ تو پیغمبر ﷺ کی صداقت سمجھتے مگر دور دراز کے لوگ یہ کہتے کہ لوگ جو قریب درجہ اس لیے مسلمان ہو رہے ہیں کہ اس کے پاس سونا ہے۔ تو پھر قرآن کریم کی خوبی واضح نہ ہوتی، اسلام کی حقانیت روشن نہ ہوتی اور آنحضرت ﷺ کے اخلاقی حسن کا

نتیجہ سامنے نہ آتا۔ اور سونے چاندی کے پیچھے تو دنیا دوڑ دوڑ کر جاتی ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھوکا بھی رکھا فاقے پر فاقے آئے آنحضرت ﷺ نے بھوک کی وجہ سے پیٹ پر دوپتھر باندھے۔ اگر آپ ﷺ کو پہننے کے لیے نیا جوتا نہیں ملا تو پرانی جوتی اپنے ہاتھ سے گانٹھ کر پہن لی۔ کیوں کہ اگر آپ کے پاس دولت کے ڈھیر ہوتے تو کہنے والے کہتے کہ بھائی دولت مند ہے اس لیے لوگ ناشتے کے وقت بھی پہنچتے ہیں اور روٹی کے وقت بھی پہنچ جاتے ہیں۔ اور دولت مندوں کو لوگ ضرورت کی وجہ سے سلام کرتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ مطالبہ پورا نہ فرمایا کہ صفا پہاڑی سونے کی بن جائے۔ اگرچہ آپ طبعی طور پر چاہتے تھے کہ یہ صنادید قریش (قریش کے سردار) مسلمان ہو جائیں تو اسلام کے لیے مزید دروازے کھل جائیں گے مگر رب تعالیٰ کی حکمتیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تنبیہ فرمائی اور فرمایا ﴿وَإِنْ كَانُكَرَّ عَلَيْكَ﴾ اور اگر بے شاق آپ پر ﴿إِعْرَاضُهُمْ﴾ ان لوگوں کا اعراض کرنا ﴿وَإِنْ اسْتَطَعْتَ﴾ پس اگر آپ طاقت رکھتے ہیں ﴿أَنْ تَبْتَغِيَ﴾ کہ تلاش کر لیں ﴿نَفَقَاتِي الْأَمْشِصِ﴾ سرنگ زمین میں ﴿أَوْ سُلَّتَابِ السَّنَةِ﴾ یا سیزھی آسمان میں ﴿فَمَا تَبْتَغُهُمْ بِأَيِّق﴾ پس لا کر دیں ان کو کوئی نشانی یعنی اگر آپ کے اختیار میں ہے تو ان کا مطالبہ پورا کر دے ہماری حکمت میں نہیں ہے۔

کیا انبیاء علیہم السلام محتار کل ہوتے ہیں؟

دیکھو! اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہم تو ان کا مطالبہ پورا کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں اگر آپ کے بس میں ہے تو ایسا کر لو۔ لیکن آج لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ پیغمبر محتار کل ہے۔ ساری کائنات کے اختیارات اس کے پاس ہیں۔ حاشا دکلا! کوئی ایسی بات نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے اختیارات کسی کے پاس نہیں ہیں۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنے اختیارات عطا کیے ہیں۔ پیغمبروں کے پاس اختیارات والہ عقیدہ عیسائیوں اور رافضیوں کا ہے۔ اور اسلام کے بالکل مد مقابل ہے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہے ﴿يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ﴾ تمام مخلوق کا خالق بھی وہی ہے اور سارے جہاں کے اختیارات صرف رب تعالیٰ کے پاس ہیں اگر اللہ تعالیٰ کے اختیارات کسی کے پاس ہوتے تو آنحضرت ﷺ کے پاس ہوتے۔

بالجبر کسی کو مسلمان کرنا حکمت الہی کے خلاف ہے

فرمایا ﴿وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے ﴿لَجَمَعْنَا عَلَى الْهَدْيِ﴾ البتہ جمع کر دے ان کو ہدایت پر۔ جبراً قہراً اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت دے کر مومن بنا سکتا ہے مگر ایسا کرنا اس کی حکمت کے خلاف ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں کو عقل دی ہے اور نیکی بدی کرنے کی طاقت بھی دی ہے اور نیکی بدی سمجھانے کے لیے پیغمبر بھیجے، کتابیں نازل فرمائیں، تعلیم دی۔ پھر ہر ذر میں حق کی آواز بلند کرنے والے کھڑے کیے، خیر و شر کا راستہ بتایا۔ اس کے بعد جو جس طرف جانا چاہے جائے اور اپنے کیے کے مطابق جزا و سزا پائے۔

ضابطہ خداوندی

اللہ تعالیٰ کا ضابطہ ہے ﴿تَوْتِبَهُ مَا تَوَلَّى﴾ [النساء: ۱۱۵؛ پارہ: ۵] ہم اسے ادھر ہی چلا دیں گے جس راستے پر وہ چلنا چاہے۔ یعنی اس راستے پر چلنے کی طاقت دیں گے ﴿فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاءَ اللَّهُ لُكُؤَهُمْ﴾ [صف: ۵؛ پارہ: ۲۸] پس جب انہوں نے کج بروی کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے۔ اور رب تعالیٰ کا یہ بھی قانون ہے ﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا فَاغْتَابُوا لَنَا لَعَنَّا لَهُمْ سَمَلَنَا﴾ [العنکبوت: ۶۹؛ پارہ: ۲۱] اور جو لوگ ہماری طرف آنے کی کوشش کرتے ہیں ہم انہیں اپنے راستے دکھا دیتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے بندوں کو اختیار دیا ہے ﴿فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ﴾ [الکہف: ۲۹]۔ جو اپنے ارادہ اور اختیار سے ایمان لانا چاہے ایمان لائے اور جو اپنے ارادہ اور اختیار سے کفر اختیار کرنا چاہے کفر اختیار کرے۔ ﴿وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ﴾ ہم نے دونوں راستے دکھا دیئے ہیں۔

اگر اللہ تعالیٰ جبراً سب کو مسلمان بنا دے تو پھر بندے کا اختیار تو نہ رہا۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ سب کو جبراً کافر بنا دے تو پھر اختیار تو ختم ہو گیا۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو اختیار دیا ہے بندہ جس طرح کی نیت کرے گا اللہ تعالیٰ اسی طرح کی طاقت عطا کر دیں گے۔ انسان جب تک اپنی حالت خود نہ بدلنا چاہے اللہ تعالیٰ نہیں بدلتے۔ سورہ رعد میں ہے ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ مَابَقُوهُرَ كَفَىٰ يُعْوَدُونَ مَأْوَئًا يُنْفِئُهُمْ﴾ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں۔ تو جبراً ہدایت دینے کا مطلب یہ ہوا کہ انسان، انسان نہ رہیں جن، جن نہ رہیں اور ان سے اختیار سلب کر لیا جائے۔

﴿فَلَا تَلْمُزْنَا مِنَ الْجَاهِلِينَ﴾ پس ہرگز نہ ہوں آپ نادانوں میں سے۔ ان مصالبات کی طرف توجہ ہی نہ دیں آپ منہ پر لکھتے ہو اور آپ منہ پر لکھتے ہیں کے ذریعے امت کو سمجھایا گیا ہے کہ ہرگز جاہلوں میں سے نہ ہو۔ ﴿إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ﴾ پختہ بات ہے قبول کرتے ہیں وہ لوگ جو سنتے ہیں۔ جو قبول کرنے کے لیے سنتے ہیں وہ سنتے ہیں اور محض سننے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے بارے میں فرمایا ہے ﴿صُغْمٌ﴾ بہرے ہیں ﴿بُكْمٌ﴾ گونگے ہیں ﴿عُمَىٰ﴾ اندھے ہیں۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ کافر بہرے، گونگے اور اندھے ہوتے ہیں بلکہ ﴿صُغْمٌ﴾ کا معنی ہے کہ ایسا سننا کہ جس کے بعد وہ قبول کریں حاصل نہیں ہے ﴿بُكْمٌ﴾ گونگے ہیں۔ حق بات کہنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ﴿عُمَىٰ﴾ اندھے ہیں یعنی حق کی نشانیاں نہیں دیکھتے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَالَّذِينَ يَتَّبِعُوكُم مِّنْ بَعْدِ إِذْ أَخَذْتُم مِّلَّةَ اللَّهِ تُفَرِّقُونَ بَيْنَ اللَّهِ وَآيَاتِهِ﴾ اور مردوں کو اللہ تعالیٰ اٹھائے گا ﴿لَكُمْ إِلَهُ يَزْعُمُونَ﴾ پھر اسی کی طرف وہ لوٹائے جائیں گے۔

ہر حال میں بعثت کا ہونا!

قیامت کا مسئلہ بھی حق ہے کہ مرنے کے بعد اٹھنا ہے اور رب تعالیٰ کے سامنے پیشی ہے اور جو جس حالت میں مرا ہے

درجہاں مرا ہے اور مرنے کے بعد چاہے دفن کیا گیا ہے یا جلا دیا گیا ہے یا جانور کھا گئے ہیں، مچھلیاں کھا گئیں ہیں جہاں بھی ہوگا اٹھے گا اور رب تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا۔ اور قرآن کریم میں قبور کا لفظ بھی آتا ہے ﴿وَإِنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ﴾ [الحج: ۷] اور بے شک اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو قبروں میں ہی اٹھائے گا۔ یہ اہل عرب کو سامنے رکھ کر فرمایا کیوں کہ قرآن پاک کے اول اور بالذات مخاطب اہل عرب ہیں پھر ساری کائنات ہے۔ اور عرب کے لوگ مردوں کو نہ جلاتے تھے اور نہ پانی میں پھینکتے تھے بلکہ دفن کرتے تھے۔ عیسائی اور یہودی بھی دفن کرتے تھے اور صابئین بھی دفن کرتے تھے۔ اور ان کی پیروی میں مجوسی جو آگ پرست تھے وہ بھی دفن کرتے تھے۔ اور ہندوستان میں ہندو اور سکھ وغیرہ مردوں کو جلاتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جن کو آگ میں جلا کر راکھ کر دیا گیا ہے وہ عذاب سے بچ جائیں گے۔ حاشا وکلا! ہرگز ایسا نہیں ہے عذاب و ثواب سب کو ہوگا۔

ایک گناہ گار مسلمان کا واقعہ

بخاری شریف اور مسلم شریف میں روایت ہے کہ پہلی امتوں میں سے کسی امت میں ایک آدمی بڑا گنہگار تھا۔ جس کے متعلق یہاں تک آتا ہے کہ مردوں کے کفن بھی چوری کر لیتا تھا مگر تھا اہل توحید اور اہل اسلام میں سے۔ جب موت قریب آئی تو اس نے اپنے بیٹوں کو جمع کیا اور کہا کئیف آباؤکم کہ تمہارا باپ کیسا ہے؟ بیٹوں نے کہا کہ ہمارے حق میں تو بہت اچھا ہے۔ باپ نے کہا کہ تم مجھے حلف دو کہ جو بات میں نے تم سے کرنی ہے کسی کو نہیں بتاؤ گے اور حلف دو کہ اس پر عمل بھی کرو گے۔ بیٹوں نے قسمیں اٹھائیں تو باپ نے کہا کہ جب میں مرجاؤں تو مجھے جلا دینا اور ہڈیوں کو پیس کر میری راکھ کچھ ہوا میں اڑا دینا اور کچھ سمندر میں بہا دینا۔ بیٹے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے کہ ہم کس طرح جلائیں گے؟ جب کہ یہاں جلانے کا رواج تو ہے نہیں اور باپ نے ہمیں قسموں کے ساتھ قابو کر لیا ہے۔

بہر حال جب وہ مرا تو بیٹوں نے اس کو جلا یا۔ لوگ اکٹھے ہوئے کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ بیٹوں نے کہا کہ ہمارے باپ نے وصیت کی تھی ہم نے اس پر عمل کیا ہے۔ آگ جب ٹھنڈی ہوئی تو انہوں نے ہڈیوں کو پیسا اور کچھ راکھ ہوا میں اڑا دی اور کچھ سمندر میں پھینک دی۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا کہ اس کے ایک ایک ذرے کو ضائع ہوئے بغیر جمع کر دے اور سمندر کو حکم دیا کہ اس کے ایک ایک ذرے کو ضائع کیے بغیر جمع کر دے۔ پروردگار نے اپنی قدرت کاملہ سے اچھا بھلا صحیح سالم بندہ بنا کر کھڑا کر دیا اور اس سے پوچھا کہ تو نے یہ کارروائی کیوں کی ہے؟ اس نے کہا تیرے ڈر سے اے پروردگار! کہ تو جانتا ہے کہ میں نے نیکی تو کوئی کی نہیں ہے اور ہوں میں بندہ اور بندوں والا کام میں نے کوئی کیا نہیں ہے۔ میں نے سوچا کہ رب تعالیٰ کے سامنے بندہ ہو کر نہ جاؤں بلکہ راکھ ہو کر جاؤں۔

زندگی بے بسندگی شرمندگی

تا کہ رب تعالیٰ کو مجھ پر رحم آجائے اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف کر دیا۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔

معززلہ اور عذابِ قبر

ایک ”معززلہ“ فرقہ ہے اور وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں انہوں نے یہ شوشہ چھوڑا ہے کہ جس کو مچھلیاں کھا گئیں اس کو کس طرح عذاب ہوتا ہے؟ اور جس کو جلادیا جائے اس کو کس طرح عذاب ہوتا ہے؟ جس کو پرندے کھا جائیں اس کو کس طرح عذاب ہوگا؟ تو ان شوشوں سے تو عذابِ قبر نہیں مل سکتا۔ معاملہ ہے رب تعالیٰ کے ساتھ اور وہ قادرِ مطلق ہے اس کے لیے کوئی کام مشکل نہیں ہے۔

﴿وَقَالُوا﴾ اور کہا ان لوگوں نے ﴿لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ﴾ کیوں نہیں اتاری گئی اس پر کوئی نشانی ﴿فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا﴾ اس کے رب کی طرف سے۔ ہم اکٹھے ہو کر آئے ہیں کہ رب تعالیٰ سے کہو صفا کو سونا بنا دے۔ اس طرح کی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی۔ مخالف کو تو صرف بہانہ چاہیے۔ ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ قادر ہے ﴿عَلَىٰ أَنْ يُنَزِّلَ آيَةً﴾ اس بات پر کہ اتار دے کوئی نشانی ﴿وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ اور لیکن اکثر ان میں سے نہیں جانتے کہ اگر ہم صفا کو سونا بنا دیں تو دور دراز کے لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہوں گے کہ اس لیے مسلمان ہو رہے ہیں کہ اس کے پاس سونا ہے۔ لہذا اس طرح کی حکمتیں رب تعالیٰ ہی جانتا ہے اور اگر تم رب تعالیٰ کی قدرتیں دیکھنا چاہتے ہو تو وہ اور بہت ہیں دیکھ لو۔

”ذَابَّةٌ“ کی تفسیر

چسپا نچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَا مِنْ ذَابَّةٍ﴾ اور نہیں کوئی چلنے والا جانور ﴿فِي الْأَرْضِ﴾ زمین میں۔ دونوں گوں والا ہو یا چار ٹانگوں والا یا اس سے زیادہ ٹانگوں والا۔ چسپا نچہ ایک جانور ہے اس کو اُزْبَعَةُ اُزْبَعُونَ کہتے ہیں۔ اس کی بانٹیں ٹانگیں ایک طرف ہوتی ہیں اور بانٹیں دوسری طرف ہوتی ہیں۔ اور ایک جانور کو فارسی زبان میں ہزار پائے کہتے ہیں۔ اس کی پانچ سونٹکیں ایک طرف ہوتی ہیں اور پانچ سونٹکیں دوسری طرف۔ اور ایسے بھی ہیں کہ جن کی ایک ٹانگ بھی نہیں ہے اور ٹانگوں والے سے تیز دوڑتے ہیں جیسے سانپ ہے۔ بلکہ علامہ طنطاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سانپ کی بعض ایسی قسمیں ہیں کہ بندوق کی گولی سے بھی تیز چلتے ہیں۔ لہذا رب تعالیٰ کی قدرت دیکھنا چاہو تو جانوروں کو زمین پر چلتے پھرتے دیکھ لو۔

﴿وَلَا تَلْمِزْهُنَّ بِمَا كَفَرْنَ﴾ اور نہ کوئی پرندہ جو اڑتا ہے اپنے دونوں پروں کے ساتھ۔ اڑنے والے پرندوں کو دیکھو ان کو کس نے اڑایا، کس نے ان کو پر عطا کیے، فضا کس نے بنائی اور ان پرندوں کو کیسی کیسی شکلیں اور صورتیں عطا فرمائیں۔ جو رب تعالیٰ یہ سب کچھ کر سکتا ہے وہ صفا کو سونا بھی بنا سکتا ہے۔ جو ماننا چاہے تو اس کے لیے بہت کچھ ہے اور نہ ماننے والے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔

فرمایا ﴿إِلَّا أَمْثَلَكُمْ﴾ مگر وہ بھی امتیں ہیں تمہارے جیسی۔ اپنا وجود بھی دیکھو اور ان کا وجود بھی دیکھو اور رب تعالیٰ کی قدرت پر غور و فکر کرو کہ جو رب یہ کر سکتا ہے وہ سب کچھ کر سکتا ہے یا نہیں کر سکتا؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَنْ عَمِلْ ظَنَانِي الْكِتَابِ﴾

من شیء ﴿﴾ ہم نے نہیں کسی کی کتاب کے بیان کرنے میں کسی شیئی کی۔ ہم نے اصولی طور پر کتاب میں تمام چیزیں بیان کر دی ہیں جزئیات نہیں۔ فرمایا ان کو یاد رکھنا چاہیے۔ ﴿ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ﴾ پھر اپنے رب کی طرف وہ جمع کیے جائیں گے ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِالْآيَاتِنَا﴾ اور وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ﴿صُمٌّ﴾ وہ بہرے ہیں۔ ایسا سننا ان کو حاصل نہیں ہے کہ سن کر مان لیں ﴿وَذُنُوبُهُمْ﴾ اور گونگے ہیں کہ ساری باتیں کرتے ہیں مگر حق بات کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ﴿فِي الْقُلُوبِ﴾ اندھروں میں جھنک رہے ہیں۔

ہدایت کا رجوع کرنے والے کو ملنا ہے

﴿مَنْ يُشَآءِ اللّٰهُ يُضِلِّهٖ﴾ جس کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے۔ اور گمراہ اسے کرتا ہے جو ہدایت کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ جب رب تعالیٰ نے نیکی بدی کی طاقت دی ہے پھر یہ نیکی اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ النار رب تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلاتا ہے اور ایمان کی بجائے کفر کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ تو پھر رب تعالیٰ اس کو ادھر ہی چلا دیتے ہیں۔

﴿وَمَنْ يَّشَآءِ يُجْعَلْهُ عَلٰٓى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ اور جس کو چاہتا ہے ڈال دیتا ہے سیدھی راہ پر۔ جو شخص ایمان کی طرف آتا ہے، قدم اٹھاتا ہے رب تعالیٰ اس کو صراط مستقیم پر چلا دیتے ہیں۔ کیوں کہ رب تعالیٰ نے نیکی بدی کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ جبراً اور قہراً رب تعالیٰ کسی سے نہ نیکی کراتا ہے اور نہ بدی۔ اگر اس طرح کرے تو پھر انسان، انسان نہیں، جن، جن نہیں بلکہ پتھر ہیں۔



﴿قُلْ اَنۡتُمْ تَدْعُوۡنَ اللّٰهَ عَذَابَ اللّٰهِ﴾ آپ کہہ دیں بتاؤ مجھے ﴿اِنْ اَنۡتُمْ﴾ اگر آجائے تمہارے پاس ﴿عَذَابَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کا عذاب ﴿اَوْ اَنۡتُمْ السَّاعَةَ﴾ یا آجائے تم پر قیامت ﴿اَعۡبُدُوۡا اللّٰهَ تَدْعُوۡنَ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو پکارو گے ﴿اِنْ كُنۡتُمْ صٰدِقِيۡنَ﴾ اگر ہو تم سچے ﴿بَلۡ اِنۡتُمۡ اِنۡتُمۡ تَدْعُوۡنَ﴾ بلکہ تم اسی کو پکارو گے ﴿فَيَكۡشِفُ مَا﴾ پس وہ دور کرے گا اس تکلیف کو ﴿تَدْعُوۡنَ اِلَيْهِ﴾ جس کی طرف تم اس کو پکارتے ہو ﴿اِنْ شَآءَ﴾ اگر وہ چاہے ﴿وَتَسۡوۡنَ﴾ اور تم بھول جاتے ہو ﴿مَا تَشۡرُكُوۡنَ﴾ جن کو تم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو ﴿وَلَقَدۡ اٰتٰنَا سُلۡتٰنًا﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے بھیجے رسول ﴿اِلٰی اٰمِیۡمٍ﴾ ان امتوں کی طرف ﴿مِنۡ قَبۡلِكَ﴾ جو آپ سے پہلے تھیں ﴿فَاَخَذۡنٰهُمۡ﴾ پس پکڑا ہم نے ان لوگوں کو ﴿بِالۡبَاسِ﴾ مالی پریشانی میں ﴿وَالۡصَّرَّآءَ﴾ اور بدنی پریشانی میں ﴿لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوۡنَ﴾ تاکہ وہ گڑگڑائیں اور عاجزی کریں ﴿فَلَوْلَا﴾ پس کیوں نہیں ہوا ﴿اِذۡ جَآءَهُمْ﴾ جب آیا ان کے پاس ﴿بِاسُنَا﴾ ہمارا عذاب ﴿تَضَرَّعُوۡا﴾ تو وہ گڑگڑاتے عاجزی کرتے ہوئے ﴿وَلٰكِنۡ قَسَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ﴾ اور لیکن ان کے دل سخت ہو گئے ﴿وَزَيۡنَ لَّهُمۡ الشَّيۡطٰنُ﴾ اور مزین کر دیا شیطان نے ان کے لیے ﴿مَا كَانُوۡا

يَعْمَلُونَ ﴿۱﴾ اس کارروائی کو جو وہ کرتے تھے ﴿فَلَمَّا نَسُوا﴾ پس جب انہوں نے بھلا دیا ﴿مَا ذُكِّرُوا بِهِ﴾ اس بات کو جس کی انہیں یاد دہانی کرائی گئی تھی ﴿فَتَحْنَأُ عَلَيْهِمْ﴾ پس کھول دیے ہم نے ان پر ﴿أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ﴾ ہر چیز کے دروازے ﴿حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا﴾ یہاں تک کہ جب وہ خوش ہو گئے ﴿بِمَا أَوْتُوا﴾ اس چیز کے ساتھ جو ان کو دی گئی تھی ﴿أَخَذُوا نَفْتًا﴾ تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا ﴿فَوَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ﴾ پس اچانک وہ ناامید ہو گئے ﴿فَقَطَّعُوا﴾ پس کاٹ دی گئی ﴿ذَابِرًا﴾ جز ﴿النَّوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا﴾ اس قوم کی جس نے ظلم کیا ﴿وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کی ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿أَرَأَيْتُمْ﴾ بتاؤ تم ﴿إِن أَخَذَ اللَّهُ سَمْعَكُمْ﴾ اگر لے لے اللہ تعالیٰ تمہارے کان ﴿وَأَبْصَارَكُمْ﴾ اور تمہاری آنکھیں ﴿وَوَخَّعَ عَلَيَّ قُلُوبَكُمْ﴾ اور مہر لگا دے تمہارے دلوں پر ﴿مَنْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ﴾ کون ہے معبود اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿يَأْتِيكُمْ بِهِ﴾ جو لائے تمہارے پاس اس چیز کو ﴿أَنْظُرْ﴾ دیکھ ﴿كَيْفَ نُصَرِّفُ الْأَلْبَابَ﴾ کس طرح پھیر پھیر کر ہم بیان کرتے ہیں آیتیں ﴿ثُمَّ هُمْ يَصْذُقُونَ﴾ پھر وہ اعراض کرتے ہیں۔

مذمت شرک اور اس کی اقسام

اللہ تعالیٰ کے ہاں شرک سے بڑا کوئی گناہ نہیں ہے اور شرک کی بہت سی قسمیں ہیں اور ان میں سے ایک قسم عامۃ الورد ہے یعنی جو عام پائی جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ آدمی جب کسی تکلیف اور مصیبت میں مبتلا ہو تو اللہ تعالیٰ کے سوا غیروں کو حاجت روا، مشکل کشا فریاد رس اور دستگیر سمجھ کر پکارے اور ان سے مرادیں مانگے۔

ایسے ہی لوگوں کو رب تعالیٰ خطاب کر کے فرماتے ہیں ﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ﴾ آپ کہہ دیں بتاؤ مجھے ﴿أَرَأَيْتُمْ﴾ اخیرونی کے معنی میں ہے کہ مجھے بتاؤ مجھے خبر دو میں تم سے پوچھتا ہوں ﴿إِن أَنْتُمْ﴾ اگر آجائے تمہارے پاس ﴿عَذَابُ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کا عذاب ﴿أَوْ أَتَتْكُمُ السَّاعَةُ﴾ یا آجائے تم پر قیامت کیا اس وقت بھی ﴿أَعْمِدَ اللَّهُ تَتَّعُونَ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو پکارو گے ﴿إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ اگر ہو تم سچے تو بتاؤ ﴿بَلْ إِيَّاهُ تَتَّعُونَ﴾ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم صرف اسی اللہ تعالیٰ کو ہی پکارو گے۔ ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو نہیں پکارو گے ﴿فَيَكْشِفُ مَا﴾ پس وہ دور کرے گا اس تکلیف کو ﴿كُنْتُمْ عُونَ إِلَيْهِ﴾ جس کے بارے میں تم اس کو پکارتے ہو ﴿إِنْ شَاءَ﴾ اگر وہ چاہے۔ کیوں کہ وہ مجبور نہیں ہے اگر اس کی مرضی ہوگی تو دور کرنے گا۔ ﴿وَتَتَّبِعُونَ﴾ اور تم بھول جاتے ہو ﴿مَا تَشْرَكُونَ﴾ جن کو تم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو۔ اس وقت نہلات یاد رہتا ہے، نہ منات، نہ عزی، نہ مہل نہ اور کوئی۔ تو جب اس مشکل گھڑی میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حاجت روا اور مشکل کشا نہیں ہے تو اب بھی کوئی نہیں ہے۔ یہ تو شرکوں کا رد تھا۔

اللہ رب العزت کا آپ ﷺ کو تسلی دینا

آگے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو تسلی دی ہے کہ اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو آپ پریشان نہ ہوں پہلی امتوں کی طرف بھی پیغمبر بھیجے گئے ان لوگوں نے بھی اسی طرح کیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے بھیجے رسول ﴿إِنِّي أُمِّي﴾ ان امتوں کی طرف ﴿مِّنْ نَّبِيِّكَ﴾ جو آپ سے پہلے تھیں۔ تمام امتیں پہلے گزری ہیں یہ تو آخری امت ہے۔

”بِأَنسَاءٍ، صَوَّرَ آءٌ“ علامہ اطہری رحمہ اللہ کی تحقیق

﴿فَأَخَذْنَا مِنْهُمُ﴾ پس پکڑا ہم نے ان لوگوں کو ﴿بِالْبِأْسَاءِ﴾ مالی پریشانی میں ﴿وَالصَّوْرَ آءِ﴾ اور بدنی پریشانی میں۔ علامہ اطہری رحمہ اللہ پرانے بزرگوں میں سے ہیں ان کی وفات سے سب سے پہلے ہوئی ہے۔ انہوں نے لغت پر کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے ”فقد اللغۃ“ اس میں وہ فرماتے ہیں کہ ”بأسا“ اس تکلیف کو کہتے ہیں جو انسان کے بدن سے باہر ہو، بیرونی طور پر پیش آئے۔ مثلاً: سیلاب آجائے یا دشمن کا خطرہ لاحق ہو جائے، قحط سالی ہو جائے یا مالی پریشانی ہو جائے یا اشیائے ضرورت مہنگی ہو جائیں وغیرہ۔ اور ”صوْرَ آءِ“ اس تکلیف کو کہتے ہیں جو بدن کے اندر ہوتی ہے۔ مختلف قسم کی بیماریاں جو جسم کے اندر ہوتی ہیں۔ تو رب تعالیٰ نے ان کو مالی پریشانیوں میں بھی مبتلا فرمایا اور بدنی تکلیفوں میں بھی ﴿لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾ تاکہ وہ گڑگڑائیں اور عاجزی کریں۔ انسان جب آسائش اور آرام میں ہوتا ہے تو رب تعالیٰ کو بہت کم یاد کرتا ہے اور جب پریشانی اور تکلیف میں ہوتا ہے تو رب تعالیٰ کو بہت زیادہ اور جلدی یاد کرتا ہے۔ بہادر شاہ ظفر مرحوم مظلوم (جس کا سر انگریزوں نے کاٹ کر تھالی میں رکھ کر بھنگلا ڈالا تھا) نے کیا خوب بات کی ہے:

ظفر اسے آدمی نہ جانے گا خواہ وہ ہو کیسا ہی فہم و ذکا

جسے عیش میں پاؤ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

آنحضرت ﷺ کا فرمان مبارک

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تکلیفوں میں تمہاری دعائیں قبول ہوں تو تم پر لازم ہے کہ راحت اور خوشی کے زمانے میں رب تعالیٰ کو نہ بھولو۔ اور یہاں ایسا ہوتا ہے کہ عام طور پر تو لوگ بھول چوک کر نماز پڑھ لیتے ہیں اور شادی کے موقع پر نماز بھی جاتی رہتی ہے۔ حالاں کہ خوشی کے موقع پر خدا کا زیادہ شکر ادا کرنا چاہیے کہ اے پروردگار! تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے یہ دن نصیب فرمایا ہے۔ لیکن ہم ناشکرے ہو گئے ہیں۔ اور ہماری عادت بن گئی ہے کہ ہمیں دولت نصیب ہو جائے تو برے اور غلط کاموں پر خرچ کرتے ہیں اچھے کاموں کے لیے کہو تو پیشانی پہ بل پڑ جاتے ہیں۔ آج سے تقریباً سات آٹھ سال پہلے کی بات ہے گوجرانوالا میں ایک مجلس میں ایک صاحب نے کہا کہ میں نے شادی کے موقع پر تین دن کا بل ساٹھ ہزار ادا کیا ہے۔ اندازہ لگاؤ

کہ لوگ ایسے موقعوں پر کتنا خرچ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ لَآ اِذْ جَاءَهُمْ﴾ پس کیوں نہیں ہوا جب آیا ان کے پاس ﴿ہَا سُنَّا﴾ ہمارا عذاب، ہماری گرفت ﴿قَسَتْ غَوَا﴾ تو وہ گڑبڑ اتے، عاجزی کرتے۔ انھوں نے کیوں نہ عاجزی کی ﴿وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوبُهُمْ﴾ اور لیکن ان کے دل سخت ہو گئے۔ اب تو حقیقت یہ ہے کہ ہمارے دل ان سے بھی زیادہ سخت ہو گئے ہیں۔ زلزلہ آتا ہے لوگ مرتے ہیں، سیلاب آتا ہے لوگ بہہ جاتے ہیں، سامان بہہ جاتا ہے اور کوئی آفت اور تکلیف آتی ہے تو کہتے ہیں ٹھیک ہے اور کوئی پرہیز نہیں کرتے، عبرت نہیں حاصل کرتے۔

نیک بخت کون؟

حدیث پاک میں آیا ہے کہ سَعِيدٌ مَنْ وَعِظَ لِعَيْرِهِ نیک بخت وہ ہے جو دوسرے کو دیکھ کر نصیحت حاصل کرے لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ بے شک طوفان آجائیں اَلَا نُنَّ كَمَا كَانُوا ہم ویسے ہی رہتے ہیں جیسے پہلے تھے۔ سب کچھ دیکھ کر بھی ہمارے اندر کوئی تبدیلی نہیں آتی۔

مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانوی رحمہ اللہ ہمارے بزرگوں میں سے تھے۔ پہلے منڈی بہاؤ الدین میں مسجد کے خطیب تھے پھر فیصل آباد تشریف لے گئے اور وہاں بھی خطابت کا فریضہ سرانجام دیتے رہے اور وہیں انتقال ہوا۔ اپنے مہاجر ساتھیوں کو دیکھا کہ جس طرح وہاں بے دین تھے یہاں بھی اسی طرح بے دین ہیں وہاں بھی حلال حرام کی تمیز نہیں کرتے تھے اور یہاں بھی نہیں کرتے۔ تو کہنے لگے۔

زمین بدلی، زماں بدلا، مکیں بدلے، مکاں بدلا

نہ تو بدلا، نہ میں بدلا پھر بدلا تو کیا بدلا

نہ تو ٹس سے مس ہوا اور نہ میں ٹس سے مس ہوا تو جگہ بدلنے سے کیا فرق پڑتا ہے؟ بہر حال قرآن کریم یہ تعلیم دیتا ہے کہ جہاں کہیں بھی کسی پر کوئی تکلیف آئے تو مسلمان اس سے عبرت حاصل کرے۔ رب تعالیٰ کی طرف سے جتنی بھی تکلیفیں آتی ہیں محض اس لیے آتی ہیں کہ انسان انسانیت میں رہے مولانا روم رحمہ اللہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

نفس ما کتر از فرعون نیست

ہمارا نفس بھی فرعون سے کم نہیں ہے۔ مگر اس کے پاس تو مال تھا، دولت تھی، حکومت تھی اور ہم ان چیزوں کے بغیر بھی فرعون بنے ہوئے ہیں۔

شیطان کا بڑے اعمال کو مزین کر کے پیش کرنا؟

فرمایا ﴿وَرَبَّنَّ لَتَمَنَّ الشَّيْطٰنُ﴾ اور مزین کر دیا شیطان نے ان کے لیے ﴿مَا كَانُوْا يَتَمَنَّوْنَ﴾ اس کا روائی کو جو وہ

کرتے تھے۔ اپنے بڑے کاموں کو اچھا سمجھتے تھے اور دن رات انہی میں صرف کرتے تھے اور اس پر راضی تھے۔ ﴿فَلَمَّا نَسُوا﴾ پس جب انہوں نے بھلا دیا ﴿صَادُّ كُرُواہِم﴾ اس بات کو جس کی انہیں یاد دہانی کرائی گئی تھی کہ ان کو مالی پریشانیوں میں مبتلا کیا بطور نصیحت کے اور بدنی پریشانیوں میں مبتلا کیا کہ ان کو کچھ ہوش آئے سمجھ جائیں لیکن انہوں نے اس سے عبرت حاصل نہ کی تو ہم نے تقدیر کا رخ بدلا۔

فراخی سب امتحان ﴿﴾

﴿فَتَحْنَأَعَلَيْہُمْ﴾ پس کھول دیے ہم نے ان پر ﴿أَبْوَابَ کُلِّ شَیْءٍ﴾ ہر چیز کے دروازے۔ مال اولاد وغیرہ ﴿بَعَثَی إِذَا فُرِحُوا﴾ یہاں تک کہ جب وہ خوش ہو گئے ﴿بِئْسَ أَوْتُوا﴾ اس چیز کے ساتھ جو ان کو دی تھی مال اولاد کثرت سے اور اقتدار اور سلطنت ﴿أَخَذْنَا نَفْتَهُ﴾ تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تنگی کے بعد فراخی ہو تو اس میں بھی رب تعالیٰ کی طرف سے امتحان ہے فراخی کو رب تعالیٰ کی رضائے سمجھو۔ اگر شکر ادا نہ کیا تو پھر پکڑ لیتا ہے ﴿فَإِذَا هُمْ مُبْتَلُونَ﴾ پس اچانک وہ ناامید ہو گئے۔ پھر اس وقت کہتے ہیں ﴿إِنَّا كُنَّا ظَالِمُونَ﴾ بے شک ہم ہی ظالم ہیں۔ لیکن جب رب تعالیٰ کی پکڑ میں آ گئے تو اب اپنے آپ کو ظالم کہنے کا کیا فائدہ؟ وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا﴾ پس کاٹ دی گئی جڑ اس قوم کی جس نے ظلم کیا۔ اگر درخت کی جڑ موجود ہو اور ہو بھی ہری تو امید ہوتی ہے کہ کسی وقت بھی یہ درخت ہرا ہو جائے گا اور جب جڑ ہی کاٹ دی جائے تو اب تو سلسلہ ہی ختم ہو گیا ﴿وَالْحَسْبُ لِلَّهِ تَابِ الْعَالَمِينَ﴾ اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کی ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

بعد از تباہی ”الحمد للہ“ کہنے کا مطلب ﴿﴾

دیکھو! قوم کی تباہی کے بعد فرمایا ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ﴾ تو تباہی کے بعد ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ﴾ کہنے کا کیا مطلب ہے؟ اس کو تم اس طرح سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے جتنے بھی اعضاء بنائے ہیں تمام کے تمام قیمتی ہیں خدا نخواستہ کوئی عضو ایسا بیمار اور فاسد ہو جائے کہ ڈاکٹر کہیں کہ اس کا شنا ضروری ہے اگر اس کو نہ کاٹا گیا تو دوسرے اعضاء کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے تو جب اس عضو کو کاٹ دیا جائے گا تو بیمار بھی کہے گا ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ﴾ عزیز رشتہ دار بھی ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ﴾ کہیں گے کہ باقی اعضاء محفوظ ہو گئے ہیں۔ اسی طرح ظالم اور فسادی لوگ پوری انسانیت کے دشمن ہوتے ہیں ان کا تباہ اور ختم ہونا ہی ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ﴾ ہے اگر ان کو ختم اور تباہ نہ کیا جائے تو یہ دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

زبان نبوت سے مشرکین کو خطاب ﴿﴾

آگے اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے مشرکوں کو فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿أَنۡتُمْ﴾ یہاں

﴿اَمْهَرِيْتُمْ﴾ ”اَخْبِرُوْنِي“ کے معنی میں ہے مجھے خبر دو مجھے بتاؤ ﴿اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ﴾ اگر لے لے اللہ تعالیٰ تمہارے کان۔ اس طرح کہ قوۃ سماعت چھین لے کانوں کے ہوتے ہوئے آدمی سن نہ سکے اور اس طرح بھی ہو سکتا ہے پیشانی کی طرح برابر کر دے۔ ﴿وَاَبْصَارَكُمْ﴾ اور تمہاری آنکھیں لے لے کہ بینائی چھین لے کیوں کہ ایسے لوگ موجود ہیں کہ آنکھیں صحیح ہیں مگر نظر کچھ نہیں آتا یا پیشانی کی طرح برابر کر دے۔ ﴿وَوَخَّيْتُمْ عَلٰی قُلُوْبِكُمْ﴾ اور مہر لگا دے تمہارے دلوں پر کہ دلوں سے بات سمجھنے کی صلاحیت ختم کر دے، پاگل بنا دے کہ تم بات سمجھ ہی نہ سکو، تمہاری بصیرت چھین لے ﴿مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ﴾ کون ہے معبود اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿يَا تَتَّبِعُوْهُ﴾ جو لائے تمہارے پاس اس چیز کو کہ کان لا کر تمہیں دے آنکھیں لا کر تمہیں دے، دل لا کر تمہیں دے۔

مومن نما مشرکین کا حال ہے

مگر معاف رکھنا! آج کل کے مشرکوں نے تو کوئی کسرباقی نہیں چھوڑی۔ ایک کتاب ہے ”مداح اعلیٰ حضرت“ یہ احمد رضا خان بریلوی کے ایک شیدائی نے لکھی ہے اس میں وہ کہتا ہے

دل میرا ایمان میرا ، آنکھیں میری
جو ملا تجھ سے ملا احمد رضا
کون کہتا ہے مجھے کس نے دیا
جو دیا تو نے دیا احمد رضا

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ دیکھو! قرآن کریم کے ساتھ کتنی واضح نکر ہے، غلو کی بھی کوئی حد ہوتی ہے اگر یہ بھی شرک نہیں ہے تو پھر یقین جانو! ابو جہل بھی مشرک نہیں تھا۔ کہتا ہے

تجھے میں تو مشکل کشا ہی کہوں گا
میری تجھ سے مشکل کشائی ہوئی

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ کتنا غلو ہے۔ یہ تو مرید ہے اب پیر کی سنو

احد سے احمد ، احمد سے تجھ کو
سب کن مکن حاصل ہے یا غوث

اللہ تعالیٰ نے تمام خدائی اختیارات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر دیے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کن اور مکن کے بارے اختیارات شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کو عطا کر دیے ہیں۔ اس لیے گیارہویں نہیں چھوڑتے۔ پھر کہتا ہے

ذی تصرف بھی ہے، مختار بھی، مازون بھی ہے
کار عالم کا مدبر بھی ہے عبدالقادر

سورج نہیں نکلتے جب شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو سلام نہ کرے۔ ایسے شخص کو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور اکابر اولیاء سے زیادہ مقام دیتے ہیں اور یہ اس کی اپنی کتابیں ہیں جن کے میں نے حوالے دیئے ہیں اور میرے پاس موجود ہیں ”حدائق بخشش“ وغیرہ۔ مگر تم کسی سے جھگڑانہ کرنا۔ جھگڑے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور تشدد سے مسائل حل نہیں ہوتے۔
صدام کی ضد اور نادانی کی وجہ سے تیس سے زیادہ حکومتیں اس کو ختم کرنے کے درپے ہوئیں مگر اس کو ختم نہ کر سکیں وہ اگر کویت پر حملہ نہ کرتا تو ساری دنیا کے مسلمان اس کے ساتھ تھے۔ معلوم ہوا کہ تشدد سے معاملات حل نہیں ہوتے۔ لہذا کسی سے جھگڑا نہیں کرنا اور عقیدہ قرآن اور حدیث کے مطابق بنانا ہے اور عقیدے میں کسی قسم کی نرمی نہیں کرنی۔

﴿ اَنْظُرْ ﴾ دیکھ ﴿ كَيْفَ نُصَوِّفُ الْاٰلِيَّتِ ﴾ کس طرح پھیر پھیر کر ہم بیان کرتے ہیں آیتیں۔ عقلی دلیلیں، نقلی دلیلیں، آفاق کے دلائل، نفس کے دلائل ﴿ ثُمَّ هُمْ يَصْطَفُونَ ﴾ پھر وہ اعراض کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شرک سے بچائے اور محفوظ رکھے۔



﴿ قُلْ اَسْأَلُكُمْ ﴾ آپ کہہ دیں مجھے بتاؤ ﴿ اِنْ اَسْأَلْتُمْ ﴾ اگر آئے تمہارے پاس ﴿ عَذَابُ اللّٰهِ بَعْثَةٌ ﴾ اللہ تعالیٰ کا عذاب اچانک ﴿ اَوْ جَهْرَةً ﴾ یا کھلے طور پر ﴿ هَلْ يُهْلِكُ ﴾ نہیں ہلاک کی جائے گی ﴿ اِلَّا الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ مگر وہ قوم جو ظالم ہے ﴿ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ اور نہیں بھیجتے ہم رسولوں کو ﴿ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ ﴾ مگر خوش خبری سنانے والے ﴿ وَمُنذِرِيْنَ ﴾ اور ڈرانے والے ﴿ فَمَنْ اٰمَنَ ﴾ پس جو شخص ایمان لایا ﴿ وَاصْلَحَ ﴾ اور اس نے اصلاح کر لی ﴿ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ ﴾ پس نہ خوف ہوگا ان پر ﴿ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ اور وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا ﴿ پَالِيْتَنَا ﴾ ہماری آیتوں کو ﴿ يَسْتَهْمُّ الْعَذَابَ ﴾ پہنچے گا ان کو عذاب ﴿ پَنَا كَاثِرًا وَيَفْسُقُوْنَ ﴾ اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے ﴿ قُلْ لَا اَقُوْلُ لَكُمْ ﴾ آپ کہہ دیں میں نہیں کہتا تمہیں ﴿ عِنْدِيْ خَزَاۓِنُ اللّٰهِ ﴾ کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں ﴿ وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ ﴾ اور میں نہیں جانتا غیب ﴿ وَلَا اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ﴾ اور میں نہیں کہتا تمہیں کہ میں فرشتہ ہوں ﴿ اِنْ اَتَيْتُمْ ﴾ میں نہیں پیروی کرتا ﴿ اِلَّا مَا يُوْتٰى اِنِّيْ ﴾ مگر اس چیز کی جو میری طرف وحی کی جاتی ہے ﴿ قُلْ ﴾ آپ کہہ دیں ﴿ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴾ کیا برابر ہے اندھا اور دیکھنے والا ﴿ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴾ کیا تم غور و فکر نہیں کرتے۔

ربط

اس سے پہلے سبق میں تم نے پڑھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ قُلْ ﴾ آپ کہہ دیں ﴿ اَسْأَلُكُمْ ﴾ بتاؤ تم ﴿ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَعْيَكُمْ ﴾ اگر لے لے اللہ تعالیٰ تمہارے کان ﴿ وَابْصَارَكُمْ ﴾ اور تمہاری آنکھیں اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو اللہ تعالیٰ

کے بغیر کون اللہ ہے جو تمہیں یہ چیزیں لا کر دے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں واپس لے لے تو اس کے بغیر کوئی تمہیں دے نہیں سکتا اور اب عذاب کا ذکر ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ عذاب نازل فرمائے تو اس کو بھی کوئی نہیں روک سکتا اور تمہیں رب تعالیٰ کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿قُلْ أَمْرًا يُبَيِّنُ لَكُمْ﴾ آپ کہہ دیں مجھے بتاؤ ﴿إِنْ أَنتُمْ كٰفِرُونَ﴾ اگر آئے تمہارے پاس ﴿عَذَابُ اللَّهِ﴾ بَعَثْنَا ﴿اللَّهُ تَعَالَى كَا عَذَابِ اِجَابَتِكَ﴾ کہ کوئی نشانی ظاہر نہ ہو دفعۃً آئے ﴿اَوْ جَهَنَّمَ﴾ یا کھلے طور پر کہ پہلے کوئی معمولی سی عذاب کی نشانی ظاہر ہو پھر بڑھتے بڑھتے آہستہ آہستہ بڑا عذاب آجائے۔

پنجمیوں کا عذاب کی صورت میں محفوظ رہنا

یاد رکھنا! جب اللہ تعالیٰ کے پنجمیوں کی موجودگی میں عذاب آئے تو صرف مجرم قوم تباہ ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کا پنجمیوں اور اس کے ساتھی محفوظ رہتے ہیں۔ جیسا کہ ہود علیہ السلام کی قوم پر اللہ تعالیٰ نے سات دن ہوا چلائی باقی قوم تباہ ہو گئی ہود علیہ السلام اور ان کے ساتھی محفوظ رہے۔ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم پر عذاب آیا صَيْحَةً کے لفظ بھی آئے ہیں اور رَجْفَةً کے لفظ بھی آئے ہیں۔ ان پر زلزلہ آیا مجرموں کے کیجے پھٹ گئے حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے ساتھی بالکل ٹھیک رہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر رب تعالیٰ نے پتھر برسائے اور لوط علیہ السلام اور ان کی بیٹیوں کو محفوظ رکھا۔ تو پنجمیوں کی موجودگی میں جب عذاب آتا ہے تو صرف مجرم تباہ ہوتے ہیں۔ پنجمیوں اور ان کے ساتھی محفوظ رہتے ہیں۔

پنجمیوں کی عدم موجودگی میں سب پر عذاب کا نازل ہونا

پنجمیوں کی عدم موجودگی میں جو عذاب آتا ہے تو اس سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ کیوں کہ پنجمیوں تو موجود نہیں ہے کہ اس کے وجود مسعود کی برکت سے مومن پر ہی زگار نچ جائیں اور خصوصاً جب سارے ہی گناہوں میں مبتلا ہوں۔ جیسے: ہمارا زمانہ ہے کہ ہم سارے ہی گنہگار ہیں جو اپنے آپ کو گنہگار نہیں سمجھتا وہ غلطی پر ہے۔ یہ ہماری نادانی ہے کہ ہمیں جب کوئی تکلیف آتی ہے تو کہتے ہیں۔ ”رب جانے کس گناہ کی وجہ سے ہے“ ایسے معصومانہ انداز میں گفتگو کرتے ہیں کہ جیسے ہم واقعہ ہی معصوم ہیں، لہذا گناہگار ہیں، نمازیں ہماری رہ گئی ہیں، روزے ہمارے چھوٹ گئے ہیں، جھوٹ ہم بولتے ہیں، غیبت ہم کرتے ہیں، حلال و حرام کی تمیز ہم نہیں کرتے، شکلیں ہماری مسلمانوں والی نہیں ہیں، وضع قطع ہماری اسلام کے مطابق نہیں ہے۔

تو جب ایسے لوگوں پر عذاب آتا ہے تو سب پر آتا ہے۔ ماشا کوئی نہیں بچ سکتا۔ زلزلہ آئے گا تو سارے دین گئے، سیلاب آئے گا تو سارے نہیں گئے، نیک بد کی تمیز نہیں ہوگی، پتھر برسے تو سب تباہ ہوں گے۔ البتہ قیامت والے دن اپنی اپنی نسبت کے مطابق اٹھائے جائیں گے۔

شاہِ حبشہ کا خانہ کعبہ کو گرانے کے لیے لشکر کشی کرنا

بخاری شریف میں حدیث آتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ حبشہ کے بادشاہ کی سربراہی میں جس کا قد چھوٹا اور ہاتھیں میڑھی ہوں گی ایک لشکر آئے گا کعبۃ اللہ کو گرانے کے لیے جب یہ لشکر بیدار کے مقام پر پہنچے گا جو مکہ مکرمہ سے باہر ایک میدان ہے تو اللہ تعالیٰ اس لشکر کو زمین میں دھنسا دے گا۔ اس میں کچھ لوگ بچ کر کعبۃ اللہ میں پہنچ جائیں گے گرانے کے لیے وہ جب کعبۃ اللہ کو گرانے شروع کریں گے تو اللہ تعالیٰ اسرائیل علیہ السلام کو حکم دیں گے کہ صور پھونک دو اور قیامت برپا ہو جائے گی۔

معلوم ہوا کہ جب تک کعبۃ اللہ موجود ہے دنیا قائم ہے اور جب کعبۃ اللہ نہیں رہے گا دنیا بھی نہیں رہے گی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا کہ حضرت! وہ سارے زمین میں دھنسا دیئے جائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! کہنے لگیں حضرت! ان میں وہ بھی تو ہوں گے کہ جن کو وہ ظالم جبرائے ہوں گے اور ان کی نیت کعبۃ اللہ کو گرانے اور اس کی توہین کرنا نہیں ہوگی؟ فرمایا ان کو بھی زمین میں دھنسا دیا جائے گا مگر قیامت والے دن اپنی اپنی نیت کے مطابق اٹھائے جائیں گے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَا تَدْرِكُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَسْتَكْمُوا لَهُمْ﴾ [ہود: ۱۱۳؛ پارہ: ۲] ”ظالموں کے پاس نہ رہو اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تو تم بھی نہیں بچ سکو گے۔“ فرمایا ﴿هَلْ يَنْظُرُونَ﴾ نہیں ہلاک کی جائے گی ﴿إِلَّا الْقَوْمُ الظَّالِمُونَ﴾ مگر وہ قوم جو ظالم ہے ﴿وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ﴾ اور نہیں بھیجتے ہم رسولوں کو ﴿إِلَّا مُبَشِّرِينَ﴾ مگر خوش خبری سنانے والے کہ ایمان لاؤ گے تو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جائے گی قبر کے عذاب سے بچ جاؤ گے میدانِ محشر میں کامیابی ہوگی، پل صراط سے آسانی کے ساتھ گزر جاؤ گے اور جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ ﴿وَمُنذِرِينَ﴾ اور ڈرانے والے کہ اگر تم ایمان نہیں لاؤ گے اور اچھے اعمال نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا۔ دنیا میں بھی عذاب آئے گا اور قبر میں بھی عذاب ہوگا۔ میدانِ محشر میں ناکام ہو گے اور پل صراط سے گزرتے ہوئے گر کر جہنم میں جاؤ گے اور ہمیشہ دوزخ میں رہو گے۔

ہدایت کا صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہونا

اللہ تعالیٰ ناراض ہوں تو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ [قصص: ۵۶؛ پارہ: ۲۰] ”اے نبی کریم (ﷺ) بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے اس کو جس کے ساتھ آپ محبت کرتے ہیں اور لیکن اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔“

پیغمبروں کا کام ہے ڈرانا اور خوشخبری دینا ﴿فَمَنْ آمَنَ﴾ پس جو شخص ایمان لایا ﴿وَأَصْلَحَ﴾ اور اس نے اصلاح کر لی۔ عمل کے ساتھ محض ایمان نہیں تم جہاں بھی پڑھو گے ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ کا ذکر ضرور ہوگا۔

”خوف“ اور ”حزن“ میں فرق

﴿فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ﴾ پس نہ خوف ہوگا ان پر ﴿وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ خوف کا تعلق آئندہ کے

ساتھ ہوتا ہے کہ جب وہ جنت میں جائیں گے تو انہیں کوئی خوف نہیں ہوگا کہ ہم مرجائیں گے یا بیمار ہوں گے یا جنت سے نکالے جائیں گے۔ اور حزن اور غم ہوتا ہے گزشتہ چیز پر۔ تو جنت میں داخل ہونے کے بعد یہ غم نہیں ہوگا کہ کاش! کہ ہم ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے کیوں کہ یہ تو وہ تمام کر کے آئے ہوں گے تو وہ اپنے کیے پر مطمئن ہوں گے ﴿وَالَّذِينَ كَذَّبُوا﴾ اور وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا ﴿بِآيَاتِنَا﴾ ہماری آیتوں کو ﴿يَسْتَهْمُ الْعَذَابُ﴾ پہنچے گا ان کو عذاب، قبر میں بھی اور دوزخ میں بھی ﴿بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ﴾ اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔ تمہیں یاد ہوگا کہ پرسوں کے سبق میں بیان ہوا تھا کہ مشرکوں کا ایک وفد آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اگر صفا کی پہاڑی سونا بن جائے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف تھا۔

دنیا کے ہوتے ہوئے بھی فقر و فاقہ کو ترجیح دینا

لہذا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے اعلان کروایا فرمایا ﴿قُلْ لَآ اَقُولُ لَكُمْ﴾ آپ کہہ دیں میں نہیں کہتا تمہیں ﴿عِنْدِي خَزَائِنُ اللّٰهِ﴾ کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں، میں خزانوں کا مالک ہوں آپ ﷺ نے تو بھوک کی وجہ سے پیٹ پر ہتھ باندھے ہیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ دودو، تین تین مہینے آپ ﷺ کے چولہے میں آگ نہیں جلتی تھی۔ آپ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ جب کوئی مہمان آتا تو ساتھیوں سے پوچھتے کہ اس کی خدمت کون کرے گا؟ جو ذمہ لیتا وہ مہمان کو ساتھ لے جاتا۔

آپ ﷺ کے مہمان کا عجیب واقعہ

چنانچہ ایک دفعہ ایک مہمان آیا آپ ﷺ نے عادت مبارک کے مطابق پوچھا کہ مہمان کی خدمت کون کرے گا مگر مہمان بول پڑا اور کہنے لگا کہ حضرت! میں آپ کا مہمان ہوں۔ آپ ﷺ نے اپنے خادم کو بلا کر فرمایا کہ جاؤ عانثہ کے پاس ان سے جا کر کہو کہ گھر میں جو چیز کھانے کی ہے بھیج دو۔ انہوں نے جواب دیا کہ گھر نہ آتا ہے، نہ دانے ہیں، نہ کھجوریں ہیں، نہ دودھ ہے، کوئی چیز کھانے کی گھر میں نہیں ہے۔ آپ ﷺ کی بہ یک وقت نوبیویاں اور دونڈیاں تھیں۔ تمام حجروں سے پتہ کرایا مگر کسی بیوی کے حجرے سے ایک مہمان کا کھانا نہ مل سکا۔ نمازی بیٹھے تھے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تمام گھروں سے دریافت کیا ہے۔ میرے کسی گھر سے ایک مہمان کا کھانا نہیں مل سکا آپ حضرات میں سے کوئی ہے جو یہ قربانی دے اور میرے مہمان کو کھانا کھلا دے۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت! میں حاضر ہوں۔ سو چو بھئی! کہ جو دنیا کے خزانوں کے مالک ہوں دوسروں کو کہتے ہیں کہ میرے مہمان کو کھانا کھلا دو۔

ایک سائل کا آپ ﷺ کے ساتھ عجیب سلوک

ایک موقع پر ایک شخص نے آپ ﷺ سے سوال کیا آپ ﷺ کے پاس جو کچھ تھا آپ ﷺ نے اس کو دے دیا کچھ وقفے کے بعد پھر وہ آیا اس وقت بھی جو آپ کے پاس تھا اس کو دے دیا کچھ وقفے کے بعد پھر وہ آیا اس وقت آپ ﷺ کے پاس کچھ نہیں تھا فرمایا کہ آج میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ تھوڑے جذباتی کہنے لگا میرے واسطے تمہارے پاس کچھ نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ((يَغْضِبُ عَلَيْنَا عَلَىٰ مَا لَا أَحَدٌ مَّا أَعْطَيْنَاهُ)) اللہ تعالیٰ کا بندہ اس لیے غصہ کرتا ہے کہ میرے پاس دینے کے لیے شے کوئی نہیں ہے۔ کیا خزانوں کے مالک کے پاس ایک سائل کو دینے کے لیے کچھ نہیں ہوتا؟ خزانوں کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

علام الغیوب صرف اور صرف ذات باری تعالیٰ کا ہونا

اور دوسرا اعلان کرنا ہے کہ ﴿ذٰلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبِ﴾ اور میں نہیں جانتا غیب اس آیت کریمہ میں صراحت کے ساتھ آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ میں غیب نہیں جانتا البتہ آپ ﷺ نے غیب کی خبریں بتائی ہیں جس طرح کہ پارہ ۱۲ سورہ ہود میں آتا ہے ﴿تِلْكَ مِنْۢ اَنْبِآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَاۤ اِلَيْكَ﴾ ”یہ غیب کی خبروں میں سے ہیں جو ہم آپ ﷺ کی طرف بھیجتے ہیں۔“ ایک مقام میں آتا ہے ﴿ذٰلِكَ مِنْۢ اَنْبِآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِۤ اِلَيْكَ﴾ [آل عمران: ۴۳] ”یہ غیب کی خبروں میں سے ہے اس کو ہم آپ ﷺ کی طرف وحی کرتے ہیں۔“ تو ﴿اَنْبِآءِ الْغَيْبِ﴾ کا معنی ہے غیب کی خبریں۔ تو غیب اور چیز ہے اور غیب کی خبریں اور چیز ہے۔

اخبار و قصص کا آپ ﷺ کو بتایا جانا

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو غیب کی خبریں بتائی ہیں کہ مثلاً: پہلے پیغمبر اس طرح آئے انھوں نے اس طرح وعظ کیا اور قوموں کو سمجھایا۔ جب قوموں نے نہ مانا تو وہ اس طرح تباہ ہوئیں اور لوگوں کے ساتھ کیا کیا حالات پیش آئے۔ اسی طرح قیامت تک کی موٹی موٹی خبریں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بتائیں۔ مثلاً: یہ کہ دجال ظاہر ہوگا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے اور یاجوج اور ماجوج کی قوم ظاہر ہوگی اسی طرح آپ ﷺ نے یہ بھی بتایا کہ قبر میں یہ کچھ ہوگا اور میدان محشر میں یہ، یہ حالات پیش آئیں گے، جنت میں یہ ہوگا اور دوزخ میں یہ ہوگا۔ اجمالی طور پر آپ ﷺ نے ان حالات سے آگاہ فرمایا ہے۔ یہ تمام غیب کی خبریں ہیں اور غیب کی خبریں جتنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتائی ہیں وہ کسی اور پیغمبر کو نہیں بتلائیں۔

علم غیب کا معنی

اور ایک ہے علم غیب، علم غیب تو ایک ذرہ بھی کسی کے پاس نہیں ہے۔ علم غیب خاصہ خداوندی ہے۔ وہ کسی نبی ولی کو

حاصل نہیں ہے۔

تبلیغ دین کے لیے جانے والے وفد کا قصہ

چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے۔ روایت ہے بخاری شریف کی کہ آپ ﷺ کے پاس مختلف قبیلوں کے لوگ آئے کہ آپ ﷺ اپنے ساتھی ہمارے ساتھ بھیجیں تاکہ وہ ہمیں دین کی تعلیم دیں مگر وہ آنے والے لوگ مکار تھے۔ پہلے تو ان کی بولیاں اور تھیں مگر جب وہ اپنے علاقے کے قریب پہنچے تو ان کی بولیاں بدل گئیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی شک گزرا کہ پہلے تو ان کا مزاج اور تھا اور اب انداز گفتگو بدل گیا ہے۔ ان میں ایک لنگڑے صحابی تھے حضرت کعب بن یزید رضی اللہ عنہ اگرچہ وہ بھاگ تو نہیں سکتے تھے مگر وہ کہیں چھپ گئے اور باقی انہتر آدمیوں کو انھوں نے شہید کر دیا۔ شہادت سے پہلے ان حضرات نے دعا کی:

اللَّهُمَّ اخْبِرْ عَنَّا نَبِيَّكَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ اے اللہ! ہماری اس مظلومیت کی خبر اپنے نبی ﷺ کو پہنچا دے کہ ہمارے ساتھ دھوکہ ہوا ہے۔ فَجَاءَ جَبْرَائِيلُ فَأَخْبَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ پس حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور انھوں نے آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی کہ تمہارے ساتھی دھوکے کے ساتھ شہید کر دیے گئے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ ایک ماہ تک پریشان رہے۔ اگر آپ ﷺ کو علم ہوتا تو اپنے ساتھیوں کو ان کے ساتھ کبھی نہ بھیجتے۔

کھانے کا آپ ﷺ کے ساتھ کلام کرنا

اور سنیے! ہجرت کے ساتویں سال خیبر فتح ہوا تو یہودیوں نے سازش کی کہ آپ ﷺ کی دعوت کی جائے اور کھانے میں زہر ڈال کر ان کا کام تمام کر دیا جائے تاکہ ہماری جان چھوٹ جائے۔ چنانچہ زینب بنت الحارث نامی ایک یہودی عورت نے آنحضرت ﷺ کی دعوت کی اور بکری کے گوشت میں زہر ملا دیا۔ پہلا لقمہ کھانے کے بعد آپ ﷺ کو معلوم ہوا (بلکہ گوشت کے ٹکڑے نے بول کر کہا کہ حضرت! مجھ میں زہر ہے مت کھائیے)۔ [ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۲۶۳، مشکوٰۃ شریف ج ۲ ص ۵۳۲] کہ اس میں زہر ہے۔ اور اگرچہ بھلا اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے حق میں اس کا ناپاک ارادہ پورا نہ ہو سکا لیکن آپ ﷺ کے ایک صحابی حضرت بشر بن براء بن معرور جان بر نہ ہو سکے۔ [ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۲۶۳، مستدرک ج ۳ ص ۲۱۹]

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے پاس علم غیب نہ تھا۔ ورنہ آپ ﷺ ایک صحابی کو بھی نہ مرنے دیتے۔ لہذا بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ دو چیزیں الگ الگ ہیں۔ ایک ہے علم غیب۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اور ایک ہے غیب کی خبریں۔ وہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو دی ہیں۔

اور فرمایا یہ اعلان بھی کرتا ہے ﴿وَلَا أَقُولُ لَنْمِ ابْنِ مَلِكٍ﴾ اور میں نہیں کہتا تمہیں کہ میں فرشتہ ہوں میں آدم علیہ السلام کی اولاد ہوں۔ اور چند ہوں پارے میں ہے ﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ﴾ اے پیغمبر! آپ اعلان کر دیں میرا پروردگار پاک ہے ﴿قُلْ كَلِمَاتٌ لَا يَسْمَعُهَا سَوَآءٌ﴾ [ابن اسرئیل: ۹۳] نہیں ہوں میں مگر بشر رسول۔ اور سورہ کہف میں ہے ﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾

”آپ ﷺ کہہ دیں پختہ بات ہے میں تمہارے جیسا انسان ہوں۔“ یہ قرآن کریم تمہارے سامنے ہے۔ خود فیصلہ کر لو کہ آپ انسان تھے یا ملک نوری تھے۔

”آپ ﷺ کا سایہ مبارکہ“ دلائل کی روشنی میں

مگر وہ فرتے بھی موجود ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں آپ ﷺ کو بشر نہ کہو کیوں کہ آپ ﷺ نور ہیں۔ اور دلیل دیتے ہیں کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ ﷺ کا سایہ نہ تھا۔ یہ بات ان کی بالکل غلط ہے۔ میں نے اپنی کتاب تنقید متین میں صحیح روایت کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ آپ ﷺ کا سایہ تھا۔ اس کتاب کا مطالعہ کر لینا۔ اور جو روایت یہ لوگ پیش کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کا سایہ نہ تھا اس روایت میں ایک راوی ہے عبدالرحمن بن قیس زعفرانی یہ راوی رافضی تھا اس کے متعلق محدثین کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کَذَّابٌ خَبِيثٌ يَضَعُ الْحَدِيثَ عَلَى رُءُوسِ النَّاسِ اور ضعیف اور خبیث راوی تھا جعلی حدیثیں بناتا تھا۔ تو یہ کذاب اور خبیث راوی کی حدیث ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں صحیح روایات میں موجود ہے کہ آپ ﷺ کا سایہ تھا۔

دنیا میں آپ ﷺ کو جنت و دوزخ کا نظارہ ہونا

چنانچہ ایک روایت میں ہے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”آنحضرت ﷺ ایک رات نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک آپ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا پھر پیچھے ہٹا لیا۔ پس ہم نے کہا یا رسول اللہ! ہم نے آپ کو اس نماز میں ایسی کارروائی کرتے دیکھا ہے جو آپ ﷺ نے اس سے قبل نہیں کی۔ فرمایا ہاں! مجھ پر بلاشبہ جنت پیش کی گئی تو میں نے اس میں اونچے درخت دیکھے جن کے گچھے نیچے کو جھکے ہوئے تھے تو میں نے ارادہ کیا کہ ان سے کچھ لے لوں۔ پس میری طرف وحی آئی کہ پیچھے ہٹ جا سو میں پیچھے ہٹ گیا۔ اور مجھ پر دوزخ پیش کی گئی اور میرے اور تمہارے درمیان تھی یہاں تک کہ اس آگ کی روشنی میں زَايِتٌ ظَلِيٌّ وَ ظَلَلْتُكُمْ میں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا۔ پس میں نے تمہیں اشارہ کیا کہ پیچھے ہٹ جاؤ سو میری طرف وحی آئی کہ ان کو ان کی جگہ نکارہنے دے۔ کیوں کہ تو نے اسلام قبول کیا اور انہوں نے بھی، تو نے بھی ہجرت کی اور انہوں نے بھی، تو نے بھی جہاد کیا اور انہوں نے بھی، پس میں تیری ان پر بجز ہوت کے اور کوئی فضیلت نہیں دیکھتا۔ پس میں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ میری امت میرے بعد فتنوں میں مبتلا ہوگی۔“ [مسند رک حاکم: ج ۳، ص ۳۵۶]۔ اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کا سایہ تھا جس طرح کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سایہ تھا آپ ﷺ کو بشر تھے۔

لوازمات بشریہ کا آپ ﷺ کے بشر ہونے پر دلالت کرنا

اور تمام لوازمات بشریہ آپ کے ساتھ تھے۔ آپ ﷺ کو بھوک پیاس بھی لگتی تھی گرمی سردی بھی لگتی تھی بیمار اور

تندرست بھی ہوتے تھے۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ کھڑے ہو کر پیشاب کیا کیونکہ آپ ﷺ کی کمر اور گھٹنوں میں اتنا درد تھا کہ آپ ﷺ بیٹھ نہیں سکتے تھے۔ کیا فرشتوں کی کمر میں بھی درد ہوتا ہے اور ان کے گھٹنوں میں بھی تکلیف ہوتی ہے؟ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے اعلان کروایا کہ آپ ﷺ کہہ دیں کہ میں نوری فرشتہ نہیں ہوں انسان ہوں، بشر ہوں۔ ہاں! اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا رتبہ عطا فرمایا ہے کہ اپنی مخلوق میں سے اور کسی کو عطا نہیں فرمایا۔ رتبہ اور مقام اور چیز ہے اور ذات اور چیز ہے۔

فرمایا ﴿إِنْ أَنْتُمْ﴾ میں نہیں پیروی کرتا ﴿إِلَّا مَا يُؤْتِي آتِي﴾ مگر اس چیز کی جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ میں قرآن کی پیروی کرتا ہوں، حدیث کی پیروی کرتا ہوں۔ ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ﴾ کیا برابر ہے اندھا اور دیکھنے والا۔ جس طرح یہ برابر نہیں ہیں اسی طرح مومن اور کافر بھی برابر نہیں ہیں، موحد اور مشرک برابر نہیں ہیں، سنت پر چلنے والا اور مشرک برابر نہیں ہیں۔ ﴿أَفَلَا تَتَّقُونَ﴾ کیا تم غور و فکر نہیں کرتے۔ کتنی موٹی اور واضح باتیں تمہارے سامنے ہیں۔

﴿وَأَنْذِرْهُمْ﴾ اور آپ ڈرائیں اس قرآن کے ذریعے ﴿الَّذِينَ يَخَافُونَ﴾ ان لوگوں کو جو خوف کھاتے ہیں ﴿أَنْ يُحْشَرُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ﴾ اس بات سے کہ ان کو جمع کیا جائے گا ان کے رب کے پاس ﴿لَيْسَ لَهُمْ﴾ نہیں ہوگا ان کے لیے ﴿قِنْدُؤُنِهِم﴾ اللہ تعالیٰ کے ورے ﴿وَأَنْ لَا تَنْفَعَهُمْ﴾ کوئی حمایتی اور نہ کوئی سفارشی ﴿عَلَيْهِمْ﴾ یقیناً تاکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جائیں ﴿وَلَا تَنْظُرُوا إِلَىٰ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ﴾ اور مجلس سے دھکیل کر نہ نکال ان لوگوں کو ﴿بِالْعُدْوَةِ وَالْعَشِيِّ﴾ پہلے پہر اور پچھلے پہر ﴿يُرِيدُونَ وَجْهَهُ﴾ چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا ﴿مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ قِنْدُؤُنِهِمْ﴾ نہیں ہے آپ پر ان کے حساب میں سے کچھ بھی ﴿وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ قِنْدُؤُنِهِمْ﴾ اور نہیں ہے آپ کے حساب میں سے ان پر کوئی شے ﴿فَتَنْظُرْهُمْ﴾ پس آپ ان کو دھکیل دیں ﴿فَتَكُونُوا مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ تو ہو جائیں گے آپ ناانصافوں میں سے ﴿وَكَذَٰلِكَ فَتَنَّا﴾ اور اسی طرح ہم نے آزمائش میں ڈالا ﴿بَعْضَهُم بِبَعْضٍ﴾ بعض کو بعض کے ذریعے ﴿لِيَقُولُوا﴾ تاکہ کہیں وہ ﴿أَهْلُوآءٍ﴾ کیا یہ لوگ ہیں ﴿مَنْ أَلَّفَهُ﴾ علیہم قِنْدُؤُنَهُم جن پر اللہ تعالیٰ نے احسان کیا ہمارے درمیان سے ﴿أَلَيْسَ اللَّهُ﴾ کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ ﴿بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ﴾ خوب جاننے والا شکر گزاروں کو ﴿وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ﴾ اور جب آئیں آپ کے پاس وہ لوگ ﴿يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا﴾ جو ایمان رکھتے ہیں ہماری آیتوں پر ﴿فَقُلْ سَلِّمٌ عَلَيْكُمْ﴾ پس آپ کہیں سلام ہو تم پر ﴿كُتِبَ رَبُّكُمْ﴾ لکھی تمہارے رب نے ﴿عَلَىٰ نَفْسِهِ﴾ اپنی ذات پر ﴿الرَّحْمَةَ﴾ رحمت ﴿أَنَّهُ مَنِ عَمِلَ مِنكُمْ﴾

﴿بَشِّرْهُم بِشَرِّ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ بے شک شان یہ ہے جو شخص تم میں سے عمل کرے گا بُرا ﴿بِجَهَالَتِهِ﴾ نادانی کے ساتھ ﴿ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهَا﴾ پھر اس نے توبہ کی اس کے بعد ﴿وَأَصْلَحَ﴾ اور اس نے اصلاح کی ﴿فَأَنذَرْتَهُمْ نَارًا حَرِيمًا﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ﴿وَكَذَلِكَ﴾ اور اسی طرح ﴿تَفَصَّلُ الْآيَاتِ﴾ ہم تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں آیتیں ﴿وَالَّذِينَ سَبَقُوا إِلَىٰ سَبِيلِ الْمُنْجَىٰ وَرَأَىٰ لِقَاءَ رَبِّهِمْ﴾ اور تاکہ خوب روشن ہو جائے مجرموں کا راستہ۔

رہط آیات

اس سے پہلی آیت کریمہ میں تھا کہ میں نہیں پیروی کرتا مگر اس چیز کی جو میری طرف وحی کی گئی ہے۔ اب فرمایا کہ اس وحی قرآن کے ذریعے لوگوں کو ڈرائیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَأَنذَرْتَهُمْ﴾ اور آپ ڈرائیں اس قرآن کے ذریعے ﴿الَّذِينَ يَخَانُونَ﴾ ان لوگوں کو جو خوف کھاتے ہیں ﴿أَن يُّحْشَرُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ﴾ اس بات سے کہ ان کو جمع کیا جائے گا ان کے رب کے پاس یعنی رب تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی۔

قرآن سمجھنے اور سمجھانے کی فضیلت

یاد رکھنا! قرآن کریم کو سمجھنا اور پھر آگے سمجھانا بہت بڑی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو جہادِ کبیر فرمایا ہے۔ چنانچہ سورۃ الفرقان میں ہے ﴿وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا﴾ ”اور جہاد کریں ان کے ساتھ قرآن کریم کے ذریعے بڑا جہاد۔“ تو یہاں جہادِ کبیر سے مراد قرآن کریم کی تعلیم ہے اور اس کا سمجھنا سمجھانا مراد ہے۔ قرآن کریم کی نشر و اشاعت کرنا مراد ہے۔ اور کافروں کے ساتھ جہادِ بالسیف کرنا جہادِ اصغر ہے اور قرآن کریم کی تعلیم کے ذریعے جہاد کرنا جہادِ کبیر ہے۔ لہذا تم بھی یہ جہاد کیا کرو اس طرح کہ جو تم پڑھتے ہو اس کو گھروں میں جا کر پڑھایا اور سنایا کرو۔

تو فرمایا کہ ان کو رب تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا ﴿لَيْسَ لَكُمْ مِنَ دُونِهِ وِثْرٌ﴾ نہیں ہوگا ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے ورے کوئی حمایتی۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی کوئی حمایت نہیں کر سکے گا اور اس کے حکم کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا ﴿وَلَا شَفِيعٌ﴾ اور نہ کوئی سفارشی ہوگا اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی سفارش بھی نہیں کر سکے گا ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾ ”کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر سفارش کرے۔“ آنحضرت ﷺ میدانِ محشر میں تمام مخلوق کے لیے سفارش کریں گے تو آپ ﷺ سجدے میں گر جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی تعریف حمد و ثنا کریں گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہوگی پھر سفارش کریں گے۔ فرمایا ﴿لَعَلَّكُمْ يَتَّقُونَ﴾ تاکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جائیں۔ کفر سے، شرک سے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے۔

کفار قریش کو دعوت دینے کا خصوصی انداز

آگے ایک واقعہ بیان ہوا ہے وہ اس طرح کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے پروگرام بنایا کہ مکہ مکرمہ کے سرداروں سے براہ راست ملاقات کی جائے اور ان کو توحید کی، اسلام کی، دین کی دعوت دی جائے۔ ان میں سے بعضوں نے وقت تو دیا مگر آپ ﷺ کی دعوت دین کو قبول نہ کیا اور بعضوں نے وقت ہی نہ دیا اور بہانے بنائے کہ مثلاً: سویا ہوا ہے یا یہ کہہ دیا کہ بیمار ہے یا گھر میں نہیں ہے۔ مگر ایک دوسرے موقع پر سرداران قریش نے آپس میں مشورہ کیا کہ خود اس کے پاس چلتے ہیں اور اگلے سیدھے مطالبات کر کے اس کو پریشان کرنے ہیں مگر اس کی کوئی بات نہیں مانتی۔

آپ ﷺ کی مجلس میں غرباء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیٹھے رہتے تھے ان کا اپنا کوئی کاروبار نہیں تھا، نہ تجارت، نہ زراعت۔ صاحب حیثیت اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ان کو کھانا کھلا دیتے تھے اور یہ صرف آپ ﷺ کی خدمت میں رہا کرتے تھے۔ جیسے: حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت صہیب رضی اللہ عنہ، حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ، حضرت عمار رضی اللہ عنہ، حضرت یاسر رضی اللہ عنہ، حضرت ابولکبیرہ رضی اللہ عنہ اور مالی اعتبار سے کمزور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

سرداران قریش کا تکبر و غرور

یہ سرداران قریش آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آج ہم آپ کی بات سننے کے لیے آئے ہیں مگر ہماری شرط یہ ہے کہ ہم سرداران کی (گھٹیا) (معاذ اللہ) قسم کے لوگوں میں بیٹھ کر بات نہیں سنیں گے۔ پہلے ان کو مجلس سے اٹھاؤ پھر ہم بات سنیں گے۔

آنحضرت ﷺ کے دل میں محض خیال ہی پیدا ہوا تھا کہ میں ان لوگوں کی تلاش میں تھا یہ لوگ ملتے نہیں تھے اور آج یہ خود بہ خود آگئے ہیں۔ لہذا ان کے مطالبے کے پیش نظر تھوڑی دیر کے لیے ان ساتھیوں کو مجلس سے اٹھا دوں اور یہ میری بات سن لیں تو حرج والی بات نہیں ہے۔ اور شرعی اور فقہی طور پر اس بات کی اجازت بھی ہے کہ مثلاً: کوئی استاد اپنے شاگردوں میں سے کسی کو مجلس سے اٹھا دے تو وہ اس کا مجاز ہے، پیرا اگر اپنے مریدوں میں سے کسی کو مجلس سے اٹھا دے تو اس کو یہ حق حاصل ہے۔ باپ اپنے بیٹے کو یا کوئی بڑا آدمی اپنے ماتحت کو مجلس سے اٹھا دے کسی خاص بات کے لیے تو اس کو یہ حق حاصل ہے۔ تو جب ان حضرات کو یہ حق حاصل ہے تو آنحضرت ﷺ کو تو یہ حق کروڑوں سے زیادہ حاصل ہے آپ ﷺ کا حق بہت زیادہ ہے۔ لیکن رب تعالیٰ کی رحمت نے گوارا نہ کیا کہ آپ ﷺ یہ حق استعمال فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا مسلمان غرباء کی حوصلہ افزائی کرنا

﴿وَلَا تَكْفُرُوا بِالَّذِينَ دُونَكُمْ﴾ اور مجلس سے دھکیل کر نہ نکال ان لوگوں کو ﴿يَذُوقُونَ ثَأْنَهُمْ﴾ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو ﴿بِالْقُدْرَةِ وَالنُّصْرَةِ﴾ پہلے پہر اور پچھلے پہر۔ اور اللہ تعالیٰ کو پکارنے سے ان کا مقصود کیا ہے؟ ﴿يُرِيدُونَ وَجْهَهُ﴾ چاہتے ہیں

اللہ تعالیٰ کی رضا ﴿مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ﴾ نہیں ہے آپ پر ان کے حساب میں سے کچھ بھی ﴿وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِنْ شَيْءٍ﴾ اور نہیں ہے آپ کے حساب میں سے ان پر کوئی شے۔ وہ اپنا حساب دیں گے اور آپ اپنا حساب دیں گے۔ ﴿فَتَنْظُرْ لَهُمْ﴾ پس آپ ان کو دیکھیں ﴿فَتَكُونُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ تو ہو جائیں گے آپ ناانصافوں میں سے۔

غریبوں کو مجلس سے نہ اٹھانے میں حکمت

اللہ تعالیٰ اپنی حکمتوں کو بہتر جانتا ہے اس لیے اس نے ایسا نہیں کرنے دیا لیکن اگر اس موقع پر ایسا ہو جاتا اور آپ ﷺ شرعی طور پر اٹھا دینے کے مجاز بھی تھے تو پھر قیامت تک امیر کی مجلس اور ہوتی اور غریب کی مجلس اور ہوتی اور غریب امیروں میں کبھی نہ بیٹھ سکتے اور لوگ اس واقعہ کو بطور سند کے پیش کرتے کہ آنحضرت ﷺ نے غریبوں کو مال دار کافروں کے لیے مجلس سے اٹھا دیا تھا۔

غیر مسلموں میں انتہاء درجے کی تفریق پسندی

اور یہی خرابی آج کل یورپ میں ہے کہ کیا مجال ہے کہ سیاہ فام عیسائی، سفید فام عیسائی کے گرجے میں داخل ہو سکے۔ یعنی کالوں کے گرجے الگ ہیں اور گوروں کے گرجے الگ ہیں، کالوں کے سکول الگ ہیں اور گوروں کے سکول الگ ہیں۔ یہاں تک کہ کالا گورے کے ہسپتال سے علاج نہیں کروا سکتا، کالا عیسائی گورے عیسائی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا نہیں کھا سکتا۔ اور یہی گورے کالے جب مسلمان ہو جاتے ہیں تو اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھا رہے ہوتے ہیں۔ لوگ ان کو دیکھتے ہیں تو بڑا تعجب کرتے ہیں اور اسلام آیا ہی اس تفریق کو مٹانے کے لیے ہے۔ کالوں کا خالق بھی رب ہے اور گوروں کا خالق بھی رب ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے گوارہ نہ کیا کہ غریبوں کو مجلس سے اٹھایا جائے فرمایا ان کا جی چاہتا ہے تو آپ کی بات سنیں اور اگر نہیں چاہتا تو نہ سنیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَكَذَلِكَ فَتَنَّاكُ﴾ اور اسی طرح ہم نے آزمائش میں ڈالا ﴿بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ﴾ بعض کو بعض کے ذریعے۔ کسی کو مال دیا، کسی کو شکل و صورت عطا فرمائی، کسی کو قدر، کسی کو اولاد، کسی کو کچھ اور کسی کو کچھ دیا۔ ﴿لِيَقُولُوا أَهْلُوا لَنَا﴾ تاکہ کہیں وہ لوگ کیا یہ لوگ ہیں ﴿مَنْ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَوْلٌ بَيْنَنَا﴾ جن پر اللہ تعالیٰ نے احسان کیا ہمارے درمیان سے۔

کفار کا اعتراض

کافر کہتے تھے کہ اسلام اگر کوئی سچی چیز ہوتی تو ہمیں کیوں نہ سمجھ آتی صرف ان کو سمجھ آئی اور کیا اسلام کا احسان رب تعالیٰ نے صرف ان پر کیا ہے ہم پر نہیں کر سکتا تھا۔

جواب

اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا ﴿أَلَيْسَ اللَّهُ﴾ کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ ﴿بِعِلْمٍ بِالْغُيُوبِ﴾ خوب جاننے والا شکر

گزاروں کو۔ اللہ تعالیٰ ان کو جانتا ہے کہ یہ شکر گزار ہیں اور رب تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر کرتے ہیں گو کمزور ہیں۔ تو کہاں یہ اور کہاں تمہارا تکبر اور غرور۔

ذاتِ باری تعالیٰ کا غرباء کی دل جوئی کرنا

فرمایا ﴿وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ﴾ اور جب آئیں آپ کے پاس وہ لوگ ﴿يُؤْمِنُونَ بِالْآيَاتِ﴾ جو ایمان رکھتے ہیں ہماری آیتوں پر ﴿فَقُلْ سَلِّمْ عَلَيْكُمْ﴾ پس آپ کہیں سلام ہو تم پر۔ یعنی ان کی دل جوئی کے لیے ان کو سلام کریں۔ اللہ تعالیٰ نے غریبوں کے ساتھ کتنی ہم دردی فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان ہے ﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ﴾ لکھی تمہارے رب نے ﴿عَلَىٰ نَفْسِهِ﴾ اپنی ذات پر ﴿الرَّحْمَةَ﴾ رحمت۔ اور یہ اس کی رحمت ہی کا نتیجہ ہے کہ غریب کو مقام حاصل ہے۔

فرمایا ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّهُ عَمَلَ مِنْكُمْ مِثْلًا﴾ بے شک شان یہ ہے جو شخص تم میں سے عمل کرے گا برا ﴿بِجَهَالَتِهِ﴾ نادانی کے ساتھ ﴿ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهَا﴾ پھر اس نے توبہ کی اس کے بعد ﴿وَأَصْلَحَ﴾ اور اس نے اصلاح کی۔

کون سی توبہ قابل قبول ہے؟

محض زبان سے توبہ کہنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ جب تک آدمی سچے دل سے توبہ نہ کرے اس طرح کہ اپنی اصلاح کرے اور پھر وہ گناہ نہ کرے اور اگر صرف زبان سے توبہ کہتا رہے اور ساتھ ساتھ برائی بھی کرتا رہے یہ تو اللہ رب العزت کے ساتھ مذاق ہے۔

”جہالت“ کی حقیقت

”جہالت“ کا لفظ آیا ہے کہ جہالت کی وجہ سے برائی کی تو جہالت کبھی ابتداء میں ہوتی ہے کہ علم نہیں تھا اور گناہ کر لیا۔ معلوم نہیں تھا کہ یہ گناہ ہے۔ اور ایک جہالت انتہاء کے اعتبار سے ہوتی ہے کہ مسئلے کا تو علم ہے یہ کام گناہ کا ہے مگر اس کی سزا سے واقف نہیں ہے کہ اس گناہ پر یہ سزا ملتی ہے اور اگر اس کی سزا سے واقف ہوتا تو کبھی بھی گناہ کا ارتکاب نہ کرتا۔ ان دونوں جہالتوں کا اعتبار ہے۔ ﴿فَأَلْهَىٰ عَافِيًا تَرَاهُ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ﴿وَكَذَٰلِكَ﴾ اور اسی طرح ﴿نُقِصِلُ الْأَيُّمَ﴾ ہم تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں آیتیں۔ کیوں تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں؟ ﴿وَالْيَسَّوْنَ سَبِيلَ الْمَجْرُومِينَ﴾ اور تاکہ خوب روشن ہو جائے مجرموں کا راستہ۔ حق و باطل کا امتیاز ہو جائے توحید اور شرک کا فرق واضح ہو جائے سنت اور بدعت کے میان امتیاز ہو جائے اور کوئی شخص غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو۔



﴿قُلْ إِنِّي نُهِيتٌ﴾ آپ ﷺ کہہ دیں مجھے منع کیا گیا ہے ﴿أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ﴾ اس بات سے کہ میں عبادت کروں ﴿تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ جن کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ أَعْلَمُ﴾ آپ ﷺ کہہ دیں میں نہیں پیروی کروں گا تمہاری خواہشات کی ﴿قَدْ ضَلَلْتُ إِذَا﴾ تحقیق میں تو اس وقت بہک جاؤں گا ﴿وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ﴾ اور نہیں ہوں گا میں ہدایت پانے والوں میں سے ﴿قُلْ إِنِّي عَلَىٰ بَيِّنَةٍ﴾ آپ ﷺ کہہ دیں میں بے شک واضح دلیل پر ہوں ﴿مَنْ تَرَىٰ﴾ اپنے رب کی طرف سے ﴿وَكَذَّبْتُمْ بِهِ﴾ اور تم نے اس کو جھٹلا دیا ہے ﴿مَا عِنْدِي مَا اسْتَعْجَلُونَ بِهِ﴾ نہیں ہے میرے پاس وہ چیز جس کی تم جلدی کرتے ہو ﴿إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ﴾ نہیں ہے حکم مگر اللہ تعالیٰ کے لیے ﴿يَقْضُ الْحَقَّ﴾ وہ بیان کرتا ہے حق کو ﴿وَهُوَ خَيْرُ الْفَاعِلِينَ﴾ اور وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے ﴿قُلْ لَوْ أَنَّ عِنْدِي﴾ آپ ﷺ کہہ دیں بے شک اگر میرے پاس ہوتی ﴿مَا اسْتَعْجَلُونَ بِهِ﴾ وہ چیز جس کی تم جلدی کرتے ہو ﴿لَقَضِيَ الْأَمْرُ﴾ تو البتہ فیصلہ کر دیا جاتا معاملے کا ﴿بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ﴾ میرے اور تمہارے درمیان ﴿وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالظَّالِمِينَ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ظالموں کو ﴿وَعِنْدَكَ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ﴾ اور اسی (اللہ تعالیٰ) کے پاس ہی ہیں غیب کی چابیاں ﴿لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ﴾ نہیں جانتا ان کو کوئی مگر صرف وہی ﴿وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ اور جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہے اور سمندر میں ہے ﴿وَمَا تَسْقُطُ مِنَ سَّمَاءٍ مِثْرًا﴾ اور نہیں گرتا کوئی پتہ ﴿إِلَّا يَعْلَمُهَا﴾ مگر وہ اس کو جانتا ہے ﴿وَلَا حَاطَةَ﴾ اور نہ کوئی دانہ ﴿فِي ظُلُمَاتٍ الْأَرْضِ﴾ زمین کی تاریکیوں میں ہے ﴿وَلَا تَطْبَعُ﴾ اور نہ کوئی تر چیز ﴿وَلَا يَأْبِسُ﴾ اور نہ کوئی خشک چیز ﴿إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ﴾ مگر وہ اس کتاب میں ہے جو واضح کرنے والی ہے ﴿وَهُوَ الَّذِي﴾ اور وہ، وہ ذات ہے ﴿يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ﴾ جو وفات دیتا ہے تمہیں رات کو (یعنی نیند دیتا ہے رات کو) ﴿وَيَعْلَمُ مَا جَوَّحْتُمْ بِأَلْسِنَتِكُمْ﴾ اور وہ جانتا ہے جو تم کہتے ہو دن کو ﴿ثُمَّ يَبْعَثْكُمْ فِيهِ﴾ پھر وہ اٹھاتا ہے تم کو ﴿لِيُقْضَىٰ﴾ تاکہ طے کیا جائے ﴿أَجَلٌ مُّسَدَّدٌ﴾ مقررہ میعاد کو ﴿ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ﴾ پھر اسی کی طرف ہے تمہارا لوٹنا ﴿ثُمَّ يُنَبِّئُكُم﴾ پھر وہ تمہیں بتلائے گا ﴿بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ وہ کام جو تم کرتے تھے۔

رابطہ

شرکین کے عقائد کے خلاف جب مسائل بیان کیے جاتے تو ان کو بڑی تکلیف ہوتی اور اس سے ان کو بڑا صدمہ ہوتا۔ مسائل حقہ سے ان کو بڑی ضد اور جڑ تھی۔ خصوصاً مسئلہ الہ سے کہ جب کہا جاتا ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ تو ان کے دماغ میں

چوٹ لگتی۔ سورۃ الصافات میں ہے ﴿إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ﴾ ”بے شک جب ان کو کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے کوئی معبود نہیں ہے کوئی مجبود نہیں ہے، کوئی حاجت روا مشکل کشا نہیں ہے، کوئی فریاد رس نہیں ہے، کوئی دستگیر نہیں ہے تو اکڑتے ہیں، تکبر کرتے ہیں“ اور کہتے ہیں ﴿أَجْعَلُ الْإِلَهَةَ الْغَاوِثَةَ وَاحِدًا﴾ [ص: ۵] ”کیا اس نے سب خداؤں کو ایک خدا بنا دیا ہے۔“

کفار کے وفد کا آپ ﷺ کے پاس آنا اور سوال کرنا

اسی سلسلے میں آنحضرت ﷺ کے پاس مکہ مکرمہ کے سرداروں کا ایک وفد آیا وفد خاصا بڑا تھا کہ اس میں ہر قبیلے کا ایک ایک آدمی شریک تھا اور کچھ آدمی دیکھا دیکھی ساتھ مل گئے اور کچھ حضرات آپ کے پاس پہلے سے بیٹھے تھے۔ ان کے متکلم نے گفتگو شروع کی کہ اے محمد (ﷺ)! مکہ مکرمہ میں لوگ بڑے پیار سے رہ رہے تھے۔ کوئی لڑائی جھگڑا اور اختلاف نہیں تھا جس دن سے آپ نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی رٹ لگائی ہے اس دن سے گھر گھر جھگڑا شروع ہو گیا ہے کہ باپ بیٹے کے خلاف ہے، بھائی بھائی کے خلاف ہے، بیوی خاوند میں اختلاف ہے، اور خسر اور داماد میں اختلاف ہے اور اس اختلاف کے ذمہ دار صرف آپ ہیں۔ ہم اور طریقے سے بھی علاج کر سکتے ہیں مگر مل بیٹھ کر مسئلہ حل ہو جائے تو زیادہ بہتر ہے کہ وقت صلح صفائی سے پاس ہو جائے۔ آپ اس طرح کریں کہ ہمارے خداؤں کو تسلیم کر لیں کہ ان سے حاجتیں مانگیں اور ہم آپ کے الٰہ کو پکاریں گے اور اس سے حاجتیں طلب کریں گے

اللہ رب العزت کا آپ ﷺ کی طرف سے جواب

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیغمبر! آپ ان کو جواب دیں ﴿قُلْ إِيَّاهُ نَعْبُدُ﴾ آپ (ﷺ) کہہ دیں مجھے منع کیا گیا ہے ﴿أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ﴾ اس بات سے کہ میں عبادت کروں ﴿كُلُّ مَنْ عْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ جن کو تم پکارتے ہو، حاجت روا، مشکل کشا سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿قُلْ لَا أَتَّبِعُ أَهْوَاءَ كُمْ﴾ آپ (ﷺ) کہہ دیں میں نہیں پیروی کروں گا تمہاری خواہشات کی، کہ اللہ تعالیٰ نے سوا اللہ بناؤں تو ﴿قَدْ ضَلَلْتُ إِذَا﴾ تحقیق میں تو اس وقت بہک جاؤں گا ﴿وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَعَبِّينَ﴾ اور نہیں ہوں گا میں ہدایت پانے والوں میں سے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت عطا فرمائی ہے، نبی بنایا اور قرآن نازل فرمایا ہے۔ لہذا میں تمہاری بات کس طرح مان سکتا ہوں؟

اور یہ بات آپ حضرات اس سے پہلے پڑھ چکے ہیں کہ کافروں کا ایک وفد آنحضرت ﷺ کے پاس آیا تھا کہ ہم آپ کو نبی ماننے کے لیے تیار ہیں اگر آپ صفا پہاڑی کو سونا بنا دیں اور یہ اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں تھا۔ اس وفد میں سے ایک نے کہا کہ خوشی تو آپ دکھا نہیں سکے۔ نہ آپ کی سونے کی کوئی کوٹھی ہے، نہ باغ ہے، نہ پانی کے چشمے ہیں۔ چلو پھر جس عذاب کی تم دھمکی دیتے ہو وہی لے آؤ تاکہ تمہارے لیے میدان صاف ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿قُلْ إِنِّي عَلَىٰ بَيِّنَةٍ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں میں بے شک واضح دلیل پر ہوں ﴿وَمَنْ شَاقَّ﴾ اسے رب کی طرف سے ﴿وَكَلَّمَ بَعْضَهُمْ﴾ اور تم نے اس کو جھٹلادیا ہے ﴿مَا عُنْدِي مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ﴾ نہیں ہے میرے پاس وہ عذاب جس کی تم جلدی کرتے ہو ﴿إِنَّ الْعُلَمَاءَ لَا يَلْمُونَ﴾ نہیں ہے حکم مگر اللہ تعالیٰ کے لیے ﴿يَقْضُ الْعَقَبَ﴾ وہ بیان کرتا ہے حق کو ﴿وَهُوَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ﴾ اور وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے ﴿قُلْ لَوْ أَنِّي عَفْوِي﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں بے شک اگر میرے پاس ہوتی ﴿مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ﴾ وہ چیز جس کی تم جلدی کرتے ہو ﴿لَقَضَيْتُ الْأَمْرَ﴾ تو البتہ فیصلہ کر دیا جاتا معاملے کا ﴿بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ﴾ میرے اور تمہارے درمیان۔ اگر میرے پاس عذاب ہوتا تو جب تم نے پہلی مرتبہ انکار کیا تھا اس وقت تم پر نازل کر دیتا مگر رحمت بھی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور عذاب بھی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیارات میں سے ایک رتی کے برابر بھی کسی کو کچھ نہیں دیا۔ ﴿وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالظَّالِمِينَ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ظالموں کو۔

کفار کا دوسرا سوال

پھر انہوں نے گفتگو کا رخ بدلا اور کہنے لگے کہ دیکھو نہ تم صفا کو سونا بنا سکتے اور نہ ہی تم عذاب لانے پر قادر ہو اور عذاب کی دھمکیاں بھی دیتے ہو۔ چلو پھر ہمیں عذاب کا وقت ہی بتا دو۔ آگے اس بات کا جواب ہے۔

جواب

فرمایا ﴿وَعِنْدَنَا مَفَاتِحُ الْغَيْبِ﴾ اور اسی اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہیں غیب کی چابیاں۔ غیب کے خزانے اور غیب کی چابیاں رب تعالیٰ کے پاس ہیں ﴿لَا يَلْمُنَهَا الْإِنْسَانُ﴾ نہیں جانتا ان کو کوئی مگر صرف وہی۔ مجھے نہیں معلوم کہ تم پر عذاب کب آئے گا اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کا وقت بھی نہیں بتایا۔

”مَفَاتِحُ“ کی تحقیق

مَفَاتِحُ، مَفْتَحُ کی جمع بھی بن سکتی ہے، اور مَفْتَحُ کے معنی ہیں ”چابی“۔ تو معنی ہوں گے چابیاں رب تعالیٰ کے پاس ہیں اور مَفْتَحُ کی جمع بھی بن سکتی ہے اور مَفْتَحُ کے معنی ہیں خزانہ۔ تو اس وقت معنی بنے گا کہ غیب کے خزانے اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ اور اس سے پہلے رکوع میں تم پڑھ چکے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اعلان کر دیا کہ ﴿قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ﴾ میں تمہیں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں ﴿وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾ اور میں اعلان کرتا ہوں کہ میں غیب نہیں جانتا۔ ﴿وَلَا يَعْلَمُ مَا فِي الْبُحْرِ﴾ اور جانتا ہے وہ (اللہ) جو کچھ خشکی میں ہے اور سمندر میں ہے۔

بغیر اذن الہی کے ایک پتے کا بھی حرکت نہ کر سکتا

﴿وَمَا تَسْغُطُ مِنْ دَرَمَةٍ﴾ اور نہیں گرتا کوئی پتہ کسی درخت سے ﴿إِلَّا يَعْلَمَهَا﴾ مگر وہ اس کو جانتا ہے وہ رب تعالیٰ کے ہم

میں ہے دنیا میں بے شمار درخت ہیں کسی کے پتے چوڑے ہیں کسی کے لمبے ہیں کسی کے موٹے ہیں کسی کے پتلے ہیں جب بھی کوئی گرتا ہے رب تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔ ﴿وَلَا حَبَّةٌ﴾ اور نہ کوئی دانہ ﴿فِي ظِلْمَتِ الْأَرْضِ﴾ زمین کی تاریکیوں میں ایسا ہے جو رب تعالیٰ کے علم میں نہ ہو ﴿وَلَا مَرْتَبٌ﴾ اور نہ کوئی چیز ﴿وَلَا يَأْبِسُ﴾ اور نہ کوئی خشک چیز ﴿إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ﴾ مگر وہ اس کتاب میں ہے جو واضح کرنے والی ہے۔

کتاب مبین سے مراد ہے

کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے۔ اور لوح محفوظ اللہ تعالیٰ کے علم کا کرداروں حصہ بھی نہیں ہے۔ کیونکہ لوح محفوظ میں تو دنیا کی تخلیق سے لے کر دنیا کے فنا ہونے تک کی تمام چیزیں درج ہیں اس سے پہلے کی اور دنیا کے فنا ہونے کے بعد کی باتیں ابدالاً باد تک کی، وہ لوح محفوظ میں نہیں ہیں اور وہ باتیں اس کی نسبت بہت زیادہ ہیں اور وہ تمام رب تعالیٰ کے علم میں ہیں۔

”نیند“ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے

﴿وَهُوَ الَّذِي﴾ اور وہ، وہ ذات ہے ﴿يَتَوَفَّكُم بِاللَّيْلِ﴾ جو وفات دیتا ہے رات کو (یعنی نیند دیتا ہے رات کو)۔ نیند اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہے۔ سورہ نبا میں ہے ﴿وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا﴾ اور نیند کو ہم نے تمہارے لیے موجب آرام بنایا۔ اگر آدمی کو تین چار گھنٹے نیند نہ آئے تو پاگل ہو جائے یا نیم پاگل تو ضرور ہو جائے۔ ﴿وَيَعْلَمُ مَا جَوَّحْتُمْ بِاللَّيْلِ﴾ اور وہ جانتا ہے جو تم کھاتے ہو دن کو کہ حلال کی ہے یا حرام کی ہے، دین کی کمائی ہے یا دنیا کی۔ سب رب تعالیٰ کے علم میں ہے ﴿ثُمَّ يَبْعَثْكُمْ فِيهِ﴾ پھر وہ اٹھاتا ہے تم کو دن میں (صبح کے وقت)۔ نیک بخت وہ لوگ ہیں جو بروقت اٹھتے ہیں۔

شیطان کی انسان کے ساتھ کارروائی ہے

بخاری شریف میں روایت آتی ہے کہ جب آدمی سوتا ہے تو شیطان اپنا منتر اور جادو پڑھ کر اس کے سر پر تین گریں لگاتا ہے اور کہتا ہے عَلَيْنِكَ لَيْلٌ طَوِيلٌ سَوَّجَارَاتٍ لِّسَىٰ بے۔ اگر سحر کے وقت اٹھ کر وضو کیا تو ایک گرہ کھل جائے گی۔ نماز پڑھی، دوسری گرہ کھل گئی، اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا تیسری گرہ کھل گئی۔ اور اگر نہ اٹھا تو یَبُوءُ فِي أَذْنَيْهِ اس کے دونوں کانوں میں پیشاب کر کے چلا جاتا ہے۔

اور جو شخص صبح سویرے اٹھتا ہے اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ طِينَبُ نَفْسِ اس کا نفس ہلکا پھلکا ہوتا ہے، خوش خوش ہوتا ہے۔ جو نہ اٹھا اور نماز قضا ہو گئی تو كَسَلَانٌ حَبِيبُ النَّفْسِ بڑا سست اور پلید نفس ہوتا ہے۔ کیوں کہ شیطان کے پیشاب نے بھی تو اثر دکھانا ہے۔ ﴿لِيَنْفَسَ﴾ تاکہ طے کیا جائے ﴿أَجَلٌ مُّسْتَقَرٌّ﴾ مقررہ میعاد کو ﴿ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ﴾ پھر اسی کی طرف ہے تم راہبنا۔ ایک دن قیامت کا دن آنے والا ہے تم نے رب تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت ہوگی۔

”خبر“ دینے کا مطلب

﴿ثُمَّ يُنَبِّئُكُم﴾ پھر وہ تمہیں بتلائے گا ﴿بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ وہ کام جو تم کرتے تھے۔ خبر دینے کا مطلب یہ ہے کہ نیکی بدی کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ رب تعالیٰ نے توحید کی بڑی تاکید فرمائی ہے اور حق پر قائم رہنے کے لیے بڑا زور دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو توحید پر قائم رکھے اور آخرت کے لیے نیکیاں کمانے کی توفیق عطا فرمائے۔



﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ﴾ اور وہ غالب ہے ﴿فَوْقَ عِبَادِهِ﴾ اپنے بندوں پر ﴿وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً﴾ اور وہ بھیجتا ہے تم پر نگران ﴿حَاقِي إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمْ الْمَوْتُ﴾ یہاں تک کہ جب آتی ہے تم میں سے کسی ایک پر موت ﴿تَوَفَّيْتُهُ مُرْسِلًا﴾ اس کی جان نکالتے ہیں ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ﴿وَهُمْ لَا يُفْقِرُونَ﴾ اور وہ کوتاہی نہیں کرتے ﴿ثُمَّ مُرَادًا﴾ پھر وہ لوٹائے جاتے ہیں ﴿إِلَى اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف ﴿مَوْلَاهُمْ الْحَقُّ﴾ جو ان کا سچا آقا ہے ﴿الَّا﴾ خبردار ﴿لَهُ الْحُكْمُ﴾ اسی کا حکم ہے ﴿وَهُوَ أَسْرَعُ الْحَاسِبِينَ﴾ اور وہی ہے جلد حساب لینے والا ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿مَنْ يُضَيِّبُكُمْ﴾ کون تمہیں نجات دیتا ہے ﴿مَنْ ظَلَمَ الْبَرَّ وَالْبِرَّ﴾ خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں ﴿يَدْعُونَ﴾ جس کو تم پکارتے ہو ﴿تَصْرَعًا﴾ عاجزی سے ﴿وَأَخْفِيَةً﴾ اور آہستہ آہستہ ﴿لَئِنْ أَنجَيْنَاكَ الْبَلَاءَ﴾ البتہ اگر اس نے ہمیں بچالیا ﴿مِنْ هَذِهِ﴾ اس مصیبت سے ﴿لَنَكُونَنَّ﴾ البتہ ضرور ہو جائیں گے ہم ﴿مِنَ الشَّاكِرِينَ﴾ شکر گزاروں میں سے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اللَّهُ يُضَيِّبُكُمْ مِنْهَا﴾ اللہ تعالیٰ ہی نجات دیتا ہے اس تکلیف سے ﴿وَمِنْ كُلِّ كُفْرٍ﴾ اور ہر قسم کی تکلیفوں سے ﴿ثُمَّ أَنتُمْ تُشْرِكُونَ﴾ پھر تم شرک کرتے ہو ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿هُوَ الْقَادِرُ﴾ وہ اللہ تعالیٰ قادر ہے ﴿عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ﴾ اس بات پر کہ بھیجے تم پر ﴿عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ﴾ عذاب تمہارے اوپر سے ﴿أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ﴾ یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے ﴿أَوْ يَلْسَنُكُمْ﴾ یا تمہیں خلط ملط کر دے ﴿شَيْعًا﴾ مختلف فرقوں میں ﴿وَيُذِيقُ بَعْضَكُم مِّنْ بَعْضٍ﴾ اور چکھائے تم میں سے بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ ﴿أَنْظُرْ﴾ دیکھ ﴿كَيْفَ نُصَرِّفُ الْأُمُوتَ﴾ کیسے پھیر پھیر کر ہم بیان کرتے ہیں آیتوں کو ﴿لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُونَ﴾ تاکہ وہ سمجھ جائیں ﴿وَكَذَّبَ بِهِ﴾ اور جھٹلایا اس قرآن کریم کو ﴿قَوْمُكَ﴾ تیری قوم نے ﴿وَهُوَ الْحَقُّ﴾ حالانکہ وہ قرآن پاک حق ہے ﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿لَسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ﴾ نہیں ہوں میں تم پر نگہبان ﴿كُلُّ نَبِيٍّ مَّسْتَقَرٌّ﴾ ہر خبر کے لیے ایک ٹھکانا ہے ﴿وَسَوْفَ تَعْلَمُونَ﴾ اور عن قریب تم جان لو گے۔

مسئلہ توحید و شرک

شرک کا رد اور توحید کا اثبات، یہ موضوع چلا آ رہا ہے۔ توحید قرآن کے بنیادی مسائل میں سے ایک مسئلہ ہے اور مسئلہ توحید اس وقت تک سمجھ نہیں آ سکتا جب تک شرک کا مفہوم نہ سمجھا جائے۔ اس لیے قرآن کریم میں دونوں چیزوں کو بیان کیا گیا ہے۔ شرک کا رد اور توحید کا اثبات۔ توحید یہ ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور تمام اختیارات اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس کچھ نہیں ہے۔ اور شرک کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے مافوق الاسباب طریقے سے تعلق جوڑا جائے۔

از شاد و ربانی ہے ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ﴾ اور وہ غالب ہے ﴿فَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ﴾ اپنے بندوں پر۔ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق پر غالب ہے اس کے حکم سے کوئی سرکشی نہیں کر سکتا۔

”حَقَقَةٌ“ کی تحقیق

﴿وَيُرْسِلْ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً﴾ اور وہ بھیجتا ہے تم پر نگران۔ حَفَظَةٌ، حَافِظٌ کی جمع مکر ہے جس طرح كَفَرَةٌ كَافِرٌ کی جمع ہے اور فَجْوَةٌ فَاجِرٌ کی جمع ہے۔ ایک تفسیر کے مطابق نگران سے مراد کرنا کاتبین ہیں جو نیکی بدی لکھتے ہیں۔

سورۃ الانفطار میں آتا ہے ﴿وَإِنْ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ۖ كَمَا مَّا كَاتِبُونَ ۖ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ﴾ اور حالانکہ تم پر نگران مقرر ہیں عالی قدر لکھنے والے جو کچھ تم کرتے ہو اسے وہ جانتے ہیں۔ اور سورۃ ”ق“ میں آتا ہے ﴿مَا يَلْفُظُونَ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَاقِبٌ عَنِّي﴾ ”کوئی بات اس کی زبان پر نہیں آتی مگر ایک نگران اس کے پاس تیار کھڑا ہے۔“ جو بات زبان سے نکلتی ہے وہ اسے فوراً لکھ لیتا ہے۔ ﴿عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قُعُودٌ﴾ ”ایک فرشتہ دائیں کندھے پر ہے اور ایک بائیں پر موجود رہتا ہے۔“ ہمیں ان فرشتوں کے بیٹھنے کا احساس نہیں ہے۔ ہلکے پھلکے رومال کا کندھے کو احساس ہوتا ہے۔ چیونٹی کا کتنا وجود ہے اگر وہ بھی کندھے پر چڑھ جائے تو احساس ہو جاتا ہے مگر فرشتوں کے بیٹھنے کا ہمیں کوئی احساس نہیں ہے۔

حالانکہ جب فجر کی نماز شروع ہوتی ہے تو دو فرشتے آجاتے ہیں اور جب عصر کی نماز شروع ہوگی تو یہ چلے جائیں گے اور دوسرے دو آجائیں گے۔ یہ چار فرشتے دن رات کے انسان کے اعمال لکھتے ہیں۔ وہ اعمال، اقوال ہوں، چاہے افعال ہوں، یا اشارات ہوں۔ انسان جو بھی نیکی بدی کرتا ہے وہ لکھتے ہیں۔

اور جب ڈیوٹی تبدیل ہوتی ہے اور یہ فرشتے رب تعالیٰ کے پاس جاتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرشتوں سے سوال کرتا ہے حالانکہ رب تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے مگر ایک طریقہ کار ہے اس کا کَيْفٌ تَرَكْتُمْ عِبَادَتِي؟ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا ہے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں هُمْ يُصَلُّونَ وہ نماز میں مصروف تھے اور اب جب ہم واپس آئے ہیں تو بھی نماز میں مصروف تھے۔ اس لیے فجر اور عصر کی نماز کی بڑی اہمیت ہے۔ کیوں کہ اس وقت فرشتوں کی ڈیوٹی تبدیل ہوتی ہے۔

سوال • اب سوال یہ ہے کہ انسان دل میں جو نیکی اور بدی کا ارادہ کرتا ہے اس کو فرشتے جانتے ہیں یا نہیں؟
جواب • تو دلوں کے راز فرشتوں کو معلوم نہیں ہیں وہ صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو ﴿عَلَيْكُمْ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ ہے۔

دل میں خوشبو یا بدبو کا پیدا ہونا ﴿﴾

تو پھر فرشتے نیکی والے ارادے کی نیکی کس طرح لکھتے ہیں؟ اس کے متعلق امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ انسان کے دل میں جب اچھی چیز کا ارادہ پیدا ہوتا ہے تو فرشتوں کو اس کی خوشبو محسوس ہوتی ہے جس سے وہ سمجھ جاتے ہیں کہ اس نے نیکی کا ارادہ کیا ہے اگرچہ وہ اس نیکی کا تعین نہیں کر سکتے کہ یہ کیا کرنا اور کیا کہنا چاہتا ہے مگر راسخہ رطیبہ سے محسوس کر کے لکھ لیتے ہیں۔ اور اگر برے کام کا ارادہ کرے تو اس سے بدبو ظاہر ہوتی ہے جس سے فرشتے سمجھ جاتے ہیں کہ اس نے بدی کا ارادہ کیا ہے۔ اگرچہ وہ اس بدی کا تعین نہیں کر سکتے کہ اس نے کون سی بدی کا ارادہ کیا ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق ”نگران“ کا مفہوم ﴿﴾

ایک تفسیر کے مطابق نگران سے مراد یہ فرشتے ہیں۔ اور دوسری تفسیر کے مطابق نگران سے مراد وہ فرشتے ہیں جن کا ذکر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دس فرشتے دن کو اور دس فرشتے رات کو انسان کی حفاظت کے لیے مقرر ہیں جب تک اور جن چیزوں سے حفاظت منظور ہوتی ہے یہ کرتے ہیں۔ تو بیس یہ اور چاروہ۔ چوبیس فرشتے ہر انسان کے ساتھ ہیں اور ہر جن کے ساتھ ہیں اس سے فرشتوں کی تعداد کا اندازہ خود لگا لو۔

آسمان کا فرشتوں سے بھرا ہوا ہونا ﴿﴾

اس کے علاوہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ آسمان پر چار انگشت بھی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ عبادت نہ کر رہا ہو۔ ساتوں آسمانوں کا یہی حال ہے اور عرش کے آس پاس جو فرشتے ہیں وہ تو شمار ہی میں نہیں آسکتے۔ تو فرشتے اللہ تعالیٰ نے نگران مقرر فرمائے ہیں ﴿كَانُوا إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ﴾ یہاں تک کہ جب آتی ہے تم میں سے کسی ایک پر موت ﴿تَوَفَّيْتُهُمْ سُلَيْمًا﴾ اس کی جان نکالتے ہیں ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ﴿وَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ﴾ اور وہ کوتاہی نہیں کرتے جان نکالنے میں جس وقت جس کی جان نکالنی ہوتی ہے اسی وقت نکالتے ہیں اور جس کی جان نکالنی ہوتی ہے اسی کی نکالتے ہیں۔ اور لوگوں نے جو اس طرح کی کہانیاں بنائی ہوئی ہیں کہ ایک آدمی تھا اس کے نام کا ایک اور آدمی تھا۔ فرشتے کو غلطی لگ گئی وہ پہلے کی بجائے دوسرے کی جان نکال کر لے گیا۔ حاشا دکلا! ایسی کوئی بات نہیں ہے فرشتے بھول چوک سے پاک ہیں ﴿كَمْ رُدُّوْا﴾ پھر وہ لوٹائے جاتے ہیں ﴿إِلَى اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف ﴿مَوْلَانَهُمُ الْحَقِّ﴾ جو ان کا سچا آقا اور بادشاہ ہے۔

ارواح کا علیین یا سجین میں جانا؟

مرنے والے اگر نیک ہیں تو ان کی ارواح کو علیین کے مقام میں پہنچایا جاتا ہے۔ اور اگر بد ہیں تو سجین کے مقام میں پہنچایا جاتا ہے اور جب میت کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو روح کو جسم کی طرف لوٹایا جاتا ہے ابھی لوگ قبر سے پیچھے نہیں ہٹتے کہ وہ زندہ ہو چکا ہوتا ہے اور فرشتے اس سے سوال جواب کرتے ہیں۔ مَنْ رَبُّكَ؟ تیرا رب کون ہے؟ مَنْ نَبِيُّكَ؟ تیرا نبی کون ہے؟ مَا دِيْنُكَ؟ تو کس دین پر تھا؟ اور لوگ جب اسے دفن کر کے واپس جا رہے ہوتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سن رہا ہوتا ہے کہ یہ مجھے دفن کر کے جا رہے ہیں۔

﴿الَا﴾ خبر وار ﴿لَا الْحُكْمُ﴾ اسی کا حکم ہے ﴿وَهُوَ أَسْرَعُ الْحُسْبَانِ﴾ اور وہی ہے جلد حساب لینے والا ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿مَنْ يُنْفِخُكُمْ﴾ کون تمہیں نجات دیتا ہے ﴿مَنْ ظَلَمْتَ الْعَبْرَةَ وَالْبَحْرَةَ﴾ خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں۔ خشکی کے اندھیرے، شہر، چیتے بھیڑیے اور دیگر موذی جانور اور ڈاکوؤں، چوروں سے تمہیں کون نجات دیتا ہے۔ اور جب تم سمندر کا سفر کرتے ہو کشتیوں پر تو سمندر کے اندھیروں سے تمہیں کون نجات دیتا ہے؟ ﴿كُنْ عَوْنَهُ﴾ جس کو تم پکارتے ہو ﴿تَقْرَأُ عَا﴾ عاجزی سے ﴿ذُخْفِيَّةً﴾ اور آہستہ آہستہ جب تم پریشانی میں مبتلا ہوتے ہو۔

ذکر خفی کی فضیلت

اور حدیث پاک میں آتا ہے خَيْرُ الذِّكْرِ الْخَفِيُّ بہتر ذکر وہ ہے جو مخفی طور پر ہو صرف ہونٹ بلیں اور اپنے کان نہیں۔ اور حدیث کے مطابق آہستہ ذکر کرنے کا اجر بلند آواز سے ذکر کرنے سے ستر [۷۰] گنا زیادہ ہے۔ ہاں شریعت نے جہاں بلند آواز سے ذکر کرنے کا حکم دیا ہے وہاں بلند آواز سے کرو جیسے اذان بلند آواز سے کہنی ہے، تکبیر بلند آواز سے کہنی ہے، عید الاضحیٰ کے موقع پر نویں تاریخ سے لے کر تیرہویں تاریخ تک ہر نماز کے بعد تکبیرات تشریح بلند آواز سے کہنی ہیں۔ اسی طرح تلبیہ لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ بلند آواز سے کہنا ہے۔ اور جہاں شریعت نے بلند آواز سے کہنے کا حکم نہیں دیا وہاں آہستہ ہی بہتر ہے۔

ائمہ اربعہ کا بیان

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور باقی تینوں ائمہ بھی اس مسئلے پر متفق ہیں کہ رَفَعَ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ وَالِدُّعَاءِ بِدَعْوَةٍ وَيُخَالِفُ الْأَمْرَ مِنْ قَوْلِهِ تَعَالَى. "بلند آواز سے ذکر کرنا اور دعا کرنا بدعت ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مخالف ہے۔" بعض لوگ دعا اور دعا کی طرف توجہ کرانے کا فرق نہیں سمجھتے۔ مثلاً: ایک آدمی کہتا ہے کہ فلاں آدمی فوت ہو گیا ہے اس کے لیے مغفرت کی دعا کرو، فلاں بیمار ہے اس کی صحت کے لیے دعا کرو۔ یہ دعا کی طرف توجہ دلانا ہے۔ یہ بلند آواز سے کہے گا تو معلوم ہوگا کہ اس نے کیا کہا ہے؟ اور ایک ہے دعا کرنا۔ مثلاً: بارش کے لیے دعا کرنا، مسلمانوں کے لیے دعا کرنا، مجاہدین کی کامیابی کے لیے دعا کرنا، یہ آہستہ کرنی ہے اور ذکر جب بھی کرنا ہے آہستہ کرنا ہے۔

تو فرمایا کہ تم جب پریشان ہوتے ہو تو اسے پکارتے ہو اور کہتے ہو ﴿لَیْسَ اُنْجِنَا﴾ البتہ اگر اس نے ہمیں بچالیا ﴿مِنْ هٰذِہٖ﴾ اس مصیبت سے ﴿لَنُکُوْنَنَّ﴾ البتہ ضرور ہو جائیں گے ہم ﴿مِنَ الشُّکْرِیْنَ﴾ شکر گزاروں میں سے۔ پکا مشرک بھی انتہائی مشکل میں صرف رب تعالیٰ کو پکارتا ہے۔

مشرکین کا انتہائی پریشانی کے وقت صرف اللہ تعالیٰ کو ہی پکارتا ہے

چنانچہ سورۃ عنکبوت میں آتا ہے ﴿فَاِذَا مَا كُنُوْا فِي الْفُلْکِ دَعَوْا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُمُ النَّوْیْنَ﴾ پھر جب سوار ہوئے کشتیوں میں پکارنے لگے اللہ تعالیٰ کو خالص اسی پر رکھ کر اعتقاد۔ یعنی کشتیوں میں سوار ہونے کے بعد سمجھتے تھے کہ ہم طوفان کے گھیرے میں آگئے ہیں تو صرف رب تعالیٰ کو پکارتے تھے۔ اور کلمہ پڑھنے والا کہتا ہے:۔

بگرداب بلا افتاد کشتی
مدد کن یا معین الدین چشتی

مصیبت کے چکر میں یعنی پانی کی موجوں میں کشتی پھنس گئی ہے اے معین الدین چشتی مدد کر۔ یہ کلمہ گو مشرک انتہائی مصیبت میں بھی غیر اللہ کو پکارتے ہیں۔ بھائی! کیا شرک کے سینگ ہوتے ہیں؟ شرک بہت بری چیز ہے اللہ تعالیٰ اس سے بچائے اور محفوظ فرمائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اللّٰهُ يَبْعَثُ مَنۢ مِّنۡهَا﴾ اللہ تعالیٰ ہی نجات دیتا ہے اس تکلیف سے ﴿وَمِنْ كُلِّ كَلۡمٍ کَثِیۡرٍ﴾ اور ہر قسم کی تکلیفوں سے ﴿فَمۡ اَنۡتُمْ تَشۡكُرُوْنَ﴾ پھر تم شرک کرتے ہو؟ جب تم انتہائی مصیبت میں پھنسے ہوتے ہو تو اس وقت صرف رب تعالیٰ ہی یاد آتا ہے۔ اور جب وہ تمہیں مصیبت سے نجات دے دیتا ہے تو اس وقت تمہیں اور بھی یاد آجاتے ہیں۔

مختلف قوموں پر عذاب کا تذکرہ ہے

﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿هُوَ الْقَادِرُ﴾ وہ اللہ تعالیٰ قادر ہے ﴿عَلٰی اَنْ یَّبۡعَثَ عَلَیْکُمْ﴾ اس بات پر کہ جیسے تم پر ﴿عَذَابًاۙ مِّنۡ ذُوۡرِکُمْ﴾ عذاب تمہارے اوپر سے کہ پتھر برسائے تم پر جس طرح لوط علیہ السلام کی قوم پر برسائے تھے یا ہوا آئے اوپر سے جس طرح قوم عاد علیہ السلام پر رب تعالیٰ نے ہوا مسلط فرمائی تھی یا بارش کی صورت میں عذاب آئے کہ تم بھی اور تمہارے مکان بھی بہہ جائیں ﴿اَوْ مِمَّنۡ نَّخۡبِ اٰتۡمَ جُلۡکُمۡ﴾ یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے عذاب آئے، زلزلہ آئے، زمین پھٹ جائے اور تم قارون کی طرح زمین میں دھنس جاؤ۔ ﴿اَوْ یَلۡبِیۡسۡکُمۡ﴾ یا تمہیں غلط ملط کر دے ﴿وَشِیۡعًا﴾ مختلف فرقوں میں۔ تمہیں آپس میں لڑا کر گردہ در گردہ بنادے ﴿وَاٰیٰتِنَاۙ یَتَّصَلۡنَاۙ بِمَآسِ بَعۡضِہُمۡ﴾ اور چکھائے تم میں سے بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ۔

آپ ﷺ کا عذاب سے پناہ مانگنا؟

حدیث پاک میں آتا ہے کہ اس آیت کریمہ کے جب یہ الفاظ نازل ہوئے ﴿عَذَابًا مِّن قَوْلِكُمْ﴾ تو آنحضرت ﷺ نے دعا کی اَعُوذُ بِوَجْهِكَ اے اللہ! میں تیری ذات کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں اس عذاب سے ہمیں محفوظ رکھنا۔ پھر جب الفاظ ﴿اَوْ مِنْ تَحْتِ اَمْرِ جَلَّتُمْ﴾ اترے تب بھی آنحضرت ﷺ نے نیچے والے عذاب سے پناہ مانگی۔ آیت کا تیسرا ٹکڑا ﴿اَوْ يَلْسَنُكُمْ شَيْعًا﴾ آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ نسبتا آسان ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ ان تین دعاؤں میں سے اللہ تعالیٰ نے پہلی دو کو منظور کر لیا اور فرقہ بندی کے متعلق دعا قبول نہ ہوئی۔

فرمایا ﴿اَنْظُرْ﴾ دیکھ ﴿كَيْفَ نَصَرْتُ الْاٰلِيَّتِ﴾ کیسے پھیر پھیر کر ہم بیان کرتے ہیں آیتوں کو ﴿لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ﴾ تاکہ وہ سمجھ جائیں ﴿وَكَذَّبَ بِهٖ﴾ اور جھٹلایا اس قرآن کریم کو ﴿قَوْلُكَ﴾ تیری قوم نے ﴿وَهُوَ الْحَقُّ﴾ حالانکہ وہ قرآن پاک حق ہے۔

پیغمبر کے ذمے صرف پہنچانا ہی ہے یا منوانا بھی؟

﴿قُلْ﴾ آپ (ﷺ) کہہ دیں ﴿لَسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ﴾ نہیں ہوں میں تم پر نگہبان۔ میں مبلغ ہوں، حق کی بات تم تک پہنچاتا ہوں، منوانا میرے فریضے میں داخل نہیں ہے۔ ﴿لِكُلِّ نَبِيٍّ مُّسْتَقَرٌّ﴾ ہر خبر کے لیے ایک ٹھکانہ ہے، وقت مقرر ہے۔ جب اس خبر کا وقت آئے گا وہ پوری ہو جائے گی۔ عذاب کی بھی، ثواب کی بھی، راحت کی بھی اور تکلیف کی بھی۔ ﴿وَمَنْ يُّفَكِّرْ﴾ اور عن قریب تم جان لو گے کہ حق اور توحید کے انکار کرنے کا کیا نتیجہ ہے؟ بس آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے۔ ساری حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی۔



﴿وَإِذَا سَأَلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا فِي الْبَيْتِ﴾ اور جب آپ دیکھیں ان لوگوں کو ﴿يَخُوضُونَ فِي الْاٰتِنَا﴾ جو عیب جوئی کرتے ہیں ہماری آیتوں میں ﴿فَاعْرَضْ عَنْهُمْ﴾ پس آپ ان سے اعراض کریں ﴿حَتَّىٰ يَخُوضُوا﴾ یہاں تک کہ وہ مشغول ہو جائیں ﴿فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ﴾ کسی اور بات میں ﴿وَإِنَّمَا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ﴾ اور اگر آپ کو بھلا دے شیطان ﴿فَلَا تَعْتَدْ بَعْدَ الَّذِي كَرِهَ﴾ پس آپ (ﷺ) نہ بیٹھیں یاد آجانے کے بعد ﴿مَعَ الْقَوٰمِ الظَّالِمِيْنَ﴾ ظالم قوم کے ساتھ ﴿وَمَاعَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا﴾ اور نہیں ہے ان لوگوں پر ﴿يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ﴾ جو بچتے ہیں ان کے حساب میں سے ﴿فَمَنْ شَاءَ﴾ کچھ بھی ﴿وَلٰكِنْ ذِكْرًا﴾ اور لیکن نصیحت ہے ﴿لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾ تاکہ وہ بچ جائیں ﴿وَذُرِّ الْاٰلِيَّتِ﴾ اور آپ چھوڑ دیں ان لوگوں کو ﴿اَلْخُلْدُ﴾ اور انہیں ﴿جَنُّوْا﴾ جنہوں نے بنایا اپنے دین کو ﴿لَعِبًا وَّلَهْوًا﴾ کھیل اور

تماشا ﴿وَعَرَّيْتَهُمُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا﴾ اور دھوکے میں ڈالا ان کو دنیا کی زندگی نے ﴿وَذُكِّرْتُمَا﴾ اور آپ نصیحت کریں اس قرآن پاک کے ذریعے ﴿أَنْ يُبْسَلَ نَفْسٌ﴾ کہ نہ گرفتار کیا جائے کوئی نفس ﴿بِمَا كَسَبَتْ﴾ اپنی کمائی کے ساتھ ﴿لَيْسَ لَهَا﴾ نہیں ہوگا اس نفس کے لیے ﴿مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿وَلَا شَفِيعٌ﴾ کوئی حمایتی اور نہ کوئی سفارشی ﴿وَإِنْ تَعَدَّلْ﴾ اور اگر وہ فدیہ دے ﴿كُلَّ عَدْلٍ﴾ پورا فدیہ ﴿لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا﴾ تو نہیں لیا جائے گا اس سے ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ﴾ یہ وہی لوگ ہیں ﴿أُتْسَلُّوا﴾ جو گرفتار کیے جائیں گے ﴿بِمَا كَسَبُوا﴾ اس کے بدلے میں جو انھوں نے کمایا ﴿لَهُمْ شَرَابٌ﴾ ان کے لیے پینا ہوگا ﴿مِنْ حَيٍّ﴾ کھولتے ہوئے پانی سے ﴿وَعَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ اور عذاب ہوگا دردناک ﴿بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ﴾ اس لیے کہ وہ انکار کرتے تھے۔

سورۃ قرآن کی وجہ تسمیہ

قرآن کریم کی سورتوں کے نام کسی خاص واقعہ اور قصے کی وجہ سے ہوتے ہیں جس کا ذکر سورت میں ہوتا ہے۔

سورۃ بقرہ کی وجہ تسمیہ

مثلاً: سورۃ فاتحہ کے بعد پہلی سورت ہے ”البقرہ“۔ اس کا نام بقرہ رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ بقرہ کے معنی گائے کے بھی ہیں اور تیل کے بھی۔ اور سورت میں چونکہ بقرہ کا ذکر ہے اس لیے اس کا نام بقرہ ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کا واقعہ

واقعہ یوں پیش آیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک آدمی قتل ہوا اور قاتلوں کا پتہ نہیں چل رہا تھا مقدمہ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے پیش کیا گیا موسیٰ علیہ السلام نے ان کو اللہ تعالیٰ کا حکم سنایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تیل ذبح کرو اور اس کا ایک حصہ اس مقتول کو مارو وہ فوراً زندہ ہو کر تمہیں بتائے گا کہ میرا قاتل کون ہے۔ چنانچہ انھوں نے تیل کو ذبح کیا اور اس کا دل نکال کر اس کو مارا تو اس نے زندہ ہو کر بتا دیا کہ میرا قاتل فلاں ہے۔

سورۃ النساء کی وجہ تسمیہ

اور ایک سورۃ کا نام النساء ہے۔ نساء کا معنی ہے عورتیں۔ چون کہ اس میں عورتوں کے حقوق کا ذکر ہے اس لیے اس کا نام نساء ہے۔

سورۃ مائدہ کی وجہ تسمیہ

اور ایک سورۃ کا نام ہے مائدہ اور مائدہ کا معنی ہے دسترخوان۔ اس میں چوں کہ مائدہ کا ذکر ہے وہ اس طرح کہ حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے دسترخوان مانگو جو آسمان سے اترے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے مائدہ نازل فرما۔ اس لیے اس سورۃ کا نام ”مائدہ“ ہے۔

”انعام“ کی تحقیق اور وجہ تسمیہ

اور اس سورۃ کا نام ”انعام“ ہے۔ انعام کے معنی ہیں مویشی (ڈنگر)۔ اونٹ، بھیڑ، بکری وغیرہ۔

سورۃ عنکبوت کی وجہ تسمیہ

آگے ایک سورت آئے گی اس کا نام ہے عنکبوت۔ ”عنکبوت“ کا معنی ہے مکڑی۔ چوں کہ اس میں مکڑی کی مثال بیان کی گئی ہے اس وجہ سے اس کا نام عنکبوت ہے۔ غرضیکہ سورتوں کے نام کسی خاص واقعہ کی وجہ سے ہوتے ہیں۔

مشرکین کا سؤر قرآن کا مذاق اڑانا

لیکن مشرکین مکہ اپنی مجلسوں اور چوپالوں میں قرآن کریم اور سورتوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ وہ اس طرح کہ مثلاً: ایک کہتا بھائی ”بقرہ“ میری ہے میں اس کا دودھ پیوں گا۔ چوں کہ بقرہ کے معنی گائے بھی ہیں۔ اور دوسرا کہتا ”مائدہ“ میری ہے چونکہ میں کھانے کا بڑا شوقین ہوں۔ تیسرا کہتا کہ میں عورتوں کا بڑا شوقین ہوں لہذا ”نساء“ میری ہے۔ دوسروں کو کہتے بھائی عنکبوت تمہیں دیں گے۔ اور قرآن کریم میں چونکہ مکھی اور چمھر کا بھی ذکر ہے۔

چنانچہ مکھی کا ذکر سترہویں پارہ میں آتا ہے کہ جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو ﴿لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَّلَا كِبَابًا وَّلَا جِنَّةً مَّعْجُوزَةً﴾ وہ ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے اگرچہ اس کے لیے سب اکٹھے ہو جائیں۔ اور پہلے پارے میں چمھر کا ذکر آتا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں شرماتا اس بات سے کہ بیان کرے کوئی مثال ﴿بَعُوضَةٌ فَمَّا فَوْقَهَا﴾ چمھر کی یا اس سے بڑھ کر کسی چیز کی۔

تو کبھی اس طرح مذاق اڑاتے کہ دیکھو! یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس میں مکھیوں اور چمھروں کا ذکر ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ مثالیں سمجھانے کے لئے بیان فرمائی ہیں۔

”مخاطب“ کی تعریف

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَإِنَّمَا آتَيْنَاكَ﴾ اے مخاطب جب تو دیکھے۔ ”مخاطب“ سننے والے کو کہتے ہیں اور قیامت تک آنے والا ہر آدمی اس آیت کریمہ کا مخاطب ہے۔ ﴿الَّذِينَ يَخُوضُونَ﴾ ان لوگوں کو جو عیب جوئی کرتے ہیں، شغل اور مسخرہ کرتے ہیں ﴿فَالْآيَاتِ﴾ ہماری آیتوں میں، ہماری آیتوں کے ساتھ ﴿فَاعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ پس آپ ان سے اعراض کریں۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ دین کی باتوں کا مذاق اڑائیں ان کے پاس بالکل نہ بیٹھو۔

مسئلہ ۱

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کہیں قرآن کریم کے خلاف بات ہو رہی ہو یا حدیث کے خلاف بات ہو رہی ہو یا اسلام کے خلاف بات ہو رہی ہو تو ایسی مجلس میں بیٹھنا گناہ ہے۔ یہ حکم ہے اور مذاق اڑانے کا گناہ انکار کرنے سے بھی بڑا ہے۔

دین کی کسی بات کا مذاق اڑانا کفر ہے

مثلاً: مسواک کرنا احادیث سے ثابت ہے اور مستحب ہے۔ کیوں کہ مسواک کی حدیثیں خبر واحد ہیں اور خبر واحد ظنی ہوتی ہے، قطعی نہیں ہوتی۔ لہذا اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں مسواک کی احادیث کو نہیں مانتا تو بڑا گناہ گار ہوگا مگر کافر نہیں ہوگا۔ لیکن اگر مسواک کا مذاق اڑائے کہ مثلاً: نقل اتارے اور کہے کہ ایسے کرتے ہیں اور ایسے کرتے ہیں تو فوراً کافر ہو جائے گا۔

موچھ منڈوانے پر مذاق اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ

جب کاشغر تک صحیح معنی میں اسلامی حکومت قائم تھی جو تقریباً تریپن لاکھ مربع میل رقبہ جتا ہے۔ قاضی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے شاگرد اسلامی حکومت کے چیف جسٹس تھے۔ ان کے دور میں ایک آدمی نے موچھیں منڈوائیں تو دوسرے آدمی نے اس کا مذاق اڑایا کہ تو نے یہ کیا پھانک بنوایا ہے۔ پلیٹ فارم بنوایا ہے۔ ان الفاظ کی وجہ سے اس آدمی کے خلاف مقدمہ دائر ہوا اور عدالت نے فیصلہ سنایا کہ اس آدمی نے چونکہ سنت کی توہین کی ہے لہذا یہ آدمی کافر ہو گیا ہے اور اس کا نکاح ٹوٹ گیا۔ مطلب یہ ہے کہ دوبارہ کلمہ پڑھے اور دوبارہ نکاح پڑھایا جائے۔

موچھوں کے متعلق ائمہ کے اقوال

موچھوں کے متعلق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہونٹوں تک چینی کے ساتھ کاٹنی افضل ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ استرے کے ساتھ صاف کرنی زیادہ بہتر اور افضل ہیں۔

ایک اور استہزاء کرنے والے کے خلاف مقدمہ

اسی طرح ایک اور کیس دائر ہوا کہ ایک آدمی کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان ہوئی کہ ((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُحِبُّ الدُّنْيَاءَ)) کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کدو کو پسند فرماتے تھے۔ اس شخص نے کہا اَمَّا اَنَا لَا أُحِبُّ الدُّنْيَاءَ بہر حال مجھے کدو پسند نہیں ہے۔ اس کے ان الفاظ پر مقدمہ دائر ہوا کہ اس نے اس موقع پر جب کہ اس کے سامنے حدیث پیش کی گئی کیوں کہا کہ مجھے کدو پسند نہیں ہے۔ بے شک کسی کو اچھا لگے یا نہ لگے۔ کسی کو کوئی چیز موافق ہوتی ہے اور کسی کو موافق نہیں ہوتی۔ مگر اس موقع پر ایسا کہنے سے اس نے حدیث کا مذاق اڑایا ہے۔ فتویٰ دیا گیا کہ یہ مرتد ہو گیا ہے اور اس کا نکاح ٹوٹ گیا ہے۔

یاد رکھنا! ڈاڑھی کے ساتھ مذاق، ٹنڈ کے ساتھ مذاق، پنڈلیوں تک چادر یا شلوار ہونے کا مذاق، یہ سب کفر ہے۔ ایسا کرنے والا مرتد ہو جاتا ہے۔ اس سے پہلے کی تمام نیکیاں ضائع ہو گئیں تو بہ کے بعد مسلمان ہو گا تو نیکیوں کی ابتداء ہوگی۔ اور اب حال یہ ہے کہ مذاق ہی رہ گیا ہے۔

تو حکم خداوندی یہ ہے کہ جہاں قرآن وحدیث یا اسلام کا مذاق اڑایا جا رہا ہو وہاں نہ بیٹھو۔ وہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ۔ ﴿حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَدِيرٍ﴾ یہاں تک کہ وہ مشغول ہو جائیں کسی اور بات میں ﴿وَإِنَّمَا يَتَّبِعُكَ الشَّيْطَانُ﴾ اور اگر آپ کو بھلا دے شیطان ﴿فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ اللَّكْزِ﴾ پس آپ سنی ہوئے نہ بیٹھیں یاد آ جانے کے بعد ﴿مَعَ النَّقُورِ الظَّالِمِينَ﴾ ظالم قوم کے ساتھ۔ اور اگر ان کے ساتھ بیٹھے گا تو اس کا حکم پانچویں پارے میں آتا ہے ﴿فَإِنَّكَ إِذَا قِمْشَلَهُمْ﴾ تو اس وقت تو بھی ان کی طرح مجرم ہوگا۔ یہ جو باطل فرقوں کے جلے ہوتے ہیں ان کا بھی یہی حکم ہے کہ ان میں شرکت کرنا گناہ ہے۔ ایسے جلسوں میں صرف وہ شخص جاسکتا ہے جو راسخ العقیدہ، مضبوط عمل والا ہو اور دین کے متعلق پختہ ذہن رکھتا ہو اور ان کے نظریات سننے کے لیے جائے کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ تاکہ ان کا جواب دیا جاسکے۔

﴿وَمَا عَلَى الَّذِينَ يَتَّقُونَ﴾ اور نہیں ہے ان لوگوں پر ﴿يَتَّقُونَ﴾ جو بچتے ہیں ان چیزوں سے کہ وہ قرآن وحدیث کا مذاق نہیں اڑاتے اور حق کو سمجھتے اور مانتے ہیں ﴿وَمَنْ جَسَادُهُمْ فَمَنْ شَاءَ﴾ ان کے حساب میں سے کچھ بھی نہیں ہے ﴿وَالَّذِينَ ذُكِّرُوا﴾ اور لیکن نصیحت کرنا تو ہے ﴿لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ﴾ تاکہ وہ بچ جائیں۔

”لعب اور لہو“ کی تفاسیر

﴿وَذُرِّيَّتَيْنِ اِتَّخَذُوا دِينَهُمْ﴾ اور آپ چھوڑ دیں ان لوگوں کو جنہوں نے بنایا اپنے دین کو ﴿لَعِبًا وَلَهْوًا﴾ کھیل اور تماشا۔ ایک تفسیر کے مطابق یہی دین اسلام مراد ہے۔ کیونکہ یہ دین حق ہے تو سب پر لازم ہے کافروں کے لیے بھی اس کا ماننا لازم اور فرض ہے۔ مگر وہ اس کے ساتھ مذاق کرتے ہیں۔ کبھی اذان کا، کبھی نماز کا، کبھی دین کے کسی اور رکن کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اور ایک تفسیر یہ بھی کرتے ہیں کہ اس سے مراد وہ دین ہے جو ان کو پہلے دیا گیا تھا کہ انہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا لیا ہے۔ سورۃ انفال میں ہے ﴿وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مَكَاءً وَتَضْيِئَةً﴾ ”نہیں ہے ان کی نماز مسجد حرام کے پاس مگر تالیاں، بجانا اور سیٹیاں مارتا۔“ یعنی توالی کرنا ان کی عبادت ہے۔ جس طرح آج کل لوگ توالی کو عبادت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ان کے اشعار میں بڑی بڑی خرافات ہوتی ہیں جن کا بیان کرنا بھی گناہ ہے اور سننا بھی گناہ ہے۔ ﴿وَعَزَّوْتَهُمُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾ اور دھوکے میں ڈالا ان کو دنیا کی زندگی نے ﴿وَذُكِّرُوهُ﴾ اور آپ نصیحت کریں اس قرآن پاک کے ذریعے ﴿أَنْ يُبْسَلْ نَفْسٌ﴾ کہ نہ گرفتار کیا جائے کوئی نفس ﴿بِمَا كَسَبَتْ﴾ اپنی کمائی کے ساتھ کہ اس نے جو بدی کی ہے اس میں گرفتار نہ ہو جائے ﴿لَيْسَ لَهَا﴾ نہیں ہوگا اس نفس کے لیے ﴿مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿وَلَا شَفِيعٌ﴾ کوئی حمایتی اور نہ کوئی سفارشی۔ اللہ تعالیٰ

کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش بھی نہیں کر سکے گا۔

تیسرے پارے میں ہے ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾ کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے۔ ﴿وَإِنْ تَعَدِلْ﴾ اور اگر وہ فدیہ دے ﴿كُلَّ عَدْلٍ﴾ پورا فدیہ ﴿لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا﴾ تو نہیں لیا جائے گا اس سے۔ دنیا میں تو ایسا ہوتا ہے کہ لوگ بعض جرائم کا جرمانہ دے کر رہا ہو جاتے ہیں مگر وہاں آخرت میں ایسا نہیں ہوگا۔ ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ﴾ یہ وہی لوگ ہیں ﴿أُتُوا﴾ جو گرفتار کیے جائیں گے ﴿بِمَا كَسَبُوا﴾ اس کے بدلے میں جو انہوں نے کمایا۔

جہنیوں کی شراب

﴿لَهُمْ شَرَابٌ﴾ ان کے لیے پینا ہوگا ﴿مِنْ حَيْثُ﴾ کھولتے ہوئے پانی سے۔ وہ اتنا گرم ہوگا کہ یقیناً یوں ہو نہوں کو لگے تو ہونٹ جل جائیں گے، حلق سے نیچے پتھر پتھر قطرہ قطرہ کر کے اتاریں گے۔ اتنا گرم ہوگا کہ نیچے اتار نہیں سکیں گے مگر مجبور ہوں گے۔ نیچے اتارنے پر اور چند قطرے جب اندر جائیں گے تو فقط اعضاء ہمدہ ان کی آنتوں کو کاٹ کر پاخانہ کے راستے سے نکال دے گا پھر آنتیں ان کے اندر ڈالی جائیں گی۔

﴿وَعَذَابٌ آتٍ﴾ اور عذاب ہوگا دردناک ﴿بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ﴾ اس لیے کہ وہ انکار کرتے تھے۔ اور کفر کا بدلہ ضرور

ملے گا۔



﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿أَنْدَعُوا﴾ کیا ہم پکاریں ﴿مَنْ دُونِ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ سے ورے ورے ﴿مَا لَا يَنْفَعُنَا﴾ اس مخلوق کو جو ہمیں نہ نفع پہنچا سکتی ہے ﴿وَلَا يَضُرُّنَا﴾ اور نہ نقصان دے سکتی ہے ﴿وَنُودٌ﴾ اور ہم لوٹا دیے جائیں گے ﴿عَلَىٰ أَعْقَابِنَا﴾ ایڑیوں کے بل ﴿بَعْدَ إِذْ هَدَيْنَا اللَّهُ﴾ بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دی ہے ﴿كَالَّذِي﴾ اس شخص کی طرح ﴿اسْتَوْتُهُ الشَّيْطَانُ﴾ جس کو گمراہ کر دیا شیطانوں نے ﴿فِي الْأَرْضِ حَيْرَانَ﴾ زمین میں حیران ہے ﴿لَهُ أَصْحَابٌ﴾ اس کے ساتھی ہیں ﴿يَنْدَعُونَهُ﴾ جو اس کو بلاتے ہیں ﴿إِلَى الْهُدَى﴾ ہدایت کی طرف (کہتے ہیں) ﴿إِنِّي﴾ ہماری طرف آ جا ﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿إِنَّ هُدَى اللَّهِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہی ﴿هُوَ الْهُدَى﴾ وہ ہدایت ہے ﴿وَأَمْرُنَا﴾ اور ہمیں حکم دیا گیا ہے ﴿بِالسَّلَامِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ کہ ہم جھک جائیں رب العالمین کے سامنے ﴿وَأَنْ أَقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾ اور اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ نماز کو قائم کرو ﴿وَأَتَّقُوا﴾ اور اس سے ڈرو ﴿وَهُوَ الَّذِي﴾ اور وہ، وہ ذات ہے ﴿الْيَوْمَ تُحْشَرُونَ﴾ اور وہی ذات ہے جس کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے ﴿وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ﴾ جس نے پیدا کیا

آسمانوں کو اور زمین کو ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ ﴿وَيَوْمَ يَقُولُ﴾ اور جس دن وہ فرمائے گا ﴿لَنْ فَيَكُونُ﴾ ہو جا، پس سب کچھ ہو جائے گا ﴿قَوْلُهُ الْحَقِّ﴾ اس کی بات سچی ہے ﴿وَلَهُ الْمُلْكُ﴾ اور اسی کے لیے بادشاہی ہے ﴿وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ﴾ جس دن پھونکا جائے گا صور میں ﴿عَلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ غائب اور حاضر چیزوں کو جاننے والا ہے ﴿وَهُوَ الْحَكِيمُ الْحَبِيدُ﴾ اور وہی ہے حکمت والا خبر رکھنے والا۔

آیات کا شان نزول

آنحضرت ﷺ کو حق کی تبلیغ سے روکنے کے لیے مشرکین مکہ نے کئی حربے اختیار کیے آپ ﷺ کے ساتھیوں پر بڑے بڑے ظلم کیے، مارا پیٹا، انگاروں پر لٹایا، شہید کیا۔ آنحضرت ﷺ کو تین سال تک نظر بند رکھا اور ہر طرح کا بائیکاٹ کیا کہ ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ کی تبلیغ چھوڑ دے۔ آپ ﷺ کے پاس خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے والد ولید بن مغیرہ اور عتبہ بن ربیعہ آئے۔ ولید بن مغیرہ بڑا مال دار آدمی تھا اور عتبہ بن ربیعہ کی لڑکیاں بڑی خوبصورت تھیں۔ ولید بن مغیرہ نے کہا کہ اگر آپ ﷺ ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ کی تبلیغ چھوڑ دیں تو میں تجھے اتنا مال دینے کو تیار ہوں کہ تیری کئی پشتوں کو کافی ہو جائے گا۔ اور عتبہ بن ربیعہ نے کہا اگر آپ ﷺ ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ کی تبلیغ چھوڑ دیں تو میری جس لڑکی کی طرف اشارہ کریں میں اس کے ساتھ تیرا نکاح کر دوں گا بغیر حق مہر کے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نہ تو مجھے دولت کی لالچ ہے اور نہ عورتوں کی خواہش ہے۔ میں رب تعالیٰ کا پیغمبر ہوں اس کا پیغام پہنچاؤں گا چاہے اس میں میری جان چلی جائے۔

مشرکین کا ایک اور وفد دربار رسالت میں

اس کے بعد مشرکوں نے ایک اور وفد تیار کر کے بھیجا کہ اس کے ساتھ صلح صفائی کی بات کرو اور صلح ہوتی ہے کچھ لو اور کچھ دو کے قانون پر۔ چنانچہ اس وفد نے گفتگو شروع کی۔ کہنے لگے اے محمد! (ﷺ) آپ کے آنے سے پہلے یہاں کوئی لڑائی جھگڑا نہیں تھا جس دن سے آپ نے ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ کی تبلیغ شروع کی ہے اس دن سے ہر گھر میں لڑائی شروع ہو گئی ہے۔ بھائی، بھائی کا مخالف ہے، خاوند، بیوی سے لڑتا ہے، باپ بیٹا آپس میں لڑ رہے ہیں اس کا نتیجہ اچھا نہیں نکلے گا اس لڑائی کے آپ ذمہ دار ہیں۔ ہم آپ کے پاس خیر خواہی کے جذبہ کے تحت آئے ہیں یہ جھگڑے اس طرح ختم ہو سکتے ہیں کہ آپ ہمارے خداؤں کو پکاریں اور ہم آپ کے خدا کو پکارتے ہیں تاکہ مل جل کر زندگی بسر کریں۔

مطالباتِ مشرکین کا جواب

اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کا جواب دیا اور فرمایا ﴿قُلْ﴾ آپ (ﷺ) کہہ دیں ﴿أَنْدَعُوهُ﴾ کیا ہم پکاریں ﴿مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ سے ورے ورے ﴿مَا لَا يَنْفَعُنَا﴾ اس مخلوق کو جو ہمیں نہ نفع پہنچا سکتی ہے ﴿وَلَا يَضُرُّنَا﴾ اور نہ نقصان

رے سکتی ہے۔ لات منات عزیزی وغیرہ کے پاس کیا ہے کہ ہم ان کو پکاریں ﴿وَوُزِدْ﴾ اور ہم لوٹا دیے جائیں گے ﴿عَلَىٰ آعْقَابِنَا﴾ ایڑیوں کے بل۔

سوال ❁ یہاں پر بظاہر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ تو نبوت کے ملنے سے پہلے بھی موحد تھے کیونکہ پیغمبر پیدائشی طور پر موحد ہوتا ہے اور پیغمبر معصوم ہوتا ہے اس سے گناہ سرزد نہیں ہو سکتا اور ”لوٹا دیئے جائیں“ سے تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح پہلے کافر مشرک تھے پھر اس طرح ہو جائیں ﴿بَعْدَ إِذْ هَدَيْنَا اللَّهَ﴾ بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دی ہے۔

جواب ❁ مفسرین کرام رضی اللہ عنہم اس کا ایک جواب یہ دیتے ہیں کہ ﴿وَوُزِدْ﴾ میں تغلیب ہے۔ تغلیب کا مطلب ہے ایک کو دوسرے پر غلبہ دینا۔ جس طرح کہا جاتا ہے ”والدین“ تو دو والد تو کسی کے نہیں ہیں بلکہ والد کو والدہ پر غلبہ دے کر والدین کہا جاتا ہے۔ اس طرح شمسین دو سورج۔ تو دو سورج تو نہیں ہیں بلکہ سورج کو چاند پر غلبہ دیا گیا ہے۔ مراد سورج اور چاند ہیں۔ یا کہا جاتا ہے قرین دو چاند۔ تو چاند تو ایک ہے تو یہاں چاند کو سورج پر غلبہ دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے تو کبھی شرک نہیں کیا مگر اکثر ساتھی تو زمانہ جاہلیت میں شرک میں مبتلا رہے تو ان کو غلبہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ ہم پلٹا دیے جائیں اُلٹے پاؤں بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دی ہے۔

دوسرا جواب ❁ دوسرا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ کافروں کے زعم اور خیال کے مطابق کیا گیا ہے۔ کیوں کہ جب تک آپ ﷺ نے تبلیغ شروع نہیں کی تھی کافر یہ سمجھتے تھے یہ ہمارے ہیں اور جس دن سے آپ ﷺ نے تبلیغ شروع فرمائی تو کافروں نے یہ سمجھا کہ آج سے یہ ہم سے علیحدہ ہو گئے ہیں۔ تو یہ جواب ان کے خیال کے مطابق دیا گیا ہے حقیقت میں ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ تمہارا خیال ہے کہ میں پہلے تمہارے ساتھ تھا۔ حاشا وکلا! ایسا نہیں ہے کہ ہم پلٹا دیے جائیں اُلٹے پاؤں بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دی ہے۔ ﴿كَالَّذِي﴾ اس شخص کی طرح ﴿اسْتَهْوَتْهُ الشَّيَاطِينُ﴾ جس کو گمراہ کر دیا شیطانوں نے ﴿فِي الْأَمْهَاضِ حَيْرَانَ﴾ زمین میں حیران ہے ﴿لَمَّا أَصْحَبُ﴾ اس کے ساتھی ہیں ﴿يَنْعُزُونَ﴾ جو اس کو بلاتے ہیں ﴿إِلَى الْهُدَى﴾ ہدایت کی طرف (کہتے ہیں) ﴿اٰثِنَاتًا﴾ ہماری طرف آجا۔ اور وہ آتا نہیں یعنی جنگل میں کسی کو جن چٹ جائے اور وہ آسیب کی وجہ سے بدحواس ہو جائے اور اس کو اس کے ساتھی بلائیں کہ تو ہماری طرف آ مگر اس کے تو ہوش و حواس ہی قائم نہیں ہیں وہ کس طرح آئے گا۔

میں نے تیسرے پارے میں اس کے متعلق ضروری بحث کی تھی۔

امام سرخسی رضی اللہ عنہ، ان کی کتاب اور اہل سنت کا نظریہ یہ ہے

امام سرخسی رضی اللہ عنہ بہت بڑے فقیہ گزرے ہیں وہ اپنی کتاب بمسوط میں لکھتے ہیں جو اکیس جلدوں میں ہے کہ اہل سنت

والجماعت کا یہ نظریہ ہے کہ بسا اوقات جنات انسان کے وجود میں داخل ہو کر اس کو تکلیف پہنچا سکتے ہیں۔ لیکن جنات کی بیماری اتنی عام نہیں ہے کہ جتنا ان فراڈیوں نے جو فالوں اور تعویذ گنڈے والوں نے لوگوں کا ذہن بگاڑا ہوا ہے۔ ہر ایک کو کہتے ہیں کہ تیرے اوپر سایہ ہے اور تیرے اوپر جادو ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے مسلمان کو اتنا وہی نہیں ہونا چاہیے۔ سو مریضوں میں سے ایک دو ایسے ہوں گے کہ جن پر جنات کا اثر ہو باقی سب طبعی بیماریاں ہیں۔ بالکل غلط فہمی کا شکار نہ ہونا۔ اچھے خاصے پڑھے لکھے سمجھدار اس بیماری میں مبتلا ہیں افسروں تک۔

کل روادی میرے پاس آئے کہنے لگے ہم پر وار ہو گیا ہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ، کچھ ویسے ذہن بگڑے ہوئے ہیں اور کچھ ان ٹھگ باز تعویذ والوں نے بے ایمان بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے کوئی شے ہمیں خالص ملتی نہیں۔ خوراک ہماری کھاد والی ہے، دودھ، مریج، نمک تک میں ملاوٹ کرتے ہیں۔ پھر صحت کس طرح قائم رہے گی؟ تو زیادہ تر بیماریاں ہیں۔ باقی اثر بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ محاورہ ہے خرافات کہ جو باتیں سمجھ نہ آئیں تو کہہ دیتے ہیں چھوڑوان خرافات کو۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول

تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا حدیث خرافہ، یہ خرافہ کی بات ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ! حدیث خرافہ کا مطلب کیا ہے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ حضرت بڑوں سے میں نے سنا ہے کہ جو بات سمجھ میں نہ آئے اس کو کہہ دیتے ہیں حدیث خرافہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اخْوَا فَاِنَّهُ اِسْمٌ رَّجُلٍ خِرَافَةٍ اِدَى كَانَامِ هِيَ اَسْوَاؤُهُ الْجِنَاتُ اِس كُو جِنَاتٍ رَفَارِ كَر كَل لَ كَنَ تَحَ۔ اور کئی سال تک جنات کے قبضہ میں رہا۔ پھر جنات نے اس کو رہا کر دیا۔ وہ جب واپس آیا تو ایسی باتیں کرتا تھا جو لوگوں کو سمجھ نہیں آتی تھیں۔ تو اس سے ضرب المثل بن گئی کہ جو بات سمجھ نہ آتی اس کو کہہ دیتے حدیث خرافہ یہ خرافہ کی بات ہے۔ اور اسی سے خرافات کا لفظ نکلا ہے۔

﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿اِنَّ هُدٰى اللّٰهُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہی ﴿هُوَ الْهُدٰى﴾ وہ ہدایت ہے ﴿وَاْمْرًا﴾ اور ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ اے وفد والو! اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿لِنُسَلِّمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کہ ہم جھک جائیں رب العالمین کے سامنے۔ اور ہمیں حکم ہے ﴿وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ اور اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ نماز کو قائم کرو ﴿وَاَتَقُوْهُ﴾ اور اس سے رو۔ لہذا ہم تمہاری بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اور یاد رکھو! ﴿وَهُوَ الَّذِيْ اَلَيْنَا النَّبِيَّ الْيَهُودَ النَّصْرٰتِ﴾ اور وہی ذات ہے جس کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے میدان محشر میں۔ او ظالمو! تمہیں یہ بات سمجھ نہیں آتی ﴿وَهُوَ الَّذِيْ﴾ اور وہ ذات ہے ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ۔ تمہارے لات، منات، عزیٰ اور دوسرے خداؤں نے کیا پیدا کیا ہے؟ اگر کچھ پیدا کیا ہے تو بتاؤ۔ ﴿يَوْمَ يَقُوْلُ﴾ اور جس دن وہ فرمائے گا ﴿لَنْ يَخْلُقُنَّ﴾

ہو جائے، پس سب کچھ ہو جائے گا۔ وہ جس طرح چاہے گا اسی طرح ہو جائے گا۔ جب قیامت برپا کرنا چاہے گا قیامت برپا ہو جائے گی اور دنیا فنا ہو جائے گی اور جب دوبارہ اٹھانا چاہے گا ساری دنیا اٹھ کھڑی ہوگی۔ ﴿قَوْلُهُ الْحَقُّ﴾ اس کی بات سچی ہے۔

شاہی صرف اللہ تعالیٰ کی

﴿وَلَوْلَا الْمَلَكُ﴾ اور اسی کے لیے بادشاہی سچی ﴿يَوْمَ يُنْفَخُ فِي السُّمُومِ﴾ جس دن پھونکا جائے گا صور میں اس دن صرف اللہ تعالیٰ کی شاہی ہوگی۔ آج تو دنیا میں میری تیری ہے کہ میری حکومت، میری سلطنت، میرا اقتدار، میری صدارت، میری وزارت، اس میری تیری نے لوگوں کو تباہ کر دیا ہے۔ اور اس دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوگا ﴿لَيَمُنَّ الْمَلَكُ الْيَوْمَ﴾ بتاؤ آج ملک کس کا ہے؟ سب کی طرف سے جواب آئے گا ﴿بِئِنَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ [المومن: ۱۶] اس رب کا ہے جو اکیلا ہے اور سب پر غالب ہے۔ ﴿عَلِيمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ غائب اور حاضر چیزوں کو جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا عالم الغیب ہونا بندوں کی نسبت سے ہے، مخلوق کی نسبت سے ہے کہ جو چیز بندوں سے کور اس کی مخلوق سے غائب ہے وہ اس کو بھی جانتا ہے اور جو چیز حاضر ہے اس کو بھی جانتا ہے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جو غائب ہے اس کو جانتا ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز غائب نہیں ہے۔ ﴿وَهُوَ الْحَكِيمُ الْحَمِيدُ﴾ اور وہی ہے حکمت والا، خبر رکھنے والا۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے۔ وہ ہر شے کے ظاہر، باطن، قول، فعل، نیتوں اور ارادوں کو جانتا ہے۔



﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ﴾ اور جب کہا ابراہیم علیہ السلام نے ﴿لَا يَبُوءُ إِلَٰهًا﴾ اپنے باپ آزر سے ﴿أَتَشْعُرُ أَصْنَامًا﴾ کیا تو بناتا ہے بتوں کو ﴿الْهَيْئَةَ﴾ معبود ﴿إِنِّي أَنرُكُ﴾ بے شک میں دیکھتا ہوں تجھے ﴿وَقَوْمَكَ﴾ اور تیری قوم کو ﴿فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ کھلی گمراہی میں ﴿وَكَذَٰلِكَ﴾ اور اسی طرح ﴿نُرِيئُ إِبْرَاهِيمَ﴾ دکھائے ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ﴿مَلَكُوتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ عجائبات آسمانوں کے اور زمین کے ﴿وَلِيُتَوَكَّلَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾ اور تا نہ ہو جائیں وہ یقین کرنے والوں میں سے ﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ﴾ پس جب تاریکی چھا گئی ان پر رات کی ﴿رَأٰ كَوْكَبًا﴾ دیکھا اس نے ایک ستارہ ﴿قَالَ هٰذَا رَبِّي﴾ کہا اس نے یہ میرا رب ہے ﴿فَلَمَّا أَفَلَ﴾ پس جب وہ غائب ہو گیا ﴿قَالَ لَا أَحِبُّ الْاٰفِلِينَ﴾ کہا میں نہیں پسند کرتا غائب ہو جانے والوں کو ﴿فَلَمَّا رَا الْقَمَرَ﴾ پس جب دیکھا انہوں نے چاند کو ﴿بَازِعًا﴾ چمکتا ہوا ﴿قَالَ هٰذَا رَبِّي﴾ کہا یہ میرا رب ہے ﴿فَلَمَّا أَفَلَ﴾ پس جب وہ غائب ہو گیا ﴿قَالَ لَيْنَ لَمْ يَهْدِنِي رَبِّي﴾ کہا اگر نہ ہدایت دیتا مجھے میرا پروردگار ﴿لَا كُؤُنُّنَ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ﴾ البتہ ہو جاتا میں بھی گمراہ لوگوں میں سے ﴿فَلَمَّا رَا الشَّمْسَ بَازِعَةً﴾ پس جب دیکھا اس نے سورج کو چمکتا ہوا ﴿قَالَ

هَذَا رَبِّي ﴿﴾ کہا یہ میرا رب ہے ﴿هَذَا آكْبَرُ﴾ یہ بڑا ہے ﴿فَلَمَّا أَفَلَتْ﴾ پس جب وہ بھی غروب ہو گیا ﴿قَالَ﴾ کہا ﴿لَقَوْمٍ آتِي تِبْرِيءَ وَمَنَا تُشْرِكُونَ﴾ اے میری قوم! بے شک میں بے زار ہوں ان سے جن کو تم شریک بناتے ہو ﴿إِنِّي وَجَّهْتُ﴾ بے شک میں نے متوجہ کر لیا اپنا چہرہ ﴿وَجَهَى لِلَّذِينَ﴾ اس ذات کی طرف ﴿فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو ﴿حَقِيقًا﴾ اور میں ایک طرف ہونے والا ہوں ﴿وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ اور نہیں ہوں میں شرک کرنے والوں میں سے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شاہکار شخصیت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت تمام مذہبوں اور تمام فرقوں میں مسلم تھی اور سب ان کو عقیدت، محبت اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مسلم شخصیت ہونے کی وجہ سے ہر فرقہ اپنی نسبت اور تعلق ان کے ساتھ جوڑتا تھا۔ چنانچہ یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے، عیسائیوں کا دعویٰ تھا کہ ابراہیم علیہ السلام عیسائی تھے اور مشرکین مکہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ ہم میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تیسرے پارے میں ان سب کی تردید فرمائی بڑے صاف الفاظ میں فرمایا ﴿مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے، نہ عیسائی تھے اور لیکن وہ ایک طرف ہو کر رہنے والے مسلمان تھے اور نہ وہ مشرکوں میں سے تھے اور ایک مقام پر صابئین کا لفظ بھی آیا ہے۔

”صابئ“ تعریف و تحقیق

صابئ فرقہ پیغمبروں پر ایمان رکھتا تھا اور قیامت کو بھی مانتا تھا اور نماز روزہ کا بھی قائل تھا اور جنت و دوزخ کو بھی مانتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ کواکب پرستی میں مبتلا تھا کہ ستاروں میں خدائی کرشمے مانتا تھا کہ فلاں ستارے کو یہ اختیار ہے اور فلاں کو یہ اختیار ہے اور فلاں کو یہ اختیار ہے۔

سیاروں، ستاروں میں تاثیر کا ہونا

یہاں آپ حضرات ایک بات ذہن نشین کر لیں کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں میں تاثیر رکھی ہے اس کا انکار نہیں۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کا ایک نظام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو کام میں لگایا ہے، وہ اس سے ادھر ادھر نہیں ہو سکتے۔ ان میں خدائی اختیارات نہیں ہیں۔ جس طرح سورج اور چاند میں اللہ تعالیٰ نے تاثیر رکھی ہے۔ علم نباتات والے بتاتے ہیں کہ سورج کی حرارت اور تپش کا فصلوں پر اثر پڑتا ہے اور چاند اور ستاروں کی روشنی بھی پھلوں میں مؤثر ہے کہ اس سے پھلوں میں رس اور مٹھاس پیدا ہوتی ہے۔ یہ تاثیر ان میں اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے اس کا انکار نہیں ہے۔ سورج کی حرارت اور تپش کا کون انکار کر سکتا ہے۔ لیکن خدائی اختیارات کسی میں نہیں ہیں۔ نہ سورج میں، نہ چاند میں، نہ ستاروں میں، آج کا سبق بھی شرک کی تردید پر مشتمل ہے۔

”آزر“ ہی ابراہیم علیہ السلام کا باپ تھا؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاذْ قَالِ اِبْرٰهِيْمُ ﴿۱۰﴾ اور جب کہا ابراہیم علیہ السلام نے ﴿لَا يَنْبِئُكَ اَنْتُمْ﴾ اپنے باپ آزر کو قرآن کریم نے آزر کو ابراہیم علیہ السلام کا باپ کہا ہے۔ اس کے خلاف کوئی قوی اور مضبوط دلیل موجود نہیں ہے۔ ایک دو روایتیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں مگر وہ سند کے اعتبار سے انتہائی درجے کی ضعیف ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا اور آزر ان کا چچا تھا اور یہ روایتیں اتنی ضعیف ہیں کہ قرآن کریم کے مقابلہ میں حجت نہیں ہو سکتیں۔ باپ سے کیا کہا ﴿اَتَشْعُنْ اَضْمًا﴾ کیا تو بناتا ہے بتوں کو ﴿الِهَةً﴾ معبود۔

”صنم“ کی تحقیق و تفسیر

اس آیت کی تشریح میں تفسیر ابن جریر طبری، تفسیر خازن میں لکھا ہے کہ صنم کہتے ہیں: الَّذِي يُشْعَنُ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَشَبِ وَالْعَجْرِ وَالْمَدَارِ عَلَى صُورَةِ الْاِنْسَانِ وَهُوَ الْوَتْنُ اَيْضًا۔ جو بنایا جائے سونے اور چاندی سے اور لکڑی اور پتھر سے اور مٹی سے انسانی شکل پر اور روشن بھی یہی ہے اور اگر انسان کی شکل پر نہ ہو تو اس کو کبھی تو بیکل کہتے ہیں اور کبھی تمثال کہتے ہیں اور کبھی کسی اور لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بت پرست تھی۔ اپنے بزرگوں کے فوٹو اور تصویریں بنائی ہوئی تھیں اور ان کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے۔ اصل عقیدت تو ان بزرگوں کے ساتھ تھی جن کی شکلوں پر یہ بت بنائے ہوئے تھے اور انہی کی پوجا کرتے تھے کیوں کہ محض پتھر اور لکڑی کی پوجا تو کبھی کسی نے نہیں کی۔

ہندوؤں کا پتھروں کو تراشنا اور بت بنانا

یہ جو پرانے بزرگ ہیں انہوں نے ہندوؤں کو دیکھا ہوگا کہ وہ رام چندر اور کرشن اور بدھ کی پوجا کرتے تھے۔ اس طرح کہ ایک من کا پتھر لے کر اس کو تراشتے کرشن جی کی شکل پر۔ تراشتے تراشتے جب وہ پانچ سیر کا رہ جاتا اور کرشن جی کی شکل بن جاتی یا رام چندر کی شکل بن جاتی یا بدھ کی شکل بن جاتی تو اس کو پوجنا شروع کر دیتے تھے۔ وہ پتھر جب ایک من کا تھا تو اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی اس کی کسی نے پوجا نہیں کی اور جب وہ پانچ سیر کا رہ گیا تو اب اس کی پوجا شروع ہو گئی۔ کیوں کہ اب وہ کسی کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ پوجا پتھر کی نہیں بلکہ اس ذات کی ہے جس کی شکل پر اس کو تراشا گیا ہے۔ اسی طرح وہ بیس سیر کی لکڑی میں کوئی کرشمہ نہیں مانتے تھے مگر جب اس کو تراش کر بدھ یا کرشن جی اور رام چندر کی شکل بنا دیتے تو اس کی پوجا کرتے۔ لہذا اصل پوجا تو اس کی ہوئی جس کی شکل پر اس کو تراشا گیا۔ یہ تو محض نشان اور ماڈل ہوتا تھا۔

تو ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے بزرگوں کے بت بنائے ہوئے تھے جن کی پوجا کرتے تھے۔ فرمایا ﴿اِنَّ اِلٰهَكَ﴾ بے شک میں دیکھتا ہوں تجھے ﴿وَقَوْمَكَ﴾ اور تیری قوم کو ﴿فِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ کھلی گمراہی میں۔ یہ بتوں کی پوجا کھلی گمراہی ہے ﴿وَ كَذٰلِكَ﴾ اور اسی طرح ﴿نُوحِيْ اِبْرٰهِيْمَ﴾ دکھائے ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ﴿مَلٰكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ عجاibat آسمانوں کے

اور زمین کے ﴿وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُؤْتَمِنِينَ﴾ اور تاکہ ہو جائیں وہ یقین کرنے والوں میں سے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بت پرستی کے ساتھ ساتھ کواکب پرستی میں بھی مبتلا تھی کہ ستاروں میں خدائی کرشمے اور قدرتیں مانتے تھے۔

ابراہیم علیہ السلام نے کون سا ستارہ دیکھا؟

رات کا وقت تھا مجلس لگی ہوئی تھی ﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ﴾ پس جب تاریکی چھا گئی ان پر رات کی ﴿تَمَازُكُو كَمَا﴾ دیکھا اس نے ایک ستارہ۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ مشتری تھا اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ زہری تھا۔

”هَذَا رَبِّي“ کا مفہوم؟

بہر حال کوئی ستارہ دیکھا تو ﴿قَالَ هَذَا رَبِّي﴾ یہ ﴿هَذَا رَبِّي﴾ استفہام ہے۔ معنی بنے گا ”کہا اس نے یہ میرا رب ہے؟“ ستارے کورب نہیں کہا کیونکہ استفہام ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے ستاروں کو رب بنانے والو! یہ میرا رب ہے؟ ﴿فَلَمَّا أَقَلَّ﴾ پس جب وہ ستارہ غائب ہو گیا ﴿قَالَ لَا أَحِبُّ الْأَفْلَاقَ﴾ کہا میں نہیں پسند کرتا غائب ہوجانے والوں کو کہ اپنی جگہ پر کھڑا نہیں ہو سکتا میں اس کو رب بنانے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ آپ نے قوم کو سمجھایا کہ تم محض ستارے کی چمک دیکھ کر اسے معبود بناتے ہو حالانکہ یہ تو غائب ہوجانے والی چیز ہے۔ اور جس چیز پر زوال آجائے وہ الہ نہیں ہو سکتی۔ ﴿فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ﴾ پس جب دیکھا انھوں نے چاند کو ﴿بَازِعًا﴾ چمکتا ہوا کہ یہ ستارے سے زیادہ چمکنے والا ہے ﴿قَالَ هَذَا رَبِّي﴾ کہا یہ میرا رب ہے، کیا میں اس کو رب بنا لوں ﴿فَلَمَّا أَقَلَّ﴾ پس جب وہ غائب ہو گیا ﴿قَالَ لَيْسَ لِي إِلَهٌ إِلَّا رَبِّي﴾ کہا اگر نہ ہدایت دیتا مجھے میرا پروردگار ﴿لَا كُفُونٌ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ﴾ البتہ ہوجاتا میں بھی گمراہ لوگوں میں سے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہ ستارے کو رب مانا اور نہ ہی چاند کو۔ قوم کے ساتھ مکالمہ تھا اور ان کی تردید کر رہے تھے کہ میں ان زوال پذیر چیزوں کو رب بنا لوں جو اپنی جگہ پر قائم نہیں رہ سکتے اگر میرے رب نے مجھے ہدایت نہ دی ہوتی تو میں تمہارے جیسا گمراہ ہوتا۔

﴿فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِعَةً﴾ پس جب دیکھا اس نے سورج کو چمکتا ہوا سورج طلوع ہوا دیکھا کہ وہ چاند سے بھی زیادہ منور ہے ﴿قَالَ هَذَا رَبِّي﴾ کہا یہ میرا رب ہے ﴿هَذَا أَكْبَرُ﴾ یہ بڑا ہے ﴿فَلَمَّا أَقَلَّتْ﴾ پس جب وہ بھی غروب ہو گیا ﴿قَالَ﴾ کہا ابراہیم علیہ السلام نے ﴿يَقُولُوا رَبِّيَ قَوْمًا نُشْرِكُونَ﴾ اے میری قوم! بے شک میں بے زار ہوں ان سے جن کو تم شریک بناتے ہو۔ میں تمہاری بت پرستی سے بھی بے زار ہوں اور کواکب میں جو تم خدائی کرشمے مانتے ہو اس سے بھی بے زار ہوں یعنی میں ان کو تسلیم نہیں کرتا۔

جہلاء کا آیاتِ بینہ کے مقابلے میں کہانیاں بنانا؟

قرآن کریم کی آیات بڑی واضح اور صاف ہیں مگر لوگوں نے بڑی بڑی کہانیاں بنائی ہوئی ہیں وہ تمام کی تمام جھوٹی اور بے اصل ہیں۔ مثلاً: ایک کہانی یہ بنائی ہوئی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام ابھی دودھ پیتے بچے تھے کہ ان کو والدین ایک غار میں رکھ کر

آگے تھے جبرئیل علیہ السلام ان کو وہیں دودھ پلاتے رہے یہاں تک کہ جب وہ بڑے ہو گئے اور غار سے باہر آئے تو ایک ستارہ دیکھا۔ کہنے لگے یہ میرا رب ہے۔ پھر اس کے بعد چاند طلوع ہوا تو کہنے لگے یہ میرا رب ہے۔ پہلے کو چھوڑ کر دوسرے کو رب بنا لیا۔ پھر جب سورج طلوع ہوا اور خوب روشن ہوا تو کہنے لگے یہ میرا رب ہے کہ یہ سب سے بڑا ہے۔ حاشا وکلاثم حاشا وکلا! یہ سب کہانیاں ہیں۔ کسی پیغمبر نے آنکھ جھپکنے کے برابر بھی کبھی شرک نہیں کیا، نہ نبوت سے پہلے اور نہ نبوت کے بعد۔ وہ تو ہر لحظہ اور ہر آن شرک کی تردید کرنے والے ہیں۔

”فَطْر“ کی تحقیق

فرمایا ﴿إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ﴾ بے شک میں نے متوجہ کر لیا اپنا چہرہ ﴿لِلذِّمَى﴾ اس ذات کی طرف ﴿فَطْرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو بغیر نمونے کے۔ ”فطور“ کا معنی ہے بغیر مثال اور نمونے کے کسی شے کو پیدا کرنا۔ پہلے نہ تو آسمان کا کوئی نمونہ تھا اور نہ زمین کا۔ نمونہ سامنے رکھ کر بنانا آسان ہوتا ہے۔ اسی لیے امریکہ پریشان ہے کیوں کہ اس نے افغانستان میں چھتیس میزائل پھینکے ان میں سے کچھ پھٹے اور کچھ نہیں پھٹے تو اس کو پریشانی ہے کہ ان کی کوئی نقل نہ اتار لے کیوں کہ نمونہ سامنے آ گیا ہے۔

”حَدِيثًا“ کی تفسیر

﴿حَدِيثًا﴾ اور میں ایک طرف ہونے والا ہوں میں نے اپنا چہرہ اس ذات کی طرف متوجہ کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو بغیر نمونے کے پیدا فرمایا حال گویہ حَدِيثًا اس حال میں کہ میں ایک طرف ہونے والا ہوں۔ میں نہ تو بتوں کا بچاری ہوں نہ ستاروں اور چاند، سورج کا اور اے میری برادری! سن لو ﴿وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ اور نہیں ہوں میں شرک کرنے والوں میں سے۔ اتنی تفصیل کے بعد بھی اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے دور میں یعنی نبوت سے پہلے راستے میں تھے اس لیے انہوں نے ستارے کو بھی رب مانا اور چاند اور سورج کو بھی تو یہ بات بالکل غلط ہے۔

مودودی صاحب کی کج فہمی

مودودی صاحب نے تفہیم القرآن میں اس قسم کا دعویٰ کیا تھا اگرچہ صریح الفاظ نہیں تھے مگر اس کا مفہوم یہ نکلتا تھا کہ ایک منزل ہوتی ہے اور ایک راستہ ہوتا ہے راستے میں بھٹک جانا اور ہے اور منزل میں بھٹک جانا اور ہے جب ہم نے اس کے خلاف آواز اٹھائی کہ پیغمبر نہ راستے میں بھٹکتا ہے اور نہ منزل میں تو پھر انہوں نے نئے ایڈیشن سے وہ الفاظ نکال دیے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے واضح اور صاف الفاظ میں اعلان فرمایا کہ میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔



﴿وَحَاجَّةٌ قَوْمًا﴾ اور جھگڑا کیا ابراہیم علیہ السلام سے ان کی قوم نے ﴿قَالَ﴾ فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے ﴿أَتَحَايَوُنِي فِي اللَّهِ﴾ کیا تم میرے ساتھ جھگڑا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے بارے میں ﴿وَقَدْ هَدَانِي﴾ اور تحقیق اس نے مجھے ہدایت دی ہے ﴿وَلَا أَخَافُ﴾ اور میں نہیں خوف کھاتا ﴿مَا تُشْرِكُونَ بِهِ﴾ ان چیزوں سے جن کو تم اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہو ﴿إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا﴾ مگر یہ جو چاہے میرا رب کوئی شے ﴿وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾ وسیع ہے میرے رب کا علم ہر چیز کو ﴿أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ﴾ کیا پس تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ﴿وَكَيْفَ أَخَافُ﴾ اور کیسے میں خوف کھاؤں ﴿مَا أَشْرَكْتُمْ﴾ جن کو تم نے خدا کا شریک بنایا ہے ﴿وَلَا تَخَافُونَ﴾ اور تم خوف نہیں کھاتے ﴿أَنْتُمْ﴾ بے شک تم نے ﴿أَشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ﴾ شریک بنائے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿مَا﴾ ان چیزوں کو ﴿لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا﴾ کہ نہیں نازل کی اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں تم پر کوئی سند اور دلیل ﴿قَائِمٌ الْغُرَبَاءِ﴾ پس دونوں فریقوں میں سے کون ﴿أَحَقُّ بِالْإِيمَانِ﴾ زیادہ حق دار ہے اس کا ﴿إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ اگر ہو تم جانتے ﴿الَّذِينَ آمَنُوا﴾ وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ اور نہیں ملایا انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کو ﴿أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْإِيمَانُ﴾ وہی لوگ ہیں جن کے لیے ایمان ہوگا ﴿وَهُمْ مُهْتَدُونَ﴾ اور وہی ہیں ہدایت پانے والے۔

رابط آیات

کل کے سبق میں تم نے یہ بات پڑھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر اور قوم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ جو تم نے بت پرستی اور کواکب پرستی شروع کی ہوئی ہے اور چاند، سورج، ستاروں میں خدائی کرشمے مانتے ہو یہ بالکل غلط ہے۔ ان میں کوئی رب تعالیٰ والی صفت نہیں ہے۔ رب تعالیٰ نے ان کو جو روشنی عطا فرمائی ہے بس وہی ہے ﴿إِنِّي أَرَأَيْتَكَ وَتَوَكَّلْتَ عَلَىٰ صُلْبِ مُهْمَبِينَ﴾ میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔ اور بتوں اور ستاروں کی تردید کرنے کے بعد صاف لفظوں میں فرمایا ﴿إِنِّي أَرَأَيْتَكَ وَمَا تُشْرِكُونَ﴾ بے شک میں بے زار ہوں ان سے جن کو تم شریک بناتے ہو اور یہ بھی فرمایا کہ ﴿وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ اور نہیں ہوں میں شرکوں میں سے۔

عقائد کی وجہ سے قوم ابراہیم علیہ السلام کا لڑائی جھگڑا

صاف ظاہر ہے کہ یہ باتیں ان کے عقیدے پر ضرب کاری تھیں اور عقیدہ، عقیدہ ہوتا ہے چاہے کسی کا غلط ہو یا صحیح ہو دنیا میں عقیدے سے بڑھ کر کوئی چیز قوی اور مضبوط نہیں ہے۔ تو انہوں نے لڑائی شروع کر دی اس کا ذکر ہے۔

فرمایا ﴿وَسَآجِدُ تَوَٰمِلًا﴾ اور جھکڑا کیا ابراہیم علیہ السلام سے ان کی قوم نے، ان کے ساتھ لڑ پڑے ﴿قَالَ﴾ فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے ﴿اِنَّكَ جُنُوْنِيۡنِۙ﴾ کیا تم میرے ساتھ جھکڑا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہ میں کہتا ہوں وہ وحدہ لا شریک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

”ہڈلین“ کی تحقیق

﴿وَقَدْ كٰذٰبًا﴾ اور تحقیق اس نے مجھے ہدایت دی ہے۔ اصل میں ہڈلین تھا ”ی“ گر گئی۔ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈرایا۔ کہنے لگے کہ تو ہمارے معبودوں کی تردید اور توہین کرتا ہے یقین جان! ہمارے معبود تجھے تکلیف پہنچائیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا، فرمایا ﴿وَلَاۤ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِیۡ﴾ اور میں نہیں خوف کھاتا ان چیزوں سے جن کو تم اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہو۔ مجھے ان کا کوئی خوف اور ڈر نہیں ہے۔ وہ میرا بال بھی بیڑھا نہیں کر سکتے ﴿اِلَّاۤ اَنْ یَّسْـَٔءَۤا سَآءًا لِّیۡنِیۡنِیۡ﴾ مگر یہ جو چاہے میرا رب کوئی شے تو اس سے کوئی مقابلہ نہیں ہے۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ کے علاقے کا واقعہ

ہمارے علاقہ میں جہاں میری پیدائش ہوئی ہے لوگ بڑے جاہل تھے اب الحمد للہ! لوگ بڑے سمجھ دار ہو گئے ہیں، تعلیم آگئی ہے۔ جہالت کے زمانے میں لوگ بزرگوں کی قبروں پر چڑھاوے چڑھاتے اور پہاڑی علاقہ ہے اور پہاڑوں پر چڑ، دیار اور بیار کے بلند درخت ہیں۔ ان درختوں پر جھنڈے لٹکاتے جو قبروں کے پاس ہوتے تھے۔

میں اس وقت نابالغ تھا اور میرا طالب علمی کا زمانہ تھا۔ حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ کی تقریریں سننا تھا اور ان سے بڑا متاثر تھا۔ وہ تقریروں میں ان جھنڈوں کی بڑی تردید کرتے تھے اور میں درختوں پر چڑھنے کا بھی بڑا ماہر تھا۔ میں ان مشکل درختوں کی چوٹیوں پر چڑھ کر جھنڈے اتار کر طالب علموں کو دیتا تھا۔ کوئی تو ان کو سلا لیتا تھا اور کوئی قرآن کریم پر غلاف چڑھا دیتا۔ ایک دفعہ میں درخت پر چڑھ کر جھنڈا اتار رہا تھا کہ لوگ آگئے اور کہنے لگے کہ یہ قبر والا بابا تجھے تکلیف پہنچائے گا۔ چوں کہ الحمد للہ! ذہن پختہ تھا میں نے کہا کہ تم مجھے نہ چھیڑو بابا جانے اور میں جانوں۔ تم نے مجھے کچھ نہیں کہنا۔ وہ انتظار میں تھے کہ یہ اب گرے گا اور بابا اس کی ٹانگ توڑ دے گا میں جھنڈے اتار کر نیچے اتر آیا اور وہ دیکھتے رہ گئے کہ اسے کچھ نہیں ہوا۔

چڑھاوے کے متعلق فقہی مسئلہ

اس کے متعلق فقہی طور پر مسئلہ یہ ہے کہ لوگ قبروں پر جو کچھ چڑھاوا چڑھاتے ہیں مثلاً: تیل ہے، موم بتی ہے، کپڑا وغیرہ مختلف چیزیں ہوتی ہیں ان کا لینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ چیزیں اس کی ملک ہیں جو شخص چڑھاوا چڑھا کر گیا ہے۔ شرعی طور پر ان کو اور کوئی نہیں لے سکتا اور جہاں فتنے اور جھگڑے کا خطرہ ہو وہاں چھیڑ چھاڑ بھی نہیں کرنی چاہیے۔ ہاں اگر اقتدار اپنے پاس

ہو اور جھگڑے کا خطرہ نہ ہو تو پھر ان چیزوں کو ماننا ضروری ہے۔ اور عوام الناس کو ایسی کوئی حرکت نہیں کرنی چاہیے کیوں کہ ان کے اختیار میں کچھ نہیں ہوتا۔

مشرکین کا ابراہیم علیہ السلام کو ڈرانا

تو ان لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈرایا کہ یہ ہمارے معبود تجھے تکلیف پہنچائیں گے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمہارے شریکوں سے نہیں ڈرتا ہاں! اگر میرا رب کچھ چاہے تو وہ علیحدہ بات ہے۔ ﴿وَسِعَ سَمَوَاتِي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾ وسیع ہے میرے رب کا علم ہر چیز کو ﴿أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ﴾ کیا پس تم نصیحت حاصل نہیں کرتے، او ظالمو! ﴿وَكَيْفَ أَخَافُ﴾ اور کیسے میں خوف کھاؤں ﴿مَا أَشْرَكُكُمْ﴾ جن کو تم نے خدا کا شریک بنایا ہے ﴿وَلَا تَخَافُونُ﴾ اور تم خوف نہیں کھاتے ﴿أَأَنْتُمْ أَشْرَكُكُمْ﴾ باللہ! بے شک تم نے شریک بنائے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿مَا لَمْ يَنْزِلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا﴾ ان چیزوں کو کہ نہیں نازل کی اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں تم پر کوئی سند اور دلیل۔

او ظالمو! تم نے اللہ تعالیٰ کے شریک بنائے ہوئے ہیں کہ جن کے شریک ہونے پر تمہارے پاس کوئی سند اور دلیل نہیں ہے۔ اور اس حرکت پر خدا سے نہیں ڈرتے کہ اللہ تعالیٰ کتنا ناراض ہے اور اس کی پکڑ کتنی سخت ہوگی اور مجھے تم بناوٹی خداؤں سے ڈراتے ہو۔

مشرک رب تعالیٰ کا منکر نہیں ہوتا

اور یہ بات میں آپ حضرات کے سامنے کئی بار بیان کر چکا ہوں کہ مشرک رب تعالیٰ کا منکر نہیں ہوتا وہ رب تعالیٰ کے وجود کا قائل ہوتا ہے اور رب تعالیٰ کو سب پر غالب اور قہرمانتے ہوئے اس سے نیچے نیچے اپنے لیے اور سہارے تلاش کرتا ہے اور ظاہر طور پر دیکھا جائے تو مشرک کی رب تعالیٰ کے ساتھ بڑی عقیدت نظر آتی ہے۔

چنانچہ آٹھویں پارے میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ اگر زندگی نے ساتھ دیا تو آپ حضرات پڑھیں گے کہ مشرک اپنی پیداوار میں سے رب تعالیٰ کا حصہ بھی نکالتے تھے اور اپنے بنائے ہوئے شریکوں کا حصہ بھی نکالتے تھے اور کہتے تھے کہ ﴿هَذَا لِلّٰهِ بِرْءُوْبِهِمْ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا حصہ ہے اپنے خیال سے ﴿وَهَذَا لِلّٰهِرْءَاوْبِنَا﴾ اور یہ ہمارے شریکوں کا حصہ ہے ﴿فَمَا كَانَ لِلّٰهِرْءَاوْبِهِمْ﴾ پس وہ حصہ جو ان کے شریکوں کا ہوتا ہے ﴿فَلَا يَصِلُ اِلَی اللّٰهِ﴾ پس وہ نہیں پہنچتا اللہ تعالیٰ کی طرف ﴿وَمَا كَانَ لِلّٰهِرْءَاوْبِهِمْ﴾ اور جو اللہ تعالیٰ کا حصہ ہوتا ہے ﴿فَلَهُ يَصِلُ اِلَی اللّٰهِرْءَاوْبِهِمْ﴾ پس وہ پہنچتا ہے ان کے شریکوں کی طرف۔ دیکھو اور رب تعالیٰ کا حصہ پہلے نکالتے پھر اپنے شریکوں کا۔

مشرکین کا اور خداؤں کے علاوہ رب تعالیٰ کو غنی سمجھنا

پھر عجیب بات ہے کہ جو ڈھیری رب تعالیٰ کی ہوتی تھی اگر اس میں سے کچھ دانے شریکوں والی ڈھیری میں مل جاتے تو

اس سے الگ نہیں کرتے تھے کہ رب تعالیٰ محتاج نہیں ہے اور یہ محتاج ہیں۔ اور اگر شریکوں کی ڈھیری میں سے کچھ دانے رب تعالیٰ کی ڈھیری میں مل جاتے تو فوراً الگ کر لیتے کہ رب تو غنی ہے۔ اور یہ محتاج ہیں اس سے اندازہ لگاؤ کہ مشرک کتنا قائل ہے رب تعالیٰ کے وجود کا اور رب تعالیٰ کو کتنا بڑا سمجھتا ہے۔

مشرکین کے خود ساختہ دلائل

اور مشرک یہ بھی کہتے تھے کہ ہم ان کی پوجا ان کو رب سمجھ کر تو نہیں کرتے بلکہ اس لیے کرتے ہیں کہ ان کے بغیر ہماری اللہ تعالیٰ تک رسائی نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات بہت بلند ہے۔ اور ہم بہت پست ہیں ﴿هَلْؤَلَاءُ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ [یونس: ۱۸] "یہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں۔" پھر مثالیں دیتے کہ ملک کے صدر کو ملنے کے لیے گورنر، وزیر اعلیٰ، ڈی، سی کی ضرورت پڑتی ہے۔ یا ایم، این، اے یا ایم، پی، اے کی ضرورت پڑتی ہے۔ براہ راست کون مل سکتا ہے؟ مکان کی چھت پر جانے کے لیے سیڑھی کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات تو بہت بلند ہے اس طرح کی مثالیں دیتے۔

اللہ تعالیٰ نے جو دھویں پارے میں اس کا جواب دیا فرمایا ﴿فَلَا تَضْرِبُوْا اللّٰهَ الْاَمْسَالَ﴾ "پس نہ بیان کرو اللہ تعالیٰ کے لیے مثالیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [اعل: ۴۳] بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔" صدر کو تم پہلے مطمئن کرو گے کہ گولی مارنے کے لیے نہیں آرہے۔ پھر اپنے حالات اور ضرورت بتاؤ گے کیونکہ وہ عالم الغیب نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کو تو تمہاری حاجتوں اور ضرورتوں کا علم ہے اس کو سفارشوں کے ذریعے بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور رہا مسئلہ سیڑھیوں کا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَنَحْنُ اَقْدَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ [ق: ۱۶] "ہم تو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔" تو یہاں سیڑھیوں کی کیا ضرورت ہے؟

فرمایا ﴿فَاَمِى الْقَرْيَتَيْنِ﴾ پس دونوں فریقوں میں سے کون ﴿اَحَقُّ بِالْاٰمِنِ﴾ زیادہ حق دار ہے امن کا۔ ایک رب تعالیٰ سے ڈرنے والا ہے اور دوسرا غیروں سے ڈرنے والا ہے۔ ﴿اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اگر ہو تم جانتے۔ مگر تم نے جانتے ہوئے بھی خاموش رہنا ہے، صحیح بات نہیں کرنی۔ لہذا مجھ سے سنو ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ﴾ اور نہیں ملا یا انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کو ﴿اَوْ تَبَّكُمُ الْاٰمِنِ﴾ وہی لوگ ہیں جن کے لئے امن ہوگا ﴿وَلَهُمْ مُّهْتَدٰوْنَ﴾ اور وہی ہیں ہدایت پانے والے۔

صحابہ کرام کا تفہیم آیت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس آیت کریمہ کا مطلب نہ سمجھ اور پریشان ہو گئے کہنے لگے حضرت یہ فرمائیں کہ اَيْتَا لَمْ يَظْلِمِ نَفْسَهُ ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے اپنی جان پر تھوڑی بہت زیادتی نہ کی ہو؟ زبانی طور پر یا عملی طور پر۔ مثلاً: زبان سے کسی کی غیبت ہو جائے یا جھوٹ بولا جائے یا گالی گلوچ ہو جائے یہ زبانی ظلم ہے۔ اور عملی طور پر ظلم یہ ہے کہ مثلاً: کسی کا مال کھا یا جائے

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ظلم سے عام ظلم سمجھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شافی جواب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان کے ساتھ شرک کو نہیں ملا یا ان کے لیے امن ہے۔

دوسرا جواب

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ آیت کریمہ پڑھی جو حضرت لقمان بن باحور بن نا حور رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سوران رضی اللہ عنہ کو سمجھاتے ہوئے فرمایا تھا اے بیٹے! ﴿لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ [لقمان: ۱۳: پارہ: ۲۱] بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔ ”ظلم کا معنی ہے کہ حق کسی کا بنتا ہو اور دے کسی اور کو دیا جائے۔ بھائی! عبادت اللہ تعالیٰ کا حق ہے کسی اور کو دو گے تو ظلم ہوگا۔ چڑھاؤ اللہ تعالیٰ کا حق ہے کسی اور کا چڑھاؤ چڑھاؤ گے تو ظلم ہوگا، صد اور پکار رب تعالیٰ کا حق ہے اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کو پکار دے گے تو ظلم ہوگا، سجدہ رب تعالیٰ کا حق ہے کسی اور کے آگے جھکو گے تو ظلم ہوگا اور یہی شرک ہے، شرک کی معمولی سی ملاوٹ بھی ہوگی تو اعمال برباد ہو جائیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کو اور کون محبوب ہے؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے ﴿وَلَقَدْ أَوْحَىٰ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ [الزمر: ۶۵] ”اے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کی طرف بھی وحی کی گئی ہے اور آپ سے پہلے پیغمبروں کی طرف بھی کہ اگر بالفرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شرک کیا تو آپ کے تمام اعمال اکارت ہو جائیں گے اور تم ہو جاؤ گے گھاٹا پانے والوں میں سے۔“ یہ ہمیں سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ورنہ پیغمبر تو معصوم ہیں۔ اس سے اندازہ لگاؤ کہ شرک کتنی بری اور قبیح چیز ہے۔ لہذا شرک سے بچو اور ایمان کے ساتھ شرک کو نہ ملاؤ۔



﴿وَتِلْكَ حُجَّتُنَا﴾ اور یہ مذکورہ ہماری دلیل ہے ﴿اَتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ﴾ جو دی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ﴿عَلَىٰ قَوْمِهِ﴾ ان کی قوم کے مقابلے میں ﴿نَزَفْنَا ذُرِّيَّتَهُ مِنْ نَسَاءٍ﴾ ہم بلند کرتے ہیں درجے جس کے ہم چاہیں ﴿إِنَّ رَبَّكَ﴾ بے شک تیرا رب ﴿حَكِيمٌ عَلِيمٌ﴾ حکمت والا، جاننے والا ہے ﴿وَوَهَبْنَا لَهُ﴾ اور بخشا ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ﴿إِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ﴾ اسحاق اور یعقوب علیہم السلام ﴿كُلًّا هَدَيْنَا﴾ سب کو ہم نے ہدایت دی ﴿وَنُوحًا هَدَيْنَا﴾ اور نوح علیہ السلام کو ہم نے ہدایت دی ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ﴾ اور ان کی اولاد میں سے ہیں داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام ﴿وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ﴾ اور ایوب، اور یوسف، اور موسیٰ اور ہارون علیہم السلام

کو ہدایت دی ﴿وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾ اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو ﴿وَزَكَاةٍ يَخِيئُونَ وَيُعِيسِي وَيَأْيِئُونَ﴾ اور زکریا اور یحییٰ کو اور عیسیٰ کو اور الیاس علیہ السلام کو ﴿كُلٌّ مِنَ الصَّالِحِينَ﴾ سب نیکو کاروں میں سے تھے ﴿وَإِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطًا﴾ اور اسماعیل اور یسع اور یونس اور لوط علیہم السلام کو ﴿وَكُلًّا قَضَلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ اور سب کو ہم نے فضیلت دی تمام جہان کے لوگوں پر ﴿وَمِنَ آبَائِهِمْ﴾ اور ان کے باپ دادوں میں سے ﴿وَوَدَّرَيْنَاهُمْ﴾ اور ان کی اولادوں میں سے ﴿وَإِخْوَانَهُمْ﴾ اور ان کے بھائیوں میں سے ﴿وَاجْتَبَيْنَاهُمْ﴾ اور ہم نے ان کو چنا ﴿وَهَدَيْنَاهُمْ﴾ اور ان کو ہم نے ہدایت دی ﴿إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ سیدھے راستے کی ﴿ذَلِكَ هُدَى اللَّهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے ﴿يَهْدِي مَن يَشَاءُ﴾ وہ ہدایت دیتا ہے اس کے ذریعے جس کو چاہے ﴿مِنَ عِبَادِهِ﴾ اپنے بندوں میں سے ﴿وَلَوْ أَشْرَكُوا﴾ اور اگر بالفرض یہ بھی شرک کرتے ﴿لَحَبَطْنَا عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ البتہ ضائع ہو جاتے ان سے وہ اعمال جو وہ کرتے رہے ہیں۔

رابط آیات

اس سے پہلے رکوع میں یہ بات گزری ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے رات کے وقت جب ستارہ دیکھا تو فرمایا ﴿هَذَا رَبِّي﴾ کیا یہ میرا رب ہے؟ یہ قوم پر چوٹ تھی اور اس کے رب ہونے کا انکار تھا۔ پھر چاند کو دیکھا چمکتا ہوا تو کہا کیا یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ غروب ہو گیا تو فرمایا ﴿لَئِن لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ﴾ اگر نہ ہدایت دیتا مجھے میرا پروردگار تو میں گمراہ قوم کا ایک فرد ہوتا پھر جب سورج طلوع ہوا دن چڑھا اور سورج ان سے بڑا تھا تو فرمایا ﴿هَذَا رَبِّي هَذَا أَكْبَرُ﴾ کیا یہ میرا رب ہے؟ کہ یہ ان سے بڑا ہے جب وہ غروب ہو گیا تو فرمایا ﴿إِنِّي بَرئْتُ مَن دُونِ اللَّهِ﴾ اے میری قوم! میں بے زار ہوں ان سے جن کو تم شریک بناتے ہو۔

ابراہیم علیہ السلام کا قوم کو سمجھانے کے لیے مخصوص انداز اختیار کرنا

اور یہ بات میں نے تفصیلاً بیان کی تھی کہ ابراہیم علیہ السلام نے کسی کو رب نہیں بنایا نہ ستارے کو، نہ چاند کو، نہ سورج کو بلکہ قوم کو سمجھانے کے لیے یہ انداز اختیار کیا۔

اس کا ذکر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ذَلِكَ حُجَّتُنَا﴾ اور یہ مذکورہ ہاری دلیل ہے ﴿أَتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ﴾ جو دی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو کہ ان کے دماغ میں ڈالے ﴿عَلَى قَوْمِهِ﴾ ان کی قوم کے مقابلے میں، قوم کو سمجھانے کے لیے ﴿تَرْفَعُ رُجُوتَ مَنْ لَشَاءُ﴾ ہم بلند کرتے ہیں درجے جس کے ہم چاہتے ہیں۔

کتب عقائد میں مندرج مراتب درجات

عقائد کی کتابوں میں تحریر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں پہلا درجہ اور مقام ہے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور دوسرا درجہ اور مقام ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اور تیسرا درجہ اور مقام ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں دوسرے نمبر کی شخصیت ہیں۔ ﴿إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ﴾ بے شک تیرا رب حکمت والا، جاننے والا ہے ﴿وَوَهَبْنَا لَهُ﴾ اور بخشا ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ﴿إِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ﴾ اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام۔ حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے ہیں اور یعقوب علیہ السلام پوتے تھے۔ ﴿كَلَّا هَدَيْنَا﴾ سب کو ہم نے ہدایت دی۔ ابراہیم علیہ السلام کو اپنے دور میں اسحاق علیہ السلام کو اپنے دور میں اور یعقوب علیہ السلام کو اپنے دور میں۔

نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کا درمیانی وقفہ

﴿وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ﴾ اور نوح علیہ السلام کو ہم نے ہدایت دی اس سے پہلے۔ کیوں کہ نوح علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہیں۔ تاریخ دان بتاتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام طوفانِ نوح سے سترہ سو نو سال بعد تشریف لائے ہیں۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ﴾ اور ان کی اولاد میں سے ہیں۔ ”ذ“ ضمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے اور نوح علیہ السلام کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے۔ کیونکہ آگے جن حضرات کا ذکر ہے وہ دونوں حضرات کی اولاد ہیں۔ لہذا کوئی اشکال نہیں ہے۔ ان کی اولاد میں سے ہیں۔ ﴿دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ﴾ داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام اور ایوب علیہ السلام، اور یوسف علیہ السلام، اور موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو ہدایت دی ﴿وَكُلًّا نَبِّئْنَا بِالْمُحْسِنِينَ﴾ اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو ﴿وَذَكَرْنَا وَيْحَىٰ وَهَارُونَ وَالْيَاقَانَ﴾ اور زکریا علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام کو اور عیسیٰ علیہ السلام کو اور الیاس علیہ السلام کو ﴿كُلًّا مِمَّنْ كَفَرْنَا﴾ سب نیلوکاروں میں سے تھے ﴿وَالسَّاعِيَةَ وَالْيَسَعَ وَنُوحًا﴾ اور اسماعیل اور یسح اور یونس اور لوط علیہم السلام کو ﴿وَكُلًّا مِمَّنْ كَفَرْنَا عَلَىٰ الْعَالَمِينَ﴾ اور سب کو ہم نے فضیلت دی تمام جہان کے لوگوں پر۔ اپنے زمانے میں دوسرے لوگوں پر ان کو فضیلت حاصل تھی۔

تعداد انبیاء علیہم السلام کے متعلق روایات اور حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہما کا قول

پنہیروں کی صحیح تعداد تو رب تعالیٰ ہی جانتا ہے البتہ ایک روایت میں ایک لاکھ چوبیس ہزار اور ایک روایت میں دو لاکھ چوبیس ہزار کا ذکر ہے۔ لیکن دونوں روایتوں کے متعلق حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہما جو بڑے بلند پائے کے محدث، مفسر اور مؤرخ بھی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ سند کے اعتبار سے دونوں روایتیں ضعیف اور کمزور ہیں۔

پنجمیوں کی تعداد بیان کرنے کا طریقہ

لہذا اگر پنجمیوں کی کل تعداد بیان کرنے کی ضرورت پیش آئے تو قطعی اور یقینی طور پر ایک لاکھ چوبیس ہزار نہ کہو۔ بلکہ اس طرح کہو کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار یا اس سے کم و بیش جتنے بھی رب تعالیٰ نے پنجمی بھیجے ہیں۔ کیونکہ اگر ان کی تعداد قرآن کریم میں ہوتی تو قطعی اور یقینی تھی اگر حدیث متواتر میں ہوتی تو پھر بھی یقینی تھی اور اگر خبر واحد صحیح ہوتی تو پھر بھی غالب گمان ہوتا کہ ہو سکتا ہے کہ ان کی تعداد زیادہ ہو اور ہم کم بیان کر کے ایمان ضائع کریں اور اگر کم ہوں اور ہم زیادہ بیان کریں۔ تو ہم نے غیر نبی کو نبی بنا کر کفر کا ارتکاب کیا۔ لہذا ان ضعیف حدیثوں کی بنا پر اگر تعداد بیان کر دو تو ساتھ یہ جملہ ضرور کہو کہ ”یا اس سے کم و بیش“۔

تذکرہ اسماء انبیاء علیہم السلام و ملائکہ قرآن کریم میں کہاں، کتنا؟

قرآن کریم میں کل پچیس پنجمیوں کے نام مذکور ہیں اور اس رکوع میں اٹھارہ پنجمیوں کے نام آئے ہیں اتنا اکٹھا پنجمیوں کا ذکر کسی اور رکوع میں نہیں آیا۔ اور قرآن کریم میں صرف چھ فرشتوں کا نام آیا ہے۔ پہلے پارے میں چار فرشتوں کا ذکر ہے جبرائیل علیہ السلام، میکائیل علیہ السلام اور ہاروت و ماروت۔ اور پانچواں ”رعد“ ہے جس کے نام پر مستقل سورۃ الرعد ہے اور اس میں آتا ہے ﴿وَيَسِّرْهُمُ الْوَعْدَ بَعْدَ مَا يَخْتَارُونَ﴾ اور تسبیح بیان کرتا ہے رعد اس کی حمد کی۔ اور چھٹا فرشتہ مالک ہے جس کا ذکر سورۃ زخرف میں آتا ہے ﴿يَلْلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْكَ آيَاتِكَ﴾ دوزخی کہیں گے اے مالک! تیرا رب ہمیں موت دے دے۔

قرآن میں کفار کے نام

اور قرآن کریم میں چھ کفار کے نام آئے ہیں۔ ابلیس، فرعون، ہامان، قارون، آزر، ابولہب۔

حضرت مریم علیہا السلام کا اسم گرامی قرآن میں کہاں اور کتنی مرتبہ آیا ہے؟

اور ایک عورت کا نام آیا ہے اور وہ حضرت مریم علیہا السلام ہیں۔ حضرت مریم علیہا السلام کا نام قرآن کریم میں تیس مرتبہ آیا ہے۔ یوں سمجھو کہ اوسطانی پارہ ایک مرتبہ۔

تذکرہ اسم صحابی رضی اللہ عنہم

اور سارے قرآن میں ایک صحابی کا نام آیا ہے اور وہ ہیں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جن کا ذکر سورۃ الاحزاب میں ہے ﴿فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِنْهَا وَكَلَّهَا﴾ پس جب پورا کر لیا زید نے اس عورت سے اپنی غرض کو۔ ﴿وَمِنْ آيَاتِهِمْ﴾ اور ان کے باپ دادوں میں سے بھی ہم نے نبی بنائے ﴿وَوَدَّاهُمْ﴾ اور ان کی اولادوں میں سے بھی ہم نے نبی بنائے ﴿وَوَدَّاهُمْ﴾ اور ان کے بھائیوں میں سے بھی ہم نے نبی بنائے ﴿وَوَدَّاهُمْ﴾ اور ہم نے ان کو چنانچہ نبوت اور رسالت کے لیے ﴿وَوَدَّاهُمْ﴾ اور ان کو ہم نے ہدایت دی سیدھے راستے کی ﴿ذٰلِكَ هُدٰى اللّٰهُ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے ﴿يَهْدِيْهُمُ بِمَنْ يَّشَاءُ﴾

من عبادہ ﴿ وہ ہدایت دیتا ہے اس کے ذریعے جس کو چاہے اپنے بندوں میں سے۔

ہدایت کس کو ملتی ہے؟ ﴿

اور ہدایت دیتا کن کو ہے؟ اس کا ذکر سورۃ شوریٰ میں ہے ﴿ وَيَهْدِي إِلَى الْبَيْتِ الْحَرَامِ الَّذِي رَفَعْنَا لِلنَّاسِ كَيْفَ هَدَيْنَاهُمْ لَهُ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴾ اور راہ دکھاتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع کرتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کو ہدایت دیتا ہے اور جو غلط راستے پر چلتا ہے اور اسی کو پسند کرتا ہے تو اس کو ادھر ہی چلا دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا کسی پر جبر نہیں ﴿

﴿ فَلَمَّا آذَوْا آذَاءً آذَاءً اللَّهُ فَكَلِمَاتٍ ﴾ [العنق: ۵] ”پس جب انھوں نے کجروی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیے۔“ اللہ تعالیٰ کسی پر جبر نہیں کرتا اس نے اختیار دیا ہے ﴿ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِرْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ ﴾ [انکاف: ۲۹] ”پس جو چاہے پس ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر اختیار کرے۔“ پھر جو راستہ کوئی اپنے لیے اختیار کرے گا ﴿ تُولَّوْا مَا تَوَلَّوْا ﴾ [النساء: ۱۱۵] ”پھیر دیں گے ہم اسی طرف جس طرف وہ پھرے گا۔“

آگے سب کا نتیجہ بیان فرمایا ہے ﴿ وَ لَوْ أَشْرَكُوا ﴾ اور اگر بالفرض یہ بھی شرک کرتے جو اللہ کے منتخب بندے اور پیغمبر ہیں کہ ان میں سے اٹھارہ کا ذکر تو ناموں کے ساتھ ہے اور باقیوں کا ذکر اجمالی طور پر ﴿ وَمِنْ آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَ إخوانِهِمْ ﴾ میں کیا گیا ہے۔ گویا کہ تمام پیغمبروں کا ذکر آ گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بھی آ گیا ہے کہ آپ ابراہیم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔

شرک کی قباحت کا بیان ﴿

اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر کر کے فرمایا اگر بالفرض یہ پیغمبر بھی شرک کرتے تو ﴿ لَحِيطَ عَنْهُمْ مِمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴾ البتہ ضائع ہو جاتے ان سے وہ اعمال جو وہ کرتے رہے ہیں۔ اور چوبیسویں پارے میں آتا ہے ﴿ وَ لَقَدْ أَوْحَىٰ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ ﴾ اور البتہ تحقیق وحی کی گئی آپ کی طرف اور ان کی طرف جو آپ سے پہلے پیغمبر ہو چکے ہیں ﴿ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ ﴾ کہ البتہ بالفرض اگر آپ نے بھی شرک کیا تو آپ کے اعمال ضائع ہو جائیں گے ﴿ وَ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴾ اور ہو جائیں گے گھانا پانے والوں میں سے۔“

اندازہ لگاؤ کہ شرک کتنی بری اور پلید شے ہے کہ بالفرض پیغمبر بھی شرک کرتے تو اعمال ضائع ہو جاتے۔ میں نے کئی دفعہ مثال دے کر یہ بات سمجھائی ہے کہ دو من دودھ کا مٹکا ہو بالکل صاف اور کھرا۔ اس مٹکے میں اپنے ہی بیٹے کا تھوڑا سا پیشاب گر جائے تو دیانت دار آدمی اس کو استعمال کرنے کے لیے تیار نہ ہوگا اور یہ نہیں کہے گا کہ دو من دودھ میں تھوڑا سا پیشاب گر گیا

ہے تو کیا ہو گیا ہے۔ پھر پیشاب بھی گدھے گھوڑے کا تو نہیں اپنے ہی بیٹے اور نخت جگر کا ہے بلکہ اس کو ضائع کر دے گا۔ بعینہ اسی طرح جس طرح کہ وہ دودھ قابل استعمال نہیں رہتا بالفرض شرک کا ایک قطرہ بھی اعمال میں آ گیا تو سب اعمال ضائع ہو جائیں گے چاہے پیغمبر کے اعمال ہی کیوں نہ ہوں۔ ہمارے آپ کے اعمال کی کیا حیثیت ہے؟ اور یہ بات بھی آپ حضرات کئی مرتبہ سن چکے ہیں کہ پیغمبر کے اعمال اتنے بھاری ہیں کہ امت کے تمام اعمال پیغمبر ﷺ کے ایک عمل کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔



﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ﴾ یہ وہ لوگ ہیں ﴿ابْتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ﴾ جن کو ہم نے کتابیں دیں ﴿وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ﴾ اور حکم دیا اور نبوت دی ﴿فَإِنْ يَكْفُرْ بِهَا﴾ پس اگر انکار کریں ان چیزوں کا ﴿هَٰؤُلَاءِ﴾ یہ لوگ ﴿فَقَدْ وَكَلْنَا بِهَا﴾ پس تحقیق سپرد کر دیں ہم نے یہ چیزیں ﴿قَوْمًا﴾ ایسے لوگوں کے ﴿يَسْتَوِيٰ بِهَا الْكَافِرِينَ﴾ کہ وہ ان کا انکار کرنے والے نہیں ہیں ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ﴾ وہی لوگ ہیں ﴿هَدَىٰ اللَّهُ﴾ جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ﴿فَقِيَّٰدَهُمْ أَقْتَدَا﴾ پس ان کی ہدایت کی تو بھی پیروی کر ﴿قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا﴾ آپ کہہ دیں میں نہیں مانگتا تم سے اس قرآن پر کوئی معاوضہ ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ﴾ نہیں ہے یہ مگر نصیحت جہان والوں کے لیے ﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ﴾ اور نہیں قدر کی ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ﴿حَقَّ قَدْرُهَا﴾ جیسا کہ اس کا حق ہے قدر کرنے کا ﴿إِذْ قَالُوا﴾ جب انہوں نے کہا ﴿مَا أَنْزَلَ اللَّهُ﴾ نہیں نازل کی اللہ تعالیٰ نے ﴿عَلَىٰ بَشَرٍ مِّنْ قَبْلِهِ﴾ کسی بشر پر کوئی شے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿مَنْ أَنْزَلَ الْكِتَابَ﴾ کس نے نازل کی وہ کتاب ﴿الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَىٰ﴾ جس کو موسیٰ ﷺ لے کر آئے ﴿نُورًا﴾ جو روشنی تھی ﴿وَهُدًى﴾ اور ہدایت تھی ﴿لِنَّاسٍ﴾ لوگوں کے لیے ﴿تَجْعَلُونَهُ﴾ جس کو تم نے کر دیا ﴿قُرْآنًا﴾ عکڑے عکڑے ﴿تُبَدُّوْنَهَا﴾ ظاہر کرتے ہو تم ان عکڑوں کو ﴿وَتُخْفُونَ كَيْدًا﴾ اور چھپاتے ہو بہت سے حصے کو ﴿وَعُلْمُكُمْ﴾ اور تمہیں تعلیم دی گئی ﴿مَا لَمْ تَعْلَمُوا أَنَّكُمْ﴾ ان چیزوں کی جن کو نہیں جانتے تھے تم ﴿وَلَا آبَاءُكُمْ﴾ اور نہ تمہارے آباؤ اجداد ﴿قُلِ اللَّهُ﴾ آپ ﷺ کہہ دیں اللہ تعالیٰ نے نازل کی ﴿قُرْآنًا﴾ اور ﴿ذُرَّهْمًا﴾ پھر آپ چھوڑ دیں ان کو ﴿فِي خَوْضِهِمْ﴾ ان کے شغل میں ﴿يَلْعَبُونَ﴾ کھیلتے رہیں ﴿وَهَذَا كِتَابٌ﴾ اور یہ کتاب ہے ﴿أَنْزَلْنَاهُ﴾ جس کو ہم نے نازل کیا ﴿مُبْرَكٌ﴾ برکت والی ہے ﴿مُصَدِّقٌ﴾ تصدیق کرنے والی ہے ﴿الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ اس کی جو اس سے پہلے ہے ﴿وَلَسْنَا بِهَا﴾ اور تاکہ تو ڈرائے ﴿أَمْرًا قُرْآنًا﴾ تمام بستیوں کی اصل بستی کو ﴿وَمَنْ خَوَّلَهَا﴾ اور اس کے ارد گرد والوں کو ﴿وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ﴾ اور وہ لوگ جو ایمان

لاتے ہیں ﴿بِالْآخِرَةِ﴾ آخرت پر ﴿يُؤْمِنُونَ بِهِ﴾ وہ ایمان لاتے ہیں قرآن پاک پر ﴿وَهُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ﴾ اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

رہط آیات / درس ۱۱

گزشتہ درس میں بیان ہوا تھا کہ بالفرض اگر انبیاء کرام علیہم السلام بھی شرک کا ارتکاب کرتے تو ان کے سارے اعمال ضائع ہو جاتے۔ حالانکہ بلاشبہ انبیاء کرام علیہم السلام شرک سے پاک ہوتے ہیں۔ لہذا یہ بات سب لوگوں کو اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ جب انبیاء کرام علیہم السلام مستثنیٰ نہیں ہیں تو پھر کسی اور کو معافی کس طرح مل سکتی ہے۔ لہذا شرک سے ہمیشہ بچنا چاہیے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کی فضیلت اور ان کا مقام بیان فرمایا ہے۔ ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْتَنُمُ الْكِتَابَ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتابیں دیں ﴿تُورِ الْكِتَابَ وَالنَّبُوءَاتِ﴾ اور حکم دیا اور نبوت دی۔ مذکورہ پیغمبروں میں وہ بھی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے کتابیں نازل فرمائیں۔ جیسے: موسیٰ علیہ السلام کے پاس تورات تھی عیسیٰ علیہ السلام کے پاس انجیل تھی، حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس زبور تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرمایا۔ اور ان میں سے بعض وہ تھے جن کے پاس کتاب تو نہیں تھی مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نازل ہوتا رہا، وحی اترتی رہی۔ ﴿قُلْ إِن كُنْتُمْ تُحِبُّونَ الْوَالِدِينَ وَالْحَقْرَاءَ﴾ پس اگر انکار کریں ان چیزوں کا یہ لوگ یعنی کتابوں کا حکم اور نبوت کا یہ مکے والے تو کوئی بات نہیں ﴿فَقَدْ وَكَلْنَا بَعَثًا تَمَامًا﴾ پس تحقیق سپرد کر دیں ہم نے یہ چیزیں ایسی قوم کے لیے ﴿لَا يَسْتَوُوا بِهَا كُفْرِينَ﴾ کہ وہ ان کا انکار کرنے والے نہیں ہیں الحمد للہ! قیامت تک آنے والے اگر مکے والے نہیں مانتے تو نہ مانیں۔ ایسی قوموں تک یہ چیزیں پہنچیں گی کہ وہ انکار نہیں کریں گے بلکہ تسلیم کریں گے۔ الحمد للہ! آج دنیا میں سوا ارب کے قریب مسلمان موجود ہیں ان چیزوں کو تسلیم کرنے والے۔ ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ﴾ وہی لوگ ہیں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر جن کا ذکر ہوا ہے ﴿هَدَىٰ اللَّهُ﴾ جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ﴿فَهَدَىٰهُمْ أَثْبَاتًا﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ بھی ان کی ہدایت کی پیروی کریں۔

پیغمبر پیکر خلوص وللہیت

﴿قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا﴾ آپ ان کو کہہ دیں میں نہیں مانگتا تم سے اس قرآن پر کوئی معاوضہ۔ بعض کافروں کو یہ شبہ تھا کہ غریب اور کمزور آدمی ہے اس نے نبوت کا دعویٰ کر کے روپیہ کمانے کا طریقہ ایجاد کیا ہے۔

ولسید بن مغیرہ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مباحثہ

چنانچہ مشہور صحابی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کا والد ولید بن مغیرہ مکہ مکرمہ میں سب سے زیادہ مال دار آدمی تھا۔ تیرہ بیٹے تھے۔ خود بھی اور بیٹے بھی بڑے محنت مند تھے۔ بیٹوں میں بیٹھا ہوتا تو کوئی تمیز نہیں کر سکتا تھا کہ باپ کون ہے اور بیٹا کون ہے۔ تیرہ میں سے تین کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کی توفیق عطا فرمائی۔ حضرت خالد بن ولید، ہشام بن ولید اور ولید بن ولید رضی اللہ عنہم، باقی دس

کفر پر مرے۔ ولید بن مغیرہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اگر آپ کو مال کی ضرورت ہے تو میں تجھے اتنا مال دینے کے لیے تیار ہوں کہ تیری سات پشتوں کو کافی ہو جائے گا مگر ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ کی رٹ لگانی چھوڑ دے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ تمہارا غلط خیال ہے میں تمہیں کسی معاوضے کے لیے نہیں سنا تا بلکہ یہ رب تعالیٰ کا کلام ہے اور رب تعالیٰ کا حکم ہے کہ میں تمہیں سزاؤں اور اللہ تعالیٰ کے احکام تمہیں پہنچاؤں ﴿إِنَّ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ﴾ نہیں ہے یہ مگر فصیح جہان والوں کے لیے۔

ابورافع یہودی کا قصہ اور آیات کا شان نزول

ایک مجلس میں یہودی، عیسائی، صابی اور مشرک موجود تھے یعنی مشترکہ مجلس تھی۔ اس میں آنحضرت ﷺ نے اپنی نبوت اور رسالت کا ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت عطا فرمائی ہے اور میرے اوپر قرآن نازل فرمایا ہے اور معجزات عطا فرمائے ہیں۔ ابورافع یہودی بڑا منہ پھٹ اور بے حیا آدمی تھا۔ جس طرح کعب بن اشرف بڑا منہ پھٹ اور بے لحاظ آدمی تھا بعض آدمی بات کرنے سے جھکتے نہیں ہیں چاہے بات کتنی بڑی ہی کیوں نہ ہو۔ یہ اس قسم کے لوگوں میں سے تھے۔

جب آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اوپر کتاب نازل فرمائی ہے۔ تو ابورافع یہودی کہنے لگا اللہ تعالیٰ نے تو کسی انسان پر کوئی شے نازل نہیں فرمائی تیرے اوپر کتاب کہاں سے نازل ہوگی؟ یہ بات اس نے محض ضد کی وجہ سے کہی ورنہ بڑا سمجھ دار آدمی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا۔

فرمایا ﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَتَّىٰ قَدَّرُوا﴾ اور نہیں قدر کی ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی جیسا کہ اس کا حق ہے قدر کرنے کا ﴿إِذَا قَالُوا﴾ جب انھوں نے کہا ﴿مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ بَشَرٍ مِّن شَيْءٍ﴾ نہیں نازل کی اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی شے، نہ وحی، نہ کتاب۔

اللہ تعالیٰ کی بے قدری کرنے کا مطلب

اب اس میں اللہ تعالیٰ کی بے قدری کس طرح ہوئی؟ اس کو آپ اس طرح سمجھیں کہ ایک ملک کا صدر دوسرے ملک میں اپنا سفیر بھیجے مکمل دستاویزات اور سندیں دے کر اور اس کا صدر اس کو سفیر ماننے سے انکار کر دے۔ تو یہ اس سفیر کی توہین نہیں بلکہ اس کے بادشاہ کی توہین ہے جس نے اس کو مکمل دستاویزات کے ساتھ بھیجا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیجے ان پر وحی نازل فرمائی کتابیں نازل فرمائیں اور ان کو معجزات عطا فرمائے ان تمام دلائل کے ہوتے ہوئے جو ان کا انکار کرے گا تو اس نے اللہ تعالیٰ کی توہین کی ہے قدر نہیں کی۔

چوں کہ کہنے والا یہودی تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿قُلْ﴾ آپ (ﷺ) کہہ دیں ﴿مَنْ أَنْزَلَ الْكِتَابَ﴾ کس نے نازل کی وہ کتاب ﴿الَّذِي جَاءَ بِهِ مَوْسَىٰ﴾ جس کو موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے ﴿ثُمَّ تَرَاؤُهَا هَذَىٰ لِّالنَّاسِ﴾ جو روشنی تھی اور ہدایت تھی، لوگوں کے لیے اپنے دور میں بتاؤ ظالمو! وہ کتاب موسیٰ علیہ السلام پر کس نے نازل فرمائی تھی؟ اور کیا موسیٰ علیہ السلام بشر نہیں تھے؟

”قَرَاطِيسُ“ کی تحقیق

﴿تَجْعَلُونَهُ قَرَاطِيسَ﴾ جس کو تم نے کر دیا ٹکڑے ٹکڑے قَرَاطِيسُ، قَرَاطِيسُ کی جمع ہے جس کا معنی کاغذ اور ٹکڑا ہے۔ ﴿ثُبُنًا وَنَهًا﴾ ظاہر کرتے ہو تم ان ٹکڑوں کو جو تمہارے مطلب کے ہیں ﴿وَتُحْفُونَ كُنُوزًا﴾ اور چھپاتے ہو بہت سے حصے کو جس کی وجہ سے تم پر زد پڑتی ہے۔ ﴿وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوا اَنْتُمْ﴾ اور تمہیں تعلیم دی گئی ان چیزوں کی جن کو نہیں جانتے تھے تم ﴿وَلَا اٰبَاؤُكُمْ﴾ اور نہ تمہارے باپ دادا جانتے تھے۔ اس کتاب کے ذریعے تمہیں وہ احکام بتائے گئے جو حلال حرام جائز ناجائز ثواب و عقاب پر مشتمل تھے جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا جانتے تھے۔ بتاؤ وہ کتاب کس نے نازل کی ہے؟ فرمایا یہ تو ضد میں ہیں لہذا یہ جواب نہیں دیں گے کیونکہ جب آدمی ضد پر اتر آئے تو حق کا انکار کر دیتا ہے۔

﴿قُلِ اللّٰهُ﴾ آپ (ﷺ) کہہ دیں اللہ تعالیٰ نے نازل کی ﴿كُتُبًا مِّنْ قَبْلِهَا﴾ پھر آپ چھوڑ دیں ان کو ﴿فِيْ حُوزِهِمْ يَكْتُبُوْنَ﴾ ان کے شغل میں کھیلتے رہیں۔ تو جس طرح موسیٰ ﷺ پر کتاب نازل ہوئی اور بشر تھے اسی طرح ﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ﴾ اور یہ کتاب ہے قرآن کریم جس کو ہم نے نازل کیا ﴿مُبْرَكًا﴾ برکت والی ہے۔ اس کو ہاتھ لگانا باعث برکت ہے، اس کو دیکھنا برکت ہے، اس کو پڑھنا برکت ہے، اس کو سمجھنا باعث برکت ہے۔ اور قرآن کریم کو کھول کر سامنے رکھ کر پڑھنے کا زیادہ ثواب ہے۔ اس لیے کہ زبان پڑھے گی اور آنکھیں دیکھیں گی کیونکہ پڑھنے کا الگ ثواب ہے اور دیکھنے کا الگ ثواب ہے اور ہاتھ لگانے کا الگ ثواب ہے (درس میں چھوٹے بچے آگے بیٹھ جاتے ہیں میں نے کئی مرتبہ کہا ہے کہ بڑے حضرات آگے ہو کر بیٹھا کرو۔ کیونکہ سمجھنا تو بڑوں نے ہے ان کا شوق اپنی جگہ پر ٹھیک ہے مگر یہ سمجھ تو نہیں سکتے اس لیے بڑے حضرات آگے بیٹھا کریں)۔ ﴿مُصَدِّقًا لِّذٰلِكَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ تصدیق کرنے والی ہے اس کی جو اس سے پہلے ہے۔ جو کتابیں قرآن کریم سے پہلے نازل ہوئی ہیں قرآن کریم ان کی تصدیق کرتا ہے۔

”مکہ“ کا معنی اور ”ام القرئی“ کا مطلب

﴿وَلِيُنذِرَ اُمَّ الْقُرٰی﴾ یہ کتاب اس لیے اتاری ہے تاکہ آپ ڈرائیں تمام بستیوں کی اصل کو۔ مکہ مکرمہ کا نام ”ام القرئی“ بھی ہے یہ تمام بستیوں کی ماں ہے۔ کیونکہ یہی سے اللہ تعالیٰ نے زمین کو شرقاً، غرباً، شمالاً، جنوباً پھیلا یا ہے۔ جس طرح آٹے کا پیڑ اہوتا ہے اور اس کو پھیلا کر روٹی بنائی جاتی ہے اسی طرح زمین کو پیڑے کی شکل میں بنا کر یہاں رکھا جہاں مکہ مکرمہ ہے ﴿وَالْاَنْصٰصُ بَعْدَ ذٰلِكَ دَخَلَهَا﴾ اس کے بعد پھر زمین کو چاروں طرف پھیلا دیا۔ اور مکہ کا لفظی معنی ناف ہے جو آدمی کے درمیان میں ہوتی ہے۔ ماں کے پیٹ میں بچے کو اسی کے ذریعے خوراک ملتی ہے۔

ام القرئی کو ڈرانے کا مطلب یہ ہے کہ یہاں کے باشندوں کو ڈرائیں ﴿وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ اور اس کے ارد گرد والوں کو بھی ڈرائیں ﴿ذٰلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں آخرت پر ﴿يُؤْمِنُوْنَ بِہِ﴾ وہ ایمان لاتے ہیں قرآن

پاک پر جو آخرت کو مانتے ہیں وہ قرآن کریم کو بھی مانتے ہیں ان کی واضح اور صاف نشانی یہ ہے کہ ﴿وَهُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ﴾ اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو نمازوں کی حفاظت اور پابندی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔



﴿وَمَنْ أَظْلَمُ﴾ اور کون بڑا ظالم ہے ﴿مِمَّنْ افْتَرَىٰ﴾ اس شخص سے جس نے افترا باندھا ﴿عَلَىٰ اللَّهِ كَذِبًا﴾ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا ﴿أَوْ قَالَ﴾ یا جس نے کہا ﴿أَوْحَىٰ إِلَيَّ﴾ میری طرف وحی کی گئی ہے ﴿وَلَمْ يُوحِ إِلَيْهِ شَيْءٌ﴾ حالاں کہ اس کی طرف کوئی چیز وحی نہیں کی گئی ﴿وَمَنْ قَالَ﴾ اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے کہا ﴿سَأُنزِلُ﴾ میں بھی نازل کر سکتا ہوں ﴿وَمِثْلَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ﴾ اس کی مثل جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے ﴿وَكُنتَ تَرَىٰ﴾ اور اگر آپ دیکھیں ﴿إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ﴾ جب کہ ظالم موت کی غشیوں میں ہوں گے ﴿وَالْمَلَائِكَةُ﴾ اور فرشتے ﴿بَاطِئُونَ أَيْدِيهِمْ﴾ اپنے ہاتھ ان کی طرف پھیلائے ہوئے ہوں گے ﴿أَخْرَجُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ نکالو اپنی جانوں کو ﴿الْيَوْمَ﴾ آج کے دن ﴿تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ﴾ تمہیں بدلا دیا جائے گا ذلت کا عذاب ﴿بِمَا كُنتُمْ﴾ اس لیے کہ تمہیں تمہیں ﴿تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ﴾ کہتے اللہ تعالیٰ پر ﴿غَيْرِ الْحَقِّ﴾ ناحق ﴿وَكُنتُمْ﴾ اور تمہیں تمہیں ﴿عَنِ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ﴾ اللہ تعالیٰ آیتوں سے تکبر کرتے ﴿وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا قَوْمًا﴾ اور البتہ تحقیق آئے تمہارے پاس اکیلے اکیلے ﴿كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ جیسا کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا پہلی مرتبہ ﴿وَوَسَّوْنَاكُمْ﴾ اور چھوڑ دیا تمہیں نے ﴿مَا خَوْلَاكُمْ﴾ اس کو جو ہم نے تمہیں نعمتیں دی تھیں ﴿وَمَا آءَ ظُهُورِكُمْ﴾ تمہاری پشتوں کے پیچھے سے ﴿وَمَا نَزَّيْ مَعَكُمْ﴾ اور نہیں دیکھتے ہم تمہارے ساتھ ﴿شَفَعَاءَ كُمْ﴾ تمہارے سفارشچیوں کو ﴿الَّذِينَ دَعَّيْتُمْ﴾ وہ جن کے متعلق تم گمان کرتے تھے ﴿أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ﴾ کہ بے شک وہ تمہارے اندر شریک ہیں ﴿لَقَدْ تَفَقَّحْنَا بَيْنَكُمْ﴾ البتہ تحقیق منقطع ہو گئے ہیں تعلقات جو تمہارے درمیان تھے ﴿وَوَصَّلْنَا عَنْكُمْ﴾ اور غائب ہو گئے تم سے ﴿مَا كُنتُمْ تَرَعُونَ﴾ وہ جن کے متعلق تم گمان کرتے تھے۔

دُنیا میں بدترین ظالم

دنیا میں ظلم کی بھی بڑی قسمیں ہیں اور ظالم بھی بہت ہیں مگر تین ظالم سب سے بڑے ہیں۔ اس مقام پر تین بڑے ظالموں کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ﴾ اسم تفضیل کا صیغہ ہے، اور کون بڑا ظالم ہے ﴿مِمَّنْ افْتَرَىٰ﴾ اس شخص سے جس نے افترا باندھا ﴿عَلَىٰ اللَّهِ كَذِبًا﴾ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا۔

افتراء باندھنے کا مطلب ہے؟

اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا افتراء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف شریک کی نسبت کی جائے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرنا بھی اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھنے کے زمرے میں آتا ہے۔

ظلم کی ایک قسم ہے؟

اور یہ بھی بہت بڑا ظلم ہے جس طرح یہودیوں نے کہا ﴿عَزَّوَجَلَّ اللَّهُ﴾ کہ عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں، اور نصاریٰ نے کہا ﴿الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ﴾ کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں دنیا کے جاہل اور مشرک کہتے ہیں فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ابن آدم سے گلہ کرنا ہے؟

حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **يَسْتَمِينِي ابْنُ آدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكْ** ”اولاد آدم مجھے گالیاں دیتی ہے حالانکہ اسے حق نہیں پہنچتا کہ وہ مجھے گالیاں دے، گالیاں کس طرح دیتا ہے **يَدْعُونِي وَلَدًا** وہ میری طرف اولاد کی نسبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرنا اللہ تعالیٰ کو گالی دینا ہے **وَيَكْفُرُونِي ابْنِ آدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكْ** اور ابن آدم مجھے جھٹلاتا ہے حالانکہ اسے کوئی حق نہیں ہے مجھے جھٹلانے کا جھٹلاتا کس طرح ہے؟ کہتا ہے **لَنْ يُعِيدَنِي** مجھے قیامت والے دن نہیں اٹھایا جائے گا اور میں کہتا ہوں کہ ضرور اٹھاؤں گا۔“

دوسرا بڑا ظالم ہے؟

دوسرا بڑا ظالم ﴿أَوْ قَالَ﴾ یا جس نے کہا ﴿أَوْ جِئْتَنِي﴾ یا جس نے کہا میری طرف وحی کی گئی ہے ﴿وَلَمْ يُؤْخَرْ إِلَيْهِ﴾ کئی ہے حالانکہ اس کی طرف کوئی چیز وحی نہیں کی گئی۔ جھوٹا نبی بنتا ہے اور کہتا ہے کہ میری طرف فرشتہ وحی لے کر آتا ہے۔ یہ بھی بڑا ظالم ہے اور اس سے بڑا ظالم بھی کوئی نہیں ہے اور ایسے ظالم بہت گزرے ہیں۔

دور نبوت کے کذاب ہے؟

آنحضرت ﷺ کی زندگی میں مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی نے نبوت کا دعویٰ کیا اور آپ ﷺ کے بعد تو ساون برساتی کے مینڈکوں کی طرح جھوٹے نبی آئے۔

عصر حاضر کے کذاب اور مرزا قادیانی لعین ہے؟

اس وقت بھی امریکہ میں ایک دجال ہے جو کہتا ہے کہ میں نبی ہوں۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی نبوت کا جھوٹا دعویٰ

کیا کہ میری طرف وحی آتی ہے اور قادیانیوں نے دنیا میں جال پھیلا یا ہوا ہے، تبلیغ سے باز نہیں آتے۔ حالانکہ قادیانی جھوٹا آدمی تھا۔

قادیانی کا چندہ لینا اور دھوکہ دہی کرنا؟

قادیانی نے ایک مرتبہ لوگوں سے چندہ مانگا کہ میں نے چالیس جلدوں میں ایک کتاب لکھنی ہے لہذا میرے ساتھ تعاون کرو لوگوں نے چندہ دیا۔ اس نے چھوٹے چھوٹے رسالے لکھے ”اربعین“ کے نام سے۔ (۱) اربعین (۲) اربعین (۳) اربعین (۴) اور خاموش ہو گیا۔ کئی سال گزرنے کے بعد لوگوں نے مطالبہ کیا کہ آپ نے چندہ لیا تھا چالیس جلدوں میں کتاب لکھنے کا مگر یہ چار چھوٹے چھوٹے رسالے آئے ہیں باقی چھتیس کہاں ہیں؟ تو مرزا قادیانی نے جواب دیا کہ چار میں نے لکھ دیے ہیں اس کے ساتھ صفر تم لگا لو تو چالیس ہو جائیں گے۔

دیکھو! یہ ہے نبی اور یہ نبیوں کا کام ہے۔ قادیانی عام طور پر لوگوں کو کہتے ہیں اور دھوکہ دیتے ہیں کہ قادیانی تشریحی نبی نہیں ہے شریعت والا نبی وہ ہوتا ہے جس کی طرف حلال و حرام اور امر و نہی کے احکام نازل ہوں یہ محض دھوکہ ہے۔ کیونکہ مرزا قادیانی نے چوتھے نمبر میں لکھا ہے کہ میں تشریحی نبی ہوں۔ یہ حوالہ یاد رکھنا۔

تیسرا بڑا ظالم؟

اور تیسرا بڑا ظالم: ﴿وَمَنْ قَالَ﴾ اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے کہا ﴿سَأَنْزِلُ﴾ میں بھی نازل کر سکتا ہوں ﴿وَمِثْلَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ﴾ اس کی مثل جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے قرآن کریم۔

قرآن کا چیلنج؟

اس سلسلے میں قرآن کریم کا چیلنج آج تک موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا کہ اگر کسی میں ہمت ہے تو اس جیسا قرآن لاؤ اگر مکمل نہیں تو دس سورتیں لے آؤ اور اگر دس نہیں لاسکتے تو فرمایا ﴿فَاتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ﴾ ”پس لے آؤ اس جیسی کوئی چھوٹی سی سورت ﴿وَإِذْ عَمُوا شَهَادَةً لَّهُمْ أَنْ لَا نَمُنَّ بِذُنُوبِهِمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے سوا تمام اپنے مددگاروں کو بلاؤ ﴿إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ اگر ہوتے سچے ﴿فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا﴾ [البقرہ: ۲۳] پس اگر تم نہ کر سکو اور تم ہرگز نہیں کر سکو گے۔ صدیاں گزر گئیں آج تک کوئی ماں کالا قرآن جیسی چھوٹی سی سورت نہیں لاسکا۔ باقی ڈیکھیں اور لاف و گزاف مارنے کا مسئلہ جدا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے ﴿وَلَوْ تَرَىٰ﴾ اور اے مخاطب! اگر آپ دیکھیں ﴿إِذِ الظَّالِمُونَ فِي ظَمَرَاتِ الْمَوْتِ﴾ جب کہ ظالم موت کی غشیوں میں ہوں گے ﴿وَالنَّارُ﴾ اور فرشتے ﴿يَاوَسُّوْنَ أَيْدِيَهُمْ﴾ اپنے ہاتھ ان کی طرف پھیلائے ہوئے ہوں گے ﴿أَلَمْ يَجْعَلُوا أَلْفُكُمُ﴾ کہیں گے نکالو اپنی جانوں کو۔ ہمارے حوالے کرو۔

تخریج ارواح نیک و بد

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب نیک آدمی کی روح نکالنے کا وقت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا فرشتہ کہتا ہے ﴿يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمَطْمَئِنَّةُ﴾ اے پاکیزہ روح! ﴿إِذِجِئِي إِلَىٰ رَبِّكَ رَاضِيَةً مَّرْضِيَةً﴾ چل اپنے رب کی طرف تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ لہذا ہمارے ساتھ خوشی خوشی سے چل اور جو بد بخت ہوتا ہے اس کو کہتے ہیں يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْخَبِيثَةُ اے پلید روح! اُخْرِجِي إِلَىٰ سَعْيِكَ مِنَ اللَّهِ باہر نکل اللہ تعالیٰ کے غضب کی طرف اللہ تعالیٰ تجھ سے ناراض ہے۔ وہ بدن سے نہیں نکلتی۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جیسے گیلی روئی سے سلاخ گرم کر کے نکالی جائے اس طرح نکالتے ہیں اور کہتے ہیں ﴿الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ﴾ آج کے دن تمہیں بدلا دیا جائے گا ذلت کا عذاب۔ مرنے کے بعد جب آدمی کو قبر میں اتارا جاتا ہے تو فوراً عذاب و ثواب شروع ہو جاتا ہے ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَفْعَلُونَ عَلَىٰ اللَّهِ وَعْدًا وَعْدًا﴾ اس لیے دیا جائے گا کہ تمہیں تمہیں کہتے اللہ تعالیٰ پر ناحق۔ کبھی تم اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے تھے کبھی رب تعالیٰ کے شریک بناتے تھے کبھی کہتے ہم بھی اللہ تعالیٰ کی طرح کتابیں نازل کر سکتے ہیں لہذا آج ان باتوں کا مزا چکھو۔ ﴿وَكُنْتُمْ عَنْ آيَاتِنَا تَسْتَكْبِرُونَ﴾ اور تمہیں تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے تکبر کرتے ہٹکرا دیتے تھے۔

”فراڈی“ کی تحقیق

﴿وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فَرَادَى﴾ ”فراڈی“ کی جمع ہے اور فرد کا معنی ہے اکیلا۔ اور البتہ تحقیق آئے تم ہمارے پاس اکیلا اکیلا۔ بچہ جب ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے تو اکیلا ہوتا ہے۔ نہ بہن بھائی اس کے ساتھ ہوتے ہیں نہ اولاد۔ کبھی جڑواں بھی پیدا ہوتے ہیں مگر اکثر اکیلا ہی پیدا ہوتا ہے اور اس کے جسم پر کپڑا بھی نہیں ہوتا۔ قیامت والے دن قبروں سے اسی طرح نکلیں گے۔ اَوَّلَ خَلْقٍ تُعِينِدُ جِسْمَ طَرَحٍ پھلے مرتبہ پیدا کیا تھا۔ پھر قبروں سے نکلنے کے بعد کسی کو دوسرے قدم پر کسی کو تیسرے قدم پر کسی کو چوتھے قدم پر اپنے اپنے اعمال کے مطابق لباس پہنایا جائے گا۔

قیامت والے دن لباس پہننے کی ترتیب

حدیث پاک میں آتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوسرے نمبر پر مجھے لباس پہنایا جائے گا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس اس لیے پہلے پہنایا جائے گا کہ ظالموں نے جب ابراہیم علیہ السلام کو آلائشیں میں رسیوں سے مضبوط جکڑ کر جُزِدَ عَنِ الثِّيَابِ کپڑوں سے نکا کر کے آگ میں ڈالا تھا۔ نمود کی کرسی وہیں ایک طرف رکھی ہوئی تھی اور اس کے پاس اس کے وزیر بیٹھے ہوئے تھے اور نمود زندہ باد کے نعرے پر نعرے لگ رہے تھے اور تماشا دیکھ رہے تھے اور اس انتظار میں تھے کہ اب ان کا سر پھٹے گا اور ٹھاہ ہوگی اور ہمارے کلیجے ٹھنڈے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا آگ کو حکم بروودت ﴿﴾

اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا ﴿قُلْنَا إِنَّا نُؤْتِي نَارًا حَمِيمًا وَنَسْفَعُهَا عَلِيمًا﴾ [الانبیاء: ۶۹] "اے آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا ابراہیم علیہ السلام پر" مگر اتنی زیادہ نہیں کہ ان کو سردی لگنے لگ جائے گل و گلزار ہو جا آگ نے صرف ان رسیوں کو جلایا جن سے ان کو باندھا گیا تھا سراسر مبارک داڑھی مبارک اور جسم مبارک کا ایک بال بھی نہیں جلایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں اس طرح پھر رہے تھے جس طرح کوئی باغ میں ٹہل رہا ہوتا ہے۔

پدرا ابراہیم علیہ السلام کا خدا کے بارے میں حسن ظن ﴿﴾

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب آگ سے صحیح سالم باہر تشریف لائے تو ان کے والد نے یہ الفاظ کہے: نِعْمَ الرَّبُّ رَبُّكَ يَا اِبْرَاهِيمُ اے ابراہیم! تیرا رب بہت اچھا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے مذکورہ الفاظ نقل کیے ہیں اتنا کچھ دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لایا۔ دھڑا نہیں چھوڑا اس لیے ابراہیم علیہ السلام کو پہلے لباس پہنایا جائے گا اور دوسرے نمبر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو فرمایا، البتہ تحقیق آئے تم ہمارے پاس اکیلے اکیلے ﴿كَمَا خَلَقْنَاكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ جیسا کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا پہلی مرتبہ۔

رب العزت کے سامنے انسان کا اکیلے پیش ہونا ﴿﴾

﴿وَتَرَكْنَكُمْ فَاخْوَانَكُمْ﴾ اور چھوڑ دیا تم نے ان کو جو ہم نے تمہیں نعمتیں دی تھیں۔ وہ بگلا کوٹھی اور کارخانہ تمہارے ساتھ نہیں آیا، دکان مال بھی ساتھ نہیں آیا ﴿وَمَا آءَا ظُهُورُكُمْ﴾ پشتوں کے پیچھے چھوڑ آئے ہو۔ کچھ تو ساتھ لانا تھا یہاں تو صورت حال یہ ہے کہ کسی خوش نصیب کو کفن نصیب ہوتا ہے اور کسی کو وہ بھی نصیب نہیں ہوتا۔ ﴿وَمَا نُرَايَ مَعَكُمْ شُفَعَاءَ كُمْ﴾ اور نہیں دیکھتے ہم تمہارے ساتھ تمہارے سفارشچیوں کو۔ جن کے متعلق تم کہتے تھے ﴿هَلْ وَاوَدَّ شُفَعَاءُ وَاَعْنَدَ اللّٰهُ﴾ [یونس: ۱۸] کہ یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ تعالیٰ کے پاس۔ ﴿الَّذِينَ زَعَمْتُمْ﴾ وہ جن کے متعلق تم گمان کرتے تھے ﴿اَنْتُمْ فِيْكُمْ شُرَكَاءُ﴾ کہ بے شک وہ تمہارے اندر شریک ہیں وہ تمہارے ساتھ نہیں ہیں۔ ﴿لَقَدْ نَقَطَ بَيْنَكُمْ﴾ البتہ تحقیق منقطع ہو گئے ہیں تعلقات جو تمہارے درمیان تھے، آج نہ تم ان کے کام آسکتے ہو اور نہ وہ تمہارے کام آسکتے ہیں۔ ﴿وَصَلَّ عَلَيْنَا مَا لَكُمْ مِنْ عَمَلٍ تَرْغَبُونَ﴾ اور غائب ہو گئے تم سے وہ جن کے متعلق تم گمان کرتے تھے کہ یہ ہمارے سفارشی ہیں اور ہمارے کام آئیں گے۔ وہاں نہ سفارشی کام آئیں گے، نہ دولت کام آئے گی، ایمان کام آئے گا اور عمل صالح کام آئے گا۔ اللہ تعالیٰ سب کو ان کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)



﴿إِنَّ اللَّهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿فَالِقُ الْغَيْبِ وَالشَّيْءِ﴾ پھاڑ کر نکالتا ہے دانے اور گھلیوں سے ﴿يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ﴾ نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے ﴿وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ﴾ اور نکالتے والا ہے مردہ کو زندہ سے ﴿ذَٰلِكُمْ اللَّهُ﴾ یہی ہے اللہ تعالیٰ ﴿فَأَنَّى تُؤْفَكُونَ﴾ پس کدھرتم اٹنے پھرے جارہے ہو ﴿فَالِقُ الْإِصْبَاحِ﴾ وہ پھاڑ نکالتا ہے صبح کو ﴿وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا﴾ اور اس نے بنایا رات کو سکون کے لیے ﴿وَالشَّمْسِ وَالْقَمَرِ حُسْبَانًا﴾ اور سورج اور چاند حساب سے چل رہے ہیں ﴿ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ رَبِّكَ﴾ یہ اندازہ ہے ﴿الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ﴾ غالب، جاننے والے کا ﴿وَهُوَ الَّذِي﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے ﴿جَعَلَ لَكُمُ النَّجْمَ﴾ جس نے بنائے تمہارے لیے ستارے ﴿لِتَهْتَدُوا﴾ بہاؤ تاکہ تم راہ پاؤ ان کے ذریعے ﴿فِي ظُلُمَاتِ اللَّيْلِ وَالْبَحْرِ﴾ خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں ﴿قَدْ فَضَّلْنَا الْآيَاتِ﴾ تحقیق ہم نے تفصیل کے ساتھ بیان کی ہیں آیتیں ﴿لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ﴾ اس قوم کے لیے جو جانا چاہے ﴿وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَكُمْ﴾ اور وہ وہی ذات ہے جس نے پیدا کیا تم کو ﴿وَمِنْ نَفْسٍ وَآحَادٍ﴾ ایک نفس سے ﴿فَسْتَقْرُّوا﴾ ایک قرار گاہ ﴿وَمُسْتَوْدَعًا﴾ اور امانت سپرد کرنے کی جگہ ہے ﴿قَدْ فَضَّلْنَا الْآيَاتِ﴾ تحقیق تفصیل کے ساتھ بیان کی ہم نے آیتیں ﴿لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ﴾ اس قوم کے لیے جو سمجھ رکھتی ہے ﴿وَهُوَ الَّذِي﴾ اور وہ وہی ذات ہے ﴿أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً﴾ جس نے نازل کیا آسمان کی طرف سے پانی ﴿فَأَخْرَجْنَا بِهِ﴾ پس نکالے ہم نے اس پانی کے ذریعے ﴿نَبَاتٍ كُلِّ شَيْءٍ﴾ ہر چیز کے پودے ﴿فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ﴾ پس نکالے ہم نے اس پودے سے ﴿حُضْبًا﴾ سبز رنگ کے دانے ﴿يُخْرِجُ مِنْهُ﴾ ہم نکالتے ہیں اس سے ﴿حَبًّا مُّتَرَاكِبًا﴾ دانے ایک دوسرے پر چڑھتے ہوئے ﴿وَمِنَ النَّخْلِ﴾ اور کھجوروں سے ﴿مِنْ طَلْعِهَا﴾ ایک کے خوشوں سے ﴿قَوَانٍ﴾ گچھے ﴿وَدَانِيَةً﴾ لگے ہوئے ﴿وَوَجَّتِ﴾ اور باغات ہیں ﴿مِنَ الْأَعْنَابِ وَالزَّيْتُونِ﴾ انگوروں اور زیتون کے ﴿وَالزُّمَانِ﴾ اور اناروں کے ﴿مُشْتَبِهًا﴾ جو ملتے جلتے ہیں ﴿وَعَذِيرٍ مُّتَسَابِهٍ﴾ اور جو نہیں ملتے جلتے ﴿أَنْظُرْ إِلَى شَجَرَةٍ﴾ دیکھو اس کے پھل کی طرف ﴿إِذَا أَشْمَرَ﴾ جب وہ پھل دیتا ہے ﴿وَيَسْجُوعًا﴾ اور اس کے پکنے کی طرف دیکھو ﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكُمْ لَآيَاتٍ﴾ بے شک اس میں کئی نشانیاں ہیں ﴿لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ اس قوم کے لیے جو ایمان لاتی ہے۔

رَبط آیات

اس سے پہلی آیت کریمہ ہے ﴿وَمَا لَآئِي مَعَلَّمِ شُفَعَاءِ كُمْ الَّذِينَ رَعَيْنْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ مُّشْرِكُوا﴾ وہ جن کے متعلق تم گمان کرتے تھے اور ہم نہیں دیکھتے تمہارے ساتھ سفارشی جن کے بارے میں تم گمان کرتے تھے کہ وہ تمہارے متعلق ہمارے

شریک ہیں۔ وہ کہاں ہیں وہ تو کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ قیامت والے دن سب بے بس نظر آئیں گے اختیارات تمام کے تمام اللہ تعالیٰ کے پاس ہوں گے۔ اس رکوع میں اللہ تعالیٰ اپنی قدرتوں کو بیان فرما رہے ہیں کہ یہ تمام کام تو اللہ تعالیٰ نے کیے ہیں تمہارے شریکوں لات، منات، عززی یا اور کسی نے کیا، کیا ہے اور اس چیز کو تم بھی تسلیم کرتے ہو پھر شریک بنانے کا کیا مطلب ہے؟

”حَب“ کی تحقیق

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ﴾، حَب، حَبَّة کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے ”دانہ“۔ تو حَبَّ کے معنی ہوں گے دانے کہ بے شک اللہ تعالیٰ پھاڑ کر نکالتا ہے دانے۔ لوگ جو گندم، جو، بکنی، باجرہ وغیرہ کی فصلیں بوتے ہیں ان کے دانوں کو پھاڑ کر زمین سے کون اگاتا ہے رب ہی تو ہے۔

”تَوَى“ کی تحقیق

﴿وَالتَّوَى﴾، اور گھٹلیوں سے تَوَى، تَوَا کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے گھٹلی۔ مثلاً: آم کی گھٹلی ہے، کھجور کی گھٹلی ہے تم ان کو زمین میں دبا دیتے ہو رب تعالیٰ ان کو پھاڑ کر زمین سے اُگا دیتا ہے۔

زندہ کو مردہ سے نکالنے کا مطلب

اور یہ تم تسلیم بھی کرتے ہو ﴿يُغَوِّرُ مِنَ النِّجْمِ﴾ نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے۔ نطفہ بے جان ہوتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ بچہ پیدا فرماتے ہیں انڈہ بظاہر بے جان ہوتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ چوزہ پیدا فرماتے ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ باپ کافر ہوتا ہے اس سے مومن بیٹا پیدا کرتا ہے اور جاہل سے عالم پیدا کرتا ہے۔ نیک سے بد اور بد سے نیک پیدا کرتا ہے زندہ کو مردہ کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے۔

مردہ کو زندہ سے نکالنے کا مطلب

﴿وَمُغَوِّرُ مِنَ النِّجْمِ﴾ اور نکالنے والا ہے مردہ کو زندہ سے۔ انسان زندہ ہے اس سے نطفہ بے جان پیدا کرتا ہے مرغی زندہ ہے اس سے انڈا بے جان پیدا کرتا ہے۔ مومن سے کافر پیدا کرتا ہے۔ نوح علیہ السلام جیسے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر سے کنعان جیسا سرکش اور باغی پینا کس نے پیدا کیا اور کتنے علماء کی اولاد جاہل بلکہ ”اجہل“ ہوتی ہے۔ تو علماء سے جاہل کون پیدا کرتا ہے؟ رب ہی تو ہے۔ ﴿ذٰلِكُمْ اللّٰهُ﴾ یہی ہے اللہ تعالیٰ ﴿فَاَلَيْ تُوَفَّقُونَ﴾ پس کدھر تم لگنے پھرے جا رہے ہو۔

صبح کو نکالنا اور رات کو آرام کی چیز بنانا

﴿فَالَيْقِ الْاَصْبَاحِ﴾ وہ پھاڑ جا نکالتا ہے صبح کو، اندھیرے کو ختم کر کے روشنی کون لاتا ہے رب ہی تو ہے ﴿وَجَعَلَ اللَّيْلَ﴾

سکتا اور اس نے بنایا رات کو سکون کے لیے کہ دن کو طرح طرح کا شور ہوتا ہے رات کو تم آرام کرو۔ تو یہ رات رب تعالیٰ نے ہی تو بنائی ہے۔

سورج اور چاند کو اندازے سے مقرر کرنا ﴿﴾

﴿وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ حُسْبَانًا﴾ اور سورج اور چاند حساب سے چل رہے ہیں۔ بے شمار چیزیں سورج اور چاند سے وابستہ ہیں ان کے بغیر نظام ہی نہیں چل سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حساب سے رکھا ہے۔ مجال ہے کہ سورج اور چاند کی رفتار میں کمی بیشی آئے اور جو راستے اور منزلیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر فرمائی ہیں مجال ہے کہ ان سے ادھر ادھر ہو جائیں۔ ﴿ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ﴾ یہ اندازہ ہے غالب جاننے والے کا۔ یہ تمام کام بھی رب تعالیٰ ہی کرتا ہے۔

”ستارے“ راہِ راست کی علامت ﴿﴾

﴿وَهُوَ الَّذِي﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے ﴿جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ﴾ جس نے بنائے تمہارے لیے ستارے ﴿لِتَسْتَدُوا بِهَا﴾ تاکہ تم راہ پاؤ ان کے ذریعے ﴿فِي ظُلُمَاتِ اللَّيْلِ وَالْبَصُرِ﴾ خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں۔ آج تو سائنس نے بڑی ترقی کی ہے مگر جس زمانے میں قرآن کریم نازل ہوا تھا وہ بڑا سادہ زمانہ تھا لوگ صحرائی سفر کرتے تھے تو ستاروں کو دیکھ کر سمت کو متعین کرتے تھے کہ یہ ستارہ یہاں ہے۔ لہذا ہم نے ادھر جانا ہے اور سمندر میں کشتیوں کے راستے بھی ستاروں کے ذریعے متعین کرتے تھے۔

فرمایا ﴿قَدْ نَصَلْنَا الْاٰیٰتِ﴾ تحقیق ہم نے تفصیل کے ساتھ بیان کی ہیں آیتیں ﴿لِقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو جاننا چاہے۔ آگے اللہ تعالیٰ کی اور قدرت کا بیان ہے۔ فرمایا ﴿وَهُوَ الَّذِي اَنْشَأَكُمْ﴾ اور وہ وہی ذات ہے جس نے پیدا کیا تم کو ﴿مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ ایک نفس سے، یعنی آدم علیہ السلام سے۔ ﴿خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ﴾ ان کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا فرمایا پھر ان سے آگے نسل انسانی بڑھائی۔

”مُسْتَقَرًّا ، مُسْتَوْدَعًا“ کی تحقیق و تفسیر ﴿﴾

﴿مُسْتَقَرًّا مُسْتَوْدَعًا﴾ پس ایک قرار گاہ اور امانت سپرد کرنے کی جگہ ہے۔ مُسْتَقَرًّا کا یہ معنی بھی ہے کہ آدمی کا مادہ باپ کی پیٹھ میں ہوتا ہے اور ماں کی چھاتی میں ہوتا ہے۔ تو یہ مستقر ہوا پھر ماں کے رحم میں ودیعت ہوتا ہے تو یہ مستودع ہوا اور یہ معنی بھی کرتے ہیں کہ مستقر سے مراد ماں کا رحم ہے اور مستودع سے مراد یہ زمین ہے جس میں کچھ عرصہ کے لیے رہتا ہے۔ ﴿قَدْ نَصَلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُوْنَ﴾ تحقیق تفصیل کے ساتھ بیان کیں ہم نے آیتیں اس قوم کے لیے جو سمجھ رکھتی ہے۔

پانی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے

﴿وَهُوَ الَّذِي﴾ اور وہ وہی ذات ہے ﴿أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً﴾ جس نے نازل کیا آسمان کی طرف سے پانی۔ انسانی زندگی کے لیے سب سے ضروری چیز ہوا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بالکل فری کر دیا ہے۔ ہوا کے بعد ضروری چیز پانی ہے عالم اسباب میں جس پر زندگی کا دار و مدار ہے یہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف سے نازل فرمایا ہے۔

فرمایا ﴿فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ نَبَاتٍ كَثِيرًا﴾ پس نکالے ہم نے اس پانی کے ذریعے ہر چیز کے پودے۔ سارے باغات اور فصلیں پانی کے ذریعے ہی آگتی ہیں۔ ﴿فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا﴾ پس نکالے ہم نے اس پودے سے سبز رنگ کے دانے ﴿ثُمَّ خَرَجْنَا مِنْهُ حَبًّا كَثِيرًا﴾ ہم نکالتے ہیں اس سے دانے ایک دوسرے پر چڑھتے ہوئے۔ ہر خوشہ پہلے سبز رنگ کا ہوتا ہے پھر پک کر سرخ ہو جاتا ہے۔ اور اس سے بے شمار دانے پیدا ہوتے ہیں۔ عام اناج کا ذکر کرنے کے بعد۔

کھجوروں اور انگوروں کا ذکر بکثرت کرنے کی وجہ ہے

آگے اللہ تعالیٰ نے خاص چیز کا ذکر فرمایا ہے ﴿وَمِنَ الثَّمَرِ﴾ اور کھجوروں سے، اور ہم نے پانی کے ذریعے کھجوروں کو پیدا فرمایا ﴿مِنْ كُلِّ ثَمَرٍ مَّا قَلِيًّا﴾ ایک کے خوشوں سے سمجھے لگے ہوئے ہیں ﴿وَجَنَّاتٍ مِّنْ أَعْنَابٍ﴾ اور باغات ہیں انگوروں کے۔

قرآن کریم میں انگوروں اور کھجوروں کا ذکر کثرت سے ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا پھل دیر تک رہتا ہے۔ دوسرے پھل موسمی ہیں کہ موسم کے ساتھ ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ کھجوریں کئی کئی سال تک باقی رہتی ہیں اور کام آتی ہیں۔ اور انگوروں کا مٹھ اور کشمش بنا کر لوگ رکھتے ہیں۔ اور یہ کئی کئی سال تک کام آتی ہے۔ تو یہ کھجوریں اور انگور کس نے پیدا فرمائے ہیں۔

خاصیات زیتون و دیسی گھی

﴿وَالزَّيْتُونُ﴾ اور زیتون کے۔ زیتون کو کس نے پیدا فرمایا؟ عرب کے علاقہ میں عموماً کھانے کے لیے زیتون کا تیل استعمال ہوتا ہے اور یہ گھی سے زیادہ مفید ہے۔ البتہ دیسی گھی ان لوگوں کے لیے تو سونے پر سہاگہ ہے جو بدنی محنت اور مشقت کا کام کرتے ہیں اور جو لوگ بیٹھے رہتے ہیں ان کے لیے مضر ہے کہ ان کے اعصاب کو کمزور کرتا ہے اور زیتون کے تیل کی یہ خوبی ہے کہ وہ بدن سے رطوبات کو خارج کر کے رگوں کو صاف کرتا ہے اور اعصاب کو مضبوط کرتا ہے۔ اور پیٹ کی بیماریوں کا علاج ہے۔

پھلوں کی اقسام نقشہ جات کا قدرت الہی کی گواہی دینا ہے

﴿وَالرَّامَانَ مَشْتَبًا وَعَيْرًا مُّشَابِهًا﴾ اور اناروں کے جو ملتے جلتے ہیں اور جو نہیں ملتے جلتے۔ یعنی ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں مگر چکھو تو ایک کے دانے بیٹھے ہیں اور دوسرے کے کھٹے ہیں۔ پھر کوئی موٹا ہے اور کوئی پتلا ہے، کوئی سرخ رنگ کا ہے

اور کوئی سفید ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کس نے بنائے ہیں؟

﴿أَنْظُرُوا إِلَى شَجَرَةٍ إِذَا أَثْمَرَ﴾ دیکھو اس کے پھل کی طرف جب وہ پھل دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی کیسی شکل بنائی ہے۔ کجور کا اپنا نقشہ اور ذائقہ ہے اور نواندہ ہیں۔ یہ کس نے پیدا کئے ہیں؟ ﴿يَتَّوَعُّهُ﴾ اور اس کے پکنے کی طرف دیکھو۔ درخت پر پکا ہوا تو ہمیں نصیب نہیں ہوتا ہماری طرف تو وہ کچا توڑ کر مصالحہ لگا کر بیج دیتے ہیں اور روپے وہ لے لیتے ہیں اور پھوک ہم کھا لیتے ہیں جس میں نہ ذائقہ اور نہ لطف ہوتا ہے۔ اصل پھل تو وہ ہے جو درخت پر پکے اور باغبان ہی کھاتے ہیں۔ ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَُمْ لَآيَاتٍ﴾ بے شک اس میں کئی نشانیاں ہیں ﴿لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ﴾ اس قوم کے لیے جو رب تعالیٰ پر ایمان رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو ایمان کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)



﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ﴾ اور بنائے انھوں نے اللہ تعالیٰ کے ﴿شُرَكَاءَ الْجِنَّ﴾ شریک جن ﴿وَخَلَقَهُمْ﴾ حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے جنات کو پیدا کیا ہے ﴿وَعَزَّوْتُوا﴾ اور گھڑے ان لوگوں نے ﴿لَهُ يَهْتَمُونَ﴾ اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹے ﴿وَبَنَاتٍ﴾ اور بیٹیاں ﴿يَعْبُدُونَهُنَّ﴾ جہالت سے ﴿سُبْحٰنَهُ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے ﴿وَتَعْلَى﴾ اور بلند ہے ﴿عَمَّا يَصِفُونَ﴾ اس چیز سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں ﴿بَدِيعِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ بغیر نمونے کے پیدا کرنے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا ﴿اَنْ اَنْ يَكُوْنَ لَهُ وَلَدٌ﴾ کہاں سے ہوگی اس کی اولاد ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَهُ صَاحِبَةٌ﴾ حالاں کہ نہیں ہے اس کی کوئی بیوی ﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ﴾ اور اس نے پیدا کیا ہے ہر چیز ﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے ﴿وَالَيْكُمْ اللّٰهُ رَبُّكُمْ﴾ یہ ہے اللہ تعالیٰ تمہاری تربیت کرنے والا ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ نہیں کوئی عبادت کے لائق مگر وہی ﴿خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے ﴿فَاعْبُدُوْهُ﴾ پس تم اس کی عبادت کرو ﴿وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ﴾ اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ﴾ نہیں پاسکتیں اس کو آنکھیں ﴿وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ﴾ اور وہ پاتا ہے آنکھوں کو ﴿وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ اور وہ نہایت ہی باریک بین اور خبر رکھنے والا ہے ﴿فَإِذَا جَاءَ لَكُمْ﴾ تحقیق آچکی ہیں تمہارے پاس ﴿بَصَائِرُ﴾ بصیرت کی باتیں ﴿مِنْ رَبِّكُمْ﴾ تمہارے رب کی طرف سے ﴿فَكُنْزٌ أَبْصَرَ﴾ پس جس نے دیکھا ﴿فَلْيَفْسِمِ﴾ پس اپنے نفس کے لیے دیکھے گا ﴿وَمَنْ عَمِيَ﴾ اور جو اندھا ہوا ﴿فَلْيَهْتُمْ﴾ پس اس کے نفس پر پڑے گا ﴿وَمَا اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ﴾ اور نہیں ہوں میں تم پر نگران ﴿وَكَذٰلِكَ﴾ اور اسی طرح ﴿لِنُصَرِّفَ الْاٰلٰتِ﴾ ہم پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں آیتیں ﴿وَلِيَقُولَ اِذَا رَمَسَتْ﴾ اور تاکہ وہ کہیں کہ آپ نے پڑھا ہے ﴿وَالْيَهْتُمْ﴾ اور تاکہ ہم قرآن کو بیان کریں ﴿لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ﴾ اس قوم کے

لیے جو جاتی ہے۔

ربط آیات

اس سے پہلی آیات میں اس چیز کا بیان ہے کہ اناج اور پھل کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ بھی وہی پیدا کرتا ہے۔ دن رات، چاند سورج ستارے، سب اسی کے حکم سے اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ تمہیں بھی اسی نے ایک نفس سے پیدا فرمایا، ہر قسم کا سبزہ کھجوریں انگور اور انار سب رب تعالیٰ نے پیدا فرمائے ہیں۔

جنات کو شریک بنانے کا مطلب

لیکن لوگوں کا حال یہ ہے کہ ﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ﴾ اور بنائے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے شریک جنات۔ جنات کو شریک بنانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ جنات کو خالق سمجھتے تھے، نہیں، خالق نہیں سمجھتے تھے بلکہ ﴿وَأَنْتُمْ كَانُمْرًا مَّجَالٍ مِنَ الْجِنَّ﴾ یعنی جنات سے پناہ پکڑتے تھے جنوں میں سے کچھ مردوں کے ساتھ پس بڑھا دیا انہوں نے ان کی سرکشی کو۔ حالانکہ پناہ دینا رب تعالیٰ کی صفت ہے۔

تو یہ جنات سے پناہ پکڑنا ان کو سورا پکارنا حاجت میں یہ شریک بنانا ہے۔ کیونکہ ماوراء الاسباب یہ اختیار کسی کو حاصل نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿وَمَا خَلَقْتُمْ﴾ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے جنات کو پیدا کیا ہے ﴿وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ﴾ اور گھڑے ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ﴾ اور یہودیوں نے کہا عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں ﴿وَقَالَتِ الْكُفْرَىٰ السَّيِّئُ ابْنُ اللَّهِ﴾ اور عیسائیوں نے کہا عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ جب لوگوں کی ذہن سازی ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کی بھی کوئی اولاد ہو سکتی ہے تو پھر اپنے لیے دعویٰ کر دیا بیٹے ہونے کا اور کہا ﴿نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ﴾ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔

کفار کا ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بنانا

﴿وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ﴾ اور بنائی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں۔ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں ﴿يَعْبُدُونَ﴾ جہالت سے یہ باتیں کرتے ہیں رب تعالیٰ کا نہ کوئی بیٹا ہے، نہ بیٹی ہے، نہ اس کی ماں ہے نہ باپ ہے وہ ﴿لَمْ يَكُنْ لَكُمْ يُولَدٌ﴾ ہے، نہ اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے ﴿سُبْحٰنَهُ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے بیٹوں اور بیٹیوں سے شریکوں سے ﴿وَتَقْلِبُ﴾ اور بہت بلند ہے ﴿عَبَا يَعْبُودُونَ﴾ اس چیز سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ کے شریک ہیں اور یہ بھی پناہ دے سکتے ہیں اور ان کو بھی پکارنا جائز ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور بیٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے بہت بلند ہے۔

بغیر نمونے کے زمین و آسمان کو بنانا

﴿بِنَابِطِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ بغیر نمونے کے پیدا کرنے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔ اس سے پہلے ایسی کوئی چیز نہیں تھی کہ جس طرح آسمانوں اور زمینوں کو بنانا اور بغیر نمونے کے کسی چیز کو بنانا بڑا مشکل ہوتا ہے اور بنی ہوئی چیز کی نقل اتارنی آسان ہوتی ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔

اولاد بغیر بیوی کے نہیں ہو سکتی

پھر ان ظالموں سے پوچھو ﴿أَتَى يَتِوُونَ لَكَ وَلَدٌ﴾ کہاں سے ہوگی اس کی اولاد ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَكَ صَاحِبَةٌ﴾ حالانکہ نہیں ہے اس کی کوئی بیوی تو اولاد کہاں سے آئے گی؟ عادت یہ ہے کہ اولاد ماں باپ کے ذریعہ ہوتی ہے۔

نصاریٰ کا مریم علیہا السلام کو در پر وہ اللہ تعالیٰ کی بیوی کہنا

البتہ عیسائی اگر چہ زبانی طور پر اقرار تو نہیں کرتے مگر ان کے انداز گفتگو سے یہ بات نکلتی ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام اللہ تعالیٰ کی بیوی ہوں۔ معاذ اللہ تعالیٰ کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا مانتے ہیں اور حضرت مریم علیہا السلام کا بیٹا بھی مانتے ہیں تو منطقی طور پر یہ بات لازم آتی ہے کہ معاذ اللہ تعالیٰ حضرت مریم علیہا السلام اللہ تعالیٰ کی بیوی ہوں۔ ﴿وَحَلَقَىٰ كُلَّ شَيْءٍ﴾ اور اس نے پیدا کی ہے ہر چیز ﴿وَهُوَ وَكُلُّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ ﴿ذَلِكُمْ اللَّهُ تَعَالَىٰ﴾ یہ ہے اللہ تعالیٰ تمہاری تربیت کرنے والا جس کی صفات ﴿إِنَّ اللَّهَ قَالِبُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ﴾ سے شرع ہوئی ہیں ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ﴾ نہیں کوئی عبادت کے لائق مگر وہی ﴿خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔

عبادت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے

﴿فَاعْبُدُوهُ﴾ پس تم اس کی عبادت کرو اس کے سوا کسی اور کے سامنے نہ جھکونہ کسی کے نام کی نذر و نیاز دو اور نہ ہی کسی اور کا طواف کرو۔ کیونکہ یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں۔ ﴿وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيمٌ﴾ اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے۔ وہی ہر ایک کا کام بنانے والا ہے۔ ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْبَصَارُ﴾ نہیں پاسکتیں اس کو آنکھیں یعنی مخلوق کی آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں ﴿وَهُوَ يُدْرِكُ الْبَصَارَ﴾ اور وہ پاتا ہے آنکھوں کو یعنی ان کا احاطہ کرنے والا ہے۔

دیکھنے اور احاطہ کرنے میں فرق

دیکھنا اور چیز ہے اور احاطہ کرنا اور چیز ہے۔ دونوں میں فرق ہے مخلوق میں سے کسی کی آنکھ اس کا احاطہ نہیں کر سکتی دیکھ

سکتی ہے۔

”معتزلہ“ تعارف / عقائد

ایک باطل فرقہ ہے ”معتزلہ“ وہ صرف عقل کے پیچھے چلتے ہیں اور جو چیز ان کے عقل میں نہ آئے اس کا انکار کر دیتے ہیں وہ قیامت والے دن دیدار الہی کے منکر ہیں کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں ہوگا۔ اور ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ﴾ کا ترجمہ کرتے ہیں کہ نہیں دیکھیں گی اس کو آنکھیں حالانکہ قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ موجود ہے ﴿وَجُودًا يُؤْمِنُونَ اَنْفُسًا فَصَدَّوْا عَنْهَا﴾ [سورۃ التیابہ] ”کئی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے پروردگار کی طرف دیکھنے والے ہوں گے۔“

روزِ قیامت دیدار الہی کا ضرور ہونا

اور متواتر درجے کی صحیح احادیث میں جو تم حدیث کے درس میں سن چکے ہو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ہم اپنے رب تعالیٰ کو دیکھیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بتاؤ کہ چودھویں رات کا چاند ہو اور دھند، بادل بھی نہ ہو تو چاند تمہیں نظر آتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح دوپہر کا وقت ہو۔ دھند اور بادل بھی نہ ہوں تو سورج تمہیں نظر آتا ہے یا نہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا حضرت! نظر آتے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَ كَذَلِكَ سَتَرْنَا عَنْ رِءْيسِكَ رَدِّدًا اور اتفاق ہے۔ البتہ آنکھیں رب تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتیں ﴿وَهُوَ الْاَلِیْفُ الْخَبِرُ﴾ اور وہ نہایت ہی باریک بین اور خبر رکھنے والا ہے۔

”بصائر“ کی تحقیق

﴿قَدْ جَاءَكُمْ بَصَائِرٌ مِنْ رَبِّكُمْ﴾ ”بصائر“ کی جمع ہے اور بصیرت کا معنی ہے دل کی روشنی۔ تو معنی ہوگا تحقیق آچکی ہیں تمہارے پاس وہ چیزیں جو دل میں روشنی پیدا کرتی ہیں تمہارے رب کی طرف سے۔ پھر کیا ہوگا ﴿فَتَنْظُرُونَ﴾ پس جس نے دیکھا آنکھیں کھول کر ﴿فَلْيَنْفُسِمْ﴾ پس اپنے نفس کے لیے دیکھے گا ﴿وَمَنْ عَنِ عَيْنِهَا﴾ اور جو اندھا ہوا ہے اس کے نفس پر پڑے گا یہ اندھا پن۔ دوپہر کا وقت ہو بادل، دھند وغیرہ بھی نہ ہوں اور کوئی شخص آنکھیں بند کر کے کہے کہ مجھے دکھاؤ سورج کہاں ہے؟ تو ایسے شخص کو سورج کوئی نہیں دکھا سکتا۔

آنکھیں اگر ہوں بند تو پھر دن بھی رات ہے

اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا؟

دلائل عقلیہ و نقلیہ کے ہوتے ہوئے بھی نہ ماننا

اللہ تعالیٰ کی توحید پر عقلی اور نقلی دلائل کے ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی شخص ضد کر کے شرک پر اڑا رہے تو اس ضد کا کوئی علاج نہیں ہے۔ اسی طرح جو ضدی کافر مشرک اور منافق ہیں ان کی آنکھیں ضد کی وجہ سے بند ہو چکی ہیں۔ ان کو رب تعالیٰ کی

قدرتیں اور اس کی وحدانیت کے دلائل نظر نہیں آتے بس یہ اپنی غرض سے غرض رکھتے ہیں۔ ﴿وَمَا آتَا عَلَيْنَا مِنْ مَنَّاتٍ﴾ اور نہیں ہوں میں تم پر نگران، حفاظت کرنے والا ہر چیز کی صرف رب تعالیٰ ہے۔

مظاہر قدرت کا مقصود صرف سمجھانا ہے

﴿وَكَذَلِكَ نَصُورُ الْآيَاتِ﴾ اور اسی طرح ہم پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں آیتیں۔ کبھی آسمان کی طرف متوجہ کرتے ہیں، کبھی زمین کی طرف، کبھی اپنے وجود کی طرف اور کبھی چاند اور سورج کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ کبھی نظام بارش کی طرف اور کبھی درختوں اور پھلوں کی طرف متوجہ کرتے ہیں تاکہ تم سمجھو ﴿وَلِيَقُولُوا ذَٰلِكَ نَسْتُ﴾ اور تاکہ وہ کہیں کہ آپ نے پڑھا ہے قرآن کریم کی آیتوں کو پھیر پھیر کر اور تھوڑا تھوڑا کر کے اس لیے بیان کیا گیا تاکہ وہ سمجھیں۔ مگر مخالف اس کا غلط مطلب لیتے تھے اور کہتے تھے کہ آپ کسی دوسرے شخص سے سیکھ کر آتے ہیں اس لیے تھوڑا تھوڑا کر کے سناتے ہے۔

اور یہ شوشہ بھی انہوں نے چھوڑا تھا کہ ﴿سُبْحٰنَ عَلٰیہٗ بِنَمٰرٍ ۗ وَآٰحِیْنَآ﴾ [الفرقان: ۵] یہ آیتیں اس کو صبح و شام لکھوائی جاتی ہیں۔ حالانکہ سب کو معلوم تھا کہ آپ ﷺ لکھنا نہیں جانتے اور سورۃ العنکبوت میں ہے ﴿وَلَا تَحْطٰۤہٗ بِیٰہِیْنٰکَ﴾ اور نہ لکھتے تھے داہنے ہاتھ سے اور وحی کے نازل ہونے سے پہلے آپ ﷺ پڑھنا بھی نہیں جانتے تھے ﴿الرَّسُوْلُ الَّذِیْۤ اٰتٰی﴾ [الاعراف: ۱۵۷] آپ ﷺ کی صفت ہے اس کے باوجود یہ شوشہ چھوڑ دیا کہ آپ ﷺ کو آیتیں لکھوائی جاتی ہیں اور یہ بھی کہا کہ خود بنا کر لاتا ہے ﴿ذٰلِیْقٰیۡنَۃٌ لِّقَوۡمٍ یَّعٰلَمُوۡنَ﴾ اور تاکہ ہم قرآن کو بیان کریں اس قوم کے لیے جو جانتی ہے اور علم سے کام لیتی ہے۔ اور جو نہیں جانتے اور علم سے کام نہیں لیتے ان کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔



﴿اٰتٰیہٗم﴾ آپ پیروی کریں ﴿مَا اَوْحٰۤی اِلَیْکَ﴾ اس چیز کی جو وحی کی گئی آپ کی طرف ﴿مِنْ رَّبِّکَ﴾ آپ کے رب کی طرف سے ﴿لَا اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ﴾ نہیں کوئی معبود مگر صرف وہی ﴿وَاعْرٰضُ﴾ اور آپ اعراض کریں ﴿عَنِ الشِّرْکِیۡنَ﴾ شرک کرنے والوں سے ﴿وَلَوْ شَاءَ اللّٰہُ﴾ اور اگر چاہے اللہ تعالیٰ ﴿مَا اَشْرَکُوۡا﴾ تو یہ شرک نہ کر سکیں ﴿وَمَا جَعَلْنَاکَ عَلَیْہِمۡ حَفِیظًا﴾ اور نہیں بنایا ہم نے تمہیں ان پر نگران ﴿وَمَا اَنْتَ عَلَیْہِمۡ بِوٰکِیۡلٍ﴾ اور نہیں ہیں آپ ان کے وکیل ﴿وَلَا تَسْتَوِیٰ﴾ اور نہ برا کہو ﴿الَّذِیۡنَ﴾ ان کو ﴿یَدْعُوۡنَ مِنْ دُوۡنِ اللّٰہِ﴾ جن کو یہ پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ سے ورے ورے ﴿فَیَسْتَوِیۡ اللّٰہُ﴾ پس وہ برا کہیں گے اللہ تعالیٰ کو ﴿عَدُوًّا﴾ تجاوز کرتے ہوئے ﴿یَعْبُدُوۡہٗ﴾ بغیر علم کے ﴿کَذٰلِکَ﴾ اسی طرح ﴿رَدِیۡنًا﴾ ہم نے مزین کیا ﴿لِکُلِّ اُمَّۃٍ﴾ ہر امت کے لیے ﴿عَمَلٰہُمۡ﴾ ان کا عمل ﴿لَیْسَ اِلٰیہُمۡ مَّرْجِعُہُمۡ﴾ پھر ان کا اپنے رب کی طرف ہی لوٹنا ہے ﴿فَیُنۡبِئُہُمۡ﴾ پس وہ ان

کو خبر دے گا ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْبَيْتِ الَّذِي يُبْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ قُلْ يَبْنَىٰ عَلَىٰ مَقَامِ مَا كُنَّا نَعْبُدُهُ مِن قَبْلُ لَنَبْلُغَنَّهُ لَكُمْ قُرْبَانًا تَرْضَوْنَ وَإِنَّهُ لَشَيْءٌ مُّبِينٌ﴾ اور قسمیں اٹھائیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ﴿جَعَلْنَا آيَاتِنَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا نُظهِرُ لَكُمْ فِيهَا لَعَلَّكُمْ أَتَقَاتُونَ﴾ مضبوط قسمیں ﴿لَكِن لَّيْسَ بِهَا مَسْجِدٌ لِّمَن يَذُكَّرُ عَلَيْهِ إِلَّا فِي عَنَانٍ﴾ البتہ اگر آئے گی ان کے پاس کوئی نشانی معجزہ ﴿يَوْمَ مَنَعْنَا السَّمَاوَاتَ وَالْأَرْضَ وَمَا فِيهِنَّ أَنْ يَكْفُرُوا عَلَيْنَا يَوْمَ الْمُتَابَةِ﴾ البتہ ضرور اس پر ایمان لائیں گے ﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿إِنَّمَا الْأَيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ تُعْرَضُ﴾ پختہ بات ہے کہ معجزات اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں ﴿وَمَا يُشْعِرُكُمْ﴾ اور (اے ایمان والو!) تمہیں کیا معلوم ہے ﴿أَنَّهَا﴾ کہ شاید وہ معجزہ ﴿إِذَا جَاءَتْ﴾ جب ان کے پاس آئے ﴿لَا يُؤْمِنُونَ﴾ تو یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے ﴿وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ﴾ اور ہم پھیر دیں ان کے دلوں کو ﴿وَأَبْصَارَهُمْ﴾ اور ان کی آنکھوں کو ﴿كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ﴾ جس طرح کہ وہ نہیں ایمان لائے اس پر ﴿أَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ پہلی مرتبہ ﴿وَنَدَّ مُنْهُمْ﴾ اور ہم چھوڑ دیں ان کو ﴿فِي طُغْيَانِهِمْ﴾ وہ اپنی سرکشی میں ﴿يَعْمَهُونَ﴾ سرگردان اور حیران پھر رہے ہیں۔

ربط روکوعات

پہلے دو رکوعوں میں شرک کی تردید تھی اور اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل کا بیان تھا۔ آگے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو تسلی دی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿إِنَّكُمْ مَأْذُونٌ بِاللَّيْلِ مِنَ رَبِّكُمْ﴾ آپ بیرونی کریں اس چیز کی جو وحی کی گئی آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے۔ آپ اپنے رب کے حکم کو ماننے کے پابند ہیں آپ کا پہلے بھی یہی عقیدہ ہے۔

معبود، حاجت روا، فریادرس صرف اللہ تعالیٰ

پھر صاف لفظوں میں سن لیں اور ان لوگوں کو سمجھائیں ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ نہیں کوئی معبود مگر صرف اس کے سوا نہ کوئی عبادت کے لائق ہے اور نہ کوئی حاجت روا، نہ کوئی مشکل کشا ہے، نہ کوئی فریادرس، نہ کوئی دست گیر، نہ کوئی عالم الغیب والشہادہ، نہ کوئی حاضر و ناظر، نہ کوئی قانون بنانے والا، نہ کوئی حاکم ﴿إِنَّا نَحْنُ اللَّهُ﴾ [یوسف: ۳۰] ”حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔“

مشرکین کے غلط جملوں کا جواب دینے کی ممانعت

﴿وَأَعْرَضَ عَنِ النَّاسِ كَذِبًا﴾ اور آپ اعراض کریں شرک کرنے والوں سے کہ ان کے غلط جملوں کا جواب نہ دیں کہ یہ آپ کو مجنون، مفتری اور جادوگر، کبھی کذاب اور کبھی مسخوڑ کہتے ہیں۔ اگر آپ نے بھی اسی طرح جواب دیا تو آپ میں ادران میں فرق نہیں رہے گا اور یہ محض آپ کی لڑائی بن جائے گی۔

”اعراض“ کا مطلب

اعراض کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ ان کو تبلیغ نہ کریں ان کے ساتھ میل جول نہ رکھیں۔ کیونکہ تبلیغ تو آپ کا فریضہ ہے۔

ان کو مسئلہ توحید سمجھانا ہے شرک کا رد کرنا ہے۔

انسان، ملائکہ فرق / مقصد تخلیق

﴿وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ﴾ اور اگر چاہے اللہ تعالیٰ ﴿مَا أَشْرَكُوا﴾ تو یہ شرک نہ کر سکیں اس طرح کہ رب تعالیٰ ان کو ایمان پر مجبور کر دے، انکار اور بدی کی طاقت ان سے سلب کر لے جس طرح فرشتے ہیں کہ وہ کفر نہیں کر سکتے بدی نہیں کر سکتے کہ ان میں کفر اور بدی کرنے کی طاقت ہی نہیں ہے۔ تو رب تعالیٰ چاہے تو ان کو فرشتہ صفت بنا دے کہ شرک کر ہی نہ سکیں۔ تو پھر انسان تو نہیں رہیں گے فرشتے بن جائیں گے۔ تو پھر انسان کو پیدا کرنے کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ اور جب انسان، انسان ہے اور جن، جن ہے تو اس میں خیر کی طاقت بھی ہوگی اور شرک کی طاقت بھی اور دونوں کا اختیار بھی دیا ہے ﴿فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمَرْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ﴾ پس جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو نیکی بدی پر مجبور نہیں کرتا۔

مقصد بعثت

﴿وَمَا جَعَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا﴾ اور نہیں بنایا ہم نے آپ کو ان پر نگران ﴿وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ﴾ اور نہیں ہیں آپ ان کے وکیل کہ جبراً ان کو ہدایت دے دیں اور ان سے تسلیم کروالیں آپ تو حق کے مبلغ ہیں ان کے سامنے حق بیان کر دین پھر ان کی مرضی ہے کہ قبول کریں یا نہ کریں۔

مشرکین کے خود ساختہ خداؤں کو برا بھلا کہنے کی ممانعت

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ اور نہ برا کہو ان کو جن کو یہ پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ سے ورے ورے۔ ہر زمانے میں جذباتی قسم کے لوگ بھی ہوتے ہیں اور سنجیدہ مزاج کے لوگ بھی ہوتے ہیں اس زمانے میں بھی جذباتی لوگ موجود تھے۔ جب ان کے سامنے کوئی لات، منات، عزلی کا ذکر کرتا یا دیگر بتوں کا تو وہ ان کو گالیاں دینی شروع کر دیتے۔ اس کے جواب میں لات، منات، عزلی کے پجاری رب تعالیٰ کو گالیاں دینی شروع کر دیتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے پابندی لگا دی کہ تم ان کے خداؤں کو برا بھلا نہ کہو ﴿فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ پس وہ برا کہیں گے اللہ تعالیٰ کو تجاوز کرتے ہوئے بغیر علم کے۔

شرک کی تردید فرض ہے

یہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ ایک ہے شرک کی تردید کرنا کہ لات، منات، عزلی کے پاس خدائی اختیارات نہیں ہیں یہ مشکل کشا، حاجت ردا نہیں ہیں، ان میں اللہ تعالیٰ کی صفات نہیں ہیں۔ یہ بیان کرنا تو فرض ہے کیونکہ جب تک ان کی الوہیت کی تردید نہیں کی جائے گی شرک کی تردید نہیں ہوگی۔ اور ایک ہے ان کو برا بھلا کہنا کہ لات کی ایسی کی تیسری، منات کی ایسی تیسری اور ان کو گالیاں دینا یہ صحیح نہیں ہے۔ دونوں میں بڑا فرق ہے۔ ایک ہے کسی کا عقیدہ بیان کرنا کہ اس کا عقیدہ کیسا ہے؟ مثلاً:

ہم کہتے ہیں کہ شیعہ کافر ہیں اور ان کے کفر میں رتی برابر بھی شک نہیں ہے اور کافر کو کافر کہنا کوئی جرم نہیں ہے۔

کافر کو دیکھ کر کافر کافر کے نعرے لگانا درست نہیں ﴿﴾

دیکھو! قرآن کریم میں ہے ﴿قُلْ﴾ اے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کہہ دیں ﴿يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾ اے کافر اور سورہ مائدہ میں ہے ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ ”البتہ تحقیق کافر ہیں وہ لوگ جنہوں نے کہا ہے شک اللہ تعالیٰ وہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہے۔“ اگر اس کو کافر اپنے لیے گالی سمجھیں تو یہ ان کی نادانی ہے۔ اور ایک ہے کہ ان کو دیکھ کر نعرے لگانے شروع کر دے کافر، کافر شیعہ کافر۔ کافر، کافر شیعہ کافر۔ اس کو شریعت پسند نہیں کرتی کہ اس سے فتنے کا دروازہ کھلتا ہے۔ اسی طرح عیسائی بھی کافر ہیں، یہودی بھی کافر ہیں مگر ان کو کوئی دیکھ کر شروع ہو جائے۔ کافر، کافر عیسائی کافر۔ کافر، کافر یہودی کافر۔ یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے۔ مرزائیوں کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے مگر مرزائی کو دیکھ کر کہنا شروع کر دے کافر، کافر مرزائی کافر۔ اس کو شریعت پسند نہیں کرتی کیوں کہ یہ انداز چرانے کا ہے۔

اپنے والدین کو گالی دینے کا مطلب ﴿﴾

حدیث پاک میں آتا ہے کہ کوئی اپنے والدین کو گالی نہ دے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ حضرت! کوئی ایسا بھی ہے کہ والدین کو گالیاں دے آج کل کا زمانہ ہوتا تو سوال کی ضرورت ہی نہ پڑتی کیونکہ اس زمانے میں ماں باپ کو گالیاں دینے والے بکثرت موجود ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس طرح ہوگا کہ یہ کسی ماں باپ کو گالی دے گا تو وہ جواب میں اس کے ماں باپ کو گالی دے گا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ اس نے خود اپنے ماں باپ کو گالی دی ہے۔

اعمال مزین گزرنے کا مطلب ﴿﴾

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿كَذَلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ﴾ اسی طرح ہم نے مزین کیا ہر امت کے لیے ﴿عَمَلَهُمْ﴾ ان کا عمل۔ ہر قوم اپنے اعتقادات اور رسم و رواج کو ہی بہتر سمجھتی ہے۔ مشرکین کے نزدیک شرک بھی ایک بہت اچھا کام ہے۔ بدعتی بدعت پر تازان ہے۔ کافر اپنے معبودان باطلہ کی پوجا کر کے خوش ہے۔ غرضیکہ ہر امت اپنے اپنے اعمال کو اچھا خیال کر کے اس پر عمل پیرا ہے۔ تو جب وہ کفر اور شرک کو اپنے لیے اچھا خیال کرنے لگے تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے وہی اعمال مزین کر دیے۔ مومنوں کے لیے ایمان اور کافروں کے لیے کفر۔

”مرجع“ کی تحقیق ﴿﴾

﴿لَمْ يَأْتِيَهُمْ مِّنْ جَعْفَرٍ﴾ پھر ان کا اپنے رب کی طرف ہی لوٹنا ہے۔ لفظ ”مرجع“ مصدر کا صیغہ بھی بن سکتا ہے اور ظرف کا صیغہ بھی بن سکتا ہے۔ اگر مصدر ہو تو معنی ہوگا رب کی طرف لوٹنا۔ اور ظرف ہو تو معنی ہوگا رب کی طرف ان کے لوٹنے کی

جگہ ہے۔ ﴿فَیَنْبَغُ لَہُمْ ہِمَا کَانُوا یَعْمَلُونَ﴾ پس وہ ان کو خبر دے گا اس چیز کی جو کچھ وہ کرتے تھے۔ یعنی ان کی نیکی بدی کا پورا پورا بدلہ دے گا ﴿وَاقْسَمُوا بِاللّٰہِ﴾ اور قسمیں اٹھائیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ﴿جَہَدَآئِنَا نُوہُمْ﴾ مضبوط قسمیں کہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہے۔

معجزات کا صادر ہونا رب العزت کی طرف سے ہے ﴿﴾

﴿لَیْسَ جَاءَ عِلْمَآئِنَا﴾ البتہ اگر آئے گی ان کے پاس کوئی نشانی معجزہ ﴿فَیُؤْمِنُوْنَ بِہَا﴾ البتہ ضرور اس پر ایمان لائیں گے۔ اور نشانیاں مانگتے تھے اپنی مرضی کی۔ کہتے تھے کہ اگر آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں تو پھر آپ کی سونے کی کوٹھی ہونی چاہیے اور کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہونا چاہیے جس میں نہریں جاری ہوں یا ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ کر وہاں سے کتاب لے کر آئے۔ اس قسم کے معجزے مانگتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ (ﷺ) کہہ دیں ﴿اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ﴾ پختہ بات ہے کہ معجزات اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ مجھے ان پر اختیار حاصل نہیں ہے۔ اور مومنوں کو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَا یَشْعُرُ کُمْ﴾ اور اے ایمان والو! تمہیں کیا معلوم ہے ﴿اَلَا تَہَادِثُوْنَ﴾ کہ شاید وہ معجزہ جب ان کے پاس آئے ﴿لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ تو یہ لوگ ایمان نہ لائیں۔

رؤیت شق القمر اور کفار کا بدستور انکار ﴿﴾

یہ کتنے ضدی ہیں اس کا اندازہ اس سے لگا لو کہ چودھویں کی رات تھی چاند سر پر تھا اور مطلع بھی بالکل صاف تھا بادل، دھند، غبار وغیرہ نہیں تھا۔ ان کافروں نے آپ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ آپ کہتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہوں تو چاند دو ٹکڑے ہو جائے ہم آپ کو پیغمبر تسلیم کر لیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا کرنا میرے اختیار میں تو نہیں ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ ایسا کر دے تو مان لو گے۔ کہنے لگے کیوں نہیں مانیں گے۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے چاند کی طرف انگلی سے اشارہ کیا تو وہ دو ٹکڑے ہو کر ایک ٹکڑا جبل ابوقیس پر چلا گیا جو کعبۃ اللہ کے دروازے کے سامنے پہاڑ ہے اور دوسرا ٹکڑا مغرب کی طرف قیقعان پہاڑ پر چلا گیا۔ ستائیسویں پارے میں ہے ﴿اَفْتَمَرْتِ السَّاعَۃُ﴾ قیامت قریب آگئی ہے ﴿وَاَنْشَقَّ الْقَمَرَ﴾ اور چاند پھٹ گیا ہے۔ سب نے آنکھوں سے دیکھا اور ایک دوسرے سے پوچھتے تھے کہ تجھے بھی دو ٹکڑے نظر آ رہے ہیں؟ وہ کہتا ہاں! مجھے بھی دو ٹکڑے نظر آ رہے ہیں۔ وہاں سے چند قدم ہٹ کر دیکھا دو ٹکڑے ہی نظر آئے اور چند قدم ہٹ کر دیکھا پھر بھی دو ٹکڑے ہی نظر آئے۔ اتنا بڑا معجزہ اور نشانی دیکھنے کے باوجود ایک آدمی بھی ایمان نہ لایا ﴿وَاَنْشَقَّوْا اَنْوَابَہُمْ﴾ جھٹلایا اور اپنی خواہشات پر چلے ﴿وَاَقْبَلُوْا بِخُذُوْا مُسْتَبْرَہٗ﴾ اور کہا بڑا تووی جادو ہے۔ ایسے ضدی تھے کہ نشانی دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لائے ﴿وَلَقَلْبُ اٰہِدَتْہُمْ وَاَنْصَابَہُمْ﴾ اور ہم پھیر دیں ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو ﴿کَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِہَا﴾ جس طرح کہ وہ نہیں ایمان لائے اس پر ﴿اَوَّلَ اَمْرٍ﴾ پہلی مرتبہ۔ اسی طرح پھر بھی انکار کر سکتے ہیں شق القمر کو دیکھا مگر ایمان نہیں لائے۔ اس کے علاوہ اور کئی معجزے دیکھے مگر

ایمان نہیں لائے۔ ان سے کیا توقع کی جاسکتی ہے یہ محض آپ کو ستانے اور تنگ کرنے کے لیے شوشے چھوڑتے تھے ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اور جو ماننے والے ہوتے ہیں وہ صرف اطمینان چاہتے ہیں اور ایمان لے آتے ہیں۔

کھجور کے گچھے کو دیکھ کر ایمان لے آنا ﴿

چنانچہ ترمذی شریف میں روایت آتی ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک باغ میں تشریف فرما تھے۔ کھجور کے ایک بلند درخت پر کھجور کے گچھے لٹک رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا آپ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں تو اللہ تعالیٰ سے کہو کہ کھجور کا ایک گچھا اتر کر تمہاری گود میں آجائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا رب تعالیٰ قادر ہے وہ کر سکتا ہے سب نے دیکھا کہ گچھا اتر کر آگیا۔ اس شخص نے کہا کہ میری تسلی ہوگئی ہے اَمْنَتُكَ وَصَدَقْتُكَ میں ایمان لایا اور میں نے تصدیق کی۔ چونکہ وہ درخت کسی اور شخص کی ملکیت تھا اس لیے وہ گچھا دو بارہ اس کے ساتھ جڑ گیا جس طرح پہلے تھا۔ مالک کا نقصان بھی نہ ہوا اور اس آدمی کی تسلی بھی ہوگئی اور جو ضدی ہوتے ہیں وہ نہیں مانتے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَنَذَرْنَهُمْ﴾ اور ہم چھوڑ دیں ان کو ﴿فِي طَعْنَاتِهِمْ﴾ وہ اپنی سرکشی میں ﴿يَتَّبِعُونَ﴾ سرگرداں اور حیران پھر رہے ہیں۔ حق کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔



﴿وَلَوْ أَنَّا كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ الْمَشْأَمِ﴾ اور اگر بے شک ہم ﴿نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ﴾ نازل کریں ان کی طرف ﴿الْبَيِّنَاتِ﴾ فرشتے ﴿وَكَلَّمَهُمْ﴾ ﴿النُّورِ﴾ اور گفتگو کریں ان کے ساتھ مردے ﴿وَوَحَّيْنَا عَلَيْهِمْ﴾ اور جمع کر دیں ان کے سامنے ﴿كُلَّ شَيْءٍ﴾ ہر چیز ﴿قُبُلًا﴾ سامنے ﴿مَا كَانُوا يَوْمِنَا﴾ نہیں ہیں یہ کہ ایمان لائیں ﴿إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ﴾ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے ﴿وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ يَجْهَلُونَ﴾ اور لیکن اکثر ان میں سے جاہل ہیں ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا﴾ اور اسی طرح بنائے ہم نے ﴿لِكُلِّ نَبِيٍّ﴾ ہر نبی کے لیے دشمن ﴿عَدُوًّا شَاطِئِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ﴾ انسانوں اور جنوں میں سے شیطان ﴿يُؤْمِنُ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ﴾ القا کرتے ہیں بعض بعض کو ﴿زُخْرُفَ الْقَوْلِ﴾ طمع کی ہوئی بات ﴿عُرُؤْمًا﴾ دھوکا دینے کے لیے ﴿وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ﴾ اور اگر چاہے تیرا پروردگار ﴿مَا فَعَلُوهُ﴾ تو نہ کر سکیں یہ اس بات کو ﴿فَدَرَأَهُمْ﴾ پس چھوڑ دیں ان کو ﴿وَمَا يَفْتَرُونَ﴾ اور اس چیز کو جس کا یہ افترا کرتے ہیں ﴿وَلِيَصْغِيَ إِلَيْهِ﴾ اور تاکہ مائل ہوں اس کی طرف ﴿أَفِيْدَةُ الْإِنِّينِ﴾ ان لوگوں کے دل ﴿لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ﴾ جو نہیں ایمان رکھتے آخرت پر ﴿وَلِيَرْضَوْهُ﴾ اور تاکہ اس کو پسند کریں ﴿وَلِيَقْتَرِفُوا﴾ اور تاکہ وہ کمائیں ماہم مقترفون ﴿جو کچھ وہ کماتے ہیں﴾ ﴿أَفَغَيْرَ اللَّهِ﴾ کیا پس اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿أَبْتَعِيَ حَاكِمًا﴾ تلاش کروں میں فیصلہ کرنے والا ﴿وَهُوَ الْإِنِّي﴾ حالاں کہ اسی نے ﴿أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ﴾ نازل کی تمہاری طرف کتاب ﴿مُقَصَّلًا﴾ تفصیلی ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا﴾ ﴿الْكِتَابَ﴾ اور وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی ہے ﴿يَعْلَمُونَ﴾ وہ جانتے ہیں ﴿أَنَّهُ مُنَزَّلٌ﴾ کہ بے شک یہ اتاری گئی ہے ﴿مِنْ رَبِّكَ﴾ تیرے رب کی طرف سے ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ ﴿فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ﴾ پس ہرگز نہ ہوں آپ شک کرنے والوں میں سے ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ﴾ اور مکمل ہو گیا ہے تیرے رب کا فیصلہ ﴿صِدْقًا وَعَدْلًا﴾ سچائی اور انصاف کے ساتھ ﴿لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ﴾ کوئی نہیں تبدیل کر سکتا اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو ﴿وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ ہی سننے والا جاننے والا ہے۔

رابطہ

کل کے درس میں یہ بیان ہوا تھا کہ ﴿وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ﴾ کافروں نے اللہ تعالیٰ کے نام کی قسمیں اٹھائیں ﴿لَئِنْ جَاءَتْهُمْ آيَةٌ يُؤْمِنُونَ بِهَا﴾ کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آئے تو وہ اس پر ضرور ایمان لائیں گے یعنی اگر معجزہ ان کی مرضی اور خواہش کے مطابق آجائے تو مان لیں گے۔ پہلے تو اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا کہ آپ کہہ دیں کہ نشانیاں لانا میرے بس کی بات نہیں ہے یہ تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ پھر ایمان والوں سے خطاب کیا کہ تمہیں کیا معلوم کہ نشانی آجانے پر یہ

ضرور ہی ایمان لے آئیں گے۔

کفار کی ضد اور ہٹ دھرمی کا بیان ﴿﴾

اب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ اتنے ضدی ہیں کہ اگر ہم ان کی طرف فرشتے نازل کریں پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ ارشادِ ربانی ہے ﴿وَلَوْ أَنَّا كُنَّا نَسْمَعُ﴾ اور اگر بے شک ہم ﴿نَزَّلْنَا آيَاتِهِمُ الْبَيِّنَاتِ﴾ نازل کریں ان کی طرف فرشتے اور وہ ان سے گفتگو کریں اور یہ سمجھ جائیں کہ واقعی یہ فرشتے ہیں ﴿وَكَلَّمَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ اور گفتگو کریں ان کے ساتھ مردے ﴿وَوَحَّشْنَا عَلَيْهِمُ كُلَّ شَيْءٍ فَمُبِلًا﴾ اور جمع کر دیں ان کے سامنے دنیا کی ہر چیز۔

”قُبُلٌ“ کی تحقیق ﴿﴾

”قُبُلٌ“ قبیل کی جمع بھی بن سکتی ہے۔ پھر اقسام کے معنی ہوں گے کہ ہر قسم کی چیزیں ان کے سامنے جمع کر دیں اور ”قُبُلٌ“ مصدر بھی آتا ہے۔ تو اس وقت سامنے کے معنی ہوں گے کہ ہم ان کے سامنے دنیا کی ہر چیز جمع کر دیں ﴿فَمَا كَانُوا يَلْوُؤُونَ﴾ نہیں ہیں یہ کہ ایمان لائیں۔

ابو جہل کی شرارت اور آپ ﷺ کا مجرہ ﴿﴾

یہ روایت تم پہلے بھی سن چکے ہو کہ آنحضرت ﷺ مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے اور آپ ﷺ کی مجلس میں مومن بھی تھے اور کافر بھی تھے کہ ابو جہل آیا۔ سب لوگ اس کی طرف متوجہ ہوئے کہ دیکھو! یہ کیا بات کرتا ہے۔ کیونکہ کرنی تو اس نے شرارت ہی ہوتی تھی۔ کہنے لگا یا محمد (ﷺ)! مجھے بتاؤ کہ میری منگی میں کیا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جی اجاڑی اگر منگی والی چیز بول کر بتا دے تو پھر کیا ہوگا؟ کہنے لگا اچھا ان کو کہو کہ یہ بولیں۔

روایات میں آتا ہے کہ اس نے منگی میں جو کنکر پڑے ہوئے تھے انہوں نے بلند آواز سے پڑھنا شروع کر دیا سُبْحَانَ اللَّهِ سُبْحَانَ اللَّهِ اور بعض روایتوں میں آتا ہے کہ انہوں نے کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ پڑھنا شروع کر دیا اور سب نے اس طرح سنا جس طرح میں پڑھ رہا ہوں اور تم سن رہے ہو۔ ابو جہل نے کنکریوں کو یہ کہہ کر پھینک دیا کہ تم بھی اس کی طرف دار ہو گئی ہو۔ اب بتاؤ کہ اس ضد کا بھی دنیا میں کوئی علاج ہے؟ تو فرمایا کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ﴿إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ﴾ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے اور ان کو ایمان لانے پر مجبور کر دے۔ لیکن وہ جبر کسی پر نہیں کرتا کیونکہ اس کا قانون ہے ﴿فَتَنَّا شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَ مَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ﴾ پس جس کا جی چاہے ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے ﴿وَلٰكِنْ أَكْثَرُهُمْ يٰٓجَاهِلُونَ﴾ اور لیکن اکثر ان میں سے جاہل ہیں سمجھ دار لوگ دنیا میں ہمیشہ تھوڑے ہوئے ہیں۔

ہرنی کی اُمت میں اس کے دشمنوں کا ہونا ﴿

آگے آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تسلی دی ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ دشمنی کوئی نئی چیز نہیں ہے پہلے پیغمبروں کے ساتھ بھی اس طرح دشمنی کی گئی ہے۔

فرمایا ﴿وَكُنَّا بِكَ بِغِيظٍ مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ اور اسی طرح بنائے ہم نے ہرنی کے لیے دشمن انسانوں اور جنات میں سے۔ جنہوں نے پیغمبروں کی ڈٹ کر مخالفت کی ﴿يُؤْمِنُ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ﴾ القا کرتے ہیں بعض بعض کو ﴿زُخْرُفِ الْقَوْلِ غُرُورًا﴾ طمع کی ہوئی بات دھوکہ دینے کے لیے۔

”زُخْرُفِ“ کا لفظی معنی ﴿

”زُخْرُفِ“ کے لغوی معنی ہیں پتیل یا تانبے پر سونے کا پانی چڑھا کر اس کو سونا ظاہر کیا جائے۔ یعنی ظاہر کچھ اور باطن کچھ۔ تو ﴿زُخْرُفِ الْقَوْلِ﴾ کے معنی ہوں گے ایسی بات جس کا ظاہر کچھ ہو اور باطن کچھ ہو۔ فرمایا ﴿وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ﴾ اور اگر چاہے تیرا پروردگار ﴿مَفَاعَلُوهُ﴾ تو نہ کر سکیں یہ اس بات کو۔

جن وانس کو اختیار دیتے ہوئے پیغمبروں کے ذریعے کتابیں نازل کرنا ﴿

رب تعالیٰ ان سے بدی کی قوت سلب کر لے، کفر کرنے کی طاقت سلب کر لے مگر وہ ایسا نہیں کرتا۔ کیونکہ اس نے جنوں اور انسانوں کو اختیار دیا ہے کہ اپنی مرضی سے جو راستہ چاہو اختیار کرو۔ البتہ اس نے پیغمبر بھیج کر اور کتابیں نازل فرما کر حق اور باطل کو واضح کر دیا ہے اور اپنی خوشی اور ناراضگی سے بھی آگاہ کر دیا ہے اور ہر زمانے میں حق کی تبلیغ کرنے والے کھڑے کیے ہیں جو حق و باطل سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد تمہاری مرضی ہے جدھر جانا چاہو چلے جاؤ۔

کفار کی ریشہ و انہوں کی وجہ سے آپ ﷺ کو نصیحت ﴿

﴿فَلذَّٰنِهِمْ وَمَا يَفْتَرُونَ﴾ پس چھوڑ دیں ان کو اور اس چیز کو جس کا یہ افترا کرتے ہیں۔ اس کی طرف توجہ ہی نہ دو اور اس لیے بھی دوسروں کو باتیں سناتے ہیں۔ ﴿وَلَيُصْغَىٰ إِلَيْهِ﴾ اور تاکہ مائل ہوں اس کی طرف ﴿أَقْبَدَ الَّذِينَ﴾ ان لوگوں کے دل ﴿لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ﴾ جو نہیں ایمان رکھتے آخرت پر اور دنیا کی چیزوں پر مطمئن ہیں ﴿وَلَيُؤْذَوْنَ﴾ اور تاکہ اس کو پسند کریں برا ذہن بری چیز کو پسند کرتا ہے ﴿وَلَيُفْتَنُوا﴾ اور تاکہ وہ کمائیں ﴿مَالَهُمْ مُّقْتَدِرُونَ﴾ جو کچھ وہ کماتے ہیں جو کرنا چاہتے ہیں کریں سب کا بدلہ ملے گا۔

صنادید قریش کا مطالبہ اور حکم الہی ﴿

قریش کے مختلف خاندان تھے اور ہر ہر خاندان کا الگ الگ سردار تھا، سرداری نظام تھا۔ صنادید قریش اکٹھے ہو کر

آنحضرت ﷺ کے پاس آئے۔ ان کو دیکھ کر اور لوگ بھی اکٹھے ہو گئے کہ دیکھو! کیا کہتے ہیں؟ ویسے بھی فارغ ہوتے تھے۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے دو مطالبے کیے۔ ایک کا ذکر آج کی آیتوں میں ہے اور دوسرے کا بیان کل ہوگا، ان شاء اللہ۔ کہنے لگے اس بات کا تو انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہمارے اور آپ کے درمیان اختلاف ہے اور دنیا کا قاعدہ اور دستور ہے کہ فریقین میں جھگڑے کا حل ثالث ہوتا ہے اور ثالث کو عربی زبان میں حکم کہتے ہیں۔ لہذا حکم مقرر کر لیتے ہیں جو وہ فیصلہ کرے تسلیم کر لو۔ رب تعالیٰ نے اس کا جواب دیا۔ فرمایا آپ ان سے کہہ دیں ﴿أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكْمًا﴾ کیا پس اللہ تعالیٰ کے سوا تلاش کروں میں ثالث کسی اور کو میں ثالث مان لوں؟

مشرکین کی سازش ناکامی سے دوچار؟

﴿وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا﴾ حالانکہ اسی نے نازل کی تمہاری طرف کتاب تفصیلی۔ اور رب تعالیٰ کا فیصلہ تو یہ ہے کہ حق میرے ساتھ ہے تمہارے ساتھ نہیں ہے۔ اور تم بلا وجہ سینہ زوری کرتے ہو۔ مشرکین مکہ کا ذہن یہ تھا کہ اکثریت ہماری ہے۔ لہذا ہم کسی سردار کا نام لیں گے کہ اس کو حکم تسلیم کر لو پھر وہ سردار اس پر فرود جرم عائد کر دے گا کہ یہ سارا فساد تیری وجہ سے ہے لہذا تم باز آ جاؤ اور اپنے پروگرام کو چھوڑ دو۔ تو آپ ﷺ نے سرے سے ان کی بات کا انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا حکم ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں۔

طالبان کی اسلامی حکومت اور کفریہ طاقتوں کا بلا جواز دباؤ؟

یہی چال آج کل افغانستان میں چل رہے ہیں اور طالبان کو کہتے ہیں کہ وسیع البنیاد حکومت تشکیل دو کہ تمام فریقوں کو حکومت میں شامل کرو۔ یعنی طالبان نے جن برتدوں کو نکالا ہے ان کو واپس بلا کر شریک اقتدار کریں، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔ ان شاء اللہ تعالیٰ وہ کبھی ایسا نہیں کریں گے۔ کیونکہ جید اور سمجھ دار علماء کرام ان میں موجود ہیں۔ اگر بالفرض انہوں نے ایسا کیا تو اپنے پاؤں پر کلباڑی ماریں گے کہ جس گند کو انھیں نے باہر پھینکا ہے پھر اس کو شامل کر لیا۔ اور اس وقت اقوام متحدہ جو بین الاقوامی خبیث اور غنڈہ ہے وہ ان کو اس بات پر آمادہ کر رہا ہے کہ مشترکہ حکومت تشکیل دو تاکہ حق و باطل کا مغلوبہ بن جائے اور جو خالص اسلام نافذ ہے وہ نہ رہے۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ دنیا میں ہمیشہ حق کا راستہ روکنے کے لیے عجیب و غریب جھکنڈے استعمال ہوتے رہے ہیں۔

فہم حق کے لیے منصف مزاج المل کتاب سے رابطے کا مشورہ؟

تو آپ نے ثالث ماننے سے انکار کر دیا۔ ہاں اگر تم حق کو سمجھنا چاہتے ہو اور میری بات تم ضد کی وجہ سے نہیں مانتے تو المل کتاب میں جو منصف مزاج ہیں ان کی طرف رجوع کر لو۔ فرمایا ﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذْتُمُ الْكُتُبَ﴾ اور وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب

دی ہے ﴿يَعْلَمُونَ﴾ وہ جانتے ہیں ﴿أَنْتُمْ مُنْكَرٌ﴾ کہ بے شک یہ اتاری گئی ہے ﴿مَنْ تَرَاتَكَ بِالْحَقِّ﴾ تیرے رب کی طرف سے حق کے ساتھ۔ چنانچہ اہل کتاب میں جو منصف مزاج تھے وہ مانتے تھے اور دوسروں کو بھی کہتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا سچا پیغمبر ہے اور قرآن کریم سچی کتاب ہے۔ اسلام حق اور سچا مذہب ہے۔

دیگر اہل راہ صحت خود را نصیحت فرمائیے

اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿أَتَاكُمْ مَوَدُّنَ النَّاسِ بِالْبُؤْسِ﴾ کیا تم لوگوں کو حکم دیتے ہو نیکی کا ﴿وَتَتَّبِعُونَ أَنْفُسَكُمْ﴾ [البقرہ: ۱۷۴] اور بھول جاتے ہو اپنے نفسوں کو کہ خود قبول نہیں کرتے۔ اس کا جواب پہلے پارے میں موجود ہے۔ کہتے تھے دیکھو! آپ لوگ محنت مشقت کرتے ہو، ملازمتیں کرتے ہو ہمارا تو کوئی کاروبار نہیں ہے سوائے اس کے کہ ان سے نذرانے اور وظائف ملتے ہیں اگر ہم ایمان لے آئیں تو یہ نذرانے اور وظائف بند ہو جائیں گے ہماری روزی کہاں سے آئے گی؟ لہذا ہم مجبور ہیں اور تمہاری تو کوئی مجبوری نہیں ہے۔

﴿فَلَا تَلْمِزْنَ مِنْ الْمُتَنَبِّئِينَ﴾ پس ہرگز نہ ہوں آپ شک کرنے والوں میں سے اسلام کی حقانیت اور قرآن کریم کی صداقت کے متعلق ﴿وَتَلْمِزْتُمْ كَلِمَاتٍ تَرَاتَكَ صِدْقًا وَقَدْ عَدَلْنَا﴾ اور مکمل ہو گیا ہے تیرے رب کا فیصلہ سچائی اور انصاف کے ساتھ ﴿لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ﴾ کوئی نہیں تبدیل کر سکتا اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو ﴿وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ ہی سننے والا جانتے والا ہے۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن

اللہ تعالیٰ کا فیصلہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ ﴿وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ مکمل کرے گا اپنے نور تو حید کو ﴿وَلَوْ كُفِّرُوا الْكُفْرُونَ﴾ [الف: ۸۰] اور اگرچہ کافر پسند نہ کریں اور کڑھتے رہیں۔ اور دوسری جگہ فرمایا ﴿وَلَوْ كُفِّرُوا كُفْرًا﴾ اور اگرچہ مشرک پسند نہ کریں اور کڑھتے رہیں اللہ تعالیٰ اپنے نور ایمان کو چکائے گا۔ کفر یہ طاقتیں اگرچہ قدم قدم پر رکاوٹیں ڈالتی ہیں مگر الحمد للہ! اسلام میں اور مسلمانوں میں کمی نہیں آئی بڑھتا ہی جا رہا ہے۔

عصر حاضر میں دنیا اور ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد

اس وقت دنیا میں مسلم قوم سب سے زیادہ ہے اور دوسرے ملکوں کی نسبت ہندوستان میں تقریباً اٹھائیس کروڑ مسلمان ہیں اور ہندو انہیں مجبور کرتے ہیں کہ یا تو ہندو ہو جاؤ یا پھر پاکستان چلے جاؤ۔ مسلمانوں کو شہید بھی کرتے ہیں اور مسجدیں بھی مسمار کرتے ہیں مگر وہ ڈٹے ہوئے ہیں۔ اور معاف رکھنا! وہ ہم سے زیادہ مضبوط مسلمان ہیں۔ بہر حال کفر یہ طاقتیں جتنا مرضی زور لگائیں وہ اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں، ان شاء اللہ العزیز۔



﴿وَإِنْ تُطِيعُوا﴾ اور اگر آپ اطاعت کریں گے ﴿أَكْثَرُ مَنْ فِي الْأَرْضِ﴾ اکثر ان لوگوں کی جو زمین میں ہیں ﴿يُضِلُّوكُمْ﴾ وہ بہکا دیں گے آپ کو ﴿عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے راستے سے ﴿إِنْ يَتَّبِعُونَ﴾ نہیں وہ پیروی کرتے ﴿إِلَّا الظَّنَّ﴾ مگر گمان کی ﴿وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ﴾ اور نہیں ہیں وہ مگر اٹکل اور تخمینے سے باتیں کرتے ہیں ﴿إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ﴾ بے شک تیرا پروردگار وہ خوب جانتا ہے ﴿مَنْ يُضِلُّ﴾ جو گمراہ ہو گیا ﴿عَنْ سَبِيلِهِ﴾ اس کے راستے سے ﴿وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ﴾ اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو ﴿فَكَلُوا﴾ پس کھاؤ ﴿مِمَّا﴾ اس چیز کو ﴿ذُكِّرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ﴾ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا گیا ہے ﴿إِنْ كُنْتُمْ﴾ اگر ہو تم ﴿بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ﴾ اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان رکھنے والے ﴿وَمَا لَكُمْ﴾ اور تمہیں کیا ہو گیا ہے ﴿أَلَا تَأْكُلُوا﴾ کہ تم نہیں کھاتے ﴿مِمَّا ذُكِّرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ﴾ اس چیز کو جس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا گیا ہے ﴿وَقَدْ فُضِّلَ لَكُمْ﴾ اور تحقیق تفصیل کے ساتھ اس نے بیان کیا ہے تمہارے لیے ﴿مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ﴾ ان چیزوں کو جو اس نے تم پر حرام قرار دی ہیں ﴿إِلَّا مَا اضْطُرُّتُمْ إِلَيْهِ﴾ مگر وہ جس کی طرف تم مجبور کر دیے جاؤ ﴿وَإِنْ كَثُرَ﴾ اور بے شک بہت سے لوگ ﴿يُضِلُّونَ﴾ بہکاتے ہیں ﴿بِأَهْوَاءِهِمْ﴾ اپنی خواہشات کے ساتھ ﴿بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ بغیر علم کے ﴿إِنَّ رَبَّكَ﴾ بے شک تیرا رب ﴿هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ﴾ وہ خوب جانتا ہے تجاوز کرنے والوں کو ﴿وَدُّرُؤًا﴾ اور چھوڑ دو ﴿ظَاهِرَ الْأَيْمَنِ وَبَاطِنَهُ﴾ ظاہری اور چھپے ہوئے گناہ کو ﴿إِنَّ الَّذِينَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿يَكْسِبُونَ الْأَسْمَ﴾ جو کھاتے ہیں گناہ ﴿سَيَجْزُونَ﴾ عن قریب ان کو بدلہ دیا جائے گا ﴿بِمَا﴾ اس چیز کا ﴿كَانُوا يَفْتَرُونَ﴾ جو وہ کھاتے رہے ﴿وَلَا تَأْكُلُوا﴾ اور نہ کھاؤ ﴿مِمَّا﴾ اس چیز کو ﴿لَمْ يَذْكُرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ﴾ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں ذکر کیا گیا ﴿وَإِنَّهُ لَفَسْقٌ﴾ اور بے شک یہ کھانا البتہ نافرمانی ہے ﴿وَإِنَّ الشَّيْطَانَ﴾ اور بے شک شیاطین ﴿لَيُؤْخَذُونَ﴾ البتہ القاء کرتے ہیں ﴿إِلَىٰ أُولِيئِهِمْ﴾ اپنے دوستوں کی طرف ﴿لِيَجَادِلُنَّكُمْ﴾ تاکہ وہ جھگڑا کریں تمہارے ساتھ ﴿وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ﴾ اور اگر تم نے شیطانوں کی اطاعت کی ﴿إِنَّكُمْ لَشُرٌّ مَكُونٌ﴾ بے شک تم بھی البتہ مشرک بن جاؤ گے۔

ربط آیات

کل کے سبق میں بیان ہوا تھا کہ مشرکین مکہ کا ایک نمائندہ وفد جو ان کے سرداروں پر مشتمل تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ مکہ مکرمہ دارالاسن تھا لوگ یہاں صدیوں سے بڑے آرام اور چین سے رہ رہے تھے جب

سے آپ ﷺ نے ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ کی رٹ لگائی ہے اس وقت سے گھر گھر میں جھگڑا فساد ہے، بازاروں اور گلیوں میں لڑائیاں ہیں، باپ بیٹے کا جھگڑا ہے، میاں بیوی کا جھگڑا ہے، بھائی، بھائی آپس میں لڑتے ہیں، خسر، داماد کا جھگڑا ہے۔ اور اس تمام فساد کے آپ ذمہ دار ہیں۔ لہذا کسی کو ثالث تسلیم کریں۔ اگر وہ ہمارے عقیدے کے درست ہونے کا فیصلہ کر دے تو پھر آپ ہمارے ساتھ مل جائیں اور اگر ثالث آپ کے عقیدے کے درست ہونے کا فیصلہ کر دے تو ہم آپ کے ساتھ مل جائیں گے۔ اس کا جواب آپ حضرات کل کے سبق میں سن چکے ہیں کہ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ میں اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کو ثالث تسلیم کر لوں یہ نہیں ہو سکتا۔

کفار کی دوسری خود ساختہ پیش کش

انہوں نے دوسری پیش کش یہ کی کہ کہنے لگے فریقین میں جھگڑا ہو تو صلح کی ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ لوگوں سے رائے لے لی جاتی ہے کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون ہے؟ لہذا لوگوں کو جمع کر کے ریفرنڈم کرا لیتے ہیں لوگوں کی اکثریت جو فیصلہ دے اس کو تسلیم کر لیں۔

پیش کش کا جواب

ان کی اس پیش کش کا جواب آج کی آیت کریمہ میں ہے۔ فرمایا ﴿وَإِنْ تُلَاقُوا﴾ اور اگر آپ اطاعت کریں گے ﴿أَكْثَرُ مَنْ فِي الْأَمْثَلِ﴾ اکثر ان لوگوں کی جو زمین میں ہیں ﴿يُضِلُّوكَ﴾ وہ بہکا دیں گے آپ کو ﴿عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے راستے سے کیوں کہ اکثریت تو ہے ہی مگر اہوں کی ان کی رائے تو ان کے ساتھ ہوگی، دو ٹنگ کی کیا ضرورت ہے؟ ﴿إِنْ يَتَّبِعُونَ﴾ نہیں وہ پیروی کرتے ﴿إِلَّا الظَّنَّ﴾ مگر گمان کی ﴿وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخُوضُونَ﴾ اور نہیں ہیں وہ مگر اٹکل اور تخمینے سے باتیں کرتے ہیں۔ دلیل ان کے پاس کوئی نہیں ہے تو جو اکثریت اٹکل اور تخمینے کے پیچھے چلتی ہو تو ان کے دوٹوں کی کیا حیثیت ہے؟

انبیاء علیہم السلام اور ان کے قسبیین کی تعداد

اور یہ بات آپ کئی مرتبہ سن چکے ہیں کہ دنیا میں ایسے پیغمبر بھی تشریف لائے کہ ان پر ایک آدمی بھی ایمان نہ لایا، نہ بہن، نہ بھائی، نہ بیٹا، نہ بیٹی، نہ بیوی، کسی نے بھی ساتھ نہ دیا اکیلا پیغمبر حق پر رہا۔ اور ایسے پیغمبر بھی تھے کہ جن پر صرف دو آدمی ایمان لائے اور ایسے بھی تھے کہ جن پر تین آدمی ایمان لائے اور اکثریت دوسری طرف ہی رہی۔ تو اکثریت ہمیشہ غلط کارہی رہی ہے۔ ﴿إِنَّ رَبَّكَ لَمَوْأَلِمٌ﴾ بے شک تیرا پروردگار وہ خوب جانتا ہے ﴿مَنْ يُضِلُّ﴾ جو گمراہ ہو گیا ﴿عَنْ سَبِيلِهِ﴾ اس کے راستے سے ﴿وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُنْتَدِينَ﴾ اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو لہذا آپ اپنا کام کرتے جائیں نہ کسی کو حکم ماننے کی ضرورت ہے اور نہ دوٹنگ کی۔

کفار اور مشرکین کا شوشہ ﴿﴾

مشرکوں اور کافروں نے ایک یہ شوشہ بھی چھوڑا کہ یہ مسلمان اپنے ہاتھ کا مارا ہوا جانور یعنی ذبح شدہ جانور حلال سمجھتے ہیں اور خدا کا مارا ہوا یعنی طبعی موت مرا ہوا جانور حرام سمجھتے ہیں یہ مسلمان کیسی عجیب مخلوق ہے؟ عوام بڑے سطحی ذہن کے ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ واقعی بات تو صحیح ہے کہ رب کا مارا ہوا حرام اور اپنا مارا ہوا حلال۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مارتا اس کو بھی رب تعالیٰ ہے اور اس کو بھی رب تعالیٰ ہے البتہ جس پر تکبیر پڑھی گئی ہے یعنی تکبیر پڑھ کر ذبح کیا گیا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت سے حلال ہے اور جو مردار ہو گیا وہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے نام سے محروم ہے اس لیے حرام ہے۔

تکبیر کے متعلق مسئلہ ﴿﴾

تکبیر کے متعلق مسئلہ سمجھ لیں کہ جانور کو ذبح کرتے وقت جب تکبیر پڑھی جائے تو اتنی آواز ہو کہ اپنے کان سنیں اور اگر بسم اللہ اکبر کہا اور اپنے کانوں نے نہ سنا تو بحر الرائق وغیرہ فقہ حنفی کی مستند ترین کتابوں میں ہے کہ جانور حلال نہیں ہوگا۔

نماز کے متعلق اہم ترین مسئلہ ﴿﴾

اسی مناسبت سے نماز کے متعلق بھی مسئلہ سمجھ لیں کہ آدمی جب نماز پڑھے تو تکبیر تحریرہ سے لے کر سلام پھیرنے تک جو کچھ بھی پڑھتا ہے اس انداز سے پڑھے کہ اپنے کان سنیں چاہے مرد ہو یا عورت ہو بشرطیکہ بہرہ نہ ہو اگر اپنے کانوں نے نہیں سنا تو نماز بالکل نہیں ہوگی اور پڑھی ہوئی بھی اس کی گردن پر فرض ہے۔

کفار کے شوشے کا جواب ﴿﴾

اللہ تعالیٰ کافروں کے شوشے کا جواب دیتے ہیں فرمایا ﴿فَلَوْلَا اٰمَنَّا كَمَا اٰسَمُ اللّٰهُ عَلَيٰہِ﴾ پس کھاؤ اس چیز کو جس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا گیا ہے تکبیر پڑھی گئی ہے ﴿اِنْ كُنْتُمْ بِاٰیٰتِنَا مُؤْمِنٰٓنَ﴾ اگر ہو تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان رکھنے والے ﴿وَمَا كُنْتُمْ﴾ اور تمہیں کیا ہو گیا ہے ﴿اَلَا تَاٰمَنُوْا﴾ کہ تم نہیں کھاتے ﴿وَمَا كُنْتُمْ اٰسَمُ اللّٰهُ عَلَيٰہِ﴾ اس چیز کو جس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا گیا ہے۔ کافر ضد میں آکر کہتے تھے کہ اس کو تم نہیں کھاتے جس پر تکبیر نہیں پڑھی گئی یعنی مردار اور ہم تمہارا ذبح کیا ہوا نہیں کھاتے۔ اور ضد، ضد ہوتی ہے اس کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم ان کافروں کی بات کی طرف توجہ نہ دو اور جس پر تکبیر پڑھی گئی ہے اس کو کھاؤ ﴿وَقَدْ فَصَّلْنَا لَكُمْ﴾ اور تحقیق تفصیل کے ساتھ اس نے بیان کیا ہے تمہارے لیے ﴿مَا حَاوَمَ عَلَيْنَا﴾ ان چیزوں کو جو اس نے تم پر حرام قرار دی ہیں کہ مردار وغیرہ نہیں کھانا۔

مجبور کی تعریف و حکم

﴿الَا مَا ظَنَرْتُمْ أَنَّيُكْفَرُ﴾ مگر وہ جس کی طرف تم مجبور کر دیے گئے ہو کہ مثلاً: آدمی ایسے مقام پر ہے کہ وہاں مردار یا حرام مال کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور اس کی حالت یہ ہے کہ اگر نہیں کھاتا تو موت کا خطرہ ہے تو اس موقع پر اس کو حرام مردار اور خنزیر کھانے کی اجازت ہے مگر اتنا کہ جان بچ جائے ﴿غَيْرِ بَاطِلٍ وَلَا فَاحِشٍ﴾ نہ لذت طلب کرنے والا ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا ہو۔ اگر ایک چھٹانک کھانے سے اس کی جان بچ سکتی ہے تو چھ تو لے کھانے کی اجازت نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کسی کو شدید پیاس ہے کہ جان کو خطرہ ہے اور شراب کے سوا پینے کے لیے کوئی اور چیز موجود نہیں ہے تو اتنی پی سکتا ہے کہ جس سے جان بچ جائے اگرچہ شراب قطعی حرام ہے اور اگر ایسی صورت میں حرام نہیں کھاتا اور نہیں پیتا اور مر جاتا ہے تو گنہگار مرے گا کیونکہ ایسے موقع پر رب تعالیٰ نے حرام کھانے اور پینے کی اجازت دی ہے اور رب تعالیٰ کی اجازت کو قبول نہ کرنا بھی گناہ ہے۔

مشرکین کی جہالت

﴿وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الَّذِينَ يَدْعُونَ بِآهْوَاءِهِمْ﴾ اور بے شک بہت سے لوگ بہکاتے ہیں اپنی خواہشات کے ساتھ ﴿بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ بغیر علم کے۔ مشرکین کا یہ شوشہ کہ مسلمان اپنا مارا ہوا کھاتے ہیں اور خدا کا مارا ہوا نہیں کھاتے یہ بات بھی وہ جہالت سے کرتے تھے۔

مولانا عبدالحق مدنی رحمہ اللہ کا قول

دارالعلوم دیوبند میں ہمارے ایک استاد تھے مولانا عبدالحق مدنی رحمہ اللہ۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے ملک میں ہر تیسرا آدمی مفتی ہے اور ہر چوتھا آدمی حکیم ہے۔ کوئی مسئلہ پیش کر دو ہاں موجود آدمیوں میں سے کوئی نہ کوئی ضرور بول پڑے گا، چاہے اسے الف با کا بھی علم نہ ہو۔ اسی طرح اگر تم کہو کہ میں بیمار ہوں تو تمہیں ضرور اس کا علاج بتائیں گے چاہے حکمت کے اجد سے بھی واقف نہ ہوں۔ یہ لوگوں کی عادت بن گئی ہے۔

جاہل راسکوت بہتر است

حالانکہ مسئلہ یہ ہے کہ جس چیز کا تمہیں علم نہیں ہے تو خاموش رہو یا کہو کہ میں اس کے متعلق نہیں جانتا۔ مگر ہم ضرور ٹانگ اڑاتے ہیں اور بغیر علم کے لوگوں کو غلط راہ پر لگاتے ہیں۔ یہی کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ لوگ بغیر علم کے اپنی خواہشات سے بہکاتے ہیں۔ ﴿إِنَّ رَبَّكَ﴾ بے شک تیرا رب ﴿فَوَأْتِلْهُمْ بِالْمُغْتَدِبِينَ﴾ وہ خوب جانتا ہے تجاوز کرنے والوں کو ﴿وَدَرْنَا مَا كَانُوا يَلْمُونَ﴾ اور چھوڑ دو ظاہری اور چھپے ہوئے گناہ کو ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿يَكْسِبُونَ الْإِلْمَ﴾ جو کھاتے ہیں گناہ ﴿سَيَجْزُونَ﴾ عن قریب ان کو بدلہ دیا جائے گا ﴿بِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ جو وہ کھاتے رہے ہر نیکی بدی کا بدلہ رب تعالیٰ کی طرف سے ملے گا ﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ﴾ اور نہ کھاؤ اس چیز کو جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں

ذکر کیا گیا ﴿وَإِنَّ لَفِئْسَتِ﴾ اور بے شک یہ کھانا البتہ نافرمانی ہے۔

شیاطین کا اپنے دوستوں کی طرف القاء کرنا ﴿

﴿وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُؤْتُونَ﴾ اور بے شک شیاطین البتہ القاء کرتے ہیں ﴿إِلَىٰ أَوْلِيَٰهِمْ﴾ اپنے دوستوں کی طرف۔ یہ بھی شیطان کا سبق ہے جو اس نے اپنے ساتھیوں کے ذہنوں میں ڈالا ہے۔ ﴿لِيُجَادِلُوْكُمْ﴾ تاکہ وہ جھگڑا کریں تمہارے ساتھ۔ شیطان نے ان کے ذہن میں بات ڈالی ہے کہ ان سے پوچھو کہ رب تعالیٰ مارے تو حرام اور تم خود مارو تو حلال۔ یہ کیسی منطق ہے؟ ﴿وَإِنْ أَطَعْتُمُوْهُمْ﴾ اور اگر تم نے شیطانوں کی اطاعت کی ﴿إِنَّكُمْ لَشِرْكَائِهِمْ﴾ بے شک تم بھی البتہ مشرک بن جاؤ گے۔

ناجائز بات کا ماننا شرک میں داخل ہے ﴿

یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ کسی کی غلط اور ناجائز بات کو ماننا بھی شرک کی ایک قسم ہے۔ کیونکہ ناجائز کام شیطان ہی کر داتا ہے اور شیطان کی اطاعت کرنا بھی شرک ہے چاہے قولاً ہو یا فعلاً ہو۔ شرک کے سینک نہیں ہوتے کہ جو شرک کرے تو اس کو سینک لگ جائیں اور اس کو دیکھ کر کہیں کہ دیکھو بھائی! یہ مشرک صاحب جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں شرک سے محفوظ فرمائے۔ [آمین]



﴿أَوْ مَنْ كَانَ مَيِّتًا﴾ کیا وہ شخص جو مردہ تھا ﴿فَأُحْيِيْنَهُ﴾ پس ہم نے اس کو زندہ کیا ﴿وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا﴾ اور ہم نے بنایا اس کے لیے نور ﴿يَتَنَبَّهُ بِهِ﴾ وہ چلتا ہے اس روشنی کے ساتھ ﴿فِي النَّاسِ﴾ لوگوں میں ﴿كَمَنْ مَّثَلُ﴾ اس شخص کی طرح ہے ﴿فِي الظُّلُمَاتِ﴾ جو اندھیروں میں ہے ﴿لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا﴾ نہیں نکلنے والا اندھیروں سے ﴿كَذَلِكَ نُزِّنُ الْكُفْرَيْنَ﴾ اسی طرح مزین کیا گیا کافروں کے لیے ﴿مَا كَانُوا يَعْبُدُونَ﴾ وہ عمل جو وہ کرتے ہیں ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا﴾ اور اسی طرح بنائے ہم نے ﴿فِي كُلِّ قَرْيَةٍ قَوْمًا﴾ ہر بستی میں بڑے ﴿مُجْرِمِينَ﴾ اس کے جرم کرنے والے ﴿لِيَسْأَلُوْا فِيهَا﴾ تاکہ وہ مکاریاں کریں اس میں ﴿وَمَا يَسْتَعْرِضُونَ﴾ اور نہیں سمجھتے ﴿وَإِذَا جَاءَتْهُمْ آيَةٌ﴾ اور جب آتی ہے ان کے پاس کوئی نشانی ﴿قَالُوا﴾ کہتے ہیں ﴿كُنْ نُورًا﴾ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے ﴿حَتَّىٰ نُنْزِلَ﴾ یہاں تک کہ ہمیں بھی دیا جائے ﴿وَمِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللَّهِ﴾ اس طرح کی چیز جو اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو دی گئی ہے ﴿اللَّهُ أَعْلَمُ﴾ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ﴿حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾ جہاں اس نے رکھی ہے اپنی رسالت ﴿سَيُصِيبُ﴾

الذین ﴿﴾ عن قریب پہنچے گی ان لوگوں کو ﴿﴾ اجزؤموا ﴿﴾ جنہوں نے جرم کیے ﴿﴾ صغائر ﴿﴾ ذلت ﴿﴾ عند اللہ ﴿﴾ اللہ تعالیٰ کے ہاں ﴿﴾ وعذاب شدید ﴿﴾ اور سخت عذاب ﴿﴾ ہما کائوا ینکرون ﴿﴾ اس وجہ سے کہ وہ مکر کرتے رہے ﴿﴾ فمن یرد اللہ ﴿﴾ پس وہ شخص کہ اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے ﴿﴾ ان یردہ ﴿﴾ کہ اس کو ہدایت دے ﴿﴾ یشمہ صد سہا ﴿﴾ لیسلاہ ﴿﴾ کھول دیتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لیے ﴿﴾ ومن یردہ ﴿﴾ اور وہ شخص کہ اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے ﴿﴾ ان یردہ ﴿﴾ کہ اس کو گمراہ کر دے ﴿﴾ یجعل صد سہا ضیقا ﴿﴾ کر دیتا ہے کہ اس کے سینے کو تنگ ﴿﴾ حرجا ﴿﴾ بہت زیادہ تنگ ﴿﴾ کا کما ﴿﴾ گویا کہ وہ ﴿﴾ یصعد فی السماء ﴿﴾ چڑھتا ہے آسمان پر ﴿﴾ کذک ﴿﴾ اسی طرح ﴿﴾ یجعل اللہ النجس ﴿﴾ ڈال دیتا ہے اللہ تعالیٰ گندگی ﴿﴾ علی الذین ﴿﴾ ان لوگوں پر ﴿﴾ لایؤمنون ﴿﴾ جو ایمان نہیں لاتے۔

ربط آیات

اس سے قبل دگر وہوں کا ذکر تھا۔ ہدایت یافتہ جن کا ذکر اس آیت کریمہ میں تھا کہ ﴿﴾ وَهُوَ اعْلَمُ بِالْمُنْتَدِينَ ﴿﴾ اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو۔ اور دوسرا گمراہوں کا جن کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے ﴿﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اعْلَمُ بِالْمُنْتَدِينَ ﴿﴾ بے شک تیرا رب خوب جانتا ہے تجاوز کرنے والوں کو۔

جاہل اور عالم برابر نہیں ہو سکتے

آج کی آیات میں بھی اسی طرح کے دونوں قسم کے لوگوں کا ذکر ہے۔ فرمایا ﴿﴾ اَوْ مِنْ كَانْ مَیْنًا ﴿﴾ کیا وہ شخص جو مردہ تھا یعنی جاہل، کافر اور مشرک تھا رب تعالیٰ کے حکموں کا باغی اور نافرمان تھا ﴿﴾ فَاَحْیَیْنٰہُ ﴿﴾ پس ہم نے اس کو زندہ کیا ایمان اور اسلام کی دولت دی علم عطا کیا اس کے دل میں خدا خوفی آئی۔ ﴿﴾ وَجَعَلْنَا لَہٗ نُورًا ﴿﴾ اور ہم نے بنایا اس کے لیے نور ایمان کا، اسلام کا، حق کا، سنت کا۔ ﴿﴾ یُنشِئُہٗ فِی النَّاسِ ﴿﴾ وہ چلتا ہے اس نور اور روشنی کے ساتھ لوگوں میں۔ تو کیا ان صفات والا آدمی ﴿﴾ کَسَنَ مَثَلُہٗ ﴿﴾ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے ﴿﴾ فِی الظُّلُمٰتِ ﴿﴾ جو اندھیروں میں ہے ﴿﴾ لَیْسَ بِخَارِہٖمَ قَمْنٰہَا ﴿﴾ نہیں نکلنے والا اندھیروں سے۔ کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ روشنی والا اور اندھیروں والا دونوں برابر ہیں۔ اسی طرح جو کافر ہیں مثلاً: ابو جہل، ابولہب، عقبہ، شیبہ جو کفر کے اندھیروں میں ڈبے ہوئے ہیں یہ ان کے برابر ہو سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے نور ایمان عطا فرمایا ہے۔ اور وہ ایمان کی روشنی میں چلتے پھرتے ہیں جیسے: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے اپنی مخلوق کو فائدہ پہنچایا۔ تاریخ ان کے عدل کی نظیر نہیں پیش کر سکتی۔

گاندھی اور عدل شیخین رضی اللہ عنہم کی گواہی

تقسیم ہند سے پہلے ہندوستان کے گیارہ صوبے تھے پانچ صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت تھی اور سات صوبوں میں۔

ہندوؤں کی اکثریت تھی۔ لیکن ہوا یہ کہ ہندو وزیر بنے۔ گاندھی جس کا نام کرم چندر داس تھا وہ ہرچکن نامی اخبار نکالتا تھا۔ جولائی ۱۹۳۰ء کے اخبار میں گاندھی نے اپنے ہندو وزیروں کو تلقین کی اور ہدایت کی کہ اگر تم انصاف اور دیانت کے ساتھ حکومت کرنا چاہتے ہو تو دو آدمیوں کی تاریخ کو سامنے رکھنا جن کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ ایک ابو بکر صدیقؓ اور دوسرے کا نام عمر بن خطابؓ ہے۔ حالاں کہ گاندھی بڑا متعصب ہندو تھا۔ یہ بڑی وزنی شہادت ہے کہ کتر قسم کا ہندو گواہی دے رہا ہے کہ وہ بڑے انصاف والے تھے۔

آج ظلم و زیادتی اور گھپلوں کا دور ہے۔ ہم نے عدل و انصاف تو دیکھا ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان ظالم حکمرانوں سے نجات عطا فرمائے۔

﴿كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ لِّلْكَافِرِيْنَ﴾ اسی طرح مزین کیا گیا کافروں کے لیے ﴿مَا كَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾ وہ عمل جو وہ کرتے ہیں کہ اپنے بڑے عمل کو بھی ہنر اور کمال سمجھتے ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اس پر شرمندہ اور نادم ہوتے کہ ہم نے غلط کیا ہے۔

مجرم بنانے کی وجہ؟

﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا﴾ اور اسی طرح بنائے ہم نے ﴿فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكْبَرًا مُّجْرِمِيْهَا﴾ ہر بستی میں بڑے اس کے جرم کرنے والے۔ بڑوں کے مجرم بننے کی وجہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ بیان فرمائی ہے۔ فرمایا ﴿وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الزُّلْقَ لِيَعْلَمَ مَا تَعْمَلُوْنَ﴾ [الشوریٰ: ۲۷؛ پارہ: ۲۵] ”اور اگر اللہ تعالیٰ بڑھادیتا رزق اپنے بندوں کا تو زمین میں فساد کرنے لگتے۔“ مال بڑھ جائے تو اس کا لازمی نتیجہ سرکشی اور نافرمانی ہے الا ماشاء اللہ کہ ہزار میں سے کوئی ایک شخص بھی نہیں ملے گا کہ مال دار ہونے کے باوجود رب تعالیٰ کا نافرمان نہ ہو۔ مال کی خاصیت ہے کہ جب آئے گا سرکشی آئے گی، شرابیں چلیں گی، لڑائیاں ہوں گی اور ہر بڑا کام کریں گے۔ فرمایا کہ ہم نے ہر بستی میں بڑوں کو مجرم بنایا۔ ﴿لِيَتَذَكَّرُوْا فِيْهَا﴾ تاکہ وہ مکاریاں کریں اس میں۔

”مکار“ کی مکاری اسی کے خلاف؟

﴿وَمَا يَتَذَكَّرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ اور نہیں وہ مکر کرتے مگر اپنے نفسوں کے ساتھ۔ کیونکہ اس کا نقصان انہی کو ہوگا۔ آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا ﴿وَمَا يَشْعُرُوْنَ﴾ اور وہ نہیں سمجھتے کہ ہم کس کا نقصان کر رہے ہیں؟ بیشک اس وقت وہ لوگوں پر ظلم کر رہے ہیں، زیادتی کر رہے ہیں، بے عزتی کر رہے ہیں لیکن نقصان سارا اپنا کر رہے ہیں کہ اس کا نتیجہ ان کے خلاف ہی مرتب ہوگا۔

مشرکین کی بے جا ضد؟

﴿وَ اِذَا جَاءَهُمْ اٰيَةٌ﴾ اور جب آتی ہے ان کے پاس کوئی نشانی (معجزہ) ﴿قَالُوْا﴾ کہتے ہیں ﴿لَنْ نُّؤْمِنَ بِحَتٰى نُنٰوِلٰى

وَقُلْ مَا أَدْعُوهُ مُسْلِمًا ۖ هُمْ هَرَّزُوا إِيْمَانَ نَهَيْتُمْ لَأَيُّكُمْ لَمْ يَكُنْ يَدْعُوهُ بِحُجْرٍ ۚ هُمْ هَرَّزُوا إِيْمَانَ نَهَيْتُمْ لَأَيُّكُمْ لَمْ يَكُنْ يَدْعُوهُ بِحُجْرٍ ۚ هُمْ هَرَّزُوا إِيْمَانَ نَهَيْتُمْ لَأَيُّكُمْ لَمْ يَكُنْ يَدْعُوهُ بِحُجْرٍ ۚ هُمْ هَرَّزُوا إِيْمَانَ نَهَيْتُمْ لَأَيُّكُمْ لَمْ يَكُنْ يَدْعُوهُ بِحُجْرٍ ۚ

رسولوں کو دی گئی ہے کہ ہمارے ہاتھ پر بھی معجزے ظاہر ہوں تب ہم ایمان لائیں گے۔

اپنی کوشش اور محنت سے کوئی نبی نہیں بن سکتا ۝

﴿اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جہاں اس نے رکھنی ہے اپنی رسالت۔ نبوت و رسالت رب تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ اس مقام تک پہنچنا کسی کے بس میں نہیں ہے اپنی مرضی محنت اور کسب سے کوئی نبی نہیں بن سکتا۔ یہ اتنا بلند مقام ہے کہ محنت اور کوشش سے کوئی یہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ محنت اور کوشش سے ولی بن سکتا ہے، غوث بن سکتا ہے، قطب بن سکتا ہے، لیکن نبی نہیں بن سکتا۔ مخلوق میں نبی کے درجے سے بڑھ کر کوئی درجہ نہیں ہے اور آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں آپ کے بعد جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے وہ پر لے درجے کا بے ایمان اور کافر ہے۔

پسر قادیانی لعین کے مغالطات ۝

نبوت کے جھوٹے دعوے داروں میں سے مرزا غلام احمد قادیانی بھی ہے۔ مرزا قادیانی کے لڑکے نے ایک کتاب لکھی ہے سیرت مہدی۔ اس میں اس نے اپنے باپ کے کمالات لکھے ہیں۔ اس میں وہ لکھتا ہے کہ اگر کوئی شخص چاہے تو عبادت کرتے کرتے رب کو راضی کر کے محمد رسول اللہ کا درجہ حاصل کر سکتا ہے بلکہ آپ ﷺ کے درجے سے بڑھ سکتا ہے، معاذ اللہ تعالیٰ، ثم معاذ اللہ تعالیٰ، ثم معاذ اللہ تعالیٰ، کیسی بکو اس کی ہے؟

آپ ﷺ کے درجہ علیا تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی ۝

یاد رکھنا! آنحضرت ﷺ کا درجہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں سب سے بلند اور سب سے اعلیٰ ہے اس مقام تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ چہ جائیکہ کوئی آگے بڑھ جائے۔ ڈینگیں اور بڑھکیں مارنے والے تو دنیا میں بہت ہیں لیکن اس سے کیا بنتا ہے۔

مرزا قادیانی لعین کی الٹی منطق ۝

چنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے تین ہزار معجزات ہیں اور میرے دس لاکھ معجزے ہیں اور یہ بھی کہتا ہے کہ میں کوئی مستقل نبی نہیں ہوں میں ظلی اور بروزی نبی ہوں۔ یعنی آنحضرت ﷺ کا سایہ ہوں۔ بڑی عجیب منطق ہے کہ اصل کے تو تین ہزار معجزے ہوں اور سائے کے دس لاکھ معجزے ہوں۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ اصل تو تین ہزار درجے تک، بلند ہوا اور سایہ دس لاکھ درجوں تک چھلانگیں لگا رہا ہے۔ حالانکہ سایہ تو اصل کا ہوتا ہے تو سایہ اصل سے کس طرح بڑھ گیا؟ اصل یہ ہے کہ بے ہی سارا جھوٹ۔

مرزا قادیانی مجسم دھوکہ و فریب

میں نے عرض کیا تھا کہ ایک دفعہ مرزا غلام احمد قادیانی نے کہا کہ میں نے ایک کتاب لکھی ہے چالیس جلدوں میں۔ انگریز کا دور تھا ان کو خوش کرنے کے لیے نوڈیوں نے بڑی بڑی رقمیں دیں۔ مرزے نے چار چھوٹے چھوٹے رسالے لکھے "اربعین" کے نام سے پھر چپ سادھ لی اور باقی رقم کھا گیا۔ کچھ مدت گزرنے کے بعد لوگوں نے کہا کہ تم نے تو چالیس جلدوں کے لکھنے کا اعلان کیا تھا اور یہ چار چھوٹے رسالے لکھے ہیں۔ تو نبی صاحب نے جواب دیا کہ چار تو میں نے لکھے ہیں صفر ساتھ تم لوگو چالیس ہو جائیں گے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔ اس طرح تو شعبہ باز اور ٹھگ بھی نہیں کرتے چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر اس طرح کرے۔ نبی کی ذات بہت بلند ہوتی ہے ایسے دھوکے باز نبی نہیں ہوتے۔

"مکار" کے لیے سخت ترین عذاب کی وعید

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿سَيُصِيبُ الَّذِينَ أَجْرَمُوا﴾ عن قریب پہنچے گی ان لوگوں کو جنہوں نے جرم کیے ﴿صَعَابًا﴾ ذلت ﴿عِنْدَ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلیل ہوں گے، شکست کھائیں گے اور مارے جائیں گے ﴿وَعَذَابٌ شَدِيدٌ﴾ اور سخت عذاب ﴿بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ اس وجہ سے کہ وہ مکر کرتے رہے اس کا بدلہ ان کو ضرور ملے گا۔

ہدایت کس کو ملتی ہے

﴿فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ﴾ جس وہ شخص کہ اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے ﴿أَنْ يَهْدِيَهُ﴾ کہ اس کو ہدایت دے۔ اور یہ بات میں کئی مرتبہ سمجھا چکا ہوں کہ ہدایت اس کو نصیب ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے ﴿وَيُضِلِّيهِ﴾ اور کافروں کو گمراہ کرتا ہے ﴿وَالشُّرُكِيُّ﴾ اور اللہ تعالیٰ راہ دکھاتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع کرتا ہے اور ہدایت کا طالب ہوتا ہے ﴿يَهْتَدِمْ صَفْهًا فَلَا يَلْمِزُ﴾ کھول دیتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لیے۔

گمراہ کن کو کیا جاتا ہے

﴿وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ﴾ اور وہ شخص کہ اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ اس کو گمراہ کر دے اور میں یہ بات بھی کئی مرتبہ سمجھا چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے ﴿وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ﴾ اور کافروں کو گمراہ کرتا ہے ﴿وَيُضِلُّ اللَّهُ الْكَافِرِينَ﴾ نافرمانوں کو گمراہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جبراً تو کسی کو ہدایت دیتا ہے اور نہ کسی کو گمراہ کرتا ہے۔

گمراہوں کے لیے "ضیق صدر"

اور جس کو گمراہ کرتا ہے ﴿يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا﴾ کر دیتا ہے اس کے سینے کو تنگ ﴿حَزَنًا﴾ بہت زیادہ تنگ۔ یعنی اس کا سینہ ایمان قبول کرنے سے تنگ ہو جاتا ہے اور اس کو ایمان سے بہت نفرت ہوتی ہے ﴿كَأَنَّمَا يُصِغْدُ فِي النَّارِ﴾ گویا کہ وہ

چڑھتا ہے آسمان پر۔ کوئی آدمی اڑنا چاہے اور اڑ نہ سکے تو وہ کتنا تنگ ہوتا ہے۔ تو ایسے آدمی کا سینہ ایمان قبول کرنے سے اتنا تنگ ہوتا ہے کہ جس طرح کوئی آسمان کی طرف اڑنا چاہے اور اڑ نہ سکے تو جتنا تنگ ہوتا ہے۔ ﴿كَذَلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ الْوَجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ اسی طرح ڈال دیتا ہے اللہ تعالیٰ گندگی ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے ورنہ جبراً کسی کو وہ گمراہ نہیں کرتا۔



﴿وَهَذَا صِرَاطٌ رَبِّكَ﴾ اور یہ راستہ ہے تیرے رب کا ﴿مُسْتَقِيمًا﴾ سیدھا ﴿قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ﴾ تحقیق ہم نے تفصیل کے ساتھ بیان کی ہیں آیتیں ﴿لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ﴾ اس قوم کے لیے جو نصیحت حاصل کرے ﴿لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ﴾ ان کے لیے سلامتی کا گھر ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ ان کے رب کے پاس ﴿وَهُوَ وَلِيُّهُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی ان کا آقا ہے ﴿بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ اس وجہ سے جو کچھ وہ عمل کرتے ہیں ﴿وَيَوْمَ يَخْشَرُهُمْ جَمِيعًا﴾ اور جس دن اکٹھا کرے گا ان سب کو (فرمائے گا) ﴿يَبْعَثُ الْجَنَّةِ﴾ اے جنات کے گروہ ﴿قَدْ اسْتَكْبَرْتُمْ قَبْلَ الْإِنْسِ﴾ تحقیق بہت زیادہ ملا لیے تم نے انسان ﴿وَقَالَ أَوْلِيَؤُهُمْ﴾ اور کہیں گے ان کے ساتھی ﴿قَبْلَ الْإِنْسِ﴾ انسانوں میں سے ﴿رَبَّنَا﴾ اے ہمارے پروردگار! ﴿اسْتَشْرَفْنَا بِبَعْضِ بَعْضٍ﴾ فائدہ اٹھایا ہمارے بعض نے بعض سے ﴿وَبَلَّغْنَا﴾ اور ہم پہنچے ﴿أَجَلَنَا الَّذِي أَجَلْتَنَا﴾ اس میعاد تک جو تو نے ہمارے لیے مقرر فرمائی ﴿قَالَ الْإِنْسَانُ﴾ فرمائے گا اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ تمہارا ٹھکانا ہے ﴿خُلِدِينَ فِيهَا﴾ ہمیشہ اس میں رہا کریں گے ﴿إِلَّا مَا سَأَلَ اللَّهُ﴾ مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے ﴿إِنَّ رَبَّكَ﴾ بے شک تیرا رب ﴿حَكِيمٌ عَلِيمٌ﴾ حکمت والا، جاننے والا ہے ﴿وَكَذَلِكَ نُؤَيِّدُكَ﴾ اور اسی طرح ہم دوست بناتے ہیں ﴿بَعْضُ الظَّالِمِينَ بَعْضًا﴾ بعض ظالموں کو بعض کا ﴿بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ اس وجہ سے کہ جو کچھ وہ کماتے ہیں۔

ما قبل سے ربط

اس سے قبل اللہ تعالیٰ نے ضابطہ بیان فرمایا کہ جس چیز پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا جائے اس کو کھاؤ اور جس چیز پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ ذکر کیا جائے اس کو نہ کھاؤ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں کے ان حربوں کا ذکر فرمایا جن کے ذریعے وہ اسلام کو مٹانا چاہتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت دینے کا ارادہ فرماتے ہیں اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتے ہیں اور جس کو گمراہ کرنے کا ارادہ کرتے ہیں اس کا سینہ تنگ کر دیتے ہیں۔

صراطِ مستقیم کون سا ہے؟

اب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَهَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ﴾ اور یہ راستہ ہے تیرے رب کا سیدھا جو اس نے قرآن پاک میں بیان فرمایا ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا ﴿فَاتَّبِعُونَا﴾ پس اس کی پیروی کرو ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ﴾ [الانعام: ۱۵۳] اور نہ چلو دوسرے راستوں پر وہ تمہیں بہکا دیں گے۔ جو راستہ قرآن کریم بیان کرتا ہے وہ سیدھا ہے جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی ہے اور خلفاء راشدین جس راستے پر چلے ہیں اور سلف صالحین نے اپنایا ہے وہ صراطِ مستقیم ہے۔

نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے انعامات

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿كَذَلِكَ نَقُودُ الْأَبْرَارِ لِقَوْلِهِمْ كَرِهْنَا﴾ تحقیق ہم نے تفصیل کے ساتھ بیان کی ہیں آیتیں اس قوم کے لیے جو نصیحت حاصل کرے اور نصیحت وہی حاصل کرتے ہیں جو رب تعالیٰ سے ڈرتے ہیں ان کے لیے ہوگا کیا؟ فرمایا ﴿لَهُمْ كَانُوا اسْلَمُوا عِنْدَنَا لَهُمْ﴾ ان کے لیے سلامتی کا گھرانہ کے رب کے پاس ﴿وَهُوَ وَلِيُّهُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی ان کا آقا ہے۔

جنتیوں کے انعامات، پہلا انعام

جنت کا ایک نام دارالسلام بھی ہے۔ اس لیے کہ جنتی جب جنت کے دروازے پر پہنچیں گے تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے کہیں گے ﴿سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بئسْتُمْ فَأَدْخَلُوا مَا خَلَدُوا﴾ [الزمر: ۷۳؛ پارہ: ۲۳] تم پر سلام تم بہت اچھے رہے اب اس میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ اور خوشیاں مناؤ۔

دوسرا انعام

پھر جب جنت میں داخل ہو جائیں گے تو حوریں اور غلمان جو موتیوں جیسے ہوں گے وہ ان کو سلام کہیں گے جنتی جب آپس میں ملیں گے ﴿تَحِيَّاتُكُمْ فِيهَا سَلَامٌ﴾ تو ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔

تیسرا انعام

پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ﴿سَلَامٌ﴾ قولاً یعنی شہنشاہی اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے جنتیو! تم پر سلامتی ہو۔ اور معنوی اعتبار سے بھی سلامتی ہوگی کہ جنت میں کوئی بھوکا نہیں مرے گا، کسی کو پیاس نہیں لگے گی، ذہنی، جسمانی تکلیف کسی کو نہیں ہوگی۔ نہ چوری کا خطرہ، نہ ڈاکوؤں کا ڈر، نہ غنڈوں کا خوف، نہ عزت کا خطرہ، نہ جان کا خطرہ، امن ہی امن اور سلامتی ہی سلامتی ہوگی۔ ﴿بئساکانوا يعسكرون﴾ اس وجہ سے جو کچھ وہ عمل کرتے تھے نیک اعمال کا بدلہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت کی شکل میں دے گا۔

قیامت کا عجیب خوفناک منظر؟

﴿وَيَوْمَ يُخْشَرُهُمْ بَيْبِعًا﴾ اور جس دن اکٹھا کرے گا ان سب کو میدانِ محشر میں۔ انسان، جنات اور دیگر تمام مخلوق اکٹھی ہوگی۔ عجیب سماں ہوگا۔ آج دنیا میں میلہ یا جلسہ ہو یا اور کوئی خاص بات ہو تو لوگ اکٹھے ہوتے ہیں تو بندہ حیران ہو جاتا ہے کہ یہ اتنی مخلوق کہاں سے آگئی ہے؟ تو اندازہ لگاؤ کہ اس وقت کیا حال ہوگا جب آدم علیہ السلام سے لے کر آخری انسان تک سب جمع ہوں گے اور سارے جنات جمع ہوں گے۔ یہاں تو جنات ہمیں نظر نہیں آتے مگر وہاں نظر آئیں گے۔ یہاں فرشتے بھی نظر نہیں آتے میدانِ محشر میں فرشتے بھی نظر آئیں گے۔ وہاں کا ماحول ہی جدا اور الگ ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو جمع کر کے پوچھے گا ﴿لِيُعَذِّبَ الَّذِينَ﴾ اے جنات کے گروہ ﴿تَدَّاسْتُمْ تَمُنُّونَ﴾ تحقیق بہت زیادہ ملا لیے تم نے انسان۔

”طائف“ مسکن جنات؟

بہت سارے ایسے مقامات ہیں جہاں جنات کثرت سے آباد ہیں اور وہاں سے گزرنے والے انسانوں کو چھیڑتے بھی ہیں۔ ایسے ہی طائف کے علاقے میں ایک مقام تھا جس کا نام تھا ”جع“۔ بڑے وسیع جنگلات، پہاڑ اور چشمے تھے۔ غیر آباد علاقہ تھا۔ جنات وہاں رہائش پذیر تھے۔ اس کے درمیان سے ایک راستہ گزرتا تھا۔ لوگ جب طائف جاتے تھے تو اس راستے سے جاتے تھے۔ وہاں سے جب گزرتے تو جنات چھیڑتے تھے۔

جنات کا انسانوں کو تنگ کرنا؟

چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک آدمی وہاں سے گزر رہا تھا کہ ایک جن نے پیچھے سے اس کا پٹا پکڑ کر کھینچا۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو کوئی شے نہیں۔ پل پڑا۔ تھوڑا سا آگے گیا تو جن نے پھر پٹا پکڑ کر کھینچا۔ مڑ کر دیکھا تو کوئی نہیں۔ اب وہ ڈر گیا اور اتنی بات اس نے پہلے سن رکھی تھی کہ یہاں جنات رہتے ہیں۔

انسان کی جنات سے عاجزی اور جنات کی سرکشی؟

کہنے لگا خدا کے لیے مجھے کچھ نہ کہو میں تیری پناہ میں آتا ہوں اور یہ ستو اور کھجوریں اور گھی تیرے لیے چھوڑ دیتا ہوں۔ جنات نے سمجھا کہ بڑا ستا سودا ہے کہ تھوڑا سا چھیڑنے سے مال بھی چھوڑ جاتے ہیں اور معافیاں بھی مانگتے ہیں تو وہ اور زیادہ سر چڑھ گئے۔ سورۃ الجن میں ہے ﴿كَانَ يَهْجُرُهُمْ فِي الْحَيَاةِ مِنَ الْإِنْسَانِ لِيَذُوهُمْ مَهْلِكًا﴾ ”انسانوں میں سے کچھ لوگ جنات سے پناہ لیتے ہیں اس سے ان کی سرکشی اور بڑھ گئی۔“ جنات نے سمجھا کہ ہم بھی کچھ ہیں۔ تو اس طرح وہ انسانوں کو اپنے ساتھ ملا لیتے تھے۔

تو فرمایا قیامت والے دن اللہ تعالیٰ پوچھے گا اے جنات کے گروہ! تم نے بہت زیادہ ملا لیے انسان ﴿وَقَالَ

أَذْلِبُوهُمْ مِنَ الْإِنْسِ ﴿﴾ اور کہیں گے ان کے ساتھی انسانوں میں سے ﴿رَأَيْنَا اسْتَمْتَكُمْ بَعْضًا بِبَعْضٍ﴾ اے ہمارے پروردگار! فائدہ اٹھایا ہمارے بعض نے بعض سے۔ مثلاً: ہم نے ان سے یہ فائدہ اٹھایا کہ ان کی چھیڑ خانی سے محفوظ ہو گئے اور انہوں نے ہم سے یہ فائدہ اٹھایا کہ ان کو خوراک مل گئی۔ یہ دنیا کا معاملہ تھا جو ہم کرتے رہے۔

دوزخیوں کو سردی کا عذاب بھی دیا جاتا ہے ﴿﴾

﴿وَبَلَّغْنَا آجَلَنَا الَّذِي أَجَّلْتُمْ لَنَا﴾ اور ہم پہنچے اس میعاد تک جو تو نے ہمارے لیے مقرر فرمایا یعنی موت تک ہم ایک دوسرے سے فائدہ اٹھاتے رہے ﴿قَالَ الْكَاذِبُونَ كُنْتُمْ﴾ فرمائے گا اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ تمہارا ٹھکانا ہے ﴿خُلِدُوا فِيهَا﴾ ہمیشہ اس میں رہا کریں گے ﴿إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ﴾ مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے کہ تمہیں آگ کے خانے سے نکال کر زمہریر سرد خانے کے طبقے میں ڈال دے یعنی کبھی گرمی کی سزا اور کبھی سردی کی سزا۔

طہرین کا اعتراض ﴿﴾

بعض طہروں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ انسان چونکہ خاکی ہے اس کو آگ کی سزا دینا تو سمجھ آتی ہے اور جنات تو ناری ہیں ان کی پیدائش آگ سے ہوئی ہے ان کو آگ کی سزا سمجھ میں نہیں آتی کہ ان کو آگ سے کیا تکلیف ہوگی؟

جواب ﴿﴾

اس کے جواب میں محققین فرماتے ہیں کہ دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے اہتر گنا تیز ہے لہذا دنیا کی آگ سے پیدا ہونے والے کو اس آگ میں سزا ہو تو یہ عقل کے خلاف نہیں ہے۔

طبقاتِ جہنم ﴿﴾

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جہنم کے بعض طبقوں نے اللہ تعالیٰ سے شکایت کی اے پروردگار! اَكْلُ بَعْضِي بَعْضًا کہ میرا یہ طبقہ مجھے کھا رہا ہے یعنی جہنم کے طبقوں میں اتنا فرق ہے کہ ایک طبقے نے شکایت کی کہ یہ دوسرا طبقہ میرے اوپر غالب ہے۔ مجھے اس سے تکلیف ہے۔ بخاری شریف اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو اجازت دی کہ ایک سانس نکال لے دوزخ نے سانس نکالا فرمایا کہ یہ جو سخت گرمی ہے یہ اس سانس کا اثر ہے جہنم میں ایک طبقہ زمہریر کا ہے۔ اس کو بھی سانس نکالنے کی اجازت دی گئی۔ فرمایا یہ جو سخت سردی ہے یہ اس کے سانس کا اثر ہے۔ یہ تو اس کے سانس کا اثر ہے خود دوزخ کا کیا حال ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بچائے اور محفوظ فرمائے۔

سانس دان اور قیامت کی نشانیاں ﴿﴾

سانس دان کہتے ہیں کہ پانچ سو سال بعد یہ صدی سخت گرم رہی ہے۔ سانس دان جتنا سمارتے پھر یہ اصل بات یہ

ہے کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے موسموں کا بدلنا کہ گرمیوں میں سردی اور سردیوں میں گرمی اور ہماری بد اعمالیوں کا بھی اثر ہے۔ جوں، جوں ہمارے گناہ بڑھتے جائیں گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ سخت ہوتی جائے گی۔ تو بات یہ بیان کر رہا تھا کہ جنات اگر چہ ناری ہیں پھر بھی ان کو دوزخ میں سزا ہوگی۔

ناری مخلوق بھی جہنم میں چلے گی؟

مشہور قصہ ہے کہ ایسے ہی کسی ملحد نے ایک سادے مسلمان کو کہا کہ تمہارا قرآن کہتا ہے کہ جنات دوزخ میں چلیں گے وہ تو آگ سے پیدا ہوئے ہیں ان کو آگ کیا تکلیف دے گی؟ اس مسلمان نے ایک ڈھیلا اٹھا کر اس کے سر میں دے مارا اس کا خون نکل آیا۔ درد کے ساتھ اس نے کہا کہ تو نے یہ کیا حرکت کی ہے؟ اس نے کہا کہ تم بھی خاکی اور ڈھیلا بھی خاکی۔ تو خاک کو خاک سے کیا تکلیف ہوتی ہے؟ سمجھانے کا اپنا اپنا انداز ہے۔ ﴿إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ﴾ بے شک تیرا رب حکمت والا جاننے والا ہے۔

ظالم کو ظالم کا دوست بنانے کا مطلب؟

﴿وَكَذَلِكَ نُؤَيِّنُ الظَّالِمِينَ بَعْضًا لِّبَعْضٍ﴾ اور اسی طرح ہم دوست بناتے ہیں بعض ظالموں کو بعض کا۔ ظالم ایک دوسرے کے دوست ہیں غلط کاریوں میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ یہ دوست کیوں بنایا ﴿بِنَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ اس وجہ سے کہ جو کچھ وہ کماتے ہیں۔ یعنی ان کی کمائیاں آپس میں ملتی جلتی ہیں۔ الْجِنْسُ يَمِيلُ إِلَى الْجِنْسِ جنس، جنس کو پیاری ہوتی ہے۔ ایک دوسرے سے ان کی دوستیاں اور محبتیں ہیں۔

﴿يُعْتَصِرُ الْجِنَّ وَالِإِنْسَ﴾ اے جنوں اور انسانوں کے گروہ ﴿الْمَ يَا تَكُمُ﴾ کیا نہیں آئے تمہارے پاس ﴿رُسُلٌ مِّنكُمْ﴾ رسول تم میں سے ﴿يَقْضُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي﴾ جو بیان کرتے رہے تم پر میری آیتیں ﴿وَيُنذِرُونَكُمْ﴾ اور تمہیں ڈراتے رہے ﴿لِقَاءِ يَوْمِكُمْ هَذَا﴾ تمہارے اس دن کی ملاقات سے ﴿قَالُوا﴾ وہ کہیں گے ﴿شَهِدْنَا عَلَى أَنْفُسِنَا﴾ ہم گواہی دیتے ہیں اپنی جانوں کے خلاف ﴿وَعَدَّ نَفْسُهُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا﴾ اور دھوکہ دیا ان کو دنیا کی زندگی نے ﴿وَشَهِدُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ﴾ اور وہ گواہی دیں گے اپنے نفسوں کے خلاف ﴿أَنْتُمْ كَانُوا كَافِرِينَ﴾ کہ بے شک وہ کافر تھے ﴿ذَلِكَ أَنْ لَّمْ يَكُنْ رَبُّكَ﴾ یہ اس لیے نہیں ہے کہ تیرا رب ﴿مُهْلِكُ الْقُرَى﴾ ہلاک کرنے والا بستیوں کو ﴿ظَالِمٌ﴾ ظلم کے ساتھ ﴿وَأَهْلُهَا غَافِلُونَ﴾ اور وہاں کے رہنے والے غافل ہوں ﴿وَلِكُلِّ دَرَجَاتٍ﴾ اور ہر ایک کے لیے درجے ہیں ﴿وَمَا تَعْمَلُوا﴾ اس سے جو انہوں نے عمل کیے ﴿وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ﴾ اور نہیں ہے تیرا رب

عافل ﴿عَمَّا يَعْمَلُونَ﴾ ان کاموں سے جو وہ کرتے ہیں ﴿وَسَبَّكَ الْعَنقَبُ﴾ اور تیرا بے پروا ہے ﴿ذُو الْوَحْمَةِ﴾ اور رحمت والا ہے ﴿إِنْ يَشَاءُ يُدْبِرْكُمْ﴾ اگر وہ چاہے تو تمہیں فنا کر دے ﴿وَيَسْتَخْلِفُ مِنْ بَعْدِكُمْ﴾ اور جانشین بنا دے تمہارے بعد ﴿فَمَا يَشَاءُ﴾ جس کو وہ چاہے ﴿كَمَا أَنْشَأَكُمْ﴾ جیسا کہ اس نے پیدا کیا ہے تمہیں ﴿قَوْمِ ذَرْبًا يَكْفُرُوا بِالْآخِرِينَ﴾ دوسری قوم کی اولاد سے ﴿إِنْ مَا تَوْعَدُونَ لَأْتِي﴾ بے شک وہ چیز جس کا وعدہ تمہارے ساتھ کیا جا رہا ہے البتہ وہ آنے والی ہے ﴿وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ﴾ اور نہیں ہو تم عاجز کرنے والے ﴿قُلْ﴾ آپ (سلی علیہم السلام) کہہ دیں ﴿يَقَوْمِ﴾ اے میری قوم! ﴿اعْمَلُوا عَلٰ مَكَاتِبِكُمْ﴾ عمل کرو تم اپنے طریقہ پر ﴿إِنِّي عَابِلٌ﴾ بے شک میں بھی عمل کرنے والا ہوں ﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ﴾ پس عنقریب تم جان لو گے ﴿مَنْ﴾ اس کو ﴿تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ﴾ جس کے لیے آخرت کا گھر ہے ﴿إِنَّهُ﴾ بے شک شان یہ ہے ﴿لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ﴾ فلاح نہیں پاتے ظالم کرنے والے۔

ما قبل سے ربط ہے

اس سے پہلے سبق میں تم نے پڑھا کہ جس دن اللہ تعالیٰ سب کو جمع کر کے جنات سے پوچھیں گے کہ تم نے بہت سے انسانوں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور اس بات کو جنات بھی تسلیم کریں گے اور انسان بھی تسلیم کریں گے کہ واقعی ایسا ہوا۔

انس و جن کے متعلق انبیاء و رسل علیہم السلام کا استفسار ہے

اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ انسانوں اور جنوں کو خطاب کر کے فرماتے ہیں: ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ﴾ اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! ﴿الَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ﴾ کیا نہیں آئے تمہارے پاس رسول تم میں سے ﴿يَقُصُّونَ عَلَيْكُمُ الْاٰيٰتِ﴾ جو بیان کرتے رہے تم پر میری آیتیں ﴿وَيُنذِرُوْنَكُمْ لِقَآءِ يَوْمِكُمْ هٰذَا﴾ اور تمہیں ڈراتے رہے تمہارے اس دن کی ملاقات سے۔

نظریہ اہل حق برائے انبیاء و رسل علیہم السلام ہے

اہل حق کا نظریہ اور مسلک یہ ہے کہ پیغمبر جتنے بھی تشریف لائے ہیں وہ سب کے سب انسان تھے کوئی جن پیغمبر نہیں ہوا کیونکہ نبوت کا مقام بہت بلند ہے اور اس کے لیے جس قدر قابلیت اور استعداد کی ضرورت ہے وہ جنات میں نہیں ہے۔ ہاں! جنات شریعت کے پابند اور مکلف ضرور ہیں ان کے لیے ایمان ہے، نمازیں ہیں، روزے ہیں، حج اور زکوٰۃ ہے۔ یعنی جو احکام انسانوں کے لیے ہیں وہ جنات کے لیے بھی ہیں لیکن براہ راست ان کی طرف کوئی پیغمبر نہیں آیا جس زمانے میں انسانوں میں سے پیغمبر آتا اس زمانے کے جنات اس کی نبوت کے تابع ہوتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کی بعثت تمام انسانوں اور تمام جنوں کے لیے ہے۔ باقی انبیاء کرام علیہم السلام قومی اور علاقائی پیغمبر ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے میری قوم! اے میری قوم! اور اس علاقے کے جو جنات ہوتے تھے وہ اس نبی کے تابع ہوتے تھے۔ اور آپ ﷺ کی خصوصیت ہے کہ آپ نے فرمایا ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَأْسُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جِيئْتُكُمْ﴾ [الاعراف: ۱۵۸؛ پارہ: ۹] ”اے انسانو! میں تم سب کی طرف خدا کا بھیجا ہوا ہوں۔“ اور فرمایا بُعِثْتُ إِلَى الْأَسْوَدِ وَالْأَحْمَرِ وَإِلَى الْحَبَشِ وَالْإِنْسِ ”میں بھیجا گیا ہوں سرخ اور کالے کی طرف اور تمام انسانوں اور جنوں کی طرف۔“ جس دن سے آپ ﷺ کو نبوت ملی ہے اس دن سے لے کر اسرائیل علیہ السلام کے بگل پھونکنے تک مشرق سے لے کر مغرب تک اور شمال سے لے کر جنوب تک تمام انسان اور تمام جنات آپ کی شریعت کے پابند اور مکلف ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ قیامت والے دن جنوں اور انسانوں سے پوچھیں گے کہ تمہارے پاس میرے پیغمبر نہیں آئے تھے اور انہوں نے میری آیتیں تمہیں نہیں سنائی تھیں؟ اور اس دن سے تمہیں نہیں ڈرایا تھا؟

اپنے نفسوں کے خلاف انس و جن کا جواب

﴿قَالُوا﴾ انسان اور جنات کہیں گے ﴿شَهِدْنَا عَلَىٰ أَنْفُسِنَا﴾ ہم گواہی دیتے ہیں اپنی جانوں کے خلاف کہ واقعی ہمارے پاس پیغمبر آئے انہوں نے ہمیں سمجھایا، تبلیغ کی مگر ہم نے ان کی باتوں پر دھیان نہ دیا۔ نہ ماننے کی وجہ ﴿وَدَعَوْتَهُمُ الْخَلْقُ مِنَ الدُّنْيَا﴾ اور دھوکہ دیا ان کو دنیا کی زندگی نے دنیا کی محبت کی وجہ سے انہوں نے آخرت سے غافل دنیا داروں کے ساتھ تعلقات قائم کیے جس کی وجہ سے انہوں نے آخرت بگاڑ لی۔

انسان اپنے دوست کے دین پر

حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر کسی آدمی کی نیکی اور بدی معلوم کرنی ہو کہ یہ نیک ہے یا برا ہے فَلْيَنْظُرْ مَنْ يُخَالِلُ تُو دیکھو کہ وہ کیسے آدمیوں میں اٹھتا بیٹھتا ہے، سوسائٹی پر نگاہ ڈالو فَإِنَّ النُّورَ عَلَىٰ دِينِ خَلِيلِهِ کیونکہ آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔ جو اس کے ساتھیوں کا نظریہ ہوگا وہ اس کا ہوگا۔ اور یاد رکھنا! نیکی کا اثر آہستہ آہستہ ہوتا ہے اور بدی کا اثر بہت تیزی سے ہوتا ہے۔ سمجھ دار لوگ کہتے ہیں کہ نیکی کی رفتار چوٹی کی طرح ہے اور بدی کی رفتار گھوڑے کی طرح ہے۔ ظاہر ہے کہ دونوں کی رفتار برابر نہیں ہو سکتی۔ ﴿وَشَهِدْنَا عَلَىٰ أَنْفُسِنَا﴾ اور وہ گواہی دیں گے اپنے نفسوں کے خلاف ﴿أَنْهُمْ كَانُوا الْكٰفِرِينَ﴾ کہ بے شک وہ کافر تھے۔

فَاللِّينَ كُوْهُلَاكُ كَرِنَا سَلْتِ اللّٰهُنَّ

﴿ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رُبُّكَ﴾ یہ پیغمبر کیوں بھیجے گئے؟ اس لیے بھیجے گئے نہیں ہے تیرا رب ﴿مُتَمَلِّكِ الْقٰرِي﴾ ہلاک

کرنے والا بستیوں کو ﴿ظلم﴾ ظلم کے ساتھ ﴿وَأَهْلَاهُمْ غُلُونَ﴾ اور وہاں کے رہنے والے غافل ہوں جب تک اللہ تعالیٰ پیغمبر بھیج کر ان کو اپنی خوشی اور ناراضگی سے آگاہ نہ کرے اور پندرہویں پارے میں ہے ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا﴾ اور ہم کسی کو سزا نہیں دیتے جب تک پیغمبر نہ بھیجیں اور اتمام حجت نہ ہو جائے۔ ﴿لَيْسَ لَكَ يَكُونُ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الذُّمِّ﴾ [النساء: ۱۶۵] تاکہ پیغمبروں کے تشریف لانے کے بعد لوگ بہانہ نہ بنا سکیں کہ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ کون سا کام جائز ہے اور کون سا ناجائز ہے؟ حلال کیا ہے اور حرام کیا ہے؟ ہم تو بے خبری میں مارے گئے یہ نہ کہہ سکیں۔

نبی اسی قوم میں سے اللہ پاک بھیجتے تھے ﴿

پھر کسی حکمت خداوندی ہے فرمایا ﴿وَمَا آتَيْنَا مِنْ نَبِيٍِّّ إِلَّا لِيُبَلِّغَ الْوَعْدَ﴾ [ابراہیم: ۳؛ پارہ: ۱۳] ”نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس کی قوم کی زبان میں۔“ تاکہ یہ نہ کہہ سکیں کہ پیغمبروں کی بولی (زبان) اور تھی اور ہماری اور تھی ہم ان کی بات ہی نہیں سمجھ سکے۔ اللہ تعالیٰ نے حجت پوری کی اور ان کی قومی زبان میں پیغمبر بھیجا اور پیغمبروں نے تبلیغ میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور عرصہ دداز تک تبلیغ کرتے رہے۔

پیغمبروں کی تبلیغ کا زمانہ/عرصہ ﴿

حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال تک تبلیغ کی۔ بعضوں نے سو، سو سال تک تبلیغ کی۔ اور ایسے پیغمبر بھی گزرے ہیں کہ انہوں نے پچاس، پچاس سال، ساٹھ، ساٹھ سال تبلیغ کی مگر ایک آدمی بھی ایمان نہ لایا۔ اس میں پیغمبر کا کوئی قصور نہیں ہے انہوں نے تو حق بیان کیا اور حجت پوری کی اگر کوئی ایمان نہیں لایا تو وہ اس کا قصور ہے۔

درجات بمطابق اعمال ﴿

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ اور ہر ایک کے لیے درجے ہیں اس سے جو انہوں نے عمل کیا۔ نیکیوں کو نیکی کے مطابق اور بدوں کو بدی کے مطابق درجے ملیں گے ﴿وَمَا تَرْكِبُكَ بِغَاوِلٍ عَمَّا يُتَمَلَّوْنَ﴾ اور نہیں ہے تیرا ب غافل ان کاموں سے جو وہ کرتے ہیں۔

بروز قیامت کردہ خیر و شر انسان دیکھ لے گا ﴿

نیکی بدی سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ ذرے کے برابر بھی نیکی بدی ہوگی تو میدان محشر میں سامنے آئے گی ﴿فَتَنَّا يُعْمَلُ مِنْ شِقَالٍ ذُرًّا وَجُزْءِ آيَاتٍ﴾ ”پس جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا ﴿وَمَنْ يُعْمَلْ مِنْ شِقَالٍ ذُرًّا وَجُزْءِ آيَاتٍ﴾ اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔“ اس کا باقاعدہ ریکارڈ تیار ہو رہا ہے وہ قیامت والے دن سامنے پیش کیا جائے گا۔ جب اپنا اعمال نامہ پڑھے گا تو کہے گا ﴿عَالِمٌ هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صُوْرَةَ ذُرَّةٍ وَلَا كَبُوْرَةَ إِذْ أَحْطَاهَا﴾ [الکہف: ۳۹؛ پارہ: ۱۵] ”یہ

کیسی کتاب ہے نہ چھوٹی بات کو چھوڑتی ہے نہ بڑی بات کو گمرا سے لکھ رکھا ہے۔ ”آنکھ اور ہاتھ کے اشارے درج ہوں گے۔

خیر و شر کا فائدہ و نقصان انسان ہی کو ہوگا ﴿﴾

اے مخاطب! ﴿ذُرِّبَكَ الْغَفَى﴾ اور تیرا رب بے پرواہ ہے وہ نہ تیرے ایمان کا محتاج ہے اور نہ نیکی کا۔ ایمان اور نیکیوں کا تجھے فائدہ ہے تیرے کام آئیں گے کسی کے ایمان لانے سے اس کی شان میں زیادتی نہیں ہوتی اور نہ لانے سے کمی نہیں ہوتی۔

رب نہایت مہربان بے پروا ہے ﴿﴾

﴿ذُو الْرَحْمَةِ﴾ رحمت والا ہے۔ اور اے مخلوق یہ بھی سن لو ﴿إِنْ يَشَاءُ يُخَذِّبْكُمْ﴾ اگر وہ چاہے تو تمہیں فنا کر دے، ان واحد میں ﴿وَيَسْخِطُ مَنْ يَشَاءُ﴾ اور جانشین بنادے تمہارے بعد ﴿فَمَا يَشَاءُ﴾ جس کو وہ چاہے ﴿كَمَا أَنْشَأَكُمْ مِنْ ذُرِّيَّتِهِ قَوْمًا آخَرِينَ﴾ جیسا کہ اس نے پیدا کیا ہے تمہیں دوسری قوم کی اولاد سے۔ پہلے یہاں تمہارے بڑے آباد تھے وہ دنیا سے چلے گئے ان کی جگہ تم آگئے ہو رب اس بات پر قادر ہے کہ تمہیں ان واحد میں فنا کر کے دوسروں کو لا کر آباد کر دے۔ اس کے لیے کیا مشکل ہے؟

جاپان کا زلزلہ اور حکومت کے تاثرات ﴿﴾

آج سے چند سال قبل جاپان میں ایک زلزلہ آیا تھا صرف سترہ سیکنڈ کا۔ اس سے اتنی تباہی ہوئی تھی کہ جاپانیوں نے کہا تھا کہ اس سترہ سیکنڈ کے زلزلہ سے اتنا نقصان ہوا ہے کہ حکومت جاپان اس کو پچاس سال میں بھی پورا نہیں کر سکتی۔ اگر مکمل ایک منٹ کا ہوتا تو کیا حشر ہوتا۔ رب، رب ہے۔ اس جیسا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ فرمایا یاد رکھو! ﴿إِنَّ مَائِدَةً عَدُوْنَ لَاتٍ﴾ بے شک وہ چیز جس کا وعدہ تمہارے ساتھ کیا جا رہا ہے البتہ وہ آنے والی ہے۔ قیامت بھی ضرور آئے گی اور رب تعالیٰ کی نافرمانی کے بعد عذاب بھی ضرور آئے گا ﴿وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ﴾ اور نہیں ہو تم عاجز کرنے والے کہ رب تعالیٰ کے فیصلوں کو ٹال کر اپنے فیصلے نافذ کرو۔ ﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿يَقُولُوا﴾ اے میری قوم! ﴿اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ﴾ عمل کرو تم اپنے طریقہ پر ﴿إِنِّي عَاوِلٌ﴾ بے شک میں بھی عمل کرنے والا ہوں ﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ﴾ پس عنقریب تم جان لو گے ﴿مَنْ﴾ اس کو ﴿تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ﴾ جس کے لیے آخرت کا گھر ہے۔

قابل تفہیم مسئلہ ﴿﴾

یہاں یہ مسئلہ سمجھ لیں کہ ﴿اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ﴾ عمل کرو تم اپنے طریقے پر۔ اس میں کفر کرنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ تہدید ہے، ناراضگی کا اظہار ہے۔ کیونکہ آگے جملہ ہے کہ عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اچھا انجام کس کا ہے؟

پیغمبروں کی تعلیمی سلسلے میں کامیابی؟

پیغمبروں کی تعلیم میں تشدد نہیں تھا اسی لیے تمام پیغمبر تعلیمی سلسلے میں کامیاب ہو گئے یہ الگ بات ہے کہ ظالموں نے ان کی نرمی سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے کتنے پیغمبروں کو شہید کر دیا، فرمایا یاد رکھو! ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُغْلِبُ الظَّالِمِينَ﴾ بے شک شان یہ ہے کہ جو ظالم مشرک ہیں وہ فلاح نہیں پاسکتے ان کو دنیا میں بھی ضرور سزا ملے گی اور آخرت میں بھی۔



﴿وَجَعَلُوا اللَّهَ﴾ اور بنایا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے ﴿وَمَا﴾ اس چیز سے ﴿ذَمًّا مِنَ الْحَرِثِ﴾ جو اس نے پیدا کی ہے کھیتی ﴿وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا﴾ اور مویشی میں حصہ ﴿فَقَالُوا هَذَا لِلَّهِ﴾ پس انہوں نے کہا یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ﴿بِرِغْمِهِمْ﴾ اپنے خیال کے مطابق ﴿وَهَذَا لِلشَّرِّ كَانِ﴾ اور یہ ہمارے شریکوں کے لیے ہے ﴿فَمَا كَانَ لِلشَّرِّ كَانِ﴾ پس وہ حصہ جو ان کے شریکوں کا ہوتا تھا ﴿فَلَا يَصِلُ إِلَى اللَّهِ﴾ پس وہ نہیں پہنچتا اللہ تعالیٰ کی طرف ﴿وَمَا كَانَ لِلَّهِ﴾ اور وہ حصہ جو اللہ تعالیٰ کا ہوتا تھا ﴿فَهُوَ يَصِلُ إِلَى شَرِّ كَانِ﴾ پس وہ پہنچتا ان کے شریکوں کی طرف ﴿سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ﴾ برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں ﴿وَكَذَلِكَ زَيَّنَ﴾ اور اسی طرح مزین کیا ﴿لِيُكْفِرَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ بہت سے مشرکوں کے لیے ﴿قَتَلَ أَوْلَادَهُمْ﴾ ان کی اولاد کا قتل کرنا ﴿شُرَّكَاءَهُمْ﴾ ان کے شریکوں نے ﴿لِيُكْفِرُوا مِنْهُمْ﴾ تاکہ ان کو ہلاک کر دیں ﴿وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ﴾ اور تاکہ غلط ملط کر دیں ان پر ان کا دین ﴿وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا ﴿مَا فَعَلُوا﴾ تو نہ کرتے وہ لوگ یہ کام ﴿فَدَنَّهُمْ﴾ پس ان کو چھوڑ دے ﴿وَمَا يَفْتَرُونَ﴾ اور اس کو جو وہ افتراء باندھتے ہیں۔

لوگوں کی عجیب غلط فہمی؟

پہلے بھی بہت سے لوگ اس غلط فہمی کا شکار تھے اور اب بھی نہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ کافر اور مشرک حضرات اللہ تعالیٰ کے وجود کے منکر ہیں۔ حالانکہ ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ پہلے کافر اور مشرک بھی رب تعالیٰ کے وجود کے قائل تھے اور موجودہ بھی قائل ہیں۔

”دہریہ“ فرقہ اللہ تعالیٰ کے وجود کا منکر؟

صرف ایک دہریہ فرقہ تھا اور اب بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کے وجود کا منکر ہے وہ کہتا ہے کہ رب تعالیٰ کوئی شے نہیں ہے یہ نظام دنیا خود بہ خود چل رہا ہے، معاذ اللہ تعالیٰ۔ مگر ان کی تعداد دوسرے کافروں کی نسبت بہت کم ہے ان کے علاوہ سب کافر مشرک

ایک حصہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے مقرر کیا ہوا تھا۔ مثلاً:

دسواں حصہ کہ جو فصل پیدا ہوتی اس کا دسواں حصہ اللہ تعالیٰ کے نام کا نکالتے اسی طرح جو جانور تھے بھیڑ، بکریاں اونٹ، گائے یا بیل وغیرہ اللہ تعالیٰ کے نام کا نکالتے۔ ﴿فَقَالُوا هَذَا إِلَهُكُمْ﴾ پس انہوں نے کہا یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ﴿يَذُوقُونَهُمْ﴾ اپنے خیال کے مطابق ﴿وَهَذَا الْبَشَرُ كَمَا بَدَأْنَا﴾ اور یہ ہمارے شریکوں کے لیے ہے۔ یعنی ایک حصہ شریکوں کے لیے مقرر کیا ہوا تھا۔ مثلاً: دسواں حصہ اللہ تعالیٰ کا اور گیارہواں شریکوں کا، لات، منات، عزی کا، ہبل کا۔ اب دیکھو! ظاہری طور پر رب تعالیٰ کی کتنی قدر کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ کا حصہ پہلے نکالتے پھر اپنے دوسرے معبودوں کا نکالتے رب تعالیٰ کی کتنی قدر ہے۔

مشرکین کا رب العزت کو غنی سمجھنا؟

پھر کیا کرتے ﴿فَمَا كَانَ لَشُرِّكَائِهِمْ﴾ پس وہ حصہ جو ان کے شریکوں کا ہوتا تھا ﴿فَلَا يَصِلُ إِلَى اللَّهِ﴾ پس وہ نہیں پہنچتا اللہ تعالیٰ کی طرف۔ مطلب یہ ہے کہ فصل وغیرہ سے جب اللہ تعالیٰ اور شریکوں کا حصہ نکالتے تو ایک ڈھیری اللہ تعالیٰ کی ہوتی اور دوسری ڈھیری شریکوں کے لیے۔ اگر ان کی شریکوں والی ڈھیری سے کچھ دانے اللہ تعالیٰ کی ڈھیری کے ہاتھ مل جاتے تو فوراً الگ کر لیتے کہ رب تعالیٰ تو محتاج نہیں ہے اور یہ محتاج ہیں۔ ﴿وَمَا كَانَ لِلَّهِ﴾ اور وہ حصہ جو اللہ تعالیٰ کا ہوتا تھا ﴿فَهُوَ يَصِلُ إِلَى اللَّهِ﴾ پس وہ پہنچتا ان کے شریکوں کی طرف یعنی رب تعالیٰ کی ڈھیری اور حصہ سے بچے کے کھیلنے یا اور کسی وجہ سے کچھ دانے شریکوں کی ڈھیری میں مل جاتے تو کہتے رہنے دو محتاج ہیں اللہ تعالیٰ تو غنی ہے۔

یہی شرک ہوتا ہے؟

تو دیکھو! ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ کی کتنی قدر کرتے ہیں اس کو رب بھی مانتے ہیں اور اس کا حصہ بھی پہلے نکالتے ہیں اتنا کچھ مانتے سمجھتے ہوئے پھر شرک کرتے ہیں اس کے حصہ دار بناتے ہیں یہی شرک ہے اور شرک کے سینکڑوں نہیں ہوتے کہ جو شرک کرے اس کو سینکڑوں لگ جائیں ﴿سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ﴾ برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔ یہ باتیں بڑی چھوٹی معلوم ہوتی ہیں مگر ہیں بہت بڑی۔ ہائے افسوس! کہ لوگوں نے شرک کی حقیقت کو نہیں سمجھا۔ شرک کو سمجھو اور اس سے بچو یہ بڑی قیمتی چیز ہے۔

رسوم و رواج سے بچنے کی خصوصی تاکید؟

اور بہت سی ایسی رسمیں ہیں جو ہمارے اندر رائج ہیں ہم ان کو رواج سمجھ کر کرتے ہیں حالانکہ وہ شرکیہ ہیں۔ عورتیں آتی ہیں تعویذوں کے لیے۔ نہ سونے دیتی ہیں نہ نماز پڑھنے دیتی ہیں اور لائن لگی ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کو معلوم ہے کہ یہاں مفت میں تعویذ ملتے ہیں اور دوسرے لوگ کھال اتار لیتے ہیں۔ آ کر کہتی ہیں کہ یہ میری بچی ہے یا بچہ ہے گھر بیٹھا تھا کہ فلاں عورت آئی، بیمار ہو گئی یا بیمار ہو گیا۔ یا کہیں گی کہ میری بچی فلاں عورت کے پاس بیٹھی تھی اس کی بیماری اس کو لگ گئی ہے۔ اگر یہ شرک نہیں ہے تو اور

شُرک کس کو کہتے ہیں؟

اسلام بدقالی کا قائل نہیں ہے

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((لَا عَدُوِّي وَلَا ظَلِيْمًا فِي الْإِسْلَامِ)) اسلام اس کا قائل نہیں ہے کہ ایک کی بیماری دوسرے کو لگ جائے ہاں اگر کچے عقیدے کے ہو تو احتیاط کرو اپنی بیماری دوسرے کے ذمہ نہ لگاؤ اور فرمایا کہ وَلَا ظَلِيْمًا فِي الْإِسْلَامِ بدقالی نہیں ہے کہ کو آ کر بولا تو کہا کہ مہمان آرہا ہے۔ اگر فلاں کام ہوا تو یہ ہو جائے گا۔ پھر کاموں کے لیے دن اور سمتیں مقرر کی ہوئی ہیں کہ منگل بدھ کو شمال کی طرف نہ جاؤ۔ پنجابی میں کہتے ہیں:۔

منگل بدھ نہ جاویں پہاڑ
جیتی بازی آویں ہار

منگل اور بدھ والے دن پہاڑ کی جانب سفر نہ کرنا کہ اگر تو جیتا ہوا ہے پھر بھی ہار کے آئے گا، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ یہ سب شرکیہ باتیں ہیں۔

مشرکین عصر حاضر کی ناگفتہ بہ صورت حال ہے

آج کل مسلمانوں کی اکثریت شرک میں مبتلا ہے اور مشرکین مکہ سے آگے بڑھے ہوئے ہیں کہ وہ انتہائی مشکل میں صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے اور یہ انتہائی مشکل میں بھی غیر اللہ کو پکارتے ہیں، قرآن کریم میں آتا ہے ﴿فَإِذَا سَأَلَكَ السَّالِبُونَ السِّلْعَ﴾ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّيْنَ ﴿[العنکبوت: ۶۵؛ پارہ: ۲۱] پس جب وہ سوار ہوتے ہیں کشتیوں میں اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں خالص کرتے ہوئے اسی کی عبادت یعنی کشتیاں جب طوفان میں پھنس جاتیں اور غرق ہونے کا خطرہ ہوتا تو اس وقت وہ نہلات کو پکارتے نہ منات کو نہ عزی اور ہبل کو بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتے اور کہتے کہ إِنَّ إِلَهَنَا اللَّهُ لَا نُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا بے شک تمہارے معبود تمہارے کچھ کام نہیں آئیں گے یہاں وہ ٹانگ نہیں اڑا سکتے یہاں صرف رب ہی کام آئے گا مگر آج کا مشرک ایسے موقع پر کیا کہتا ہے

وگرداب بلا افتاد کشتی
مدد کن یا معین الدین چشتی

بیڑہ غرق ہو رہا ہے مدد کر معین الدین چشتی۔ یا بہاؤ الحق بیڑا اڑھک۔ یہ لوگ تو شرک میں ان سے آگے نکل گئے ہیں بلکہ ان کے کان کاٹ دیئے ہیں۔

ولی کامل حضرت علیؑ جویری رضی اللہ عنہ کا تعارف

حضرت علیؑ جویری رضی اللہ عنہ بڑے اکابر اولیاء میں سے گزرے ہیں جن کو لوگ داتا گنج بخش کہتے ہیں۔ یہ بڑے بلند پائے کے بزرگ تھے۔ ان کی وجہ سے ہمارے باپ دادوں کو دین ایمان نصیب ہوا اور نہ ہمارے بڑے تو کھتری اور سکھ ہوتے تھے۔ ان کی قبر کو اتنی من دودھ سے دھویا جاتا ہے۔

بیگم جنرل اسلم بیگ اور بدعتی ٹولہ

جنرل اسلم بیگ کی بیوی علی گڑھ کی فارغ تھی۔ وہ بے چاری کہہ بیٹھی کہ تم نے ۸۰ من دودھ ضائع کیا ہے یہ یتیم مسکین عورتوں کو دے دیتے ان کے کام آتا قبر کو اس سے کیا فائدہ ہوا؟ آج سے چند سال پہلے یہ بات اخبار میں چھپی تھی۔ اس نے اتنی بات کہی تو بدعتی مولویوں نے اس پر بھڑوں کی طرح حملہ کر دیا۔ کہنے لگے کہ یہ مرتد ہو گئی ہے اس کا نکاح ٹوٹ گیا ہے۔ حالانکہ اس نے صحیح بات کہی تھی قبروں کو دودھ اور عرق گلاب سے دھونا کون سا دین ہے؟ ان بزرگوں نے جو کہا ہے وہ کرو اور جو کہا ہے اس پر عمل کرو۔

”گلدستہ توحید“ کا تعارف

تو یاد رکھنا! شرک بہت بڑا گناہ ہے۔ اس کو اچھی طرح سمجھو میں نے اس موضوع پر مستقل ایک کتاب لکھی ہے ”گلدستہ توحید“ اس کو خود پڑھو بچوں کو پڑھاؤ عورتوں کو پڑھاؤ اور شرک کی حقیقت کو سمجھو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَكَذَلِكَ زَيْنٌ لِّكُفْرِهِمْ مِنَ النَّشْرِ كَيْفًا﴾ اور اسی طرح مزین کیا بہت سے مشرکوں کے لیے۔

مشرکین کا معبود ان باطلہ کے نام پر اپنے بچوں کو ذبح کرنا

﴿قَتَلَ اَوْلَادَهُمْ شُرَكَاءَهُمْ﴾ اپنی اولاد کا قتل کرنا ان کے شریکوں نے۔ مشرکوں نے یہ ذہن بنایا ہوا تھا کہ اگر کسی کے دس بیٹے ہو جائیں تو دسویں کو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کر دو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد اپنے بھائیوں میں دسویں تھے اس قاعدے کے مطابق ان کو جب ذبح کرنے کے لیے لے گئے تو ان کی پھوپھیاں آڑے آگئیں انھوں نے کہا کہ ان کے بدلے اونٹوں کا ندیہ دے دو ہم اپنے بھائی کو ذبح نہیں کرنے دیں گی۔ تو ان کے بدلے میں سوا منٹ ذبح کیے گئے۔ اور ان کا یہ بھی ذہن بنایا گیا تھا کہ بتوں کے نام پر بچوں کو ذبح کرنے کا بڑا فائدہ ہوتا ہے وہ جاہل لوگ اپنے بچوں جیسی عزیز متاع کو معبودان باطلہ کے نام پر ذبح کر دیتے تھے۔ ان کا مقصد یہ ہوتا تھا ﴿لِللّٰهِ ذُوْهُمْ﴾ تاکہ ان کو ہلاک کر دیں نسل برباد کر دیں ﴿وَلِيْلٰہِمْ مَا عَنِہُمْ وَیٰٓہُمْ﴾ اور تاکہ خلط ملط کر دیں ان پر ان کا دین کہ جو چیزیں دین نہیں ہیں ان کو دین میں ملا دیں ﴿وَلَوْ شِئَا اللّٰهُ مَا لَمَلٰوْا﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو نہ کرتے وہ لوگ یہ کام جبراً اللہ تعالیٰ روکنا چاہے تو وہ نہیں کر سکتے تھے۔

اور یہ بات میں کئی مرتبہ بیان کر چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کسی پر جبر نہیں کرتا اس نے انسانوں اور جنوں کو اختیار دیا ہے ﴿لَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِرْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَنْكُرْ﴾ پس جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے۔ اور نیکی بدی کی ہر ایک کو قوت دی ہے اور دونوں کا انجام بھی بتا دیا ہے بس جس راستے پر کوئی چلنا چاہتا ہے اس پر چلے۔ قیامت والے دن ہر چیز سامنے آجائے گی۔ ﴿لَمَنْ يُعْمَلْ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ﴾ پس جو ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا اس کو دیکھ لے گا ﴿وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾ اور جو ذرہ برابر بھی بدی کرے گا اس کو دیکھ لے گا۔

﴿فَدَرَاهِمٌ وَمَا يَغْتَرُونَ﴾ پس ان کو چھوڑ دے اور اس کو جو وہ افترا باندھتے ہیں۔ آپ اپنا کام کریں ان کی باتوں میں نہ آئیں۔ رب تعالیٰ شرک سے بچائے شرک بڑی قبیح اور بری چیز ہے۔



﴿وَقَالُوا﴾ اور کہا انھوں نے ﴿هَذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْثٌ﴾ یہ مویشی اور کھیتی ﴿حِجْرٌ﴾ ممنوع ہیں ﴿لَا يَطْعَمُهَا﴾ ان دونوں کو نہیں کھائے گا کوئی ﴿إِلَّا مَنِ اشَاءَ﴾ مگر وہ شخص جس کو ہم چاہیں ﴿يَرْغَبُهُمْ﴾ اپنے خیال کے مطابق ﴿وَأَنْعَامٌ﴾ اور کچھ جانور ہیں ﴿حُومٌ مَّتَّ ظُهُورُهُمْ﴾ حرام کر دی گئی ان کی پشتوں پر سواری ﴿وَأَنْعَامٌ﴾ اور کچھ جانور ایسے ہیں ﴿لَا يَذُوقُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا﴾ کہ نہیں ذکر کرتے ان پر اللہ تعالیٰ کا نام ﴿افْتَرَاءً عَلَيْهِ﴾ اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتے ہوئے ﴿سَيَجْزِيهِمْ﴾ عن قریب ان کو بدل دے گا اللہ تعالیٰ ﴿بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ﴾ اس چیز کا جو وہ افتراء کرتے رہے ﴿وَقَالُوا﴾ اور کہا انھوں نے ﴿مَا نَقِي بُطُونُ هَذِهِ الْأَنْعَامِ﴾ جو کچھ ان جانوروں کے پیٹوں میں ہے ﴿خَالِصَةٌ لِّذُنُوبِنَا﴾ وہ خالص ہے ہمارے مردوں کے لیے ﴿وَمُحَرَّمٌ عَلٰی أَزْوَاجِنَا﴾ اور حرام ہے ہماری عورتوں پر ﴿وَإِنْ يَكُنْ مِنْ مَيْتَةٍ﴾ اور اگر ہو وہ مردہ ﴿فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ﴾ پس وہ سب اس میں شریک ہوتے ہیں ﴿سَيَجْزِيهِمْ وَصَفْتُمْ﴾ ضرور اللہ تعالیٰ ان کو بدل دے گا اس بیان کا ﴿إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ﴾ بے شک وہ حکمت والا ہے جاننے والا ہے ﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ﴾ تحقیق نقصان میں پڑے ہیں وہ لوگ ﴿قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ﴾ جنھوں نے قتل کیا اپنی اولاد کو ﴿سَفَهًا﴾ حماقت کرتے ہوئے ﴿بِعَدْوٍ عَلِيمٍ﴾ علم کے بغیر ﴿وَأَحْرَمُوا﴾ اور انھوں نے حرام کیا ﴿مَا رَزَقَهُمُ اللَّهُ﴾ اس چیز کو جو اللہ تعالیٰ نے ان کو رزق دیا ﴿افْتَرَاءً عَلَى اللَّهِ﴾ افتراء کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ پر ﴿قَدْ ضَلُّوا﴾ تحقیق وہ گمراہ ہوئے ﴿وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ﴾ اور نہ ہوتے وہ ہدایت پانے والوں میں سے۔

اشیاء کی حلت و حرمت کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے

شرک کی بہت سی اقسام ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہر مسلمان کو شرک کی ہر قسم سے محفوظ فرمائے۔ شرک کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ بغیر کسی شرعی ثبوت کے کسی شے کو حرام یا حلال ٹھہرانا۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کسی شے کے حلال و حرام کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے خانگی مصلحت کے پیش نظر صرف اپنی ذات کے لیے شہد حرام کیا تھا کہ میں شہد نہیں کھاؤں گا اس پر اللہ تعالیٰ نے پوری سورۃ تحریم نازل فرمائی اور فرمایا ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَذْوَاجِكَ﴾ ”اے نبی آپ کیوں حرام کرتے ہیں جو چیز اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کی ہے آپ اپنی عورتوں کی رضامندی چاہتے ہیں ﴿وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ﴿قَدْ فَرَّصَ اللَّهُ لَكُمْ تَحَلُّةَ أَيُّهَا النَّبِيُّ﴾ [پارہ: ۲۸] تحقیق اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے تمہارے لئے کھول دینا تمہاری قسموں کا۔ ”قسم توڑو، حلال چیز کھاؤ اور کفارہ ادا کرو۔ جب اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تمام پیغمبروں کے امام اور سردار اور خلاصہ کائنات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کسی چیز کو حلال و حرام کرنے کا اختیار نہیں رکھتے تو اور کسی کو کیا حق پہنچتا ہے؟

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا قول

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اپنی کتاب ”حجۃ اللہ البانہ“ میں لکھتے ہیں کہ اَلتَّحْلِيلُ وَالتَّحْرِيْمُ مِنْ صِمَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰی کسی چیز کو حلال و حرام کرنا یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ لیکن مشرکین نے از خود یہ چیز بنائی ہوئی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَقَالُوا﴾ اور کہا انھوں نے ﴿هٰذِهِ اَنْعَامٌ وَّحَزَنٌ جِدَّ﴾ یہ مویشی اور کھیتی ممنوع ہیں ﴿لَا يَطْعَمُهَا﴾ ان دونوں کو نہیں کھائے گا کوئی ﴿اِلَّا مَنْ نَشَاءُ بِرُءُوفٍ﴾ مگر وہ شخص جس کو ہم چاہیں اپنے خیال کے مطابق۔ مثلاً: کہتے اس جانور کا دودھ وہ پی سکتا ہے جو لات کا چیلہ ہو، اس جانور پر سواری وہ کر سکتا ہے جو منات کا بچاری ہے۔ اس رقبے کی پیداوار صرف لات، منات، عزئی کے بچاریوں کے لیے جائز ہے اور کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔

حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کے کونڈوں کا حرام ہونا

یہ جو جب کے سینے میں امام جعفر رحمہ اللہ کے نام کے کونڈے تقسیم کرتے ہیں اور ان کے لیے کچھ شرائط مقرر کی ہوئی ہیں کہ جو پکائے اپنے گھر میں بٹھا کر کھلائے اور کھانے والے سائے میں بیٹھ کر کھائیں وغیرہ وغیرہ۔ عورتیں گھر کے کونوں میں بیٹھ کر کھاتی کھلاتی ہیں۔ برتن سنبھال کر رکھتی ہیں اور کسی کو نظر بھی نہ آئے۔ یہ تمام کا تمام شرک ہے اور تیمور لنگ شیعی کی ایجاد ہے اسلام کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اور بنا لکل حرام ہے اور اسی مد کے ہیں وہ طریقے جو مشرکین مکہ نے بنائے ہوئے تھے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نام پر عورتوں کو اکٹھا کر کے گمراہ کرنا

اسی طرح کچھ عورتوں نے یہ بدعت شروع کی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے قصے کے نام پر عورتوں کو اکٹھا کر کے گمراہ کرتی ہیں یہ بھی رافضیوں کی ایجاد ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جو مقام ہے الحمد للہ! وہ آپ حضرات ہر جمعہ کے خطبہ میں یہ جملہ سنتے رہتے ہیں وَقَاطِطَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔ مگر یہ بناوٹی قصے کہانیاں اور پھر ان کے نام کی کھیریں، یہ سب حرام ہیں اور ان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔ ان چیزوں کے قریب بھی نہ جانا۔ یہ سب انھوں نے اپنے خیال سے بنائی ہوئی ہیں۔

جانوروں پر اپنی طرف سے حلال و حرام کا حکم لگانا

﴿وَأَنْعَامٌ حُزْمَتْ فُلُؤْمُهُمْ﴾ اور کچھ جانور ہیں حرام کر دی گئی ان کی پشتوں پر سواری۔ ساتویں پارے میں آتا ہے ﴿مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ﴾ [مائدہ: ۱۰۲] ”نہیں بنایا اللہ تعالیٰ نے کوئی بحیرہ اور نہ کوئی سائبہ اور نہ کوئی وصیلہ اور نہ کوئی حام۔“ حام اس نر کو کہتے ہیں جس نے چند مرتبہ جفتی کر لی ہو۔ مثلاً: اونٹ ہے اس نے دس اونٹیوں کے ساتھ جفتی کر لی یا بیل ہے اس نے دس گائیوں کے ساتھ جفتی کر لی۔ تو ایسے اونٹ پر سواری کرنا اور بوجھ لادنا حرام سمجھتے تھے۔ سوال یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے تو اس کو تمہاری سواری کے لیے اور تمہارے سامان اٹھانے کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ تم کون ہوتے ہو اس پر حرام کا حکم لگانے والے؟

مشرکین کا جانوروں کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لینا

﴿وَأَنْعَامٌ لَا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا﴾ اور کچھ جانور ایسے ہیں کہ نہیں ذکر کرتے ان پر اللہ تعالیٰ کا نام۔ ذبح کرتے وقت بلکہ لات، منات، عزیٰ کا نام ذکر کرتے۔ مثلاً: ذبح کرتے وقت کہتے بِاسْمِ الْأَبْتِ بِاسْمِ الْمَنَاتِ اور کھا جاتے حالانکہ جانور کے حلال ہونے کے لیے بِسْمِ اللَّهِ اکبر پڑھنا شرط ہے۔ اگر کوئی شخص بِسْمِ اللَّهِ اللَّهُ أَكْبَرُ کی جگہ مکمل سورہ یٰسین پڑھ لے یا درود شریف پڑھ کر ذبح کرے تو جانور حلال نہیں ہوگا۔ حالانکہ سورہ یٰسین اور درود شریف کا کتنا درجہ ہے۔ یا ذبح کرتے وقت مکمل درود شریف پڑھے اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ تو جانور حرام ہوگا حلال نہیں ہوگا۔ کیونکہ شریعت نے بِسْمِ اللَّهِ اللَّهُ أَكْبَرُ پڑھ کے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے۔

فقہ کا اہم ترین مسئلہ

اور تمام فقہی کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ اگر کوئی شخص بِاسْمِ دَاوُدَ یا بِاسْمِ مُوسَى یا بِاسْمِ عِيسَى یا بِاسْمِ مُحَمَّدٍ پڑھ کر جانور ذبح کرے کہ میں جانور کو داؤد، موسیٰ، عیسیٰ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ذبح کرتا ہوں تو جانور حرام ہوگا۔

کھا نہیں سکتا۔ شریعت نے جو حدیں مقرر فرمائی ہیں ان کو تسلیم کرنا پڑے گا تو کچھ جانور ایسے تھے کہ ان کو ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتے تھے۔

مشرکین کا اللہ تعالیٰ پر افترا باندھنا ﴿﴾

﴿افترآءَ عَلَیْهِ﴾ اللہ تعالیٰ پر افترا کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس طرح کرنا بھی اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا یہ اللہ تعالیٰ پر بہتان ہے۔ ﴿سَیَجْزِیْهِمْ بِمَا کَانُوا یَفْتُرُوْنَ﴾ عنقریب ان کو بدلہ دے گا اللہ تعالیٰ اس چیز کا جو وہ افترا کر رہے ہیں بس مرنے کی دیر ہے بدلہ سامنے آجائے گا ان خرافات کا۔

مردوں، عورتوں کے لیے علیحدہ علیحدہ تحریم و تحلیل ﴿﴾

﴿وَقَالُوا مَا فِی بُطُونِ هَٰذِهِ الْإِنْعَامِ﴾ اور کہا انھوں نے جو کچھ ان جانوروں کے پیٹوں میں ہے۔ مثلاً: اڈنی ہے، گائے ہے، بکری ہے ان مادہ جانوروں کے پیٹ میں جو بچہ ہے ﴿خَالِصَةٌ لِّذٰلِکُمْ مٰرَآءَ﴾ وہ خالص ہے ہمارے مردوں کے لیے ﴿وَمُعَدَّرَةٌ عَلٰی اٰذَانِہَا﴾ اور حرام ہے ہماری عورتوں پر ﴿وَ اِنْ یَلٰکُنْ مَیِّتَةً﴾ اور اگر ہو وہ مردہ ﴿فَہُمْ فِیْہِہٖ شُرَکَآءُ﴾ پس وہ سب اس میں شریک ہوتے ہیں۔ اگر بچہ زندہ پیدا ہوتا تو کہتے کہ یہ مردوں کے لیے حلال ہے اور عورتوں کے لیے حرام ہے۔ اگر بچہ مردہ پیدا ہوتا تو سخی نور بن جاتے اور کہتے کہ عورتوں کے لیے بھی حلال ہے وہ بھی کھا سکتی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ حلال و حرام کرنے کا اختیار تمہیں کس نے دیا ہے؟ حالانکہ جو کھانے پینے کی چیزیں مردوں کے لیے حلال ہیں وہ عورتوں کے لیے بھی حلال ہیں کوئی فرق نہیں ہے۔ تم کون ہوتے ہو یہ کہنے والے ﴿خَالِصَةٌ لِّذٰلِکُمْ مٰرَآءَ وَمُعَدَّرَةٌ عَلٰی اٰذَانِہَا﴾۔

اللہ تعالیٰ کی تفریق کا ہی مقبول و مستحسن ہونا ﴿﴾

ہاں جن چیزوں کا فرق اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے وہ ہے کہ مثلاً: سونے چاندی کا زیور مردوں کے لیے ناجائز ہے اور عورتوں کے لیے جائز ہے ریشمی لباس مردوں کے لیے ناجائز ہے اور عورتوں کے لیے جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿سَیَجْزِیْهِمْ وَصَفَّہُمْ﴾ ضرور اللہ تعالیٰ ان کو بدلہ دے گا اس بیان کا ﴿اِنَّہٗ حٰکِمٌ عَلِیْمٌ﴾ بے شک وہ حکمت والا ہے جاننے والا ہے اگر فوری طور پر سزا نہیں دیتا تو اس میں کوئی حکمت ہے۔ جاننے والا ہے اس کی گرفت سے کوئی بچ نہیں سکتا۔

ناحق قتل اولاد کرنے والوں کا خسارے میں ہونا ﴿﴾

﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ قَتَلُوْا اَوْلَادَہُمْ﴾ تحقیق نقصان میں پڑے ہیں وہ لوگ جنہوں نے قتل کیا اپنی اولاد کو ﴿سَقٰہَا بِعَدُوِّہِ﴾ علم و حماقت کرتے ہوئے علم کے بغیر۔ عرب میں ایسے لوگ بھی تھے کہ اگر ان کے دس بیٹے ان کے سامنے جواں ہو جاتے تو

دسویں کو جو سب سے چھوٹا ہوتا تھا ذبح کر دیتے۔ یہ ایک شکر کیہ رسم تھی اور میں نے بیان کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے اور دسویں نمبر پر تھے قاعدے کے مطابق جب ان کو ذبح کرنے کے لیے لے جا رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیاں آڑے آگئیں کہ ہم اپنے بھائی کو ذبح نہیں ہونے دیں گی۔ بڑا شور ہوا۔ کچھ لوگ مخالف ہو گئے کہ دیکھو جی! اپنے لیے یہ قاعدے کو چھوڑ رہے ہیں اور ایسے موقع پر اختلاف ہو ہی جاتا ہے تو کچھ مخالف اور کچھ موافق تھے بہر حال ان کے بدلے سوا اونٹوں کی قربانی دی گئی تب لوگوں کی زبانیں بند ہوئیں۔ تو اولاد کو قتل کرنے کا کیا جواز ہے کہ کسی کے کہنے پر اولاد کو قتل کر دیا جائے۔

عام انسان اور پیغمبر کا خواب برابر نہیں ہے

اور نہ ہم اس کے مجاز ہیں کہ ہمیں کوئی خواب میں کہے کہ بیٹے بیٹی کو ذبح کر دو تو ہم ذبح کر دیں حضرت ابراہیم علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے اور ان کا خواب وحی تھا عام آدمی کے خواب کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا پیغمبر کی بات جدا ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام کا ایک بچے کو قتل کرنا ہے

جیسے: حضرت خضر علیہ السلام نے ایک بچے کو قتل کر دیا موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ﴿اَقْتَلْتَ نَفْسًا رَّكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ﴾ آپ نے ایک بے گناہ شخص کو ناحق قتل کر دیا ہے۔ فرمایا خاموش رہو آخر میں بتاؤں گا پھر بتایا۔ فرمایا ﴿وَمَا عَلَّمْتَهُ عَنِ الْقَتْلِ﴾ [الکہف] یہ کام میں نے اپنی طرف سے نہیں کیے میرے رب نے کروائے ہیں۔ تو پیغمبر جو کام کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کرتا ہے۔

اشیاء اکل و شرب کا اپنی طرف سے حرام کرنا ہے

فرمایا ﴿وَخَذُوا مَا تَرَكَهُمْ اللّٰهُ﴾ اور انہوں نے حرام کیا اس چیز کو جو اللہ تعالیٰ نے ان کو رزق دیا ﴿اَفْتَوٰٓءَ عَلٰی اللّٰهِ﴾ افتراء کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ پر کہ رب تعالیٰ نے ہمیں اس طرح کہا ہے، معاذ اللہ تعالیٰ۔ ﴿قَدْ ضَلُّوا﴾ تحقیق وہ گمراہ ہوئے ﴿وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ﴾ اور نہ ہوئے وہ ہدایت پانے والوں میں سے۔

خلاصہ یہ کہ کسی شے کو حلال و حرام کرنے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے مخلوق میں سے کسی کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے۔



﴿وَهُوَ الَّذِي﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے ﴿اَنْشَأَ جَنَّاتٍ﴾ جس نے پیدا کیے باغات ﴿مَعْرُوْطٍ﴾ جن کو چھتریوں پر چڑھایا جاتا ہے ﴿وَعَدْرِ مَعْرُوْطٍ﴾ اور وہ جو چھتریوں پر نہیں چڑھائے جاتے ﴿وَالنَّخْلِ وَالنَّارِ﴾ اور کھجوریں پیدا کیں اور کھیتی ﴿مُخْتَلِفًاۙ اَلْوَانُ﴾ مختلف ہیں پھل اس کے ﴿وَالزَّيْتُوْنَ﴾ اور زیتوں پیدا کیا ﴿وَالزَّمَانَ﴾ اور انار ﴿مُتَشَابِهًا﴾ جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں ﴿وَعَدْرِ مُتَشَابِهٍ﴾ اور جو ایک دوسرے

سے نہیں ملتے جلتے ﴿كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ﴾ کھاؤ ان کے پھلوں کو ﴿إِذَا أَثْمَرَ﴾ جس وقت وہ پھل دار ہوں ﴿وَأَنْتُوا حَقُّهُ﴾ اور اس کا حق ادا کرو ﴿يَوْمَ حَصَادِهِ﴾ اس کے کاٹنے کے دن ﴿وَلَا تُسْرِفُوا﴾ اور اسراف نہ کرو ﴿إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ بے شک وہ محبت نہیں کرتا اسراف کرنے والوں سے ﴿وَمِنَ الْأَنْعَامِ حَمُولَةٌ﴾ اور اس نے پیدا کیے جانوروں میں سے بوجھ اٹھانے والے ﴿وَوَقْرٌ شَاكٍ﴾ اور زمین کے ساتھ لگے ہوئے ﴿كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا كَانَ ثَمَرُكُمْ﴾ کھاؤ اس چیز سے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں رزق دیا ہے ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْطَاتِ الشَّيْطَانِ﴾ اور نہ پیروی کرو شیطان کے قدموں کی ﴿إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ بے شک وہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔

ما قبل سے ربط

کل کے درس میں یہ بات بیان ہوئی تھی کہ مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور جانوروں میں اللہ تعالیٰ کے لیے اور خود ساختہ معبودوں لات، منات، عزیٰ کے لیے حصے مقرر کیے ہوئے تھے اپنے زعم اور گمان کے مطابق۔ اللہ تعالیٰ تو خالق ہے دوسرے کیسے حصہ دار بن گئے اسی لیے آخر میں فرمایا ﴿سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ﴾ یہ بڑے فیصلے کرتے ہیں۔ آج کی آیات میں بھی اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ جَنَّاتٍ مَعْرُوشَاتٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے جس نے پیدا کیے باغات جن کو چھتریوں پر چڑھایا جاتا ہے۔

”معروشات“ کی تشریح

﴿وَعِيْنَ مَعْرُوشَاتٍ﴾ اور وہ جو چھتریوں پر نہیں چڑھائے جاتے۔ بعض پھل تو بڑے بڑے درختوں پر لگتے ہیں البتہ بعض پھل اور سبزیاں بیلوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ ان بیلوں میں سے کچھ ایسی ہیں جنہیں معروشات کہتے ہیں کہ انہیں زمین سے اُپر اٹھا کر رکھنا پڑتا ہے ایسی بیلوں کی کٹری کی چھت بنا کر ان پر چڑھادی جاتی ہیں یا دیواروں کے ساتھ لٹکادی جاتی ہیں یا پھر درختوں پر چڑھادی جاتی ہیں۔

کون سی بیل کو اوپر چڑھایا جاتا ہے اور کونسی نیچے رکھی جاتی ہے

انگور کی بیل کو لازماً اوپر اٹھا کر رکھنا پڑتا ہے ورنہ وہ بیل پھل نہیں دیتی۔ سبزیوں میں توری کی بیل ہے اور جڑی بوٹیوں میں گلو ہے۔ اور جو چھتریوں پر نہیں چڑھائی جاتیں وہ خر بوزہ اور تر بوز کی بیلیں ہیں، گرے اور سردے کی بیلیں ہیں یا شینڈے اور کدو کی بیلیں ہیں جو زمین پر پڑے پڑے عمدہ پھل دیتی ہیں ان کو اوپر چڑھانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ان سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

”کھجور“ کا ذکر کرنے کی وجہ ۶

فرمایا ﴿وَالنَّخْلُ﴾ اور کھجوریں پیدا کیں۔ عرب کے بہت سے علاقے ایسے تھے کہ جن کی خوراک ہی کھجوریں تھیں اور کھجوروں کی پیداوار پر ہی ان کی روزی کا سلسلہ چلتا تھا۔ ﴿وَالزَّيْتُونُ مَخْلَقًا كَثُفًا﴾ اور کھیتی کہ مختلف ہیں پھل ان کے۔ کئی کے دانے اور رنگ کے ہیں، گندم کے دانے اور رنگ کے ہیں، باجرے کے اور رنگ کے ہیں، مونجی اور رنگ کی ہے، پنے اور مسور کارنگ مختلف ہے، مونگی کا اور ہے، ماش کا اور ہے۔ یہ سب مشاہدے کی باتیں ہیں اور تمام کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

”زیتون“ اور اس کے خواص ۶

﴿وَالزَّيْتُونُ﴾ اور زیتون پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کے تذکرے میں زیتون کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ زیتون کے درختوں کے ساتھ جو ڈوڈے لگتے ہیں ان سے لوگ تیل نکال کر کھاتے ہیں۔ آج بھی بہت سے علاقوں میں زیتون کھانے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ صبی لحاظ سے زیتون کا تیل مقوی اعصاب اور مقوی معدہ ہے۔ اور اس میں وہ اثرات نہیں ہوتے جو گائے اور بھینس کے گھی میں ہوتے ہیں۔ گائے اور بھینس کا گھی ان لوگوں کے لیے جو بدنی محنت مشقت کرتے ہیں سونے پر سہاگہ ہے اور جو لوگ بدنی مشقت کا کام نہیں کرتے ان کے بدن میں نزلے کا مواد پیدا کرتا ہے۔ بخلاف زیتون کے تیل کے کہ وہ ہر قسم کے لوگوں کے لیے مفید ہے۔

”انار“ کا ذکر کرنے کی وجہ ۶

﴿وَالرُّمَّانُ﴾ اور انار کو اس نے پیدا کیا ﴿مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ﴾ جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور جو ایک دوسرے سے نہیں ملتے جلتے۔ بعض دفعہ ایک انار کا دانہ دوسرے کے ساتھ ملتا ہے اور بعض دفعہ نہیں ملتا۔ ایک چھوٹا ہوتا ہے ایک بڑا ہوتا ہے، ایک میٹھا ہوتا ہے ایک ترش ہوتا ہے، ایک کارنگ سفید ہوتا ہے اور دوسرے کا سرخ ہوتا ہے۔ اوظالمو! یہ تمام چیزیں پیدا تو اللہ تعالیٰ نے فرمائی اور تم حصے دوسروں کے نکالتے ہو یہ دوسرے حصے دار کہاں سے آگئے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ﴾ کھاؤ ان کے پھلوں کو جس وقت وہ پھل دار ہوں۔

انبیاء علیہم السلام کو اکل حلال اور اعمال صالحہ کا حکم ۶

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی حکم دیا ﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الثَّمَرَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا﴾ [المومن: ۵۱: پارہ: ۱۸] اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اچھے عمل کرو، اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ فرمایا ﴿وَآتُوا حَقَّهُ﴾ اور اس کا حق ادا کرو ﴿يَوْمَ حَصَادِهِ﴾ اس کے کاٹنے کے دن۔ جس دن فصلیں کاٹو، پھل اتارو ان کا حق ادا کرو۔

اہم ترین مسئلہ

مسئلہ یہ ہے کہ جو زمینیں بارش سے سیراب ہوتی ہیں یا دریا کے پیلے اور کنارے پر زمینیں ہیں جہاں فصلوں کو پانی دینے کی ضرورت نہیں ہوتی سیلاب سے ہی تیار ہو جاتی ہیں جن کا آبیانہ نہیں دینا پڑتا ان علاقوں کی پیداوار میں سے دسواں حصہ دینا پڑے گا جس کو عشر کہتے ہیں۔ اور وہ زمینیں جو نہری پانی یا کنوئیں اور ٹیوب ویل کے ذریعے سیراب ہوتی ہیں یعنی جن کا آبیانہ دینا پڑتا ہے یا خرچہ کرنا پڑتا ہے ان کی پیداوار کا بیسواں حصہ دینا پڑے گا، یہ عشر ہے۔ اور یہ عشر اخراجات مثلاً: بجلی کا خرچہ ہے، کھاد کی کٹائی، گہائی وغیرہ کا خرچہ نکالنے سے پہلے نکالنا ہے۔ تمام کتابوں میں تصریح ہے قَبْلَ أَنْ تَرْفَعَ الْمُنْتَفَةَ اخراجات نکالنے سے پہلے۔

مالک و مزارع کے مابین عشر کی تقسیم کا طریقہ / تفصیل

اگر زمین بنائی اور حصے پر دی ہوئی ہے تو اس میں تفصیل ہے اگر مالک اور مزارع دونوں مسلمان ہیں اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اطاعت گزار ہیں تو عشر پہلے نکالا جائے گا پھر حصے کے مطابق آپس میں تقسیم کریں گے۔ اگر مالک مسلمان اور مزارع غیر مسلم ہے، عیسائی وغیرہ تو پہلے تقسیم کریں گے کیونکہ عیسائی پر تو عشر نہیں ہے۔ صرف مسلمان اپنے حصے میں سے عشر نکالے گا یا مالک اور مزارع ہیں تو دونوں مسلمان مگر ایک صرف نام کا مسلمان ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے عشر نہیں دینا اور دوسرا فرماں بردار ہے تو اس صورت میں بھی بنائی اور تقسیم پہلے ہوگی اور فرماں بردار مسلمان اپنے حصے میں سے عشر نکالے گا۔

جنرل ضیاء الحق اور عشر و زکوٰۃ کی تقسیم

ضیاء الحق کی نادانیوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اس نے زکوٰۃ اور عشر وصول کرنے کا حکومتی سطح پر حکم دیا کہ زکوٰۃ اور عشر حکومت خود وصول کرے گی۔ ہم نے اس حکم کے خلاف احتجاج کیا کہ یہ شرعاً ناجائز ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ زکوٰۃ اور عشر کا جو مصرف ہے وہاں خرچ نہیں ہوگا اور ایسا ہی ہو اور حکومت نے بھی تسلیم کیا کہ واقعی یہ خرابی ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ کافروں پر عشر نہیں ہے اگر مالک مسلمان اور مزارع کافر ہے عیسائی، ہندو وغیرہ تو مسلمان کے حصے پر تو عشر آئے گا اور کافر کے حصے پر عشر نہیں آئے گا یا دوسرے ہی کوئی عشر سے بچنے کے لیے کہے کہ میں مسلمان نہیں ہوں میرے اوپر عشر نہیں ہے۔ یا مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے بھی کہے کہ ہمارے مسلک میں زکوٰۃ اور عشر نہیں ہے جیسے رافضی۔ تو اس طرح نام کے سنی حضرات بھی زکوٰۃ و عشر سے بچنے کے لیے اپنے آپ کو رافضیوں کے ساتھ منسلک کر لیں گے۔

صحیح العقیدہ مسلمان کا شیعہ بن جانا اور اس کا نقصان

چنانچہ فیصل آباد، جھنگ اور سرگودھا کے علاقوں سے ہمارے پاس بڑے خطوط آئے فتوؤں کے لیے کہ کئی زمیندار جو

سو، سورج کے مالک ہیں انھوں نے زکوٰۃ و عشر سے بچنے کے لیے بنگلوں کو لکھ کر دے دیا ہے کہ ہم شیعہ ہیں ہمارے اوپر زکوٰۃ و عشر نہیں ہے۔ حالانکہ وہ صحیح العقیدہ سنی مسلمان ہیں۔ ان کے متعلق شریعت کیا کہتی ہے؟ مان لیتے ہیں کہ انھوں نے یہ حیلہ زکوٰۃ و عشر سے بچنے کے لیے کیا ہے اور رسی طور پر کئی خاندان شیعہ بن گئے مگر آگے ان کی نسلیں تو پکی شیعہ بن جائیں گی اور یہ سارا وبال ضیاء الحق پر پڑے گا۔

شیعہ کے خود ساختہ اقوال برائے عشر و زکوٰۃ

اور شیعہ یہ کہتے ہیں کہ جب تک امام مہدی نہیں آتے اس وقت تک ہمارے اوپر زکوٰۃ و عشر نہیں ہے۔ حالانکہ ان کا یہ دعویٰ بالکل غلط ہے کیونکہ ان کی بنیادی کتابوں میں زکوٰۃ و عشر کی تصریح ہے۔ ان کی بنیادی کتابیں چار ہیں جن پر شیعہ مذہب کا مدار ہے۔ اصول کافی، احتجاج طبرسی، مَنْ لَا يَخْضَعُ إِلَّا لِلْفَقِيهِ اور تہذیب الاحکام۔ ان کو یہ اصول اربعہ کہتے ہیں اور ان کی حیثیت ان کے ہاں ایسے ہی ہے جیسے ہمارے ہاں صحاح ستہ کی ہے۔ اور ان چاروں کتابوں میں زکوٰۃ و عشر کا ذکر ہے۔ اور یہ محض جان چھڑانے کے لیے کہتے ہیں کہ ہمارے اوپر زکوٰۃ نہیں ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اور اہم مسئلہ

اور یہ مسئلہ اچھی طرح سمجھ لیں کہ زمین کی تمام پیداوار میں عشر ہے۔ لہسن، پیاز، مرچیں ہر طرح کی سبزی پر۔ بلکہ یہاں تک کہ گھر کے اندر جو تم نے لگایا ہوا ہے اس پر بھی عشر ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے **كُلَّمَا أَخْرَجْتُمُ الْأَرْضَ هَرْدَةً حَبْرًا** جس کو زمین پیدا کرے اس میں عشر ہے۔ یہ بخاری شریف کی روایت ہے اور اسی پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا عمل ہے۔

”اسراف“ کی ممانعت

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **﴿وَلَا تُسْرِفُوا﴾** اور اسراف نہ کرو کہ فصل کے پکنے پر وہی تباہی قسم کا خرچ کرتے ہیں اس کی اجازت نہیں ہے۔ **﴿إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾** بے شک وہ محبت نہیں کرتا اسراف کرنے والوں سے۔ یہ درخت، پھل اور میوے تمام کے تمام اسی نے پیدا فرمائے ہیں لہذا اس کے حکموں کے مطابق چلو **﴿وَمِنَ الْأَنْعَامِ حَمُولَةٌ﴾** اور اس نے پیدا کیے جانوروں میں سے بوجھ اٹھانے والے۔ اونٹ، گدھا وغیرہ جن پر لوگ بوجھ لاتے ہیں **﴿وَأَقْرَبُ شَاء﴾** اور زمین کے ساتھ لگے ہوئے یعنی چھوٹے قد والے۔ جیسے: بھیڑ، بکریاں وغیرہ جو زمین پر بچھی ہوئی ہیں یہ سب رب تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہیں **﴿كُلُوا وَشَارِبُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ﴾** کھاؤ اس چیز سے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں رزق دیا ہے۔

بیرونی شیطان سے رک جانے کا حکم

﴿وَلَا تَتَّبِعُوا الْاٰخِلَاتِ الْفٰئِیٰنِ﴾ اور نہ بیرونی کرو شیطان کے قدموں کی۔ کیوں؟ **﴿إِنَّكُمْ عَادُوْا مُہِیۡنِ﴾** بے شک وہ

شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ وہ ہر ایسی بات کرے گا جس سے تمہارے ایمان پر زد آئے۔ لہذا شیطان کی بات پر عمل نہ کرو اور رب تعالیٰ جو فرمائیں اس پر عمل کرو۔



﴿ثَنِيَّةَ آذَانِ﴾ یہ آٹھ قسم کے جانور ہیں ﴿وَمِنَ الصَّانِ اثْنَيْنِ﴾ بھیڑوں میں سے دو ہیں ﴿وَمِنَ الْبَعْرِ اثْنَيْنِ﴾ اور بکریوں میں سے دو ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ (ﷺ) کہہ دیں ﴿عَلَّ الذَّكَرَيْنِ﴾ کیا ان دونوں کے ز ﴿حَزْمٍ﴾ اللہ تعالیٰ نے حرام کیے ہیں ﴿أَمِ الْاُثْنَيْنِ﴾ یا ان دونوں کی مادہ کو ﴿أَمَّا اسْتَمَلْتِ عَلَيْهِ﴾ یا جس پر مشتمل ہیں ﴿أَمْرًا حَامٍ الْاُثْنَيْنِ﴾ دونوں مادہ کے رحم ﴿نَسْتُوْنِي بِعِلْمٍ﴾ خبر دو مجھے علم کے ساتھ ﴿إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ﴾ اگر ہو تم سچے ﴿وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ﴾ اور اونٹوں میں سے دو ہیں ﴿وَمِنَ الْبَعْرِ اثْنَيْنِ﴾ اور گائے میں سے دو ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ (ﷺ) کہہ دیں ﴿عَلَّ الذَّكَرَيْنِ﴾ کیا ان دونوں کے زردوں کو ﴿حَزْمٍ﴾ اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے ﴿أَمِ الْاُثْنَيْنِ﴾ یا ان دو کی مادہ کو ﴿أَمَّا اسْتَمَلْتِ عَلَيْهِ﴾ یا جس پر مشتمل ہیں ﴿أَمْرًا حَامٍ الْاُثْنَيْنِ﴾ دونوں مادہ کے رحم ﴿أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ﴾ کیا تم حاضر تھے ﴿اِذْ وَضَعْنَاهُ﴾ جب اللہ تعالیٰ نے تم کو اس کا تا کیدی حکم دیا تھا ﴿فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ﴾ پس کون زیادہ ظالم ہے اس سے ﴿اِقْتَرَىٰ عَلَىٰ اللَّهِ كَيْبًا﴾ جس نے انتر ابا عدا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا ﴿لِيُضِلَّ النَّاسَ﴾ تاکہ گمراہ کرے لوگوں کو ﴿بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ بغیر علم کے ﴿إِنَّ اللَّهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِيْنَ﴾ نہیں ہدایت دیتا اس قوم کو جو ظالم ہے۔

ما قبل سے ربط

کل کے درس میں بیان ہوا تھا کہ حلال و حرام کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا حلال و حرام کا اختیار کسی کو حاصل نہیں ہے۔ چاہے وہ کتنی بڑی شخصیت ہی کیوں نہ ہو۔ حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ کو بھی حلال و حرام کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ کا کچا پیاز اور لہسن نہ کھانا

چنانچہ مسلم شریف اور ابوعوانہ میں حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے کھانا پیش کیا گیا آپ ﷺ کے ساتھ اور ساتھی بھی تھے۔ اس کھانے میں کچا لہسن بھی تھا جس طرح سلاد میں ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے جب کچا لہسن دیکھا تو کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا اور ساتھیوں سے فرمایا کہ تم کھاؤ میں نہیں کھاؤں گا۔ ساتھیوں نے کہا حضرت کیا یہ حرام ہے؟ فرمایا نہیں

جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال فرمایا میں اس کو حرام نہیں کر سکتا مگر اس کے کھانے سے منہ سے بو آتی ہے وَاُنَاجِیْنِ مَن لَّا تَنَاجُوْنَ اور میں ان سے گفتگو کرتا ہوں جن سے تم نہیں کرتے یعنی مجھے فرشتوں سے گفتگو کرنی پڑتی ہے اور فرشتوں کو بو سے سخت نفرت ہے۔

لہسن، پیاز کھا کر فوراً مسجد میں آنے کی ممانعت

اسی لیے حدیث پاک میں آتا ہے کہ کچا پیاز اور کچا لہسن کھا کر فوراً مسجد میں نہ آؤ جب تک اس کی بو ختم نہ ہو جائے۔ کیونکہ بہ نسبت دوسری جگہوں کے مسجد میں فرشتے زیادہ ہوتے ہیں اور ان کو بو سے سخت نفرت ہے۔

آدمی کا مسجد میں انتظارِ صلوٰۃ میں بیٹھنا اور فرشتے کا اس کے لیے دعا کرنا

چنانچہ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ آدمی جب وضو کر کے مسجد میں نماز کے انتظار کے لئے خاموشی کے ساتھ بیٹھ جاتا ہے یا آہستہ آہستہ ذکر کرتا ہے تو ایک فرشتہ اس کے سر کے پاس آ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور اس کے لئے برابر دعا کرتا رہتا ہے رَبِّ اغْفِرْهُ وَارْحَمْهُ مَا لَمْ يُخْدِعْ اے میرے پروردگار! اس کی بخشش فرما اور اس پر رحم کر جب تک اس کا وضو نہیں ٹوٹتا۔ بے وضو ہونے کی بو سے فرشتہ چلا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو بشمول انبیاء علیہم السلام کے کوئی حرام نہیں کر سکتا

تو آپ ﷺ نے لہسن کی وجہ سے کھانا نہ کھایا اور فرمایا کہ حرام نہیں ہے کیونکہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال ٹھہرایا ہے میں اس کو حرام نہیں کر سکتا۔ لیکن مشرکوں نے بعض جانوروں کو اپنی مرضی سے اپنے اوپر حرام کیا ہوا تھا اور بعض جانوروں کی سواری حرام کی ہوئی تھی اور بعض کا دودھ اور زمین کی پیداوار میں سے اللہ تعالیٰ اور اپنے شریکوں کے حصے مقرر کیے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان سب چیزوں کو پیدا کرنے والا تو میں ہوں یہ شریک کس طرح حصے دار بن گئے۔

آٹھ قسم کے حلال جانوروں کی توضیح

آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے جن آٹھ قسم کے جانوروں کو حلال قرار دیا ہے ان کی تشریح و توضیح فرمائی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿كُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حٰلٰلًا وَّطَہْرًا﴾ یہ آٹھ قسم کے جانور ہیں۔

”حَنَانٌ“ کی تعریف

﴿مِنَ الطَّيْرِ﴾ بھیروں میں سے دو ہیں۔ ”حَنَانٌ“ اون والے جانور کو کہتے ہیں۔ بھیر اور دنبہ اس میں آتے ہیں زرار مادہ چکی ہو یا نہ ہو سینگ ہوں یا نہ ہوں ﴿وَمِنَ الْبَہْمِیِّۨۨ﴾ اور بکریوں میں سے دو ہیں زرار مادہ۔

مشرکین کی خود ساختہ حلت و حرمت کا عملی محاسبہ

﴿قُلْ﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیں ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ كَرِهَ الْإِنْتِهَيْنِ﴾ کیا ان دونوں کے نزالہ تعالیٰ نے حرام کیے ہیں یا ان دونوں کی مادہ کو؟ بتاؤ! ذنبہ حرام ہے یا بھیڑ؟ بکر احرام ہے یا بکری؟ بھیڑ حرام ہے یا چھترا؟ ﴿أَمْ آسَأْتُمْ تَكَلَّفَ عَلَيْهِمْ خَمْرًا﴾ الاثنینین ﴿یا جس پر مشتمل ہیں دونوں مادہ کے رحم یعنی جو بھیڑ کے پیٹ میں ہے وہ حرام ہے یا جو بکری کے پیٹ میں ہے وہ حرام ہے؟﴾ ﴿يَتَذَكَّرُونَ﴾ خبر دو مجھے علم کے ساتھ کوئی علمی دلیل پیش کرو ﴿إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ اگر ہو تم سچے ﴿وَمِنَ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ﴾ اور اونٹوں میں سے دو ہیں تراور مادہ ﴿وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ﴾ اور گائے میں سے دو ہیں تراور مادہ۔

”بقرة“ کی تفسیر حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اور اہل بدعت

”بقرة“ کا لفظ گائے تیل دونوں پر بولا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے پارے میں جہاں بقرة کا ذکر ہے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے تیل کا ترجمہ کیا ہے۔ اصل قصہ اس طرح ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک شخص بڑا مال دار تھا اور تھا بھی لاولد یعنی اولاد نہیں تھی۔ اور اس کے بھتیجے بڑے غریب تھے کبھی کھانے کو مل جاتا اور کبھی نہ ملتا۔ انھوں نے اپنے چچا کو کہا کہ ہم تمہارے ہیں اور ہمارے حالات تمہارے سامنے ہیں اور تمہارے پاس بے شمار دولت ہے لہذا ہمیں کم از کم کھانے کو دے دیا کرو۔ اس نے انکار کیا اور کہا خود کھاؤ اور کھاؤ۔ بھتیجوں نے اس کے قتل کا مشورہ کیا کہ اس کو قتل کر دیں وراشت تو ہمیں ہی ملنی ہے۔ چنانچہ اس کو قتل کر کے موسیٰ علیہ السلام کے پاس گئے کہ ہمارے چچے کو کسی نے قتل کر دیا اس کی تحقیق تفتیش کرو۔ ان کے ذہن میں تھا کہ ہم تو مدعی ہیں ہمارے اوپر کس نے شبہ کرنا ہے اور موقع کا گواہ کوئی ہے نہیں لہذا معاملہ رفع دفع ہو جائے گا۔ مگر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿تَنْبَخُوا بَقَرًا﴾ بقرة ذبح کرو اور اس کا ایک حصہ مقتول کے بدن پر مارو یہ زندہ ہو کر تمہیں بتا دے گا کہ میرا قاتل کون ہے؟

تو یہاں بقرة کا معنی حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے تیل کیا ہے۔ اس پر اہل بدعت حضرات نے بڑا شور مچایا کہ دیکھو تمہارے حکیم الامت کو بقرة کا معنی بھی نہیں آتا کہ بقرة کے معنی تو گائے کے ہیں اس لیے میں نے آپ حضرات کو بتایا ہے کہ لغت عرب میں بقرة کا لفظ گائے، تیل دونوں پر بولا جاتا ہے اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے جس قرینے سے تیل کا ترجمہ کیا ہے وہ پہلے پارے میں ہی موجود ہے۔ وہ اس طرح کہ بقرة ایسی ہو کہ نہ تو اس کے ذریعہ ہل چلایا گیا ہو اور نہ ہی اس کے ذریعہ سے کنویں سے پانی نکالا گیا ہو اور یہ دونوں کام عموماً تیل کرتے ہیں گائیں تو نہیں کرتیں۔ اس لیے حضرت نے تیل کا ترجمہ کیا ہے۔

بھینس اور بھینسا کے متعلق فقہائے کرام رحمہم کا قول

اور یہ جو بھینس اور بھینسا ہے اس کے متعلق فقہاء کرام رحمہم فرماتے ہیں الْجَامُوسُ نَوْعٌ مِّنَ الْبَقَرِ بھینس اور بھینسا، گائے اور تیل ایک قسم کے ہیں قربانی ان کی بھی جائز ہے۔

نصاب زکوٰۃ کی تفسیر

زکوٰۃ کے نصاب میں گائے بھینس اور ان کے بچوں کو اکٹھا شمار کیا جاتا ہے اگر کسی کے پاس ان کے چھوٹے بڑے تیس ننگ ہوں تو ایک سال کا بچہ جو دوسرے سال میں قدم رکھ چکا ہو زکوٰۃ میں دیا جائے گا اور چالیس ننگ ہو جائیں تو دو سال کا بچہ دیا جائے گا۔ تو فرمایا کہ اونٹوں میں سے دو ہیں نر اور مادہ اور بقر میں سے دو ہیں نر اور مادہ۔

﴿قُلْ﴾ آپ ﷺ کہہ دیں ﴿عَالِدًا كَرِيمًا﴾ کیا ان دونوں کے نروں کو ﴿حَدَمًا﴾ اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے ﴿أَمْ الْأُنثِيَّتُ مَن يَأْتِي الدُّنْيَا مَرْجُومًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ لِيَتَفَكَّرُوا فِيهَا وَالْغَدَابَةُ أُولَىٰ حَقِّهَا﴾ یا ان دو کی مادہ کو ﴿أَمْ أَشْتَكَلْتُم مَّا تَكْتُمُونَ﴾ یا جس پر مشتمل ہیں دونوں مادہ کے رحم۔ بتاؤ جو اونٹنی کے پیٹ میں ہے وہ حرام ہے یا گائے کے پیٹ میں جو ہے وہ حرام ہے تم جو کہتے ہو ﴿هَذِهِ أَمْوَالُهُمْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهَا يَتَذَكَّرُونَ﴾ اور کھیتی ممنوع ہے ﴿لَا يَطْعَمُهَا إِلَّا مَن نَّشَاءُ﴾ اسے کوئی نہیں کھا سکتا مگر وہ جس کو ہم چاہیں۔ یہ تمہیں کس نے کہا ہے؟

﴿أَمْ لَكُمْ شُهَدَاءُ﴾ کیا تم حاضر تھے ﴿إِذْ وَضَعْنَا اللَّهُ بِهَذَا﴾ جب اللہ تعالیٰ نے تم کو اس کا تائیدی حکم دیا تھا کہ یہ چیز حلال ہے اور یہ چیز حرام ہے ﴿فَمَن أَظْلَمُ مِمَّن﴾ پس کون زیادہ ظالم ہے اس سے ﴿افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا﴾ جس نے افتراء باندھا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حلال حرام ٹھہرانے کا اختیار دیا ہے یہ اختیار اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں دیا حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ کو بھی یہ اختیار حاصل نہیں تھا۔

لسان نبوت سے خود حلال و حرام کی تردید

چنانچہ بخاری شریف میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو جہل کی لڑکی حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا۔ آنحضرت ﷺ کو جب اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں یہ الفاظ بھی ہیں: وَإِنِّي لَسْتُ أَحْرِمُ حَلَالًا وَلَا أُجِلُّ حَرَامًا اور بلاشبہ میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں کرتا وَلَكِنَّ وَاللَّهِ لَا تَجْتَمِعُ بَيْنْتُ رَسُولِ اللَّهِ وَبَيْنْتُ عَدُوِّ اللَّهِ أَبَدًا لیکن بخدا رسول اللہ ﷺ کی بیٹی اور دشمن خدا کی بیٹی دونوں کبھی کبجا (جمع) نہیں ہو سکتیں۔ اگر تو جویریہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے تو میری بیٹی کو طلاق دے دے کیونکہ دونوں کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اس کے بعد پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں دوسرے نکاح کا کبھی سوچا بھی نہیں تھا تو آپ ﷺ نے صاف لفظوں میں فرمادیا کہ مجھے حلال و حرام کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ لہذا مشرکین نے اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھا کہ اللہ تعالیٰ نے حلال و حرام کا اختیار دیا ہے۔

”ظالموں“ کو ہدایت کا نہ ملنا

﴿لِيُضِلَّ اللَّهُ السَّاسَ بَعْدَ عَلِيمٍ﴾ تاکہ گمراہ کرے لوگوں کو بغیر علم کے۔ کیونکہ غلط کام کرنا گمراہی ہے ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا اس قوم کو جو ظالم ہے۔ جو کفر و شرک پر ڈٹے ہوئے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ جبراً

ہدایت نہیں دیتا۔ ہدایت ان کو دیتا ہے جو ہدایت کے طالب ہوں۔

﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿لَا أُحَدِّثُ﴾ میں نہیں پاتا ﴿فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ﴾ ان احکام میں جو میری طرف وحی کیے گئے ہیں ﴿مُحَرَّمًا﴾ کسی چیز کو حرام ﴿عَلَىٰ طَاعِمٍ﴾ کسی کھانے والے پر ﴿يُطْعَمُهُ﴾ جو اس کو کھائے ﴿إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً﴾ مگر یہ کہ ہو وہ مردار ﴿أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا﴾ یا خون بہایا گیا ﴿أَوْ لَحْمَ خنزِيرٍ﴾ یا خنزیر کا گوشت ﴿قَائِلُهُ بِرَجْسٍ﴾ پس بے شک وہ خنزیر نا پاک ہے ﴿أَوْ فَسَقًا﴾ یا نافرمانی کی گئی ہو ﴿أَهْلًا لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ﴾ جو نام زد کیا گیا ہو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے نام پر اس کو ﴿فَمَنْ اضْطُرَّ﴾ پس جو شخص مجبور کھا گیا ﴿غَيْرَ بَارِعٍ﴾ لذت تلاش کرنے والا نہ ہو ﴿وَلَا عَادٍ﴾ اور نہ حد سے بڑھنے والا ہو ﴿فَإِنَّ رَبَّكَ﴾ پس بے شک تیرا رب ﴿عَفُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ بخشنے والا مہربان ہے ﴿وَعَلَىٰ الَّذِينَ هَادُوا﴾ اور ان لوگوں پر جو یہودی ہیں ﴿حَرَمْنَا﴾ ہم نے حرام کیا ﴿كُلَّ دِيمِي ضُفْرٍ﴾ ہر ناخن والا جانور ﴿وَمِنَ الْبَقَرِ﴾ اور گائے سے ﴿وَالغَنَمِ﴾ اور بھیڑ بکریوں سے ﴿حَرَمْنَا عَلَيْهِنَّ﴾ حرام کر دیں ہم نے ان پر ﴿شُحُومَهُنَّ﴾ ان کی چربیاں ﴿إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُنَّ﴾ مگر وہ چربی جو ان کی پشتوں کے ساتھ لگی ہوئی ہو ﴿أَوِ الْحَوَايَا﴾ یا آنتوں کے ساتھ ﴿أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ﴾ یا جو ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہو ﴿ذَلِكَ جَزَيْنَهُنَّ﴾ یہ ہم نے ان کو بدلہ دیا ﴿بِغَيْرِهِمْ﴾ ان کی سرکشی کا ﴿وَإِنَّا لَصَادِقُونَ﴾ اور بے شک البتہ ہم سچے ہیں ﴿فَإِنْ كَذَّبُوكَ﴾ پس اگر وہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جھٹلائیں ﴿فَقُلْ﴾ تو پس آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿رَبِّكُمْ دُونَ رَحْمَةِ وَاسِعَةٍ﴾ تمہارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے ﴿وَلَا يُؤْدِبُنَا لَهُ﴾ اور نہیں ٹالا جاتا اس کا عذاب ﴿عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ﴾ مجرم قوم سے۔

ربط رکوعات

اس سے پہلے رکوعوں میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ مشرکین نے از خود بعض چیزوں کو حلال اور بعض کو حرام ٹھہرایا ہوا تھا جہالت سے۔ اور ذمے اللہ تعالیٰ کے لگاتے تھے جس کی اللہ تعالیٰ نے تردید فرمائی۔ آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان کی چیزوں کا ذکر فرمایا ہے جو حقیقتاً حرام ہیں۔

ارشادِ ربانی ہے ﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿لَا أُحَدِّثُ﴾ میں نہیں پاتا ﴿فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ﴾ ان احکام میں جو میری طرف وحی کیے گئے ہیں کسی چیز کو حرام ﴿عَلَىٰ طَاعِمٍ يُطْعَمُهُ﴾ کسی کھانے والے پر جو اس کو کھائے ﴿إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً﴾

مگر یہ کہ ہو وہ مردار یعنی وہ جانور جو شرعی طریقہ سے ذبح نہ کیا گیا ہو حرام ہے۔ اور یہ مشرک اس کو بھی کھا جاتے تھے بلکہ یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ کہتے تھے کہ جس کو رب مارے اس کے متعلق تم کہتے ہو کہ حرام ہے اور جو تم مارو ذبح کرو تو کہتے ہو حلال ہے۔

امام غزالی رضی اللہ عنہ کا قول ہے؟

امام غزالی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جانوروں کے بدن میں زہریلا مادہ بھی ہوتا ہے اگرچہ وہ تھوڑی مقدار میں ہوتا ہے مگر وہ انسانی صحت کے لیے انتہائی مضر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے حکم دیا کہ میرا نام لے کر ذبح کرو تو ذبح کرتے وقت خون کے ساتھ وہ مادہ بھی نکل جاتا ہے پھر گوشت صحت کے لیے مضر نہیں ہوتا۔

مسئلہ ❁ ذبح کرنے کے بعد جو خون گوشت کے ساتھ لگا ہوا ہوتا ہے وہ پاک ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص بغیر دھوئے گوشت پکالے تو جائز ہے۔ البتہ نظافت اس میں ہے کہ گوشت کو دھو کر پکا یا جائے۔ اور بغیر ذبح کرنے کے جو جانور مر جائے تو وہ حرام ہے۔

مردار کا چہرہ استعمال کرنے کی اجازت ہے؟

سوائے چہرے کے کہ اس کا کوئی حصہ استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ رنگنے کے بعد چہرہ استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایک موٹی تازی بکری مردار ہو گئی۔ لوگ اس کو ذور پھینکنے کے لیے کھینچ کر لے جا رہے تھے تاکہ لوگوں کو بد بونہ آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا ہَلَّا أَخَذْتُمَا هَاتَيْهَاتَا تم نے اس کا چہرہ کیوں نہیں اتارا کہتے لگے حضرت یہ مردار ہو گئی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا چہرہ اتار کر رنگنے کے بعد استعمال کر سکتے ہو۔ فرمایا ﴿أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا﴾ یا خون بہایا گیا ذبح کرتے وقت وہ بھی حرام ہے اندرونی طور پر بھی کہ اس کو کھایا جائے اور بیرونی طور پر بھی کہ اس کی مالش کی جائے۔

خرگوش کے خون کے ساتھ علاج کرنے کی ممانعت ہے؟

بعض جاہل قسم کے لوگ خرگوش کے خون کو کھانسی کے لیے بطور علاج کے استعمال کرتے ہیں یہ بالکل حرام ہے۔ نہ بڑوں کے لیے جائز ہے اور نہ بچوں کے لیے ﴿أَوْ لَحْمَ خَنْزِيرٍ﴾ یا خنزیر کا گوشت ﴿لَأَنَّهُ نَجِسٌ﴾ پس بے شک وہ خنزیر ناپاک ہے۔

خنزیر کا نجس العین ہونا ہے؟

خنزیر نجس العین ہے اس کی ہر چیز ناپاک ہے۔ چونکہ کھانے والی چیزوں کا ذکر ہو رہا ہے اس لیے اس کے گوشت کے متعلق فرمایا کہ اس زمانے میں بھی لوگ خنزیر کا گوشت کھاتے تھے اور آج بھی اس کے کھانے والے بڑے ہیں۔ مگر جن کو

اللہ تعالیٰ نے سمجھ عطا فرمائی ہے وہ اس کے قریب نہیں جاتے۔

حضرت شیخ الحدیث ابو ظہبی کی لندن واپسی کی روایت اور انگریزوں کا اخلاق

ایک دفعہ میں لندن سے واپس آ رہا تھا میرے ساتھیوں نے ٹکٹ پر لکھوا دیا کہ یہ جہاز میں کھانا نہیں کھائیں گے اور مجھے بھی بتا دیا کہ ہم نے آپ کے ٹکٹ پر یہ لکھوا دیا ہے۔ کیونکہ یہ جہاز برطانیہ کا ہے اس پر جی خانے میں اگرچہ پکانے والے مسلمانوں کے لیے گائے، بکری اور مرغی کا گوشت پکائیں گے مگر ہانڈی میں چلانے والا چمچہ مشترک ہوتا ہے کہ خنزیر کی ہانڈی میں بھی وہی چلاتے ہیں۔ بارہ تیرہ گھنٹوں کا سفر تھا۔ جب کھانے کا وقت ہوا تو میں نے کہا کہ میں نے نہیں کھانا۔ وہ میری بات نہ سمجھ سکی چونکہ وہ اردو نہیں جانتی تھی۔ وہ اردو سمجھنے والی کو لے آئی۔ اس نے پوچھا باباجی! آپ کھانا کیوں نہیں کھاتے۔ میں نے کہا بس میں نے نہیں کھانا۔ کہنے لگی آپ کے ذہن میں جو خدشہ ہے وہ ہم نہیں لائیں گی۔ ہم آپ کے لیے مرغی یا بکری کا گوشت لے آتے ہیں۔ میں نے اس کا بھی انکار کر دیا۔ ان کے لیے مصیبت بن گئی۔ ایک جاتی ہے اور دوسری آتی ہے۔ جس طرح گھروں میں بڑوں کو راضی کیا جاتا ہے مجھے راضی کرنے کے لیے لائن لگ گئی۔ میں نے کہا بارہ تیرہ گھنٹے بھوکا رہنے سے میں نہیں مرتا آپ لوگ پریشان نہ ہوں۔ کہنے لگیں کوئی سبزی لے آئیں؟ تو میں نے کہا ٹھیک ہے سبزی لے آؤ مگر سو روٹا چمچہ نہ استعمال کرنا۔ تب جا کر کہیں ان کو سکون آیا اس سے ان کے اخلاق کا اندازہ لگائیں۔

ابو ظہبی سے واپسی کی روایت اور مسلمان کا اخلاق

یہ تو انگریز تھے اب مسلمانوں کا حال بھی سن لو۔ جب میں ابو ظہبی اترا۔ نماز میں نے پڑھنی تھی اور تھا بھی باوضو۔ رومال میں نے کندھے پر رکھا ہوا تھا۔ ایک افسر کو بلا کر میں نے کہا ”أرینی جہۃ القبلة أریند الصلابة“ مجھے قبلے کا رخ بتادیں میں نے نماز پڑھنی ہے۔ اس نے کوئی پردانہ کی۔ دوسرے سے پوچھا وہ بھی بڑ بڑ کرتا ہوا چلا گیا اور بتایا نہیں۔ پھر ایک اور افسر آیا اس نے بڑی بیٹی اور کندھے پر پھول لگائے ہوئے تھے میں نے اس کو سلام کیا اور اس کا بازو پکڑا اور کہا میں مسافر ہوں میں نے نماز پڑھنی ہے مجھے قبلے کا رخ بتادو۔ اس نے بڑے ترش مہلچے میں کہا ”ہننا“ ادھر ہے۔ میں نے کہا ان کا اخلاق دیکھو اور ان کا اخلاق دیکھو کتنا فرق ہے۔

”غیر اللہ“ کی نذر و نیاز کا مردود ہونا

﴿أَوْفِنَا أَوْلَٰئِكَ لِلَّهِ﴾ یا نافرمانی کی گئی ہو جو تازہ کیا گیا ہو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے نام پر۔ تازہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی چیز کسی بت جن، فرشتے، نبی یا بزرگ کے تقرب یا خوشنودی کے لیے بطور نیاز دی جائے کہ وہ جستی اس سے خوش ہو کر مجھے مصیبت سے بچالے گی، میری مصیبت مٹ جائے گی میرا کام بن جائے گا۔ اس ارادے سے اگر کوئی شے دے گا تو وہ

حرام ہے۔ چاہے وہ جانور ہو، دودھ ہو، کپڑا ہو، کھال ہو سب حرام ہیں۔ جانور کو چاہے بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کرے پھر بھی حرام ہے۔

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا قول

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”ماکولات، ملبوسات، مشروبات ہمہ ایں حکم دارند“ کھانے کی چیزیں ہوں، پینے کی چیزیں ہوں، پینے کی چیزیں ہوں سب کا یہی حکم ہے۔

”ایصالِ ثواب“ کا حکم

ایصالِ ثواب کا مسئلہ الگ ہے۔ ایصالِ ثواب کے لیے جو چیز دی جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نام پر دی جاتی ہے اور اس کا ثواب مرنے ہوؤں کو پہنچایا جاتا ہے اور اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اگر وہ نیک ہے تو اس کے درجات بلند ہوں اور گنہگار ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں سے درگزر فرمائے اس کو فائدہ ہو۔

”گیارہویں“ کا حکم

اور گیارہویں میں تفصیل ہے۔ اگر اس ارادے سے دیتے ہیں کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے تھے، ولی اللہ تھے ان کو ثواب پہنچے تو بدعت ہے۔ اس لیے کہ اولیاء اللہ اور بھی بہت ہیں ان کے نام پر یعنی ان کے ایصالِ ثواب کے لیے کیوں نہیں دیتے۔ مہینے کے اور دن بہت ہیں گیارہویں تاریخ کیوں مخصوص ہے؟ اور اگر اس ارادے سے دیتے ہیں کہ ہمارا کام ہو جائے گا اگر نہ دی تو کام خراب ہو جائے گا تو پھر خالص شرک اور قطعی حرام ہے۔ اور ﴿فَسَقَاؤُھِمْ لَعْنَةُ اللّٰہِ بِہِمْ﴾ کی مد میں ہے کہ نافرمانی کرتے ہوئے غیر اللہ کے نام زد کیا گیا ہے۔ وہ چاہے بکر یا دیگ ہو بالکل حرام ہے۔

جان بچانے کے لیے بقدر ضرورت حرام کھانا پینا

﴿فَمَنْ اضْطُرَّ﴾ پس جو شخص مجبور کیا گیا ﴿عَذْوًا بَاغٍ﴾ لذت تلاش کرنے والا نہ ہو ﴿وَلَا عَادٍ﴾ اور نہ حد سے بڑھنے والا ہو اگر بھوک کی وجہ سے جان خطرے میں ہو اور خنزیر اور مردار کے علاوہ بھی کوئی چیز موجود نہ ہو تو اتنا کھانے کی اجازت ہے کہ جس سے جان بچ جائے۔ عادی کا معنی ہے ضرورت سے زیادہ نہ کھائے کہ ایک چھٹانک کھانے سے جان بچ سکتی ہے تو چھ تو لے نہ کھائے۔ اور ”باغ“ کا معنی ہے لذت تلاش کرنے والا کہ اس کا ذائقہ کیا ہے ذائقے کے لیے بھی نہ کھائے۔ اور ایسے موقع پر اگر نہ کھائے گا تو گنہگار مرے گا۔ کیونکہ اس نے رب تعالیٰ کی اجازت کو قبول نہیں کیا اور رب تعالیٰ کی اجازت کو قبول نہ کرنا بھی گناہ ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص انتہائی پیاسا ہے کہ جان کا خطرہ ہے اور شراب کے سوا پینے کے لیے کوئی چیز موجود نہیں ہے تو وہ اتنی شراب پی لے کہ جس سے جان بچ جائے اور اگر نہ پی اور مر گیا تو گنہگار مر رہا ہے۔ اور جان بچانے کے لیے جو حرام کھائے گا اور

پئے گا اس کے لیے معافی ہے۔ ﴿فَإِنَّ رَبَّكَ﴾ ہر ایک شک تیرا رب ﴿عَفُوٌّ تَرْحِيمٌ﴾ بخشنے والا مہربان ہے۔

یہود پر ناخن والے جانوروں کا حرام ہونا، بشمول چربی کے ﴿

﴿وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا﴾ اور ان لوگوں پر جو یہودی ہیں ﴿حَزْمًا مَّاكُلًا مِّمَّنْ ظَلَمُوا﴾ ہم نے حرام کیا ہر ناخن والا جانور۔ اس سے مراد وہ جانور ہیں جن کے پاؤں پنچے کی شکل میں ہوں اور درمیان سے پھٹے ہوئے نہ ہوں۔ جیسے: اونٹ، شتر مرغ، بطخ، مرغابی وغیرہ ہیں ﴿وَمِنَ الْبَقَرِ﴾ اور گائے سے ﴿وَالغَنَمِ﴾ اور بھیڑ بکریوں سے ﴿حَزْمًا عَلَيْهِمْ شَحْوُهُمْ﴾ حرام کر دیں ہم نے ان پر ان کی چربیاں کہ ان کی چربی تم استعمال نہیں کر سکتے ﴿إِلَّا مَا حَلَلْتُمْ لَهُمْ مَرْهُمًا﴾ مگر وہ چربی جو ان کی پشتوں کے ساتھ لگی ہوئی ہو۔

”حَوَايَا“ کی تحقیق ﴿

﴿أَوَالْحَوَايَا﴾ ”حَوَايَا“ کی جمع ہے اور آنت کو کہتے ہیں یا آنتوں کے ساتھ جو چربی لگی ہوئی ہے ﴿أَوْعَا﴾ اختلاط بظلم ﴿یا جو ہڈی کے ساتھ می ہوئی ہو۔ یہ جائز ہے اور جو چربی گردوں کے ساتھ لگی ہوئی ہے یا دنبے کی چکن والی چربی ہے وغیرہ حرام ہے۔ یہ ان پر کیوں حرام کی گئی؟

یہود کو سرکشی کا بدلہ اور اس کا مطلب ﴿

فرمایا ﴿ذَلِكَ جَزَاءُكُمْ﴾ یہ ہم نے ان کو بدلہ دیا ﴿بِغَيْبِهِمْ﴾ ان کی سرکشی کا۔ ورنہ فی نفسہ یہ چیزیں حلال تھیں۔ اس کو تم اس طرح سمجھو کہ چند آدمیوں کا اکٹھا ہونا کوئی جرم نہیں ہے اور اگر حکومت کو خدشہ ہو کہ یہ اکٹھے ہو کر فتنہ برپا کریں گے تو حکومت دفعہ ۱۴۴ گادیتی ہے کہ اتنے آدمیوں سے زیادہ اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ تو یہ حکم عارضی ہوتا ہے ان کی شرارت کی وجہ سے۔ ایسے ہی یہ چیزیں یہودیوں پر حرام کی گئیں ان کی شرارت کی وجہ سے۔ فرمایا ﴿وَإِنَّا لَصَادِقُونَ﴾ اور بے شک البتہ ہم سچے ہیں اپنے احکام میں کہ جو نافرمانی کرے گا ہم اس کو دنیا میں بھی سزا دیں گے اور آخرت میں بھی۔

دیر گیر و سخت گیر ﴿

﴿فَإِنَّ كَذِبُوكَ﴾ پس اگر وہ آپ ﷺ کو جھٹلائیں، معاذ اللہ تعالیٰ ﴿فَقُلْ﴾ تو بس آپ ﷺ کہہ دیں ﴿رَبُّكُمْ﴾ ذُو رَحْمَةٍ ذَاتِ رَحْمَةٍ ﴿تمہارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے۔ ورنہ جس وقت انھوں نے جھٹلایا تھا فوراً عذاب آجاتا مگر وہ مہربان ہے موقع دیتا ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھو ﴿وَلَا يَذَّهَبُ عَنْهُ﴾ اور نہیں ٹالا جاتا اس کا عذاب ﴿عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ﴾ مجرم قوم سے۔ اگر رب تعالیٰ کے عذاب میں تاخیر ہوئی ہے تو مجرم یہ نہ سمجھیں کہ ہم بچ جائیں گے، وہ آکر رہے گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔



﴿سَيَقُولُ﴾ تاکید کے ساتھ کہیں گے ﴿الَّذِينَ أَشْرَكُوا﴾ وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا ﴿لَوْ شَاءَ اللَّهُ﴾ اگر اللہ تعالیٰ چاہے ﴿مَا أَشْرَكْنَا﴾ تو ہم شرک نہ کریں ﴿وَلَا آبَاؤُنَا﴾ اور نہ ہمارے باپ دادا ﴿وَلَا حَزَنًا مِّنْ شَيْءٍ﴾ اور نہ ہم حرام ٹھہراتے کسی چیز کو ﴿كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ﴾ اسی طرح جھٹلایا ان لوگوں نے ﴿مِن قَبْلِهِمْ﴾ جو ان سے پہلے تھے ﴿حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا﴾ یہاں تک کہ انہوں نے چکھا ہمارے عذاب کا مزا ﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ﴾ کیا ہے تمہارے پاس کوئی علم ﴿فَتُخْرِجُوهُ لَنَا﴾ پس نکالو اس علم کو ہمارے سامنے ﴿إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ﴾ نہیں پیروی کرتے تم مگر گمان کی ﴿وَإِن أنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ﴾ اور نہیں ہو تم مگر اٹکل پر چلتے ہو ﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿قَلِيلٌ مِّنْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَ اللَّهِ﴾ پس اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے دلیل کامل ﴿فَلَوْ شَاءَ﴾ پس اگر اللہ تعالیٰ چاہے ﴿لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ﴾ تو تم سب کو ہدایت دے دے ﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿هَلَمْ شَهِدْآءُكُمْ﴾ لاؤ اپنے گواہ ﴿الَّذِينَ يَشْهَدُونَ﴾ جو گواہی دیں ﴿أَنَّ اللَّهَ حَزَمَهُ﴾ کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے ان چیزوں کو ﴿فَإِنْ شَهِدُوا﴾ پس اگر وہ گواہی دیں ﴿فَلَا تَشْهَدُ مَعَهُمْ﴾ پس آپ نہ گواہی دیں ان کے ساتھ ﴿وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ﴾ اور نہ پیروی کریں ان لوگوں کی خواہشات کی ﴿كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا﴾ جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ﴿وَالَّذِينَ﴾ اور ان لوگوں کی ﴿لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ﴾ جو ایمان نہیں رکھتے آخرت پر ﴿وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ﴾ اور وہ اپنے رب کے ساتھ دوسروں کو برابر کرتے ہیں۔

ما قبل سے ربط

اس سے قبل مشرکوں کی بعض شرکیہ رسوم کا رد کیا گیا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ کھیتی میں بھی حصے دار بنائے ہوئے ہیں اور جانوروں میں بھی اور یہ کہ انہوں نے حلت و حرمت کے ضابطے بھی خود بنائے ہوئے ہیں کہ یہ چیز مردوں کے لیے حلال ہے اور عورتوں کے لیے حرام ہے۔ مشرکین نے شرکیہ رسوم اور خود ساختہ قاعدوں کے جواز پر دلیل پیش کی اس کا ذکر ہے۔

کیا پدی، کیا پدی کا شور بہ

اور یاد رکھنا! دنیا میں کوئی خاموش نہیں رہتا چاہے وہ انتہائی جھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔ مشہور کہادت ہے ”کیا پدی، کیا پدی کا شور بہ“ یہ ایک جھوٹا سا پرندہ ہے یہ گھاس دار زمین پر بیٹھا تھا اور گھاس کے ساتھ دھاگے الجھے ہوئے تھے۔ پدی کی ٹانگ دھاگے سے انک گئی اڑتی پڑ پڑا کر بیٹھ جاتی۔ نہ دھاگہ ٹوٹتا نہ گھاس زمین سے اکھڑتی۔ کوئے نے ازراہ ہمدردی پوچھا تاکہ

دھاگہ کاٹ کر جان چھڑا دے، خالہ کیا بات ہے؟ تو پدی نے کہا کہ میں زمین تول رہی ہوں۔ تو خاموش تو پدی بھی نہیں رہی اور ہار نہ مانی۔ تو مشرک کہاں ہار ماننے کے لیے تیار ہوں گے۔

مشرقی پنجاب کے مظالم اور بدعتی مولوی کی تقریر

جس زمانے میں مشرقی پنجاب میں مسلمانوں پر بڑے ظلم ڈھائے جا رہے تھے مسجدیں گرائی جا رہی تھیں عورتوں کی بے حرمتی ہو رہی تھی بچوں کو قتل کیا جا رہا تھا اور بہت کچھ ہو رہا تھا اس وقت ایک مولوی صاحب نے ”بٹ درمی فیکٹری“ کے سامنے تقریر کی اور کہا کہ اولیاء اللہ ہماری مدد کرتے ہیں اور شرک کی خوب آب یاری کی۔

تردید باطل کا فرض کفایہ

اور مسئلہ یہ ہے کہ باطل کی تردید فرض کفایہ ہے اگر کسی جگہ باطل ظاہر ہو اور اس کی کسی نے تردید نہ کی تو تمام کے تمام لوگ مجرم ہوں گے اور اگر ایک ثقہ آدمی نے اس کی تردید کر دی تو تمام کی گردنیں آزاد ہو جائیں گی، گناہ سے بری الذمہ ہو جائیں گے۔

اہل بدعت کے خلاف حضرت شیخ رحمہ اللہ کی تقریر اور ایک بابا

اس وقت میں گکھڑ میں نیا نیا آیا تھا میں نے سوچا کہ اس نے غلط تقریر کی ہے اگر تردید نہ ہوئی تو گکھڑ کے سارے لوگ گنہگار ہوں گے۔ لہذا ایک دن کے وقفے کے بعد میں نے اس کی تردید کی اور کہا کہ مدد کرنا صرف رب تعالیٰ کا کام ہے مخلوق کا کام نہیں ہے۔ بڑی سے بڑی ہستی بھی مانوق الاسباب کسی کی مدد نہیں کر سکتی اور نماز میں ہم پڑھتے ہیں ﴿إِيَّاكَ تَعْبُدُونَ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ پروردگار ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ سبق دیا ہے کہ عبادت بھی اللہ تعالیٰ کی اور مدد بھی صرف اللہ تعالیٰ سے مانگنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا مانوق الاسباب کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا۔ تقریر میں نے یہ بھی کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور مدد کر سکتا ہے تو مشرقی پنجاب میں مسلمانوں پر جو ظلم ہو رہا ہے بیڑ، فقیران کی مدد کیوں نہیں کرتے؟ حالانکہ بڑے بڑے ولی اس دھرتی میں ہیں۔ مثلاً: شاہ احمد سرہندی حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ، شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ، حضرت امیر جمیری رحمہ اللہ، خواجہ نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ۔

چچاس ساٹھ سال کی عمر کا ایک بابا کھڑا ہوا۔ ڈاڑھی اس کی کتری ہوئی تھی۔ کہنے لگا اولیاء اللہ مدد کرتے ہیں مگر آج کل سارے بزرگ حج کے لیے گئے ہوئے ہیں۔ حالانکہ وہ حج کا موسم بھی نہیں تھا مگر وہ چپ نہیں رہا۔ شوشہ چھوڑ کر چلا گیا۔ مقصد یہ ہے کہ کوئی کتنا جھوٹا کیوں نہ ہو خاموش نہیں رہتا۔ تو مشرکوں نے اپنے شرک کے صحیح ہونے پر یہ شوشہ چھوڑا۔

مشرکین کی ایک معسکہ خیز دلیل

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا﴾ تاکیو کے ساتھ کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا ﴿لَوْ شَاءَ اللَّهُ

ہے ﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الصَّلٰةُ﴾ پھر بعض ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور بعض ایسے ہیں جن پر گمراہی ثابت ہوگئی۔ جو گمراہی پر اڑے رہے اور پیغمبروں کی بات نہیں مانی۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں اور کتابوں کے ذریعے غیر اللہ کی عبادت سے بھی منع کیا اور دوسری برائیوں سے بھی منع کیا۔

منع کرنے کی دوسری صورت

البتہ منع کرنے کی ایک صورت یہ تھی کہ تم سے برائی کا مادہ ختم کر دیا جاتا کہ تم برائی کر ہی نہ سکتے۔ تو دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہیں انسان نہ رہنے دیتا بلکہ فرشتے بنا دیتا اور فرشتے معصوم ہوتے ہیں ان میں برائی کا مادہ نہیں ہوتا۔ مگر جب تمہیں انسان رکھنا ہے تو پھر خیر کا مادہ بھی ہوگا اور شر کا مادہ بھی ہوگا اور جنات میں بھی خیر و شر دونوں مادے ہیں۔ لہذا تمہارا یہ کہنا کہ ”یہ کام ہم سے رب تعالیٰ کرواتا ہے“ غلط ہے۔

ایمان و کفر کا اختیار انسان کے پاس

اس نے نیکی اور بدی کی طاقت عطا فرما کر اختیار دیا ہے ﴿فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ﴾ پس جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے اور ساتھ ہی فرما دیا کہ ﴿لَا يَزِلُّونَ لِعِبَادَةِ الْكُفْرِ﴾ [الزمر: ۷] اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے کفر پر راضی نہیں ہے۔ اور کفر اور ایمان لانے پر کسی کو مجبور بھی نہیں کرتا۔ ﴿فَلَوْ شَاءَ لَهَدٰكُمْ لِجَمِيْعِنَ﴾ پس اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تم سب کو ہدایت دے دے جبراً کہ تمہارے اندر سے کفر اور برائی کا اختیار سلب کر لے جس طرح فرشتوں کو بدی کرنے کا اختیار نہیں ہے مگر یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے۔

مشرکین سے گواہوں کی طلبی

﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿هَلَمَّ شُهَدَاءُكُمْ﴾ لاؤ اپنے گواہ ﴿الَّذِينَ يَشْهَدُونَ﴾ جو گواہی دیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ حَكَمٌ هٰذَا﴾ کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے ان چیزوں کو جن کو تم حرام قرار دیتے ہو پھر اللہ تعالیٰ پر انتر ابا نہ ہتے ہو کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس طرح کہا ہے۔ فرمایا ﴿فَاِنْ شَهِدُوْا﴾ پس اگر وہ گواہی دیں کیونکہ دنیا میں ہر قسم کے لوگ مل جاتے ہیں تو اگر چند مسخرے اور بہرہ دہیے قسم کے لوگ اکٹھے ہو کر کہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں ﴿فَلَا تَشْهَدُوْا مَعَهُمْ﴾ پس آپ نہ گواہی دیں ان کے ساتھ، حرام وہ چیزیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اور حلال وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کسی چیز کو حلال و حرام نہیں کر سکتا۔

کاذبین کی خواہشات کی پیروی سے ممانعت

﴿وَلَا تَتَّبِعُوْا اَهْوَاءَ الَّذِيْنَ﴾ اور نہ پیروی کریں ان لوگوں کی خواہشات کی ﴿كَلْبُوْا بَايَاتِنَا﴾ جنہوں نے جھٹلایا

ہماری آیتوں کو ﴿وَالَّذِينَ﴾ اور ان لوگوں کی ﴿لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ﴾ جو ایمان نہیں رکھتے آخرت پر ﴿وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَغْتَابُونَ﴾ اور وہ اپنے رب کے ساتھ دوسروں کو برابر کرتے ہیں۔ ان کے شوشوں میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ آنحضرت ﷺ کو خطاب کر کے ہمیں سمجھایا گیا ہے۔



﴿قُلْ﴾ آپ (ﷺ) کہہ دیں ﴿تَعَالَوْا﴾ آؤ ﴿أَتُلُّ مَا حَوَّرَ رَبُّكُمْ﴾ میں پڑھ کر سناؤں وہ چیزیں جو حرام قرار دی ہیں تمہارے رب نے ﴿عَلَيْكُمْ﴾ تم پر ﴿أَلَا تَشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا﴾ یہ کہ نہ شریک ٹھہراؤ اسکے ساتھ کسی چیز کو ﴿وَالْوَالِدِينَ إِحْسَانًا﴾ اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ﴾ اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو ﴿وَمَنْ أَمْلَاقٍ﴾ غربت کے خوف سے ﴿نَخُنْ نَزُّدُكُمْ وَإِنَّا لَهُمْ﴾ ہم تمہیں رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی ﴿وَلَا تَقْرُبُوا الْفَوَاحِشَ﴾ اور نہ قریب جاؤ بے حیائی کی باتوں کے ﴿مَظَاهِرَ مِنْهَا وَمَا بَطْنَ﴾ جو ظاہر ہوں ان میں سے اور جو پوشیدہ ہوں ﴿وَلَا تَقْتُلُوا﴾ اور نہ قتل کرو ﴿النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ﴾ اس نفس کو جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے ﴿إِلَّا بِالْحَقِّ﴾ مگر حق کے ساتھ ﴿ذَلِكُمْ وَضَعْنَا لَكُمْ﴾ ان چیزوں کا اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے ﴿لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ﴾ تاکہ تم سمجھ جاؤ ﴿وَلَا تَقْرُبُوا مَالَ الْيَتِيمِ﴾ اور نہ قریب جاؤ تم یتیم کے مال کے ﴿إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ مگر اس طریقے سے جو بہت اچھا ہو ﴿حَتَّىٰ يَبْدَأَ أَشُدَّهُ﴾ یہاں تک کہ وہ پہنچ جائے اپنی قوت اور جوانی کو ﴿وَأَوْفُوا الْكَيْدَ وَالْيَمَانَ﴾ اور پورا دو ماپ کر اور تول کر ﴿بِالْقِسْطِ﴾ انصاف کے ساتھ ﴿لَا تَكْلِفْ نَفْسًا﴾ ہم نہیں تکلیف دیتے کسی نفس کو ﴿إِلَّا وَسْعَهَا﴾ مگر اس کی طاقت کے مطابق ﴿وَإِذَا قُلْتُمْ﴾ اور جب تم بات کرو ﴿فَاعْدِلُوا﴾ تو انصاف کی بات کرو ﴿وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ﴾ اور اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو ﴿وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْتُوا﴾ اور اللہ تعالیٰ کے وعدے کو پورا کرو ﴿ذَلِكُمْ وَضَعْنَا لَكُمْ﴾ اس چیز کا اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے ﴿لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ﴿وَأَنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ﴾ اور بے شک یہ میرا راستہ ہے سیدھا ﴿فَاتَّبِعُوهُ﴾ پس تم اس کی پیروی کرو ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ﴾ اور نہ پیروی کرو تم اور راستوں کی ﴿فَتَقَرَّبَىٰ إِلَيْكُمْ﴾ پس وہ تم کو جدا کر دیں گے ﴿عَنْ سَبِيلِهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے راستہ سے ﴿ذَلِكُمْ وَضَعْنَا لَكُمْ﴾ اس چیز کا اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ تاکہ تم بچ جاؤ۔

ما قبل سے ربط

اس سے پہلے سبق میں مشرکین کے اس دعوے کا رد تھا کہ انہوں نے اپنی مرضی سے کچھ چیزوں کو حلال اور کچھ کو حرام ٹھہرایا ہوا تھا اور ذمے اللہ تعالیٰ کے لگاتے تھے کہ ایسا کرنے کو اللہ تعالیٰ نے کہا ہے۔

حرام اشیاء کی تفصیل

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جن چیزوں کو انہوں نے حرام ٹھہرایا ہوا ہے وہ تو حرام نہیں ہیں اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے وہ سن لو۔ فرمایا ﴿قُلْ﴾ آپ سنیے یہ کہہ دیں ﴿تَعَالَوْا﴾ آؤ ﴿أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبِّي﴾ میں پڑھ کر سناؤں وہ چیزیں جو حرام قرار دی ہیں تمہارے رب نے ﴿عَلَيْكُمْ﴾ تم پر جن کی تم پر داہ نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے کیا حرام کیا ہے؟

①.....شُرک کرنا

﴿الَّذِينَ كَفَرُوا بِهِمْ﴾ یہ کہ نہ شریک ٹھہراؤ اس کے ساتھ کسی چیز کو۔ نہ انسانوں میں سے، نہ جنوں میں سے، نہ فرشتوں میں سے اس کی ذات میں اس کا کوئی شریک ہے نہ صفات میں نہ افعال میں۔ رب تعالیٰ نے شرک تم پر حرام کیا ہے اور تم اس میں ڈوبے ہوئے ہو۔

②.....والدین کی نافرمانی

اور کیا حرام ہے؟ سنو ﴿وَالْوَالِدِينَ إِحْسَانًا﴾ اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کر دان کی توہین و تنقیص حرام ہے ان کی دل آزاری بھی حرام ہے چاہے قول سے ہو یا فعل سے اور یہ کبیرہ گناہوں میں سے ایک ہے۔

③.....قتل اولاد

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ﴾ اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو غربت کے خوف سے۔ عرب میں بعض خاندان تو ایسے تھے جو لڑکیوں کو زندہ درگور کرتے تھے اور بعض لڑکوں کو بھی قتل کر دیتے تھے اپنے جھوٹے معبودوں کو خوش کرنے کے لیے۔ اس کو کارِ ثواب سمجھتے تھے۔ اور لڑکیوں کو غربت کے خوف سے قتل کر دیتے تھے کہ ہم ان کو کھلائیں گے کہاں سے؟ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَنَحْنُ نُنزِّلُ الْغَيْثَ لَكُمْ وَيَأْتِيكُمْ بِهِم﴾ ہم تمہیں رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی۔ اگر انہیں تم رزق کے خوف سے قتل کرتے ہو کہ کھائیں گے کہاں سے تو پہلے خود کشی کر دو کہ تم کہاں سے کھاؤ گے؟ جو رب تعالیٰ تمہیں دیتا ہے وہ ان کو بھی دے گا۔

④.....فحاشی و عریانی کا حرام ہونا اور ”فواحش“ کی تحقیق

﴿وَلَا تَقْتُلُوا الْفَوَاحِشَ﴾ فَوَاحِشُ، فَاحِشَةٌ کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں بے حیائی۔ معنی ہوگا اور نہ قریب جاؤ

بے حیائیوں کے ﴿مَآظِمًا مِّنْهَا﴾ جو ظاہر ہوں ان میں سے۔ یعنی کھل کے ہوتی ہوں۔ جیسے: ناچ، مجر اور غیرہ قسم کی جو خرافات ہیں۔ آج کل تو اخبارات میں بے حیائی بڑی نمایاں ہوتی ہے جسے دیکھ کر بڑی دل آزاری ہوتی ہے اور حالات یہاں تک خراب ہو گئے ہیں کہ روکنے والے گونگے ہو گئے ہیں۔

شہزادہ عبداللہ بن عبدالعزیز کی رقص و سرود پر مجرمانہ خاموشی

شہزادہ عبداللہ بن عبدالعزیز آیا تو اس کے لیے انھوں نے بڑا رقص و سرود کا انتظام کیا۔ وہ بھی خاموشی سے دیکھتا سنتا رہا اور گونگا ہو کے بیٹھا رہا۔ حالانکہ اس کا فرض تھا ان کو منع کرتا اور کہتا کہ ہمارا مذہب ان چیزوں کی اجازت نہیں دیتا۔ اب لوگوں نے اس واقعہ کو سند بنا لیا کہ سو مولوی بھی کہیں کہ یہ ناجائز ہے تو لوگ نہیں مانیں گے کہ عرب کے بادشاہ کے سامنے سب کچھ ہوا ہے اس نے منع نہیں کیا تم کون ہوتے ہو منع کرنے والے ﴿وَمَا يَنْظُرْنَ﴾ اور جو پوشیدہ ہوں ان کے قریب بھی نہ جاؤ۔

⑤..... قتل نفس بغیر حق

﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾ اور نہ قتل کرو اس نفس کو جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے مگر حق کے ساتھ۔ شریعت میں کسی کو قتل کرنے کی صرف تین صورتیں جائز ہیں ان کے علاوہ کسی کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

قتل حق کی پہلی صورت

پہلی شکل یہ کہ معاذ اللہ کوئی شخص مرتد ہو جائے۔ تو مرتد کے بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ تین دن تک اس کو مہلت دی جائے گی کہ اسلام کے متعلق اس کو جو شکوک و شبہات ہیں دور کر لے۔ اس کو سمجھائیں گے اور یہ نہیں ہو سکتا کہ اسلام پر کوئی اعتراض ہو اور اس کا جواب نہ ہو۔ اگر تین دن تک نہ سمجھا تو اسے قتل کر دیا جائے گا اور یہ قتل بالحق ہوگا۔

قتل حق کی دوسری صورت

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر کوئی کسی کو قصداً قتل کرے۔ ایک ہے قتلِ خطا کہ مثلاً: بس یا ٹرک کے نیچے آ کر مر جائے یا کسی نے کسی جانور پر فائر کیا اور لگ کسی آدمی کو گیا اور وہ مر گیا۔ یہ قتلِ خطا ہے۔ اس پر قصاص نہیں ہے۔ قصاص قتلِ عمد پر ہے۔ قرآن کریم میں ہے ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَاۤاٰدِيَ الۡاٰلِیٰبِ﴾ [البقرہ: ۱۷۹] اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے اے عقل مندو! تو جو شخص جان بوجھ کر کسی کو قتل کرے گا تو وہ قصاصاً یعنی اس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ یہ قتل بھی قتلِ بالحق ہے۔

قتل حق کی تیسری صورت

اور تیسری صورت یہ ہے کہ شادی شدہ مرد یا شادی شدہ عورت بدکاری کریں اور اس کا شرعی ثبوت بھی مل جائے تو ان کو

میدان میں کھڑا کر کے سنگسار کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ شریعت کسی کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ذَلِكُمْ وَضَعْنَا لَكُمْ لَعْنَةً﴾ ان چیزوں کا اللہ تعالیٰ تمہیں ناکیدی حکم دیتا ہے ﴿لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ تاکہ تم سمجھ جاؤ۔

⑥..... مال یتیم کھانا

﴿وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ﴾ اور نہ قریب جاؤ تم یتیم کے مال کے ﴿إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ مگر اس طریقے سے جو بہت اچھا ہو۔ اور اچھا طریقہ یہی ہے کہ اس کے مال کی دیانت داری کے ساتھ حفاظت اور نگرانی کی جائے اور اس کے مال کے قریب نہ جاؤ کہ ہڑپ کرنے کی کوشش کرو حفاظت کرو ﴿حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ﴾ یہاں تک کہ وہ پہنچ جائے اپنی قوت اور جوانی کو۔ بالغ ہونے کے بعد اس کا مال اس کے حوالے کر دو لیکن آج لوگ یتیم کا مال کھانے کے گناہ میں مبتلا ہیں۔

اہم ترین مسئلہ

مسئلہ یہ ہے کہ مرنے والے کے مال میں سے صدقہ خیرات اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک اس کی وراثت تقسیم نہ ہو جائے یا تمام وارث اگر بالغ ہوں تو ان کی اجازت کے ساتھ مشترکہ مال میں سے صدقہ خیرات کر سکتے ہیں کہ جتنا مال خیرات میں خرچ ہوگا کل مال میں سے نکال لیا جائے گا اور بقیہ وارثوں پر حصے کے مطابق تقسیم ہو جائے گا۔ اور اگر وارثوں میں کوئی بچہ یا بچی نابالغ ہے تو پھر صدقہ خیرات بالکل جائز نہیں ہے چاہے نابالغ سے اجازت بھی لے لی جائے۔ کیونکہ نابالغ کی اجازت کی شرعی طور پر کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ایسے مال میں سے اگر صدقہ خیرات کیا گیا تو با اتفاق حرام ہے۔

محدثین، فقہاء رحمہم اللہ کا اتفاق اور رسوم کی تردید

تمام محدثین اور فقہاء رحمہم اللہ اس مسئلے پر متفق ہیں کہ اگر وارثوں میں ایک بچہ بھی نابالغ ہو تو جب تک وراثت تقسیم نہ ہو جائے مشترکہ مال میں سے صدقہ خیرات حرام ہے۔ اور اس میں دیوبندی، بریلوی کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اب سمجھنے والی بات یہ ہے کہ تجا، ساتا، دسواں اور چالیسویں کی رسموں پر مرنے والے کے مال میں سے خرچ کیا جاتا ہے۔ جو ابھی وارثوں پر تقسیم نہیں کیا ہوا۔

رسوم پر مال یتیم کا کھانا

اور اکثر مرنے والا یتیم بچہ چھوڑ کر جاتا ہے۔ تو ان رسموں پر یتیم کا مال کھایا جاتا ہے کیونکہ یہاں کا دستور یہ ہے کہ وراثت اس وقت تک تقسیم نہیں ہوتی جب تک بہن بھائی آپس میں لڑنے پڑیں اور یتیم کا مال کھانے میں سب آلودہ ہوتے ہیں۔ کچھ پکانے والے اور کچھ کھانے والے الا ماشاء اللہ۔ اور سارے حرام کھا جاتے ہیں مولوی بھی، قاری بھی، حاجی بھی، جاٹ، چودھری، رشتہ دار بھی۔ اور پھر عجیب بات یہ ہے کہ اس کو ایصالِ ثواب کا نام دے رکھا ہے۔ بھائی! ایصالِ ثواب تو غریب مسکین

کو کھلانے سے ہوتا ہے اور یہاں چاچے، مامے، پھوپھیاں، خالائیں اور دیگر رشتہ دار کھا جاتے ہیں۔ یہ کیا ایصالِ ثواب ہوا؟ یہ ان لوگوں نے عجب مکاری شروع کی ہوئی ہے۔ بھائی! ایصالِ ثواب تو ہوتا ہے کسی بھوکے پیاسے اور ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنے سے اور ان کو تم دھکے مارتے ہو اور کھا خود جاتے ہو۔ لہذا یاد رکھنا! چچا، ساسا، دسواں، چالیسواں بدعات ہیں اور یتیم کا مال کھانا قطعی حرام ہے۔

فوتگی والے گھر پڑوسیوں کا کھانا پکانا؟

البتہ فوتگی کے موقعہ پر عزیز رشتہ دار اور پڑوسی جو کھانا پکا کر بھیجتے ہیں یہ سنت ہے اور یہ کھانا جائز ہے۔ کیونکہ وہ یتیموں کے مال میں سے نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ جب موتہ کے مقام پر شہید ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِصْنَعُوا لِأَهْلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا فَإِنَّهُمْ أَتَاهُمْ مَا يَشْفَعُ لَهُمْ)) تم جعفر کے اہل خانہ کے لیے کھانا پکا کر بھیجو کیونکہ ان کو صدقے کی خبر پہنچی ہے۔ تو صدقے کے دنوں میں کھانا پکا کر بھیجنا سنت ہے۔ البتہ تین دن کے بعد جب کھانا گھر میں پکے گا تو یہ کھانا رشتہ دار بھی نہیں کھا سکتے۔ چاہے دور دراز سے کیوں نہ آئے ہوئے ہوں۔ کیونکہ یہ مشترک مال سے پکا یا گیا ہے۔ لہذا رشتہ دار تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں۔ اور اگر ٹھہریں تو اپنے کھانے کا انتظام خود کریں۔

مالِ یتیم کھانے پر وعید؟

چوتھے پارے میں آتا ہے یتیموں کا مال کھانے والوں کو اس طرح سمجھو ﴿إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا﴾ کہ وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں ﴿وَسَيَصْلُونَ سَعِيرًا﴾ [النساء: ۱۰] اور عنقریب وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔ لہذا یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ۔

④ میزان کا درست نہ رکھنا حرام؟

﴿وَأَذُوا التَّيْلَ وَالزَّيْتَانَ﴾ اور پورا دو ماپ کر (اگر پیمانے میں ماپ کر چیز دینی ہے) اور تول کر ﴿بِالْقَيْطِ﴾ انصاف کے ساتھ۔ اگر ترازو سے تول کر دینی ہے نہ پیمانے میں گڑ بڑ ہو اور نہ ترازو میں ڈنڈی مارو ﴿لَا تُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ ہم نہیں تکلیف دیتے کسی نفس کو مگر اس کی طاقت کے مطابق۔ ہر ایک کو ہم نے وہ احکام دیے ہیں جو وہ آسانی کے ساتھ کر سکتا ہے۔

⑤ انصاف کی بات نہ کرنا حرام؟

﴿وَإِذَا قُلْتُمْ فَانصَبُوا﴾ اور جب تم بات کرو تو انصاف کی بات کرو۔ سوچ سمجھ کر کہ اس میں میری اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ تو نہیں ہوگی کہ اس میں کسی کی دل آزاری نہ ہو اور کسی کی حق تلفی بھی نہ ہو اور بات بھی صحیح ہو ﴿وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ﴾ اور اگر چہ وہ

قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ نہ ان کو تکلیف دینے کے لیے بات کر دو اور نہ ان کو فائدہ پہنچانے کے لیے بات کرو۔ صرف رب تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے بات کرو۔

⑨ وعدے کو پورا نہ کرنا حرام ہے

﴿وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَتَوْا﴾ اور اللہ تعالیٰ کے وعدے کو پورا کرو جو وعدہ تم نے رب تعالیٰ کے ساتھ کیا ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدًا رَسُولَ اللَّهِ پڑھ کر کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی الہ نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ جو انھوں نے حکم دیا ہے وہ کرنا ہے۔ ﴿ذَلِكُمْ وَصَّيْنَاكُمْ بِهِ﴾ اس چیز کا اللہ تعالیٰ تمہیں تاکید ہی حکم دیتا ہے ﴿لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ﴿وَإِنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ﴾ اور بے شک یہ میرا راستہ ہے سیدھا۔ یعنی یہ جو کچھ اوپر بیان ہوا ہے ﴿الَّذِينَ كَفَرُوا بِهِ﴾ سے لے کر ﴿لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾ تک۔ ﴿فَاتَّبِعُوهُ﴾ پس تم اس کی پیروی کرو اور ہر نماز میں ہم ﴿إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ پڑھتے ہیں کہ اے پروردگار! ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔ اب اگر کوئی اس کے خلاف عمل کرے گا جو چیزیں اوپر بیان ہوئی ہیں تو وہ صراطِ مستقیم پر نہیں ہے۔ ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ﴾ اور نہ پیروی کرو تم اور راستوں کی ﴿فَتَفَرَّقَ بِكُمْ﴾ پس وہ تم کو جدا کر دیں گے ﴿عَنْ سَبِيلِهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے راستے سے ﴿ذَلِكُمْ وَصَّيْنَاكُمْ بِهِ﴾ اس چیز کا اللہ تعالیٰ تمہیں تاکید ہی حکم دیتا ہے ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ تاکہ تم بچ جاؤ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اور دوزخ کے عذاب سے۔



﴿ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى﴾ پھر ہم نے دی موسیٰ علیہ السلام کو ﴿الْكِتَابَ﴾ کتاب ﴿تَمَامًا﴾ مکمل کرتے ہوئے نعمت ﴿عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ﴾ اس شخص پر جس نے نیکی کی ﴿وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ اور تفصیل ہر چیز کے لیے ﴿وَهَدَىٰ وَرَحْمَةً﴾ اور ہدایت اور رحمت ﴿لَعَلَّهُمْ يَلْقَوْنَ رَبَّهُمْ يُؤْمِنُونَ﴾ تاکہ وہ لوگ اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لائیں ﴿وَهَذَا كِتَابٌ﴾ اور یہ کتاب ہے ﴿أَنْزَلْنَاهُ﴾ جس کو ہم نے نازل کیا ﴿مُبْرَكٌ﴾ برکت والی ہے ﴿فَاتَّبِعُوهُ﴾ پس تم اس کی پیروی کرو ﴿وَاتَّقُوا﴾ اور تم ڈرو ﴿لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ تاکہ تم پر رحم کیا جائے ﴿أَنْ تَقُولُوا﴾ تاکہ تم یہ نہ کہو ﴿إِنَّمَا أَنْزَلَ الْكِتَابَ﴾ کہ پختہ بات ہے نازل کی گئی کتاب ﴿عَلَّ طَائِفَتَيْنِ﴾ دو گروہوں پر ﴿مِنْ قَبْلِنَا﴾ ہم سے پہلے ﴿وَإِنْ كُنَّا﴾ اور بے شک ہم تھے ﴿عَنْ دَرَسَاتِهِمْ لِقَوْلَيْنِ﴾ ان کے پڑھنے پڑھانے سے بے خبر ﴿أَوْ تَقُولُوا﴾ یا تم یہ نہ کہو ﴿لَوْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْنَا الْكِتَابَ﴾ اگر بے شک اتاری جاتی ہمارے اوپر کتاب ﴿لَكُنَّا أَهْدَىٰ مِنْهُمْ﴾ تو ہم ہوتے ان سے زیادہ ہدایت والے ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَةٌ﴾ پس تحقیق آگئی تمہارے پاس واضح دلیل ﴿مِنْ رَبِّكُمْ﴾ تمہارے رب کی طرف سے ﴿وَهَدَىٰ﴾ اور ہدایت ﴿وَرَحْمَةً﴾ اور رحمت

﴿فَمَنْ أَظْلَمُ﴾ پس کون بڑا ظالم ہے اس شخص سے ﴿وَمَنْ كَذَّبَ بِآيَاتِ اللَّهِ﴾ جس نے جھٹلایا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو ﴿وَصَدَقَ عَنْهَا﴾ اور اعراض کیا اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے ﴿سَنَجْزِي الَّذِينَ﴾ ہم ضرور بدلہ دیں گے ان لوگوں کو ﴿يَصْدِفُونَ عَنَّا﴾ جو اعراض کرتے ہیں ہماری آیتوں سے ﴿سُوءَ الْعَذَابِ﴾ بُرا عذاب ﴿بِمَا كَانُوا يَصْدِفُونَ﴾ اس وجہ سے کہ وہ اعراض کرتے ہیں۔

ما قبل سے ربط/صراطِ مستقیم کی مزید تفسیر

اس سے پچھلے سبق میں آپ حضرات نے صراطِ مستقیم کی مختصر تفسیر سنی اور اس پر چلنے کا حکم سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس پر چلو تا کہ تم اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور عذاب سے بچ جاؤ ﴿ثُمَّ﴾ کا مطلب ہوتا ہے، پھر۔ مطلب یہ ہے کہ یہ حکم تو تم نے سن لیا پھر یہ بھی سن لو۔

پہلی کتابوں میں تورات کا مرکزی کتاب ہونا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ﴾ پھر ہم نے دی موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات۔ جتنی بھی آسمانی کتابیں ہیں ان میں قرآن کریم کے بعد توراہ بڑی اہم اور مرکزی مقدس کتاب ہے۔ توراہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کے پیغمبر، علماء اور مشائخ اپنے اپنے دور میں فیصلے کرتے رہے ﴿تَتْلُوهُ عَلَى الَّذِينَ أَحْسَنَ﴾ مکمل کرتے ہوئے نیکی اس شخص پر جس نے نیکی کی۔

”تَتْلُوهُ“ کی تفسیر

مفسرین کرام اس جملے کی تشریح اس طرح فرماتے ہیں کہ تَتْلُوهُ لِيُعْتَمِدَ عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ قِيَامَهُ بِهَٰذَا توراہ نازل فرما کر اپنی نعمت مکمل کی اس شخص پر جس نے دین کو اچھے طریقے سے قائم کیا۔ دین روحانی نعمت اور غذا ہے۔

جسم اور روح میں روح کو فوقیت

انسان دو چیزوں سے مرکب ہے ایک جسم اور دوسرا روح۔ جسم کی ضروریات تو تمام لوگ سمجھتے ہیں کہ اس کو خوراک کی ضرورت ہے اور اگر بیمار ہو جائے تو علاج کی ضرورت ہے مگر روح کی ضروریات کو بہت کم لوگ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اصل انسانیت روح کے ساتھ ہے جسم تو اس کے لیے سواری ہے۔ جس طرح گھوڑا گدھا آدمی کے لیے سواری ہیں۔ تو اس میں اصل انسان ہے گھوڑا گدھا اصل نہیں ہیں۔ مثلاً: کوئی آدمی گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہا ہو اور گھوڑے کو ٹھوکر لگے اور دونوں گر جائیں تو لوگ پہلے آدمی کو اٹھائیں گے کہ یہ انسان ہے۔ گھوڑے کی بھی فکر ہوگی مگر بعد میں۔ کیونکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے لیکن زیادہ فکر انسان کی ہوگی۔ اور اگر سارے لوگ گھوڑے کی طرف ہو جائیں اور آدمی کی خبر کوئی نہ لے تو حماقت ہوگی یہ ہمارا

بدن روح کے لیے سواری ہے۔ گھوڑے، گدھے اور ٹٹو کی طرح اس کی لوگوں کو نکر ہے کہ اس کی خوراک بھی ہو اور اس کا علاج بھی ہوتا کہ تندرست رہے اور پوشاک بھی ہو۔

انسان کا انسان نہ بننا ایک المیہ

اور روح کے متعلق بہت کم فکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کتابیں نازل فرمائی ہیں یہ روح کی خوراک ہیں اور انسان کو انسان بنانے کے لیے نازل کی گئی ہیں۔ انسان اگر صحیح معنی میں انسان بن جائے تو نہ کسی سے جھگڑا ہو نہ کسی کی حق تلفی ہو اور نہ کسی پر ظلم و زیادتی ہو۔ اور اگر انسانیت مخدوش ہو تو پھر سب کچھ ہوگا۔ حق تلفی ہوگی، جھگڑا ہوگا، ظلم و زیادتی ہوگی۔ یہ آسمانی کتابیں توراہ، انجیل، زبور، قرآن مجید انسانیت کا سبق دینے کے لیے نازل ہوئی ہیں۔

قرآن کریم کا اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہونا

اس وقت دنیا میں قرآن کریم کے سوا کوئی آسمانی کتاب اپنی اصلی شکل میں موجود نہیں ہے۔ قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے ﴿إِنَّا نَحْنُ نُحَرِّفُ الْقُرْآنَ وَإِنَّا لَنَحْفَظُونَهُ﴾ [المجم: ۹۰؛ پارہ: ۱۳] بے شک ہم نے ہی قرآن کریم کو نازل کیا ہے اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ اس لیے اس کے الفاظ محفوظ، لب و لہجہ محفوظ، ترجمہ محفوظ اور قیامت تک محفوظ رہے گا۔ جب دنیا سے یہ قرآن کریم اٹھ جائے گا تو دنیا بھی باقی نہیں رہے گی۔

قرآن کی موجودگی میں قیامت نہیں آسکتی

مسند احمد، مستدرک حاکم، موارد النظمآن، یہ حدیث کی کتابیں ہیں۔ ان سب میں یہ روایت صحیح سند کے ساتھ موجود ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو اس دنیا کا نظام سمیٹنا اور لپیٹنا منظور ہوگا تو قرآن کریم کے اوراق سے حرف اڑ جائیں گے صرف کاغذ رہ جائے گا اور حفاظ کے سینوں سے قرآن کریم نکال لیا جائے گا۔ اس میں ان کی توہین نہیں ہوگی بلکہ نظام عالم کو ختم کرنے کے لیے ایسے کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کتاب کی موجودگی میں قیامت نہیں آسکتی۔

مسلمان کی موجودگی میں بھی قیامت نہیں آسکتی

اسی طرح حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب تک دنیا میں کوئی اللہ، اللہ کرنے والا اور لا الہ الا اللہ کہنے والا موجود ہوگا تب تک قیامت نہیں آئے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَتَفْصِيْلًا لِّحَاجِّتَيْنِ﴾ اور تفصیل ہر چیز کے لیے۔ اُس وقت دینی اعتبار سے جو ان کی ضروریات تھیں توراہ میں ان کی تفصیل تھی ﴿وَذَهْدِي ذِمَّتِي﴾ اور ہدایت اور رحمت یہ کتاب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کیوں دی تھی ﴿لَتَأْتِيَنَّكُمْ بِبَقَاءٍ مِّنْهُمْ يُؤْمِنُونَ﴾ تاکہ وہ لوگ اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لائیں۔

اصولِ ثلاثہ

توحید و رسالت کی طرح قیامت کا مسئلہ بھی بنیادی ہے۔ اور تمام آسمانی کتابوں میں توحید و رسالت کی طرح قیامت کا سبق دیا گیا ہے۔ اصول تین ہی ہیں توحید، رسالت، قیامت۔ باقی تمام ان کے فروعات ہیں۔ ان اصولوں میں کسی زمانے میں فرق نہیں آیا اور تمام آسمانی کتابوں میں ان کو بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی اسی طرح ﴿وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ﴾ اور یہ کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ﴿مُبَارَكٌ﴾ برکت والی ہے۔

قرآن کا کتاب برکت ہونا

اس کا ایک حرف پڑھنے پر دس نیکیاں ملتی ہیں اور سننے پر بھی دس نیکیاں ملتی ہیں۔ اس کو دیکھنا ثواب ہے، اس کو ہاتھ لگانا ثواب ہے مگر بغیر وضو کے اس کو ہاتھ لگانا جائز نہیں ہے البتہ بے وضو پڑھنے کی اجازت ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے لَا تَمْسُهُ إِلَّا أَنْتَ ظَاهِرٌ قرآن کریم کو ہاتھ نہ لگاؤ مگر جب کہ تم پاک ہو۔ قرآن کریم کو جنابت کی حالت میں پڑھنا جائز نہیں ہے۔ عورتیں ایام ماہواری میں نہیں پڑھ سکتیں البتہ دعا کے طور پر کوئی جملہ کوئی آیت پڑھیں تو اجازت ہے۔ کیونکہ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ بھی تو قرآن کریم کی آیت ہے اس کو ہر کام کے شروع میں بطور دعا کے پڑھیں تو جائز ہے۔ اس طرح کوئی صدمہ یا مصیبت آئے تو اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُونَ پڑھیں تو اجازت ہے تو فرمایا یہ کتاب برکت والی ہے۔

نیست ممکن جز بقراءتہ

﴿فَاتَّبِعُوهُ﴾ پس تم اس کی پیروی کرو۔ جب تک اس کی پیروی ہوتی رہی اور مسلمان اس کے احکامات پر عمل کرتے رہے تو ان کا سر آسمانوں کے ساتھ لگا رہا۔ بڑی بڑی مغرور حکومتیں ان سے ڈرتی اور کانپتی تھیں۔ اور جب اس کی طرف پیٹھ پھیر دی اس وقت دنیا میں ذلیل ہو گئے۔ آج پوری دنیا میں امریکہ کی حکمرانی ہے۔ اس کا حکم، اس کا سکھ، اس کا آرڈر چلتا ہے اور کسی کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ مسلمان قرآن کریم کے قریب آئے گا تو اس ذلت سے نکلے گا۔ ﴿وَ اتَّقُوا﴾ اور تم ڈرو، کس سے؟ اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے۔ اور بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ﴿عِقَابُهُ﴾ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرو۔ اور بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ شرک سے ڈرو اور بچو ﴿لَعَلَّكُمْ تَرْحَمُونَ﴾ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

مقصد و حکمت نزول قرآن

آگے اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے نازل کرنے کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ اس کو ہم نے کیوں نازل کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے ﴿اَنْ تَعْلَمُوْا﴾ تاکہ تم یہ نہ کہو ﴿اِنَّمَا اَنْزَلْنَا الْكِتٰبَ عَلٰی طٰٓئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا﴾ کہ پختہ بات ہے نازل کی گئی کتاب دو گروہوں یہود و نصاریٰ پر ہم سے پہلے۔

سرزمین عرب میں بالترتیب پانچ گروہ

سرزمین عرب میں اکثریت مشرکین کی تھی مشرکین کے بعد مردم شماری کے اعتبار سے دوسرا نمبر یہود کا تھا کہ مدینہ طیبہ، خیبر کے علاوہ دوسرے علاقوں میں بھی آباد تھے اور تیسرا نمبر نصاریٰ کا تھا کہ نجران کے علاقے میں سارے وہی تھے اور نجران کے علاوہ دوسرے علاقوں میں بھی اکاڈ کا آباد تھے۔ مردم شماری کے اعتبار سے چوتھے نمبر پر صحابئین تھے اور پانچویں نمبر پر مجوس تھے اور وہ بہت کم تعداد میں تھے کہ حجر کے علاقے میں کچھ مجوسیوں کے ڈیرے تھے۔ یہ پانچ فرہقے آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت موجود تھے۔ ان میں سے دو بڑے گروہ یہود و نصاریٰ تھے۔ یہود کی طرف توراہ اور نصاریٰ کی طرف انجیل مقدس نازل کی گئی۔ عرب بڑے ذہین تھے اور اب بھی بڑے ذہین ہیں۔ یہ توراہ و انجیل سنتے تھے اور یہود و نصاریٰ سے واقف تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے عربیوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ کتاب قرآن کریم اس وجہ سے نازل فرمائی کہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہم سے پہلے دو گروہوں پر کتابیں نازل ہوئیں۔

تورات و انجیل کی نزولی زبان کا مبہم ہونا

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ كَافِرِينَ﴾ اور بے شک ہم تھے ان کے پڑھنے پڑھانے سے بے خبر۔ کہ توراہ و انجیل کی زبان عربی نہیں تھی کوئی اور زبان تھی۔ وہ کون سی زبان میں نازل ہوئی ہیں؟ اس وقت کے پادری صاحبان بھی یقین کے ساتھ نہیں بتا سکتے کہ ان کی اصلی زبان کون سی تھی؟ تو عربیو! تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہماری زبان عربی تھی اور یہ کتابیں اور زبانوں میں تھیں ہم ان کے سمجھنے سے غافل رہے اس لیے ہم نے قرآن کریم عربی زبان میں نازل کیا تاکہ تم سمجھ سکو۔ ﴿أَوْ تَقُولُوا﴾ یا تم یہ نہ کہو ﴿لَوْ أَنزَلْنَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ آدَمَ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ﴾ اگر بے شک اتاری جاتی ہمارے اوپر کتاب ﴿لَكُنَّا أَهْدَىٰ مِنْهُمْ﴾ تو ہم ہوتے ان سے زیادہ ہدایت والے۔

یہود و نصاریٰ میں نیک سیرت لوگوں کا مسلمان ہونا

یہود میں جو نیک دل لوگ تھے جیسے: عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ، حضرت اسد رضی اللہ عنہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت ثعلبہ بن یامین رضی اللہ عنہ۔ یہ بڑے نیک سیرت لوگ تھے۔ فطرت صحیح تھی آپ کے تشریف لانے پر مسلمان ہو گئے۔ لوگ ان کی زبردگیوں پر رشک کرتے تھے۔ اسی طرح عیسائیوں میں بھی کچھ لوگ نیک دل تھے۔ جیسے: تمیم داری رضی اللہ عنہ، عدی بن بدہ رضی اللہ عنہ اور حاتم طائی کے بیٹے عدی رضی اللہ عنہ۔ یہ نیک سیرت لوگ تھے اور مسلمان ہو گئے۔ ان کو دیکھ کر لوگ رشک کرتے تھے۔ اس لیے یہ کتاب نازل کی گئی تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ اگر ہماری طرف کتاب نازل ہوتی تو ہم ان سے زیادہ نیک سیرت اور ہدایت یافتہ ہوتے۔

قرآن کا تمام عالم کے لیے ہدایت و رحمت ہونا

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَاتٌ مِّنْ رَبِّكُمْ﴾ پس تحقیق آگئی تمہارے پاس واضح دلیل تمہارے رب کی طرف سے قرآن پاک جو

الحمد للہ! آج تک محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا۔ اور اس کا پڑھنا صرف مولویوں اور قاریوں کا کام نہیں ہے بلکہ تمام مسلمان مرد و عورتوں کے لیے ہے اور تمام کائنات کے لیے ﴿وَهُدًى﴾ اور ہدایت ہے ﴿وَمَرْحُومَةً﴾ اور رحمت ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفا ہے ﴿فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِآيَاتِ اللَّهِ﴾ پس کون بڑا ظالم ہے اس شخص سے جس نے جھٹلایا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو ﴿وَصَدَقَ عَنْهَا﴾ اور اعراض کیا اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے ﴿سَنَجْزِي الَّذِينَ﴾ ہم ضرور بدلہ دیں گے ان لوگوں کو ﴿يَصُدُّونَ عَنِ الْبَيْتِ﴾ جو اعراض کرتے ہیں ہماری آیتوں سے ﴿سَوَاءَ الْعَذَابِ﴾ برا عذاب ﴿بِمَا كَانُوا يَصُدُّونَ﴾ اس وجہ سے کہ وہ اعراض کرتے ہیں۔ لہذا اس کا بدلہ ان کو ضرور ملے گا۔

اعراض، مخالفت پر سزا کا ملنا امر فطری ہے

دیکھو! آج جو جس ملک میں رہتا ہے اس ملک کے قوانین کی پابندی کرنا اس پر لازمی ہے اگر مخالفت کرے گا تو سزا سے نہیں بچ سکتا۔ حالانکہ دنیا کے حکمرانوں نے نہ تو اس کو پیدا کیا ہے اور نہ ہی اس کی خوراک پیدا کی ہے۔ اور نہ ہی وہ اس کی موت و حیات کے مالک ہیں اور رب تعالیٰ کی ذات نے یہ سب کچھ پیدا کیا ہے۔ اس نے پیدا کیا خوراک، لباس اور تمام ضروریات پیدا فرمائیں صحت عطا فرمائی۔ تو جو اس کی نافرمانی کرے گا وہ اس کی گرفت سے کس طرح بچ سکتا ہے؟ حاشا وکلاً! ہرگز نہیں بچ سکتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم ضرور بدلہ دیں گے ان کو جو ہماری آیتوں سے اعراض کرتے ہیں۔



﴿هَلْ يَنْظُرُونَ﴾ نہیں وہ انتظار کرتے ﴿إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ﴾ مگر اس بات کا کہ آئیں ان کے پاس فرشتے ﴿أَوْ يَأْتِي رَبُّكَ﴾ یا آئے تیرا رب ﴿أَوْ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ﴾ یا آئیں تیرے رب کی بعض نشانیاں ﴿يَوْمَ﴾ ﴿يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ﴾ جس دن آئیں گی تیرے رب کی بعض نشانیاں ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْسًا﴾ نہیں نفع دے گا کسی نفس کو ﴿إِنَّمَا هِيَ﴾ اس کا ایمان ﴿لَمْ تَكُنْ مِنْ قَبْلُ﴾ جو نفس کہ ایمان نہیں لایا تھا اس سے پہلے ﴿أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا﴾ یا اس نے نہیں کمائی اپنے ایمان میں کوئی نیکی ﴿قُلْ انتظروا﴾ آپ (مسلمانانہ) کہہ دیں انتظار کرو ﴿إِنَّا مُنْتَظِرُونَ﴾ بے شک ہم بھی انتظار کرنے والے ہیں ﴿إِنَّ الَّذِينَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿قَرَأُوا دِينَهُمْ﴾ جنہوں نے تفرقہ ڈالا اپنے دین میں ﴿وَكَانُوا شُرَكَاءَ﴾ اور ہو گئے شیعہ ﴿لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ﴾ آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے ﴿إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ﴾ بے شک ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے ﴿لَهُمْ يَنْبَغُهُمْ﴾ پھر وہ ان کو بتائے گا ﴿بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ جو کچھ وہ کرتے رہے ﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ﴾ جو شخص لایا ایک نیکی ﴿فَلَهُ عَشْرُ﴾ امثالہا ﴿پس اس کے لیے دس گنا اجر ہے ﴿وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ﴾ اور جو شخص لایا برائی ﴿فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلَهَا﴾

پس نہیں بدلا دیا جائے گا مگر اس کے مثل ﴿وَهُمْ لَا يُظَلُّونَ﴾ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

ماقبل سے ربط

اس سے پہلے رکوع میں توحید کا بیان ہوا اور حقوق العباد کا ذکر ہوا اور ان کے علاوہ اور بہت سی چیزوں کے احکام بیان کرنے کے بعد فرمایا ﴿وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ قَاتِلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا﴾ یہ کتاب قرآن کریم اس کو ہم نے نازل کیا ہے برکت والی ہے اس کا اتباع کرو۔

دلائل عقلیہ و نقلیہ کی موجودگی میں نہ سمجھنا، چہ معنی دارو؟

قرآن کریم میں جو عقلی و نقلی دلائل بیان ہوئے ہیں ان سے بڑھ کر سمجھانے میں، پھر سمجھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایسا طریقہ اختیار فرمایا ہے کہ ہر پڑھا لکھا اور ان پڑھ کچھ سکتا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی تسلیم نہ کرے تو وہ کس چیز کے انتظار میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿هَلْ يَنْظُرُونَ﴾ نہیں وہ انتظار کرتے ﴿إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمُ السَّابِقَةُ﴾ مگر اس بابت کا کہ آئیں ان کے پاس فرشتے عذاب کے ساتھ پھر مانیں گے؟

”يَا أَيُّهَا رَبُّكَ“ کی تفاسیر

﴿أَوْ يَا رَبُّكَ﴾ یا آئے تیرا رب۔ ﴿يَا أَيُّهَا رَبُّكَ﴾ کی ایک تفسیر یہ کرتے ہیں کہ مراد ہے تیرے رب کا حکم آئے۔ چنانچہ جو دھویں پارہ میں سورۃ النحل میں ہے ﴿أَوْ يَا أَيُّهَا أُمُّ رَبِّكَ﴾ تو یہاں ﴿رَبُّكَ﴾ کے لفظ سے پہلے امر کا لفظ موجود ہے۔ معنی ہوگا یا تیرے رب کا حکم آئے اور مفسرین کرام رحمہم اللہ کا دوسرا گروہ کہتا ہے کہ حقیقتاً رب تعالیٰ کا آنا ہی مراد ہے کہ قیامت کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ کی عدالت قائم ہوگی رب تعالیٰ آئیں گے جس طرح کا آنا اس کی شان کے لائق ہوگا۔ ہم اس کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے کہ اللہ تعالیٰ کے آنے کی کیفیت کیا ہوگی۔

رب تعالیٰ کا دیکھنا، سننا، کلام کرنا اور اعضاء وغیرہ کا مطلب

جیسے: قرآن کریم میں آتا ہے ﴿بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ﴾ اس کے ہاتھ میں ہے شاہی یہاں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کا ذکر ہے۔ اور دو ہاتھوں کا ذکر بھی آتا ہے ﴿بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ﴾ رب تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں تو ہم نہیں سمجھ سکتے کہ رب تعالیٰ کے ہاتھ کیسے ہیں بس ہم یہی کہیں گے کہ جو اس کی شان کے لائق ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفت سَمِيعٌ بَصِيرٌ بھی ہے کہ وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کا سننا اور دیکھنا مخلوق کی طرح تو نہیں ہے کہ ہم کانوں سے سنتے ہیں آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے کان اور آنکھیں مخلوق کی طرح نہیں ہیں۔ بس یہی کہیں گے کہ جو اس کی شان کے لائق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی گفتگو کا ذکر بھی قرآن کریم میں آتا ہے۔ ﴿وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا﴾ [النساء: ۱۶۳] اللہ تعالیٰ نے موسیٰ عليه السلام سے گفتگو فرمائی۔ مگر رب تعالیٰ کا

بولنا ہماری طرح نہیں کہ بولتے ہیں تو منہ کھولتے ہیں، دانت ہلاتے ہیں، ہونٹ ہلاتے ہیں، رب تعالیٰ دانتوں اور ہونٹوں سے پاک ہے۔ بس یہی کہیں گے کہ اس نے گفتگو فرمائی جس طرح اس کی شان کے لائق تھی۔

تو قرآن و حدیث میں اس طرح کی جتنی صفات بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں ہمارا سب پر ایمان ہے۔ ان کی حقیقت جاننا ہمارے بس میں نہیں ہے۔ ہمارے لیے اتنا کافی ہے کہ ہم کہیں گستاخیت یعنی بِشَاہِدِہ جیسے اس کی شان کے لائق ہے۔ یہ بھی قرآن کریم میں آتا ہے ﴿الَّذِخْلِقَ عَلَ الْعَرْشِ اسْتَوٰی﴾ [ط: ۵] رحمن عرش پر قائم ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ وہ اپنی شان کے ساتھ قائم ہے اور یہ بھی آتا ہے ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اِنَّ مَا كُنْتُمْ ﴿تم جہاں کہیں بھی ہو وہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔ اس کا ساتھ ہونا کس طرح کا ہے؟ بھائی جو اس کی شان کے لائق ہے۔ اسی طرح رب تعالیٰ کا قیامت والے دن آنا حق ہے۔ عدالت لگی ہوگی انصاف فرمائیں گے جو اس کی شان کے لائق ہوگا اس طرح آئے گا۔

آگے فرمایا ﴿اَوْ يَأْتِي بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ﴾ یا آئیں تیرے رب کی بعض نشانیاں ﴿يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ﴾ جس دن آئیں گی تیرے رب کی بعض نشانیاں ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْسًا﴾ نہیں نفع دے گا کسی نفس کو ﴿اِنَّمَا نَحْنُ﴾ اس کا ایمان ﴿لَمْ تَكُنْ اٰمَنَّا مِنْ قَبْلُ﴾ جو نفس کہ ایمان نہیں لایا تھا اس سے پہلے ﴿اَوْ كَسَبَتْ فِیْ اٰیٰتِنَا حٰخِیْرًا﴾ یا اس نے نہیں کمائی اپنے ایمان میں کوئی نیکی یہ کون سی نشانیاں ہیں جن کے ظہور کے بعد کوئی خیر اور نیکی کام نہیں آئے گی۔

علامات قیامت ۶

صحیح روایات میں آتا ہے کہ سورج کا مغرب کی طرف سے طلوع ہونا اور دابہ الارض کا نکلنا ہے۔

① زمین میں سے جانور کا نکلنا ۶

صفا کی چٹان پھٹے گی اور تیل کی طرح کا ایک جانور زمین سے نکلے گا لوگوں کے ساتھ اس طرح گفتگو کرے گا جس طرح اب میں آپ کے ساتھ گفتگو کر رہا ہوں اور آپ حضرات سمجھ رہے ہیں وہ تقریر کرے گا اور لوگ اس کے پیچھے پیچھے دوڑیں گے۔

② سورج کا مغرب کی طرف سے طلوع ہونا ۶

اور جس دن دابہ الارض نکلے گا۔ اسی دن سورج مغرب سے طلوع ہوگا اس کی شکل اس طرح بنے گی کہ مثلاً: اب سورج کے طلوع ہونے کا وقت ہے مطلع بالکل صاف ہے اسی طرح مطلع صاف ہوگا لوگ سورج کے طلوع ہونے کا انتظار کر رہے ہوں گے مگر سورج طلوع نہیں ہوگا۔ لوگ حیران ہوں گے کہ بادل بھی نہیں ہیں دھند بھی نہیں ہے اور طلوع ہونے کے آثار نظر نہیں آ رہے کہ پہلے مشرق کی طرف سے سفیدی پھیلتی ہے پھر سرخی پھیلتی ہے اور آج کچھ بھی نہیں ہے سورج مغرب سے طلوع ہو کر سر پر آ پئے گا۔

علاماتِ قیامت کے پورا ہونے کے بعد توبہ کا قبول نہ ہونا ﴿۱﴾

لوگوں میں افراتفری پھیل جائے گی توبہ کرنے والے توبہ کریں گے مگر اب توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا اس سے پہلے جو ایمان لا چکے تھے ان کا ایمان معتبر ہوگا اور اس سے پہلے جو توبہ کرتے تھے ان کی توبہ بھی قبول ہوگی اور پہلے نیکیاں کرتے تھے ان کی وہ نیکیاں بھی معتبر ہوں گی جو اس کے بعد کریں گے اور دابۃ الارض کے زمین سے نکلنے اور سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے بعد جو ایمان لائے گا اس کے ایمان کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور اسی طرح پہلے نیکی نہیں کرتا تھا اور اب شروع کی تو اس نیکی کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ جس طرح نزع کی حالت طاری ہونے کے بعد کوئی شخص ایمان لائے یا توبہ کرے استغفار کرے تو اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اسی طرح سورج کا مغرب سے طلوع ہونا جہاں پر نزع کی حالت ہوگی اس کے بعد بھی ایمان اور توبہ قبول نہیں ہوگی تو سورج دو پہر تک آئے گا پھر اسے اللہ تعالیٰ حکم دیں گے واپس لوٹ جا اور جس طرح پہلے مشرق سے طلوع ہوتا تھا اسی طرح اب بھی مشرق سے طلوع ہو سورج اپنی لیٹ بھی نکال لے گا اور مشرق سے طلوع ہوگا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ﴿۲﴾

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں روایات نقل کرتے ہیں کہ اس کے بعد تقریباً ایک سو بیس سال گزریں گے پھر حضرت اسرائیل علیہ السلام بگل پھونکیں گے۔

علاوہ ازیں علاماتِ قیامت ﴿۳﴾

ان کے علاوہ قیامت کی اور بھی بہت سی نشانیاں ہیں مثلاً: امام مہدی علیہ السلام کا آنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں سے نازل ہونا، یاجوج ماجوج کا خروج، دجال کا خروج اور خسف بالشرق و خسف بالمغرب و خسف بجزیرۃ العرب، مشرقی ملکوں میں ایک پورے علاقے کا زمین میں دھنس جانا اور مغربی ممالک میں ایک علاقے کا زمین میں دھنس جانا اور جزیرہ عرب میں ایک ٹکڑے کا زمین میں دھنس جانا۔ یہ سب کچھ ہونے والا ہے اور ہو کر رہے گا۔

خسف جزیرہ عرب کے متعلق حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ﴿۴﴾

یہ جو جزیرہ عرب میں ایک ٹکڑے کے دھنس جانے کا ذکر ہے اس کے متعلق غیب تو رب تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ وہ کون سا علاقہ ہوگا مگر میرا ذہن یہ کہتا ہے کہ یہ وہی جگہ ہوگی جہاں امریکہ کی ایک لاکھ سے زیادہ فوج بیٹھی ہوئی ہے جس کو شہزادوں نے اپنی حفاظت کے لیے پاک زمین پر ٹھہرایا ہوا ہے۔ وہاں شراب بھی چلتی ہے، زنا بھی ہوتا ہے اور جو کچھ انگریز قوم کرتی ہے وہ سارا کچھ وہاں ہو رہا ہے اور یہ تمام اخراجات شہزادے برداشت کر رہے ہیں۔ یہ ٹکڑا بسع ان کے زمین میں دھنس جائے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ اِنظُرُوا﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں انتظار کرو ﴿اِنَا مُنظَرُونَ﴾ بے شک ہم بھی انتظار

کرنے والے ہیں۔ اس کے بعد رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿إِنَّ الَّذِينَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿فَرَّقُوا دِينَهُمْ﴾ جنہوں نے تفرقہ ڈالا اپنے دین میں۔

”شیعاً“ کی تحقیق؟

﴿وَكَانُوا شِيعَةً﴾ اور ہو گئے شیعہ۔ ”شیعاً“، شیعۃ کی جمع ہے جس کا معنی ہے ”گروہ“۔ تو معنی ہوگا اور گروہ بن گئے شیعہ بن گئے۔ ﴿كُنْتُمْ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ﴾ آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اسلام میں سب سے پہلا باطل فرقہ ”شیعہ“؟

سب سے پہلا باطل فرقہ ”شیعہ“ ہے جس کی بنیاد عبد اللہ بن سبا یہودی نے رکھی۔ یہ عبد اللہ جس کے باپ کا نام ”سبا“ تھا یمن کا رہنے والا تھا۔ یہ کٹر یہودی، بڑا خبیث اور شاطر قسم کا انسان تھا۔ جیسے: آج کل کے لیڈر ہیں بس وہ ان کا باپ تھا۔ اس نے سوچا کہ اسلام کے ساتھ نکرانے سے تو کام نہیں چلے گا کہ نہ تو دلائل کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور نہ تلوار کے ساتھ۔ لہذا برائے نام مسلمان بن کر اسلام میں داخل ہو کر مسلمانوں کے ذہن بگاڑو۔ چنانچہ اس پالیسی میں وہ کافی حد تک کامیاب ہوا۔ مصر میں اس نے اپنا مرکز قائم کیا اور حالات کا جائزہ لیتا رہا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دورانہی؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ بڑی دور رس تھی۔ اگر کوئی فتنہ سرا اٹھاتا تو وہ اس کو کچل دیتے تھے۔ ان کے دس سالہ دور میں کوئی فتنہ نہیں چل سکا۔ اول تو کوئی سر نہیں اٹھا سکتا تھا اور اگر کسی نے سرا اٹھایا تو اسے کچل دیا گیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نرم مزاجی؟

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ طبعی طور پر بڑے نرم مزاج انسان تھے۔ وہ بارہ سال خلیفہ رہے ہیں۔ ان کے دورِ خلافت میں ان کے چچا زاد بھائی مروان بن حکم اور اس قسم کے جو افسر تھے ان کی کچھ شرارتیں بھی سامنے آئیں۔ اس سے ابن سبا کو لوگوں کے ذہن خراب کرنے کا موقع مل گیا۔

لہذا اس نے کوفہ اور بصرہ میں لوگوں کے ذہن بگاڑے اور شام کے لوگوں نے اس کی بات نہیں مانی، اور مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں بھی اس کی بات نہ چل سکی۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف تحریک شروع ہو گئی۔ اور ان سے مطالبہ کیا کہ یا تو خلافت سے دست بردار ہو جاؤ یا زندگی سے ہاتھ دھونے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں خلافت تو نہیں چھوڑوں گا اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا تھا اے عثمان! رب تعالیٰ تجھے ایک کرتا پہنائے گا لوگ اسے اتارنا چاہیں گے تم نہ اتارنا، یہ خلافت کا کرتا ہے۔ لہذا میں نہیں اتاروں گا حالات کافی خراب ہو گئے۔

اسود تجیبی لعین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قاتل

اور پھر وہ وقت بھی آ گیا کہ اسود تجیبی خبیث نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گلے پر چھری چلا کر ذبح کر دیا۔ یہ سب عبد اللہ بن سبا کی تحریک کا نتیجہ تھا۔ اس کے بعد یہی سبائی فرقہ رافضی بنا۔ اسلام میں یہ سب سے پہلا فرقہ ہے اور مسلمانوں کا سب سے زیادہ اور بدترین دشمن یہی رافضی فرقہ ہے۔ یہ گندہ تالاب ہے۔ پھر آگے اس سے کئی شاخیں نکلی ہیں۔ انہوں نے ہی فرقہ بازی کی ہے اور فرقہ داریت پھیلائی ہے مگر افسوس ہے کہ آج بہت سارے مسلمان شیعوں کو رشتے دیتے ہیں اور ان سے لیتے ہیں اور ان کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ (رافضیوں نے تقیہ کا لبادہ اوڑھا ہوا ہے جس سے عوام کو ان کی حقیقت کا پتہ نہیں چلتا اور دھوکے میں آ جاتے ہیں۔ بلوچ)۔

تقیہ کا مطلب

ان کا تقیہ سمجھیں۔ تقیہ کا مطلب ہے کہ باطن میں کچھ ہو اور ظاہر میں کچھ اور ہو۔ اور تقیہ کرنا ان کے ہاں کتنا ضروری ہے اس کا اندازہ اس سے لگائیں کہ کہتے ہیں لَا دِئْنَ لِمَنْ لَا تَقِيَّةَ لَهُ اس شخص کا دین نہیں ہے جس کا تقیہ نہیں ہے یعنی جو شخص تقیہ نہیں کرتا وہ بے دین ہے۔ اور کہتے ہیں کہ جس نے کسی سنی کے پیچھے تقیہ کرتے ہوئے نماز پڑھی تو کَأَنَّهَا صَلَّيْ خَلْفَ نَبِيٍّ گویا کہ اس نے نبی کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ یعنی تقیہ اتنا وزنی اور فضیلت رکھتا ہے، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔

کافر کو کافر سمجھنا لیکن لڑائی سے گریز کرنا

اور یہ بات بھی سمجھ لیں کہ کسی کے غلط اور برے ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کے ساتھ لڑائی شروع کر دیں۔ کیونکہ اسلام لڑائی جھگڑے، قتل و قتل کو اچھا نہیں سمجھتا۔ ہمارے ملک میں مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں۔ بولان کے علاقے میں سب ہندو رہتے ہیں اور کراچی میں بھی ہندو ہیں اور اس کے علاوہ اور علاقوں میں بھی رہتے ہیں۔ اسی طرح سکھ بھی ہمارے ملک میں رہتے ہیں۔ عیسائی اور یہودی بھی آباد ہیں اور پارسی بھی موجود ہیں۔ سب کو زندہ رہنے کا حق ہے مگر ان کو مسلمان نہ سمجھو۔ قادیانی بھی کافر ہیں اور وہ ابھی تک اس پر مصر ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اس دعوے سے وہ مسلمان تو نہیں ہو جائیں گے ان کو کافر سمجھو کیونکہ کفر کو اسلام سمجھنا غلط ہے اور ان کے ساتھ میل جول بھی نہ رکھو۔

﴿إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ﴾ بے شک ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے ﴿كَلِمَةً يَبَيِّنُهَا﴾ پھر وہ ان کو بتائے گا ﴿بِهَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ جو کچھ وہ کرتے رہے۔

قانون قدرت ایک نیکی کا بدلہ دس گنا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ﴾ جو شخص لایا ایک نیکی ﴿فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا﴾ پس اس کے لیے دس گنا اجر

ہے۔ مثلاً: ایک شخص کہتا ہے سُبْحَانَ اللَّهِ تو اس کو دس نیکیاں ملیں گی اور ایک گناہ خود بخود دگر جائے گا اور ایک درجہ بھی بلند ہوگا۔ اسی طرح کوئی اَلْحَمْدُ لِلَّهِ يَا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللَّهُ کہتا ہے تو دس نیکیاں ملیں گی یا اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہتا ہے یا کسی مسلمان بھائی کو اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ کہتا ہے یا وَعَلَيْكُمْ السَّلَامُ کہتا ہے تو دس نیکیاں ملیں گی۔ غرضیکہ کوئی بھی قولی یا فعلی طور پر نیکی کا کام ہو اس پر دس گنا اجر ملے گا اور یہ عام حالات میں ہے۔

فی سبیل اللہ کی مد میں نیکی کا بدلہ سات سو گنا تک ﴿﴾

اور جو نیکی فی سبیل اللہ کی مد میں ہو اس کے متعلق تیسرے پارے میں حکم موجود ہے کہ ایک نیکی کا ادنیٰ ترین بدلہ سات سو گنا ہے ﴿وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ﴾ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہے اس سے بھی بڑھا دے۔ علم دین حاصل کرنے کے لیے نکلنا فی سبیل اللہ کی مد میں ہے۔ آپ حضرات صبح گھر سے اس ارادے اور نیت کے ساتھ نکلیں کہ ہم نے قرآن کریم کا درس سنا ہے، حدیث پاک کا درس سنا ہے تو ایک ایک قدم پر سات سات سو نیکی ملے گی۔ دین کی تبلیغ کے لیے نکلنا بھی فی سبیل اللہ کی مد میں ہے۔ دین کی تبلیغ اور اشاعت کے لیے روپیہ خرچ کرنا بھی فی سبیل اللہ کی مد میں ہے۔ ایک روپیہ خرچ کرنے والے کو سات سو روپے کا ثواب ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے لیے جانا بھی فی سبیل اللہ کی مد میں ہے۔ اور جو حضرات جمعہ کے لیے آتے ہیں ان کا ہر قدم فی سبیل اللہ کی مد میں آتا ہے۔ کیونکہ جمعہ میں وعظ و نصیحت ہوتی ہے اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص جمعہ کے لیے گھر سے نکلتا ہے اس کا ہر قدم فی سبیل اللہ ہے۔ ہر قدم پر سات، سات سو نیکیاں ملیں گی۔

برائی کے بدلے میں ایک برائی کا ہی ملنا ﴿﴾

فرمایا ﴿وَمَنْ جَاءَ بِالسُّوْتَةِ﴾ اور جو شخص لایا برائی ﴿فَلَا يُجْزَىٰ اِلَّا وَمِثْلَهَا﴾ پس نہیں بدلا دیا جائے گا مگر اس کے مثل۔ یعنی برائی کی تو ایک ہی لکھی جائے گی دو نہیں لکھی جائیں گی۔ اور نیکیاں ہر ایک پر دس یا سات سو اور اس سے بھی زیادہ۔ اتنی بڑی بخشش اور رخصت کے ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی شخص دوزخ میں جائے تو یقیناً انتہائی بد بخت انسان ہے۔ ﴿وَهُمْ لَا يُظَلِّمُونَ﴾ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ کسی کی نیکی ضائع نہیں کی جائے گی اور بدی سے زیادہ اس کو سزا نہیں دی جائے گی۔



﴿قُلْ اِنَّنِي﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں بے شک مجھے ﴿هَدَانِي رَبِّي﴾ ہدایت دی ہے میرے رب نے ﴿اِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ﴾ سیدھے راستے کی ﴿وَيُنَاقِضًا﴾ دین ہے سیدھا ﴿وَمَلَّةً اِبْرٰهِيْمَ حَنِيفًا﴾ ملت ہے ابراہیم کی جو یکسو ہونے والے تھے ﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھے ﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿اِنَّ صَلَاتِي﴾ بے شک میری نماز ﴿وَوُكُوْعِي﴾ اور میری قربانی ﴿وَمَحْيَايَ﴾

اور میری زندگی ﴿وَمَمَاتِي﴾ اور میری موت ﴿يَلِيهِ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے ﴿لَا شَرِيكَ لَكَ﴾ اس کا کوئی شریک نہیں ہے ﴿وَيَذَلِكْ أَمْرٌ﴾ اور مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے ﴿وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ﴾ اور میں فرماں برداروں میں سب سے پہلا ہوں ﴿قُلْ﴾ آپ (سنتعالیہ) کہہ دیں ﴿أَعْبُدُوا اللَّهَ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿أَبْغَىٰ رَبًّا﴾ میں تلاش کروں کسی اور کو رب ﴿وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ﴾ حالانکہ وہی ہے رب ہر چیز کا ﴿وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ﴾ اور نہیں کما تا کوئی نفس ﴿إِلَّا عَلَيْهَا﴾ مگر اسی پر پڑتی ہے ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ﴾ اور نہیں اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا ﴿وَوَزِيرًا أُخْرَىٰ﴾ کسی دوسرے کا بوجھ ﴿ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ مَرْجِعُكُمْ﴾ پھر تمہیں اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے ﴿فَيُنَبِّئُكُمْ﴾ پس وہ تمہیں خبر دے گا ﴿بِمَا كُنتُمْ فَعِلْتُمْ﴾ جن میں تم اختلاف کرتے تھے ﴿وَهُوَ الْذِي﴾ اور وہ وہی ذات ہے ﴿جَعَلَكُمْ﴾ جس نے بنایا تمہیں ﴿خَلْقَ الْأَرْضِ﴾ زمین کا خلیفہ ﴿وَرَأَيْتُمْ بَعْضَ دَرَجَاتٍ﴾ اور بلند کیا تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں ﴿لِيَبْلُوَكُمْ﴾ تاکہ وہ تمہارا امتحان لے ﴿فِي مِمَّا أَسْأَلْتُمْ﴾ ان چیزوں میں جو اس نے تمہیں دی ہیں ﴿إِنَّ رَبَّكَ﴾ بے شک تیرا رب ﴿سَرِيءُ الْعِقَابِ﴾ جلد سزا دینے والا ہے ﴿وَإِنَّهُ لَعَفُوٌ رَّحِيمٌ﴾ اور بے شک وہ البتہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ما قبل سے ربط اور آپ ﷺ کو خطاب

اللہ تبارک و تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا ﴿قُلْ إِنِّي﴾ آپ ﷺ کہہ دیں بے شک مجھے ﴿هَدَانِي رَبِّي﴾ ہدایت دی ہے میرے رب نے ﴿إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ سیدھے راستے کی۔ صراطِ مستقیم کی تفسیر دور کو بچھے گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، غربت کے ڈر سے اولاد کو قتل نہ کرو، بے حیائی کے قریب نہ جاؤ۔ اور کسی کو ناحق قتل نہ کرو اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ، پورا ناپ کرو، اور پورا تول کرو اور جب بات کرو تو انصاف کی کرو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو وعدہ کیا ہے اس کو پورا کرو اور مخلوق کے ساتھ جو جائز وعدہ کیا ہے اس کو بھی پورا کرو۔ ان چیزوں کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَإِنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ﴾ اور بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے۔ اس میں عقائد بھی ہیں اعمال اور اخلاق بھی معاملات بھی ﴿وَيُنَبِّئُكُمْ﴾ دین ہے سیدھا اس میں کوئی ٹیڑھا پن نہیں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی استقامت

﴿وَمَلَأْنَا بَرزخَهُم مِّنْ دُونِهَا﴾ ملت ہے ابراہیم علیہ السلام کی جو یکسو ہونے والے تھے سب کو چھوڑ کر، باپ نے مخالفت کی حق کے

سلسلے میں، اس وقت کے بادشاہ نے مخالفت کی، عزیز رشتہ داروں نے مخالفت کی، بڑا زور لگایا اور ان سے جو کچھ ہو سکتا تھا انھوں نے کیا مگر ابراہیم علیہ السلام نے حق کو نہیں چھوڑا ﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھے۔

تردید دعویٰ شرک

اس میں مشرکوں کے دعوے کی تردید ہے۔ کیونکہ وہ دعویٰ کرتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام ہمارے مذہب پر تھے اور ہم ابراہیمی ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ارے مشرک! وہ شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت سب کے ہاں مسلم تھی اس لیے ہر گروہ اپنی نسبت ان کے ساتھ جوڑتا تھا اور کہتے تھے کہ وہ ہمارے ہیں۔

یہود و نصاریٰ کے دعوؤں کی بھی تردید

چنانچہ تیسرے پارے میں موجود ہے کہ یہودیوں نے دعویٰ کیا کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے، عیسائیوں نے کہا کہ تم غلط کہتے ہو بلکہ وہ تو عیسائی تھے اور مشرکوں نے کہا کہ وہ ہمارے تھے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے سب کی تردید فرمائی اور کہا ﴿مَا كَانَ إِبْرَاهِيمَ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی تھے اور لیکن وہ ایک طرف ہو کر رہنے والے مسلمان تھے اور وہ نہ تھے مشرکوں میں سے۔ ”یہ تمہارے زبانی دعوے سینہ زوری اور دھکے بٹا ہی ہے جس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔“

ہر طرح کی عبادت و قربانی رب تعالیٰ کے لیے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ ﷺ کہہ دیں ﴿إِنْ صَلَاتِي﴾ بے شک میری نماز ﴿وَأُتِينِي﴾ اور میری قربانی ﴿وَمَخْيَاي﴾ اور میری زندگی ﴿وَمَمَاتِي﴾ اور میری موت ﴿بِإِذْنِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ یہ تمام چیزیں رب تعالیٰ کے لیے ہیں نماز عبادت ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔ اور نماز کی جتنی حالتیں ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں ہیں۔ مثلاً: ہاتھ باندھ کے کھڑا ہونا، رکوع کے لیے جھکنا، سجدہ کرنا وغیرہ۔

مصافحہ بالیدین اور معانقہ کس طرح اور کب کیا جائے؟

فقہائے کرام رحمہم اللہ بیان فرماتے ہیں اور احادیث میں موجود ہے آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ حضرت! دو آدمی جب آپس میں ملتے ہیں تو کیا مصافحہ کر سکتے ہیں؟ فرمایا کر سکتے ہیں۔ اور سنت مصافحہ دو ہاتھوں سے ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہم اللہ نے صحیح بخاری میں باب قائم کیا ہے المصافحۃ بالیدین مصافحہ دو ہاتھوں سے ہے۔ پھر پوچھا معانقہ بھی کر سکتے ہیں؟ (یعنی کوئی عزیز دوست جب کافی دیر کے بعد ملے تو گلے مل سکتے ہیں) فرمایا ہاں مل سکتے ہیں۔ پھر پوچھا حضرت! کیا بندہ سلام کرتے وقت جھک سکتا ہے؟ فرمایا لا جھک نہیں سکتا۔ مثلاً: دونوں کھڑے ہیں تو سلام کرتے وقت دونوں جھکیں یا ایک جھکے۔ تو

یہ جائز نہیں ہے کہ رکوع کی حالت کے ساتھ مشابہت ہے اور رکوع نماز کا رکن ہے۔

بامر مجبوری جھکنا مستثنیٰ ہے ﴿﴾

اور ایک جھکنا ہے بامر مجبوری۔ اس کی حیثیت اور ہے۔ مثلاً: میں بیٹھا ہوں کوئی آنے والا آ کر میرے ساتھ مصافحہ کرتا ہے تو وہ لازماً جھکے گا۔ اسی طرح کوئی شخص بیمار ہے لیٹا ہوا ہے اس کے ساتھ کوئی شخص مصافحہ کرتا ہے تو جھک کر کرے گا اس جھکنے کی حیثیت اور ہے۔ اس کو رکوع کی حالت پر محمول نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ بامر مجبوری ہے۔ دونوں کھڑے ہوں تو جھکنا جائز نہیں ہے۔

نماز جنازہ میں رکوع و سجود کی ممانعت کی وجہ ﴿﴾

یہی وجہ ہے کہ نماز جنازہ میں رکوع و سجود نہیں ہے۔ کیونکہ دنیا میں عقل مند بھی موجود ہیں اور سطحی قسم کے لوگ بھی ہیں۔ ممکن ہے کوئی کہتا کہ اے مسلمانو! تم تو کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ رکوع و سجود کسی کے لیے جائز نہیں ہے جب کہ جنازہ میں میت تمہارے سامنے ہوتی ہے اور رکوع بھی ہو رہا ہے اور سجدہ بھی۔ اس لیے رکوع و سجود ختم کر دیا گیا اور باقی تمام شرائط نماز والی ہیں بس کھڑے کھڑے دعا کرنی ہے۔

ایک دینی غلط فہمی اور اس کا ازالہ ﴿﴾

بعض قراء اور حفاظ حضرات جب مجمع میں قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں تو ہاتھ باندھ لیتے ہیں۔ یہ بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت کے مطابق مردوں کے لیے اور سینے پر باندھنا عورتوں کے لیے حالت نماز میں ہے۔ لہذا پبلک کے سامنے جلسہ وغیرہ میں نہیں باندھنے، بلکہ چھوڑ دینے ہیں۔

”قربانی“ اور اس کے متعلقات ﴿﴾

اور فرمایا ﴿وَتُسَبِّحُ﴾ اور میری قربانی بھی صرف رب کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی اور کے نام پر قربانی دینا تقرب کی نیت سے قطعاً حرام ہے۔ تقرب کا معنی ہے اس سے کوئی امید رکھ کر کہ میرا فلاں کام ہو جائے اور اگر نہیں دوں گا تو میرا کام خراب ہو جائے گا۔ نفع نقصان کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو نفع نقصان کا مالک سمجھنا شرک ہے۔ باقی ایصالِ ثواب کا مسئلہ جدا ہے۔ وہ اس طرح کہ دے تو اللہ تعالیٰ کے نام پر اور اس کا ثواب جس کو چاہے پہنچائے یہ صحیح ہے۔

خودکشی حرام ہونے کی وجہ ﴿﴾

﴿وَمَعْنَايَ﴾ اور میرا زندہ رہنا بھی رب العالمین کے لیے ہے ﴿وَمَمَاتِي﴾ اور میری موت بھی رب العالمین کے

لیے ہے۔ موت و حیات رب تعالیٰ کے لیے ہے۔ کیونکہ وجود اللہ تعالیٰ کا ہے اس نے دیا ہے اپنا نہیں ہے۔ اسی لیے خودکشی حرام ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں خودکشی کر کے کسی کو تو نقصان نہیں پہنچا رہا اپنی جان ضائع کر رہا ہوں۔ یہ غلط ہے۔ کیونکہ جان اس کی نہیں ہے رب تعالیٰ کی ہے اس کے پاس امانت ہے۔ امانت کو جان بوجھ کر ضائع کرے گا تو سزا ہوگی۔

خودکشی کے بارے میں حدیث کا مفہوم

حدیث پاک میں آتا ہے کہ خودکشی کرتے وقت اس نے جس طرح کی سزا برداشت کی ہے مرنے کے بعد اس کو ہمیشہ وہ سزا دی جائے گی۔ مثلاً: اگر اس نے اپنے آپ کو بلندی سے گرا کر خودکشی کی ہے تو اسے دوزخ کے پہاڑوں سے گرایا جائے گا۔ آگ میں چلتا رہے گا اور گرتا بھی رہے گا۔ اگر پیٹ میں چھرا گھونپا ہے یا گلا کاٹ کے خودکشی کی ہے تو چھرا گھونپتا رہے گا اور گلا کاٹتا رہے گا۔ اور اگر زہر کھایا ہے تو اس کو زہر کھلایا جائے گا اور آگ کی سزا بھی ساتھ ساتھ ہوگی۔ اور مسئلہ یاد رکھنا! کہ جو شخص دیدہ دانستہ خودکشی کو حلال سمجھتے ہوئے کرے تو وہ کافر ہے اس کا جنازہ بھی جائز نہیں ہے۔ مگر عموماً لوگ جذبات میں آ کر خودکشی کرتے ہیں حلال نہیں سمجھتے لہذا گنہگار ہیں کافر نہیں ہیں۔ تو فرمایا میری نماز، قربانی، زندگی اور موت سب رب العالمین کے لیے ہیں۔

ممانعت شرک

﴿لَا شَرِيكَ لَّهِ﴾ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ نہ ذات میں، نہ صفات میں، نہ اس کے کاموں میں اس کا کوئی شریک ہے ﴿وَبَدَّلِكَ أُمَّةً﴾ اور مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں نماز پڑھوں، قربانی دوں اور اپنی موت و حیات کو رب تعالیٰ کے لیے سمجھوں۔

”أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ“ کا مطلب

﴿وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ﴾ اور میں فرماؤں برداروں میں سب سے پہلا ہوں۔ جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو اس کا سب سے پہلے آپ ﷺ نے ہی اقرار کیا ہے کیونکہ اگر خود تسلیم نہ کریں تو دوسروں کو کیا کہہ سکتے ہیں۔ آگے اور بات کا ذکر ہے۔

کفار کا آپ ﷺ کو خود ساختہ کاموں پر آمادہ کرنا

وہ یہ کہ کافر لوگ آپ ﷺ کا پیچھا کرنے سے باز نہیں آتے تھے۔ کبھی ڈراتے دھمکاتے اور کبھی خیر خواہانہ انداز میں آ کر کہتے کہ اے محمد (ﷺ)! یہ گھر گھر لڑائی اور اختلاف آپ کی وجہ سے ہوا ہے اس سے پہلے کوئی جھگڑا اور اختلاف نہیں تھا۔ اس کو ختم کرنے کے لیے اس طرح کرتے ہیں کہ ہم تمہارے رب کو پکارتے ہیں اور تم ہمارے خداؤں، لات، منات، عزیٰ

کو پکارو اور مل جل کر وقت گزاریں۔

اللہ رب العالمین کی طرف سے جواب ﴿﴾

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿أَعُوذُ بِاللّٰهِ اٰبْنِ سَرَّابٍ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا میں تلاش کروں کسی اور کو رب مان لوں ﴿وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ﴾ حالانکہ وہی ہے رب ہر چیز کا۔ میں اس رب کو چھوڑ کر اوروں کو پوجنے کے لیے تیار نہیں ہوں ﴿وَلَا تَلْبَسُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا﴾ اور نہیں کما تا کوئی نفس مگر اس کا وبال اسی پر پڑتا ہے ﴿وَلَا تَزْنُ وَاِنَّهَا وَاِذَا زَنَتْ اُنْزِلَتْ اُخْرٰى﴾ اور نہیں اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ۔ اور سورۃ لقمان میں آتا ہے ﴿لَا يَخْزِيْ وَالِدًا عَنْ وَّلَدٍ لِّمٰمٍ وَلَا مَوْلٰوٌ ذُنُوْبًا لِّمَا عَمِلَتْ اَيْمٰنُ﴾ نہ تو باپ اپنے بیٹے کے کچھ کام آئے گا اور نہ بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آسکے گا۔ ہر ایک کو اپنے کیے کا پھل ملے گا کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

ایک اشکال ﴿﴾

یہاں ظاہری طور پر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے اس کو سمجھ لیں۔ وہ یہ کہ اگر کسی نے کسی کو گمراہ کیا تو یہ گمراہ ہونے والا جو گناہ کرے گا اس کا بوجھ گمراہ کرنے والا بھی اٹھائے گا اور اس کا وبال اس پر پڑے گا۔ تو یہ بظاہر اس آیت کریمہ کے خلاف نظر آتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے کسی کی اصلاح کی، کسی کو نیکی پر لگایا تو جتنی نیکیاں کرنے والے کو ملیں گی اتنی ہی اصلاح کرنے والے کو بھی ملیں گی۔

اشکال کا جواب ﴿﴾

تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس نے کسی کو گمراہ کیا ہے تو یہ گمراہ کرنا اس کا فعل ہے گویا وہ اپنا ہی بوجھ اٹھا رہا ہے۔ اسی طرح کسی کی اصلاح کرنا یہ اصلاح کرنے والے کا فعل ہے۔ تو وہ اپنے فعل کی بدولت نیکیاں کما رہا ہے اور نیکی کرنے والے کی نیکیوں میں بھی کمی نہیں آئے گی۔

نیکی کا ثواب نیکی پہنچانے والے کو بھی برابر ملتا ہے ﴿﴾

مثلاً: آج امت جو نیک عمل کر رہی ہے وہ تمام کے تمام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ اعمال میں بھی درج ہوتے جا رہے ہیں کیونکہ یہ تمام نیکیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے بتلائی ہیں۔ ان کا طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے سکھایا ہے۔ پھر جن جن راستوں سے ہم تک پہنچی ہیں ان کو بھی برابر کا ثواب ملے گا۔ جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، تابعین ہیں، تبع تابعین ہیں، ائمہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ یہ سب کڑیاں اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ یہ قرآن کریم، ام پڑھتے ہیں تو اس کا ثواب ان تمام حضرات کو پہنچتا ہے جن کے واسطے سے ہم تک پہنچا ہے اور ہمیں بھی پورا پورا ثواب ملتا ہے اور ان کو بھی پورا پورا ثواب ملتا ہے۔

ایصالِ ثواب کے متعلق اہم مسئلہ

ایصالِ ثواب کے متعلق بھی ایک مسئلہ سمجھ لیں کہ مثلاً: کوئی آدمی کسی کو قرآن کریم پڑھ کر ثواب بخشا ہے تو پڑھنے والے کو بھی پورے قرآن کا ثواب ملے گا اور جس کو ثواب بخشا ہے اس کو بھی پورے قرآن کا ثواب ملے گا۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ مثلاً: ایک قرآن کا ثواب متعدد کو بخشا ہے مثلاً: والد، والدہ، دادا، دادی وغیرہ کو تو کیا ان پر تقسیم ہوگا یا ہر ایک کو ایک ایک قرآن کا ثواب برابر، برابر ملے گا۔

علامہ شامی اور حضرت گنگوہی کے اقوال

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سب کو پورا پورا ثواب ملے گا اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں کہ سب کو پورا پورا ثواب ملے گا۔ میں بیس یا تیس سال تک متردد رہا کہ یہ سب بڑی اونچی شخصیات ہیں جو فرما رہے ہیں کہ سب کو پورا پورا ثواب ملے گا مگر اس کے لیے کوئی دلیل ہونی چاہیے۔ جب بخاری اور مسلم کی روایت سامنے آئی تو تسلی ہو گئی۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے اپنی کمائی سے ایک روپیہ اپنی بیوی کو دیا کہ اگر کوئی ضرورت مند آئے تو اس کو دے دینا۔ بیوی نے خاوند کی اجازت سے کسی کے پاس امانت رکھ دیا کہ گھر میں رہا تو خرچ نہ ہو جائے۔ ایک سائل نے آکر سوال کیا۔ بیوی نے لونڈی یا خادم کو بھیجا کہ فلاں آدمی کے پاس ہماری امانت پڑی ہے وہ روپیہ لے کر اس فقیر کو دے دے۔ لونڈی یا غلام نے لا کر دے دیا۔ تو حدیث میں آتا ہے کہ کمانے والے کو، بیوی کو اور جس کے پاس امانت رکھا اس کو اور لونڈی یا غلام جس نے اٹھا کر فقیر کو دیا، سب کو ایک ایک روپے کا ثواب ملے گا اور کسی کے اجر میں کمی نہیں آئے گی۔

حج بدل والے کو پورا ثواب ملتا ہے

اسی طرح جو شخص کسی کی طرف سے حج بدل ادا کرتا ہے تو اس کو پورا ثواب ملے گا اور جس کی طرف سے حج بدل کیا ہے اس کا حج بھی ادا ہو جائے گا۔

بوجہ ہر ایک نے اپنا اپنا ہی اٹھانا ہے کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا ﴿قَدْ اِنَّا لَنرٰی سَآئِمًا﴾ پھر تمہیں اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے ﴿فَیَلْبَسْکُمْ﴾ پس وہ تمہیں خبر دے گا ﴿ہَا کُنْتُمْ فِیْہِ تَخْتَلِفُوْنَ﴾ جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔ یعنی جن حق اور صحیح چیزوں میں تم نے اختلاف کیا رب تعالیٰ تمہیں خبر دے گا یعنی ان کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

اللہ ہی ہے جس نے انسان کو زمین کا خلیفہ بنایا

﴿وَهُوَ الَّذِیْ﴾ اور وہ وہی ذات ہے ﴿جَسَدًا﴾ جس نے بنایا تمہیں ﴿مِنْ خَلْقِ الْاِنْسَانِ﴾ زمین کا خلیفہ پہلے تمہارے آباؤ اجداد رہے اور آباؤ اجداد تمہیں اب تم ہو پھر تمہاری اولاد آ جائے گی یہ سلسلہ اسی طرح قیامت تک جاری رہے گا۔

مراتب انسانی

﴿وَرَمَلَمَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ﴾ اور بلند کیا تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں، شکل میں، عقل میں، قد و قامت میں، مال و دولت میں، منصب اور مرتبے میں، کسی کو زیادہ کسی کو کم۔ ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہے کسی کا قد بڑا ہے کسی کا چھوٹا ہے، کوئی زیادہ سمجھ دار ہے اور کوئی کم ہے، کسی کی اولاد زیادہ ہے اور کسی کی تھوڑی ہے، کوئی زیادہ مال دار ہے اور کوئی کم، کوئی اعلیٰ منصب پر فائز ہے کوئی ادنیٰ پر، ایک کی شکل اور ہے اور دوسرے کی شکل اور ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے ہاتل و ہاتیل کا مزاج اور قاتیل کا مزاج اور۔ نوح علیہ السلام کے چار بیٹوں میں سے کنعان کا مزاج اور باقی تینوں کا مزاج اور۔ یہ تفاوت اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق میں رکھا ہے۔

وجہ تفاوت

﴿لِيَلْبِئُواكُمْ﴾ تاکہ وہ تمہارا امتحان لے ﴿فِي مَا آتَيْتُكُمْ﴾ ان چیزوں میں جو اس نے تمہیں دی ہیں ﴿إِنْ سَأَلْتُمْ﴾ بے شک تیرا رب ﴿سَرِيفٌ أَلْعَابِ﴾ جلد سزا دینے والا ہے اور ساتھ یہ بھی یاد رکھو ﴿وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ اور بے شک وہ الیتہ بخشنے والا مہربان ہے۔ نافرمانوں کو سزا دے گا اور اطاعت کرنے والوں کو بخش دے گا اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنی میں اطاعت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

آج مورخہ ۲۵ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ بروز اتوار بمطابق ۱۳ مئی ۲۰۰۷ء سورۃ الانعام مکمل ہوئی۔

بتوفیق اللہ تعالیٰ و عونہ

(مولانا) محمد نواز بلوچ

مہتمم: مدرسہ ریحان المدارس، جناح روڈ، گوجرانوالا





ناشر

لہمانُ اللہ میر سبروان

سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ

0321 8741292